بصائر و عبر

حصہ دوم

رشحاتِ قلم

محدث العصر حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ

جمع و ترتیب

مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار

استاذ و رئیس: جامعہ علوم اسلامیہ

علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

مکتبہ بنوریہ

علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی ۵۰

بصائر و عبر

حصہ دوم

رشحاتِ قلم

حضرت علامۃ العصر محدث کبیر شیخ سید محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ

ترتیب و جمع

مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار

رئیس

مجلس الدعوۃ والتحقیق الاسلامی

نائب رئیس

جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن، کراچی ۵

ناشر

مکتبہ بنوریہ، علامہ بنوری ٹاؤن، کراچی ۵

باب دوم

حالاتِ حاضرہ

فہرست

پاکستان اور اسلام

بینات کے صفحات پر عرصہ سے اس امر کو واضح کرنے کی کوشش کی جارہی ہے کہ :-

دینِ اسلام ہی اللہ تعالیٰ کی وہ آخری نعمت ہے جو اس عالم کو دی گئی ہے اور عصرِ حاضر کی تاریخ میں پاکستان ہی ایک ایسا ملک ہے جو اسلام کے نام پر وجود میں آیا ہے۔

لیکن ان روشن حقائق کے باوجود :-

پاکستان ہی ایسا ملک ہے جہاں نہایت سرعت کے ساتھ اسلام کے نام پر غیر اسلامی معاشرہ پھیل رہا ہے۔

پاکستان ہی وہ بدنصیب ملک ہے جہاں شعوری یا غیر شعوری طور پر اسلامی شعائر، اسلامی خصائص اور اسلامی تہذیب کو دفنایا جارہا ہے۔

پاکستان ہی وہ بدقسمت سرزمین ہے جہاں اسلام کے نام سے غیر اسلامی قانون بنائے اور جاری کئے جارہے ہیں۔

پاکستان ہی وہ خطہ ہے جہاں ملک و ملت کے خزانے کی بھاری رقمیں اسلام کی تحریف پر بہائی جارہی ہیں۔

پاکستان ہی وہ مملکت ہے جہاں آزادیٔ فکر اور آزادیٔ رائے کے بہلنے سے تمام عیسائی مشنریوں کو تمام زنادقہ و ملاحدہ کو دل کھول کر اسلام پر اعتراضات کرنے اور طعن و تشنیع کا نشانہ بنانے کا موقعہ دیا جارہا ہے۔

پاکستان ہی وہ حکومت ہے جس کے جتنے حکمران بھی آئے ہر ایک کے عہدِ حکومت میں پاکستان کے دینی معیار کو بلند کرنے سے غفلت برتی گئی۔

توقع ہوگئی تھی کہ صدر محترم فیلڈ مارشل محمد ایوب خان نے جس طرح پاکستان کی اقتصادی اور سیاسی پوزیشن کو مضبوط کر دیا ہے، شاید ان کے عہد میں دینی اقدار کو بھی استحکام نصیب ہو جائے اور اُن کی وہ انحطاط پذیر حیثیت نہ رہے جو سابق ادوار میں رہی ہے لیکن افسوس : ع

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

تعجب و تأسف کا مقام یہ ہے کہ ایک طرف تو "قراردادِ مقاصد" اور "دستور" میں یہ طے کیا جائے کہ کتاب و سنت پر پاکستان کے قانون کا مدار ہوگا اور کتاب و سنت کے خلاف کوئی قانون نہیں بنایا

جائے گا۔

لیکن دوسری طرف جو قانون بنائے جائیں کتاب وسنت کے خلاف بنائے جائیں۔

اور صرف اتنا ہی نہیں کہ کتاب وسنت کے خلاف قانون بنائے جائیں بلکہ ستم ظریفی یہ ہے کہ اسی کے ساتھ یہ بھی قانون بنا دیا جاتا ہے کہ ان قوانین کو بڑی سے بڑی عدالت میں بھی چیلنج نہیں کیا جاسکتا۔ بتیس ۳۲ جدید قوانین ایسے بنائے گئے ہیں۔ جن میں عائلی قانون بھی شامل ہے۔ جن کی حفاظت کے لئے قانون بنایا گیا ہے کہ ان کو کسی عدالت میں چیلنج نہیں کیا جاسکتا۔ إنا للہ وإنا الیہ راجعون

آخر اس تلبیس کی کیا ضرورت ہے، "قرار دادِ مقاصد" ہی کو کیوں نہیں ختم کر دیا جاتا، "سابق دستور" کو کیوں نہیں منسوخ کر دیا جاتا پھر جو قانون مزاج چاہے بنایئے۔

بہر حال اس پر آشوب صورت حال میں ہمارے محترم ایس ایم ظفر وزیر قانون کا حالیہ بیان جو ۲۰ ستمبر ۱۹۶۶ء کی "پریس کانفرنس" میں انہوں نے دیا ہے وہ ان مایوس کن گھٹاؤں میں امید کی اک ہلکی سی کرن ہے، موصوف فرماتے ہیں:۔

اسلام ہی ایک ایسا مضبوط رشتہ ہے جو مشرقی اور مغربی پاکستان کی یک جہتی کو قائم رکھ سکتا ہے، پاکستان میں مسلم معاشرہ کی تشکیل کے لئے پروگرام مرتب کیا گیا ہے، نوجوانوں کو اسلامی تعلیمات سے روشناس کرایا جائے گا اور اس سلسلہ میں ایک جامع کتاب اسلامی قوانین شائع کی جائے گی جس پر آئندہ قانونی عمل درآمد ہوگا۔

اس امید افزا اعلان سے کون مسلمان ہے جو خوش نہ ہوگا اور وزیرِ محترم کو خراج تحسین نہ پیش کرے گا۔ لیکن جن باتوں سے یہ "عظیم" کام انجام پائے گا بیان میں جو کچھ اس کی تفصیل آئی ہے، افسوس کہ اس کی بھیانک تاریکی میں وہ امید کی کرن ایسی تہ بہ تہ ظلمتوں میں چھپ جاتی ہے کہ آئندہ کے لئے کوئی امید باقی ہی نہیں رہتی، فرمایا ہے:۔

یہ کام ادارۂ تحقیقات اسلامی کے سپرد کیا گیا ہے اور ماہنامہ فکر ونظر (اردو) اسلامک اسٹڈیز (انگریزی)، الدراسات الاسلامیہ (عربی)، الأمة (انگریزی) کے ذریعہ سے ادارہ کے محققین۔ پروفیسروں، ریڈروں، ریسرچ فیلوز اور ریسرٹروں۔ کی نگرانی میں ہو رہا ہے۔

یہ وہ مایوس کن تفصیل ہے جس نے جو امید بندھی تھی اس کو خاک میں ملا دیا اور بدرجہ مجبوری راقم الحروف نے پریس کو ایک بیان دیا جو ۲۶ ستمبر ۶۶ء کے مؤقر روزنامہ جنگ کراچی میں شائع ہو چکا ہے اور اس میں یہ کہنا پڑا کہ ڈاکٹر فضل الرحمٰن کی نگرانی میں اب تک جو "تحقیقی کارنامے" منظر عام پر آئے ہیں ان کو دیکھتے ہوئے یہ توقع غلط ہے کہ ان کی نگرانی میں اور ان کے قلمی رفقاء کے ذریعہ کوئی صحیح کام ہو سکے گا یا کوئی "معیاری اسلامی کارنامہ" وجود میں آئے گا اور ساتھ ہی یہ بھی صاف صاف کہہ دیا کہ اگر اس ملک کے مقتدر علماءِ دین پر اعتماد نہیں ہے اور ان کی تنگ نظری کا شکوہ ہے تو پھر ممالکِ اسلامیہ۔ شام، مصر، عراق، حجاز، الجزائر وغیرہ۔ سے ایسے چند ممتاز علماء و محققین کو جو جدید و قدیم علوم کے ماہر ہوں کچھ عرصہ کے لئے اس کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لئے دعوت دی جائے مثلاً

(۱) ڈاکٹر محمد مصطفےٰ زرقاء (۲) ڈاکٹر محمد مبارک کو دمشق سے (۳) ڈاکٹر عبداللہ بن محمد جبر طرابلسی کو بیروت سے (۴) ڈاکٹر عمر بہاء الامیری کو حلب سے (۵) ڈاکٹر محمد عبداللہ العربی (۶) اور ڈاکٹر ابو زہرہ کو قاہرہ سے۔

یہ حضرات وہ ممتاز اہلِ علم ہیں جن سے حکومتِ پاکستان بھی متعارف ہے چنانچہ ۱۹۵۸ء میں جو انٹرنیشنل کلوکیم لاہور میں ہوئی تھی، یہ سب حضرات اس میں شامل تھے اور ڈاکٹر جبر طرابلسی کو تو اس کے بعد مؤتمر عالم اسلامی کی ایک کانفرنس میں بھی نمائندگی کا موقعہ دیا گیا تھا۔

لیکن اگر مدارِ کار ادارۂ تحقیقات اسلامی کے موجودہ "اربابِ تحقیق" پر رہا اور یہی ڈاکٹر فضل الرحمٰن، مسٹر کمال فاروقی، مسٹر رفیع اللہ خان اور عمر احمد تھانوی جیسے حضرات ہی متوقع اسلامی معاشرہ کی تشکیل اور قوانینِ اسلام کی تدوین کے روحِ رواں رہے تو پھر: ؏

قیاس کن ز گلستانِ من بہارِ مرا

تعجب اس پر ہے کہ اگر اتفاق سے ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی میں بعض ایسے افراد آگئے ہیں جن سے کسی قدر صحیح کام کی امید ہو سکتی ہے تو یا تو ان کو نہایت سرعت کے ساتھ ان کے دینی تصلب کی بناء پر علیحدہ کر دیا گیا ہے یا ان کو عضوِ معطل بنا کر ڈال دیا گیا ہے ان سے اسلامی موضوعات پر کام کرایا جاتا ہے مگر ان کے صحیح کام میں قطع برید کر کے اسے اپنے منشا کے سانچے میں ڈھال لیا جاتا ہے۔

بہرحال ۸ ستمبر ۱۹۶۶ء کے روزنامہ جنگ میں مدیر محترم نے ایک قیمتی شذرہ اپنے ایڈیٹوریل نوٹ

کے ذیل میں اس موضوع پر لکھ کر حکومت کو متوقع فتنہ سے بروقت متنبہ کیا ہے، ہم شکریہ کے ساتھ قارئین بینات کے لئے اس کو نقل کرتے ہیں۔

اسلام کا قانون

مرکزی وزیرِ قانون مسٹر ایس ایم ظفر نے بتایا ہے کہ اسلامی تحقیق کا ادارہ اس وقت "اسلام کا قانون" نامی ایک کتاب مرتب کر رہا ہے، یہ کتاب تقریباً چار سال میں مکمل ہو گی اور وزیرِ قانون کا کہنا ہے کہ اسے عدالتوں کی رہنمائی کے لئے استعمال کیا جا سکے گا، مسٹر ظفر نے یہ بھی بتایا ہے کہ اس کتاب میں اسلامی قوانین پر جدید و قدیم علماء کے افکار شامل ہوں گے اور اس پر تعمیری تنقید کا خیر مقدم کیا جائے گا تاکہ بعد کے ایڈیشنوں کو بہتر بنایا جا سکے، ظاہر ہے پاکستان اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا تھا اور اس ملک میں اسلام کا قانون ہی چلنا چاہیئے، لیکن مغرب کی غلط تقلید نے پاکستان کے "تعلیم یافتہ" طبقہ کو کچھ اس طرح گمراہ کیا کہ اسلام کے نام پر حاصل کی جانے والی اس مملکت میں اسلام سے اکثر انحراف ہوتا رہا، اسلام کو پوری قومی زندگی پر حاوی دیکھنے والے حلقے یقیناً وزیرِ قانون کے اس اعلان کا خیر مقدم کریں گے لیکن اس کتاب کی تدوین میں اس بات کا خاص خیال رکھنا ہوگا کہ قدیم کے ساتھ جدید علماء کے افکار پیش کرنے کی کوشش میں قرآن و حدیث کے مطلب و معنی کو غلط رنگ میں پیش نہ کیا جائے، اس کتاب کی ترتیب کا خیال بہت نیک ہے لیکن مسودہ کو قطعی صورت دینے سے قبل انتہائی احتیاط کے ساتھ اس کی جانچ ہونی چاہیئے، اس لئے کہ مختلف ادوار میں اسلام کو دانستہ یا نادانستہ مسخ کرنے کی کوششیں ہوتی رہی ہیں، ہم اسلام کی سربلندی کے علمبردار ہیں، ہماری ذراسی لغزش سے ایک نیا فتنہ کھڑا ہو سکتا ہے، لہٰذا اسلام کو بروئے کار لانے کے اقدامات میں ہمیں ضرورت سے زیادہ محتاط رہنا ہوگا، امید ہے اسلامی تحقیق کا ادارہ صحیح اسلامی اسپرٹ سے کام لے گا اور اس کتاب کی اشاعت سے قبل تمام اسلام پسند حلقوں کا تعاون حاصل کرنے کی کوشش کرے گا تاکہ بعد میں تعمیری نکتہ چینی کے بجائے کوئی نیا فتنہ کھڑا نہ ہو جائے۔ (روزنامہ جنگ ۱۶ ستمبر ۱۹۶۶ء)

گذشتہ چند سال کے تلخ تجربوں کی روشنی میں مدیر موصوف نے جو نتیجہ اخذ کیا ہے وہ بالکل صحیح ہے۔ ظاہر ہے کہ جب تک وزیرِ قانون یہ کام قابلِ اعتماد اربابِ تحقیق کے سپرد نہیں کریں گے ہرگز قابلِ اطمینان اور ملک و ملت کے لئے قابل قبول نہ ہوگا، بلکہ بقول مدیرِ موصوف ملک میں ایک نیا فتنہ کھڑا ہو جائے گا، بقول شاعر ؎

این رہ کہ تو می روی بترکستان است

واضح رہے کہ اگر حکومت یا وزیرِ قانون کی نیت بخیر ہے اور امت و ملت کو کسی غلط فہمی میں مبتلا کرنا مقصود نہیں ہے اور واقعی دینِ اسلام کا صحیح قانون بنانا ہی مقصود ہے اور اب تک پاکستان میں جو کچھ ہوا ہے اس کی تلافی کرنے کا عزم ہو چکا ہے تو قطعًا اس کی ضرورت ہے کہ "رجالِ کار" کا صحیح انتخاب کیا جائے اور ممالکِ اسلامیہ سے ایسے صحیح "رجالِ کار" کو بلا کر یہ کام سپرد کیا جائے جن میں اسلام و ایمان کی پختگی کے ساتھ ساتھ جدید و قدیم علوم سے واقفیت بھی اعلیٰ درجہ کی ہو یعنی شریعتِ محمدیہ کے نہ صرف قوانین و احکام جانتے ہوں بلکہ شریعتِ محمدیہ کے "مزاج شناس" ہوں اور عصرِ حاضر کے دینی تقاضوں کو اور پاکستانی مسلمانوں کے دینی مزاج و خواہشات کو جانتے ہوں۔

اگر ان حضرات کے بجائے کہیں یورپ و امریکہ سے چند مستشرقین کو بلایا گیا اور اسمتھ اور شاخت جیسے اعداءِ اسلام سے اس کام کی تکمیل کرائی گئی تو اس "مضحکہ خیز طریقہ کار" کی نہ صرف پاکستانی مسلمان بلکہ دنیا کا کوئی بھی مسلمان تحسین نہیں کر سکتا بلکہ یہ صورتِ کار جہاں اسلامی عزت، دینی حمیت، ملکی مصلحت کے خلاف اور اپنی بے دینی و بدنیتی کا واضح ثبوت ہوگی، ساتھ ہی اس ملک کے عوام میں شدید اور دور رس انتشار پیدا کرنے کے مترادف اور بقول مدیرِ جنگ ایک نئے فتنہ کا دروازہ کھولنا ہوگا، اس دردناک صورتِ حال سے بدرجہا بہتر یہ ہے کہ صاف اعلان کر دیا جائے کہ اس ملک کے اندر "رومن لاء" یا "سوئیزرلینڈ کا قانون" یا امریکہ یا لندن کا قانون نافذ کیا جائے گا لیکن اگر اسلام کے نام سے ہمارے سروں پر کفر کے قانون کو مسلط کرنے کی کوشش کی تو یاد رہے کہ اس ملک کے اندر غیر مختتم انتشار و اضطراب کا سلسلہ رونما ہوگا اور اس کے جو بدترین سیاسی نتائج نکلیں گے اس کی ذمہ داری انہی سربراہانِ حکومت پر ہوگی جو دیدہ دانستہ اس "عظیم گناہ" کے مرتکب ہوئے ہوں گے جب موجودہ "ادارۂ تحقیقات" کا یہ عملہ باوجود دعویٰ اسلام و ایمان اور دعویٰ دین کے اسلامی قانون کی تشکیل کے لئے اہل نہیں تو

شاخت اور اسمتھ جیسے مستشرقین عیسائی اور یہودی کیسے قابل اعتماد ہو سکتے ہیں اور یہ کہنا قطعاً کھلا ہوا فریب ہے کہ ہم ان مستشرقین کو "طریق کار" سکھانے کے لئے بلاتے ہیں جیسا کہ موجودہ ڈائرکٹر صاحب نے اب سے تین سال پہلے اپنے ایک ڈان مورخہ ۹ ۱۰/۶۳ میں شائع شدہ "انٹرویو" میں کہا تھا۔ کچھ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کراچی میں رہ کر ان کو اس اقدام کی جرأت نہیں ہو سکی ہے اسی لئے ادارہ کو اسلام آباد راولپنڈی لے گئے ہیں، بہر حال ہم اس اقدام کے انتہائی خطرناک نتائج سے بروقت حکومت اور وزیر قانون کو متنبہ کرتے ہیں، "جدید طرز تحقیق" کے ان سے بدرجہا بہتر ماہرین اس وقت اسلامی ممالک میں موجود ہیں جن کے تحقیقی شاہکار ان مستشرقین کے علی الرغم شائع ہو چکے ہیں۔

مزید وضاحت اور قارئین کی معلومات میں اضافہ کی غرض سے ادارۂ بینات روزنامہ حریت کراچی ۸ ستمبر ۶۶ء میں رفیق محترم مولانا مفتی ولی حسن کا اسی موضوع پر شائع شدہ مضمون پیش کرتا ہے:-

اسلامی قوانین کی ترتیب و تدوین کے لئے تحقیقاتی جدوجہد

محترم وزیر قانون نے ۳۰ اگست ۱۹۶۶ء کو راولپنڈی کی ایک پریس کانفرنس میں ایک اہم حقیقت کا اظہار فرمایا ہے کہ: "پاکستان میں اسلامی نظریہ کو محوری حیثیت حاصل ہے، ملک کے دونوں صوبوں کے درمیان یکجہتی کے لئے اسلام ایک مستقل قوت ہے اس لئے نئی نسل کو اسلامی تعلیمات سے روشناس کرانا ضروری ہے۔" ہم محترم وزیر قانون کے اس خیال کی پُر زور تائید کرتے ہوئے ان سے گذارش کرتے ہیں کہ آپ کے یہ الفاظ پاکستان کے دس کروڑ عوام کے دلوں کی آواز ہے "اسلامی نظریۂ حیات" پاکستان کی روح ہے اس مملکت کا قیام بھی اسی نظریہ کے لئے ہوا، اس کی بقاء بھی اسی نظریہ میں مضمر ہے اور اس کی کامیابی بھی اسی کی رہین منت ہو سکتی ہے، پاکستان کے دونوں صوبوں کے درمیان وسیع خلیج کو یہی نظریۂ حیات پاٹ سکتا ہے کیونکہ دونوں صوبوں کے درمیان اگر کوئی چیز مشترک ہے تو وہ اسلام اور صرف اسلام ہے اس لئے اس رشتہ کو جس قدر مضبوط کیا جائے گا اسی قدر پاکستان مضبوط ہوگا اس کے دونوں صوبے ایک دوسرے سے قریب تر آجائیں گے جس طرح حصول پاکستان کے وقت متحد تھے اور

دونوں صوبوں کے درمیان علیحدگی پسند عناصر کا فتنہ اپنی موت آپ مرجائے گا۔

نئی نسل کو اسلامی تعلیمات سے روشناس کرانا ضروری ہے ہماری نئی نسل پر مادیت کے سائے گہرے ہوتے جارہے ہیں اللہ تعالےٰ اور اس کے برگزیدہ دین سے یہ نہ صرف ناواقف بلکہ منحرف ہیں ہمارے "تعلیمی ادارے" اس سلسلے میں جو کردار ادا کر رہے ہیں اس سے آپ بے خبر نہیں ہیں۔

محترم! ادارۂ تحقیق اسلامی کے بارے میں آپ نے جو کچھ فرمایا ہے وہ ہمارے لئے محلِ نظر ہے ہم اپنی معروضات بصد ادب پیش کر رہے ہیں، امید ہے کہ آپ ہماری معروضات پر ٹھنڈے دل سے غور فرمائیں گے۔ ہمارے اس ملک میں "ادارۂ تحقیق اسلامی" کی ضرورت اپنی جگہ مسلّم کیونکہ آپ نے جن موضوعات کی نشاندہی فرمائی ہے، واقعی ان پر کام کرنے کی ضرورت ہے مثلاً "اسلامی قانون" کی ترتیب و تدوین، اسلام کا سماجی نظام، اسلام کے اقتصادی اصول، اسلام کا سیاسی نظام وغیرہ لیکن ہمیں بصد افسوس عرض کرنا پڑتا ہے کہ موجودہ "ادارہ تحقیق اسلامی" جس پر ملک کا لاکھوں روپیہ خرچ ہو رہا ہے اپنے مقصد تاسیس سے نہ صرف بہت دور بلکہ اس کی ضد ہے۔

محترم! آپ نے "ادارہ تحقیق اسلامی" کے مقصدِ تاسیس کو اس طرح بیان فرمایا ہے:۔

"ادارہ کا بنیادی مقصد عوام الناس کو اپنی زندگی اسلامی تعلیمات کے مطابق گذارنے میں مدد دینا ہے۔" اس مقصد کو سامنے رکھ کر جب ہم ادارہ کے اب تک کے کام کا نہایت اخلاص سے جائزہ لیتے ہیں تو ہم کو شدید مایوسی ہوتی ہے ادارے کے قیام کو ایک عرصہ ہو گیا لیکن اس کی طرف سے اب تک اسلام کی کوئی قابلِ ذکر خدمت سامنے نہیں آئی ہمیں تو ایسا نظر آتا ہے کہ ادارہ ایک "نئے اسلام" کی داغ بیل ڈال رہا ہے جس سے یہاں کے عوام سخت انتشار میں مبتلا ہو گئے ہیں، اس "نئے اسلام" کے بنیادی خطوط بطور نمونہ درج ذیل ہیں جن سے آپ ادارہ کے دانشوروں، علماء محققین، پروفیسروں، ریڈروں، ریسرچ فیلوز کے ذہنی رُخ کا بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں:۔

۱۔ قرآنی احکام ابدی نہیں بلکہ ان کی علل غایات ابدی ہیں۔

۲۔ حدیث رسول اللہ علیہ وسلم زمانۂ مابعد کی پیداوار ہیں۔

۳۔ سنت ہر زمانہ کے رسم ورواج کا نام ہے۔

۴۔ شرعی سزائیں قابل تبدیلی ہیں۔

۵۔ قرآن ایک اخلاقی کتاب ہے۔

۶۔ جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ قرآن میں بنا بنایا قانون موجود ہے وہ جاہل اور کم فہم ہیں۔

۷۔ بینک کا سود حلال ہے۔

۸۔ زکوٰۃ مالی عبادت نہیں بلکہ ٹیکس ہے۔

۹۔ زکوٰۃ کی شرح میں اضافہ ہونا چاہیئے۔

۱۰۔ بیئر شراب حلال ہے وغیرہ وغیرہ۔

ہم نے اس مختصر مراسلے میں صرف چند ارشادات پر اکتفا کیا ہے، آپ اگر اس سلسلہ میں تحقیق کرنا چاہیں (جس کی ذمہ داری ادارہ کا صدر ہونے کی بنا پر آپ پر بھی عائد ہوتی ہے) تو ہم "ادارۂ تحقیق اسلامی" کے اب تک کے کام کا تفصیلی جائزہ لینے میں آپ کا ہاتھ بٹا سکتے ہیں، ان محققین بلکہ متجددینِ عصر کی تحقیقات کو صحیح اسلام کی روشنی میں آپ کو دکھا سکتے ہیں کہ یہ حضرات کس مشن کے تحت اسلامی تحقیقات کر رہے ہیں۔

جہاں تک اسلامی قوانین کی ترتیب وتدوین کا تعلق ہے تو اس بارے میں عرض ہے کہ "ادارۂ تحقیق اسلامی" ترتیب وتدوین کا مطلب یہ سمجھتا ہے کہ کتاب وسنت کے منصوص ومقررہ احکام میں بھی ترمیم و اضافہ کیا جائے زمانہ اور حالات کو کتاب وسنت کے ماتحت نہ کیا جائے بلکہ خود کتاب وسنت کو زمانہ اور حالات کے ماتحت کر دیا جائے، یہ نظریہ اور اندازِ فکر اسلام کے لئے نہایت خطرناک اور مہلک ہے، اس طرح تو یہ "دینِ قیم" بازیچۂ اطفال بن جائے گا اور اپنی "ابدیت" کھو بیٹھے گا، ترتیب وتدوین کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ کتاب وسنت اور فقہاء مجتہدین کی کاوشوں اور تحقیقات کی روشنی میں جدید ترتیب وتہذیب کے ساتھ ایک ایسا "مجموعۂ قوانینِ اسلام" مرتب کیا جائے جس میں منصوص

احکام کو جوں کا توں باقی رکھ کر فقہاءِ امت کی تحقیق کی پیروی کی جائے اور جدید مسائل اور پیش آمدہ صورتوں کو قرآن و سنت اور فقہ کی روشنی میں حل کیا جائے۔

"ادارۂ تحقیق اسلامی" سے اس ملک کے عوام کو بڑی توقعات تھیں کیونکہ اسلام کو اس ملک میں پھولتا پھلتا دیکھنا ان کی سب سے بڑی آرزو ہے اور جب اس ادارہ کی بنیاد رکھی گئی تو عوام کے دلوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی تھی اور لوگ کہنے لگے تھے کہ حکومت نے بالکل صحیح قدم اٹھایا ہے لیکن ادارہ کے کام کو دیکھ کر توقعات سراب سے زیادہ ثابت نہیں ہوئیں اب ان کے دلوں میں ناقابلِ تردید شکوک و شبہات بلکہ ناقابلِ برداشت "جراحتیں" ہیں جو ادارہ کے نام نہاد علمائے محققین نے اسلام کے خلاف کام کر کے ان کے قلوب میں ڈالی ہیں جن کے پس منظر کی اطلاع بہت کچھ آپ کو بھی ہے۔

محترم! "ان جراحتوں کا مرہم پریس کانفرنس نہیں بلکہ ادارہ کا صحیح رخ موڑنا ہے ادارہ کا قبلہ شروع سے اب تک میکگل یونیورسٹی، یہودی و نصرانی مستشرقین کی تحقیقات ہیں، آپ اس کا رُخ کعبۃ اللہ، قرآنِ کریم، حدیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور فقہاءُ و محدثین و مفسرینِ اسلام کی طرف موڑ دیجیے، لوگوں کی جراحتیں "مندمل" ہو جائیں گی اور اسلام اور ملک و ملت کو ان سرنگوں سے نجات مل جائے گی جو زیرِ زمین بچھائی جا رہی ہیں اور اس ملک کے عوام آپ کو اسلام کے وکیل اور کامیاب وزیر قانون کی حیثیت سے ہمیشہ یاد رکھیں گے۔

جمادی الثانیہ ۱۳۸۶ھ ، اکتوبر ۱۹۶۶ء

اسلام اور پاکستان [1]

ہمارے ملک کے نامور قانون دان جناب تنزیل الرحمٰن صاحب ایم اے، ایل ایل بی ایڈووکیٹ مشیرِ قانون ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی پاکستان "مجموعہ قوانینِ اسلام" کے نام سے اسلامی قانون کی تدوین کا کام کر رہے ہیں، اس کی پہلی جلد پر جو قانونِ نکاح پر مشتمل تھی "بینات" میں تفصیلی تبصرہ کیا جا چکا ہے، دوسری جلد جو قانونِ طلاق پر مشتمل ہے ہمیں کچھ دن ہوئے موصول ہوئی ہے، مصنفِ محترم اس مقدمہ میں اسلامی قانونِ طلاق کے بالمقابل یہودی، عیسائی اور ہندو مذاہب نیز ترقی یافتہ مغربی ممالک کے رائج الوقت "قانونِ طلاق" کا جائزہ لیتے ہوئے آخر میں اپنے "نتیجۂ فکر" کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں:۔

"حقیقت یہ کہ ان نام نہاد "ترقی یافتہ قوانین" کے مقابلہ میں اسلامی قانونِ طلاق توازن، عدل و انصاف، رواداری، اخلاق و عصمت کی محافظت، محبت و مودت، مقاصدِ نکاح کے حصول، نجاتِ اخروی، مصلحتِ عامہ اور انسانی فطرت کے اصولوں پر قائم ہے اور ہم فخر کے ساتھ دنیا کے سامنے یہ دعویٰ کر سکتے ہیں کہ چودہ سو سال پہلے جو قانون اللہ تعالےٰ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) نے عطا کیا ہے وہ مغربی دنیا کے موجودہ قوانینِ طلاق سے افضل اور بدرجہا بہتر ہے (اس دعوے کے ثبوت میں انتہائی انکسار اور عاجزی کے ساتھ یہ کتاب حاضر ہے) دراصل مغربی دنیا کا قانون اخلاقی قانون کے ساتھ قائم نہیں رہ سکتا اور نہ ہی نکاح کے دیوانی نتائج، مذہبی نتائج کے مطابق ہو سکتے ہیں اس کا اعتراف خود ہالسبریز لاز آف انگلینڈ مرتبہ: لارڈ سیمانڈس جلد ۱۳ صفحہ ۴۳۳ پر کیا گیا ہے۔"

وسیع مطالعہ، طویل غور و فکر اور مسلسل تحقیق و ریسرچ کے بعد ایک مسلمان ماہرِ قانون جس نتیجہ پر پہنچا ہے اسے متعدد غیر مسلم انصاف پسندوں نے بھی تسلیم کیا ہے مگر چونکہ وہ اعترافِ حقیقت کے باوجود خود

---

[1] حضرت اقدس مولانا بنوری مدفیضہم علالت کی بنا پر "بصائر و عبر" نہیں لکھ پائے البتہ آپ نے چند اشارات لکھ کر عنایت فرمادئے حضرت مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانوی نے ذیل کی تحریر ان ہی اشارات کی روشنی میں سپردِ قلم کی ہے۔

"اسلامی قانون" پر ایمان لانے سے محروم رہے ہیں اس لئے ہم انہیں کوئی اہمیت نہیں دیتے نہ انہیں یہاں نقل کرنا چاہتے ہیں۔

انسان کے خود ساختہ قوانین خواہ وہ مشرق والوں کے ہوں یا مغرب والوں کے، امریکہ اور انگلینڈ کے ہوں یا روس اور چین کے، دقیانوسی دور کے ہوں یا آج کی ترقی یافتہ تہذیبوں کے، خدائے خالق و مالک کے نازل کردہ قوانین کے مقابلہ میں ان کی حیثیت وہی ہے جو خالق کے مقابلہ میں مخلوق کی ہو سکتی ہے، ملحد سے ملحد تہذیبیں بھی "انسانی فطرت" کو بہرحال تسلیم کرتی ہیں اور یہ کہ انسان اپنی "فطرت" کے تابع ہے: "انسانی فطرت" کے تمام تقاضوں، اس کی ضرورتوں، آسائشوں اور مضرتوں کا ٹھیک ٹھیک علم بھی انسان کو نہیں بلکہ خود "خالقِ فطرت" ہی کو ہو سکتا ہے وہی اس کی صحیح نشو ونما کر سکتا ہے اور اسی کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ "فطرت" کی راہنمائی کے لئے قانون سازی کرے، یہ کام نہ خود فطرت انجام دے سکتی ہے نہ انسان جو اپنے صحیح یا غلط فطری تقاضوں کے سامنے سپر انداز ہے۔

قانون کا بنیادی مقصد اہم ترین مقصد عدل و انصاف کو بروئے کار لانا اور انسانیت کو ظلم و جور اور بہیمیت و درندگی کے چنگل سے نجات دلانا ہوتا ہے، لیکن اگر خود قانون کجروی اور درندگی کی آماجگاہ بن جائے، قانون سازاداروں پر ظلم پیشہ درندوں کا تسلط ہو جائے اور وہ اپنی پست اور گھٹیا خواہشات کے مطابق اندھا دھند قانون سازی کرنے لگیں تو ظاہر ہے کہ قانون، حفاظتِ عدل کے بجائے ظلم و عدوان کا پشتیبان اور پاسبان بن کر رہ جائے گا، اس خطرہ سے بچنے کے لئے ضرورت ہوگی کہ "عدل" کا مفہوم متعین کیا جائے اور اسے "ظلم و عدوان" سے ممتاز کیا جائے: "عدل" کیا ہے؟ اور "ظلم" کسے کہتے ہیں؟ یہ ایک ایسا نکتہ ہے جس کے بغیر قانون کا سارا دفتر لغویت و ہذیان کا پلندہ بن کر رہ جاتا ہے اور ہمیں یہ سن کر حیرت ہوتی ہے کہ دنیا کے اعلیٰ ترین مفکر اور ماہرینِ قانون "عدل" کا ایسا مفہوم متعین کرنے سے عاجز ہیں جو تمام انسانیت کے لئے یکساں قابل قبول ہو اور جو شخص یہ نہیں جان سکتا کہ عدل کیا ہے، آخر کس قانون سے اسے قانون سازی کا حق حاصل ہے؟ ایک حق تعالیٰ ہی کی ذات ایسی ہے جس کا علم کائنات کے ذرہ ذرہ کو محیط ہے اور جس کی رحمت ساری انسانیت بلکہ ساری کائنات کے لئے عام ہے، انسانوں کے کسی خاص گروہ سے اس کا مفاد وابستہ نہیں، وہی انسانیت کے لئے "عدل" کا ٹھیک ٹھیک مفہوم متعین کر سکتا ہے اور اسی

کا نازل کردہ قانون "قانونِ عدل" کہلانے کا مستحق ہے، قانونِ الٰہی کے سوا دنیا کے خود تراشیدہ قانون نہ عدل و انصاف کے تقاضوں کو پورا کر سکتے ہیں، نہ انسانیت کو ظلم و ستم کے آہنی پنجے سے نجات دلا سکتے ہیں، حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:-

«لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ» الحدید

ہم نے اپنے پیغمبروں کو کھلے کھلے احکام دے کر بھیجا اور ہم نے ان کے ساتھ کتاب کو اور انصاف کرنے ترازو کو نازل کیا تاکہ لوگ اعتدال پر قائم رہیں۔

جرم اور سزا کے درمیان وہی رشتہ ہے جو مرض اور دوا کے درمیان ہے، ایک ماہر طبیب مرض کی نوعیت، اس کے اسباب و عوارض اور اس کے آثار و نتائج کو سمجھتا ہے، مریض کی عادت و نفسیات کا بغور مطالعہ کرتا ہے اس کے محلِ بود و باش اور تقاضائے سن و سال کو سوچ سمجھ کر اس کے لئے نسخہ تجویز کرتا ہے، طریقۂ استعمال بتاتا ہے، غذا و پرہیز کی بابت ہدایات دیتا ہے، لیکن ایک عطائی کو ان چیزوں سے سروکار ہے نہ اہلیت، اس نے کہیں سے سن لیا کہ فلاں مرض کے لئے فلاں دوا مفید ہے بس وہ دوا اٹھائی اور لوگوں کو دینا شروع کر دی، اس کے بعد مریض کی قسمت کہ وہ جئے یا مرے۔

انسانیت کے امراض اور ان کا علاج

جرائم انسانیت کے سب سے بڑے امراض ہیں اور قانون کے ذریعہ ان امراض کا علاج کیا جاتا ہے، قانون کا سب سے مشکل مرحلہ جرم اور سزا کے درمیان توازن کا قائم کرنا ہے اور ایسی ترازو دنیا کے کسی کارخانے میں تیار نہیں ہوتی جس سے جرم کے آثار و نتائج کا وزن کر کے اس کے ہم وزن سزا تجویز کی جائے، یہی وجہ ہے کہ انسانی قانون کی تمام تر درازدستیوں کے باوجود "مہذب ممالک" میں گھناؤنے جرائم کی رفتار تیز سے تیز تر ہوتی جا رہی ہے اور جب تک دنیا اس "انبیائی میزان" کے مطابق جرم و سزا کا موازنہ نہیں کرتی اس وقت تک انسانیت پر جنگل کا قانون نافذ رہے گا اور انسانیت ظلم و عدوان کے پنجے میں سسکتی بلکتی رہے گی۔

یہی میزانِ نبوت ہمیں بتاتی ہے کہ "زنا" اپنے اندر تعفن اور گندگی کی کتنی مقدار رکھتا ہے اور اس کا علاج کتنے پتھروں یا کوڑوں سے ہونا چاہئے اور کسی کے مال پر ناجائز ہاتھ ڈالنا کتنا بڑا معاشرتی

روگ ہے اور اس کا علاج صرف "ہاتھ کاٹنے" سے ہو سکتا ہے جو شخص فالج کا علاج کونین سے اور موتیا بند کی تدبیر "اسپرو" سے کرنا چاہتا ہے وہ جاہل مریض کا دوست نہیں دشمن ہے اور جو شخص قتل کا علاج اتنے سال کی قید سے اور ڈکیتی کا علاج اتنے ماہ کی قید سے کرنا چاہتا ہے وہ قانون ساز نہیں، انسانیت کا قاتل ہے یہی وجہ ہے کہ آج مہذب ممالک کے جیل خانے جرائم کی تربیت گاہ بن کر رہ گئے ہیں، مجرم جب سزا کاٹ کر واپس آتے ہیں تو مرضِ جرم سے شفایاب ہو کر نہیں نکلتے بلکہ عادی مجرم بن کر آتے ہیں الا ماشاء اللہ۔

اللہ تعالےٰ جل شانہٗ کا کامل و مکمل آخری قانون

خدائے برتر کا آخری قانون اپنی جامع اور کامل ترین صورت میں حضرت خاتم النبیین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا، اس نے انسانیت کے لئے عدل وانصاف، مؤدت ورحمت، ہمدردی وخیر خواہی اخوت ومؤاسات اور سکون واطمینان کی وہ فضا پیدا کی جس کی مثال چشم فلک نے کبھی نہ دیکھی تھی، یہ ایک ایسا خود کار نظام تھا جس کی بدولت اوّل تو جرائم کی تعداد گھٹتے گھٹتے صفر کے نقطہ تک پہنچ گئی تھی اور کبھی سہو یا بشریت کی بنا پر کوئی جرم کسی سے صادر ہو ہی جاتا تو مجرم خود ہی طَہِّرنی یارسُول اللہِ (یارسول اللہ مجھے سزا دے کر پاک کر دیجئے) کا نعرہ لگاتے ہوئے عدالت کے کٹہرے میں حاضر ہوتا، اور جب تک عدالتِ نبوت اس کے بارے میں کوئی فیصلہ نہ کر دیتی، اس کے ضمیر کی خلش، ایمان کی حرارت اور محاسبۂ آخرت کی فکر اسے مسلسل بے چین کئے رکھتی، نہ کسی کو کسی سے شکایت، نہ کوئی طبقاتی مسئلہ، نہ کوئی اقتصادی الجھن، نہ کوئی سیاسی آویزش، کیا آج کا ترقی یافتہ، لیکن بے حد مظلوم، انسان اس کا تصور بھی کر سکتا ہے؟ یہ تھی اسلامی شریعت! جس نے دنیا کو عدل وانصاف سے بھر دیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:-

((قد جئتکم بالسمحۃ البیضاء لیلہا ونہارہا سواء))	میں تمہارے پاس ایسی آسان اور روشن شریعت لایا ہوں جس کے رات دن یکساں روشن ہیں۔

پاکستان اس مقصد کے لئے معرض وجود میں آیا تھا کہ اسے دارالامن والایمان ومہد السلامۃ والاسلام، ایمان واسلام کا گھر اور امن وسلامتی کا گہوارہ بنایا جائے گا، لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ کا واسطہ دے کر ہم نے خدا ورسول سے نیز دس کروڑ مسلمانوں سے عہد کیا تھا کہ اس "مملکتِ خداداد" کا آئین

اسلام ہوگا ہماری اجتماعی زندگی کا ایک ایک شعبہ اسلام کے زیر نگین ہوگا ہم اپنے سفرِ حیات کی ایک ایک لائن کو شریعتِ محمدیہ کے صراطِ مستقیم پر لائیں گے اور آج کی دکھ بھری دنیا کو بتائیں گے کہ تم جس متاعِ گم گشتہ کی تلاش میں مارے مارے پھرتے ہو وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم کی پیروی سے آج بھی مل سکتی ہے۔

اگر ہمارے اربابِ اقتدار نفاق ورزی سے کام نہ لیتے اور امتِ مسلمہ کے ساتھ ساتھ خدا ورسولؐ کو بھی صرف وعدوں اور لکچروں سے نہ بہلاتے تو یہ ملک واقعۃً اسلام اور سلامتی کا گہوارہ اور پوری دنیا کے لئے مثالی نمونہ ہوتا، پاکستان کی اعلیٰ قیادت ایک نئی دنیا کی معمار ہوتی اور آج عالمِ اسلام کا نقشہ یقیناً کچھ اور ہوتا مگر یہاں بائیس سال سے جو کچھ ہوا اور اس کی جو قیمت پوری قوم کو ادا کرنا پڑی اور ہم اس کے نتیجہ میں جس خود غرضی افراتفری، افتراق وانتشار اور ذلت ونکبت کا شکار ہوئے اس کا تذکرہ رنج والم اور ندامت وخجالت کا موجب ہے۔

اسلامی جمہوریہ پاکستان کا مقصد اسی وقت پورا ہو سکتا ہے اور اسلامی مملکت کا خواب اسی وقت شرمندۂ تعبیر ہو سکتا ہے جبکہ یہاں اسلامی آئین نافذ ہو، اور اسلامی شریعت اور خدائی قانون کو زندگی کے تمام شعبوں میں جاری کیا جائے، عدلیہ میں قرآن وسنت اور فقہِ اسلامی کے مطابق فیصلے کئے جائیں، حدود اللہ کا اجراء کیا جائے، اسلامی قانون کتاب وسنت اور فقہ اسلامی میں مدون ومرتب موجود ہے، صدیوں اس پر عمل ہوتا رہا ہے وہ آج بھی نافذ کیا جا سکتا ہے۔

کسی ملک کے دارالاسلام بننے کا مدار کس چیز پر ہے

تمام علمائے امت کا اتفاق ہے کہ کسی خطۂ زمین کے دارالاسلام بننے کا مدار اس بات پر نہیں کہ وہاں مسلمانوں کی آبادی کا تناسب کیا ہے بلکہ اس کا مدار قانونِ اسلام کے نفاذ پر ہے جس ملک میں برسرِ اقتدار طبقہ کی جانب سے عوام کو اسلامی قانون کے فیوض وبرکات سے مستفید ہونے کا موقعہ نہ دیا جائے جہاں کفر اور جاہلیت کا آئین وقانون مسلط ہو اور جہاں کے بے بس عوام مسلسل احتجاج کے باوجود خدائی قانون کے بجائے طاغوتی قانون کے مطابق اپنے مقدمات فیصل کرانے پر مجبور ہوں اسے ہزار بار مسلمانوں کا ملک کہہ لیجئے لیکن اسے حقیقی معنیٰ میں اسلامی مملکت اور دارالاسلام

کہتے ہوئے حیا آتی ہے۔ "اسلام کے گھر" میں بھی اگر اسلام کو قدم ٹکانے کی اجازت نہ ہو تو وہ مسلمانوں کا گھر تو ہو سکتا ہے لیکن کیا دنیا کا کوئی عقلمند اسے "اسلام کا گھر" مان لے گا؟ پاکستان اگر واقعی "دارالاسلام" اسلام کا گھر ہے تو یہاں کے دس گیارہ کروڑ فرزندانِ اسلام اور اس کے قائدین سے اپیل بے جا نہ ہو گی کہ خدا کے لئے اس گھر میں اسلام کو قدم رکھنے کی جگہ دیجئے اور اسے اپنے گھر کی اصلاح کرنے دیجئے۔

اسلام کیا ہے؟

بعض حضرات کی زبانِ فیض ترجمان سے "اسلامی اقدار" "اسلامی اصول" "اسلامی نظریہ حیات" اور "اسلامی مساوات" جیسے مبہم الفاظ وقتاً فوقتاً سننے میں آتے ہیں، یہ تعبیر بڑی غلط فہمی اور تلبیس کا موجب ہو سکتی ہے، اسلام صرف چند مبہم اصولوں یا اعلیٰ اخلاقی قدروں کا نام نہیں بلکہ وہ عقائد، عبادات، معاملات، تعزیرات اور اخلاق کے تفصیلی قوانین کا مجموعہ ہے، اسلام اگر زنا، چوری، ڈکیتی، قتل، شراب نوشی جیسی گھناؤنی حرکات کو جرائم قرار دیتا ہے تو ان کے انسداد کے لئے ایک مفصل تعزیراتی نظام بھی دیتا ہے وہ جہاں معاشی تحفظ کا وعدہ دیتا ہے وہاں اقتصاد و معاش کی جائز اور ناجائز صورتیں بھی بتاتا ہے اگر وہ معاملات میں عدلِ اجتماعی پر زور دیتا ہے تو اس کے لئے ایک دیوانی قانون بھی رکھتا ہے اگر وہ اصلاح معاشرہ کی ذمہ داری لیتا ہے تو اس کے لئے ایک کامل نظامِ ہدایت بھی دیتا ہے۔ الغرض زندگی کا کون سا گوشہ ہے جس کے لئے اسلام نے تفصیلی قوانین وضع نہ کئے ہوں، دارالاسلام وہی ہو سکتا ہے اور اسلامی مملکت وہی ہو سکتی ہے جہاں اسلام کی ہمہ گیر فرمانروائی ہو اور جہاں اسلام کے وہ تمام احکام و قوانین جاری ہوں جن کی تفصیلات کتاب و سنت اور فقہِ اسلامی میں موجود ہیں اور جن پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد سے لے کر زوالِ خلافت کے آخری دور تک عمل ہوتا رہا ہے جو لوگ "اسلام" کا نام لیتے ہوئے شرماتے ہیں اور صرف اسلامی اصول اور اسلامی مساوات جیسی اصطلاحات استعمال کرتے ہیں ان کے بارے میں یہ اندیشہ غلط نہیں کہ وہ اسلام کے نام پر "جاہلیتِ جدیدہ" لانا چاہتے ہیں۔

یکم جنوری سے شروع ہونے والا نیا سال ملک میں نئے انقلاب اور نئی تبدیلیوں کا پیغام لا رہا ہے، پردۂ غیب سے کیا کچھ طلوع ہو گا؟ اس کا ٹھیک علم اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے تاہم حالات کی

نزاکت بتاتی ہے کہ اس موقعہ پر ادنیٰ غفلت اور معمولی لغزش بے حد تباہ کن اور سنگین نتائج کی حامل ہوگی اس لئے ضروری ہے کہ قوم کا ایک ایک فرد یہ سوچ سمجھ کر فیصلہ کرے کہ مجھے کل اللہ تعالےٰ کے حضور میں اس کی جواب دہی کرنا ہوگی اگر خدانخواستہ وقت کی نزاکت کا صحیح احساس نہ کیا گیا اور جس مقصد کی خاطر پاکستان بنا تھا اسے پس منظر میں ڈال دیا گیا تو اس کا خمیازہ پوری قوم کو دنیا و آخرت میں بھگتنا ہوگا اس سلسلہ میں سب سے پہلی ذمہ داری مارشل لاء حکومت پر عائد ہوتی ہے، موجودہ حکومت کا یہ عظیم کارنامہ ہے کہ اس نے قوم کے تمام طبقات کے لئے اطمینان بخش پالیسی اختیار کی ہے اسے اس سے آگے بڑھ کر ایسی پالیسی بھی اختیار کرنی چاہیئے جس سے اللہ اور رسول خوش ہو جائیں اور ایسے اقدامات بھی کرنے چاہئیں جس سے اسلامی نظام کے قیام کے امکانات روشن ہوں اور حکومت کو رضائے خداوندی کا تمغہ ملے، دوسری ذمہ داری طبقۂ علماء پر عائد ہوتی ہے کہ تمام نزاعات کو بالائے طاق رکھ کر کامل یکسوئی جانفشانی اور للّٰہیت کے ساتھ قوم کا ذہن اسلام کے سایۂ رحمت کے لئے تیار کریں، تیسری ذمہ داری قوم کے قائدین اور سیاست دانوں پر عائد ہوتی ہے کہ وہ فروعی اور علاقائی نعروں کو چھوڑ کر صرف اسلام کے لئے کام کریں، سب سے آخری اور عظیم ذمہ داری مسلم عوام پر عائد ہوتی ہے کہ وہ صرف اسلام کے لئے اپنا "حق رائے دہی" استعمال کریں، یہ گذارشات نہایت اختصار کے ساتھ پیش کی گئی ہیں، ضرورت ہوئی تو انشاء اللہ کسی صحبت میں اس پر مفصل معروضات پیش کی جائیں گی، اے اللہ ہماری حالتِ زار پر رحم فرما اور ہمیں ایسے اعمال کی توفیق عطا فرما جس سے تو راضی ہو اور ہمیں ایسی حرکات سے بچا لیو جو دنیا و آخرت میں تیرے غضب کا موجب ہیں، وصلی اللہ تعالےٰ علیٰ خیر خلقہ، صفوۃ البریۃ محمد وآلہ وصحبہ اجمعین۔

ذی القعدہ ۱۳۸۹ھ، جنوری ۱۹۷۰ء

شریعتِ اسلامیہ کا نفاذ اور پاکستان

اسلام دینِ رحمت ہے اور ہر مسلمان جس کے دل میں ایمان کی رمق بھی موجود ہو اس کی دلی تمنا یہی ہو گی اور یہی ہونی چاہیئے کہ وہ اسلام کی سراپا عدل و رحمت حکمرانی کو ہر شعبۂ زندگی میں جاری و ساری دیکھے اسی کی خاطر مسلمانوں نے پاکستان کا مطالبہ کیا تھا مگر گذشتہ ربع صدی میں اسلام سے سرد مہری اور لاپرواہی کا جو مظاہرہ ہوتا رہا اسے دیکھتے ہوئے ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ پاکستان کی سرزمین میں اسلامی شریعت کے نفاذ کے لئے شاید عمرِ نوح کی ضرورت ہو گی، انگریز کی ذہنی غلامی اور مغرب کے بے خدا تمدن سے مرعوبیت ہم لوگوں پر کس حد تک مسلط ہے؟ اس کا اندازہ کرنے کے لئے صرف ایک چھوٹی سی مثال کافی ہے کہ تیس اکتیس سال کا طویل عرصہ گذرنے کے بعد ہمارے اربابِ اقتدار کو اسلام پر بس اتنا رحم آیا کہ یومِ جمعہ کی سرکاری تعطیل کا اعلان کیا گیا اور وہ بھی فی الفور نہیں بلکہ اس شرط کے ساتھ کہ آئندہ جولائی سے اتوار کے بجائے جمعہ کی تعطیل ہوا کرے گی، بلاشبہ جمعہ ایک عظیم تر اسلامی شعار ہے اور جمعہ کا دن مسلمانوں کے نزدیک اس سے کہیں بڑھ کر مقدس و معظم ہے جتنا کہ عیسائیوں کے نزدیک اتوار، عیسائی ممالک میں ہفتہ وار چھٹی اتوار کو ہوتی ہے، اس کے برعکس تمام ممالکِ اسلامیہ عربیہ میں یہ شعار ہمیشہ سے قائم ہے کہ ہفتہ وار تعطیل بجائے اتوار کے جمعہ کو ہوتی ہے، مگر اسلامی قوانین کے مقابلے میں اس کی کیا حیثیت ہے؟ اور جب اکتیس سال بعد صرف یومِ جمعہ کی تعطیل کا اعلان ہو سکا تو غور فرمایئے کہ اسلامی قوانین کے نفاذ کے لئے کتنی صدیاں درکار ہوں گی؟

سیرت کانفرنس اور اسلام قیامِ پاکستان سے لے کر آج تک ہمارا ملک، اربابِ اقتدار کے وعدوں کے باوجود اسلام اور اسلامی قانون سے محروم ہے اور اسلامیت کا بھرم رکھنے کے لئے سراسر مصنوعی سہاروں سے کام لیا جا رہا ہے، چنانچہ قومی سیرت کانفرنس کی بنیاد رکھی گئی جس کی اسلام میں کوئی اہمیت نہیں، اسلام کے قرونِ اولیٰ قرونِ مشہود لہا بالخیر میں اس کا کہیں پتہ تک نہیں ملتا، پس اسلامیت کی نمائش کے لئے ان مصنوعی چیزوں کو اپنانا درحقیقت اس امر کی علامت ہے کہ قوم میں اصلی روح تو باقی نہیں رہی اس لئے اس مصنوعی ڈھانچے سے دلوں کو مطمئن کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔

صحابہ و تابعین سیرت کانفرنسیں منعقد نہیں کرتے تھے، نہ انہیں ضرورت تھی کیونکہ اس دور میں

ہر مسلمان اپنی شکل و وضع، رفتار و گفتار، نشست و برخاست، عبادات و معاملات الغرض اپنی ایک ایک چیز سے سیرتِ نبوی کا عملی نمونہ پیش کرتا تھا، مسلمانوں کی زندگی کا ایک ایک شعبہ اپنی جگہ عملی سیرت کانفرنس' تھا، سیرتِ نبوی ان کا قول نہیں عمل تھا، گفتار نہیں کردار تھا، وہ اسی پر جیتے تھے اور اسی پر مرتے تھے، اس کے برعکس جب سے سیرتِ نبویؐ کو زندگی کے ایک ایک شعبہ سے خارج کر دیا گیا، سیاسات و معاملات تو کجا شکل و وضع تک سیرتِ نبوی کے مطابق نہ رہی تو سیرت کی یاد منانے کے لئے سیرت کانفرنسیں ہونے لگیں، یہ گویا بزبانِ حال اس امر کا اعتراف ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ مقدسہ دنیا سے ختم ہو گئی ہے اور ہمارے کسی شعبۂ زندگی میں اس کی نمود نہیں' چلو اس سیرتِ گم گشتہ کی یاد منانے کے لئے سیرت کانفرنس یا میلاد کی محفلیں گرم کریں، عیسائی قومیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی سیرت و کردار کو فراموش کر کے جس طرح ان کا یومِ میلاد مناتی تھیں مسلمانوں نے بھی اسی کی نقالی شروع کر دی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کی یادگار منانے کا سلسلہ چھٹی صدی ہجری میں موصل کے بادشاہ نے شروع کیا تھا، اگرچہ وہ محض محفل نہ تھی بلکہ فقراء و مساکین پر ہزاروں دینار خرچ کئے جاتے تھے انہیں کھانا کھلایا جاتا تھا اور کپڑے تقسیم کئے جاتے تھے، بہرحال خدا فراموش قوم کو اُسوۂ رسولؐ یاد دلانے کے لئے سیرت کانفرنسیں منعقد کی جاتی ہیں لیکن جب مقصد ہی محض نمائش اور نقالی ہو تو اس پر کیا نتائج مرتب ہو سکتے ہیں، چنانچہ ان کانفرنسوں سے ان محفلوں سے کتنے لوگوں کی اصلاح ہوئی، کتنی سیرتیں بنیں، کتنی صورتیں درست ہوئیں، کتنے لوگ نمازی بن گئے، کتنے باخدا بن گئے، یہ فیصلہ آپ خود فرمالیں۔

پھر ستم بالائے ستم یہ کہ اس بے جان رسمی چیز کو اتنی اہمیت دی جاتی ہے کہ گویا اسلام کا سب سے بڑا شعار قائم کیا جا رہا ہے، بڑی شد و مد سے اعلان کیا جاتا ہے کہ جناب بھٹو صاحب اس کا افتتاح کریں گے اور اس پر طرّہ یہ کہ یہ نمائش ٹھیک اس وقت کی جاتی ہے جب جناب بھٹو صاحب الیکشن کے لیے کمند ڈالیں گے، گویا انتخاب میں کامیابی کے لئے پبلک کو اسلامی کارناموں کا یقین دلانا ضروری ہے، اس کے لئے بطور وسیلہ سیرت کانفرنس استعمال ہو گی اور انتخابی معرکہ میں سیاسی اسلحہ کا کام دے گی، بس یہی اسلام ہے جو سیاست میں کام آئے گا، لا دین الا السیاسۃ۔

گذشتہ پانچ سالوں میں حسنِ اتفاق سے قادیانی امت کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا گیا مگر کب؟

جبکہ ان کے حوصلے اتنے بڑھ گئے کہ مسلم نوجوانوں کو کھلے دن میں ظلم وستم کا نشانہ بنایا گیا اور اس کے ردِ عمل کے طور پر پوری قوم شعلہ جوالہ بن گئی اور پھر جب قادیانی گروہ کے سربراہ مرزا ناصر احمد نے قومی اسمبلی میں وہ بیان دیا جس سے تمام ارکان اسمبلی ملک کا صدر اور وزیر اعظم اور تمام امتِ مسلمہ کافر اور دائرۂ اسلام سے خارج ہو جاتے ہیں، جب جا کر آنکھیں کھلیں کہ اب فیصلہ کی دو ہی صورتیں ہیں یا تو حضرت خاتم النبیین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ماننے والے کروڑوں افراد جو عقیدۂ ختمِ نبوت پر ایمان رکھتے ہیں، بقول قادیانیوں کے نعوذ باللہ کافر و مرتد اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں یا پھر مرزا کی جدید نبوت پر ایمان لانے والے کافر و مرتد ہیں، بیک وقت دونوں کو مسلمان تسلیم نہیں کیا جا سکتا، فیصلہ واضح تھا کہ منکرینِ ختمِ نبوّت ہی کافر اور دائرۂ اسلام سے خارج ہیں، اس لئے تمام اراکینِ اسمبلی نے متفقہ طور پر امتِ مرزائیہ کو غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا بلا شبہ بھٹو صاحب کے دورِ حکومت میں یہ قابلِ قدر فیصلہ ہوا تھا، لیکن صد افسوس کہ اڑھائی برس گذرنے پر بھی اس کے لئے مناسب قانون سازی نہیں کی گئی، گویا بکری نے دودھ دیا مگر مینگنیاں ڈال کر، اس کی وجہ تو یہ ہے کہ بھٹو صاحب دل سے اس فیصلہ پر راضی ہی نہ تھے، اس لئے دفع الوقتی کے لئے آئین میں تو ترمیم کر دی گئی مگر قادیانیوں کی دل جوئی کے لئے قانون سازی سے گریز کیا گیا، شاید اس کو آئندہ انتخابات میں طمع دلانے کے لئے چھوڑا گیا تاکہ اس کو انتخابی نعرہ بنایا جا سکے اور اس کے ذریعہ شکار ہو سکے، آئندہ پانچ سالوں میں شاید یہ وعدہ بھی پورا کر دیا جائے کہ اس کے لئے مناسب قانون سازی ہو جائے لیکن کیا اس ملک میں کوئی ایسا وقت آئے گا کہ شراب پر پابندی ہوگی، زنا جرم قرار پائے گا اور اس پر شرعی حد جاری ہو گی، عائلی قوانین جو ایوبی دور کی بد ترین یادگار ہیں کبھی منسوخ کئے جائیں گے؟ جن کی رو سے دوسری شادی تو قابلِ تعزیر جرم ہے لیکن داشتہ رکھنا اور شب و روز حرام کاری اور بدکاری کرنا کوئی جرم نہیں۔

اسلام کے ہزاروں مسائل ہیں اور بے شمار قوانین وضوابط ہیں۔ اب اگر ہر ایک ضابطہ کے لئے پانچ پانچ سال کا عرصہ درکار ہو تو حساب لگا لیجئے کہ کیا اسلامی قانون کے نفاذ کا کام عمرِ نوح میں انتہا کو پہنچ سکتا ہے، ہمارا ناقص خیال تو یہ ہے کہ اگر اربابِ اقتدار نے اپنے وعدوں کی پاسداری کی یہی وضع قائم رکھی جو اب تک رہی ہے تو یہ عرصہ بھی قطعاً کافی نہیں بلکہ شاید صورِ اسرافیل تک بھی

سلسلہ رہے گا، آخر دنیا ختم ہو جائے گی مگر اس بدنصیب ملک میں اسلامی قانون کے نفاذ کا خواب کبھی شرمندہ تعبیر نہ ہو سکے گا، إنا للہ وإنا إلیہ راجعون ۔ سب سے بڑی آفت یہ ہے کہ اسلام کی خدمت کے نمائشی وعدے کرنا اور پھر ان سے انحراف کر لینا سیاست کا کھیل بن چکا ہے، تحریکِ پاکستان سے لے کر اب تک یہ خوشنما وعدے ہوتے رہے مگر وعدہ وفائی کی شاید نیت ہی نہیں ہوتی نہ اس کی توفیق ہوتی ہے، ہم یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ اگر خدا اور رسول پر ایمان ہے، قیامت کے حساب وکتاب پر ایمان ہے، آخرت کی جزا وسزا پر ایمان ہے تو یہ طرزِ عمل کیوں اختیار کیا جاتا ہے، اسلام سے بے اعتنائی وبے وفائی کیوں اختیار کی جاتی ہے، موت وحیات کا سلسلہ اس عالم میں جاری ہے، خدا تعالیٰ کی ذات یکتا وبے ہمتا مالک الملک ہے اسی کے قبضہ میں عزت وذلت ہے اور دنیا ایک عبرت کدہ ہے، رات دن اور صبح وشام عبرت انگیز واقعات آنکھوں کے سامنے آتے ہیں، ظالموں کا انجام بھی دیدۂ عبرت سے مخفی نہیں عاد وثمود کے واقعات کو تو جانے دیجئے، عصرِ حاضر کی تاریخ بھی نو بہ نو واقعات سے لبریز ہے۔ حق تعالیٰ عقل وفہم نصیب فرمائے۔ اس ملک کے اربابِ اختیار واقتدار کو اسلام کی سچی وفاداری نصیب ہو اور ان کا نام ظالموں کے بجائے خدا تعالیٰ کے وفادار اور نیک وعادل حاکموں کی فہرست میں لکھا جائے۔

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہٖ صفوۃ البریۃ محمد وآلہ وأصحابہ وأتباعہ إلیٰ یوم الدین.

صفر ۱۳۹۷ھ، فروری ۱۹۷۷ء

اسلامی مملکت کیسی ہونا چاہیئے

عرصہ دراز کے بعد ایک خطہ حق تعالیٰ نے مسلمانوں کو عطا فرمایا تاکہ یہ خطہ اس آخری دور میں ملتِ مسلمہ کی ایک مثالی مملکت ہو جہاں حق تعالیٰ کے قوانینِ عدل جاری ہوں اور اس مملکت کے باشندے اللہ تعالیٰ کی رحمتوں سے مالا مال ہوں اور ظاہری و باطنی برکات سے سرفراز ہوں یہاں سکونِ قلب نصیب ہو، جان و مال و آبرو محفوظ ہو، امن و عافیت کی زندگی ہو، ظلم و عدوان کا دور ختم ہو، ہر شخص اس امانتِ الٰہیہ کا حقِ امانت ادا کرے، راعی ہو یا رعیت، فوج ہو یا پولیس حاکم ہو یا محکوم، تاجر ہو یا زمیندار، دکاندار ہو یا مزدور، ہر شخص اپنا فرضِ منصبی ادا کرے، اور اطمینان کا سانس لے اور راحت کی زندگی گذارے اور صحیح معنی میں جنت جیسی زندگی ہو۔

بہشت آنجا کہ آزارے نباشد
کسے را با کسے کارے نباشد

حقیقت میں اسلامی زندگی دنیا میں بھی جنت کی زندگی ہوتی ہے، سب سے بڑی نعمت جو صحیح اسلام کی دولت سے نصیب ہوتی ہے وہ سکونِ قلب اور عافیت و اطمینان ہے، اگر ہزاروں نعمتیں حاصل ہوں، مال و دولت کی فراوانی ہو، عیش و عشرت کے تمام وسائل و اسباب میسر ہوں لیکن قلبی سکون نہ ہو اور حزن و غم سے قلب حزیں ہو تو یہ تمام نعمتیں بے سود ہیں اور تمام باغ و بہار بے کار ؎

بہارِ گل دلِ آسودہ را بکار آید
چو دل ملول بود گل بدیدہ خار آید

خیال یہی تھا کہ پاکستان کے وجود میں آتے ہی ایک نیا نقشہ ہوگا جس طرح روئے زمین کے نقشہ پر پاکستان کا وجود رونما ہوا اسی طرح زندگی کا ایک نیا نقشہ ہوگا، اخوت و مودّت کا عالم ہوگا، صوبائی اور قبائلی، وطنی اور لسانی تفریق مٹ جائے گی، نہ سندھی، نہ پنجابی، نہ پٹھان نہ بلوچ، نہ مہاجر، نہ اصلی باشندہ، اسلام کی عالمگیر اخوت کا مظاہرہ ہوگا نہ مشرقی کا فرق نہ مغربی کا فرق، ایک اسلامی روح تمام جسمِ پاکستان میں جلوہ گر ہوگی، راعی یا سربراہِ مملکت

کے دل میں اپنی رعیت کی محبت و مودت ہوگی، ان کے سامنے تمام باشندے یکساں ہوں گے، بلا تفریقِ وطن اور بلا تمیزِ مسلک سب حقوق انسانی برادری کے اصول سے یکساں طور پر ادا ہوں گے، قرآن و حدیث میں جو کچھ اسلامی اخوت کے حقوق و اصول بیان ہوئے ہیں اور جن کا ایک اچھا خاصا حصہ اس حقیر مجلہ "بینات" کے صفحات پر بارہا پیش کرنے کی سعادت حاصل کی گئی ہے خیال تھا کہ یہ نقشہ سامنے آئے گا بے تاب نگاہیں اور تڑپتے ہوئے دل اس کے مشاہدے سے تسکینِ روح حاصل کریں گے لیکن جو کچھ ہوا اور جو کچھ ہو رہا ہے آپ کے سامنے ہے۔ "عیاں را چہ بیاں" انا للہ و انا الیہ راجعون۔ درحقیقت سب سے بڑی مصیبت صالح قیادت کا فقدان ہے بالکل ابتداء میں کچھ توقع ہو گئی تھی لیکن چشم زدن میں وہ توقع ختم ہو گئی۔

"از ماست کہ بر ماست" حدیثِ نبوی میں جو ارشاد ہوا کہ :۔

"بادشاہ یا اسلامی مملکت کا سربراہ حق تعالٰی کا اس زمین میں سایہ ہے"۔ یہ ظلِ خداوندی یہ سایۂ الٰہی اگر نصیب ہو تو پھر کس بات کا خطرہ؟ خلافتِ الٰہیہ کا صحیح مظہر ایک اسلامی ملک کا سربراہ ہی ہو سکتا ہے حق تعالٰی شانہٗ کی ربوبیت کا پورا ظہور نسلِ انسانی میں کسی ملک کا صالح فرمانروا ہی ہوتا ہے، اس کی جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت کا وہ ذمہ دار ہوتا ہے، بھوکوں، پیاسوں کے لئے تمام انتظامات کرتا ہے، ضروریاتِ زندگی کی کفالت کرتا ہے، غرض کہ تمام رعایا کے لئے ہر طرح صحیح معنوں میں ملجأ و ماویٰ ہوتا ہے، حق تعالٰی سے صحیح تعلق ہوتا ہے، پاکیزہ اخلاق، پاکیزہ زندگی باخدا زندگی کا مظہرِ اتم ہوتا ہے، مظلوم پر رحم کرتا ہے، ظالم سے مظلوم کے لئے انتقام لیتا ہے جس طرح ان کی جسمانی ضروریات اور امراض کے لئے مستشفیات و ہسپتال قائم کرتا ہے، رعایا کی جان و مال کی حفاظت کے لئے پولیس کا نظام کیا جاتا ہے، مملکت کے حدود کی دشمنِ اسلام سے حفاظت کے لئے فوجیں ہوتی ہیں، سلسلۂ معاش و وسائلِ رزق اور نقل و حمل اور درآمد و برآمد کے لئے صحیح تدابیر ہوتی ہیں، مظلوم کے لئے ظالم سے دادخواہی کے لئے شرعی محاکم عدلیہ کا نظم ہوتا ہے وغیرہ وغیرہ، ٹھیک اس طرح روحانی و اخلاقی کردار کی درستگی کے لئے دل و جان سے لگ کر مؤثر تدبیریں اختیار کی جاتی ہیں لیکن وائے ناکامی ہو کیا رہا ہے؟ کونسی برائی ہے جو روز افزوں ترقی پر نہ ہو؟ بلکہ مختلف تدبیروں سے مسلسل

ان برائیوں کو معاشرے میں پھیلایا جارہا ہے اور نئی نسل بُری طرح ان کی شکار ہو رہی ہے، افسوس کہ یہ ملک تباہی و بربادی کے کنارے پر پہنچ چکا ہے۔

مسلمانوں کی دردناک صورتِ حال اور اس کا سبب

دراصل جو موجودہ دردناک صورتِ حال کا نقشہ ہے کچھ ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ معاشرہ اتنا تباہ و برباد ہو چکا ہے کہ اب ان سے انتقام لیا جارہا ہے کہ ان پر ایسے بے رحم مسلط ہوئے ہیں کہ الامان والحفیظ ایک بحران ہے ایک اضطراب ہے ایک انتشار ہے، ہرطرف بے قراری، بے چینی، بدامنی اور خود غرضی، نہ کسی کی جان محفوظ، نہ کسی کی آبرو محفوظ۔ آج کارخانے کا مالک ہے کل نانِ شبینہ کا محتاج ہے، کسی کو کچھ معلوم نہیں کہ کل کیا افتاد پیش آجائے ہرطرف اقتدار کی مجنونانہ ہوس ہے، نہ رحم ہے نہ عاطفہ، نہ اخلاق نہ خدا ترسی، گرانی روز افزوں بڑھ رہی ہے بے ایمانی، بدمعاملگی اور بدعہدی کا دور دورہ ہے، نہ پولیس اپنا فرض ادا کرتی ہے نہ حاکم کو اپنے زیرِ دستوں کی فکر ہے، نہ مزدور کو چین، نہ کارخانہ دار کو سکون، نہ زمیندار کو اطمینان، نہ کاشت کار کو قناعت، ہرطرف حرص ہی حرص ہے، مال و دولت کی بھوک ہے جو کبھی ختم نہیں ہوتی، ملک کی پیداوار خزانہ شاہی بھرنے کی غرض سے باہر جاتی ہے تاکہ زرِ مبادلہ حاصل ہو جائے، لوگ بھوک سے مر رہے ہیں اور یہاں کی پیداوار باہر بھیجی جارہی ہے، غریب نان و نفقہ کے لئے تڑپ رہے ہیں، اندرونی ملک اپنی پیدا کردہ چیزوں سے محروم ہے اور جو کچھ زرِ مبادلہ حاصل ہوتا ہے وہ عیاشی و فحاشی کی نذر ہوتا ہے، یا پھر چند مخصوص افراد کے پیٹ میں پہنچ جاتا ہے، غریب پھر بھی محروم رہتا ہے، نہ ملک کو زرِ مبادلہ سے فائدہ پہنچتا ہے نہ ملک اپنی پیداوار سے نفع اندوز ہوتا ہے، عمدہ شکر و چینی باہر جائے اور اندرونی ملک گڑ کے لئے ترستا رہے، ٹیکس پر ٹیکس کا وہ عالم کہ کوئی حد نہیں، غریب و مزدور بھوکا ہے، اس کے پاس نہ بدن ڈھکنے کا کپڑا ہے، نہ سر چھپانے کی جگہ، نہ پیٹ بھرنے کا کوئی ذریعہ ہے، نہ وہ علاج کا چارہ کر سکتا ہے، جب یہ لوگ تمام ضروریاتِ زندگی کے لئے محتاج نظر آتے ہیں تو سوشلزم کی آواز اٹھاتے ہیں اور نفاق سے اس کے ساتھ اسلام کا پیوند لگانے کا نعرہ بھی لگا دیتے

ہیں اور "اسلامی سوشلزم" لانے کی چیخ وپکار کرتے ہیں تاکہ ان نعروں سے مزدوروں وغریبوں کو دھوکا دے سکیں، کبھی جاگیروں پر قبضہ کرنے کا ارادہ کرتے تو کبھی کارخانوں کو قومیانے کی تحریک کرتے ہیں، اسلام میں نہ سوشلزم کی گنجائش، نہ کیمونزم کی گنجائش، نہ کسی کی جائیداد ومال پر قبضہ کرنے کی گنجائش، اسلام کا عادلانہ نظام اسلامی حکومت کے تمام شہریوں کی عام ضروریات کا کفیل ہوتا ہے، سربراہِ مملکت گلی کوچوں میں پھر کر غریبوں کی خبر گیری کرتا ہے، نہ وہاں کوئی بھوکا رہتا ہے، نہ کروڑوں کا مالک ہوتا ہے۔

اسلام کیا سکھاتا ہے؟ اسلام مالدار کے دل میں خدا ترسی پیدا کر کے رحم دلی پیدا کرتا ہے اسلام فقیر کے دل میں آخرت کی نعمتوں کی یاد تازہ کرتا ہے اور اسے صبر وقناعت پر آمادہ کرتا ہے اور قناعت کی دولت سے اسے مالامال کر دیتا ہے، اغنیاء کو انفاق کی ترغیب دے کر جنت کی نعمتوں کا مستحق بناتا ہے اسلام سراپا خیر ہے، سراپا سعادت ہے، اسلام سکونِ قلب کا سرچشمہ ہے، اسلام پاکیزگی سکھاتا ہے، اسلام انسان کو فرشتہ بناتا ہے۔ اسلام کو چھوڑ کر قیامت تک دنیا کا کوئی نظام بھی عالم کی اصلاح نہیں کر سکتا، اسلام کو چھوڑ کر خسارہ ہی خسارہ اور بربادی ہی ہے، نہ معلوم ان عقل کے دعویداروں کو کیا ہو گیا کہ اتنا بھی نہیں سمجھتے جو تمدن و تہذیب یورپ سے آیا ہے اور جس کی رات دن نقالی کی جارہی ہے، آخر اس کا کیا حشر ہوگا؟ اسلام کے آفتاب عالم تاب کو چھوڑ کر ان ظلمت کدوں سے کیا نور ملے گا؟ اور کیونکر فلاح کا راستہ نظر آئے گا؟ آج یورپ وامریکہ کی دنیا سراسر شہوات کی حیوانی دنیا ہے، وہ انسانیت کے تصور سے بھی محروم ہیں، انسانی صورتوں میں خالص درندے اور چارپائے ہیں، آج ان کی نقل اتارنا دنیا کو ہلاکت میں دھکیلنا ہے، انسانیت سے حیوانیت کی طرف لے جانا ہے، نور سے ظلمت کی طرف لے جانا ہے، سکون وطمانیت سے بے چینی کی طرف لے جانا ہے، آج کل ہماری مملکتِ خداداد کا جو حشر ریڈیو اور ٹی وی پر ہو رہا ہے یہ خطرناک مستقبل کی پیش گوئیاں کر رہا ہے، لانعل اللہ وأعاذنا منہ (خدا کرے ایسا نہ ہو اور اللہ تعالیٰ پناہ میں رکھے)، آج اس ملک میں جو مناظر بازاروں، سڑکوں اور تفریح گاہوں میں نظر آرہے ہیں انہیں دیکھ کر مسلمانوں کو ڈوب مرنا چاہیئے، یہ سب کچھ تاریک عاقبت کی نشاندہی کر رہا ہے، اللہ تعالیٰ اس امت

پر رحم فرمائے، بجاہ نبیہ الکریم علیہ صلوات اللہ وسلامہ۔

درحقیقت یہ سب کچھ صالح قیادت کے فقدان سے ہورہا ہے، اگر صالح ہمدرد اور ملک کے لئے مخلص قیادت نصیب ہوتی تو آج یہ روز بد نہ دیکھنا پڑتا اور جس دردناک حسرت ناک مقام پر پہنچ گئے نہ پہنچتے، صحیح اسلامی تعلیمات اور اسلامی تربیت نہ ہونے سے کالجوں، اسکولوں اور یونیورسٹیوں کا جو حال ہورہا ہے آپ کے سامنے ہے، حیرت ہی حیرت ہے کارخانے کے مزدوروں کو چھوڑیئے، وہ غیر تعلیم یافتہ ہیں ان تعلیم یافتگان کی حالت ملاحظہ کریں، یاد رکھو اور گوش ہوش سے سنو، جب تک صحیح اسلام نہ لایا جائے گا نہ تو رشوتیں ختم ہوں گی نہ فاروقی حرص ختم ہوگی، نہ ہوسِ اقتدار ختم ہوگی، نہ عدالتوں میں انصاف ملے گا، نہ جان محفوظ ہوگی، نہ مال محفوظ ہوگا، نہ آبرو محفوظ ہوگی، نہ قلب کو سکون میسر ہوگا، نہ زندگی میں آرام نصیب ہوگا۔ یہ سب نعمتیں اسلام کی بدولت نصیب ہوتی ہیں لیکن یاد رکھو کہ زبان کا اسلام نہیں، نام کا اسلام نہیں بلکہ ظاہر و باطن میں صحیح اسلام کی ضرورت ہے تاکہ نہ حق تعالےٰ کے حقوق میں تقصیر ہو نہ بندوں کے حقوق میں تقصیر ہو۔

((ولو أن أهل القرى آمنوا واتقوا لفتحنا عليهم بركات من السماء والأرض ولكن كذبوا فأخذناهم بما كانوا يكسبون)) (۹۶ الاعراف)

اگر یہ بستیوں والے ایمان لاتے اور پرہیزگاری اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمان و زمین کی نعمتوں کے دروازے کھول دیتے لیکن جھٹلایا انہوں نے تو ان کے اعمال کے بدلے ان کو پکڑ لیا ہم نے۔

اسلامی مملکت کے صحیح خدوخال

کسی اسلامی مملکت کے صحیح خدوخال یہ ہیں کہ وہاں اسلامی تعلیمات وہدایات کی جلوہ نمائی ہو، اسلامی شعائر کا پرچم بلند ہو، اسلامی اقدار کا بول بالا ہو اور ایک مسلمان سربراہ مملکت کی ادنیٰ علامت یہ ہے کہ دینی قدروں کو خواہشات والحاد کی سیم اور تھور سے اور اسلامی شعائر اور خصائص کو موسمی ہواؤں کی زد سے محفوظ رکھنے کی ہر ممکن کوشش کرے، اسلام کی عزت ووقار کے نازک آبگینہ کو معمولی ٹھیس سے بھی بچانے اسے اسلامی تہذیب پر فخر ہو۔

اور غیر اسلامی تہذیبوں سے بغض و نفرت۔

کل تک مسلمان یہ ماتم کر رہے تھے کہ ایرانی شہنشاہیت کا رشتہ ہزاروں سال کی پارینہ و کافرانہ تہذیب سے جوڑا جا رہا ہے اور آج اس پر ماتم کیجئے کہ خود اپنے ملک کا ایک حلقہ پانچ ہزار سالہ کافرانہ تہذیب سے رشتۂ عقیدت وابستہ کر رہا ہے اور اس بت پرستانہ تہذیب کے احیاء کے لئے کروڑوں کی بھیک مانگی جا رہی ہے جسے قہرِ خداوندی کے تازیانہ نے پیوندِ خاک کر دیا تھا، خبر ملاحظہ فرمایئے:

"لاڑکانہ ۲۲ فروری، صدر ذوالفقار علی بھٹو کل موئن جو دارو میں سہ روزہ بین الاقوامی سیمینار کا افتتاح کریں گے، صدر کل صبح ½۱۰ بجے موئن جو دارو ایئرپورٹ پر پہنچیں گے جہاں ان کا استقبال مرکزی وزیرِ قانون مسٹر عبد الحفیظ پیرزادہ، مرکزی و صوبائی وزراءِ اعلیٰ، حکام، افسران اور شہری کریں گے ان کے ہمراہ وزیرِ اعلیٰ سندھ ممتاز بھٹو بھی ہوں گے۔

معلوم ہوا ہے کہ موئن جو دارو کو سیم و تھور کی تباہی سے بچانے کے لئے پاکستان نے سات کروڑ ڈالر کی "امداد" طلب کی تھی لیکن یونیسکو نے صرف ایک کروڑ ڈالر دینے پر رضامندی ظاہر کی۔[1]"

اور یہ سب کچھ اس ملک میں ہو رہا ہے جس کا نصفِ اعلیٰ خود "آثارِ قدیمہ" بن چکا ہے جس کا باقیماندہ دھڑ بھی فتنہ و فساد کے سیم اور تھور کی زد سے محفوظ نہیں، جس کے "زندہ نوادرات" ہی موسمی ہواؤں کی وجہ سے شکست و ریخت کا نشانہ بنے ہوئے ہیں جہاں انتشار و خلفشار کی طوفانی موجیں امن و عافیت کی دیواروں سے ٹکرا رہی ہیں اور جہاں غریب عوام کو پیٹ بھرنے کو روٹی، ستر پوشی کے لئے کپڑا اور سر چھپانے کے لئے جھونپڑا میسر نہیں۔

ع بریں عقل و دانش بباید گریست

کیا پاکستان کے موجودہ حالات میں تباہ شدہ تہذیبوں کو زندہ کرنے کے لئے شاہی دربار منعقد کرنا اور اس کے لئے بھیک مانگ کر قومی دولت لٹانا قرینِ عقل ہے؟

---

[1] روزنامہ "جنگ" کراچی ۲۴ فروری۔

اسلامی تہذیب و اقدار کو زندہ درگور کرنا اور ہزاروں برس کی مردہ تہذیبوں کو کھود کر "قومی ہیرو" بنانا کیا اس بات کی علامت نہیں کہ یہ قوم ذہن و فکر کی ساری صلاحیتیں کھو کر خود "آثارِ قدیمہ" بن چکی ہے؟

ہادیٔ برحق صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدایت فرمائی تھی کہ:

لا تدخلوا مساکن الذین ظلموا أنفسهم الا أن تکونوا باکین أن یصیبکم ما أصابهم (۱)

ان تباہ شدہ ظالموں کی بستیوں میں داخل ہونا پڑے تو روتے ہوئے داخل ہو، مبادا جو عذاب ان پر نازل ہوا تمہیں بھی اپنی لپیٹ میں لے لے۔

پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا عملی نمونہ بھی پیش فرمایا، چنانچہ جب غزوۂ تبوک کو جاتے ہوئے قومِ ثمود کی بستیوں کے کھنڈرات سے گذرے تو سر مبارک ڈھانک لیا اور نہایت تیزی کے ساتھ وہاں سے نکل گئے، مگر آج ہماری گمراہی و کجراہی کا تماشا دیکھئے کہ انہی تباہ شدہ بستیوں کو "تماشا گاہِ عالم" بنایا جا رہا ہے وہاں کانفرنسیں بلائی جاتی ہیں، محفلیں جمائی جاتی ہیں، عیش و عشرت کی داد دی جاتی ہے اور قوم اس پر فخر و مباہات کا غلغلہ بلند کر رہی ہے إنا للہ وإنا الیہ راجعون، ہم تو یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ نہ معلوم ہمارا بدنصیب ملک کس طرف جا رہا ہے اور افسوس کہ ہمارے سیاہ دن ابھی تک ختم نہیں ہوئے، یا بالفاظ دیگر ہم ابھی تک سزا و ابتلائے کے دور سے نہیں نکلے، اللہ تعالیٰ اس ملک کی حفاظت فرمائے، اور حکمرانوں کو صحیح اسلامی خدمت کی توفیق عطا فرمائے، اللّٰھم اھد قومی فإنھم لا یعلمون۔

صفر ۱۳۹۳ھ، اپریل ۱۹۷۳ء

مملکتِ پاکستان اور مسلمانوں کا فریضہ

طاقت وقوت، دولت وثروت اور حکومت وسلطنت، اللہ تعالیٰ کی وہ عظیم نعمتیں ہیں، جو مسلمانوں کو صرف اس لئے دی جاتی ہیں کہ وہ ان کے ذریعہ اس سرزمین پر اللہ تعالیٰ کا قانون اور احکامات نافذ کرکے اللہ تعالیٰ کی رحمت کے مستحق بنیں، چنانچہ تقریباً ایک ہزار سال تک اللہ تعالےٰ نے مسلمانوں کو ان نعمتوں سے سرفراز فرمایا لیکن جب مسلمان قومیں دولت وحکومت کے نشہ میں مست ہو کر اس مقصد سے منحرف وروگرداں اور اس کی پاداش کے طور پر سلطنت کی اہلیت سے محروم ہوگئیں تو اللہ تعالےٰ کی وہ نعمتیں بھی ان سے چھن گئیں کہیں تو بالکلیہ ان نعمتوں سے محروم ہوئیں اور کہیں حقیقتہً تو چھن گئیں برائے نام رہ گئیں۔

اسی قانونِ فطرت کے تحت متحدہ ہندوستان پر صدیوں مسلمانوں کا اقتدار اعلیٰ برقرار رہا اور اسلامی پرچم اس پورے برِصغیر پر لہراتا رہا لیکن آخر شامت اعمال کے برُے نتائج سامنے آئے اور برطانوی استعمار کے ابوالہول نے مسلمانوں کی عزت وعظمت، دولت وثروت اور حکومت و سلطنت سب خاک میں ملادی۔

غلامی کی رسوا کن ٹھوکریں کھانے کے بعد آنکھ کھلی تو عرصہ دراز تک تو بارگاہ الٰہی میں گریہ وزاری اور آہ وفغاں کرتے رہے اور کچھ عرصہ دولتِ رفتہ کو دوبارہ حاصل کرنے کی تدبیریں بھی کیں اور قربانیاں بھی دیں۔ آخر پھر دریائے رحمت جوش میں آیا اور توفیقِ الٰہی نے سہارا دیا اور چھنی ہوئی سلطنت کا کچھ حصہ دوبارہ بطور امتحان عطا فرمایا، اسی کا نام پاکستان ہے۔

ظاہر ہے کہ پاکستان کی تشکیل کا واحد مقصد حکومتِ الٰہی کا قیام تھا، نعمتِ حق کا خوان یغما اس کا نام لینے والی مخلوق کے لئے بچھانا تھا، اس کے قانونِ رحمت، قانونِ عدل وانصاف اور قانون حکمت وعدالت کو اس پاک سرزمین پر نافذ کرنا تھا تاکہ اس ارضِ پاک پر ایک پاکیزہ معاشرہ کی تشکیل وتعمیر ہو اور اس پاکیزہ ماحول میں ایک خدا پرست صالح امت وجود میں آئے اور وہ اپنے پاکیزہ کردار اور اہلیت وصلاحیت کی بناء پر ہندوستان کے بقیہ حصہ کی وراثت کی صحیح معنی میں مستحق بنے، دین ودنیا ہر اعتبار سے ایک معیاری حکومت، فلاحی مملکت اور ایمانی قوت سے مسلح قوم بن کر جلد از جلد اس قابل ہوجائے کہ امت مسلمہ کے چھ کروڑ نفوس جو ایک ظالم وجابر اور

بے رحم اقتدار کے آہنی شکنجہ میں کراہ رہے ہیں ان کو اس "دیو استبداد" کے خونخوار پنجے سے نجات دلائے۔

یہی ہماری آرزو ہے اور یہی ہر مسلمان کی تمنا ہونی چاہیئے، اسی خواہش کے تحت بینات کے صفحات پر جو کچھ لکھا جا سکا، لکھا گیا، کسی کسی وقت طرزِ بیان سخت اور درشت بھی ہو گیا ہے اور تنقید نے شدید لہجہ بھی اختیار کر لیا۔ لیکن الحمد اللہ جو کچھ اب تک لکھا گیا ہے اور جو کچھ آئندہ لکھا جائے گا وہ محض اخلاص پر مبنی اور اسی قلبی آرزو کی ایک دبی ہوئی تڑپ ہوتی ہے جو تیز و تند تعبیر اور طرز ادا کی شکل اختیار کر لیتی ہے ہو سکتا ہے کہ حقیقت ناشناس طبائع کے لئے ہماری یہ تلخ نوائی قابل اعتراض ہو ہوا کرے، واقعہ بہر حال یہ ہے، ہم نہ رسمی سیاست جانتے ہیں اور نہ سیاستِ حاضرہ کے مردِ میدان ہیں نہ کسی سیاسی جماعت سے تعلق ہے نہ اس کی ترجمانی، نہ قومی اسمبلی میں کوئی کرسی حاصل کرنے کی خواہش ہے نہ کسی کرسی وزارت کی تمنا، ہاں یہ خواہش اور کوشش وکاوش ضرور ہے کہ قومی یا صوبائی اسمبلی کی کرسی پر بیٹھنے والے اور قلمدانِ وزارت وحکومت سنبھالنے والے افراد اس کرسی اور قلمدان کی واقعی اہلیت کسی نہ کسی طرح ضرور پیدا کر لیں اور جس طرح وہ دنیا میں عزت وعظمت سے ہمکنار ہوئے تھے اسی طرح آخرت کی سرخروئی سے بھی ضرور سرفراز ہوں یعنی اللہ تعالیٰ کے قانون عدل وانصاف کو اس پاک سرزمین میں ضرور نافذ اور استوار کریں تاکہ اسلامی مملکت کا وقار خالق ومخلوق دونوں کی نظروں میں پیدا کر سکیں اسی مقصد کے لیے ہم وقتاً فوقتاً ان کو جھنجھوڑتے رہتے ہیں۔

بہر حال جس طرح ہر پاکستانی کا طبعی اور فطری جذبہ یہ ہے اور ہونا چاہیئے کہ ہمارا یہ ملک دنیا میں ایک مضبوط اور طاقت ور ملک ہو اور اغیار واعداء کی گوناگوں ریشہ دوانیوں سے ہمیشہ محفوظ رہے اسی طرح ایک سچے پاکستانی مسلمان کے دل میں ــــ بحیثیت مسلمان ہونے کے۔ یہ تڑپ بھی ضرور ہے اور ہونی چاہیئے کہ اس مملکت میں اسلامی قانون ضرور جاری ہو اور پاکیزہ اسلامی معاشرہ کی تشکیل ضرور ہو تاکہ حیاتِ طیبہ اور پاکیزہ معیشت کی دینی اور دنیوی برکات سے یہ مملکت مالا مال ہو لیکن جب بھی وہ یہ محسوس کرے کہ حالات کی رفتار اُمید اور توقع کے بالکل برعکس ہے اور مقصد فوت ہو رہا ہے۔ پوری قوم مجموعی طور پر سیرت وصورت

گفتار و کردار، اخلاق و اطوار اور جذبات و رجحانات غرض ہر اعتبار سے ایک خدا فراموش قوم کی صورت اختیار کرتی جارہی ہے تو اس کو یہ اندیشہ اور اس پر جانکاہ صدمہ بھی ضرور ہوگا کہ خدا نا کردہ ۔ خاکم بدہن ۔ یہ آزمائشی طور پر دی ہوئی نعمت کہیں پھر نہ چھن جائے۔

اس لئے کہ کسی بھی شخص کے مسلمان ہونے کے معنی ہی یہ ہیں کہ وہ خدا اور رسول سے معاہدہ کرچکا ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کی بہر حال اطاعت کرے گا، احکام الٰہیہ کو بدل و جان تسلیم اور ان پر عمل پیرا ہوگا اور اگر اس کے ہاتھ میں اقتدار اعلیٰ ہے یا آئے گا تو ان احکام الٰہیہ کو ملک میں نافذ بھی کرے گا، اس حقیقت کے ہوتے ہوئے جب مسلمان اس معاہدہ کی خلاف ورزی کرے گا تو قوی اندیشہ ہے کہ وہ اس عہد شکنی کے جرم کی سزا میں جلد یا بدیر پکڑا نہ جائے پھر کیونکر ممکن ہے کہ ایک مسلمان مملکت کا مسلمان شہری ملک کی اس غیر اسلامی رفتار کو دیکھ کر خاموش بیٹھا رہے۔

دینی اتحاد مسلمان از روئے مذہب جس طرح اس کا مامور ہے کہ اپنے ملک اور قوم کا ایک فرد ہونے کی حیثیت سے اپنی ملکی مسلمان برادری کے حق میں قولاً فعلاً جس طرح ممکن ہو خیر خواہی کرے اسی طرح وہ عالمگیر "اسلامی اخوت" کی بنا پر ایک عالمگیر برادری۔ مسلمانانِ عالم ۔ میں منسلک ہونے کی حیثیت سے مذہباً اس کا بھی مامور ہے کہ ہر ملک کے مسلمانوں کے حق میں قولاً فعلاً جس طرح ممکن ہو خیر خواہی اور خیر سگالی کا فرض ادا کرے۔ قرآن کریم کے واضح ارشادات اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صریح احادیث اس عالمی اسلامی خیر خواہی کے باب میں بکثرت موجود ہیں۔

اس لئے کہ مسلمان کے لئے عالمگیر رابطہ اسلام اور عالمگیر رشتہ اخوت اسلامی اور دینی وحدت ہے جس میں تمام روئے زمین کے مسلمان منسلک ہیں نہ قومیت مسلمانوں کا رشتہ اتحاد ہے نہ وطنیت نہ رنگ اور نہ نسل ۔ اسلامی قومیت کی اساس، اتحاد خون ونسل ، اتحاد ملک و وطن اور اتحاد رنگ وروپ سب سے برتر اور وراء الوراء خالص دینی اتحاد ہے جو محض ایک روحانی اور معنوی رشتہ ہے اور ظاہر ہے کہ روحانی رشتہ مادی رشتہ سے بہت زیادہ اعلیٰ وارفع اور قوی ومحکم تر ہوتا ہے۔ اس لئے تمام اسلامی

حکومتوں اور تمام ممالک کے مسلمانوں کا فرض ہے کہ اس روحانی رشتہ۔ اسلامی وحدت۔ کو ہر طرح کے اضمحلال اور ضعف سے محفوظ کر کے قوی سے قوی تر بنائیں۔

مجمع البحوث الإسلامیہ

۳۰۔ اسی روحانی رشتے، اسلامی وحدت اور علمی و دینی مشکلات کو باہمی تبادلہ خیالات کے ذریعہ متفقہ صورت میں حل کرنے کی غرض سے پچھلے مہینے جناب شیخ ازہر قاہرہ کی دعوت پر برفاقت حضرت مولانا مفتی محمود صاحب ۳۰ ستمبر ۶۶ء کو قاہرہ جانا ہوا۔ یہ دعوت محض علمی اور دینی نقطۂ نگاہ سے مجمع البحوث الاسلامیہ کی تیسری سالانہ کانفرنس کی شرکت کے لئے دی گئی تھی۔

جامع ازہر کے تین اہم شعبے ہیں (۱) پہلا شعبہ ادارۃ الازہر ہے جس کے ماتحت معاہد ازہریہ اور کلیات ازہر (ازہر کے اسکول اور کالج) ہیں اور مختلف قدیم و جدید علوم و فنون میں تخصص (پی، ایچ، ڈی) کا ایک وسیع نظام ہے۔ اسی شعبہ کے ماتحت مدینۃ البعوث الاسلامیہ (بیرونی اسلامی ممالک کے طلبہ کا شہر) ہے جس میں ساٹھ ممالک اسلامیہ کے پانچ ہزار طلبہ مختلف مراحل (تعلیمی درجوں) میں زیر تعلیم ہیں۔ گویا یہ انہی طلبہ کی تعلیمی اور اقامتی بستی ہے۔

(۲) دوسرا شعبہ المجلس الأعلی للشئون الإسلامیہ ہے جس کا سالانہ بجٹ 25 لاکھ پونڈ ہے اس شعبہ کا کام تمام مسلم اور غیر مسلم ممالک کے لئے عصری تقاضوں کے مطابق اسلامی لٹریچر تیار کرنا اور پہنچانا ہے، اس شعبہ کا قابلِ ذکر اور لائق فخر بے نظیر کارنامہ المصحف المرتل ہے یہ ۴۴ ریکارڈوں میں بھرا ہوا پورا قرآن عظیم ہے جو مذکورہ ذیل عالمی شہرت کے مالک اساتذۂ فن قرأت و تجوید نے پڑھا ہے اور ریکارڈ کیا گیا ہے (۱) الشیخ محمود حصری (۲) القاری عبد الباسط عبد الصمد (۳) الشیخ محمد صدیق المنشاوی (۴) القاری مصطفٰے کامل جو روزانہ قاہرہ کے مختلف اور متعدد ریڈیو اسٹیشنوں سے مستقل طور پر پڑھا جاتا ہے علاوہ ازیں جہاں بھی ضرورت ہوتی ہے اس کے مکمل اسطوانات (ریکارڈ) بھیج دئے جاتے ہیں اسی طرح روزہ، نماز، حج، زکاۃ وغیرہ اسلامی احکام کے ریکارڈ بھی جید علماء سے

بھروائے گئے ہیں جو مصر اور مختلف ممالک میں بھی حسب ضرورت بھیجے جاتے ہیں۔

اس وقت اس شعبہ کے سربراہ (ڈائرکٹر) الاُستاذ محمد توفیق عویضہ نہایت پرجوش، فعال، اور بااخلاق نوجوان ہیں (۳) تیسرا شعبہ مجمع البحوث الاسلامیہ (ادارہ تحقیقات اسلامی) ہے۔ اس شعبہ کا کام یہ ہے کہ عصر حاضر میں جدید تمدن سے پیدا شدہ پیچیدہ اور دشوار مسائل کتاب وسنّت اور فقہ اسلامی کی روشنی میں حل کئے جائیں اور اسلام اور اس کی تعلیمات واحکام پر ملحدین خصوصاً یہودی اور عیسائی مستشرقین نے جو اعتراضات کئے اور شکوک وشبہات پیدا کئے ہیں ان کے محکم اور مسکت جوابات دیئے جائیں نیز جدید نسل کی تربیت اور جدید معاشرہ کی تشکیل کے لئے اسلام کے جن پہلوؤں کو واضح کرنے کی ضرورت اور اس مادیت کے دور میں اسلام کو جس اسلوب میں پیش کرنے کی حاجت ہے اس کے مطابق پیش کیا جائے اور ثابت کیا جائے کہ اس تاریک دور میں صرف اسلام کی روشنی میں ہی انسانی معاشرہ کی تطہیر واصلاح ممکن ہے۔

اس ادارہ کے مستقل اراکین جامع ازہر کے جدید وقدیم علوم کے ماہر چیدہ وبرگزیدہ علماء ومشائخ کے علاوہ اور دیگر اسلامی ممالک عربیہ کے چند سرفہرست علماء ومشائخ بھی شامل ہیں (جن میں سے معروف ومتعارف حضرات کے اسماء گرامی گذشتہ ماہ کے بیّنات میں ذکر کئے گئے ہیں)

ان حضرات کے ذمہ مذکورہ بالا مقاصد کے تحت تجویز شدہ عنوانات ومسائل پر مبسوط مقالات ومضامین تیار کرنا اور مجمع البحوث الاسلامیہ کی سالانہ کانفرنس میں پڑھنا ہوتا ہے۔ اس کانفرنس میں مختلف اسلامی ممالک کے اور ان ملکوں کے جہاں مسلمان معتدبہ مقدار میں آباد ہیں مستند اور معروف علماء کو ہر سال ازہر کے خرچ پر اس کانفرنس میں شرکت کی اور تیار شدہ مقالات ومضامین پر تبادلہ خیالات اور جرح وتنقید کرنے کی عام دعوت دی جاتی ہے تاکہ مجمع البحوث کے اراکین کے تیار کردہ مقالات ومضامین اور پیچیدہ ودشوار مسائل کے حل متفقہ فیصلہ کے بعد عالم اسلام میں پیش کئے جائیں اور تمام علماء امت کے لئے قابل قبول ہوں۔

چنانچہ اس ادارہ کی یہ تیسری کانفرنس تھی سابقہ دو کانفرنسوں کی مکمل کارروائی مبسوط مقالات اور مضامین نہایت شاندار طریق پر تقریباً ۵۰۰ صفحات کی ضخیم کتاب کی شکل میں طبع کرا کے تمام شرکاء کانفرنس میں تقسیم کئے گئے۔

بہر حال کانفرنس کے مندوبین کا کام یہ ہوتا ہے کہ طے شدہ عنوانات و مسائل پر جو مقالات دورانِ سال اراکین نے تیار کئے ہیں جن کی ٹائپ شدہ کاپیاں تمام مندوبین کو اجلاس سے اتنے وقت پہلے تقسیم کر دی جاتی ہیں کہ وہ پڑھ کر بحث و تنقیح کے لئے تیار ہو سکیں۔ ہر مقالہ نگار اپنے مقالہ کو خود پڑھتا ہے اور مندوبین کی بحث و تنقیح یا جرح و تنقید کا یا جواب دیتا ہے یا تسلیم کر کے اپنے مقالہ میں ترمیم کرتا ہے۔ ایسا بھی ہوا ہے کہ اگر کوئی مقالہ اسلامی روحِ تشریع کے منافی پڑھا گیا ہے تو مندوبین کے احتجاج پر اس کو مجمع البحوث کی کارروائی سے بالکل خارج کر دیا گیا ہے۔

الغرض ایک خالص علمی اور دینی کانفرنس ہوتی ہے نہ سیاسی مسائل زیر بحث آتے ہیں نہ سیاسی تجاویز پاس کی جاتی ہیں۔ البتہ مندوبین کے اعزاز و احترام اور پاس جذبات کی خاطر ان کو موقع دیا جاتا ہے کہ اگر کوئی مندوب (ڈیلیگیٹ) اپنے ملکی یا ملی مسائل پر کوئی تقریر کرنا چاہے یا مقالہ پڑھنا چاہے تو اس کو موقع دیا جاتا ہے اور کلمۃ الوفود (مندوبین کے بیان) کے عنوان سے مقامی پریس والے اس ٹائپ شدہ تقریر یا مضمون کو بطور خود اخبارات میں شائع کر دیتے ہیں۔ مجمع البحوث کی طرف سے بعینہٖ وہ بیان یا اس کا خلاصہ الگ چھپتا ہے اور اگلے روز تمام مندوبین میں تقسیم کر دیا جاتا ہے۔

بہر حال یہ موتمر کوئی عام سیاسی طرز کی کانفرنس نہیں ہوتی جیسا کہ پاکستان کے پریس والے اور اخبارات کے قارئین نے ناواقفیت کی بنا پر سمجھا ہے اور غلط فہمی میں مبتلا ہوئے ہیں۔

اس کے برعکس سعودی حکومت کے تحت الرابطۃ الاسلامیہ کے نام سے جو ادارہ قائم ہے اس کی نوعیت بالکل سیاسی ہے اس کی بھی سالانہ کانفرنس ہر سال ہوتی ہے اور عام اسلامی سیاست سے متعلق تجاویز اس کانفرنس میں پاس ہو کر شائع ہوتی ہیں، شاید یہی اشتباہ غلط فہمی کا منشاء ہو کہ مجمع البحوث الاسلامیہ کو بھی الرابطۃ الاسلامیہ کی قسم کا سیاسی ادارہ سمجھ کر اس سے بھی

اسی قسم کی تجاویز کی توقع قائم کر لی گئی ہو جیسی الرابطۃ الاسلامیہ میں پاس ہوتی ہیں۔

بہرحال مجمع البحوث الاسلامیہ کی حیثیت مصر میں وہی ہے جو پاکستان میں مرکزی ادارۂ تحقیقات اسلامی کی ہے فرق صرف اتنا ہے کہ مجمع البحوث کا پورا انظام جید اور مستند علماءِ اُمت کے ہاتھ میں ہے اور تمام امّت کے علماء کے اتفاق رائے سے فیصلے کئے جاتے ہیں اور پاکستان کے ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی کے سیاہ و سفید کا مالک اور مطلق العنان سربراہ (ڈائرکٹر) ایک میکگل یونیورسٹی کا تعلیم و تربیت یافتہ، مستشرقانہ نظریات کا داعی آزاد خیال نیم عالم ہے اسی کے ہم خیال و ہمنوا اس ادارہ کے تمام محققین اور لکھنے والے ہیں۔

اس فرق کے نتیجہ میں ہر دو اداروں کی متضاد تحقیقات کے مندرجہ ذیل مظاہر اور آثار و شواہد ہیں:

(۱) پاکستان کے ادارہ تحقیقات اسلامی کا فیصلہ ہے کہ زکاۃ اسلامی حکومت کا ایک ٹیکس ہے اس میں کمی بیشی، تغیر و تبدل اور تصرف کا کلی اختیار حکومتِ وقت کو حاصل ہے۔

مصر کی مجمع البحوث الاسلامیہ کا فیصلہ ہے کہ زکاۃ ایک مالی عبادت ہے اس کی شرح میں کمی بیشی، اموال زکاۃ میں تغیر و تبدل وغیرہ کا اختیار امت کے کسی بھی فرد یا جماعت کو حاصل نہیں ہے۔

(۲) پاکستانی ادارۂ تحقیقات اسلامی کا فیصلہ ہے کہ شاہی فرمان (آرڈی ننس) کے ذریعہ ملک میں جاری کردہ عائلی قوانین کے تحت اگر طلاق بصورت تحریر نہ ہو تو واقع نہ ہو گی اور دوسری شادی زوجۂ اوّل کی رضامندی اور عدالت کی اجازت کے بغیر قانوناً ناجائز نہ ہو گی۔

مصر کی مجمع البحوث الاسلامی کا فیصلہ ہے کہ شوہر کے زبانی طلاق دیتے ہی نافذ ہو جائے گی اگرچہ بصورت تحریر طلاق نہ بھی دی جائے، نیز دوسری شادی کے لئے نہ زوجۂ اول کی رضامندی کی ضرورت ہے اور نہ عدالت کی اجازت کی حاجت، شرعی طریق پر گواہان کی موجودگی میں زوجین کے ایجاب و قبول کے بعد نکاح ثانی درست ہے۔

(۳) پاکستان کے ادارۂ تحقیقات اسلامی کے نزدیک غذائی پیداوار اور معاشی وسائل کے اندیشہ کی بنا پر ضبطِ تولید اور تحدیدِ نسل جائز اور درست ہے۔

مصر کی مجمع البحوث کے نزدیک قومی سطح پر تحدیدِ نسل اور ضبطِ تولید دینی، اقتصادی، فوجی اور سیاسی، غرض ہر اعتبار سے سخت مضر اور شرعاً ناجائز ہے۔

(۴) پاکستانی ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی کے نزدیک بینک کا سود قطعاً جائز ہے۔

مصر کی مجمع البحوث کے نزدیک ہر قسم اور ہر طرح کا سود قطعاً ناجائز اور حرام ہے۔

ظاہر ہے کہ جہاں بھی اسلامی تحقیقاتی ادارہ کا نظام ایسے عالم نما جاہلوں اور بے لگام لکھنے والوں کے ہاتھ میں ہوگا، جو ڈنکے کی چوٹ نیا اسلام (ماڈرن اسلام) تیار کرنے کا اعلان کر رہے ہیں وہاں دینی مسائل اور اسلامی شرائع و احکام کا یہی حشر ہوگا اور جہاں اسلامی تحقیقات کا نظام مستند اہلِ علم کے ہاتھوں میں ہوگا وہاں کبھی اس قسم کے الحاد و تحریف اور خاتم انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین میں قطع برید اور مسخ و تشویہ (صورت بگاڑنے) کا وسوسہ بھی پاس نہیں پھٹک سکتا، خیال تو بڑی بات ہے۔

انتہائی افسوس اور شرم کا مقام ہے کہ ہمارا اتنا بڑا ملک جس کے بسنے والے نہ صرف علماء دینی اور علمی رفعت کے اعتبار سے، بلکہ عوام بھی دینداری اور مذہبی روایات کی عملی پابندی کے اعتبار سے آج بھی مصر و شام و حجاز وغیرہ ممالکِ اسلامیہ سے گوئے سبقت لے گئے ہیں اور جو اسلامی معاشرہ کے اعتبار سے بھی مغربی تہذیب و معاشرت کے زہریلے جراثیم سے نسبتاً محفوظ ہے اور عوام تو دینی تمسک اور تصلب اور پختگی میں ان ممالک سے کہیں آگے ہیں، وہاں تو دین اور اس کے احکام میں یہ علانیہ قطع برید اور مسخ و تحریف ہو رہی ہو، اور ایک آزاد اور یورپی تہذیب و معاشرت میں سرتاپا غرق ملک میں دین اور اسلامی احکام و شرائع کی، ہر قسم کے الحاد و تحریف سے اس طرح حفاظت ہو رہی ہو۔

ہم بلاخوفِ تردید کہہ سکتے ہیں کہ پاکستان کی عملی زندگی اور عوام کی دینی حالت۔ ان تمام تر خرابیوں کے باوجود جن کو ہم بغرض اصلاح وقتاً فوقتاً گنگناتے رہتے ہیں۔ آج تمام عالمِ اسلامی سے بہتر ہے، پھر ایسی قوم پر گوناگوں حیلوں اور فریب کاریوں سے زبردستی غیر اسلامی معاشرہ مسلط کرنا، شریعت کے صریح خلاف اور منافی احکام آرڈی ننس کے زور سے نافذ کرنا اور جان بوجھ کر الحاد و تحریف کے دروازے کھولنا کتنا بڑا ظلم و عدوان ہے؟

لمثل ھٰذا یذوب القلب عن کمد — اسی جیسی صورت حال پر دل غم کے مارے پگھلتے ہیں

إن کان فی القلب إسلام و إیمان — بشرطیکہ ان دلوں میں اسلام اور ایمان موجود ہو

مصری حکومت میں ہم نے جس چیز کا خطرہ سب سے زیادہ محسوس کیا وہ دو ہیں :۔

(۱) مصری حکومت نے اشتراکی نظام ۔ سوشلزم ۔ کو پوری طرح اپنا لیا ہے بڑی بڑی جاگیرداریاں ختم کر دی ہیں، بڑی بڑی صنعتیں حکومت نے اپنی ملکیت میں لے لی ہیں اور اس اشتراکیت کے حق میں اتنی شدت کے ساتھ پروپیگنڈا کیا جا رہا ہے کہ اس اشتراکیت نے عقیدہ کی صورت اختیار کر لی ہے اس لئے شدید خطرہ ہے کہ یہ اشتراکیت ۔ سوشلزم ۔ شیوعیت ۔ کمیونزم ۔ کی سیڑھی نہ بن جائے، چنانچہ متحدہ جمہوریہ مصر کے مخالفین نے تو ابھی سے اشتراکیت کو شیوعت کا درجہ دے کر مخالفانہ پروپیگنڈے کا بازار گرم کر رکھا ہے۔

(۲) دوسرا خطرہ یہ ہے کہ علماء و مشائخ آسودہ حالی اور ترفہ و تنعم (رئیسانہ زندگی) کے اس قدر عادی بن گئے ہیں کہ اگر ان کو حق بات کہنے میں اس ترفہ و تنعم (رئیسانہ زندگی) اور خوشحالی سے محروم ہو جانے کا ذرا بھی اندیشہ ہو تو وہ حق بات کہنے کی جرأت نہیں کرتے اس لئے ان سے آنے والے تباہ کن خطرہ کے سامنے سینہ سپر ہونے کی توقع اٹھتی جا رہی ہے۔

یہ مصر ہی کی خصوصیت نہیں بلکہ مغربی تہذیب و معاشرت کا جو تباہ کن سیلاب آ رہا ہے تمام ممالک اسلامیہ خصوصاً عرب ممالک تو اس کی خاص زد میں آئے ہوئے ہیں اور سب سے زیادہ اس سیلاب کی طوفان خیز موجوں میں بہہ رہے ہیں۔ بلکہ ڈوب رہے ہیں۔ دوسری طرف عرب قومیت کا بھوت سب کے سروں پر بری طرح سوار ہے اسلام کا نعرہ بھی برائے نام رہ گیا ہے۔ اس پر مستزاد یہ کہ مال و دولت کی فراوانی و طغیانی کے جو زہریلے اثرات ہوا کرتے وہ بری طرح پیدا ہو رہے ہیں۔

ان حالات کو دیکھ کر شدید مایوسی ہوتی ہے جب تک کوئی لطیفۂ غیبیہ ربانیہ فوق العادہ طریق پر ظاہر نہ ہو کوئی اصلاح کی توقع نہیں۔ بجز اس کے کہ دین اور اسلام کا درد رکھنے والے مسلمان رب العالمین کی بارگاہ میں سر بسجود اور دست بدعا ہوں کہ :

ربنا لا تجعلنا فتنةً للقوم الظالمين، ونجنا برحمتك من القوم الكافرين
ربنا لا تجعلنا فتنةً للذين كفروا واغفر لنا ربنا إنك أنت العزيز الحكيم، وصلى الله
على صفوة البرية خاتم النبيين وحبيب رب العالمين، سيدنا محمد
وآله وأصحابه وعلماء أمته وصالحي عباده وبارك وسلم.

شعبان سنہ ۱۳۸۶ھ

حکومت کے اوصاف اور سربراہ کے فرائض

بلاشبہ حکومت اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے بشرطیکہ حکومت صالح ہو اور صالح حکومت وہی ہے جو اپنی رعایا کی جان و مال اور عزت و آبرو کی محافظ اور ان کی ضروریاتِ زندگی کی کفیل ہو، جس کے زیر سایہ رعیت کا ہر شخص سکون و اطمینان کی زندگی بسر کرتا ہو، حکمراں کے دل میں رعیت سے ہمدردی و محبت ہو، ملکی ضروریات میں وہ عقل و تدبر اور عاقبت اندیشی سے کام لیتا ہو، قوم و ملک کی راحت رسانی کے لئے مضطرب اور بے چین ہو، تاجر، زمیندار، مزدور اپنی اپنی جگہ مطمئن ہوں، تجارت و زراعت پیشہ افراد پر ٹیکسوں کا بوجھ اتنا ہو کہ وہ برداشت کر سکیں، مظلوم کو ظالم سے نجات حاصل ہو، مملکت میں بداخلاقی و بے حیائی کے پھیلاؤ کو روکنے کے لئے مؤثر تدابیر ہوں، فساد پیشہ افراد کی کڑی نگرانی ہو، حکام فرضِ منصبی ادا کرتے ہوں اور ان کی کوتاہی پر شدید باز پرس ہو، رشوت سے ملک پاک ہو، انصاف و عدل حکومت کے ہر شعبے میں جلوہ گر ہو، داخلی نظم و نسق و حفاظت کا نظام بے نظیر ہو، خارجی خطرات اور سرحدوں کی حفاظت کے لئے فوجی نظام قابلِ تعریف ہو حکمران رحم دل ہو، بہادر ہو مدبر و سیاستداں ہو، قابلِ قدر سیاست سے قوم کی کشتی کو منزلِ مقصود پر پہنچانے کی صلاحیت رکھتا ہو، تباہی و بربادی کی موجوں سے اپنے سفینے کو ساحلِ کامرانی پر صحیح و سلامت پہنچانے کی اہلیت رکھتا ہو، ایسی بداخلاقیوں میں مبتلا نہ ہو جن کی وجہ سے رعیت اور قوم کے دلوں میں اس کا وقار نہ رہے، کوئی ایسی حرکت نہ کرے جس سے اس کی عزت قلوب سے نکل جائے۔ الغرض شائستہ سیرت ہو، ملک کا خیر خواہ ہو مملکت کو ہر طرح بامِ عروج تک پہنچانے کی اہلیت رکھتا ہو، خوش کردار و خوش گفتار ہو، مملکت کو ہر خطرے سے محفوظ رکھنے کا ذمہ دار ہو، عاقل، مدبر اور دور اندیش ہو، بردبار و حلیم ہو، طیش و غضب میں آنے والا نہ ہو، بلاشبہ ایسی حکومت رحمت ہے اور اگر حسنِ اتفاق سے کسی اسلامی مملکت کا مسلمان سربراہ ہو تو ان باتوں کے علاوہ اس کا اہم ترین فرض یہ ہے کہ مسلمان قوم کی قیادت قرآن و سنت اور اسلامی قانون کے مطابق کرے، معاشرہ سودی کاروبار سے پاک ہو، زنا و شراب پر پابندی ہو، امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے لئے محاکم احتساب قائم ہوں، محاکم عدلیہ میں حق تعالےٰ کا قانونِ رحمت جاری ہو، شریعتِ اسلامی کے مطابق فیصلے ہوتے ہوں، چوروں، ڈاکوؤں، شراب خوروں اور زنا کاروں پر شرعی حدود قائم ہوں۔ ایسا اسلامی نظام وجود میں آئے کہ دنیا کے بعد آخرت کی زندگی میں ہر مسلمان اللہ تعالےٰ کی جنت اور نعمتوں کا

مستحق ہو جائے، گویا دنیا کے نظام کو درست کرنے کے کافر و مسلمان دونوں برابر کی حیثیت رکھتے ہیں. البتہ اخروی نظام کے لئے مسلمان سربراہ کے فرائض زیادہ ہو جاتے ہیں عملی فتنوں سے مملکت کو بچانے کی تدبیر میں کوئی تقصیر نہ ہو اسی طرح علمی فتنوں سے دینِ اسلام کی حفاظت کی مؤثر تدبیریں اختیار کرے تعلیم کی بنیاد دین پر ہو اور اسلام کی حفاظت کے ساتھ جدید علوم جو نافع سے نافع تر ہوں ان کی تعلیم کا انتظام ہو، غرض یہ کہ مسلمان حکمران کا فرضِ منصبی جس طرح دنیا کو درست کرنا ہے ٹھیک اسی طرح آخرت کی زندگی درست کرنے کی تدبیریں بھی اس کے ذمے ہیں، یہ وہ نظام ہے جس کو اسلام نے ((السلطان ظل اللہ فی الارض من أکرمہ أکرمہ اللہ ومن أھانہ أھانہ اللہ)) کے منصب عالی پر پہنچا دیا، اور جس کو آسمانی وحی نے ((أطیعوا اللہ وأطیعوا الرسول)) کے بعد ((وأولی الأمر منکم)) فرماکر اعلیٰ ترین منصب عطا فرما دیا، اس وقت علمی انداز سے علماءِ نفسیات یا علماءِ اخلاق نے جو کچھ لکھا ہے، اس کی تفصیل مقصود نہیں، حکماء و فلاسفہ نے جو کچھ لکھا ہے یا ابن خلدونؒ جلال الدین دوانیؒ اور شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے جو کچھ لکھا ہے ان باتوں کو لکھنا منظور نہیں ؎ "چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک"

یہاں تو اقتدار کی ہوس ہے جس کی لاٹھی اس کی بھینس کا قصہ ہے، نہ صفاتِ عالیہ کی بحث ہے نہ کمالات کا ذکر ہے، اس ملک کی تاریخ اور دورِ حاضر کے دیگر ملکوں کی تاریخ خواہ اسلامی حکومتیں ہوں یا غیر اسلامی ہوں، ایشیائی مملکتیں ہوں یا یورپی۔ دیکھ کر عبرت ہی عبرت ہوتی ہے، دنیا میں کتنا بڑا زوال آ گیا، ہر حکمران مسولینی، ہٹلر اور چرچل کی تاریخ دہرانا چاہتا ہے اور ان کے نقشِ قدم پر چلنے کو اپنی اعلیٰ ترین کامیابی سمجھتا ہے، یہاں حیا، رحمدلی، انصاف، خوفِ خدا، خوفِ خلقِ خدا کا کیا سوال؟ حدیث نبوی میں "امامِ عادل" عادل حکمران کا مرتبہ ان سات اشخاص میں ذکر فرمایا ہے جو قیامت کے روز عرش کے سایہ میں ہوں گے، موجودہ دور کے حکمرانوں کی حالت دیکھ کر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ اپنی مخلوق سے ناراض ہو گیا ہے، ان پر بے رحم ظالموں کو مسلط کر دیا ہے جن کے سامنے ہوسِ اقتدار کے سوا کوئی اور مسئلہ نہیں. حق تعالیٰ نے اس دنیا کے مناصب کو اتنا ذلیل کر دیا ہے کہ حافظِ شیرازؒ کا مصرعہ صادق آتا ہے:-

؎ طوقِ زریں ہمہ در گردن خرمی بینم

دور جانے کی حاجت نہیں اپنے بدنصیب ملک کی تاریخ پر ایک نظر ڈالو، یکے بعد دیگرے یہاں کیسے کیسے افراد آئے؟ دیکھئے! اور اپنی قسمت کو رویئے، اللہ تعالیٰ نے عرصۂ دراز کی غلامی کے بعد

ایک پاکیزہ خطہ" عطا فرمایا تھا تاکہ ہم اپنے وعدوں کو سچ کر دکھاسکیں، لیکن جو کچھ ہوا اور جو کچھ ہو رہا ہے، آپ کے سامنے ہے، بجز حسرت و افسوس اور آہ و بکا اور کیا کر سکتے ہیں؟ اے اللہ اپنی مخلوق پر رحم فرما، ہمارے اس بگڑے نظام کو تو ہی درست فرما سکتا ہے، ہمارے ان حکمرانوں کو عدل و انصاف کے تقاضوں کے مطابق حکومت چلانے کی صحیح اہلیت عطا فرما تاکہ صحیح معنوں میں یہ حکومت سایۂ رحمت ہو، دین و دنیا کی برکات سے مالامال ہو، رعیت و قوم مطمئن اور آسودہ حال ہو، ظاہری و باطنی ترقیات نصیب فرما، اعداءِ اسلام اور کافروں کی ریشہ دوانیوں سے اس مملکت کی حفاظت فرما، راعی و رعیت دونوں کو اپنی ربوبیتِ کریمانہ عادلانہ کا مظہر بنا، ایسا نظامِ مبارک عطا فرما جس کے ذریعہ آخرت و جنت کی نعمتوں کے ہم مستحق بنیں، اے اللہ آپ ہر چیز پر قادر ہیں، ہم عاجز ہیں تو قادر ہے، وصلی اللہ علیٰ سید البریۃ خاتم النبیین محمد وعلیٰ آلہ وصحبہ أجمعین۔

اسلامی میلہ انگلستان

انگلستان میں اسلامی میلہ ہوا، اسلامی ملکوں اور عرب حکومتوں نے دل کھول کر عطیات دیئے اور اعداءِ اسلام کو اس کے ذریعہ اسلام اور مسلمان حکمرانوں سے انتقام لینے کا ایسا موقعہ ملا جو تاریخ میں کبھی نہ دیکھا ہوگا، تمام تقریروں اور تحریروں میں ڈاکٹر عبدالحلیم محمود شیخ الازہر کی تقریر کے سوا کوئی چیز مسلمان کے لئے خوشی کی نہیں تھی، مندوبین کے لئے تمام انتظامات تھے لیکن نماز کے لئے کوئی انتظام نہیں تھا نہ کسی نے اس کی ضرورت ہی محسوس کی۔ اِنا للہ! "میلۂ عالمِ اسلام" کے الفاظ ہی اسلام کی نفی کرنے کے لئے کافی تھے، اور پھر وہاں جو کچھ ہوا اور مسلمانوں سے جو کچھ کرایا گیا وہ اسلام دشمنی کا بدترین مظہر تھا۔ عجیب بات یہ ہے کہ "میلۂ عالمِ اسلام" کا افتتاح ملکہ برطانیہ نے کیا، گویا عیسائیوں نے مسلمان حکومتوں کی دولت و ثروت کے ذریعہ اسلام کو بدنام کرنے کے لئے اس میلے کو استعمال کیا، چنانچہ وہاں سب کچھ تھا، دنیا بھر کی خرافات جمع تھیں اگر نہیں تھا تو اسلام یا اسلامی سیرت کا نمونہ نہیں تھا، افسوس ہے کہ مسلمان کہاں سے کہاں پہنچ گئے، حق تعالیٰ عقل و فہم اور ایمان و اخلاص نصیب فرمائے۔ آمین

جمادی الاولیٰ ۱۳۹۶ھ، جون ۱۹۷۶ء

دستورِ پاکستان اور اس کی حقیقت

مدتوں کی آرزوؤں، پیہم کوششوں اور عظیم جانی و مالی قربانیوں کے بعد دنیا کے نقشہ پر دنیا کی سب سے بڑی اسلامی مملکت کے نام سے پاکستان وجود میں آیا اور حضرت الاستاذ شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی برکات و توجہات سے "قرار دادِ مقاصد" میں اسلام اور کتاب و سنت پر اس مملکت خداداد کی بنیاد قائم ہوئی، کافی عرصہ کے بعد پاکستان کا "دستور" بنا اور "کتاب و سنت" پر اس کی بنیادوں کو استوار کیا گیا۔

الغرض اسلام، قرآنِ عظیم اور سنتِ نبویہ (علی صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیم) کے نام پر اس جدید مملکت کا دنیا میں تعارف ہوا، کچھ عرصہ کے لئے اسلامی تعلیمات بورڈ کے نام پر پاکستان کے لئے "اسلامی قانون" کے نفاذ کے لئے انتظار کرایا گیا، اس کے دفنانے کے بعد اسلامی مشاورتی کونسل اور ادارۂ تحقیقاتِ اسلامیہ نے جنم لیا اور باور کرانے کی کوشش کی گئی کہ اب عنقریب اسلامی قانون بن جائے گا۔

لیکن افسوس کہ ان تمام توقعات کی حقیقت سراب سے زیادہ نہ ثابت ہوئی اور نہ صرف یہ کہ اسلامی قانون کے نفاذ کی کوئی کوشش ہی نہیں کی گئی بلکہ مخالفانہ کوششیں اور قانون سازی جاری رہی اور اعداءِ اسلام کی مخالفانہ و معاہدانہ کوششوں کو پورے طور پر ہوا دی گئی تاکہ نئی نسل کے دلوں سے حقیقی اسلامی قانون کا تصور ہی ختم ہو جائے اور اس کے بالمقابل اسلام کے خلاف تحریکوں کو پھولنے پھلنے کی پوری آزادی دی گئی اور عملی اعتبار سے معاشرہ میں عمداً "ایک ننگِ اسلام" صورت حال پیدا کر دی گئی، شعائرِ اسلام کی توہین، منکرات و فواحش کی ترویج میں کوئی کسر باقی نہ چھوڑی گئی اور سب سے زیادہ تباہ کن اور تکلیف دہ یہ ہے کہ یہ سب کچھ اسلام کے نام پر کیا جا رہا ہے، زبان سے اسلام کا نام لیا جا رہا ہے قرآن کا نام لیا جا رہا ہے دین کا نام لیا جا رہا ہے اور رسول علیہ الصلاۃ والتسلیم کی سیرت کے تذکرے بڑے شاندار طریق پر کئے جا رہے ہیں اور انتہائی افسوسناک طریق پر یہ باور کرایا جا رہا ہے کہ "یہی اسلامی تعمیر و ترقی" ہے۔ فواحش و منکرات پر "ثقافتِ اسلامیہ" کا لیبل لگایا جا رہا ہے، لادینی کو دین بنایا جا رہا ہے، مختصر یہ کہ ایک خدا فراموش اور خدا ناآشنا قوم کے جو اوضاع و اطوار ہوتے ہیں وہ پورے طور پر ابھرتے چلے آ رہے ہیں۔

کیا یہ کاسہ بدست اسلام" دنیا کے لئے پیغام امن و سلامتی اور آبحیات بن سکتا ہے ؟ اور کیا یہی نفسانی خواہشات کا پروردہ اسلام کیمونزم اور سوشلزم کا مقابلہ کر سکتا ہے ؟

انتہائی افسوس کی بات یہ ہے کہ نام تو قرآن و سنت کا لیا جا رہا ہے لیکن مسلم عائلی قانون ملک بھر میں نافذ کر کے نکاح و طلاق و عدت و توریث جیسے اہم مسائل و احکام میں قرآن و سنت کی صریح خلاف ورزی کی جا رہی ہے، نام تو اسلام کا لیا جا رہا ہے لیکن قرآن اور قرآنی روح کے صریح منافی خاندانی منصوبہ بندی کی ترویج پر۔ اس ملک میں جہاں باہمی رضامندی سے زنا جرم نہیں ہے۔ پورا زور صرف کیا جا رہا ہے، آخر اتنا بھی نہیں سوچا جاتا کہ ہم یہ کر کیا رہے ہیں؟ دستور کی بنیاد تو قرآن و سنت پر رکھی گئی ہو اور ملک میں جو قانون نافذ ہو جو منصوبہ بنے وہ قرآن و سنت کے خلاف اور منافی ہو، آخر اس منافقانہ دورخی پالیسی کا کیا حاصل ہے ؟ جرأت کے ساتھ صاف اعلان کیوں نہیں کر دیا جاتا کہ" پاکستان کی حکومت" لامذہبی" ہے" اسلام سے اس کا کوئی واسطہ نہیں" شام اور الجزائر کی حکومتوں نے" غیر اسلامی حکومت" ہونے کا اعلان کر دیا، کسی نے ان کا کیا بگاڑ لیا ؟

آخر اس اعلان کا کیا مقصد ہے کہ" خاندانی منصوبہ بندی اسلامی اصولوں کے منافی نہیں" اسلامی اصولوں کے منافی ہونے یا نہ ہونے کا فیصلہ کرنے کا منصب آپ کو کب سے اور کیوں کر حاصل ہو گیا ؟ ملک کی" فوجی طاقت" متوقع حملہ آوروں کے دفاع اور مقابلہ کے لئے کافی ہے یا نہیں ؟ اس کے فیصلہ کا منصب بے شک آپ کو حاصل ہے اس لئے کہ آپ نے اس میں پوری زندگی بسر کی ہے اس کے اسرار اور رموز کو بے شک آپ سمجھتے ہیں لیکن کسی قانون یا منصوبہ کے اسلام کے منافی ہونے یا نہ ہونے کے فیصلہ کا منصب تو انہی حضرات کو حاصل ہے جن کی زندگیاں اسلامی تعلیمات کے مطالعہ اور فہم میں گذری ہیں۔

علاوہ ازیں ایک خالص غیر اسلامی تحریک یعنی خاندانی منصوبہ بندی کی ترویج و اشاعت پر ملک کا خزانہ انتہائی بے دردی سے خرچ کیا جا رہا ہے، پریس کی پوری طاقت، نشر و اشاعت کے تمام وسائل عوام کو متاثر کرنے کے تمام نفسیاتی ذرائع بروئے کار لائے جا رہے ہیں لیکن ساتھ ہی ساتھ ۱۲ اگست ۶۶ء لاہور سے یہ اطلاع بھی (پ پ ا) کے ذریعہ شائع کی جا رہی ہے :-

مانع حمل ادویہ کا ناجائز استعمال، حکومت کو گہری تشویش

لاہور ۱۲/ اگست (پ پ ا) حکومت مغربی پاکستان کو غیر شادی شدہ شہریوں میں مانع حمل ادویات کے روز افزوں استعمال پر گہری تشویش ہے۔ باوثوق ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ صوبائی اربابِ اختیار ان ادویات کے ناجائز استعمال کی روک تھام کے سوال پر سنجیدگی سے غور کر رہے ہیں خیال ہے کہ حکومت ان ادویات کی فروخت پر پابندیاں عائد کر دے گی جس کی رو سے ضرورتمند شہریوں کو مانعِ حمل ادویات کی خریداری سے قبل اپنے رہائشی علاقہ کے معزز افراد کا ایک صداقت نامہ پیش کرنا ہوگا کہ وہ واقعتاً شادی شدہ ہیں؟ متعلقہ حکام کو اس بات کا سخت قلق ہے کہ حکومت نے خاندانی منصوبہ بندی کی خاطر مانع حمل اشیاء برائے نام قیمت پر بازاروں میں فراہم کی تھیں لیکن ان کو غیر شادی شدہ افراد خصوصاً نوجوان ناجائز مقاصد کے لئے استعمال کر رہے ہیں، خاندانی منصوبہ بندی چونکہ مرکزی معاملہ ہے اس لئے صوبائی حکومت مرکز سے درخواست کرے گی کہ وہ خاندانی منصوبہ بندی کے نیک کام کو بدنامی اور برائی سے بچانے کے لئے ٹھوس اقدام کرے۔

(روزنامہ جنگ کراچی ۱۴/ اگست ۶۶ء)

اس اخلاق سوز تحریک اور منفعت سے بدرجہا زائد "کھرت" پہنچاتے والے منصوبہ کا لازمی نتیجہ یہی ہونا تھا۔

اگر عالمِ اسباب کے پیشِ نظر کسی درجہ میں کوئی احتمالی فائدہ ہو بھی سکتا ہو تب بھی ایک ایسا منفعت سے زیادہ مضرت پہنچانے والا منصوبہ اور اس کو کامیاب بنانے کے لئے ایسی غیر محتاط جدوجہد جس کے نتائج معاشرہ کو تباہ کر ڈالنے کی صورت میں ظاہر ہوں کیسے برداشت کیا جاسکتا ہے۔

آخر ایک مدعیٔ اسلام مسلمان کو حق تعالیٰ کی رزاقیت و ربوبیت میں کیوں اور کس طرح شک و شبہ یا تردد و امنگیر ہوسکتا ہے؟ ظاہری وسائل رزقِ حلال کی تلاش و جستجو اور اہتمام و انتظام کو رزاقیت کا درجہ کیوں دے دیا گیا؟

ذرا غور کیجئے! اگر کچھ عرصہ پہلے "انتظام و انصرام وسائل کا ٹھیکہ دار انسان" یہ تصور کرتا کہ ملک میں روزانہ ایندھن اتنی مقدار میں صرف ہو رہا ہے اور ملک میں جنگلات جن سے کوئلہ لکڑی حاصل ہوتا ہے

اتنے ہیں، اس رفتار سے تو سو سال میں ملک کے اندر ایندھن کی پیداوار بالکل ختم ہو جائے گی اس لئے اب ملک کے اندر کھانا صرف ایک ہی وقت پکایا اور کھایا جائے تاکہ ایندھن کم خرچ ہو" تو ذرا سوچئے کتنا احمقانہ یہ منصوبہ ہوتا، آخر مٹی کا تیل، معدنی کوئلہ، الیکٹرک اور پھر معدنی اور مصنوعی گیس وغیرہ قسم قسم کا ایندھن ملک کے اندر ہی لکڑی کوئلہ کی کمی کو پورا کرنے کے لئے وجود میں آ گیا یا نہیں؟

اسی طرح دنیا کی بڑھتی ہوئی آبادی اور ضرورت کے تحت روئی، اون، ریشم وغیرہ لباس کی تیاری کے لئے خام مواد کی قلت اور ناکافی ہونے کے اندیشہ کے تحت ہی سن، ٹسر، مصنوعی ریشم اور معدنی مواد سے بنائے ہوئے قسم قسم کے نائلون کے لباس وجود میں آ گئے یا نہیں؟۔

تعجب ہے اللہ تعالیٰ کی ہمہ گیر رزاقیت اور لامحدود خالقیت کے یہ کرشمے ایک اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھنے والے کے سامنے آئیں اور اسے اتنی بصیرت نصیب نہ ہو کہ جو ملک کی روزافزوں آبادی کو بڑھا رہا ہے وہی نو بنو وسائلِ معاش اور غذائی مادوں کو پیدا کر دینے پر بھی قادر ہے جو قادرِ مطلق ملک کی آبادی کو بڑھائے گا وہی ان کے روزی کے ذرائع کو بھی بڑھائے گا، اس لئے کہ خالقیت بھی اس کی مخصوص صفت ہے اور رزق رسانی کا ذمہ بھی اسی نے لیا ہے، اس سلسلہ میں خاص طور پر انسانی تدابیر کی "درماندگی و بے چارگی" قدم قدم پر عیاں ہے۔

کمیونزم اور اسلام

ابھی ابھی معلوم ہوا ہے کہ "ایرویز امپلائز یونین پی، آئی، اے کراچی" کی سرکردگی میں منشور کے نام سے ایک ماہنامہ نکلتا ہے جو آفسٹ پریس پر بارہ ہزار کی تعداد میں چھپتا ہے اور مرد و زن کے درمیان مفت تقسیم کیا جاتا ہے اور پی آئی اے کے ملازمین کی تنخواہوں میں سے ماہانہ ایک روپیہ اس ماہنامہ کی اشاعت کے لئے کٹتا ہے۔

ماہانہ کیا ہے شعائرِ اسلام کی توہین، علماءِ دین اور دیندار طبقہ کی تحقیر، کمیونزم کی نشر و اشاعت، پاکستان کے خلاف نفسیاتی پروپیگنڈے، ممالکِ اسلامیہ کے خلاف زہریلے مواد فراہم کرنے کا ایک ارگن ہے۔ اتحادِ اسلامی کا مذاق اڑایا جا رہا ہے، جولائی ۱۹۶۶ء کی اشاعت میں صفحہ ۲۹ پر "اگر اجازت ہو" کے مستقل عنوان کے تحت "پابندِ صوم و صلاۃ مسلمان" کا مذاق اڑایا گیا ہے، الفاظ ملاحظہ ہوں:۔

فرشتوں کی ایسی تیسی تم اور تمہارے فرشتے سب فراڈ ہیں" کیا پاکستان اس لئے بنا تھا کہ اسلامی معتقدات (فرشتوں) کا اس طرح مذاق اڑایا جائے؟

اور تو اور یہ ماہنامہ تو پاکستان کی بنیادوں کو بھی کھوکھلا کر رہا ہے اور کیا ایئر مارشل اصغر خاں کو اتنا موقع بھی نہ ملا کہ وہ دیکھیں ان کے حدود اختیارات میں کیا ہو رہا ہے؟ بہرحال واقعات و حقائق دردناک ہیں۔ اگر ہماری غفلتوں کی یہی حالت رہی تو اسلام و پاکستان بخاکم بدہن دونوں کا جنازہ اس ملک سے عنقریب نکل جائے گا اور آنے والی نسل میں خدا کا نام لینے والا بھی کوئی ڈھونڈے سے نہ ملے گا۔

ضروری تنبیہ

ایمان و کفر، نفاق والحاد، ارتداد و فسق جس طرح نماز، زکاۃ، روزہ اور حج اسلام کے بنیادی احکام و عبادات ہیں اور دینِ اسلام میں ان کے مخصوص معنی اور مصداق متعین ہیں، قرآن و حدیث کی نصوص اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے تعامل سے ان کی حقیقتیں اور عملی صورتیں واضح و مسلم ہو چکی ہیں اور چودہ سو سال میں امتِ محمدیہ اور اس کے علماء و محققین ان کو جس طرح سمجھتے اور عمل کرتے چلے آئے ہیں اس تواتر و توارث عملی نے اس پر مہر تصدیق ثبت کر دی ہے اب ان عبادات و احکام اور ان نصوص کی تعبیرات کو ان کے متواتر شرعی معانی سے نکال کر کوئی نئی تعبیر اور نیا مصداق قرار دینا یقیناً دین سے کھلا ہوا انحراف ہے، ٹھیک اسی طرح کفر، نفاق، الحاد، ارتداد اور فسق بھی اسلام کے بنیادی احکام ہیں، دینِ اسلام میں ان کے بھی مخصوص و متعین معنیٰ اور مصداق ہیں، قرآنِ کریم اور نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم نے قطعی طور پر ان کی تعیین و تحدید فرما دی ہے، ان الفاظ کو بھی ان شرعی معانی و مصادیق سے نکالنا کھلا ہوا دین سے انحراف ہو گا اور ان کو از سرِ نو محلِ بحث و نظر بنانا اور امت نے چودہ سو سال میں ان کے جو معنیٰ اور مفہوم سمجھے اور جانے ہیں نو بنو تاویلیں کر کے ان سے ہٹانا کھلا ہوا الحاد و زندقہ ہو گا۔

ایمان کا تعلق قلب کے یقین سے ہے اور خاص خاص چیزیں ہیں جن کو باور کرنا اور ماننا ایمان کے لئے ضروری ہے جو کوئی ان کو نہ مانے قرآن کریم کی اصطلاح اور اسلام کی زبان میں اس کا نام کفر ہے اور وہ شخص کافر ہے جس طرح ترک نماز، ترک زکاۃ، ترک روزہ اور ترک حج کا نام فسق ہے، بشرطیکہ ان کے فرض ہونے کو مانتا ہو، صرف ان پر عمل نہ کرتا ہو۔ اور اگر انہی تعبیرات صلاۃ، زکاۃ، صوم،

حج کو اختیار کرنے کے بعد کوئی شخص ان کو معروف و متواتر شرعی معنی سے نکال کر غیر شرعی معنی میں استعمال کرے یا ان میں ایسی تاویلیں کرے جو چودہ سو سال کے عرصہ میں کسی بھی عالم دین نے نہ کی ہوں تو اس کا نام قرآن کی اصطلاح اور اسلام کی زبان میں الحاد ہے۔

قرآن کریم نے ان الفاظ۔ کفر، نفاق، الحاد، ارتداد کو استعمال فرمایا ہے اور جب تک روئے زمین پر قرآن کریم موجود رہے گا، یہ الفاظ بھی انہی معانی میں باقی رہیں گے۔

اب یہ علمارِ امت کا فریضہ ہے کہ وہ امت کو بتلائیں کہ ان کا استعمال کہاں کہاں صحیح ہے اور کہاں کہاں غلط ہے؟ یعنی یہ بتلائیں کہ جس طرح ایک شخص یا فرقہ ایمان کے تقاضوں کو پورا کرنے کے بعد مومن ہوتا اور مسلمان کہلاتا ہے اسی طرح ان ایمان کے تقاضوں کو پورا نہ کرنے والا شخص یا فرقہ کافر اور اسلام سے خارج ہے نیز علماء امت کا یہ بھی فرض ہے کہ ان حدود و تفصیلات کو یعنی ایمان کے تقاضوں کو اور ان کفریہ عقائد و اعمال و افعال کو متعین کریں جن کے اختیار کرنے سے ایک مسلمان اسلام سے خارج ہو جاتا ہے تاکہ نہ کسی مومن کو کافر اور اسلام سے خارج کہا جا سکے اور نہ کسی کافر کو مومن و مسلمان کہا جا سکے۔

ورنہ اگر کفر و ایمان کی حدود اس طرح مشخص و متعین نہ ہوئیں تو دینِ اسلام بازیچۂ اطفال بن کر رہ جائے گا اور جنت و جہنم افسانے۔

یاد رکھئے اگر ایمان ایک متعین حقیقت ہے تو کفر بھی ایک متعین حقیقت ہے، اگر کفر کے لفظ کو ختم کرنا ہے اور کسی کافر کو بھی کافر نہیں کہنا ہے تو پھر ایمان و اسلام کا بھی نام نہ لو اور کسی بھی فرد یا قوم کو نہ مومن کہو نہ مسلمان۔ رات کے بغیر دن کو دن نہیں کہہ سکتے، تاریکی کے بغیر روشنی کو روشنی نہیں کہہ سکتے، پھر کفر کے بغیر اسلام کو اسلام کیونکر کہہ سکتے ہو؟ اور پھر یہ کہنا اور فرق کرنا بھی سرے سے غلط ہو گا کہ "یہ مسلمانوں کی حکومت" ہے اور "یہ کافروں کی" اور یہ تو "اسلامی حکومت" ہے اور وہ "کفریہ حکومت" ہے۔ پھر تو حکومت سیکولر اسٹیٹ یعنی لادینی حکومت ہو گی غرض کفر اور کافر کا لفظ ختم کرنے کے بعد "اسلامی حکومت" کا دعویٰ ہی بے معنی ہو گا یا پھر یہ لفظ الیکشن جیتنے کے لئے ایک دل کش نعرہ اور حسین فریب ہو گا۔

غرض یہ ہے کہ علماء پر کچھ بھی ہو رہتی دنیا تک یہ فریضہ عائد ہے اور رہے گا کہ وہ کافر پر کفر کا حکم اور فتویٰ لگائیں اور اس میں پوری پوری دیانت داری اور علم و تحقیق سے کام لیں اور ملحد و زندیق پر الحاد و زندقہ کا حکم اور فتویٰ لگائیں اور جو بھی فرد یا فرقہ قرآن و حدیث کی نصوص و تصریحات کی

روسے اسلام سے خارج ہو اس پر اسلام سے خارج اور دین سے بے تعلق ہونے کا حکم اور فتویٰ لگائیں جب تک سورج مغرب سے طلوع نہ ہو، قیامت نہ آجائے۔

چونکہ کفر و اسلام کے حکم لگانے کا معاملہ بے حد اہم اور انتہائی نازک ہے اور ایک شخص جذبات کی رو میں بھی بہہ سکتا ہے اور فکر و رائے میں غلطی بھی کر سکتا ہے اس لئے علمارِ امت کی ایک معتمد علیہ جماعت جب اس کا فیصلہ کرے گی تو وہ فیصلہ یقیناً "حقیقت پر مبنی اور شک و شبہ سے بالاتر ہو جائے گا۔

بہر حال کافر، فاسق، ملحد، مرتد وغیرہ شرعی احکام داوصاف ہیں اور فرد یا جماعت کے عقائد یا اقوال دافعال پر مبنی ہوتے ہیں نہ کہ ان کی شخصیتوں اور ذاتوں پر، اس کے برعکس گالیاں جن کو دی جاتی ہیں ان کی ذاتوں اور شخصیتوں کو دی جاتی ہیں لہٰذا اگر یہ الفاظ صحیح محل میں استعمال ہوتے ہیں تو یہ شرعی احکام ہیں، ان کو "سب وشتم" اور ان احکام کے لگانے کو "دشنام طرازی" کہنا یا جہالت ہے یا بیدینی، ہاں کوئی شخص غیظ وغضب کی حالت میں یا ازراہِ تعصب و عناد کسی مسلمان کو "کافر" کہہ دے تو یہ بے شک "گالی" ہے اور یہ گالی دینے والا خود فاسق ہوگا اور تعزیر کا مستحق اور اگر کوئی شخص جان بوجھ کر کسی واقعی مسلمان کو "کافر" کہہ دے تو یہ کہنے والا خود "کافر" ہو جائے گا۔

علماءِ حق جب کسی فرد یا جماعت کی تکفیر کرتے ہیں تو درحقیقت "ایک کافر کو کافر بتلانے والے" اور مسلمانوں کو اس کے کفر سے آگاہ کرنے والے ہوتے ہیں نہ کہ اس کو "کافر بنانے" والے، کافر تو وہ خود بنتا ہے جب کفریہ عقائد یا اقوال و افعال کا اس نے ارتکاب کیا اور ایمان کے ضروری تقاضوں کو پورا نہیں کیا تو وہ باختیارِ خود کافر بن گیا، لہٰذا یہ کہنا کہ "مولویوں کو کافر بنانے کے سوا اور کیا آتا ہے" سراسر جہالت ہے یا بے دینی۔

اگر علمار ایمانی حقائق اور اسلام کی حدود کی حفاظت نہ کرتے تو اسلام کا نام ہی صفحہ ہستی سے کبھی کا مٹ چکا ہوتا، جس طرح کسی حکومت کا فرض ہوتا ہے کہ وہ اپنی مملکت کی حدود کی حفاظت کرے اور ان کے تحفظ کے لئے فوجی طاقت اور دفاعی سامان جنگ وغیرہ کی تیاری میں ایک لمحہ کے لئے غافل نہ ہو، اسی طرح ایمان، اسلام، اسلامی معاشرہ، مسلمانوں کے "دین و ایمان" کو ملحدوں، افترا پردازوں اور جاہلوں کے حملوں سے محفوظ رکھنا علمارِ حق اور فقہارِ امت کے ذمہ فرض ہے، ابھی چند دنوں کا قصہ ہے جب بھارت نے پاکستان پر حملہ کیا اور حکومتِ پاکستان نے "جہاد" کا اعلان کیا اور پاکستان کی

افواج قاہرہ اور عوام نے اس جہاد میں جوش وخروش کے ساتھ حصہ لیا تو بھارت کے لوگوں کو یہ کہنے کا موقعہ مل گیا کہ پاکستان "اسلامی حکومت" نہیں ہے اور یہ لڑائی "اسلامی جہاد" نہیں ہے اور اگر ہے تو پھر ہندوستان بھی اسی طرح دارالاسلام ہے جس طرح پاکستان۔ "اسلامی قانون" نہ وہاں نافذ ہے نہ یہاں "مسلمان" وہاں بھی رہتے ہیں یہاں بھی۔" بھارت کو یہ کہنے کا موقعہ کیوں ملا؟ صرف اس لئے کہ نہ پاکستان میں "اسلامی قانون" نافذ ہے اور نہ "اسلامی معاشرہ" موجود ہے۔ یہ ہماری وہ کمزوریاں ہیں جن سے دشمن نے ایسے نازک موقعہ پر فائدہ اٹھایا، اگر اس ملک کے اندر "نبوت" کا مدعی اور "ختم نبوت" کا منکر مرزا غلام احمد قادیانی کی "امت" (مرزائی فرقہ) بھی مسلمان ہے اور پورے اسلام کے چودہ سو سالہ اسلامی عبادات ومعاملات کے نقشہ کو مٹا ڈالنے والا اور جنت و دوزخ سے صریح انکار کرنے والا غلام احمد پرویز اور اس کی جماعت بھی مسلمان ہے اور اگر قرآن کے منصوص احکام کو عصری تقاضوں کے سانچوں میں ڈھالنے والا "سنتِ رسول" کو ایک تعاملی اصطلاح اور رواجی قانون" بتلانے والا "سود" کی حرمت سے قرآن کو خاموش بتاکر حلال کرنے والا ہی نہ صرف مسلمان ہے بلکہ "اسلامی تحقیقاتی ادارہ" کا سربراہ ہے تو پھر یاد رہے کہ محض قرآن کریم کو "زردوزی" کے سنہری حروف" میں لکھوانے سے قرآن کی حفاظت قیامت تک نہیں ہوسکتی اور یہ دعویٰ انتہائی مضحکہ خیز ہے یا پھر عوام کو بے وقوف بنانے کا ہتھکنڈہ ہے۔

ابھی کل تک یہی ملحدین "مسلمانوں کو طعنہ دیا کرتے تھے کہ قرآنِ مجید اس لئے نازل نہیں ہوا ہے کہ ریشمی رومالوں میں لپیٹ کر اس کو بوسے دیئے جائیں پیشانی سے لگایا جائے اور سروں پر رکھا جائے یہ تو مسلمانوں کے لئے ایک عملی قانون ہے عمل کرنے کے لئے نازل ہوا ہے"۔ پھر آج اس حقیقت سے یہ بے اعتنائی کیوں ہے کہ "باہمی رضامندی سے زنا کو" جرم نہیں قرار دیا جاتا، بینکاری سود" کو شیرِ مادر کی طرح حلال قرار دے کر خود حکومت سود لے رہی اور دے رہی ہے "ریس کورس" جیسی مہذب قماربازی کے "شراب" کی درآمد وبرآمد اور خرید وفروخت کے لائسنس دیئے جارہے ہیں نکاح وطلاق ووراثت کا قانون سب صریح قرآن وسنت کی تصریحات کے خلاف جاری ہے، جرائم اور سزاؤں کا تو کہنا ہی کیا؟

غرض قرآن وسنت کو بالائے طاق رکھ کر "قانون سازی" کا سلسلہ جاری ہے اور زردوزی کے سنہری حرفوں میں لکھواکر قرآن عظیم کی حفاظت کا اہتمام بھی کیا جارہا ہے، نہایت صبر آزما حقائق ہیں آخر مسلمانوں کو کیا ہوگیا کہ اتنے واضح حقائق کی فہم کی توفیق بھی سلب ہوگئی؟ اللھم اھد قومی فانھم لا یعلمون

جمادی الاولیٰ ۱۳۸۶ھ، ستمبر ۱۹۶۶ء

پاکستان کا موجودہ نظامِ تعلیم

صدمے کی بات ہے کہ تمام عربی اسلامی دنیا میں ابتدائی تعلیم کی بنیاد دین پر رکھی جارہی ہے، دنیا کی ضروریات کو یقیناً تعلیم کا جز بنا دیا گیا ہے لیکن ڈھانچہ دینی ہے چنانچہ حکومت کے ابتدائی مکاتیب (پرائمری اسکول) میں ہی مسلمان بچے بقدرِ ضرورت یعنی "فرضِ عین" دین سے واقف ہوجاتے ہیں لیکن ہماری بدنصیب مملکت ہے کہ آج تک اس کے تعلیمی نظام کا ڈھانچہ دینی نہ بن سکا، اگر بچہ ابتدائی دینی مکتب میں یا اپنے گھروں میں والدین کے زیر سایہ دین نہ سیکھ سکا تو موجودہ اسکولوں، کالجوں کے دائرے میں وہ مسلمان کبھی نہیں بن سکتا، نہ فرائضِ دین سے واقف ہوسکتا ہے نہ عقائدِ اسلامیہ سے یہ ہمارے اس تعلیمی نظام کا سب سے بڑا المیہ ہے جو ہمدردانِ ملت کی اوّلین توجہ کا محتاج ہے۔

مسجدوں میں دنیوی تعلیم کا حکم

روزنامہ مشرق مورخہ ۱۲ اگست ۱۹۶۸ء میں حسبِ ذیل خبر شائع ہوئی ہے:۔

کراچی ۱۱ اگست (مشرق رپورٹ) مغربی پاکستان میں مذہبی تعلیم کی اشاعت و ترویج کے سلسلے میں محکمۂ اوقاف کے تحت کراچی کے سرکردہ علماء کی ایک کانفرنس منعقد ہوئی جس کی صدارت ناظمِ اوقاف کراچی زون نے کی، کانفرنس میں مدرسوں اسکولوں اور کالجوں میں مذہبی تعلیم کو لازمی قرار دیئے جانے کی سفارش کی گئی اور اس مسئلے پر خاص طور پر غور کیا گیا کہ شہر کی درسگاہوں میں مذہبی تعلیم کی صحیح تدریس میں ائمہ مساجد کیا کردار ادا کرسکتے ہیں، کانفرنس میں مولانا محمد یوسف بنوری، مولانا محمد طیب، مولانا متین خطیب، قاری ظاہر قاسمی، مولانا عبید اللہ اور میاں عبدالعزیز نے شرکت کی۔

اجلاس میں اس مسئلہ پر مکمل اتفاق رائے پایا گیا کہ مسلم اوقاف کی انتظامیہ پر یہ

لازم ہے کہ وہ مذہبی تعلیم کی اشاعت وترویج میں نمایاں کردار ادا کرے اور اس سلسلہ میں ائمہ مساجد کے دائرہ کار کو وسعت دینے کے سوال پر طویل غور وخوض ہوا اجلاس کی رائے میں مذہبی تعلیم کو مدرسوں، اسکولوں اور کالجوں میں لازمی قرار دیا جانا چاہیئے کہ اسلامیات سے نابلد طلباء دوسرے علوم کی صرف مادی افادیت کے قائل ہوکر نہ رہ جائیں، اسلامیات کا مضمون بذاتِ خود اتنا وسیع ہے کہ اس کے گوشے زندگی کے تمام پہلوؤں پر محیط ہیں۔

اجلاس میں شریک علماء کی اکثریت اس بات پر متفق تھی کہ اسلامیات کی تعلیم کے لئے صرف وہ اساتذہ مفید ثابت ہو سکتے ہیں جنہیں اس مضمون پر مکمل عبور حاصل ہو، علاوہ ازیں ان اساتذہ کا موجودہ سائنسی دور کے تقاضوں کو بھی ذہن میں رکھنا ضروری ہے طے پایا کہ محکمہ اوقاف مطلوبہ معیار کے اساتذہ پیدا کرنے کے لئے مناسب قدم اٹھائے اور اس تمام پروگرام میں ائمہ مساجد کی مسلم معاشرہ میں اہمیت اور افادیت کو مدنظر رکھے۔

اس خبر کو پڑھ کر نہ صرف تعجب ہوا بلکہ انتہائی صدمہ ہوا کہ حکومت کے ذمہ دار اعلیٰ مناصب کے مالک حضرات بھی عوام کی سطح پر آکر خلافِ واقعہ بات کہنے میں ذرا بھی تامل نہیں کرتے، واقعہ صرف یہ ہے کہ جمعہ ۹ راگست کو حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند کے اعزاز میں جناب محمود صاحب اور ان کے بھائی جناب مسعود صاحب چیف ایڈمنسٹریٹر اوقاف مغربی پاکستان نے عصرانہ کی دعوت دی اور راقم الحروف کو باصرار بلایا، باتھ آئی لینڈ کی ایک سرکاری کوٹھی میں یہ دعوت دی گئی تھی، چنانچہ راقم الحروف اور مہمانِ خصوصی حضرت مولانا قاری طیب صاحب اور قاری زاہر القاسمی وہاں پہنچے، دونوں بھائیوں نے مہمانوں کا خیر مقدم کیا، مسعود صاحب مہمانِ خصوصی کے ساتھ خود بھی بیٹھے اور راقم الحروف کو بھی بٹھایا، فوٹوگرافر فوٹو لینے جب آیا تو راقم الحروف نے فوٹو لینے سے سختی سے منع کیا اس پر مسعود صاحب نے پوچھا کیا ناجائز ہے؟ میں نے کہا جی ہاں حرام ہے فرمایا: پشاور میں دو صد علماء جمع تھے بعض مشاہیر کا نام بھی لیا، ان میں سے کسی نے تو فوٹو لینے کو جائز کہا بعض نے مکروہ کہا: اس پر میں نے جواب دیا: "مجھ پر کسی کا علم حجت نہیں ہے میں حرام سمجھتا ہوں، حضرت مولانا طیب صاحب نے بھی دریافت فرمانے پر فرمایا: "ممنوع ہے۔"

اس کے بعد ایک خاص فرقہ کے کروڑوں روپے کے اوقاف پر محکمہ اوقاف کے قبضہ نہ کرنے کے سلسلے میں گفتگو ہوئی اس پر موصوف نے اپنی مجبوری کا اظہار فرمایا۔

اتنے میں ہم نے اجازت چاہی اور روانہ ہوگئے راستہ میں قاری طیب صاحب سے مسعود صاحب نے پوچھا: اگر مساجد میں دینی تعلیم ہو تو کیا حرج ہے؟ قاری صاحب نے فرمایا: "اس میں کیا مضائقہ ہے۔" بس اتنی بات ہوئی اور ہم چلے آئے، بعد میں باقیماندہ چند مدعوین تھے ان کے درمیان کوئی تجویز پاس ہوئی یا نہیں ہوئی؟ اس کا ہمیں علم نہیں لیکن انتہائی ستم ظریفی ہے کہ عصرانے کی دعوت کو "کانفرنس" کہنا اور جس بات کا ذکر بھی مجلس میں نہ آیا ہو اس کو تجویز بتا دینا کتنی حیرت انگیز بات ہے، رہا یہ کہ جو کچھ کہا گیا ہے وہ دراصل ان کے دل کی آواز ہے اور وہ انتہائی کوشش میں ہیں کہ کسی نہ کسی طرح مساجد پر قبضہ کرکے ان کو اسکول کے بچوں کی آماجگاہ بنادیں۔ اسی قسم کی باتوں کو "کلمة حق أريد بها الباطل" کہا کرتے ہیں، دینی تعلیم ہمیشہ مساجد میں ہوتی رہی ہے اور آج بھی ہو رہی ہے بڑے بڑے شہروں میں آج بھی مساجد قرآن و حدیث کی آوازوں سے گونج رہی ہیں، لیکن آپ یہ چاہیں کہ مسجدوں میں بچوں کو کتوں، بلیوں کے قصّے پڑھائے جائیں تو مسلمانوں سے اس کی توقع نہ رکھیں، مسجدیں اللہ تعالٰے کی عبادت گاہیں ہیں ان میں جو کام عبادت یا وسیلۂ عبادت نہ ہو اس کی اجازت ہرگز نہیں دی جاسکتی، بعض فقہانے تو تعلیم القرآن کو بھی اگر تنخواہ لے کر ہو تو ممنوع قرار دے دیا ہے، بہرحال اس وقت اس سے بحث نہیں کہ یہ تجویز صحیح ہے یا غلط افسوس اس کا ہے کہ شاطرانہ طریقے پر عصرانے کی دعوت کو کانفرنس میں تبدیل کر دیا گیا، اناللہ۔ مہمانانِ خصوصی کے تو فرشتوں کو بھی خبر نہ تھی، جی ہاں صحیح بخاری شریف کی ایک حدیث میں ہے :-

اِنّ مما أدرك النّاسُ من کلام النبوة	انبیاءِ سابقین کی تعلیمات میں سے یہ بات مشہور چلی
الأولیٰ إذا لم تستحی فافعل ما شئت ۔	آئی ہے کہ شرم وحیا اگر نہ ہو تو پھر جو جی چاہے کرگذرو۔"

اللہ تعالٰے رحم فرمائے اور اربابِ مناصب کو اپنے شانِ منصبی کے وقار کو برقرار رکھنے کی توفیق مرحمت فرمائے، آمین۔

یہ تو بالکل ظاہر ہے کہ مسجدوں میں مذہبی تعلیم و تربیت سے کون انکار کر سکتا ہے لیکن در اصل سوال یہاں مذہبی تعلیم کا نہیں بلکہ سوال تو یہ ہے کہ مسجدوں کو اسکول بنا دیا جائے کیا آج کل جو اسکولوں کی تعلیم ہے اور جو کتابیں اس میں پڑھائی جاتی ہیں کیا وہ سب مذہبی کتابیں ہیں؛ اور مذہبی تعلیم ہے ؟ کیا غیر مذہبی چیزوں کی اور تصویروں کو بنانے کے لئے ڈرائنگ کی تعلیم بچوں کو مسجد سے نکال کر باہر میدان میں دی جائے گی ؟ اصل مقصد اس حیلے سے مساجد اللہ کی آزادی کو ختم کرنا اور مذہبی آزادی و تعلیم کا گلا دبانا ہے، عنوان کتنا دل فریب ہے لیکن مقصد کتنا نفرت انگیز ہے، اللہ تعالیٰ صحیح نیت اور صحیح علم اور صالح عمل کی توفیق نصیب فرمائے وصلی اللہ علی صفوۃ الکائنات سید السادات محمد وآلہ وصحبہ وبارك وسلم۔

جمادی الثانیہ ۱۳۸۸ھ

جدید تہذیب و مخلوط تعلیم کی برکات

گذشتہ دنوں کراچی میں ہاکس بے کا جو واقعہ پیش آیا اس پر نہ صرف تمام جرائد و اخبارات بلکہ حکمران بھی چیخ اٹھے کہ جدید نسل کی بے حیائی نے مسلمانوں کو شرم و حیا کے مارے زندہ درگور کر دیا، بے شرمی و بے حیائی کو خود اپنے ہاتھوں پھیلانے کے بعد پھر نہ معلوم کیوں چیختے ہیں، یہ جدید تہذیب کی برکات اور جدید مخلوط تعلیم کے ثمرات ہیں، تعجب و افسوس تو اس پر ہے کہ اس قسم کے شرم ناک واقعات کے جو حقیقی عوامل و اسباب ہیں ان کو کیوں پیش نظر نہیں رکھتے، مخلوط تعلیم کی وبا، لڑکوں اور لڑکیوں کا بے تکلف اختلاط، عام معاشرہ میں دینی ماحول کا فقدان، کالجوں اور اسکولوں میں دینی تربیت کا فقدان، زیب و زینت کر کے تفریح گاہوں میں ان کو لے جانا، سینما اور ٹی وی کے روح فرسا مناظر کا رات دن کا مشغلہ، قدم قدم پر عریاں مناظر، حیا سوز مظاہر اور پھر یہ شکوہ؟ "خود کردہ را چہ علاج؟" جب یہ جدید نظام تعلیم کے تبرکات ہیں تو کیوں اس پر نظر نہیں کرتے کہ اس نظام کو بدلا جائے، اس بے حیائی کا قلع قمع کیا جائے اس کے تمام اسباب کو چن چن کر ختم کیا جائے، ہمارے نزدیک ان تمام شرور و فتن کی جڑ ہے صنفِ نازک کو پردۂ عفت و عصمت سے نکال کر اسکول، کالجوں میں بھیجنا، سینماؤں اور کلبوں میں لئے لئے پھرنا، انہیں گلیوں، بازاروں اور اسٹیجوں پر جلوہ نمائی کی دعوت دینا، اگر لڑکیوں کے لئے کسی درجہ میں اسکولوں کی تعلیم ضروری ہے تو صرف دینی و معاشرتی ابتدائی تعلیم تک پردے میں ہونا چاہئے، لباس و پردہ کی پابندی ضروری ہے، مخلوط تعلیم کو ممنوع قرار دیا جائے ورنہ جو شرمناک مظاہر پیش آئے آئندہ اس سے زیادہ کا خطرہ ہے، اللھم اھد قومی فانھم لا یعلمون۔

مدرسہ عربیہ اسلامیہ کا شعبہ تحقیق و تصنیف

الحمد للہ کہ مدرسہ عربیہ اسلامیہ میں ایک مستقل شعبہ تحقیق و تصنیف قائم ہوا، اس طرح یہ دیرینہ آرزو پوری ہو گئی کہ ایک ایسا ادارہ وجود میں آجائے جو نئی نسل

کی اصلاح و تربیت اور انہیں عصرِ حاضر کے الحاد پرور اثرات سے بچانے کے لئے اعلیٰ معیار کی دینی کتابیں شائع کرے، شعبۂ تحقیق و تصنیف کے سامنے دو اہم مقصد ہیں: ایک وقتی تقاضوں کے مطابق علمی موضوعات پر اور مسائل پر تحقیق کرنا اور ان تحقیقات کو کتابی شکل میں منظرِ عام پر لانا، دوسرے عمدہ اور بہترین کتابوں کو منتخب کر کے ان کے تراجم مختلف زبانوں میں شائع کرنا۔

ہمیں اپنی کوتاہ سامانی اور کم مائگی کے ساتھ ساتھ اس راستے کی مشکلات کا پورا احساس ہے تاہم اللہ تعالیٰ کی نصرت و اعانت کے بھروسے پر اپنے حقیر وسائل کے مطابق کئی موضوعات پر کام شروع کر دیا گیا ہے، الحمد للہ چار مخلص و محقق اہلِ علم و اہلِ قلم اس خدمت کے لئے وقف ہیں، جن میں سے بعض حضرات اُردو، عربی اور انگریزی تینوں زبانوں کے ماہر ادیب ہیں۔

عربی سے اُردو ترجمہ کے لئے سب سے پہلے شیخ مصطفےٰ سباعی مرحوم کی کتاب "السنة ومكانتها فى التشريع الإسلامى" کو منتخب کیا گیا جو اپنے موضوع پر بے نظیر جامع کتاب ہے، ترجمہ کی پہلی جلد طبع ہو چکی ہے اور دوسری زیرِ طبع ہے، اردو کتابوں میں مولانا محمد اسحاق صدیقی کی تصنیف "دینی نفسیات" اچھوتی کتاب ہے جو زیرِ طبع ہے اس کے بعد موصوف کی دوسری تصنیف "ختمِ نبوت" عنقریب شائع کی جائے گی جس میں مسئلہ ختمِ نبوت کے عقلی و نفسیاتی پہلوؤں پر نئے انداز سے بحث کی گئی ہے۔

کتابوں کی نشر و اشاعت کے لئے "مکتبۂ رشیدیہ غلّہ منڈی ساہی وال" کو شعبۂ تحقیق و تصنیف مدرسہ عربیہ اسلامیہ کی جانب سے وکیلِ عام بنایا گیا ہے، اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر دے کہ انہوں نے اس ذمہ داری کو بخوشی اٹھانا منظور کر لیا ہے، ہمیں حق تعالیٰ کے الطافِ غیبیہ سے اُمید ہے کہ جس طرح مدرسہ کی مشکلات کے حل کرنے میں ہماری دستگیری فرماتے ہیں اسی طرح اس شعبہ کی ضروریات کی تکمیل میں ہماری امداد فرمائیں گے، وهو ولى التوفيق والنعمة وهو حسبنا ونعم الوكيل۔

جون ۱۹۷۲ء، ربیع الثانی ۱۳۹۲ھ

پہلی اسلامی سربراہ کانفرنس لاہور

گذشتہ دنوں لاہور میں اسلامی سربراہ کانفرنس ہوئی جس میں پہلی مرتبہ ۳۷ ممالک کے سربراہان مملکت اور نمائندہ وفود ایک جگہ جمع ہوئے، بلاشبہ یہ تاریخی واقعہ ہے جسے شاید موجودہ حکومت کا زریں کارنامہ شمار کیا جائے گا، در اصل امتِ اسلامیہ کا سب سے بڑا المیہ آپس کی پھوٹ اور تشتت و افتراق ہے، مسلمانوں کا یہی کمزور پہلو ہے جس سے اعداءِ اسلام نے ہمیشہ فائدہ اٹھایا، آج بھی اگر یہ شقاق و نفاق ختم ہو جائے اور اتحاد و یک جہتی کی نعمت میسر آجائے تو عالمِ اسلام دنیا کی سب سے بڑی طاقت کی حیثیت سے ابھر سکتا ہے مسلمانوں کو حق تعالیٰ نے دنیا کے نقشہ پر کلیدی مقامات عطا کئے ہیں، خانہ بدوش صحرا نوردوں پر دنیا کے خزانوں کے منہ کھول دیئے ہیں اور ان بے کار صحراؤں اور ریگستانوں سے وہ زمینی ذخائر عطا کئے کہ آج کفر کی تمام طاقتیں ان کی محتاج ہیں، کاش یہ مادی وسائل ترقیٔ اسلام پر صرف ہوتے تو آج عالمِ اسلام کا نقشہ ہی کچھ اور ہوتا۔

موجودہ کانفرنس کا بنیادی مسئلہ

کانفرنس کا بنیادی مسئلہ "قدس" اور مقبوضہ علاقوں کو اسرائیلی جارحیت سے پاک کرانے کا عزم بالجزم تھا جہاں تک قراردادوں کا تعلق ہے الحمد للہ اتفاق رائے سے پاس ہوئیں، لیکن کیا اچھا ہوتا کہ اسلام کی سربلندی اور اعلاءِ کلمۃ اللہ کا عہد کیا جاتا، مسلمانوں میں عہدِ نبوی کے اسلام کو زندہ کرنے کی تدابیر پر غور کیا جاتا اور حقیقی منزلِ مقصود تک پہنچنے کا عزمِ راسخ ظہور پذیر ہوتا، کروڑوں روپے کا خرچ، ہزاروں انسانوں کی شبانہ روز محنت و خدمت، سڑکوں کی آرائش، محفلوں کی زیبائش، یہ سب کچھ اگر صحیح اسلام کی سربلندی کے لئے ہوتا تو سودا سستا تھا، ورنہ کیا حاصل؟

کانفرنس کا اصل مقصد کیا ہونا چاہیئے

کانفرنس کے اصل مقاصد کیا ہونے چاہئیں اور کون سے اہم نکات عالمِ اسلام کے ممتاز نمائندوں کی اوّلین توجہ کے مستحق ہیں؟ اس سلسلہ میں چند مختصر تجاویز ایک محضر کی شکل

میں تمام سربراہانِ عالمِ اسلام کی خدمت میں بھیجی گئیں توقع ہے کہ ان تک پہنچی ہوں گی نامناسب نہ ہوگا اگر اس کے عربی متن کا ترجمہ "بینات" کے "بصائر و عبر" میں پیش کر دیا جائے۔

"حضرات قائدینِ اسلام و رہنمایانِ ملتِ اسلامیہ! اللہ تعالیٰ آپ کا حامی و ناصر ہو، پاکستان کے علماء یہاں کے دینی مراکز اور علمی ادارے آپ کو دل کی گہرائیوں سے خوش آمدید کہتے ہیں، اس موقع پر ہم آپ حضرات کی خدمت میں چند آرزوئیں پیش کرتے ہوئے توقع رکھتے ہیں کہ یہ آپ کی مساعی جمیلہ سے بار آور ہو سکیں گی، یہ ایک خیر خواہی ہے کہ جو امتِ اسلامیہ (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کے ہر فرد پر فرض ہے۔

۱۔ اسرائیل اور دیگر تمام ملعون طاقتوں کا استیصال کرنے کے لئے عالمِ اسلام کی صفوں میں اتحاد و یک جہتی پیدا کرنا اور ہر ممکن طریقہ سے آپس کے اختلافات اور رنجشوں کو رفع کرنا از بس ضروری ہے کیا بعید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس اقدام کو "خلافتِ اسلامیہ" کے احیاء کا ذریعہ بنا دے جو اسلام کے اہم ترین مقاصد میں سے ہے۔

۲۔ ہمارے جہاد کا مقصد اور ہماری تمام کوششوں کا محور محض اعلائے کلمۃ اللہ اور اسلام کی سربلندی ہونا چاہیئے جو رنگ و نسل، قوم و وطن اور زبان کے تمام نعروں سے بالاتر ہو۔

۳۔ تمام اسلامی ممالک میں ہر شعبۂ زندگی میں اسلامی قانون کا نفاذ ہو، اسلامی نظامِ تعلیم کا اجراء ہو اور احتساب کے محکمے قائم کئے جائیں جو علمی و عملی طور پر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیں، یہی ایک چیز ہے جس سے اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور برکتیں نازل ہو سکتی ہیں۔

۴۔ عالمِ اسلام کو ان لوگوں کی ریشہ دوانیوں سے محفوظ رکھنے کے لئے نہایت چوکس رہنے کی ضرورت ہے جو بظاہر اسلام کا لیبل لگا کر آتے ہیں مگر ان کے مخصوص مذہبی عقائد اور غیر اسلامی نظریات اب کسی سے پوشیدہ نہیں رہے، یہ لوگ

"خدمتِ اسلام" کے دلفریب عنوان سے اسلامی ممالک میں گھسنے کی کوشش کرتے ہیں مگر ان کا کام اسلامی ممالک میں اعداءِ اسلام کی سازشوں کی تکمیل ہوتا ہے۔

۵۔ نوجوان نسل کو اعلیٰ فنی تعلیم کے لئے باہر بھیجنے کے بجائے یہ ضروری ہے کہ خود اپنے ممالک میں اعلیٰ سے اعلیٰ تعلیم کے مراکز قائم کئے جائیں اور دنیا بھر کے ماہرین کو گرانقدر معاوضہ دے کر جمع کیا جائے تاکہ اسلامی ماحول میں نوجوانوں کی تعلیم و تربیت ہو۔

۶۔ اسلامی ممالک میں اسلحہ سازی کے کارخانے قائم کئے جائیں جن میں عصری تقاضوں کے مطابق جدید ترین اسلحہ تیار کیا جائے اور اس مقصد کے لئے امکانی وسائل کے مطابق جرمنی، جاپان اور چین سے فنی ماہرین طلب کئے جائیں۔

۷۔ عالمِ اسلام کا ایک مشترکہ غیر سودی بنک قائم کیا جائے جو شرکت و مضاربت کے اسلامی اصولوں پر کام کرے اور اس کے ذریعہ پسماندہ اسلامی ممالک کو بھرپور مدد دی جائے۔

یہ چند بنیادی نکات ہیں، آپ حضرات کی دور رس نگاہوں اور مدبرانہ بصیرت کے پیشِ نظر ان کی توضیح و تشریح کی ضرورت نہیں، آپ کے قیمتی اوقات کا لحاظ رکھتے ہوئے ہم صرف اشارات پر اکتفا کر رہے ہیں، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسلامی طاقت کو متحد اور مسلمانوں کے شیرازہ کو مجتمع فرمائے، قائدینِ اسلام کو قوت دے کر ان کی نصرت و حمایت فرمائے اور کافر و ظالم دشمنانِ اسلام کے شر سے محفوظ رکھے، اللہ تعالیٰ آپ کو اسلام کی قیمتی متاع اور مسلمانوں کی ناقابلِ تسخیر قوت کی حیثیت سے تا دیر قائم رکھے، آمین"

محمد شفیع	محمد ہاشم	محمد یوسف بنوری
صدر دارالعلوم کراچی ۱۴	شمالی ناظم آباد کراچی ۳۳	صدر جامعۃ العلوم الاسلامیہ کراچی ۵

یہ سات نکاتی محضر در اصل اسلام کی نشأۃِ ثانیہ کا منشور، عالمِ اسلام کے لئے فیصلہ کن دعوتِ عمل اور ملتِ اسلامیہ کے دل کی آواز ہے، اس کی تشریح و تفصیل کبھی موقعہ ہوا تو پھر عرض کی

جائے گی، البتہ ایک بات مزید اس سلسلہ میں کہنے کو جی چاہتا ہے وہ یہ کہ بلاشبہ وحیِ آسمانی کا حکم ہے کہ کفار اور اعدائے اسلام کے مقابلہ کے لئے پوری قوت خرچ کرنا اور جدید سے جدید اسلحہ مہیا کرنا نہایت ضروری اور امتِ اسلامیہ کا فرض ہے لیکن یہ اس لئے کہ کامیابی و نصرت کا مدار ان مادی وسائل اور مادی طاقتوں پر نہیں! بلکہ اس کا مقصد یہ ہے کہ دشمنانِ اسلام پر مسلمانوں کا رعب قائم رہے ورنہ حق تعالیٰ کا صاف صاف ارشاد ہے کہ فتح و نصرت کا مدار نہ تو ظاہری قوت وطاقت پر ہے نہ کثرت پر، اللہ تعالیٰ کی نصرت و تائید شامل حال ہو تو بے ساز و سامان فوج بھی فتح مند ہو سکتی ہے اور تھوڑی سی جماعت بھی بڑی بھاری جماعت پر غالب آ سکتی ہے۔ اس لئے امکانی حد تک ساز و سامان کی تیاری میں کوتاہی نہیں ہونی چاہیئے کیونکہ حق تعالیٰ کا حکم ہے، مگر توکل و اعتماد ان وسائل و اسباب پر نہیں بلکہ محض حق تعالیٰ کی ذات اور اس کی غیبی امداد پر ہونا چاہیئے، بلاشبہ آج بھی اسلامی حکومتیں اسلحہ سازی پر پوری توجہ کریں تو بہت کچھ کر سکتی ہیں۔ لیکن ظاہر ہے کہ دشمنانِ اسلام کی طاغوتی طاقتیں بھی خاموش نہیں بیٹھیں گی، بیس ۲۰ پچیس ۲۵ سال میں کہیں سے کہیں تک پہنچ جائیں گی۔ اس لئے مسلمانوں کو اس کے بغیر چارۂ کار نہیں کہ ان کا اصل اعتماد اس ذاتِ عالی پر ہو جو تمام طاقتوں کا سرچشمہ ہے آسمان و زمین کی تمام طاقتیں اسی کے قبضۂ قدرت میں ہیں، انہی سے تعلق قائم کیا جائے، قرآنِ پاک میں صاف ارشاد ہے: کہ نصرت تو حق تعالیٰ ہی نازل فرماتا ہے، فرشتوں کا نازل فرمانا صرف تمہاری تسلی کے لئے ہے، حاصل یہ کہ اس عالمِ اسباب میں اسباب سے غنیٰ نہیں، اپنی مقدور کے مطابق ممکنہ وسائل و اسباب مہیا کرنے میں کوئی کسر باقی نہ رکھی جائے لیکن توکل و اعتماد صرف حق تعالیٰ کی ذات پر ہو، اسلام کے دورِ اول کی فتوحات میں یہی راز مضمر تھا، جنگ حنین میں شکست کے اسباب یہی بتلائے گئے کہ تعداد کی کثرت پر اعتماد کیا گیا۔

صفر المظفر ۱۳۹۴ھ، مارچ ۱۹۷۴ء

گندی سیاست

عرصہ ہوا کہ حضرت مولانا عبدالہادی دین پوری کی دعوت و تحریک پر ایک مختصر اجتماع ہوا تھا، جس کا اساسی مقصد جماعتِ تنظیم اہلِ سنت، مجلس ختمِ نبوت، جمعیت علماء اسلام اور احرارِ اسلام کے درمیان اتحاد تھا، ان جماعتوں کی مشترکہ مجلسِ عمل وجود میں آئی تھی جس کا مقصد اسلامی جماعتوں کا مشترکہ لائحہ عمل تیار کرنا تھا، یہ اجتماع اس تاریخی دن ہوا جس کی شام کو ایوب خان کے اقتدار کا آفتاب غروب ہوا اور صدر یحییٰ کے مسندِ اقتدار پر جلوہ افروز ہونے کا اعلان نشر ہوا۔

اس اجتماع میں ایک بات یہ طے ہوئی تھی کہ اسلامی معاشیات پر ایک اسلامی خاکہ تیار کیا جائے، اس کام کے لئے حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب، مولانا مفتی محمود صاحب، مولانا مفتی ولی حسن صاحب، مولانا مفتی رشید احمد صاحب اور راقم الحروف کے نام تجویز ہوئے، راقم الحروف کی دعوت پر مدرسہ عربیہ اسلامیہ کراچی میں یہ اجتماع طے پایا، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کی علالت کی بنا پر ان کے دو صاحبزادگان برادرانم مولانا محمد رفیع صاحب اور مولانا محمد تقی صاحب کو ان کی نیابت کے طور پر شرکت کی دعوت دی گئی، خالص علمی و دینی انداز سے کام شروع ہوا اور ابتدائی خاکہ دس دن میں تیار ہوا، مولانا مفتی محمود صاحب سے جو سابق حسنِ ظن تھا کہ وہ فقہی بصیرت میں امتیازی خصوصیت رکھتے ہیں اس موقعہ پر اس کا خوب خوب مشاہدہ ہوا۔

چند دن ہوئے ایک پمفلٹ نظر سے گذرا جو کسی کے استفسار کے جواب میں مولانا مفتی رشید احمد صاحب نے مرتب کیا ہے۔ جس میں اس باوقار علمی مجلس کی روئداد جس انداز سے مرتب کی گئی ہے۔ اسے جس ناروا اور بے ڈھنگا اسلوب دیا گیا، مضامینِ مندرجہ کو جس نہج سے خلافِ واقعہ گھڑا گیا ہے اور جس طریقہ سے اس مجلس کو محض دو مفتیوں کے سوال و جواب اور جدال و مناظرہ کا مرقع بنا کر پیش کیا گیا ہے اسے دیکھ کر انتہائی حیرت ہوئی۔ اِنَّا لِلّٰہ

میں اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا کہ کوئی عالمِ دین اور مدعیِ علم و تقویٰ اس انداز سے خلافِ واقعہ افسانہ طرازی اور واقعہ سازی کر سکتا ہے اور عقل باور نہیں کرتی کہ کوئی مفتی شرعِ متین اس قدر افترا پردازی کر سکتا ہے، نہ معلوم کس ظالم کی نوکِ قلم نے اس علمی مجلس کو مسخ کر کے واقعات کی فرضی تصویر تیار

کی اور پھر اس سارے افسانے کو مفتی رشید احمد صاحب کی طرف منسوب کر ڈالا۔

اجیرِ مشترک اور اجیرِ خاص کا مسئلہ جس انداز میں مفتی محمود سے منسوب کیا گیا ہے وہ جہاں بالکل خلافِ واقعہ ہے وہاں بداہتِ عقل کے بھی خلاف ہے ایک بری کو متہم کرنا انتہائی دردناک چیز ہے، اس پمفلٹ کے سلسلہ میں مختلف جہات سے استفسارات کئے جا رہے ہیں اس لئے بادل ناخواستہ مختصر اشارات ناگزیر ہوئے، اسی سلسلہ میں ایک مختصر جواب مولانا محمد ادریس صاحب نے لکھ کر "ترجمان الاسلام" کو بھیجا، ممکن ہے دوبارہ وضاحت و صراحت کی ضرورت پڑے[1]۔

اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا مِنْ خَشْيَتِكَ مَا تَحُوْلُ بِهٖ بَيْنَنَا وَبَيْنَ مَعَاصِيْكَ وَاجْعَلْنَا مِنَ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ عِقَابَكَ وَيَرْجُوْنَ ثَوَابَكَ وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى اَتْقَى الْبَشَرِ وَاَخْشَاهُمْ لِلّٰهِ وَاٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ۔

مشاورتی کونسل اور شراب

روزنامہ جنگ مورخہ ۱۵ ستمبر ۱۹۶۴ء کا شذراتی نوٹ مدیر روزنامہ کے قلم سے:-

"مغربی پاکستان کے وزیر مالیات و آبکاری شیخ مسعود صادق نے انکشاف کیا ہے کہ ملک میں امتناعِ شراب کے سوال پر اسلامی مشاورتی کونسل میں اتفاق رائے نہیں پایا جاتا ہے۔ شیخ صاحب کا یہ بیان اپنی نوعیت کا انوکھا اور بے حد دلچسپ بیان ہے اس لئے کہ شراب بندی پر اسلامی مشاورتی کونسل کے ارکان کے اختلاف رائے کا مطلب سوائے اس کے اور کیا ہو سکتا ہے کہ اس ادارے کے بعض معزز اراکین شراب بندی کے

---

[1] جناب مفتی رشید احمد صاحب کی طرف منسوب کردہ یہ افسانہ الگ کتابچہ کی شکل میں بھی شائع ہوا ہے، نیز مرکزی جمعیت علماء اسلام کے نو زائیدہ ترجمان ہفت روزہ صوت الاسلام نے اپنی پیدائش کے دوسرے دن (شمارہ نمبر ۲) میں اژدہا نما کارٹون کے ساتھ اسے شائع کیا ہے، ہمارا خیال تھا کہ کارٹون اور تصویر کے ذریعہ پروپیگنڈہ "سرخوں" کا شعار ہے یا نئی قسم کے "اسلام پسندوں" کا، اہلِ حق کا طبقہ۔ تھانوی گروپ ہو یا ہزاروی کم از کم اس لعنت سے بیزار ہے مگر صوت الاسلام کے اس اژدہا نما کارٹون کو دیکھ کر خیال ہوا کہ "اسلام کی آواز" بلند کرنے کیلئے حضرات اہلِ فتویٰ کے نزدیک بھی ان جدید تکنیکی آلات اور اوچھے ہتھیاروں کی ضرورت مسلّم ہے، دکھ کی بات یہ ہے کہ کسی صاحب کو چھوٹے منہ اور ٹوٹے قلم سے بھی اس پر نکیر کی توفیق نہ ہوئی، یہی کیفیت دوسری جمعیت کے بعض حامی پرچوں کی ہے، کاش ہمارے یہ بزرگ "اسلامی سیاست" اور "اسلامی صحافت" کا کوئی اچھا نمونہ پیش کرتے، چٹان، شہاب، نصرت اور جسارت وغیرہ کی نقالی علماء کرام اور مفتیانِ عظام کی شان سے بہت نیچے کی چیز ہے، یہ سب کچھ آج کی گندی سیاست کے چھینٹے ہیں۔

خلاف ہیں، جب اتنے واضح مسئلہ پر اس کونسل کا یہ حال ہے تو آگے چل کر اہم تر قانونی اور آئینی مسائل پر کیا ہوگا، اس کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے، گناہ و ثواب کا تصور اسلام میں انسان کی معاشرتی اخلاقی اور معاشی زندگی سے تعلق رکھتا ہے۔ شراب نہ صحت کے لئے مفید ہے اور نہ مالی اعتبار سے سودمند۔ شراب کی ممانعت کے لئے یہی دو دلائل کافی ہیں، تعجب ہے اسلامی مشاورتی کونسل میں اس پر کیسے اتفاق رائے نہ ہوسکا، شاید ایسے ہی مواقع کے لئے کہا گیا ہے کہ:۔

چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی

خبر جس قدر افسوسناک ہے مدیر جنگ کا تبصرہ اتنا ہی مسرت انگیز ہے، افسوس کہ یہ ہے مشاورتی کونسل کا کارنامہ انا للہ۔

دین اسلام کی وہ "ضروریات" جن کا علم و عقیدہ و عمل ہر کلمہ گو مسلمان پر فرض ہے۔ مثلاً پانچ نمازیں، ماہ رمضان کے روزے، زکاۃ، حج بیت اللہ، جس طرح یقینی و قطعی ہیں اور دین اسلام کے بنیادی مسائل ہیں، ہر مسلمان پر ان کا جاننا بھی فرض اور عمل کرنا بھی فرض ہے اسی طرح شراب، جوا سود، زنا، چوری وغیرہ وغیرہ کی حرمت بھی یقینی و قطعی ہے، ہر مسلمان کو اس کی حرمت کا علم ہونا اور اس کی حرمت پر عقیدہ رکھنا فرض ہے اور اس سے بچنا واجب ہے کون نہیں جانتا کہ بہت سے حلال و حرام کے مسائل اسلام کے تشریعی نظام میں تدریجی طور پر نافذ ہوئے ہیں، قطعی حرمت سے پہلے کچھ اشارات ہوئے ہیں اس کے بعد قطعی تحریم نازل ہوئی، بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض حساس طبیعتوں میں شراب نوشی کی قباحتیں خود بخود آئیں اور بحثیں شروع ہوئیں بعض فوائد شمار کرنے لگے اور بعض مضار و نقصانات تبلانے لگے اور سوالات شروع ہوئے۔ چنانچہ سورۃ بقرۃ کی آیت میں ارشاد ہوا ہے:۔

ویسألونك عن الخمر والمیسر قل فیهما إثم کبیر ومنافع للناس، وإثمهما اکبر من نفعهما۔

وہ آپ سے شراب و جوئے کے بارے میں پوچھتے ہیں آپ کہہ دیجئے کہ ان دونوں میں بہت بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لئے کچھ فائدے بھی ہیں اور ان دونوں کا گناہ فائدے سے بہت زیادہ ہے۔

چنانچہ اس سوال کے جواب میں صاف طور پر بتادیا کہ بے شک ان میں کچھ منفعتیں بھی ہیں لیکن بڑا گناہ ہے اور گناہ نفع سے بہت بڑا ہے۔

اس آیت کے نزول کے بعد ہی محتاط طبیعتیں شراب نوشی کی عادت سے دستبردار ہوگئیں، کسی موقع پر نماز مغرب باجماعت ہو رہی تھی، امام سورۂ "الکافرون" میں نشہ کی حالت میں لا اُعبد ما تعبدون کی جگہ اُعبد ما تعبدون پڑھ گیا، ظاہر ہے کہ مقصد بالکل معکوس ہوگیا اور شرک سے اظہار برأت کی دعوت کی جگہ شرک کی دعوت بن گئی، فوراً آیت کریمہ نازل ہوئی :-

یاایھا الذین آمنوا لاتقربوا الصلاۃ وانتم سکاریٰ حتی تعلموا ما تقولون .	اے ایمان والو! نشہ کی حالت میں نماز کے قریب بھی مت جاؤ جب تک سمجھ نہ لو جو کچھ تم کہتے ہو .

اس حکم سے مزید ناپسندیدگی کا اظہار ہوگیا لیکن ابھی تک حرمت کا صاف اعلان نہیں ہوا. تاہم بہت سے حضرات نے شراب نوشی بالکل چھوڑ دی اور جو مبتلا رہے انہوں نے بھی عصر اور مغرب کی نمازوں کے بعد اس لئے ترک کر دی کہ نمازوں کا وقت قریب ہوتا ہے، بہرحال یہ صاف و صریح اشارات اور قرائن تھے کہ عنقریب حرمت کا اعلان ہونے والا ہے، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ دونوں آیتوں کے نازل ہونے کے بعد بہت بیتابی سے کہنے لگے :-

اللھم بین لنا فی الخمر بیاناً شافیاً	اے اللہ شراب کے بارے میں فیصلہ کن حکم فرما دیجئے.

مگر چونکہ عرب میں شراب کا رواج انتہا کو پہنچا ہوا تھا دفعۃً ممانعت کرنا مخاطبین کی عادت کے لحاظ سے آسان نہ تھا اس لئے اللہ تعالےٰ شانہٗ نے نہایت ہی حکیمانہ انداز میں اول اشارے کر کے نفرت بٹھلا دی گویا زمین پوری طرح ہموار کر دی، دین اسلام کا یہ حکیمانہ تدریجی نظام نفسیاتی اعتبار سے کتنا عجیب ہے، بالآخر سورۂ مائدہ میں جو قرآن کریم کی ترتیبِ نزول سے آخری سورت ہے قطعی ممانعت کا حکم اس عجیب و عزیب و مؤثر انداز سے جس میں ام الخبائث کی حرمت و ممانعت کی حکمت اور اس کی گندگی کا درجہ سب کچھ بیان کر دیا، چنانچہ ارشاد ہوا :-

یاأیھا الذین اٰمنوا إنما الخمر والمیسر	اے ایمان والو! بات یہی ہے کہ شراب اور جوا
والأنصاب والأزلام رجس من عمل	اور بت اور پانسے یہ سب گندے شیطانی کام ہیں
الشیطان فاجتنبوہ لعلکم تفلحون	ان سے بالکل بچتے رہو تاکہ تم کو فلاح و نجات ہو،
إنما یرید الشیطان أن یوقع بینکم	شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ تم میں شراب وجوے کے
العداوۃ والبغضاء فی الخمر والمیسر	ذریعہ بغض و عداوت ڈالے اور روکے تمہیں

ویصدکم عن ذکر اللہ وعن الصلٰوۃ فھل أنتم منتھون، وأطیعوا اللہ وَ أطیعوا الرسول واحذروا فإن تولیتم فإنما علیٰ رسولنا البلاغ المبین۔

اللہ کی یاد سے اور نماز سے کیا اب بھی تم باز نہیں آؤگے۔ اللہ و رسول کی اطاعت کرو اور (مخالفت سے) ڈرتے رہو اگر تم (اب بھی) اعراض کروگے تو ہمارے رسول کے ذمہ صرف کھول کر پہنچادینا ہے۔

دیکھئے اس آیتِ کریمہ میں شراب کی حرمت کس مؤثر انداز سے بیان فرمائی ہے، کسی حرام اور ممنوع چیز کی حرمت کا اعلان اس انداز سے نہیں کیا گیا اور ساتھ ہی ساتھ ممانعت کی علت و حکمت بھی دینی و دنیوی دونوں پہلو سے بیان فرمادی، کسی تشریح وتفسیر کے بغیر صرف ترجمہ سمجھ کر اس آیت کو بار بار پڑھئے اور سوچئے کہ کتنا بلیغ پیرایۂ بیان اختیار کیا گیا ہے، آیتِ کریمہ جن نکات پر مشتمل ہے ذیل میں اجمالاً اس کا ذکر کیا جاتا ہے:-

۱۔ خمر و میسر کی شناعت و قباحت کو محسوس کرانے کے لئے انصاب و ازلام کے ساتھ ان کا ذکر کیا گیا یعنی بت پرستی کی قباحت جس طرح واضح ہے ٹھیک اسی طرح شراب نوشی کی شناعت بھی کھلی ہوئی ہے۔

۲۔ "رجس" گندی چیز ہے" قابلِ نفرت ہے، ہر عقلمند کو نفرت کرنی چاہیئے۔

۳۔ شیطانی عمل ہے اس میں خیر کا نام تک نہیں نہ ہی خیر کی توقع رکھنی چاہیئے۔

۴۔ جب اتنی بری اور قبیح چیز ہے تو اس سے اجتناب چاہیئے اس کے قریب بھی نہ جانا چاہیئے۔

۵۔ تمہاری فلاح دارین وبہبودی ہر پہلو سے اس سے بچنے پر موقوف ہے۔

۶۔ خمر و میسر کے ذریعے شیطان مومنین کے قلوب میں بغض وعداوت پیدا کرتا ہے جن قلوب میں انتہائی محبت ومودت ہونی چاہیئے شیطان اس کے ذریعے اس کو ختم کرنا چاہتا ہے۔

۷۔ شراب نوشی اور جوے کے سبب اللہ تعالیٰ کی یاد جو مسلمان کے لئے سب سے بڑی دولت ہے اس سے محرومی ہوتی ہے۔

۸۔ نماز جیسی نعمت جو ایمان کی سب سے بڑی علامت ہے اور دین کی عمارت کا بنیادی ستون ہے اس سے شرابی غافل ہوجاتا ہے۔

۹۔ اتنی محسوس و واضح برائیوں کے بعد کیا ایمان والے شراب نوشی سے باز نہیں آئیں گے؟ کیا کوئی عاقل ان خرابیوں کے بعد اس معصیت کے ارتکاب کی جرأت کرسکتا ہے؟

۱۰۔ کلمہ انما قواعدِ بلاغت کی رو سے اس لئے لایا گیا کہ ان حقائق کے بدیہی ہونے کا دعویٰ کیا جائے یعنی کسی عاقل کو شک و شبہ کی گنجائش ان میں نہیں، یہ حقائق اتنے یقینی ہیں کہ ہر قسم کے شک و شبہ سے بالاتر ہیں، پھر اس حکم کے آخر میں اللہ و رسول کی اطاعت کا حکم دیا گیا تاکہ حجت پوری کردی جائے کہ ان احکام کا ماننا فرض ہے، پھر آخرت کے عذاب سے ڈرایا گیا اتنی صاف صریح ہدایات و احکام پر بھی اگر عمل نہ کریں تو پیغمبرِ اسلام کا منصبی فریضہ پورا ہوگیا۔

غور فرمائیے کہ حرمت کے اعلان کے لئے کتنا مؤثر و بلیغ طرز اختیار فرمایا گیا ہے، ان حقائق کے بعد کتنا احمقانہ خیال ہے اور کتنا جاہلانہ تصور ہے کہ یہ کہا جائے کہ قرآنِ کریم نے نہ تو صریح حرام کا لفظ استعمال کیا ہے اور نہ ہی ان محرمات کا جہاں ذکر ہے وہاں بیان کیا ہے، اثم، رجس، اجتناب انتہا، عمل شیطان، سببِ بغض وعداوت، نماز و ذکر اللہ سے غفلت کا باعث وغیرہ وغیرہ تعبیرات سے کیا ایک لفظ حرام زیادہ مؤثر ہوسکتا ہے؟ کیا کسی چیز کی ممانعت کی ایک ہی تعبیر ہو سکتی ہے، کل کو "زنا" کے بارے میں بھی کہا جائے گا کہ حرام کا لفظ کہاں ہے وہاں تو صرف "لاتقربوا الزنا" کا حکم ہے وغیرہ وغیرہ کیا اس قسم کے خرافات علمی دلائل کے سامنے کچھ وقعت رکھتے ہیں، بعض خِرد باختہ اونچے منصب والوں سے میں نے خود سنا ہے کہ جس چیز میں حکومت کا انٹرسٹ ہو یا خارجی سیاست کا تقاضا ہو اس پر پابندی نہیں لگائی جاسکتی۔ اناللہ وانا الیہ راجعون، کیا ایسی باتیں بھی تبصرہ و تنقید کی محتاج ہیں۔

افسوس کہ ایسا دور آگیا ہے کہ آج دینِ اسلام کے مسلمات، دینِ محمدی کے مہمات اور ضروریات و قطعیات، شریعتِ اسلامیہ کے محاسن و کمالات بھی محلِ شبہات بن گئے، کیا ہماری اس اسلامی مملکت کے اربابِ حل وعقد اور مشاورتی کونسل کے اراکین، شعائرِ اسلام اور مسلماتِ دین میں، اسی طرح اختلاف کرتے رہیں گے؟ اس کا حاصل تو یہی رہا کہ مسلمات میں شکوک پیدا کرکے فیصلہ شدہ احکام کو مجروح کر دیا جائے، کرنا کیا چاہئے تھا اور کر کیا رہے ہیں؟ کیا شراب جیسی چیز جس کی حرمت دینِ

اسلام کی قطعیات میں داخل ہے جس کی خرابیوں و نقصانات پر امریکہ و لندن میں کتابیں و مقالات لکھے جا رہے ہیں جس کے ضرر و نقصانات سے کافر بھی تنگ آگئے ہیں، اس ام الخبائث کی حلت پر غور کیا جا رہا ہے؟ خدارا اسلام پر رحم کیجئے آپ کو اگر پینا ہے تو پیتے رہیئے لیکن حرام کو حلال تو نہ بنائیے اور فسق سے نکل کر کفر کے دائرہ میں تو نہ آئیے اور دین و دنیا کے دونوں وبال سے بچئے۔

جمادی الاُولیٰ ۱۳۹۸ھ

ہر کسے را بہر کارے ساختند

عن أبی هریرة رضی الله عنه قال بینما النبی صلی الله علیه وسلم فی مجلس یحدث القوم جاءه أعرابی فقال: متی الساعة؟ فمضی رسول الله صلی الله علیه وسلم یحدث. قال: «أین السائل عن الساعة» قال: ها أنا یا رسول الله! قال: «فإذا ضُیِّعَت الأمانة فانتظر الساعة» فقال: کیف إضاعتها: قال: «إذا وُسِّدَ الأمر إلی غیر أهله فانتظر الساعة» (صحیح البخاری کتاب العلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مجلس میں تشریف فرما تھے حدیث بیان فرما رہے تھے ایک اعرابی (دیہاتی) آیا، پوچھا کہ قیامت کب ہوگی؟ آپ حدیث بیان کرنے میں مشغول تھے جب فارغ ہوئے تو فرمایا کہ قیامت کا سوال کرنے والا کہاں ہے؟ سائل نے عرض کیا جی ہاں یا رسول اللہ میں حاضر ہوں۔ فرمایا: جب "امانت" (الٰہی) ضائع ہو جائے قیامت کا انتظار کرو۔ سائل نے دریافت کیا کہ امانت کیونکر ضائع ہوگی؟ آپ نے فرمایا جب معاملات نااہلوں کے سپرد ہوں قیامت کا انتظار کرو۔

دیکھئے کیسا عجیب سوال و جواب ہے اور کتنا واضح و صاف بیان ہے اور کیسی روشن علامت بیان فرمائی ہے، دنیا کا نظام اسی طرح چلتا ہے کہ جو شخص جس کام کے لئے موزوں ہو اس کے لئے اسی کا انتخاب کیا جائے، صدر مملکت سے لے کر چپراسی و چوکیدار تک غور کر لیجئے، یہی قانونِ فطرت کارفرما ہے یہی معقول و موزوں زندگی کا نظام ہے، دنیا کا صحیح نظم اسی وقت تک قائم رہے

گا جب تک اس فطری وطبعی اور عقلی قانون پر عمل کیا جاتا رہے گا۔ جب اس قانون کے خلاف کیا جائے گا نظم ونسق میں خلل واقع ہوگا، حکیم وطبیب کا کام انجینئر کے کسی نے سپرد نہیں کیا کسی منطقی و فلسفی یا ریاضی کے استاذ کو فقہ وحدیث کا درس کسی نے حوالہ نہیں کیا، کسی ادیب یا شاعر کو ہیئت وہندسہ کا درس حوالہ نہیں کیا جاسکتا۔ اسی طرح میدان جنگ میں قیادتِ افواج کا کام کسی فلسفی مفکر کے کسی نے حوالہ نہیں کیا۔ ؎ "ہر کسے را بہر کارے ساختند" مثل مشہور ہے۔ حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابۂ کبارؓ میں بھی یہ صلاحیتوں کا تنوع واختلاف واضح تھا جو کام حضرت خالد بن الولیدؓ کا تھا ابوذر غفاری سے نہیں لیا گیا۔ یہ جامعیتِ کبریٰ تو صرف حضرت خاتم الانبیاء وسید المرسلین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ستودہ صفات میں ہی پیدا فرماکر اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ کا کرشمہ دکھلایا تھا اور سارے کمالاتِ علمیہ وعملیہ آپ کی ذاتِ گرامی میں جمع کردیئے تھے: ؏ آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

ان حقائق کی روشنی میں حسبِ ذیل خبر ملاحظہ فرمائیے:۔

"اسلام کی تعبیر وتشریح کی ذمہ داری کسی مخصوص گروہ کو نہیں سونپی جاسکتی۔

وزیر قانون شیخ خورشید احمد کی تقریر

پشاور ۱۲، اکتوبر (اپ پ) مرکزی وزیرِ قانون شیخ خورشید احمد نے آج ہائی کورٹ اور ڈسٹرکٹ بار ایسوسی ایشن کے ممبروں کو خطاب کرتے ہوئے ایک سوال کے جواب میں کہا:۔

"اسلام کی تعبیر وتشریح کا کام کسی ایک مخصوص گروہ کو نہیں سونپا جاسکتا، اس لئے یہ ذمہ داری قانون سازوں کے سپرد کی گئی ہے جو منتخب نمائندوں کی حیثیت سے عوام کے ضمیر کے نگہبان اور محافظ ہیں۔"

تعجب کی کیا بات ہے؟ اب بھی اگر قیامت کے قرب کا آپ کو یقین نہیں آئے تو کب آئے گا، وزیرِ قانون کے بارے میں سنی سنائی باتوں کی بنا پر ہمیں عقیدت تھی کہ اس دور میں اور موجودہ نظام میں ان کا وجود پھر بھی غنیمت ہے لیکن افسوس "خود غلط بود آنچہ ما پنداشتیم"۔ قرآنِ کریم اور احادیثِ نبویہ جو دینِ اسلام کے دو بنیادی ستون ہیں ان کے حقائق اور فقہی مسائل کے استنباط کے لئے تو کبار صحابہ میں بھی چند خاص خاص شخصیتیں متعین تھیں۔ عام صحابہ کی دسترس سے بھی

یہ حقائق بالاتر تھے، صدیقِ اکبرؓ جیسی شخصیت قرآنِ کریم میں اپنی رائے سے کوئی بات بیان کرنے سے گھبرایا کرتے تھے اور فرماتے تھے :-

أیّ سماء تظلنی و أی أرض تقلنی — کس آسمان کے زیر سایہ اور کس روئے زمین پر میں

إذا قلت فی کتاب اللہ برأیی ۔ — رہ سکوں گا جب اللہ کی کتاب میں اپنی رائے کو دخل دینے لگوں گا ۔

قرآنِ کریم و احادیثِ نبویہ و فقہِ اسلامی میں جن کی زندگیاں گذری ہیں اگر وہ ان کا حق ادا کر سکیں تب بھی غنیمت ہے لیکن اگر یہ مخصوص گروہ بھی اس عظیم کام سے علیحدہ کر دیا جائے تو پھر کیا رہے گا ع کارِ طفلاں تمام خواہد شد ۔

آخر جب کوئی حکومت قانون بناتی ہے یا قانون کی تعبیر و تشریح میں کوئی اختلاف ہو جاتا ہے تو "ماہرینِ قانون" ہی کی خدمات حاصل کرتی ہے ؟ تو اگر انسانی دماغوں کے ساختہ پرداختہ قوانین کی تعبیر و تشریح کے لئے "ماہرین" کی ضرورت ہے تو احکم الحاکمین کے قوانین کے لئے "ماہرینِ قانونِ اسلامی" سے کیوں کر استغنا ہو سکتا ہے ؟

میں اس سلسلہ میں لائق احترام وزیرِ قانون موصوف کو چند قطعی اور یقینی امور کی طرف متوجہ کرنا اور اس کے بعد چند اہم سوالات کرنا چاہتا ہوں، امید ہے کہ موصوف ان امور پر توجہ فرمائیں گے اور ان سوالات کے جوابات ایک بیان کی صورت میں دیں گے ۔

(۱) تیرہ سو سال سے امت کا اس پر اتفاق و اجماع ہے کہ اسلام اتنا کامل و اکمل اور ایسا واضح و روشن مذہب ہے کہ وہ کسی کی تعبیر و تشریح کا محتاج نہیں، اسلام کی تعبیر و تشریح کا نام اور اس کام کو کسی کے سپرد کرنے کا سوال صرف انہی لوگوں کی زبان پر آتا ہے جو اسلام کو اپنی اغراض و خواہشات کے ڈھانچہ میں ڈھالنا چاہتے ہیں ورنہ امتِ مسلمہ تو تیرہ سو سال سے بغیر کسی کی تعبیر و تشریح کے علی وجہ البصیرت اسلام کو جانتی پہچانتی اور اس کے احکام پر عمل کر رہی ہے ۔

(۲) ایسے جزوی حوادث و مسائل جو زمانے کے ساتھ بدلتے اور نو بنو وجود میں آتے رہتے ہیں ان کے متعلق اسلام کا قطعی اور اساسی اصول شارع علیہ الصلاۃ والسلام نے حسبِ ذیل بیان فرمایا ہے:

عن علی قال قلت یا رسول اللہ ! — حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا:-

إن نزل بنا أمر لیس فیہ أمر — یا رسول اللہ اگر کوئی ایسا مسئلہ پیش آئے جس میں کوئی

ولا نهى فما تأمرنى؟ قال: «شاوروا فيه الفقهاء والعابدين ولا تمضوا فيه رأى خاصة» (رواه الطبراني في الأوسط ورجاله موثقون من أهل الصحيح)

واضح بیان (نصِ کتاب وسنت) موجود نہ ہو، نہ امر (حکم) ہو نہ نہی (ممانعت) ہو ایسے مسئلہ کے بارے میں آپ ہمیں کیا حکم دیتے ہیں (ہم کیا کریں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایسے مسائل میں تم فقہاء اور عبادت گذاروں سے مشورہ کیا کرو اور کسی بھی شخصی رائے سے ان کو طے نہ کیا کرو۔

سوال :- لائقِ احترام وزیرِ قانون سے میں دریافت کرتا ہوں کہ :-

(۱) اسلام کی (عمومی) تعبیر و تشریح کے متعلق مذکورہ بالا فیصلہ کرنے کا مجاز ان کو یا کسی اور کو کس نے بنایا ہے؟

(۲) کیا یہ منتخب نمائندے اس اہلیت کے مالک اور اس معیار پر پورے اترتے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا ہے۔

آخر میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس ملک پر رحم فرمائے اور اربابِ اقتدار کو صحیح فہم عطا فرمائے۔

جمادی الثانیہ ۱۳۸۴ھ

اوقاف کے ناظمِ اعلیٰ کا حیرت انگیز اور مضحکہ خیز بیان

پچھلے دنوں اخبارات میں اوقاف کے ناظمِ اعلیٰ کے ایک دو بیان نظر سے گذرے جن سے حیرت تو نہیں ہوئی اس لئے کہ درخت سے ہی پھل پہچان لیا جاتا ہے اس ناظمِ اعلیٰ سے اس سے زیادہ کوئی توقع ہو ہی نہیں سکتی جو شخص نہ دین کو جانتا ہو نہ دینی مزاج رکھتا ہو، ہوش سنبھالنے کے بعد سے ہی جو نقوش اس کے لوحِ قلب پر مرتسم ہو چکے ظاہر ہے کہ ان کے اثرات سامنے آکر رہیں گے لیکن افسوس و صدمہ اس کا ہے کہ جب ایک خالص دینی منصب پر ایک ایسے شخص کو ذمہ دار بنا دیا جائے تو یہ ارشاد نبوی علیہ الصلاۃ والسلام کے مطابق قیامت ہی کی علامت ہو سکتی ہے، کسی بھی باوقار مملکت میں کوئی منصب بھی ایسے نا اہل شخص کو سپرد کرنا جو کسی طرح اس کے لئے موزوں نہ ہو افسوس کی بات ہے پھر مارشل لاء کی حکومت میں جبکہ قوم کو ابھی ابھی سکون کا سانس لینا نصیب ہوا ہے ایسے اشتعال انگیز بیانات دینے کی جرأت کرنا قوم کے بڑے طبقہ میں اضطراب و انتشار پھیلانا کہاں کی مصلحت اور کہاں کی دانائی ہے؟ امامت و خطابت کا منصب اسلام میں ایک اعلیٰ و ارفع منصب ہے جب رسول و نبی امت میں ہوتے ہیں تو یہ فریضہ منصبی حیثیت سے انہی کا ہوتا ہے اور نبی کی غیر موجودگی میں جو اپنے کمالات میں ان سے اشبہ و اقرب شخصیت ہوتی ہے یہ منصب اس کے سپرد کیا جاتا ہے امامت کے فرائض میں معاشی نظام کی خدمت اور پولٹری فارم اور نرسنگ ہوم کے فرائض ائمہ مساجد اور خطباء کے لئے تجویز کرنا ایسا ہی ہے جیسے کسی مملکت کے حکمران کے لئے یہ شرط لگائی جائے کہ وہ جاروب کش ہو اور مہتری کے فرائض اچھی طرح انجام دے سکتا ہو اور مزید افسوس اس بات پر ہے کہ اندازِ بیان ایسا اختیار کیا جاتا ہے جس سے اسلامی اقدار اور اسلامی شعائر کی عظمت مجروح ہوتی ہے، یہ کہاں کی دانائی ہے کہاں کا انصاف ہے؟ بہر حال دونوں مضمون انتہائی مضحکہ خیز بھی ہیں اور دل آزار بھی جہاں امامت کے منصب سے بعید ہیں اسی طرح ایک اونچے ذمہ دار افسر کے منصب کی شان سے بھی فروتر ہیں کیا ہم توقع کر سکتے ہیں کہ ہمارے محترم ناظمِ اوقاف آئندہ قوم کے جذبات کو مجروح کرنے سے اور اپنے منصب سے اتنی گری ہوئی بات کہنے سے احتراز فرمائیں گے، واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل۔

ربیع الاوّل ۱۳۸۹ھ

چوں کفر از کعبہ برخیزد

جامعہ بہاول پور میں ایک افسوسناک واقعہ پیش آیا ہے، ۱۲ مارچ ۷۰ء کے جنگ میں ایک خبر شائع ہوئی ہے کہ:

"گورنر مغربی پاکستان جامعہ اسلامیہ میں تشریف لے گئے اور بہت سے طلبہ کو "بے ریش" دیکھ کر حیرت سے پوچھا کہ آپ لوگوں کی داڑھیاں کیوں نہیں۔"

رئیس الجامعہ نے فوراً کہا کہ "اسلام داڑھی میں نہیں ہے۔"

انتہائی افسوس کا مقام ہے کہ گورنر صاحب تو داڑھی کا احترام کریں اور علمِ دین حاصل کرنے والے طلبہ سے توقع رکھیں کہ ان کی صورت و سیرت اسلامی تعلیمات کا آئینہ ہو گی لیکن جامعہ کے ڈین صاحب اس جرأت کے ساتھ دین کا تمسخر اڑائیں؟ کاش یہ کہتے کہ اسلام صرف داڑھی میں نہیں تو معاملہ آسان ہوتا کہ ہم مقصر ہیں، دین کے تقاضے کون پورے کر سکتا ہے؟ بہرحال ان فتنوں کے دور میں یہ بات زیادہ عجیب نہیں کہ علم و عمل کا تطابق نہ ہو علوم تو انبیاء کے حاصل کریں اور شکل و صورت و سنن یا لینن کی ہو بہرحال یہ واقعہ اپنے پہلو میں عبرت کے بہت سے پہلو لئے ہوئے ہے، گویا اب یہ دور آگیا کہ عوام یا غیر علماء، تو انبیاء و صالحینِ امت کے اس اشعار کو مدت ہوئی عموماً ترک کر ہی چکے تھے، الا ماشاء اللہ مگر اب جانشینِ مسندِ نبوت بھی ان کے پیچھے جا رہے ہیں۔ اِنّا لِلّٰہ۔

"بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است"

رحم اللہ الأمة للرّشاد وجنبهم عن الزيغ والإلحاد۔

صفر ۱۳۹۰ھ، اپریل ۱۹۷۰ء

محکمہ اوقاف اور اس کی ذمہ داریاں

۱۔ محکمۂ اوقاف کی طرف سے لاہور میں ۲۴ اگست ۱۹۶۹ء سے ۲۷ اگست ۶۹ء تک ایک سیمینار (مجلسِ مذاکرہ) منعقد کیا گیا تھا، راقم الحروف کو بھی دعوت دی گئی تھی "تسخیرِ کائنات اور اسلام" کے موضوع پر ایک مقالہ کی فرمائش بھی کی گئی تھی، دعوت نامے سے یہ معلوم ہوا تھا کہ بین الاقوامی سطح پر مجلس منعقد ہوگی اور ممالکِ اسلامیہ اور ممالکِ عربیہ سے بھی مندوبین شرکت کریں گے، اسی کشش کی وجہ سے باوجود عدیم الفرصتی کے دعوت قبول کر لی تھی اور فرمائش کی تکمیل بھی کر لی، عین وقت پر لاہور پہنچ کر معلوم ہوا کہ مجلس صرف مقامی ہے اور زیادہ تر اوقاف کے محکمہ سے منسلک ائمہ مساجد وخطباء ہی مدعوین و مندوبین ہیں، مجلسِ مذاکرہ علمی حیثیت سے بہت کمزور تھی، دو تین مقالوں کے علاوہ اور کسی مقالہ میں علمی روح جلوہ گر نہ تھی، نظم ونسق کے اعتبار سے بھی کوئی قابلِ ذکر مجلس نہ تھی۔

جہاں تک اوقاف کی تنظیم کا تعلق ہے اور اوقاف کو غاصبوں کی دست وبرد سے بچانے کا مسئلہ ہے ادارہ اوقاف کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا لیکن سب سے زیادہ قابل توجہ مسئلہ اوقاف کے مصارف کا مسئلہ ہے، اوقاف امتِ اسلامیہ کی امانت ہیں، واقفین نے جن مقاصد کے لئے وقف کیا ہے شرعًا ان کی پابندی ضروری ہے، واقف کی منشاء کے خلاف کسی بھی اور مصرف میں خرچ کرنا خیانت ہے۔

محکمۂ اوقاف کے قبضہ میں حسب ذیل نوعیت کے اوقاف ہیں:۔

الف: اوقافِ خیریہ جس میں واقفین نے مصرفِ خیر میں خرچ کرنے کی وصیت کی ہو۔

ب: مساجد و مدارس کے اوقاف جو واقفین نے صرف کسی مسجد یا مدرسہ کے لئے وقف کئے ہوں۔

ج: مزارات کی آمدنی یعنی مزارات پر چڑھائی جانے والی نذر و نیاز۔

پہلی مد میں اس کی گنجائش ہے کہ ہر کار خیر میں صرف کیا جائے، دوسری مد میں شرعًا کوئی گنجائش نہیں کہ کسی بھی اور کام میں خرچ کیا جائے، تیسری مد کی بنیاد ہی سرے سے مشتبہ ہے اس میں حلال وحرام تمام قسمیں جمع ہو گئی ہیں زیادہ سے زیادہ ذمہ داری سے بچنے کے لئے مناسب یہ ہے کہ فقراء پر تقسیم کیا جائے۔

کاش ارباب اقتدار اس امانت کو صحیح شرعی طریقے پر خرچ کرنے کا انتظام کرتے تو کتنا اچھا ہوتا۔ مساجد کے اوقاف میں فقہاء نے بہت تشدید کی ہے یہاں تک کہ کسی ایک مسجد کی آمدنی دوسری مسجد پر خرچ کرنا بھی جائز نہیں سمجھا، اگرچہ خاص خاص حالات میں گنجائش نکالی جاسکتی ہے جس ملک میں آج تک اسلامی قانون نہیں بن سکا اور کتاب و سنت کے خلاف عائلی قوانین تک بنائے گئے اگر اس میں اوقاف کا نظم غیر شرعی ہو تو کیا تعجب!

سنہ ۱۹۶۸ء میں اوقاف کی آمدنی ۲۰۰،۲۰،۴۸،۰۰ ہے اور خرچ ۸۰۰،۲۵،۳۱ گویا اس سال کی بچت (۴۰۰،۴۹،۴۹،۳۶) ہے۔[1]

یہ سالانہ رقم اتنی بڑی رقم ہے کہ اس کے ذریعہ بہت سی علمی و دینی خدمات انجام دی جا سکتی ہیں، بہرحال اہم ضرورت یہ ہے کہ تینوں مدات کے کھاتے الگ الگ ہوں اور ہر ایک مد کی آمدنی کے مصارف شرعی قانون کے مطابق تجویز کئے جائیں اور انہی میں وہ آمدنی خرچ کی جائے اگر توجہ دی جائے تو بہت آسانی سے یہ نظم قائم ہو سکتا ہے۔ ہمیں امید ہے کہ ہماری اس گذارش پر غور کیا جائے گا اور اس طرح دنیا و آخرت دونوں کی مسئولیت سے عہدہ برآء ہونے کی کوشش کی جائے گی۔

جمعیۃ علماءِ اسلام اور مولانا احتشام الحق تھانوی

۲۲ اگست سنہ ۱۹۶۹ء کو کراچی میں حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی اور حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کی رہنمائی میں کل مرکزی جمعیۃ علماءِ اسلام کی جدید تشکیل وجود میں آئی، مشرقی پاکستان کی چند مشہور شخصیتیں بھی مندوبین میں شامل تھیں۔ ۲۲ اگست سنہ ۶۹ء کو سکھر میں وفاق المدارس العربیۃ کا اجلاس تھا اور سندھ کے تقریباً تیس چالیس مدارس دینیہ نے وفاق سے الحاق کا ارادہ کیا تھا اس لئے میرا سکھر جانا ضروری تھا، جمعیۃ علماء کے اجلاس میں شریک نہ ہو سکا۔

۲۴ کی شام کو میرے نام حضرت مولانا اطہر علی صاحب کا تار ملتان پہنچا جس کی اطلاع بذریعہ ٹیلیفون مجھے لاہور ملی کہ تم جلد سے جلد کراچی پہنچو اور مولانا عبدالحق صاحب دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ کو بھی دعوت دو اور ہو سکے تو مولانا شمس الحق افغانی کو بھی دعوت دو اور دونوں جماعتوں

[1] یہ اعداد و شمار ایم اے خاں او، ایس، ڈی اوقاف سے ماخوذ ہیں۔

میں مصالحت کی کوشش کرو، چند اور حضرات کو بھی دعوت دی گئی تھی اور مولانا مفتی محمود صاحب اور مولانا غلام غوث ہزاروی کو بھی مدعو کیا گیا تھا، ٹیلیفون پر سب حضرات سے رابطہ قائم کیا گیا اور طے پایا کہ ۳۰ اگست ۱۹۶۹ء کراچی پہنچ کر مفاہمت و مصالحت کی کوشش کی جائے گی اور سب حضرات کی خدمت میں گذارش کی گئی کہ اس عرصہ میں کوئی فریق پریس یا اخبارات میں دوسرے فریق کے خلاف بیان نہ دے چنانچہ حسب وعدہ راقم الحروف اور بقیہ حضرات بھی ۳۰ اگست کو کراچی پہنچ گئے، اتوار ۳۱ اگست کو پہلے مدرسہ عربیہ اسلامیہ میں پھر حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی کے یہاں جیکب لائن میں، پھر حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کے یہاں دار العلوم کورنگی میں اجتماعات جاری رہے آخری اجتماع یکم ستمبر کو صبح مولانا احتشام الحق صاحب کے یہاں رکھا گیا جس میں حسب ذیل حضرات شریک رہے:۔

(۱) حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب (۲) حضرت مولانا احتشام الحق صاحب (۳) مولانا غلام غوث صاحب (۴) مولانا مفتی محمود صاحب (۵) حضرت مولانا اطہر علی صاحب (مشرقی پاکستان) (۶) مولانا عبد الحق حقانیہ والے (۷) اور راقم الحروف۔ بحث و تمحیص کے بعد یہ بات صاف ہوئی کہ الحمد للہ دونوں فریق کے درمیان کوئی اصولی اختلاف نہیں ہے، سوشلزم یا کمیونزم کے سیلاب کو روکنے کے لئے مشترکہ جد وجہد ضروری ہے اور اس کی مخالفت میں فریقین کے درمیان مطلق کوئی اختلاف نہیں، نیز یہ کہ سرمایہ دارانہ نظام بھی قطعاً اسلامی روح کے منافی ہے، اس پر بھی اتفاق رائے تھا، خلاف کا آخری نقطہ وہ معاہدہ تھا جو جمعیۃ علماءِ اسلام نے لیبر یونین سے کیا تھا، جمعیۃ علماءِ اسلام کا نظریہ یہ تھا کہ سوشلزم کا دروازہ بھی لیبر یونین ہے، جب بھی سوشلزم اس ملک میں آئے گا اسی راستہ سے آئے گا اس لئے یہ ایک اہم تدبیر ہے کہ اس معاہدہ کے ذریعے یہ راستہ روک دیا جائے اور لیبر یونین کو سوشلزم کے بجائے خالص اسلامی معاشی نظام کے جھنڈے کے نیچے لاکر کھڑا کر دیا جائے، ۵۰ لاکھ مزدوروں کو چند گمراہ لیڈروں کی گود میں کیسے چھوڑا جا سکتا ہے اگرچہ ان کی اپنی پرانی تنظیم ہے لیکن ان میں نفوذ کا بھی راستہ کھلا ہے، علاوہ ازیں یہ ان کی آخری رائے نہیں ہے ۲۶ ستمبر کو سرگودھا میں شوریٰ کے اجلاس میں یہ مسئلہ پیش ہوگا، ہوسکتا ہے کہ بجائے توثیق کے تنسیخ ہوجائے، دوسرے فریق کا خیال تھا کہ اصولاً

یہ تو صحیح ہے کہ لیبر یونین کی اصلاح کی ضرورت ہے اور سیاسی اعتبار سے بھی یہ صحیح ہے لیکن طریقۂ کار کا جو اختیار کیا گیا ہے غلط ہے ان کو اپنی جماعت میں آنے کی دعوت دینا چاہیئے تاکہ وہ تابع ہو کر آئیں، موجودہ صورتِ حال میں خطرہ ہے کہ علماء ان میں مدغم ہو کر اپنے مستقل وجود کو ختم کر دیں گے، بہر حال یہ اختلاف رائے باقی رہا اور اس مسئلہ میں اتفاق نہ ہو سکا۔

میرے نزدیک فریقین کا اتفاق بے حد ضروری تھا اس لئے کہ اس میں شک نہیں کہ اس ظاہری اور غیر اصولی اختلاف رائے کو خود غرض حضرات ہوا دے کر اصولی اختلاف بنانے اور فتنہ انگیز عواقب و نتائج پیدا کرنے کی کوشش کریں گے، میری رائے میں علماء کا اتحاد و اتفاق لیبر یونین کے معاہدے سے زیادہ قیمتی تھا، میرے نزدیک تو اگر کوئی ایک فریق اپنے محاذ کو چھوڑ کر دوسرے فریق کو ذمہ داری سپرد کر دیتا تو افتراق سے بدرجہا بہتر تھا، لیکن یہ آرزو پوری نہ ہو سکی تاہم جانبین ایک دوسرے کے بہت قریب آ گئے اور باہمی مباحثہ و گفتگو سے بہت سی غلط فہمیاں دور ہو گئیں اور حسبِ ذیل بیان مرتب کر کے فریقین کے دستخط ہو گئے، بیان کا مسودہ یہ ہے:۔

کچھ روز سے بعض اخباری بیانات اور اسلام دشمن عناصر کی ریشہ دوانیوں سے جمعیۃ علماءِ اسلام کے رہنماؤں کے مابین جو اختلافات اور کشیدگی پیدا ہو گئی ہے اس کو دور کرنے اور باہم ایک دوسرے سے قریب کرنے کے لئے مولانا مفتی محمد شفیع صاحب، مولانا محمد یوسف بنوری صاحب، مولانا اطہر علی صاحب، مولانا عبد الحق صاحب حقانی اور مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی پر مشتمل ایک کمیٹی مفتی محمود صاحب اور مولانا غلام غوث ہزاروی صاحب کی منظوری سے قائم کی گئی ہے۔ یہ کمیٹی مفاہمت اور مصالحت کے مذاکرات جاری رکھے گی۔ سر دست اس کمیٹی کے ارکان اور مفتی محمود صاحب و مولانا غلام غوث ہزاروی صاحب نے بالاتفاق اعلان کیا ہے کہ مفاہمت کی گفتگو جاری ہے۔ فریقین میں سے ہر ایک اپنے اپنے کام کو جاری رکھتے ہوئے کسی دوسرے پر تقریروں میں یا اخباری بیانات میں حملے نہ کریں اور ہر فریق دوسرے کا احترام باقی رکھے۔

(۱) مولانا مفتی محمد شفیع صاحب (۲) مولانا محمد یوسف صاحب بنوری (۳) مولانا احتشام الحق

صاحب تھانوی (۴)، مولانا مفتی محمود صاحب (۵)، مولانا غلام غوث ہزاروی صاحب (۶)، مولانا عبدالحق صاحب حقانی اکوڑہ (۷) مولانا اطہر علی صاحب کشور گنج مشرقی پاکستان۔

مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی کا "اخبارِ جہاں" میں ایک انٹرویو شائع ہوا تھا جس نے دراصل اختلاف کی خلیج کو وسیع بنایا تھا، جمعیۃ علماءِ اسلام کی شوریٰ کا اجلاس لاہور میں ہو رہا تھا کہ وہ بیان سامنے آیا، مولانا مفتی محمود صاحب نے ٹیلیفون پر مجھ سے اس بیان کے بارے میں دریافت کیا کہ اگر واقعی مولانا احتشام الحق صاحب نے یہ بیان دیا ہو تو ہم اس کا جواب لکھیں ورنہ مولانا موصوف اس کی تردید فرمائیں، اسی وقت میں نے مولانا احتشام الحق صاحب سے ٹیلیفون پر رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی لیکن مولانا سے رابطہ قائم نہ ہو سکا تاہم میں نے جمعیۃ علماء والوں کو اس کے خلاف بیان دینے سے روک دیا۔ اس کے بعد مولانا احتشام الحق صاحب ڈھاکہ چلے گئے واپسی پر ملاقات ہوئی، دورانِ گفتگو اس کا ذکر آیا تو مولانا نے فرمایا کہ: وہ الفاظ میرے نہیں ہیں۔" چنانچہ انہوں نے اس کی تردید میں ایک سائل کے جواب میں تحریر بنائی اور اس کی ایک کاپی بغرضِ اشاعت مجھے دی؛ میرا خیال ہوا کہ خود جمعیۃ علماءِ اسلام ہی اس کو شائع کرے تو بہتر ہوگا، لیکن مفتی محمود صاحب کوئٹہ گئے ہوئے تھے؛ مولانا ہزاروی سے رابطہ قائم نہ ہو سکا اس لئے اس تردید کی اشاعت بروقت نہ ہو سکی اور فریقین کے بیانات اخبارات میں آنے شروع ہو گئے، اس لئے اب سب کی رائے ہوئی کہ وہ اصلی بیان شائع کر دیا جائے تاکہ فی الجملہ بعض بنیادی غلط فہمیاں دور ہو جائیں مولانا احتشام الحق کا وہ مکتوب حسب ذیل ہے:

۲۳، جولائی ۱۹۶۹ء

محترم گرامی قدر جناب محمد حسن صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، مشرقی پاکستان کے بندرہ روزہ دورے سے واپسی پر آپ کا ملفوف مراسلہ اور اشتہار دونوں میری نظر سے گذرے۔ اسی قسم کے کچھ اور خطوط بھی اس سے پہلے مجھے موصول ہوئے تھے جن میں معاندانہ اور مفسدانہ انداز اختیار کیا گیا تھا۔ اس لئے میں نے ان کو قابلِ خطاب نہیں سمجھا اور خاموشی اختیار کی، لیکن آپ کی تحریر سے اخلاص اور ادب کا اندازہ کرکے میں نے مناسب سمجھا کہ آپ کو صورتِ حال سے مطلع کر دوں۔

اشتہار کے صفحہ ۳ و صفحہ ۴ پر جو عبارتیں نقل کی گئی ہیں ان میں سے صفحہ ۴ کی عبارت کا تعلق مفتی محمد شفیع صاحب سے ہے اور میرے افکار و خیالات کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ البتہ صفحہ ۳ پر جو عبارت نقل کی گئی ہے وہ اخبارِ جہاں کے انٹرویو کا اقتباس ہے جس میں الفاظ اور عبارت انٹرویو کے ترتیب دینے والے صاحب کے ہیں اور مفہوم تقریباً میرا ہے، الفاظ اور عبارت سے عام تأثر یہ ہوتا ہے کہ میں نے تحریکِ پاکستان سے اختلاف رکھنے والوں کو پاکستان دشمن قرار دیا جبکہ ان میں حضرت مدنیؒ جیسے اکابرِ امت بھی شامل تھے اور دوسرا تأثر یہ ہوتا ہے کہ میں اس مبینہ اختلاف کو آڑ بنا کر جمعیت علماءِ اسلام مغربی پاکستان کی مخالفت کرنا چاہتا ہوں حالانکہ یہ دونوں تأثرات نہ صرف یہ کہ بے اصل اور بے سر و پا ہیں بلکہ میری اپنی افتادِ طبع کے بھی خلاف ہیں اور اس عظمت و احترام کے بھی منافی ہیں جو تحریکِ پاکستان کے مسئلہ میں اختلاف کے باوجود ان اکابرِ ملت کے لئے میرے دل میں ہمیشہ سے ہے۔

اخبارِ جہاں کے انٹرویو کی صورت یہ ہوئی کہ ۱۲ جون بروز جمعرات صبح دس بجے اسلامیہ کالج کراچی میں طلبہ کی جانب سے سیرۃ النبیؐ کا ایک جلسہ تھا اور یہ تاریخ ایک ہفتہ پہلے سے میری ڈائری میں درج تھی، ۱۱ جون بروز بدھ صرف ایک روز پہلے اخبارِ جہاں کے دفتر سے فون آیا کہ اس کے نمائندے کل صبح انٹرویو لینے کے لئے آنا چاہتے ہیں، میں نے ڈائری کا پروگرام دیکھ کر بتا دیا کہ دس بجے مجھے اسلامیہ کالج کے جلسہ میں جانا ہے اگر آپ آنا چاہیں تو ۹ بجے صبح آجائیں لیکن اخبارِ جہاں کے نمائندے ساڑھے نو بجے کے بعد میرے پاس پہنچے، انٹرویو دیتے ہوئے پندرہ بیس منٹ ہی گذرے تھے کہ اسلامیہ کالج کے طلبہ مجھے لینے کے لئے آئے۔ میں نے اخبارِ جہاں کے نمائندے سے معذرت کی کہ کسی دوسرے وقت آپ تشریف لائیں انٹرویو کا باقی حصہ میں مکمل کرا دوں گا مگر وہ نہیں مانے اور کہنے لگے کہ آپ میرے چند سوالات کے جوابات ہاں یا نہیں میں مختصراً دے دیجئے، میں انہیں اپنے الفاظ میں پھیلا کر لکھ لوں گا۔ چنانچہ ان سوالات میں سے ایک سوال یہ بھی تھا کہ جمعیت علماءِ اسلام مغربی پاکستان کے موجودہ عہدے دار کیا پاکستان کی تحریک میں شامل تھے، میں نے جواب دیا نہیں بلکہ ان حضرات کو تحریکِ پاکستان سے اختلاف تھا اور اسی اختلاف کی بنا پر مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ نے جمعیت علماءِ اسلام کی تشکیل فرمائی تھی، دوسرا سوال یہ تھا: کیا مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کے

ساتھی رفقاء کی یہ ذمہ داری نہیں ہے کہ وہ میدان میں آکر نظریۂ پاکستان کی حفاظت کریں؟ میں نے جواب دیا: بے شک یہ رفقاء کی ذمہ داری ہے اور مولانا ظفر احمد عثمانی جو مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کے قریبی اور ہم عصر ساتھی ہیں انہیں اس میں پہل کرنی چاہیئے، یہ وہ مجمل جوابات ہیں جن کا پھیلاؤ انٹرویو ترتیب دینے والے صاحب نے اپنے الفاظ اور اپنی عبارت میں کیا، غاصبانہ قبضہ، کانگریسی علماء پاکستان دشمن وغیرہ جیسے الفاظ بائیس سال کے عرصہ میں کبھی کسی نے میری زبان سے نہ سنے ہوں گے اور نہ میں ایسی تلخ گوئی کا عادی ہوں۔

تحریک پاکستان سے اختلاف کی وضاحت چاندکے مسئلہ میں نظر بندی سے رہائی کے بعد لاہور کے استقبالیہ کی تقریر میں کر چکا ہوں جس کی صدارت استاد العلماء حضرت مولانا رسول خاں صاحب نے کی تھی اور اس میں مولانا ابو الاعلیٰ مودودی صاحب بھی شریک تھے، اسی طرح کی وضاحت دو سال پہلے ڈیرہ غازی خان کی ایک تقریر میں بھی کر چکا ہوں جس کی بنا پر حضرت مدنیؒ کے بعض متوسلین نے یہ خیال ظاہر کیا تھا کہ میں اپنے خیالات ضبطِ تحریر میں لاکر شائع کرادوں، کانگریسی علماء اور قبضۂ غاصبانہ الفاظ بھی میرے نہیں ہیں بلکہ مفہوم میرا ہے یعنی یہ کہ یہ حضرات تحریکِ پاکستان سے اختلاف رکھتے تھے پھر پاکستان بننے کے بعد ان حضرات نے جمعیت علماءِ اسلام کی تنظیم کو اپنا لیا ہے۔

جمعیت علماءِ اسلام کے اجلاس منعقدہ ملتان میں اس امر کا اعلان کیا گیا تھا کہ اب پاکستان بن جانے کے بعد اسلامی خطوط پر اس کی تعمیر کا مسئلہ ہے لہٰذا کانگریسی اور غیر کانگریسی کا امتیاز ختم کر دینا چاہیئے، حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوریؒ نے مجھے جمعیت علماءِ اسلام کا ناظمِ اعلیٰ مقرر فرمایا تھا مگر میں نے بچند وجوہ کنارہ کشی کا فیصلہ کر لیا تھا اس لئے بار بار اصرار کے باوجود میں نے مولانا احمد علی صاحب لاہوریؒ سے معذرت ظاہر کر کے معافی مانگ لی تھی، اگر کانگریسی اور غیر کانگریسی کی تفریق میرے گوشۂ خیال میں ہوتی تو دستوری نکات ترتیب دینے کے سلسلہ میں ہر مکتبِ فکر کے علماء کے اجتماع میں مولانا احمد علی صاحب لاہوریؒ اور مولانا محمد علی صاحب جالندھری، مولانا محمد یوسف صاحب بنوری اور مولانا مودودی صاحب کو کیوں شریک کرتا، وہ اجتماع میری اور صرف میری رائے سے ہوا تھا جس کا مطلب یہ ہے کہ تعمیرِ پاکستان کے مسئلہ میں کانگریسی اور غیر کانگریسی کا امتیاز کبھی میرے وہم و گمان میں بھی نہیں رہا۔

سابق صدر ایوب خان نے اپنی خانہ ساز کتاب میں پاکستان کی مخالفت کے سلسلہ میں جن کانگریسی علماء کا اور مولانا مودودی صاحب کا تذکرہ کیا ہے وہ بھی میری نظر میں خلافِ واقعہ اور بے بنیاد ہے جس کا اظہار میں نے بارہا اپنی تقریروں میں کیا ہے کیونکہ کانگریسی علماء کا اختلاف جس فارمولے پر مبنی تھا وہ مسلمانوں کے مستقبل کے اعتبار سے مخلصانہ اور ان کے نقطۂ نظر سے نیک نیتی سے متعلق تھا اور مولانا مودودی صاحب نے تحریک پاکستان کی جس قیادت پر عدمِ اعتماد کا اظہار کیا تھا وہ بھی کچھ زیادہ غیر واقعی نہ تھا اور اگر پاکستان قرآن و سنت کی حکومت قائم کرنے میں کامیاب نہ ہو تو تحریکِ پاکستان سے اختلاف کے اسباب اور وجوہ غلط نہیں قرار دیئے جا سکتے، اگر اسلامی حکومت کے نصب العین میں پاکستان کامیاب ہو جاتا ہے تو تحریک پاکستان سے متعلق تمام اختلافات کو بے بنیاد غیر صحیح اور توہمات کا درجہ دیا جا سکتا ہے۔ پھر غاصبانہ کا الزام میری طرف سے اس وقت صحیح ہوتا جب میں جمعیت علماءِ اسلام کا دعویدار ہوتا۔ مولانا احمد علی صاحب لاہوریؒ نے وصال سے کچھ روز قبل علالت کی حالت میں عمرہ کے لئے جاتے ہوئے غریب خانے پر تشریف لا کر فرمایا تھا کہ میری انتہائی خواہش ہے کہ آپ جمعیت علماءِ اسلام کو سنبھالیں، میں نے اس وقت غایتِ ادب سے عرض کیا تھا جی بہتر ہے۔

پھر مولانا غلام غوث ہزاروی اور مفتی محمود صاحب دونوں حضرات نے مولانا عبداللہ صاحب درخواستی کا استخارہ بیان کرتے ہوئے مجھے جمعیت علماءِ اسلام کے لئے فرمایا، میں نے معذرت پیش کر دی تو ایسی صورت میں میری طرف سے قبضۂ غاصبانہ کا الزام دینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

مجھے نہ کانگریسی علماء سے اختلاف ہے اور نہ جمعیت علماءِ اسلام کی موجودہ قیادت سے بلکہ اصل اختلاف اس عالمگیر اور اسلام کش فتنہ سے ہے جو کمیونزم اور سوشلزم کے نام سے ہمارے ملک میں سر اٹھا رہا ہے اور جمعیت علماءِ اسلام کے پلیٹ فارم سے یا اس کے اخبار "ترجمانِ اسلام" سے اسلامی سوشلزم کی پر فریب مگر مہلک اصطلاح اختیار کر کے اس فتنہ کی حمایت کی جا رہی ہے جہاں جہاں اسلام پسند طبقوں نے اس طرح کا دھوکہ کھایا ہے آج وہاں نہ وہ اسلام پسند موجود ہیں اور نہ وہاں اللہ کا نام لینے والا کوئی باقی ہے، اینگلو امریکی سامراج کے لائے ہوئے سرمایہ دارانہ نظام کی مخالفت اور معاشی انصاف اور عدلِ عمرانی کے قیام کے لئے اسلام کا لفظ

اختیار کرنا کافی و وافی ہے، اگر اس پُر فریب اصطلاح سے کلی طور پر اجتناب نہ کیا گیا تو اندیشہ ہے کہ ملحد و بے دین طبقہ اسلام کی آڑ لے کر ماؤزے تنگ کا لادینی نظام قائم کر لے گا، ہماری نظر میں یہ مسئلہ صرف پاکستان ہی کی موت و زیست کا مسئلہ نہیں ہے بلکہ اس ملک میں اسلام کی بقاء اور عدمِ بقاء کا مسئلہ بھی ہے اس لئے سوشلزم اور اسلامی سوشلزم کی مخالفت ہمارا ایمان ہے اور جس طرح سرمایہ دارانہ نظام کے خلاف جہاد کرنا فرض ہے اسی طرح سوشلزم اور اسلامی سوشلزم کے خلاف جہاد کرنا بھی وقت کا سب سے بڑا فریضہ ہے۔ اس فتنہ کی سرپرستی خواہ کوئی فرد کرے یا کوئی جماعت اور گروہ، دیوبندی، بریلوی، شیعہ سنی مقلد اور اہلِ حدیث سب کو مل کر اس لادینی فتنہ کی مخالفت اور اس کے خلاف جہاد کرنا ناگزیر اور ضروری ہے۔ والسلام

(مولانا) احتشام الحق تھانوی

رجب المرجب ۱۳۸۹ھ، اکتوبر ۱۹۶۹ء

نعمتِ خداوندی پاکستان اور اس نعمت کا شکرادا کرنے کا طریقہ

اس حقیقت کا اظہار بار بار کیا گیا کہ مملکت خداداد پاکستان حق تعالےٰ کی ایک بڑی نعمت ہے، جو شدید و مدید ابتلا کے بعد عطا ہوئی ہے، قانونِ الٰہی یہ ہے کہ اگر نعمت کا شکر ادا کیا جائے تو نعمت میں روز افزوں ترقی ہوتی ہے اور ناشکری پر زوال ہی کا نہیں بلکہ انتقام کا بھی خطرہ لاحق رہتا ہے جو فرد یا قوم کسی نعمت کے استعمال اور اس کا شکر ادا کرتے میں نااہل ثابت ہو اس سے نہ صرف یہ کہ وہ نعمت سلب کر لی جاتی ہے بلکہ اس بے قدری نعمت پر اسے ذلیل و رسوا بھی کیا جاتا ہے۔

((ولئن کفرتم إن عذابی لشدید))

اس نعمتِ الٰہی کا شکر یہ تھا کہ یہاں ایک خداترس اور صالح حکومت قائم ہوتی جو ملک وملت کی بے لوث خدمات انجام دیتی، قانونِ الٰہی کے سایۂ رحمت میں، یہاں ایک صالح معاشرہ تشکیل پاتا جو اقوامِ عالم کے سامنے اسلام کے مثالی معاشرہ کا نمونہ پیش کرتا، یہاں اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ شریعت کو نافذ کیا جاتا جو اس کائنات کے لئے حق تعالےٰ کی آخری نعمت، انتہائی رحمت، نجات و فلاح کا آخری پیغام، اور سعادتِ دارین کا واحد راستہ ہے، ہماری عدالتیں عدالتِ نبوت سے منور ہوتیں، قانونِ الٰہی کے سایۂ رحمت تلے پوری قوم چین کی زندگی بسر کرتی، فوج ہو یا پولیس، دفتر ہو یا دکان، کارخانہ ہو یا تجارت ہر طرف اسلامی قانون کے انوار جگمگاتے، قلب کو سکون اور دماغ کو راحت میسر آتی، ملعون زندگی، ملعون معاشرہ اور ظلم و ستم کی گرم بازاری یک قلم ختم ہو جاتی اور حق تعالےٰ کے ارشاد:-

((ولو أن أهل القرىٰ آمنوا واتقوا لفتحنا عليهم بركات من السماء والأرض))

اور اگر بستیوں والے ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمان و زمین کی برکتوں کے دروازے کھول دیتے۔

کے مطابق برکات و تجلیات کا ظہور ہوتا اور ہر طرف اسلام کے روح پرور نظارے سامنے آتے۔

مگر ہم شکرِ نعمت کے راستہ کو چھوڑ کر خدا فراموش قوموں کے راستے پر چلے، قرار دادِ مقاصد اور پھر ۱۹۵۶ء کے دستور میں فیصلہ ہوا تھا کہ ملک کا قانون کتاب و سنت کے مطابق ہو گا، کیا آج تک

اس وعدہ کے ایفاء کی توفیق ہوئی؟ یہاں حکومتوں پر حکومتیں بدلیں، کئی حکمران آئے اور گئے مگران سب میں قدرِ مشترک یہ بھی کہ ہر حکمران اپنے دورِ اقتدار میں اس سے پہلوتہی کرتا رہا اور اس کے نتائج ہمارے سامنے آتے رہے۔

یہ ٹھیک ہے کہ ہمارا ملک تجارت کی لائن میں کچھ آگے بڑھا، زراعت کے شعبہ میں کچھ ترقی ہوئی نادار اور متوسط طبقہ کے کچھ لوگ "مالدار" ہو گئے، کچھ جھونپڑوں کے مکین بنگلہ نشین ہو گئے، کچھ بیزرگار افراد کو نوکری اور روزگار مل گیا مگر کیا کسی "اسلامی حکومت" کا اہم کارنامہ بس یہی ہے جس پر فخر کیا جائے؟

اسلام کو چھوڑ کر مادی اسباب اختیار کرنے کا خمیازہ

دین کو چھوڑ کر ہمارے یہاں مادی ترقی کے لئے جو راستہ اختیار کیا گیا وہ ہلاکت و بربادی اور فساد وخون ریزی کی مہیب و تاریک وادیوں پر جا کر ختم ہوا، مال ودولت کی اندھی محبت، استحصال کے غلط طریقوں، متمول طبقہ کی ستم رانیوں، دولت کی غیر منصفانہ تقسیم اور ہمارے "بزرجمہروں" کی مصنوعی منصوبہ بندی نے معاشرے میں زمین و آسمان کا معاشی تفاوت پیدا کر دیا، اس کے ردِ عمل میں طبقاتی کشمکش پیدا ہوئی جس نے بالآخر مجیب، بھاشانی اور بھٹو کی شکل اختیار کی اور دیکھتے ہی دیکھتے قوم کے امن وسکون کو نذرِ آتش اور ملک کو سنگین بحران سے دوچار کر دیا، ہماری فہم وفراست کی داد دینی چاہیئے کہ ہم تباہی کے اسی راستے پر اب تک دوڑے چلے جارہے ہیں اور کسی کو یہ سوچنے کی توفیق نہیں ہوتی کہ ہماری غلط روی کا نقطۂ آغاز کیا ہے اور اس کا انجام کیا ہوگا؟

ہم تو یہ سمجھتے ہیں اور ایسا سمجھنے میں حق بجانب ہیں کہ اگر ہمارے ملک میں موجودہ دنیا کی چہل پہل نہ بھی ہوتی، عصرِ حاضر کے تمدن کی یہ رعنائیاں اور عقل فریبیاں نہ بھی ہوتیں، یہ بڑے بڑے بینک، یہ بڑے بڑے کارخانے اور انڈسٹریاں، یہ دیو قامت محلات، یہ حسین وجمیل کاریں نہ بھی ہوتیں بلکہ یہاں صرف صحیح مسلمان ہوتے، صحیح اسلامی معاشرہ ہوتا، رشوت کی گرم بازاری نہ ہوتی، قتل وسفاکی کی بے رحمانہ ومجرمانہ وارداتیں نہ ہوتیں، آئے دن کے یہ دردناک واقعات نہ ہوتے، جن سے نہ کسی کی جان محفوظ، نہ عزت وآبرو نہ مال ومتاع، اغواء کے ہولناک حوادث اور تمدن ودولت کی فراوانی وطغیانی کے پیدا کردہ حیاسوز مناظر نہ ہوتے، یہ لاکھ پتی، کروڑ پتی اور ارب پتی نہ ہوتے، یہ بڑے بڑے کاغذی منصوبے نہ بھی ہوتے، یہ اربوں کے غیر ملکی قرضے نہ بھی ہوتے

صرف اسلامی عدالت کا محکمۂ عدل و انصاف ہوتا، مسلمانوں کے جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت ہوتی، دین محفوظ ہوتا، اخلاق پاکیزہ ہوتے، تقویٰ و طہارت، اخوت و مؤاسات، ہمدردی و خیر خواہی کا قابلِ رشک معاشرہ ہوتا، سبحان اللہ کیا عجیب منظر ہوتا، اگر اسلامی تعلیمات کی صحیح ترویج اور اسلامی معاشرہ کی صحیح تشکیل ہوتی تو نہ صوبائی عصبیت کو سر اٹھانے کا موقع ملتا، نہ بنگلہ دیش کی تحریک کا کہیں نام و نشان ہوتا، نہ ملک کی سالمیت کو خطرات لاحق ہوتے، یہ جو کچھ ہو رہا ہے ہماری بدترین مجرمانہ غفلت کے نتائج ہیں جو سامنے آرہے ہیں۔

ملک و قوم کے لئے ایک خطرناک ابتلا و آزمائش

اچھا جانے دیجئے، نہ یہ ہوا نہ وہ ہوا، پاکستان اسلامی ملک کی حیثیت سے کم از کم اتنے دینی تقاضوں کو تو پورا کرتا کہ جو لوگ صحیح مسلمان رہنا چاہتے ہوں وہ آزادی سے زندگی بسر کرسکتے، دین پر الحاد و دہریت کے جو حملے ہر چہار طرف سے ہو رہے ہیں ان کا دفاع کرسکتے، اسکولوں اور کالجوں میں نئی پود کی اسلامی تعلیم و تربیت ہوتی اور اسے اخلاقی بگاڑ سے بچایا جاسکتا ہے، الغرض ہمارا دین ہر طرح سے محفوظ ہوتا تب بھی غنیمت تھا لیکن صد افسوس کہ اب تو نوبت یہاں تک آپہنچی ہے کہ اس اسلامی ملک میں اسلام بھی محفوظ نظر نہیں آتا، اہلِ باطل تو جو چاہیں کریں اور اہلِ حق کو اتنی بھی اجازت نہیں کہ وہ حق کو حق اور باطل کو باطل کہہ سکیں، ذرا کچھ کہا جائے تو اسے "فرقہ دارانہ اختلاف" کہہ کر جرم قرار دیا جاتا ہے اور ان حق پرست "مجرموں" کو ان تمام مراحل سے گذرنا پڑتا ہے جس کے مستحق اخلاقی مجرم ہیں بلکہ بعض اوقات تو یہ بھی دیکھنے میں آتا ہے کہ مبینہ قتل کے ملزم قابلِ ضمانت سمجھے جاتے ہیں مگر حق گوئی کا جرمِ عظیم ناقابلِ ضمانت قرار دیا جاتا ہے۔

اسلام کا بنیادی عقیدہ ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں، آپؐ کے بعد ہر قسم کی نبوت کا دروازہ اللہ تعالےٰ نے بند کر دیا ہے۔ آپؐ کی امت آخری اُمت ہے اور قرآنِ کریم آخری پیغامِ الٰہی ہے اس کے بعد اور کوئی وحی اللہ تعالےٰ کی طرف سے نہیں آئے گی نہ آسکتی ہے، نئی نسل کو اتنا سمجھانا بھی اب جرم ہوتا جارہا ہے، صدیق و عمر اور عثمان و علی (رضی اللہ عنہم اجمعین) امتِ مسلمہ کا عظیم سرمایہ ہیں، اس عقیدے کی حفاظت کرنا بھی جرم بنتا جارہا ہے، خلفائے راشدین کی سیرت کو نصابی کتابوں سے کھرچ کھرچ کر نکالا جارہا ہے گویا پاکستان اب ایسی مملکت کا نام بنتا جا

رہا ہے جہاں ہر عیاشی و فحاشی اور ہر بد اخلاقی و بے حیائی تو خوب پھل پھول رہی ہے مگر مسلمانوں کے لئے اپنے اسلامی عقیدے کا اظہار بھی جرم ہے، مزید تعجب و افسوس اس پر ہے کہ پاکستان کے دشمن تو پاکستان کے خیر خواہ سمجھے جائیں اور مملکت کے انتظام و انصرام کی باگ ڈور ان کے ہاتھ میں دینے میں بھی کوئی مضائقہ نہ سمجھا جائے، ظاہری و باطنی غداروں کے لئے مسندِ اقتدار بھی بچھائی جائے مگر ملک کے وہ مخلص مسلمان جو کلمۂ حق تو برملا کہنا جانتے ہیں مگر غداری اور سازش کے مفہوم سے بھی ناآشنا ہیں ان کی مخلصانہ آواز کو ہر ممکن طریق سے دبانے کی کوشش کی جائے، ایک حدیث میں علاماتِ قیامت کے ذیل میں فرمایا گیا ہے (ویؤتمن الخائن ویخون الامین (خائن کو امین اور امانت دار کو خائن سمجھا جائے گا)

اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اسلامی تعلیمات پر چلنے کی توفیق نصیب فرمائے اور حکمرانوں کو اس اسلامی ملک کو ظاہری و باطنی فتنوں سے ہر طرح محفوظ کرنے کی ہمت عطا فرمائے اور اللہ تعالےٰ پاکستان کو صحیح طور پر اسم بامسمّٰی بنا کر تمام عالمِ اسلام کی قیادت کا اسے علمبردار بنائے۔

اسمبلیاں اور ان کا فائدہ

سیاسی جوڑ توڑ کا سلسلہ شروع ہو گیا، دستور ساز اسمبلی کی ہوائیں سیاسی لیڈروں کے دماغوں کو معطر کرنے لگیں ہیں، ہر جماعت کو اقتدار کا فکر لاحق ہے وزارت کس پارٹی کی ہو اور وزیرِ اعظم کون ہو، علماء کا ایک طبقہ بھی منتخب ہو گیا ہے، یہ حقیقت واضح ہے کہ ان اسمبلیوں میں حق کی آواز کی کامیابی کی کوئی توقع نہیں، عائلی قانون جیسے خلافِ قرآن قانون کی ترمیم بھی نہیں کرائی جا سکی جبکہ خلافِ قرآن ثابت کرنے میں کوئی کسر باقی نہیں رکھی گئی لیکن باوجود اس کے ایک جماعت کا یہ نظریہ ہے کہ مؤثر اتمامِ حجت کے لئے اسمبلی کے میدان سے اور کوئی موزوں مقام نہیں گویا، دینی کامیابی یا اعلاءِ کلمۃ اللہ کی کوئی توقع تو نہیں، صرف مؤثر انداز سے آواز اٹھانے کی تدبیر ہے، صوبہ جاتی پارلیمان میں تو اس کی گنجائش ہو سکتی ہے بشرطیکہ اتفاق رائے یا اکثریت اس کی حمایت کرے لیکن جو نقشہ سامنے آ رہا ہے اس سے اگر کچھ امید ہو بھی سکتی تھی تو ختم ہو گئی، ہماری اور بہت سے اکابر ارباب فکر کی بھی رائے ہے کہ علماء کو اگر پارلیمان میں پہنچنا ہی ضروری ہو تو وزارت یا وزارتِ عظمیٰ سے سروکار نہ رکھنا

چاہیئے بلکہ اظہارِ حق کے لئے اگر اتفاق و اکثریت ممکن نہ ہو تو حزبِ مخالف کی حیثیت سے رہتے، اس اشارے کی تشریح کی جاسکتی ہے۔ اس وقت شاید یہ کافی ہوگا۔ وما علینا الا البلاغ

اندکے با تو گفتم حالِ دل و ترسیدم
کہ آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار است

شعبان ۱۳۹۱ھ، اکتوبر ۱۹۷۱ء

حکومتیں اور ان کے بجٹ

کسی مملکت کے فرائض میں بجٹ تیار کرنے کا کام بہت اہمیت رکھتا ہے، اس موقع پر ملک کی آمدنی اور اس کے اخراجات کا تخمینہ لگایا جاتا ہے، درآمد و برآمد پر نظر ڈالی جاتی ہے، اگر ضرورت ہو تو قرض لینے دینے کے فیصلے کئے جاتے ہیں، وسائل و ذرائع آمدنی کا جائزہ لیا جاتا ہے اور مصارف مقرر کئے جاتے ہیں، کسی ملک کا نظام بغیر آمد و خرچ کے نظم کے نہیں چل سکتا اور بجٹ کی تیاری کے بغیر ان میں توازن اور نظم قائم نہیں ہو سکتا جس کے بغیر ملک کی معاشی کشتی کے غرق ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ حکومتیں اس کی تیاری میں پوری دماغی صلاحیتیں صرف کر دیتی ہیں، اس کد و کاوش کا مقصد اگر قوم کی فلاح و بہبود ہو تو یہ بہت لائقِ تحسین ہے اور ایسی حکومت ملک کے شکریے کی مستحق اور قوم میں محبوب ہوتی ہے، لیکن اگر اس سے مقصد صرف اپنے اقتدار کی بقا اور حکومت کی گدی سے وابستگی ہو تو یہ بجٹ ملک و قوم کے لئے بہت منحوس ثابت ہوتا ہے، معاشی بدحالی کی بادِ خزاں ملک کے چمن کو خشک کر دیتی ہے اور حکمراں طبقہ یا ان کے کاسہ لیسوں کو مستثنیٰ کر کے عام افرادِ قوم کے لئے زندگی ایک تلخ حقیقت بن جاتی ہے۔

پاکستان کے قیام کو ۲۶، ۲۷ سال کی مدت گذر چکی، اس مدت میں متعدد بجٹ بن چکے ہیں مگر ان سب میں یہ خصوصیت مشترک طور پر پائی جاتی ہے کہ انہیں بناتے وقت اس حقیقتِ واضحہ کو نظر انداز کر دیا گیا جو ہر مسلمان کو ہر وقت پیشِ نظر رکھنا چاہیئے، اس اہم کام کو انجام دیتے وقت بجٹ بنانے اور بنوانے والوں کے ذہن کے کسی گوشہ میں بھی اس بدیہی حقیقت کی روشنی نہیں ہوتی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس کی ایک ایک پائی اور ایک ہندسہ اور صفر کے لئے جواب دہ ہیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ((کُلُّکُمْ رَاعٍ وَّکُلُّکُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِیَّتِہٖ)) یہی وجہ ہے کہ اس کے مداخل و مصارف میں حلال و حرام، طاعت و معصیت اور خیر و شر کا امتیاز مفقود ہوتا ہے، مداخل میں سود، شراب، قمار وغیرہ ذرائع سے حاصل ہونے والی آمدنی بلا تکلف داخل کی جاتی ہے اور مخارج میں معاصی اور فسق و فجور کو رواج دینے اور

ان کی ہمت افزائی کرنے کے لئے مصارف کو منتخب کرنے میں ذرا بھی ہچکچاہٹ نہیں محسوس کی جاتی البتہ مصارف کے اس وسیع احاطے میں اسلام کے فروغ، احکام شریعت کی تنفیذ، معروف کی ترویج اور منکرات کو مٹانے، اسلامی قوانین جاری کر کے پبلک میں اخلاقِ حسنہ کو رواج دینے اور بد اخلاقیوں سے انھیں بچانے، کتاب و سنت کی اتباع اور صحابہ کرام کی پیروی کو ملک و قوم کا مزاج بنانے کے لئے کسی مد کو جگہ نہیں ملتی۔

احکام الٰہی سے سرتابی کا نتیجہ حقیقت سے اعراض اور اسلام کا نام لے کر احکام الٰہی سے سرتابی کا نتیجہ اللہ تعالےٰ کے عذاب کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے جو کبھی شکست کی شکل میں آتا ہے کبھی سیلاب اور زلزلہ کی شکل میں اور کبھی اور کسی مصیبت و نکبت کے روپ میں، اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں :-

«وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ آمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً يَأْتِيهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّن كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِأَنْعُمِ اللّٰهِ فَأَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ بِمَا كَانُوا يَصْنَعُونَ» (النحل)

اور اللہ تعالےٰ ایک بستی کی حالتِ عجیبہ بیان فرماتے ہیں کہ امن و اطمینان میں تھے، ان کے کھانے پینے کی چیزیں بڑی فراغت کے ساتھ ان کے پاس پہنچا کرتی تھیں، پس انہوں نے خدا کی نعمتوں کی ناقدری کی اس پر اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کی حرکات کی وجہ سے ایک محیط قحط اور خوف کا مزا چکھایا۔

ذلت خیز شکست اور لاکھوں مسلمانوں کی جان و آبرو کی بھینٹ لے کر آدھا ملک الگ ہو گیا، جو باقی رہ گیا وہ بھی بہت کمزور اور مضمحل ہے۔

خلافتِ ترکیہ کے اضمحلال کے زمانہ میں یورپ والوں نے ٹرکی کو "یورپ کے مردِ بیمار" کا لقب دیا تھا، یہ صحیح تھا یا غلط اس سے بحث نہیں مگر پاکستان کی سیاسی و معاشی زبوں حالی کو دیکھتے ہوئے اسے "ایشیا کا مردِ بیمار" کہیں تو بے جا نہیں، دوستوں کے دلوں سے اس کا وقار اور دشمنوں کے دلوں سے رعب رخصت ہو چکا ہے، دوست نما دشمنوں کی حریصانہ نظریں اس پر جمی ہوئی ہیں، افراطِ زر، گرانی، سیم و تھور وغیرہ کے پریشان کن مسائل سامنے ہیں اور انہیں جس قدر سلجھایا جاتا ہے، اسی قدر الجھتے جاتے ہیں، حرام کمائی سے پرورش پانے والوں کا طبقہ اپنی تجوریاں بھر رہا ہے،

مگر ملک کی اکثریت فلاکت اور معاشی بدحالی کا شکار ہے، مصائب کے اس حال سے رہائی کی کتنی ہی تدبیریں کی جائیں رہائی ناممکن ہے کیونکہ ان کا اصل سبب اللہ تعالیٰ کا غضب ہے جو ہماری نافرمانی اور سرکشی کی وجہ سے ملک کی طرف متوجہ ہوا ہے، بابِ توبہ اب بھی کھلا ہوا ہے اور اللہ تعالیٰ شانہٗ کی رحمتِ بے پایاں کو اب بھی اپنی طرف متوجہ کیا جا سکتا ہے۔

«قُلْ یَا عِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا»

آپ فرما دیجئے کہ (اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں) اے میرے بندو جنہوں نے اپنے نفس کے ساتھ زیادتی کی ہے (مبتلائے معصیت ہوئے) تم اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہ ہو، بے شک اللہ تعالیٰ سب گناہ معاف فرماتے ہیں۔

اربابِ اقتدار اگر حقائق کا ادراک کر لیں اور کتاب و سنت اور اسوۂ صحابہ کی روشنی میں صحیح راہِ منزل متعین کر کے ملکی و قومی قافلے کو لے چلیں تو فلاح و کامرانی پاکستان کے قدم چومے گی، ہر سنگِ راہ چور چور ہو کر دور ہو جائے گا اور ہمارا ملک دنیا میں ممتاز حیثیت حاصل کر لے گا، بالکل بدیہی حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے عذاب کو کسی تدبیر سے نہیں ٹالا جا سکتا، انابت الی اللہ اور اطاعتِ احکامِ الٰہیہ اسے ٹالنے کی واحد تدبیر ہے، کیا اربابِ اقتدار حالات سے عبرت و نصیحت حاصل کریں گے؟ کیا ان میں کوئی اس آواز کا سننے والا اور اس سچی بات پر کان دھرنے والا ہے؟ «اَلَیْسَ مِنْکُمْ رَجُلٌ رَّشِیْدٌ؟»

یہود کی اسلام دشمنی

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

«وَلَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوا الْیَهُوْدَ وَالَّذِیْنَ اَشْرَکُوْا» آل عمران

اور تم یہود اور مشرکین کو مسلمانوں کا سب سے بڑا دشمن پاؤ گے

قرآن مجید کی اس خبر کا مشاہدہ ہوتا رہتا ہے اور ہم دیکھتے ہیں کہ یہود کے دل میں اسلام اور مسلمانوں کی عداوت اور ان سے عناد و حسد کی جو آگ بھڑک رہی وہ کسی طرح سرد نہیں ہوتی، اس کا تازہ نمونہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کو فلم کی صورت میں پیش کرنے کی ناپاک کوشش جاری ہے، اس کا مقصدِ وحید یہ ہے کہ خاکم بدہن عظمتِ رسالت دلوں سے کم کر دی جائے، اس سے بیشتر "فجرِ اسلام" کے نام سے ایک فلم بنا کر یہ لوگ صحابہ کرام کی توہین کر چکے ہیں، اس

فلم کا تصور بھی درحقیقت یہودی دماغ ہی کی اختراع تھا اور یہ بھی اسی سازشی اور مجرم و مفسد ذہن کی ایجاد ہے، افضل الخلائق سید العالمین صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کے حالاتِ زندگی کو لہو ولعب کا ذریعہ بنانا ایکٹروں اور ایکٹرسوں کا صحابہ کرامؓ اور صحابیات کا پاٹ ادا کرنا اور ان مقدس ہستیوں کی سوانح زندگی کو پردۂ سیمیں پر پیش کر کے اسے ذریعہ تفریح بنانا یقیناً نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس میں سخت گستاخی اور صحابہ کرامؓ کی شان میں بے ادبی ہے، یہ ایسی واضح حقیقت ہے کہ جس کے لئے کسی استدلال کی حاجت نہیں، فریب یہ دیا جا رہا ہے کہ اس سے سیرۃ طیبہ کا عام تعارف ہوتا ہے جو تبلیغ و دعوتِ اسلام کے مرادف ہے، حیرت ہے کہ یہود کے اس جال میں بعض عربی ممالک بھی پھنس گئے اور اسلام کے یہ نادان دوست اس فلم کی تیاری کی ہمت افزائی کر رہے ہیں اسے اشاعتِ دین اور تعلیم و تعارفِ سیرۃ سید المرسلین کا ذریعہ کہنا خالص فریب ہے، بے شک دونوں باتیں مطلوب و محمود ہیں مگر ان کا طریقہ وہی ہو سکتا ہے جو ان مقدس اور عظیم الشان مقاصد کے ساتھ مناسبت رکھتا ہو اور ان کے شایانِ شان کہا جا سکے، یہ ذلیل اور پست طریقہ ان پاکیزہ مقاصدِ عالیہ کے ساتھ ادنیٰ مناسبت بھی نہیں رکھتا، یہ یقیناً بارگاہِ رسالتؐ اور شانِ صحابہؓ میں سخت بے ادبی اور گستاخی ہے، سہولتِ فہم کے لئے قومی جھنڈے کی مثال کافی ہے، کیا کوئی ملک اسے گوارا کر سکتا ہے کہ اس کا قومی جھنڈا تعارف کے مقصد سے کسی مزبلے اور کوڑے خانے پر نصب کر دیا جائے؟ وجہ ظاہر ہے کہ یہ جگہ اس کے شایانِ شان نہیں، اس لئے جھنڈے کی توہین ہے۔
اسی طرح فلمی پردہ مقاصدِ مذکورہ کے ساتھ کوئی مناسبت نہیں رکھتا اور ان کے شایانِ شان نہیں، اس فلم کی خبر نے مسلمانانِ عالم کے دل مجروح کر دیئے ہیں، دنیا کی جملہ مسلمان حکومتوں اور عام مسلمانوں پر واجب ہے کہ اس کی تیاری رکوانے کی پوری کوشش کریں ہم اس کے متعلق اپنی حکومت سے کہنے کا حق زیادہ رکھتے ہیں، بنابریں اس سے مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ اپنے امکانی ذرائع اور وسائل سے اسے رکوانے کی پوری کوشش کرے، پاکستان کے عوام مسلمین بھی یہ عزم کر لیں کہ اگر یہ فلم خدانخواستہ تیار ہو جائے تو کسی قیمت پر بھی پاکستان میں اس کی نمائش کو گوارا نہ کریں گے اور اس سینما کو دنیا میں باقی نہ چھوڑیں گے جو اس کی نمائش کی جرأت کرے۔

جمادی الاخریٰ ۱۳۹۵ھ، جولائی ۱۹۷۵ء

استحکامِ پاکستان اور قیامِ امن کا راستہ اسلام اور صرف اسلام ہے

پچھلے دنوں پاکستان کے نئے صدرِ محترم جنرل یحییٰ خان نے پشاور گورنمنٹ ہاؤس میں اخباری نمائندوں سے فرمایا تھا کہ "پاکستان اسلام کی بنیاد پر قائم کیا گیا تھا اس لئے ملک کے استحکام اور اسلام کے وقار کے سوال پر کوئی سمجھوتہ نہیں ہو سکتا"۔ شاید اس انداز اور اس صراحت سے پہلی مرتبہ پاکستان کی کسی ذمہ دار شخصیت نے اس حقیقت کا اعتراف کیا ہے جس کا اعلان ہمدردانِ اسلام روزِ اوّل سے کرتے آئے ہیں۔ ہم جہاں اس اعلان کا خیر مقدم کرتے ہیں وہاں اس امر کا اظہار کرنے پر بھی مجبور ہیں کہ ابتدا ہی سے خصوصاً قائدِ ملت لیاقت علی خاں مرحوم کے بعد تدریجاً حکومت کا رُخ جس طرف ہو گیا اس سے اربابِ اقتدار کے بارے میں باشندگانِ پاکستان کے دلوں میں شکوک و شبہات پیدا ہوتے گئے اور حالات و واقعات نے لوگوں کو یہ سمجھنے پر مجبور کر دیا کہ: ع این رہ کہ تو میروی بہ ترکستان است"۔

گذشتہ خلفشار نے اس حقیقت کو پایۂ ثبوت تک پہنچا دیا ہے کہ ملک میں امن کے قیام اور پاکستان کے استحکام کا راستہ اسلام اور صرف اسلام ہے۔ مشرقی و مغربی پاکستان کے درمیان رشتۂ اتحاد بھی صرف اسلام ہے اور اسی حبلِ متین کے ذریعہ دونوں میں رابطہ قائم رہ سکتا ہے۔ جو خطرات سر پر منڈلا رہے ہیں اور جن شیاطین کو مشرقی پاکستان کی علیحدگی کے خواب نظر آرہے ہیں ان کے انسداد کے لئے سوائے اسلامی وحدت اور رابطہ کے اور کوئی مؤثر طاقت نہیں ہو سکتی ہے اسی طرح سوشلزم، کمیونزم اور مغربی استعمار جیسے جاہلی فتنوں کو کچلنے کے لئے بھی ایک ہی ذریعہ ہے اور وہ ہے اسلام!

لیکن یہ واضح رہے کہ صرف اسلام کا نام لینا ہی کافی نہیں بلکہ اسلام کا قانون اور اسلام کا ہمہ گیر نظام جب تک جاری نہ ہوگا اس وقت تک یہ خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکتا۔ گذشتہ دنوں ملک جس بحرانی کیفیت سے دوچار رہا، ہر طرف بے اطمینانی کا جو طوفان برپا رہا اور پاکستان کی تمام مخالف طاقتوں کو کھل کھیلنے کے جو مواقع ملے ہیں ان سب کا واحد علاج اسلامی قوانین کی تنفیذ اور اسلام کے مستحکم نظامِ عدل کا نفاذ ہے۔ جب تک دینِ اسلام کے سایۂ رحمت میں محاکمِ شرعیہ عدلیہ کا قیام نہ ہوگا اور جب تک شرعی سزائیں جو کہ ارحم الراحمین واحکم الحاکمین کے منشاء

عدل کی تکمیل و تشریح ہے جاری نہ ہوں گی اس وقت تک نہ پاکستان میں امن قائم ہوگا اور نہ پاکستان کو استحکام حاصل ہوگا، اسلامی قوانین کے نفاذ کے بغیر پاکستان کے استحکام کا دعویٰ محض سراب ہے، نیز اسلام زندہ باد کے کھوکھلے نعروں اور پاکستان زندہ باد کی آوازیں، اسلامی نظام کے بغیر صدا بصحرا ہیں۔

قیام پاکستان کو بائیس سال ہوتے ہیں اس وقت کے بچے آج بچوں کے باپ ہیں، اس وقت کے نوعمر آج سفید ریش ہیں اور اس وقت کے ادھیڑ آج مسافرِ آخرت ہیں لیکن اسے کیا کہیئے کہ بحیثیت قوم کے گویا ہم ابھی شیر خوار بچے ہیں، جنہیں جب سے اب تک صرف "اسلام، اسلام" کی لوریوں سے بہلانا سہلانا کافی سمجھا گیا، اس ربع صدی کی طویل مدت میں ہم نے اپنے مطلب، اپنے مفاد اور ذاتی اغراض کے لئے "پاکستان کی بنیاد اسلام پر ہے"۔ "پاکستان محض اسلام کی خاطر معرض وجود میں آیا"۔ "پاکستان کا مطلب کیا؟ لا إلٰهَ إلا الله"۔ جیسے فقرے اور نعرے اتنی شدت و کثرت اور اتنے اصرار و تکرار سے دہرائے اور بڑی فیاضی سے مسلسل دہراتے چلے گئے کہ ہمارے ہونٹوں پر پیپڑیاں جم گئیں، ہماری زبانیں خشک ہو گئیں، مگر قوت و اقتدار، وسائل کی فراوانی اور ہر طرح کی آزادی کے باوجود ہمیں کبھی یہ احساس نہیں ہوا کہ ہمارے ان دعوؤں کے کچھ عملی تقاضے بھی ہیں جن کے لئے خدا کے حضور میں جواب دہ ہونا ہوگا اور یہ کہ اس وسیع دنیا میں پھیلی ہوئی انسانیت کی آنکھیں ہمارے قول و عمل کا بڑی باریک بینی سے مطالعہ کر رہی ہیں، یہ عالمی عدالت ہمارے کھوکھلے نعروں پر نہیں بلکہ ہمارے "عمل" کو ناپ تول کر ہی ہمارے اخلاص و نفاق اور سچ جھوٹ کا فیصلہ کرے گی۔

داخلی و خارجی فتنوں اور پریشانیوں کا سبب اسلام سے بے وفائی ہے

ہمارا جتنا وقت اسلام کی خالی خولی رٹ لگانے پر ضائع ہو چکا ہے، اگر اس سے کم عرصہ میں پاکستان میں اسلام کے نظامِ تعلیم و تربیت، نظامِ عدل و سیاست، نظامِ تمدن و معاشرت نظامِ معیشت و اقتصاد اور نظامِ عبادات و اخلاق کو اپنانے اور ایمان داری کے ساتھ اسے زندگی کے تمام شعبوں میں جاری و ساری کرنے کی کوشش کر لی جاتی تو آج کا نقشہ ہی کچھ اور ہوتا۔ آج اسلام اپنی ساری برکات کے ساتھ ہمارے سروں پر سایہ فگن ہوتا، وہی برکات جن سے یہ امت مرحومہ

خلافتِ راشدہ کے دور میں فیضیاب ہو چکی ہے توفیقِ الٰہی ہماری راہنما اور نصرتِ خداوندی ہماری مددگار ہوتی، وہی نصرت جس کا اس امت سے وعدہ ہو چکا ہے إن تنصرُاللہ ینصرکم۔

ہمیں بھوک اور افلاس کے لئے امریکہ و برطانیہ کے دروازوں پر کشکول گدائی لے کر نہ جانا پڑتا بلکہ ہم اسلام کا علم لے کر نکلتے اور انہیں عزت کے ساتھ اسلام یا ذلت کے ساتھ جزیہ قبول کرنا ہوتا۔ وہ ہمیں نظرِ حقارت سے نہ دیکھتے بلکہ اسلام کے مقابلہ میں قیصر و کسریٰ کی طرح ان کی ذلت کا تماشہ دنیا دیکھ لیتی۔ ہمیں معاشی ناہمواری ختم کرنے کے لئے روس اور چین کے غیر فطری نظام درآمد کرنے کی ضرورت نہ رہتی بلکہ خود انہیں درسِ مؤاسات سیکھنے کے لئے دبستان اسلام میں داخلہ لینے کی ضرورت محسوس ہوتی۔ ملک کے مشرقی و مغربی بازوؤں کے درمیان اتحاد قائم رکھنے کے لئے ہم ان مصنوعی رشتوں کی تلاش میں نہ نکلتے بلکہ اسلام کی مقناطیسی کشش آپ سے آپ ہمیں بنیان مرصوص بنائے رکھتی۔ ہمیں تفریح کے لئے بددین اور بے ایمان قوموں کی طرح سینما اور کلب جیسی گندی جگہوں میں اپنا دین و ایمان غارت کرنے۔ اخلاق و انسانیت کے سر مٹی ڈالنے اور سرمایہ و وقت برباد کرنے کی ضرورت اور فرصت نہ ہوتی بلکہ ذکرِ الٰہی، اقامت صلاۃ اور اعلائے کلمۃ اللہ" ہمارے لئے غذائے روح، اطمینانِ قلب، راحت و سکون اور آنکھوں کی ٹھنڈک ثابت ہوتے۔

ہماری ساری الجھنوں، تمام پریشانیوں، ہر قسم کے داخلی و خارجی خطروں کا اصل سبب یہی ہے کہ ہم نے اسلام سے بے وفائی کی، ضرورت کے ہر موقعہ پر اسلام کا نام لیا ہے مگر عملی طور پر اس سے بالکل بیگانگی برتی، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ نہ صرف ہماری اجتماعی قوتیں اور انفرادی صلاحیتیں ضائع ہوئیں بلکہ ہمارا اجتماعی وجود اور قومی تشخص خطرے کی زد میں آگیا، عالمی میدان میں ہماری ہوا اکھڑ گئی، عالمِ اسلام میں ہمارے ہمدردوں کے لئے ہماری زبوں حالی اضطراب و تشویش کا سبب بن گئی اور ہمارے بدخواہوں نے ہماری حالتِ زار پر نہ صرف خوشی کے شادیانے بجائے بلکہ ہمارے طرزِ عمل سے ہمارے مقدس دین کی (خاکش بدہن) ناکامی پر استدلال کر کے ہماری غیرت کو للکارا، سکراتِ موت کی حالت میں جب مریض کا طبعی نظامِ تنفس معطل ہو جاتا ہے تو بیرونی آلات سے مصنوعی تنفس جاری کرنے کی کوشش کی جاتی ہے ہماری شامت اعمال سے بعض حضرات

مختلف قسم کے نظریاتی آلات کے ذریعہ جو ادھر ادھر سے اکٹھا کر لئے گئے ہیں، ہماری قومیت کے نظام تنفس کو جاری کرنا چاہتے ہیں، کہیں سوشلزم کے انجکشن دیئے جا رہے ہیں، کہیں لسانی اور صوبائی حرارت سے اس کے اعصاب کو تپایا جا رہا ہے، کہیں مغربی جمہوریت کے نسخہ شفا پر زور دیا جا رہا ہے، کہیں استبداد کے ڈنڈے کو بگڑے ہوئے دماغ کا علاج بتلایا جا رہا ہے لیکن مصنوعی تنفس سے مریض کو زیادہ دنوں تک زندہ نہیں رکھا جا سکتا، ہمارا احساس یہ ہے کہ اس ملک کے جسم سے اگر اسلام کی روح نکل گئی ولا فعل اللہ ذلک - تو اس لاشۂ بے جان کو پھر سے زندہ کر دینا کم از کم کسی انسان کے بس کی بات نہیں ہوگی۔ ہمیں سوچنا چاہیئے کہ آج جو سُرخ و سفید سامراج کرگسوں کے غول اس کے سر پر منڈلا رہے ہیں وہ کہیں اسی روز بد کی تاک میں تو نہیں ہیں؟

بہر حال آج ہمیں دو ٹوک فیصلہ کر لینا چاہیئے، اگر ہمیں ایک باحمیت، باعزت، باضمیر اور بامقصد قوم کی حیثیت سے زندہ رہنا ہے، ملک کو داخلی سازشوں اور استعماری یورشوں سے بچانا ہے تو ہمیں نئے عزم، نئے یقین، پورے اخلاص اور امانت داری سے اسلام قبول کرنا اور اسے زندگی کے تمام شعبوں میں نافذ کرنے کا نئے سرے سے عہد کرنا ہوگا، ورنہ اگر ہماری بدعملی، نفاق ورزی اور سیاست بازی کا رنگ ڈھنگ یہی رہا تو ہمیں اس سے بھی زیادہ خطرات پیش آ سکتے ہیں۔

یہ سطریں زیر تحریر تھیں کہ صدر محترم کا پیغام جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے یوم ولادت کے موقع پر انہوں نے جاری کیا ہے، اخبارات میں شائع ہوا، خاتمۂ کلام پر اس کا نقل کر دینا مناسب ہوگا:

"حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یوم ولادت تمام دنیا کے مسلمانوں کے لئے اہم ترین موقع ہے اس روز ہر مسلمان بنی نوع انسان کے اس پیشوائے اعظم کی مقدس یاد تازہ کرتا ہے اور انہیں خراج تحسین پیش کرتا ہے ان کی یاد آتے ہی ہر مسلمان کے دل میں عقیدت واحترام اور جاں نثاری کے جذبات امڈ آتے ہیں اور ان جذبات کا اظہار رسول اکرمؐ پر درود وسلام بھیجنے سے ہوتا ہے وہ نہ صرف بنی نوع انسان کی

ہدایت اور رہنمائی کے لئے اللہ کا پیغام لے کر آئے بلکہ خود ان کی اپنی زندگی اُن اوصاف جمیلہ کا ایک نمونہ تھی جن کی انہوں نے تبلیغ کی۔ ان کے ورود مسعود کی بدولت دنیا نے غلامی کا وہ طوق اتار پھینکا جس نے معاشرے کی مادی اور روحانی ترقی روک رکھی تھی پیغمبر خدا نے فرمان الٰہی اور اپنی مثال کے ذریعہ دنیا کی رہنمائی کی اور وہ راستہ بتایا جس پر چل کر انسان پُرمسرت و خوشحال زندگی گزار سکتا ہے۔ انہوں نے دنیا کو اخلاقی، روحانی، مادی اور دنیوی زندگی کے ایک مثالی نظریہ سے مالا مال کیا۔ مسلمانوں نے جب بھی اور جہاں بھی ان کی تعلیمات اور اُسوۂ حسنہ پر عمل کیا وہ کامیاب و کامران رہے لیکن جب بھی انہوں نے حضورؐ کے بتائے ہوئے راستہ سے انحراف کیا انہیں تباہی و بربادی کا سامنا کرنا پڑا۔ برصغیر کے مسلمانوں نے اسلامی تعلیمات کی بنیاد پر ہی آزادی حاصل کی اور انہیں ایک نیا وطن نصیب ہوا۔ بانیان پاکستان کا یہ علانیہ نصب العین تھا کہ (اس نئے وطن میں) مسلمان اپنی انفرادی و اجتماعی زندگی اسلامی نظریات و عقائد اور پیغمبر خدا حضرت محمد مصطفےٰؐ کے متعین کئے ہوئے طریقہ کے مطابق گزاریں گے۔ لوگ آزادی کے لئے پوری جدوجہد کے دوران انہی نظریات سے سرشار رہے۔ پاکستان کا قیام ان نظریات اور اقدار کی فتح تھی۔ اس لئے اس ملک میں ہمارے لئے اسوۂ حسنہ کی پیروی اور اپنے نظریاتی اور روحانی ورثہ کے مطابق زندگی گزارنے کے سوا کوئی راستہ نہیں ہے۔

حق تعالےٰ ہمیں اس پر عمل کی بھی توفیق دیں۔ اللّٰھم لا تھلکنا فجاۃً ولا تأخذنا بغتۃً ولا تغفلنا عن حق ولا وصیۃ وصلی اللہ تعالےٰ علیٰ خیر خلقہ سیدنا محمد النبی الأمی وعلیٰ آلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

ربیع الثانی ۱۳۸۹ھ، جولائی ۱۹۶۹ء

اسلام اور پاکستان، سوشلزم اور کمیونزم

جب سے دولتِ خداداد وجود میں آئی ہے دینِ اسلام کا درد رکھنے والا طبقہ ہمیشہ کڑھتا رہا ہے کہ پاکستان کا مقصد پورا نہیں ہو رہا، نہ اسلامی قانون رائج ہوا، نہ اسلامی تعلیمات کا عملی نظام جاری ہوا، یہ دونوں بنیادی مقاصد تھے لیکن روز بروز پاکستان اپنے ان مقاصد سے دور ہوتا گیا اور ظاہر ہے کہ جب نہ اسلامی تعلیم ہو نہ اسلامی قانون تو اسلامی اخلاق کا ظہور کیونکر ممکن ہوگا؟ آخر نتیجہ یہ ہوا کہ تمام اسلامی اخلاق ایک ایک کر کے ختم ہوتے رہے اور کافرانہ تہذیب اور یورپ کی خدا فراموش زندگی کو ترقی ہوتی رہی اور صرف اتنا ہی نہیں کہ اسلام کا قانون جاری اور اسلامی تعلیمات کا نظام قائم نہیں کیا گیا بلکہ اس کے برعکس اسلام کے اساسی مقاصد کی وہ بیخ کنی کی گئی جس کی نظیر نہیں، اسلامی احکامات کے استیصال کے لئے ادارے قائم کئے گئے افراد و اشخاص کو تحریف کی پوری آزادی دی گئی، اسلام کے نام سے لادینی نظریات کو پھیلایا گیا اور "جاہلیتِ جدیدہ" کے لئے قرآنِ کریم کو بے دھڑک استعمال کیا گیا۔ عیسائی مشنریوں کو آزادی دی گئی اور کروڑوں روپیہ اسلامی تہذیب کو برباد کرنے پر خرچ ہوا۔

آخر اسی لادینیت کا نتیجہ یہ ہوا کہ ملک کے اندر مزدوروں کی ہمدردی کے نام سے "سوشلزم" کو فروغ ہوا، کمیونسٹوں کو اسلام سے انتقام لینے کا موقع ملا، انہوں نے اسلامی حقائق کا مذاق اڑایا اور نئی پود کو دین سے برگشتہ کرنے اور اللہ و رسولؐ سے باغی بنانے پر اپنی قوتیں صرف کر دیں اس مقصد کے لئے روس اور چین کا زہریلا لٹریچر اس ملک میں بری طرح تقسیم ہوا اور پھیلایا گیا، دوسری طرف رشوت، سود، قمار اور حرام کے رستے سے سرمایہ داروں کو اکتنازِ دولت کے وہ مواقع ملے کہ غریبوں کی زندگی دوبھر ہو گئی، حالات بد سے بدتر ہو گئے، اس ذہنی تضاد اور طبقاتی تفاوت کے نتیجہ میں یہ وقت بھی آیا کہ پاکستان کے شرفاء کی جان و مال اور آبرو تک غیر محفوظ ہو گئی تھی، یہ سب کچھ اس غیر اسلامی نظام کا لازمی نتیجہ تھا جو شروع سے اب تک یہاں مسلط رہا، اگر موجودہ مارشل لاء حکومت نہ آتی تو نہ معلوم اس توڑ پھوڑ اور قتل و غارت میں اس ملک کا کیا حشر ہوتا؟ بہر حال یہ خدا فراموشی کی سزا تھی اور ہمارے غلط طرزِ زندگی کا وبال تھا (ما اصابکم من مصیبۃ فبما کسبت ایدیکم ویعفوا عن کثیر) جو کچھ تمہیں مصیبت پہنچتی ہے وہ صرف تمہاری شامتِ اعمال کا

نتیجہ ہے اور بہت کچھ تو اللہ تعالےٰ نے معاف فرمایا۔

نئی تعلیمی پالیسی

اس مایوسی کے دور میں جس طرح جدید حکومت رحمت ثابت ہوئی اور خدا کرے یہ جب تک ہے رحمت بن کر ہی رہے، ٹھیک اسی طرح حکومت کی انتظامی کونسل کے ایک رکن کی طرف سے نئی تعلیمی پالیسی میں اسلامی تعلیمات کو اہمیت دینے کی خوشخبری سنائی گئی، پاکستان کی بائیس سالہ زندگی میں پہلی مرتبہ ایک ذمہ دار اور اونچے درجے کے افسر نے نہایت دل سوزی اور عرق ریزی کے ساتھ تعلیمی جائزہ پیش کیا جو ہر طرح تبریک وتحسین کا مستحق ہے اور مزید قابل تبریک بات یہ ہے کہ اپنی رائے کو زبردستی قوم پر مسلط کرنے کی کوشش اور خواہش نہیں کی گئی بلکہ ۱۵ اگست ۱۹۶۹ء تک تمام ناظرین سے تجاویز و ترامیم طلب کی گئی ہیں، مدرسہ عربیہ اسلامیہ کراچی اور دارالعلوم کراچی کے ذمہ دار حضرات نے تقریباً بائیس گھنٹے اس "تعلیمی جائزہ رپورٹ" پر غور کیا اور نہایت دیدہ ریزی کے ساتھ اس کے دوررس نتائج کو سمجھنے کی کوشش کی، اردو تراجم کے علاوہ انگریزی مسودہ کی بھی مراجعت کی گئی، پورے غور وخوض کے بعد کچھ تجاویز و ترامیم پیش کی گئی ہیں، "بینات" کے اسی شمارے میں ان کا خلاصہ ناظرین کی نظر سے گذرے گا اور اس بحث وتمحیص کے سلسلہ میں کراچی یونیورسٹی اور بادانی کالج کے چند ماہرین تعلیم کی تجاویز بھی اسی شمارے میں ملاحظہ سے گذریں گی۔

مجھے اس وقت صرف اتنی بات عرض کرنی ہے کہ اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹی کے نظام تعلیم کو اسلامی بنانے اور طلبہ کی اسلامی اخلاق کے مطابق تربیت کرنے کا ہر طرف سے خیر مقدم کیا جائے گا اور یہ دیرینہ آرزو پوری ہوجائے گی کہ جدید تعلیم یافتہ حضرات اسلامی تعلیم و تربیت سے بہرہ ور ہونے کے بعد پاکستان کی قیادت کی صحیح ذمہ داری کا بار اٹھانے کے قابل ہوجائیں گے اور اس طرح یہ امکان پیدا ہوجائے گا کہ ایک عظیم الشان اسلامی مملکت کے خواب کی صحیح تعبیر سامنے آسکے لیکن اس سے یہ نتیجہ نکالنا صحیح نہیں ہوگا کہ قدیم دینی درس گاہوں کی ضرورت ختم ہوجائے گی، قرآن وحدیث وتفسیر و فقہ واصول وغیرہ وغیرہ جو اسلامی و دینی علوم ہیں ان کی اہمیت و ضرورت بدستور اپنی جگہ قائم رہے، یہ علوم انبیاءِ کرام علیہم السلام کی وراثت ہیں ان کا اپنا ایک خاص مزاج ہے ان کے لئے ایک خاص ماحول درکار ہے اور ان کی تعلیم و تربیت کا ایک خاص طرز ہے جو بظاہر کالجوں اور یونیورسٹیوں کے ماحول میں

نہیں چل سکتا۔ نہ یہاں ٹھوس ماہرین پیدا ہو سکتے ہیں، ہاں اس کی ضرورت سے انکار نہیں کہ جدید علوم ریاضی، سائنس، جغرافیہ اور اسلامی تاریخ کی شدید ضرورت ہے، مناسب ہے کہ دینی درسگاہوں کے نصاب میں اس کا جوڑ لگایا جائے، قدیم بطلیموسی ہیئت کی جگہ جدید فلسفہ پڑھایا جائے، اور قدیم علمِ کلام کے ساتھ جدید علمِ کلام بھی پڑھایا جائے تاکہ قدیم علوم کی افادیت میں ترقی ہو، نیز اس سے انکار نہیں کہ ابتدائی اسکولوں میں جس طرح قرآنِ کریم کی تعلیم و اسلامیات کے مبادی کی تعلیم ضروری ہے اسی طرح دینی درسگاہوں میں حساب و جغرافیہ وغیرہ کا داخل کرنا بھی ضروری ہے، بے شک انسانی ضروریاتِ زندگی کے لیے ان مبادی علم کا ہونا بے حد ضروری ہے مگر اسی طرح دینِ اسلام کے تحفظ کے لئے علومِ اسلامیہ کا تحفظ بھی نہایت ہی ضروری ہے، نیز تقریر و تحریر کی جو کمی ہے اس کی طرف بھی متوجہ کرنا بے حد اہمیت رکھتا ہے بلاخوف لومۃ لائم یہ اظہار ناگزیر ہے کہ مسلمانوں کی نجات کا راستہ ایک ہی ہے اور وہ دین اور علومِ نبوت کی حفاظت ہے۔ صحیح افادیت پیدا کرنے کے لئے جدید اسلحہ کی ضرورت ہے جن سے عام دینی مدارس بے بہرہ ہیں۔

الغرض حکومتی سطح پر تو انتہائی ضروری ہے کہ نظامِ تعلیم میں دین و دنیا کی تفریق کو ختم کیا جائے اور ابتدار سے لے کر دس بارہ سالہ تعلیم تک اتنا دین ہر تعلیم یافتہ کو آجائے کہ وہ علی وجہ البصیرۃ سچا اور پکا مسلمان بن جائے آگے چل کر خصوصی مہارت پیدا کرنے کے لئے خصوصی شعبے ہونے چاہئیں، بہرحال جو غفلت اور بے توجہی آج تک برتی گئی ہے خدا کرے جلد یہ صورتِ حال ختم ہو جائے حکومت کو ان دینی مدارس کا ممنون ہونا چاہیئے کہ اس سرزمین میں بوریہ نشینوں کی دینی درس گاہوں کا فیض اور مخلص علماء کی مساعی جمیلہ ہی کا نتیجہ ہے کہ اس ملک کے اندر قرآن و تفسیر حدیث فقہ و اصول وغیرہ اسلامی علوم کی حفاظت ہو رہی ہے اگر یہ علماء مدارس قائم نہ کرتے تو آج اس ملک میں اسلام کا نام و نشان تک مٹ گیا ہوتا، ولا فعل اللہ ذالک۔ اگر آج یہ علماءِ اسلام نہ ہوتے تو سوشلزم اور کمیونزم اور مارکسزم کے سیلاب کا کوئی روکنے والا نہ ہوتا، انہی علماء کی برکت سے دیندار مخیر اربابِ ثروت نے دینی قلعوں کو محفوظ کرنے کی کوشش کی۔ اہلِ علم اور اہلِ خیر کے اس مبارک ربط و امتزاج نے وہ عظیم الشان کام سرانجام دیا جو کوئی دینی عظیم المرتبت مملکت ہی کر سکتی تھی اور اس طرح اس فرض کفائی کے بوجھ سے اربابِ حکومت سبکدوش ہو گئے۔

پاکستان اور داخلی اور خارجی فتنے اور ان سے بچاؤ کی تدابیر

آج اخبار کی دو خبریں دیر تک مرکز نظر رہیں: بھارت ہائیڈروجن بم کا دھماکہ کرنے والا ہے۔ ملک میں قحط سالی کا خطرہ، ان دو خبروں پر نظر جمتے ہی ہمارے ملک کی اندوہناک صورت حال کا نقشہ ذہن میں ابھرا اور آیت کریمہ کانوں میں گونجنے لگی اور ورد زبان ہو گئی۔

اور ضرب الله مثلا قرية كانت آمنة مطمئنة يأتيها رزقها رغدا من كل مكان فكفرت بأنعم الله فأذاقها الله لباس الجوع والخوف بما كانوا يصنعون۔ (النحل ۱۱۲)	اللہ تعالیٰ نے ایک بستی کی مثال بیان فرمائی جو امن اور اطمینان سے تھی جس کا رزق فراوانی سے ہر طرف سے آتا تھا اس نے اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کی اس کی پاداش میں اللہ تعالیٰ نے اس کو بھوک اور ڈر کا لباس پہنا دیا اس کے کرتوتوں کی بنا پر۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ایک بستی کی مثال بیان فرمائی ہے اس سے کوئی معین بستی مراد نہیں ہے جیسا کہ بعض مفسرین کی رائے ہے ہر ملک اور انسانی آبادی کا حصہ اس کا مصداق بن سکتا ہے، جو اپنی صورت آیۃ کریمہ کے آئینہ میں دیکھ سکے جس انسانی آبادی کا ذکر ہو رہا ہے اس کی کیفیت یہ تھی کہ وہ امن کی چادر اوڑھے ہوئے اطمینان وسکون کی فضا میں سانس لے رہی تھی۔ اس کی سرحدیں محفوظ اس کی فوج بہترین اسلحہ اور ساز و سامان سے لیس ملک کی حفاظت کے جذبہ سے سرشار پہرہ دے رہی تھی اس کی فوج میں ایسے غدار نہیں تھے جن کی وفاداریاں دشمن ملکوں سے وابستہ ہوں، دوسری طرف وہ داخلی فتنوں سے مامون اخلاقی وروحانی اور مادی اطمینان وسکون سے زندگی کی شاہراہ پر گامزن تھی رزق کی فراوانی تھی، ہر طرف سے رزق و دولت کے انبار ان کی طرف پہنچ رہے تھے غرض داخلی وخارجی فتنہ سامانیوں سے بہت دور یہ بستی طمانیت وراحت کی زندگی گذار رہی تھی کہ اس بستی نے اپنے پروردگار کی نعمتوں کی ناشکری کی اپنے مقصد وجود کو بھول کر خود کو شہوت وغضب کی قوتوں کے حوالہ کر دیا روحانی قدریں پامال کر دی گئیں، انسانیت و اخلاق کی ردائے زریں کو پارہ پارہ کر دیا گیا، پیغمبر کی تعلیمات کو پس پشت ڈال کر اغیار کے دروازوں کو دستک دینے لگے، اپنے نظام حیات کو چھوڑ کر فکر مستعار کے غلام ہو گئے، رشوت وچوربازاری اس ملک کا شیوہ بن گیا۔ عصبیت کے عفریت

نے ان کے اتحاد کو پاش پاش کر دیا، اس کی فوج کی عظمت و شوکت کا سورج غروب ہونے لگا۔ اللہ رب العزت نے ان کو سزا دی ان کو خارجی و داخلی فتنوں نے گھیر لیا، امن اور اطمینان کا لباس اتار کر ان کو خوف اور بھوک کا لباس پہنا دیا گیا، خوف اور بھوک ان کے وجود کے ساتھ لازم ہوگئی، جدا اور علیحدہ ہونے کا کوئی تصور نہیں کیا جا سکتا۔

آج ہمارا ملک بھی اسی قسم کے اندوہناک احوال سے گذر رہا ہے اس کا ہمسایہ ملک روز بروز طاقتور بنتا جا رہا ہے، ایٹم بم کے تجربے کے بعد وہ ہمارے دروازے پر ہائیڈروجن بم کا تجربہ کر رہا ہے دوسری طرف قحط سالی کا خطرہ ہے جو ہمارے سروں پر منڈلا رہا ہے اس کے علاوہ وہ داخلی فتنے ہیں جو ہماری جڑوں کو کھوکھلا کر رہے ہیں ملک کا بڑا حصہ کٹ چکا ہے دوسرے حصوں کا رشتۂ اتحاد دن بدن کمزور ہوتا جا رہا ہے اس دردناک صورتِ حال کا صحیح علاج تو یہ تھا کہ:۔

اپنے رب کی طرف انابت اور اپنے گناہوں سے استغفار کیا جاتا۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات اور آپ کے اسوۂ حسنہ کو زندگی کا مطمحِ نظر بنایا جاتا۔

کتاب اور سنت کے مطابق زندگی گذارنے کا عہد کیا جاتا۔

اسلام کا نظامِ زندگی ہر شعبہ میں جاری کیا جاتا۔

اسلام کا نظامِ عدل و قضا بروئے کار لایا جاتا۔

سوشلزم صہیونی جال کا ایک پھندا ہے

غرض اسلام کے مہرِ جہانتاب کی روشنی سے قلب و نگاہ کو منور کر کے از سرِ نو زندگی کا سفر شروع کیا جاتا آپ دیکھتے کہ تھوڑے ہی دنوں میں نکبت و ذلت کے یہ بادل چھٹ جاتے اور ہماری عظمتِ رفتہ لوٹ آتی لیکن اس کے برعکس یہ ہو رہا ہے کہ وہی داستان دہرائی جا رہی ہے جس سے یہ صورتِ حال پیدا ہوئی، اسلامی سوشلزم کے نعرے بڑے زور و شور سے لگائے جا رہے ہیں بعض وقت تو اسلامی کا لفظ بھی غائب کر دیا جاتا ہے اور صرف سوشلزم ہی رہ جاتا ہے، اس نعرہ کا تقریر و تحریر کے ذریعہ پروپیگنڈا کیا جا رہا ہے دنیا جانتی ہے، عقل و خرد رکھنے والا شخص سمجھ سکتا ہے کہ سوشلزم کا اسلام سے دور کا تعلق بھی نہیں ہے سوشلزم ایک نظریہ ہے جس کے پس منظر میں خالص مادی نقطۂ نگاہ کارفرما ہے اس کی مستقل تاریخ ہے روحانی اور اخلاقی قدروں سے عاری یہ نظریہ

جب کسی ملک میں گیا اپنے پس منظر اور تاریخ کے ساتھ گیا اس ملک کے اپنے نظریہ کو اس نے ختم کر دیا اور اس کی تاریخ نے اس کو اپنی تاریخ سے محروم کر دیا مارکس اور لینن خدا فراموش ہی نہیں خدا سے باغی اس کے روحِ رواں ہیں، حقیقت یہ ہے کہ سوشلزم صہیونی جال کا ایک پھندا ہے جس قوم کے گلے میں یہ پھندا پڑ جاتا ہے وہ قوم روحانیت، اخلاق، انسانیت سے تہی دامان ہو کر مادیت اور حیوانیت کے ظلمت کدہ میں بھٹکتی پھرتی ہے اللہ تعالیٰ کا انکار، پیغمبر کی تعلیمات سے انحراف، اباحیت، اخلاق باختگی اس کا شعار بن جاتا ہے پھر حیرت در حیرت اس پر ہے کہ سوشلزم کے نعرے اس ملک کے ذمہ دار لگا رہے ہیں جس کے دستور میں کتاب و سنت پر عمل کرنے کی ضمانت دی گئی ہو اور جس کا سرکاری مذہب اسلام ہو، کیا ان کو معلوم نہیں کہ اسلام جامع ترین نظامِ حیات ہے عقائد، عبادات، مناکحات، معاملات کے ساتھ ہی ساتھ اس کا اپنا اقتصادی نظام ہے جو نہایت متوازن اور معتدل ہے وہ افراط و تفریط سے خالی ہے وہ انفرادی ملکیت کی اجازت دیتا ہے لیکن اس کے ساتھ مالداروں پر فرائض بھی عائد کرتا ہے وہ تقسیمِ دولت کا قائل ہے وہ ارتکازِ دولت کا مخالف ہے اس نے زکوٰۃ، عشر، صدقہ، فطرا اسی لیے عائد کئے تاکہ دولت چند ہاتھوں میں مرتکز نہ ہو جائے، پھر وہ جہاں حقوق عطا کرتا ہے وہاں فرائض بھی عائد کرتا ہے ہمیں شبہ ہے کہ سوشلزم کا نعرہ لگانے والے یا تو سوشلزم سے واقف نہیں یا اسلام سے واقف نہیں اگر واقف ہیں تو قوم اور ملک کو تضاد اور نفاق میں مبتلا کرنے سے کیا فائدہ؟ شاید ان کو معلوم نہیں کہ قوموں کی زندگی میں تضاد اور نفاق سمِ قاتل ہے۔

اللہ تعالےٰ ہمارے حکمرانوں کو صحیح فہم عطا فرمائے۔ آمین

ذوالحجہ ۱۳۹۴ھ، جنوری ۱۹۷۵ء

اسلام کے نام پر حاصل کردہ مملکت پاکستان

کہا جاتا ہے کہ دنیا کے نقشے میں پاکستان پہلا ملک ہے جو اسلام اور صرف اسلام کے نام سے وجود میں آیا، یعنی قیامِ پاکستان کے لئے جو سیاسی سطح پر جدوجہد ہوئی وہ صرف اسلام کے نام سے ہوئی، متحدہ ہندوستان میں جو تحریک چلائی گئی، تمام مسلمانوں کو متحد کیا گیا اور سیاسی تنظیم جس انداز سے ہوئی وہ صرف اسلام کے نام پر ہوئی، عوام یہی سمجھے، خواص یہی سمجھے، علماء یہی سمجھے، جاہل یہی سمجھے، تجارت پیشہ حضرات یہی سمجھے اور مزدور کار یہی سمجھے، غرض قوم کے تمام افراد سے یہی کہا گیا اور اسی انداز سے اتحاد کی کوششیں ہوئیں اور عوام کو یہی باور کرایا گیا کہ پاکستان کے معنی ہیں "لا اِلٰہَ اِلا اللہ"۔ البتہ خواص الخواص یا اونچے قائدین یا برطانیہ کے اربابِ اقتدار کچھ اور سمجھے ہوں تو ہو سکتا ہے بلکہ اس کا یقین ہوتا جا رہا ہے کہ ان کی نیت کچھ اور تھی اور بعد کے حالات سے کچھ اس کی تائید ہوتی ہے اور شاید یہی وجہ ہے کہ اتنے بلند بانگ دعوؤں کے باوجود آج تک پاکستان میں ان حقائق کا خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکا جن کا عوام کو یقین دلایا گیا تھا، کاش عوام کو اپنی حالت پر چھوڑتے تو اسلام اتنا رسوا نہ ہوتا، تاجر طبقہ نے کارخانے اور انڈسٹریاں چلا کر مالی و اقتصادی ملک کی حالت مضبوط کی اور علماءِ امت اور صالحین نے دینی ادارے، دینی مراکز، مساجد وغیرہ دینی نظام کی حفاظت کی، پاکستان ایک باوقار مملکت کی حیثیت سے دنیا کی سطح پر ابھرا، لیکن افسوس کہ عرصہ دراز تک آئینِ اسلامی سے محروم رہا، وہی برطانیہ کا متعفن نظام جاری رہا اور اب بھی ہے، کچھ عرصہ سے برائے نام آئینِ اسلامی وجود میں بھی آیا تو اس کے مطابق قانون سازی کا نظام اب تک شرمندۂ عمل نہ ہو سکا بلکہ اسلام کی بیخ کنی کے لئے تدبیریں اختیار کی گئیں جن کے دہرانے کی ضرورت نہیں ؎

"ماخانہ رسیدگانِ ظلمیم پیغام خوش از دیارِ مانیست"

اسلام کا نام لے کر اسلام سے دشمنی

عقل حیران ہے کہ اس بدنصیب ملک کا کیا انجام ہوگا، قدرت کی طرف سے ایک شدید سزا مل گئی اور نصف پاکستان ختم کر دیا گیا بقیہ نصف کا اللہ تعالیٰ حافظ و ناصر ہو لیکن اب تک نہ صرف یہ کہ ہوش نہیں آ رہا ہے بلکہ غفلت و بے حسی انتہا تک پہنچ گئی، اسلام کے نام سے تمام اسلام کے ساتھ بدترین

عداوت کا جو معاملہ ہو رہا ہے اس کے تصور سے بھی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، ایک طرف اگر پنجاب اسمبلی میں قرآن وسنت کی روشنی میں اقتصادی نظام کی باتیں سنائی دے رہی ہیں تو دوسری طرف سوشلزم کے نعرے اتنے زور سے لگائے جا رہے ہیں کہ کانوں کے پردے پھٹنے آگئے، تعجب ہے کہ پنجاب اسمبلی نظام زکوٰۃ رائج کر کے زکوٰۃ وصول کرنے کی قرارداد منظور کرا رہی ہے گویا باقی سارا اسلامی نظام تو رائج ہو گیا زکاۃ کے نظام کو درست کرنے کی تدبیر سوچی جا رہی ہے، کون نہیں جانتا کہ نماز اسلام کی بنیادا اور بنیادی رکن ہے، اس کے لئے تو کوئی تدبیر نہ سوچی جائے، اسلامی عقائد کی حفاظت کی کوئی تدبیر نہ سوچی جائے، روزہ کی حفاظت کی کوئی تدبیر نہ کی جائے اور ملک میں ماہِ رمضان المبارک میں تمام ہوٹل کھلے رہیں کوئی احتساب نہیں، شراب وزنا کے لائسنس جاری کئے جاتے ہیں، عریانی وفحاشی کو ہر صورت میں ہوا دی جا رہی ہے اس صورتِ حال میں صرف زکاۃ کے نظام سے کیا تمام اسلامی نظام قائم ہو جائے گا؟ ہمیں تو اندیشہ ہے کہ صالح طبقہ کے لوگ اپنے اموال کی زکاۃ سے معاشرے کے نادار افراد کی جو خدمت کرنا چاہتے ہیں اس کا دروازہ بھی بند ہو جائے گا، زکوٰۃ کے مالی نظام پر قبضہ کر کے جو حضرات اپنے صدقات وزکوٰۃ سے اقارب اور فقراء ونادار حضرات کی ہمدردی کرتے ہیں اور کچھ دینی ادارے چلا رہے ہیں اس کو بھی گویا ختم کیا جا رہا ہے، عرصہ سے بارہا یہ کوشش کی گئی جو ناکام ہوئی، خدارا اس قوم پر رحم کرو اور اگر تم سے اس کی صحیح دینی تربیت نہیں ہو سکتی تو اس کو اپنی حالت پر چھوڑ دو، اربابِ خیر کے لئے ایک ہی دینی راستہ فقراء اور اصحابِ حاجات کی خدمت کرنے کے لئے تھا وہ بھی بند کرنا چاہتے ہو، سینکڑوں مسائل ملک میں موجود ہیں، شراب پر پابندی لگانے کے لئے کوئی قرارداد پیش نہ ہو سکی، زنا کے کھلے لائسنس دینے کے لئے کوئی قانون نہ بن سکا، نائٹ کلبوں میں جو بے حیائی وعریانی کے روح فرسا مناظر موجود ہیں ان کے لئے کوئی بل پارلیمنٹ میں نہ آسکا، ملک میں جو روز افزوں فحاشی وبے حیائی ہو رہی ہے اس کے لئے کوئی قرارداد منظور نہ ہو سکی، سینما اور ٹی وی پر جو کچھ دردناک، روح فرسا گندگی اچھالی جا رہی ہے اس کے لئے کوئی تدبیر نہیں کی جا رہی ہے، ملک میں رشوت ستانی نے قوم کو تباہی وہلاکت کے گڑھے میں پہنچا دیا ہے اس کے لئے کوئی مؤثر غور وفکر نہ ہو سکا خدا فراموش قوم کو باخدا بنانے کے لئے کوئی مؤثر قدم اٹھانے کی توفیق تو نصیب نہیں ہوئی اگر رہ گیا تو بس ایک زکاۃ کا مسئلہ؟

اسلامی قانون بنانے کے لئے آج تک کوئی قدم نہیں اٹھایا گیا حق تعالٰے کے غضب کو دعوت دینے والے غیراللہ کے قوانین پر آج تک محاکم میں فیصلے ہو رہے ہیں اس کے لئے کوئی بل یا قرارداد پیش نہ کی گئی کہ اس لعنت کو اس ملک سے دور کیا جائے، اس کے لئے کیا کیا گیا؟ پاکستان اسلام کے لئے بنایا گیا تھا، تعلیماتی بورڈ سے لے کر مشاورتی کونسل تک اسلام کا کام بجز دغا کے کیا کیا گیا؟ مسلمانوں کا ایک کلمہ طیبہ اسلام کا متفقہ کلمہ رہ گیا تھا اس کو بھی ڈائنامیٹ لگانے کی کوشش جاری ہے منیر رپورٹ (رسوائے عالم رپورٹ) نے اسلام پر کیسے آرے چلا دیئے؟ کیا اسلام اسی کا نام رہ گیا ہے کہ سیرت کانگرس یا سیرت کانفرنس کر کے اپنے اسلام کا ثبوت دیا جائے؟ ادارۂ تحقیقات قائم کر کے قوم کا لاکھوں روپیہ خرچ کر کے الحاد و زندیقیت کا بیج ڈالا جائے؟ اور اسلامی عقائد کو مسخ کر کے رکھ دیا جائے؟ کیا یہ اسلام کی خدمت ہو گی؟ الغرض قیام پاکستان کے طویل عرصہ میں وہ کون سی بے حیائی اور کون سا گناہ ہے جس کی پرورش نہ کی گئی ہو؟ اسلام کے چہرہ کو مسخ کر کے کیا کچھ نہیں کیا جا رہا ہے؟ ایک زکاۃ کا مسئلہ رہ گیا کہ اس کو حل کیا جائے؟

اللہ تعالٰے رحم فرمائے اور صحیح سمجھ عطا فرمائے اور اسلام کی حفاظت کی غیبی تدبیر فرمائے آمین۔

اسلام اور پردہ

سیرت کانگرس کے آخری استقبالیہ میں ہمارے وزیر اعظم نے جو تقریر فرمائی اس سے سیرت کانگرس سے وابستہ مقصد بے نقاب ہو گیا اور اسلامی پردے کے خلاف جو کچھ فرمایا اس پر بجز افسوس و حیرت کیا ہو سکتا ہے؟ جی یہ نہیں چاہتا تھا کہ ہمارے ملک کے سب سے بڑے صاحب اقتدار عالم اسلامی کے مندوبین کے سامنے ایسے رسوا ہوتے، عقل کا تقاضا یہ ہے کہ جس موضوع کی پوری اہلیت نہ ہو اس کو چھیڑا ہی نہ جائے اسلامی پردے کی واضح ہدایات حق تعالٰے کے آخری پیغام میں موجود ہیں، سورۂ نور میں جس طرح احکام دئے گئے ہیں انہیں وہ شخص جو قرآن کریم کا مطالعہ کر چکا ہو بخوبی جانتا ہے سورۂ احزاب میں تو امہات المومنین ازواجِ مطہرات کو جن کی طرف نگاہ اٹھانے سے ایمان ہی سلب ہو جاتا ہے ان کو مخاطب کر کے اعلان کیا گیا «وقرن فی بیوتکن ولا تبرجن تبرج الجاهلية الأولى» کہ گھر میں جم کر بیٹھ رہو، باہر نکل کر جاہلیتِ اولیٰ کی سی بے حیائی و بے پردگی کا مظاہرہ مت کرو۔ جب امہات المومنین جیسی پاک دامن اور مقدس ہستیوں

کو یہ حکم دیا جارہا ہے تو عام مسلمان عورتیں کیسے اس سے مستثنیٰ رہ سکتی ہیں ؟ بہرحال ہمارے وزیرِ اعظم کو سیرت کانگریس میں پردہ کے موضوع پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے یہ خیال ہوا ہوگا کہ شاید میرے احترام کی وجہ سے باہر سے آنے والے مہمان خاموش رہ جائیں گے اور اس خاموشی کا فائدہ اٹھایا جائے گا لیکن انہی مندوبین سے اس فرضِ کفایہ کو ادا کرنے کے لئے جناب یوسف ہاشم رفاعی حکومتِ کویت کے سابق وزیرِ اوقاف نے ہمارے وزیرِ اعظم کے خیالات کی سخت تردید فرمائی، ان کی تقریر عربی میں تھی اور پھر خود انہوں نے انگریزی میں اس کا ترجمہ بھی کیا اور خود عربی کا انگریزی ترجمہ اس لئے کیا کہ کوئی دوسرا مترجم مضمون میں قطع و برید نہ کرے، حیرت ہے کہ کوئٹہ کے اجتماع میں ہمارے محترم وزیرِ اعظم نے پھر پردہ کے خلاف فتویٰ صادر فرما کر کچھ پردہ نشین عورتوں کو (نہ معلوم وہ بھی واقعی پردہ نشین تھیں یا مصنوعی طور پر پردہ نشینی کا پارٹ ادا کرنے والی بیگمات تھیں) حکم دیا کہ پردہ سے باہر نکل آؤ، خبر رساں ایجنسی کا کہنا ہے کہ ان عورتوں نے وزیرِ اعظم کے حکم کی تعمیل میں پردہ اٹھایا اور بے پردہ مردوں کے انبوہ میں شامل ہوگئیں، اگر یہ صحیح ہے تو وہ عورتیں جو اللہ و رسولؐ کے حکم کے خلاف کسی کے حکم کی تعمیل کرنے والی ہیں بڑی لعنت کی مستحق ہوگئیں، کسی بھی شخص یا حکمران کی ایسی اطاعت جو اللہ و رسولؐ کے قانونِ شرعی کے خلاف ہو واجب الامتثال نہیں ہے، بڑی جسارت ہے کہ ایک شخص اسلامی قانون سے سراسر بے خبر ہو اور وہ ایسے احکامات کا اقدام کرے جو سراسر اسلام کے خلاف ہوں، بجز افسوس اور حیرت کیا ہو سکتا ہے اور کمال ہے کہ قدم قدم پر ان غیر شرعی احکامات کے اعلانات ہوں اور دعویٰ ہو کہ ہم اسلامی قانون نافذ کرنے والے ہیں۔

اسلامی مساوات کسے کہتے ہیں

اور کمال یہ ہے کہ عورتوں کی عفت و عصمت کے محافظ پردہ کو "اسلامی مساوات" کے خلاف سمجھا جاتا ہے، کیا مساوات کے معنی یہ ہیں کہ مردوں اور عورتوں کے فرائض ایک جیسے ہوں گے؟ حق تعالیٰ نے ہر ایک نوع کو اور ہر ایک جنس کو ایک کام کے لئے پیدا کیا ہے، بیل گائے کا کام نہیں کر سکتا، گائے بیل کا کام نہیں انجام دے سکتی، آنکھ کا وظیفۂ فطری دیکھنا ہے کان کا سننا ہے: ہر ایک کی اپنی خاصیت ہے اگر مرد کا کام عورت سے لیا جائے گا تو یہ ظلم ہوگا جس طرح عورت کا کام مرد سے لینا خلافِ فطرت ہے ((فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیھا)) حق تعالیٰ نے ہر چیز کی

خاص فطرت رکھی ہے وہ چیز اپنے فطری تقاضے کو پورا کرے گی، کیا اسلامی مساوات کے یہ معنی ہیں کہ مرد عورت سب ایک ہی گاڑی میں جُت جائیں ؟ اور مرد و زن کا فرق نہ رہے ؟ اسلامی مساوات کے معنی یہ ہیں کہ اسلام سے مشرف ہونے کے بعد عربی عجمی قرشی حبشی کالے گورے مکی مدنی افریقی یورپی سب میں اسلامی اخوت کی وجہ سے مساوات ہے، حق تعالیٰ کے یہاں سب برابر ہیں، سب حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں اگر تفاوتِ مراتب ہے تو صرف تقویٰ و تقدس کی زندگی کی وجہ سے ہے جس کا اعلان قرآنِ کریم کی سورۂ حجرات میں کیا گیا ہے اور جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری حجۃ الوداع کے موقع پر اعلان فرمایا تھا، یہ ہے اسلامی مساوات، یہاں اسلام میں قومیت نیشنلزم اور ابیض و اسود کا کوئی سوال نہیں، سب بھائی بھائی ہیں، فطرت نے جو فطری خواص ہر صنف میں رکھے ہیں ان کو مٹا کر مساوات کا نعرہ لگانا فطرتِ الٰہی کو مسخ کرنے کے مترادف ہے جو حقوق والدین کے ہیں اولاد کے نہیں جو بیوی کے ہیں بھائی بہن کے نہیں جو مرد کے ہیں عورت کے نہیں جو عورت کے ہیں مرد کے نہیں، تعجب ہے کہ اتنی موٹی سی بات بھی نہیں سمجھی جا سکتی ہے، اللہ تعالیٰ صحیح فہم عطا فرمائے اور عناد و ضد سے بچائے اور اللہ تعالیٰ اسلام کو بازیچۂ اطفال نہ بنائے اور جس منصب کا جو اہل ہے اللہ تعالیٰ اس کو اس پر فائز کرے اور نا اہلوں کی حکومت و اقتدار سے اس اُمت کو نجات عطا فرمائے۔ آمین

ربیع الثانی ۱۳۹۶ھ، مئی ۱۹۷۶ء

مملکتِ پاکستان پر اللہ کا شکر کس طرح بجا لایا جائے

قدیم ترین آسمانی قانونِ الٰہی ہے کہ نعمت کے شکر ادا کرنے سے جہاں حقِ نعمت ادا ہوتا ہے وہاں نعمت میں ترقی بھی ہوتی ہے، قرآنِ حکیم کا ارشاد ہے «لئن شکرتم لأزیدنکم» "اگر شکرِ نعمت ادا کرو گے تو اور زیادہ دیں گے"۔ ملکِ خداداد پاکستان بلاشبہ عطیۂ الٰہی تھا، اس شکرِ نعمت کا طریقہ یہی تھا کہ صالح حکومت ہوتی، صالح قیادت کی سرپرستی میں قانونِ عدل کا پرچم لہراتا، شراب نوشی، فحاشی، بے غیرتی، ڈاکہ، چوری، قتل و قتال پر شرعی سزائیں نافذ ہوتیں، ہر طرح جان و مال و آبرو کی حفاظت ہوتی، خدا ترسی کی زندگی ہوتی، مسجدیں آباد ہوتیں، ایک بہترین معاشرہ وجود میں آتا، حق تعالیٰ کی رحمتیں نازل ہوتیں، آسمان کے فرشتے دعائیں کرتے، زمینی مخلوق تعریفیں کرتی، ہر شخص اپنی جگہ مطمئن و قانع ہوتا، پولیس رعایا کی جان و مال کی حفاظت میں کوتاہی نہ کرتی، فوج مملکت کے حدود کی حفاظت کو اپنا فخر سمجھتی، سرکاری اداروں میں خدمت انجام دینے والے اصحاب پورا پورا فرضِ منصبی ادا کرتے، نہ حرام خوری ہوتی، نہ رشوت ستانی ہوتی، نہ خیانت ہوتی، الغرض ایک پاکیزہ اور صالح ترین معاشرہ جنم لیتا اور یہ دنیا بھی باشندوں کے لئے جنت بنتی، بہشت آنجا کہ آزارے نباشد کسے را با کسے کارے نباشد

خدا بھی راضی مخلوقِ خدا بھی راضی، روح بھی خوش، پیٹ بھی پُر سکون۔

یہ ایک سرسری جائزہ ہے کہ نقشہ پاکستان کا کیسے ہونا چاہیئے تھا، پھر بھی اگر یہ محسوس ہوتا کہ اتنی بڑی نعمت کا حقِ شکر ادا نہیں ہوا تو تقصیر کا احساس ہوتا اور اس تقصیر کے لئے اللہ تعالےٰ سے معافی مانگتے، بقول شیخ سعدی:۔

بندہ ہماں بہ کہ ز تقصیر خویش — عذر بدرگاہِ خدا آورد
ورنہ سزاوار خداوندیش — کس نتواند کہ بجا آورد

لیکن جو کچھ ہوا اور جو کچھ ہو رہا ہے اس کا نقشہ سامنے ہے۔ عیاں را چہ بیاں

ع "خموشی معنیٔ دارد کہ در گفتن نمی آید"

پاکستان کی حفاظت کے لئے لطیفۂ غیبیہ اور قوم کی ناشکری

۶۵ء ستمبر میں ایک بڑے اور حیرت انگیز لطیفۂ غیبیہ کا ظہور ہوا کہ پاکستان کی ظاہری ترقی و قوت

کو اعدائے اسلام دیکھ نہ سکے اور آنکھیں خیرہ ہونے لگیں، بین الاقوامی قانونِ جنگ سے بے نیاز ہو کر ہندوستان کی ہندو حکومت نے پاکستان پر بلا اعلانِ جنگ حملہ کر دیا، لیکن اللہ تعالیٰ نے کیسی حفاظت فرمائی اور دشمن اسلام اپنے ناپاک ارادے میں کیسے ناکام ہوا اور حق تعالیٰ نے کیسے غیبی حصار کے ذریعہ ملک کو بچایا؟ دنیا پر پاکستان کا رعب بیٹھ گیا، ایک ہی رات میں قوم باخدا بن گئی، دلی کامل بن گئی، اللہ تعالیٰ نے نجات عطا فرمائی، غیب کے فرشتوں نے حفاظت کی، اس عظیم نعمت کا شکر ادا کرنے کی ضرورت تھی اور ایک غیبی تنبیہ تھی کہ سنبھل جائیں، لیکن ہوا کیا کہ سرکاری احکامات جاری ہوگئے کہ اس فتحِ عظیم کو جہاد نہ کہا جائے، بجائے صدقات و نماز سے شکرانہ ادا کرنے کے رقص و سرود کی محفلیں قائم کی گئیں، ورائٹی شو کے روح فرسا مناظر دکھائے گئے، اس طرح شکریہ ادا کیا گیا۔ اناللہ۔ بجائے طاعت و عبادت کے معصیت فسق و فجور اور بے حیائی کا مظاہرہ کیا گیا۔ آخر عزیز منتقم نے سزا دی اور روس و امریکہ جیسی شدید العداوۃ طاقتوں کو پاکستان کے خلاف متحد و متفق کر کے ہندوستان سے حملہ کروا کر آدھے سے زیادہ ملک کو ہم سے کاٹ دیا اور دنیا کے نقشے پر جو سب سے بڑی اسلامی مملکت تھی وہ چھوٹی حکومت میں تبدیل ہوگئی، کاش اس تنبیہ سے عبرت حاصل کرتے لیکن ہوا کیا؟ وہ جو آپ دیکھ رہے ہیں، اس پانچ سالہ حکومت میں کیا ہوا، اور اس سے پہلے پچیس سالہ دورِ حکومت میں کیا ہوا؟ سب آپ کے سامنے ہے۔

اب کچھ ایسا محسوس ہونے لگا ہے کہ شاید حق تعالیٰ اس قوم سے ناراض ہے اور اس کے غضب کا آثار نمایاں ہونے لگے ہیں اور شدید خطرہ ہوگیا کہ اس کا حشر بھی ان برباد شدہ ملکوں جیسا نہ ہو جائے، اللہ تعالیٰ اپنی پناہ میں رکھے، آمین۔ انتخابات کی ہنگامہ آرائی شروع ہوئی، خدا خدا کر کے وہ ہنگامہ ختم ہوا لیکن اس ہنگامہ آرائی نے ایک ایسی خطرناک ہنگامہ آرائی کا بیج ڈال دیا کہ نہ معلوم اس کی عاقبت کیا ہوگی اور اس مبتدا کی خبر کیا ہوگی؟

اعدائے اسلام پاکستان پر نظر جمائے ہوئے ہیں وہ یہاں کٹھ پتلی حکومت کے خواہشمند ہیں اگر بالفرض کوئی صالح دینی قیادت ابھرتی نظر آتی ہے تو انہیں اس کا خطرہ لاحق ہو جاتا ہے اور الکفر ملۃ واحدۃ (تمام کفر ایک ملت ہے) کے مصداق آپس کے اختلافات کو ختم کر کے اس کے خلاف سب اعدائے اسلام متفق ہو جاتے ہیں اور جو بھی غیر دینی قیادت ہو اس کو لبیک کہتے ہیں۔

دردناک صورت حال اور اس کا علاج

بہرحال موجودہ صورتِ حال ایک طرف انتہائی دردناک ہے اور شدید خطرہ ہے کہ ملک میں بدامنی اور بے اطمینانی کا دورہ شروع ہو کر خون ریزی شروع نہ ہو جائے اور وہ دردناک دور شروع نہ ہو جائے. جس کے تصور سے بھی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ دوسری طرف اصلاح انتہائی مایوس کن ہے. اس لئے کہ گذشتہ تیس سالہ تجربات نے اصلاح کی صورت سے مایوس بنا دیا ہے. موجودہ صورت کا علاج ہماری نگاہ میں حسبِ ذیل ہے:۔

الف :۔ تمام امتِ اسلامیہ پاکستان کے باشندے یوم توبہ وانابت منائیں، انفرادی و اجتماعی طور پر "یومِ توبہ" مقرر کر کے صلاۃ الحاجۃ پڑھیں اور اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگیں کہ

"اے اللہ ہم گناہ گار اور بدکار ہیں اور ہم اپنے گناہوں اور تقصیرات سے توبہ کرتے ہیں ہمیں معاف فرما اور اس غضب آلودہ زندگی سے نجات عطا فرما کر رحمت انگیز حیاتِ طیبہ نصیب فرما اور اس ملک و قوم پر رحم فرما کر صالح قیادت ہمیں نصیب فرما اور جو بزرگوں کو ہم نے گالیاں دی ہیں اور ان کی توہین کی ہے اور تیرے اولیاء و صالحین و اتقیاءِ امت کی توہین و تحقیر کی ہے ہمیں معاف فرما اور آج بھی جن کی پاکیزہ روحوں کو ایذا دیتے ہیں اے اللہ ہمیں معاف فرما اور اے اللہ پورے تیس سال پاکستان کے بیت گئے، اس دوران ہم نے جو بداعمالیاں کی ہیں اور تیرے غضب کو دعوت دینے والی جو زندگی اختیار کی ہے ہمیں معاف فرما اور صلاح و تقویٰ کی زندگی عطا فرما اور ہمیں اپنی رحمت کاملہ کا مستحق بنا۔"

الغرض ایک بات تو یہ ہے کہ اس طرح انفرادی و اجتماعی توبہ کر کے سابقہ زندگی پر ندامت کے ساتھ آئندہ صالح زندگی کا عزم کیا جائے.

ب :۔ اُمتِ اسلامیہ پاکستان کے خواص و عوام دعوت و اصلاح کی طرف توجہ کریں اور اُمت کی اصلاح کی علمی و عملی تدابیر اختیار کریں اور آج کل تبلیغی جماعت کے طرز پر عموم کے ساتھ اس کی اصلاح کی تدبیروں میں لگ جائیں اور دینی فضا پیدا کرنے کی محنت کریں اور ہر شخص اپنی صلاحیت و فرصت کے مطابق ہمت و توجہ کرے.

اور محسوس بھی ہوا کہ جب تک اس معاشرے کی اصلاح نہ ہو انتخابات کا صحیح نتیجہ ہوگا، نہ پارلیمانی نظام سے فائدہ ہوگا، نہ اکثریت و اقلیت کی بحثوں سے نتیجہ برآمد ہوگا، نہ پارٹیوں کی حکومت سے فائدہ پہنچے گا، اگر قوم کی اصلاح ہو جائے تو پھر ان میں جو نمائندہ حکومت قائم ہوگی وہی درحقیقت قوم کے امراض کا صحیح علاج کرے گی پھر جو کام انتہائی جد وجہد سے نہ ہو سکے گا وہ اشاروں میں ہوگا، بلاشبہ اس کام کے لئے کچھ عرصہ درکار ہوگا اور وقت لگے گا لیکن یہ مطلب بھی نہیں کہ بقیہ سیاسی تدابیر یک قلم ترک کر دیں اور غیر صالح قیادت کو آزاد اور بلا محاسبہ چھوڑ دیں اگر ایسا ہوگا تو حکومت کی پوری طاقت و مشینری سے الحاد و دہریت کی قوتیں اتنی ابھر آئیں گی کہ اس سیلاب کو بند لگانا آسان نہ ہوگا بلکہ میرا مقصد یہ ہے کہ اصلاح کے دونوں طریقوں سے کام لینے کی ضرورت ہے۔ جس طرح ظاہری سیاسی تدابیر بروئے کار لائی جاتی ہیں اس سے زیادہ معاشرے کی اصلاح از روئے دعوت و تبلیغ کی بھی ضرورت ہوگی اور جو صالح افراد پارلیمنٹ میں پہنچیں ان کا فریضہ صرف پارلیمانی تقاضوں کو پورا کرنا نہ ہوگا بلکہ اس کے ساتھ دوسرے فریضے کی طرف بھی پوری توجہ دینی ہوگی، بہر حال اصلاح کی تکمیل تک اس عبوری دور میں دونوں طریقہ ہائے علاج سے کام لینا ہوگا۔

اس وقت جو سب سے بڑی فروگذاشت ہوئی وہ یہ کہ صرف سیاسی تدبیروں کو واحد علاج سمجھا گیا، یا عملاً ایسا ہی ہوا، اگر ابتداءً طریقہ کار یہ ہوتا کہ ظاہری و باطنی دونوں طریقے بروئے کار لائے جاتے تو یہ روز بد ہمیں نہ دیکھنا پڑتا اور آج ہم قابلِ رشک مقام پر پہنچتے، اسی طرح اربابِ دنیا اور اصحابِ کارخانہ جات اور مالکانِ انڈسٹریز اگر صرف اپنی دنیا پر قانع نہ ہوتے اور اسی نعمت کو پاکستان کی قیمت نہ سمجھتے بلکہ اپنی اور دوسروں کی اصلاح و دعوت کی طرف توجہ کرتے تو آج جو خطرات ان کو پیش آئے اور آرہے ہیں اور وہ نعمت بھی چھینی گئی یا چھننے والی ہے یہ بُرا انجام ان کو نہ دیکھنا پڑتا تاہم توبہ و رجوع کا اب بھی وقت باقی ہے بلکہ شاید اب امتحان کا وقت آگیا ہے کہ کیا یہ قوم اپنی مومنانہ شان کے ساتھ رہنا چاہتی ہے؟ یونس علیہ الصلاۃ والسلام کی قوم عذاب کے بادل چھا جانے کے بعد اخلاص سے توبہ کرنے سے نجات پا سکتی ہے تو مایوسی کا مقام نہیں، بلاشبہ بڑی غفلت ہوئی اور ہو رہی ہے لیکن اب بھی من حیث القوم توبہ و انابت سے رحمتِ الٰہی کے دروازے کھل سکتے ہیں چند افراد کی آہ و بکا سے نجات کی توقع سراب سے زیادہ کوئی حقیقت نہیں رکھتی، کیا حدیثِ نبوی میں یہ تصریحات موجود نہیں کہ بدی

کی طاقتیں جب زیادہ ہو جائیں تو صالحین کے ہوتے ہوئے بھی اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہو سکتا ہے اور قوم تباہ ہو سکتی ہے اور خود قرآنِ کریم میں حق تعالےٰ کا ارشاد ہے:

((واتقوا فتنۃً لا تصیبن الذین ظلموا منکم خاصۃً واعلموا أن اللہ شدید العقاب))[۱]	"اور تم ایسے وبال سے ڈرو کہ جو خاص ان ہی لوگوں پر واقع نہ ہوگا جو تم میں گناہوں کے مرتکب ہوتے ہیں اور جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والے ہیں۔"

حق تعالیٰ پاکستان اور پاکستان والوں کی حفاظت فرمائے اور امت کو صالح قیادت نصیب فرمائے، اور امت کو صالح بننے کی توفیق مرحمت فرمائے، آمین یارب العٰلمین، وصلی اللہ علیٰ خیر البریۃ سیدنا محمد رحمۃ للعالمین وعلیٰ أصحابہ وأمتہ المرحومین۔

ربیع الثانی ۱۳۹۷ھ، اپریل ۱۹۷۷ء

---

[۱] الانفال۔ ۲۵

پاکستان کے بحران کے باطنی اسباب

ھذا بصائر من ربکم وھدی ورحمۃ لقوم یؤمنون (الاعراف ۲۰۲)

کچھ عرصہ سے ہماری یہ اسلامی مملکت شدید ترین بحران سے دوچار ہے، یہ بحران سیاسی بھی ہے اور اقتصادی بھی اور فوجی بھی، حق تعالیٰ کے تکوینی نظام کے کچھ اسباب بھی ہوا کرتے ہیں، یہ اسباب ظاہری بھی ہوتے ہیں اور باطنی بھی، ہمیں اس وقت ظاہری اسباب کے بارے میں کچھ کہنا نہیں، ان صفحات میں بارہا ان کی طرف اشارات وتنبیہات کر چکے ہیں اور وہ اتنے دقیق اور گہرے بھی نہیں ہیں کہ عوام کے فہم سے بالاتر ہوں، اس وقت تو باطنی اسباب یا اسرار قدرت کے بارے میں کچھ عرض کرنا مقصود ہے۔ گذشتہ ستمبر ۶۵ء میں لطیفۂ غیبیہ کا جس طرح ظہور ہوا اور نصرتِ الٰہی اور غیبی برکات نے جس طرح اس ملک کو مالامال اور دشمنانِ اسلام کی تدبیروں سے محفوظ فرمایا اور مغربی پاکستان پر ہندوستان کی یلغار کو اس طرح روکا اور ناکام بنایا کہ مسلمانوں میں حق تعالیٰ کی طرف رجوع اور انابت کی روح پیدا ہوگئی، دشمن کا رعب دلوں سے نکل گیا، پوری قوم چند لمحوں میں اپنے ناپسندیدہ اخلاق وکردار سے تائب ہوگئی، اخلاقی حالت میں تو عظیم الشان انقلاب آگیا جرائم تقریباً ختم ہوگئے اور جرائم پیشہ افراد و طبقات تائب ہوگئے مسجدیں نمازیوں سے آباد اور تلاوتِ قرآن سے گونجنے لگیں، گھروں میں اللہ تعالیٰ کی یاد اور ختماتِ قرآن کے جلوے نظر آنے لگے، سنگ دل تاجروں کے دلوں میں بھی رقت پیدا ہوگئی۔ یہ افسانہ نہیں واقعات ہیں، کل کی بات ہے سب جانتے ہیں، مغربی پاکستان کی سالمیت کو اللہ تعالیٰ نے بدستور محفوظ و برقرار رکھا، دشمنانِ اسلام کے اس کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے کے منصوبے خاک میں مل گئے۔

حق تعالیٰ کے اس عظیم احسان کا قوم کو شکر ادا کرنا تھا لیکن جو کچھ ہوا، آپ کے سامنے ہے، عیاں را چہ بیان۔

چنانچہ اس کے چند ہی روز بعد اس سرعت سے معاشرے کی حالت بگڑنی شروع ہوئی اور اس حیرت انگیز انداز سے تمام فواحش ومنکرات نے ترقی کی کہ عقل انگشت بدنداں ہے،

اس ناشکری اور ان معاصی اور گناہوں کے ناگزیر قدرتی اثرات رونما ہوئے تمام ملک ان کی لپیٹ میں آگیا جس طرح زہر کھانے سے موت آتی ہے اور جمال گوٹہ کھانے سے دست آتے ہیں ٹھیک اسی طرح ہر معصیت اور گناہ کی ایک تاثیر ہوتی ہے اس کا ظاہر ہونا ناگزیر ہے۔

ہمارے ملک میں جو مہلک بیماریاں اس وقت روز بروز ابھر رہی اور پیدا ہو رہی ہیں ملک کے عوام و خواص سب ہی شدید معاشی، اقتصادی اور سیاسی اضطراب میں مبتلا ہیں، محکوم و حاکم دونوں ناقابلِ برداشت حد تک پریشان ہیں، قلوب میں سکون و اطمینان کلی طور پر مفقود ہو گیا ہے، دشمنوں کا رعب اور دباؤ حد سے زیادہ بڑھ گیا ہے ان کی چیرہ دستیوں سے زبردستی چشم پوشی کر رہے ہیں، مشرقی پاکستان کی علیحدگی کے خطرات خطرناک صورت میں پیدا ہو گئے ہیں اور دوبارہ پاکستان کی سالمیت مخدوش ہو رہی ہے۔ ان سب خرابیوں اور امراض کے کچھ باطنی اسباب ہیں، ہمارے معاشرے میں جو خرابیاں ناسور کی شکل اختیار کر چکی ہیں وہ یہ ہیں: سود ہے رشوت ہے شراب نوشی ہے زنا ہے قتل ہے بے محابا غارتگری اور چوری ہے بے پردگی اور عریانی ہے ان مفاسد اور جرائم کی اتنی کثرت ہو گئی ہے کہ عقل حیران ہے، سود نے تمام معاشرے کو مفلوج کر دیا ہے اس معصیت کو نہ چھوڑنے پر حق تعالیٰ کی طرف سے صریح اعلانِ جنگ ہے، فرمایا ہے:۔

«فَإِن لَّمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ» اگر تم بقیہ سود نہیں چھوڑو گے تو اللہ اور اس کے رسولؐ کا اعلانِ جنگ سن لو العیاذ باللہ۔

رشوت کے لئے بارگاہِ نبوت سے فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو رشوت لینے اور دینے والے پر، شراب کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو جو شراب پیئے یا پلائے یا جو لائے اور جس کے لئے خریدے اور جو فروخت کرے اور جو تیار کرے وغیرہ وغیرہ اور اتنی وعیدیں آئی ہیں کہ سنگدل لوگوں کے بھی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، حدیث شریف میں صاف اور صریح الفاظ میں آیا ہے:۔

"علانیہ سود خواری اور زناکاری پر دنیا میں ہی اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہوتا ہے۔"

الغرض بے شمار گناہ اور جرائم ہیں کہ روز بروز دن دونی رات چوگنی ان کی کثرت

ہوتی جارہی ہے حکومت ہے کہ شراب اور زنا کے لائسنس دے رہی ہے، حرام بچوں کی شرحِ پیداوار بھی روزافزوں ترقی پر ہے، ماہِ رمضان المبارک میں ہوٹل کھلے رہتے ہیں علی الاعلان قانونِ خداوندی سے بغاوت اس ملک میں ہوتی رہی ہے، مختصر یہ کہ کون سی معصیت ہے جو ہمارے معاشرے میں نہیں ہو رہی، یہ تمام گناہ ہی ہیں جو اللہ تعالےٰ کی لعنت اور غضب کو دعوت دے رہے ہیں اور رحمتِ الٰہی سے محروم کر رہے ہیں، دوسری طرف عبادات، نماز روزہ، تقویٰ و طہارت کی زندگی، دینداری وغیرہ جو حق تعالےٰ کی رحمت کے نزول کا ذریعہ ہیں وہ تیزی کے ساتھ روزافزوں تنزل پر ہیں، ختمِ نبوت جو اسلام کا بنیادی عقیدہ ہے اس کے نہ ماننے والوں کو اقتدار سونپا جارہا ہے جن اکابرِ اُمت کے صدقے اسلام کی یہ نعمت آج تک محفوظ رہی ہے ان کو برملا بُرا کہا جارہا ہے اور ان کہنے والوں کے ہاتھوں میں ہی اقتدار آرہا ہے ان تمام خرابیوں کا ہی لازمی نتیجہ ہے کہ اللہ تعالےٰ کی رحمت روز بروز دور ہوتی جارہی ہے لعنتیں برس رہی ہیں، قلوب سے سکون واطمینان مفقود ہو رہا ہے، دماغوں میں صحیح شعور وادراک کا مادہ ختم ہو رہا ہے۔

یہاں تک میں تقریباً آخر شعبان میں لکھ چکا تھا دوبارہ ماہِ رمضان المبارک کے بعد حرمین شریفین سے واپسی پر چند حرف سپردِ قلم کر رہا ہوں۔

بھارت کا مشرقی پاکستان پر حملہ

آخر وہ شدید خطرہ جو لاحق تھا اس کا ظہور ہوگیا اور دشمنِ اسلام و دشمنِ پاکستان طاقت (بھارت)، نے ازلی دشمنانِ اسلام طاقتوں کے ایماء پر مشرقی پاکستان پر دوبارہ باقاعدہ حملہ کر دیا بلاشبہ ہمارے اعمال تو اسی لائق ہیں کہ ان کی سزا دی جائے کیونکہ جو نعمت پاکستان کی صورت میں اللہ تعالےٰ نے ہمیں دی تھی ہم نے اس کا شکر نہیں ادا کیا، نہ صرف یہ بلکہ ۶۵ء کی عظیم الشان نعمتِ خداوندی اور نصرتِ غیبی کے شکر کا جو تقاضا تھا اس سے بھی ہم نے مجرمانہ غفلت اختیار کی خطرہ تو ہے کہ کہیں یہ اسی جرم کی سزا نہ ہو لیکن حق تعالےٰ کی رحمت بے غایت اور بے انتہا ہے اگر وہ ہمارے گناہوں پر ہمارا مؤاخذہ فرماتا تو ہم مدتوں پہلے ختم ہوگئے ہوتے اور ہم میں سے کوئی متنفس بھی زندہ نہ ہوتا لیکن اس کی بے پایاں رحمت ہے کہ ہم اب تک

زندہ ہیں اور اللہ تعالےٰ کی نعمتوں سے مالامال ہیں، امید ہے کہ یہی رحمتِ الٰہی اب بھی پاکستانی مسلمانوں کی دستگیری فرمائے گی اور جس طرح ۶۵ء میں غیبی نصرت کے خوارق و معجزات پیش آئے تھے اسی طرح اب بھی پیش آئیں گے۔ دعا ہے کہ ربِ کریم اپنے لازوال کرم سے دوبارہ ہمیں معاف فرما دے۔

بلا شبہ حالات انتہائی خوف و رجاء اور امید و بیم کی صورت اختیار کر رہے ہیں، ہماری حالت تو اگرچہ پاداشں و سزا کی متقاضی ہے لیکن حدیثِ قدسی میں ارشاد ہے: میری رحمت میرے غضب سے پہلے اور غالب ہے۔" اس لئے امید ہے کہ پروردگارِ عالم اپنے فضل و کرم سے امید اور رجاء کا پہلو خوف و بیم پر غالب رکھیں گے اور اس میں تو شک ہی نہیں کہ توبہ کا دروازہ ابھی بند نہیں ہوا ہے اب ضرورت ہے کہ ہم اپنے گناہوں سے بصدقِ دل توبہ کریں اور اپنی تقصیرات و ناشکری کی معافی مانگیں اور حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جو سنت ہے یعنی ایسے نازک مواقع پر نماز میں "قنوتِ نازلہ" پڑھنا اس کو صدقِ دل سے اختیار کریں، صبح کی نماز میں دوسری رکعت کے رکوع کے بعد اسلام، عساکرِ اسلام اور مسلمانوں کی نصرت کی دعائیں مانگی جائیں، امام باوازِ بلند دعائیہ کلمات کہے اور مقتدی پوری توجہ اور خشوع و خضوع کے ساتھ آمین کہتے رہیں، کراچی کے بعض مخلصین نے عوام کی رہنمائی کے لئے "قنوتِ نازلہ" اور اس کے پڑھنے کے طریقے کتابچہ کی شکل میں طبع کرا کے شائع کر دیئے ہیں اور نماز ہی کی کیا تخصیص ہے، اپنی تمام دعاؤں میں اسلام اور مسلمانانِ عالم کی فتح و نصرت خصوصًا پاکستانی مسلمانوں کی کامیابی اور دشمنانِ اسلام کی تباہی کی دعائیں کرنی چاہئیں۔

پاکستان میں اسلامی شعائر کا احترام اور اس کی وجہ

اگر قریب سے تمام عالمِ اسلام کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہو جائے گا کہ الحمد للہ پاکستان میں اب بھی اسلامی شعائر کی تعظیم و احترام بقیہ ملکوں سے بہت زیادہ موجود ہے پاکستانی عوام کے ذریعہ آج بہت کچھ دینی چہل پہل برقرار ہے، پاکستان کے وجود میں آنے کے بعد یہ تمام مسجدیں، دینی ادارے، مدرسے، مکتب اور ان میں حکومت کے اثر سے آزاد دینی خدمات جس قدر انجام پا رہی ہیں یہ سب پاکستان کے عام اربابِ خیر کی دینی حمیت اور کوششوں کا

نتیجہ ہے، روئے زمین کے کسی ملک کے مسلمان بھی اس معاملہ میں پاکستانی اربابِ خیر کی ہم سری نہیں کر سکتے۔

برطانوی اقتدار کے دور میں ہمارے اکابر و اسلاف نے جب یہ محسوس کیا کہ حکومت اور طاقت اب غیر اسلامی ہاتھوں میں جارہی ہے اور آئندہ حکومتوں سے کسی خیر اور دینی حمیت کی توقع نظر نہیں آتی اب تو عام مسلمانوں کی مذہبی اور اخلاقی رہنمائی کی غرض سے دینی خدمات جو بھی ہوں آزاد دینی معاہد و مدارس اور دار الافتاء یا مساجد و خانقاہوں کے ذریعہ انجام دینی ہوں گی اور خود مسلمانوں خصوصاً عوام کو ان کی کفالت کرنی ہوگی اس عاقبت اندیشی کا نتیجہ ہے کہ دینی شعائر کا قیام حکمرانوں کے ہاتھوں سے منتقل ہو کر عام مسلمانوں کے ہاتھ میں آگیا اور تمام دینی نظام کا دار و مدار آزاد اربابِ خیر اور آزاد اربابِ علم و فکر کی مساعی و توجہات پر ہو گیا، چنانچہ حکمران کافر تھے جب بھی دین اس ملک میں اسی طرح باقی رہا اور خدا کے فضل سے یہی سنت مستقل طور پر قائم ہو گئی لیکن دوسرے اسلامی ممالک میں حالات اس سے مختلف رہے آج تک مساجد کی تعمیر، جامعات و معاہد کی تاسیس اور تمام دینی نظام کی کفالت حکومت کے ذمہ ہے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان ملکوں میں جہاں اسلامی حکومت کا دینی مزاج بگڑ گیا تمام دینی نظام بھی اس سے متاثر ہوئے کم و بیش یہی تمام اسلامی ممالک کا حال ہے۔ الحمد للہ کہ تمام پاکستان میں جو کچھ دینی رونق ہے وہ پاکستانی مسلمانوں کی جد و جہد کی مرہونِ منت ہے اور اس کا افسوس ہے کہ حکومت اسلامی کہلانے کے باوجود اس میں کوئی حصہ نہیں لیتی اور شاید حق تعالیٰ کے تکوینی نظام کی مصلحت و حکمت یہی ہو۔

برطانوی اقتدار اور حکومت سے جہاں روح فرسا اذیتیں مسلمانوں کو متحدہ ہندوستان میں پہنچیں وہاں ایک عظیم فائدہ بھی مسلمانوں کو پہنچا کہ انہوں نے دینی خدمتوں کی خود کفالت کرنا اور ان کو حکومت کے اثر سے آزاد رکھنا سیکھ لیا۔ بلاشبہ آج بھی پاکستان تمام عالم اسلام کی دینی قیادت کی اہلیت رکھتا ہے اور دینی اقدار تمام عالم سے زیادہ اس خطۂ پاک میں نمایاں ہیں۔ تمام عالمِ اسلام خصوصاً عربی ممالک میں حکومت کے اثر سے یورپ کی نقالی کی جو وبا پھیل گئی ہے الحمد للہ پاکستان بدرجہا ان سے بہتر حالت میں ہے، خدانخواستہ پاکستانی مسلمان بھی اگر اپنی

خصوصیات کھو بیٹھیں تو بس اللہ تعالیٰ ہی اسلام کی حفاظت فرمائے گا، ضرورت ہے کہ اس عام دینی روح اور اس عمومی دینی مزاج کو بہر صورت و بہر حالت باقی رکھا جائے۔ اسی وسیلہ سے اہلِ پاکستان کو اللہ تعالیٰ کی رحمت کی کچھ امید ہو سکتی ہے۔ ربنا لا تؤاخذنا إن نسينا أو أخطأنا ربنا ولا تحمل علينا إصراً كما حملته على الذين من قبلنا، ربنا ولا تحملنا ما لا طاقة لنا به، واعف عنا واغفر لنا وارحمنا أنت مولانا فانصرنا على القوم الكافرين (آمین)

شوال المکرم ۱۳۹۱ھ، دسمبر ۱۹۷۱ء

آئینی بحران اور اس کا دانشمندانہ حل

الحمد للہ کہ آئین کے مسئلہ پر جو بحران ایک عرصہ سے چلا آرہا تھا اور جس نے بڑھتے بڑھتے سنگین صورتِ حال اختیار کر لی تھی بالآخر حسنِ تدبر سے اس پر قابو پا لیا گیا، پاکستان کے افق پر جو سیاہ گھٹائیں چھائی ہوئی تھیں وہ چھٹ گئیں، قوم جس خطرناک موڑ پر آکھڑی ہوئی تھی وہ خطرہ ٹل گیا اور حزبِ اقتدار و حزبِ اختلاف نے متفقہ طور پر آئین منظور کر لیا، گویا مایوس کُن حالات میں اللہ تعالیٰ کی رحمت شاملِ حال ہوئی، ناامیدی کے دھندلکے سے امید کی کرن پھوٹ نکلی، اور ماحول میں خوشگوار فضا پیدا ہو گئی، فالحمد للہ حمداً کثیراً۔

یہ بحران دوسرے بہت سے مسائل کی طرح حزبِ اقتدار اور حزبِ اختلاف کی رسہ کشی کی پیداوار تھا، حزبِ اقتدار کو اپنی اکثریت پر ناز اور اپنی طاقت پر اعتماد تھا وہ دستوری مسائل میں اپنی رائے پر بضد اور اپنے مجوزہ دستور کو بہر صورت منوانے پر مُصر تھی ادھر حزبِ اختلاف کی طرف سے دستور کے خلاف عوامی تحریک چلانے کا اعلان کیا جارہا تھا، ان کا خیال تھا کہ مجوزہ دستور چونکہ عوام کی نمائندگی نہیں کرتا اس لئے عوام کی طاقت ان کے ساتھ ہو گی، خدانخواستہ شقاق و نفاق اور فسادِ باہمی کی یہ کیفیت باقی رہتی تو حالات کا جو بھیانک اور مکروہ نقشہ مرتب ہوتا، اس کے تصور سے بھی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ فریقین کو بروقت صحیح سمجھ آگئی، جانبین نے موقع کی نزاکت کو اچھی طرح محسوس کر لیا، غلط فہمیاں دور ہوئیں اور بڑی حد تک خیرسگالی کی فضا پیدا ہو گئی، حزبِ اختلاف کی کچھ ترمیمات قبول کر لی گئیں اور بعض ترمیمات کے بارے میں انہوں نے تسامح سے کام لیا کہ چلئے جتنا کام ہوا ہو گیا بقیہ کی تکمیل پھر ہوتی رہے گی، ان مایوس کن حالات میں جو کچھ ہوا وہی صد غنیمت ہے، بہر حال ابلیسِ لعین کی امیدیں خاک میں مل گئیں اور قوم تصادم اور ٹکراؤ سے بال بال بچ گئی ورنہ خاکم بدہن خطرہ تھا کہ قوم کی کشتی آئین کے ساحل سے ٹکرا کر ایک بار پھر ٹوٹ جائے گی، اللہ تعالیٰ کا بے حد شکر ہے کہ

مصرعہ: رسیدہ بود بلائے ولے بخیر گذشت

آئینی بحران اور اس کا دانشمندانہ حل ہمارے قومی راہنماؤں کے لئے ایک سبق آموز واقعہ کی حیثیت رکھتا ہے کہ تمام متنازع فیہ مسائل کو اسی نہج پر سلجھایا جا سکتا ہے، ضد، تعصب اور کبر و غرور سے مسائل جنم لیتے ہیں، کشاکشی پیدا ہوتی ہے اور انتشار پھیلتا ہے اور کشادہ ذہنی رواداری اور تواضع سے افہام و تفہیم کا راستہ کھلتا ہے اور مسائل کے سلجھانے میں مدد ملتی ہے، ہمارے یہاں یہ بڑی بُری رسم چل نکلی ہے کہ جو شخص اپنی رائے سے موافقت کرتا ہو اس کی ہر خطا صواب ہے اور ہر گناہ ثواب اور جو شخص اختلاف رائے کا مرتکب ہو، اس کے لئے بد سے بدتر لفظ کا لغت سے انتخاب کرنا ضروری ہے جب ہر فریق اپنے تئیں عقل کُل سمجھے جب مخالفت کی آواز کو ہر جائز و ناجائز طریقہ سے دبانے کی کوشش کی جائے اور جب متانت و سنجیدگی، عدل و انصاف اور باہمی عزت و احترام کے بجائے شور و شغب، ظلم و تعدی اور دوسروں کی تجہیل و تحمیق کو کامیابی کا راستہ فرض کر لیا جائے تو معمولی سے معمولی مسئلہ بھی عقدۂ لاینحل ہو کر رہ جاتا ہے اور اس کے برعکس جب ہر شخص تواضع اور فروتنی کا پیکر ہو۔ جب جہد للبقاء کے سفر میں ہر شخص کو دوسروں کی مدد کی ضرورت کا بھرپور احساس ہو اور جب آپس میں اتحاد و اعتماد اور ایثار و قربانی کی فضا قائم ہو تو دنیا کا کوئی مشکل سے مشکل مسئلہ ایسا نہیں جسے حل نہ کیا جا سکے۔

خطاؤ نسیان بشریت کا خاصہ ہے اور انبیاء علیہم السلام کے ماسوا کوئی شخص نہ معصوم محض ہے اور نہ مطاع مطلق، کوئی شخص کمزوریوں سے مستثنیٰ نہیں ہو سکتا، اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ دوسروں کی خوبیوں کا اعتراف کرو اور اپنی کمزوریوں پر نظر ڈالو، اس سے باہمی رواداری اور حق شناسی کے جذبات ابھریں گے اور باہمی محبت و اعتماد کی فضا پیدا ہو گی، برخلاف اس کے کبر و غرور سے نفرت و بیزاری پیدا ہو گی اور عداوت و بداعتمادی کا ماحول جنم لے گا۔

شیطان یہ سمجھاتا ہے کہ اگر تم نے دوسرے کی بات مان لی تو تمہاری سبکی ہو جائے گی، ناک کٹ جائے گی اور دنیا تمہیں بنظر حقارت دیکھے گی، اس کے برعکس نبوت کی تعلیم یہ ہے کہ ((من تواضع لله رفعه الله ومن تكبر وضعه الله)) جو اللہ کی خاطر جھک جائے

اللہ تعالیٰ اسے اونچا کر دیتے ہیں اور جو تکبر کرے اللہ تعالیٰ اسے نیچا کر دیتے ہیں) کبر سے ایک تو معاملات الجھتے ہیں، دوسرے خود متکبر لوگوں کی نظر میں ذلیل ہو جاتا ہے اور فروتنی سے نہ صرف معاملات سلجھتے ہیں بلکہ ایسے شخص کو عزت و وقار اور قدر و منزلت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔

الغرض آئینی مصالحت سے جو خیر سگالی کی فضا پیدا ہوئی ہے اس کو مزید بڑھانے کی ضرورت ہے باہمی تو تکار سے تلخی بڑھتی ہے کشیدگی میں اضافہ ہوتا ہے، قلوب میں نفرت و بیزاری کے کانٹے چبھتے ہیں، فضا مکدر اور حقائق مشتبہ ہو جاتے ہیں، باہر کی دنیا میں ہوا اُکھڑ جاتی ہے، وزن گھٹ جاتا ہے اور زندگی اجیرن ہو جاتی ہے۔

قوموں کا آئین اور دستور

دستور ساز اسمبلی کے آخری اجلاس میں صدرِ مملکت کی تقریر کا یہ جملہ قابلِ قدر ہے کہ "آئین کوئی مقدس صحیفہ نہیں کہ اس میں مناسب ترمیم نہ کی جا سکے۔" اس سے واضح ہوتا ہے کہ آئین میں بعض چیزیں اصلاح طلب ہو سکتی ہیں، اس ضمن میں ہماری گذارش یہ ہے کہ یہ اصلاح کا کام جتنی جلدی ہو جائے اچھا ہے، اس کو محض اس انتظار پر ملتوی نہیں رکھنا چاہیئے کہ جب لوگوں کی طرف سے اس کا مطالبہ ہو گا اور اس کے لئے باقاعدہ تحریک چلے گی یا جب حکومت کو کسی قانون کے نفاذ میں دقت پیش آئے گی تو آئینی سقم کی اصلاح کر لی جائے گی، سب جانتے ہیں کہ دستور کسی قوم کا وہ بنیادی قانون ہے جو اس کے قومی وجود کے لئے خشتِ اوّل کی حیثیت رکھتا ہے، اگر اس میں ذرا بھی کجی رہ جائے تو تا ثریا می رود دیوار کج" والا قصہ ہوتا ہے، دستورِ ملت کے قومی سفر کا سنگِ میل ہے جو اسے نشانِ منزل سے آگاہ کرتا ہے، سابقہ دساتیر کی غلطیوں نے قوم کو آج تک "وادیٔ تیہ" کا مسافر بنائے رکھا جو پچیس سال گھومی پھری، سفر کے تکان سے اس کے قویٰ مضمحل اور اعضاء شل ہو گئے، مگر اسے منزل تک رسائی نصیب نہ ہوئی، اگر اس متفقہ دستور میں خدانخواستہ کوئی نادانستہ غلطی بھی باقی رہی تو اندیشہ ہے سے نجات مشکل ہے کہ قوم آج نہیں تو کل پھر اپنی

منزل سے بھٹکنے لگے، آئین آئے دن نہیں بنا کرتے نہ عقلاء و جہلاء کے جمِ غفیر کا کسی چیز پر متفق ہونا آسان ہے۔

سربراہِ مملکت کی ذمہ داریاں

آئین کی متفقہ منظوری کے بعد صدرِ محترم کی شخصیت باہر کی دنیا میں بڑی قد آور ہو گئی ہے اور ان کا وزن کئی گنا بڑھ گیا ہے، اب ان کا تعارف صرف اکثریتی پارٹی کے لیڈر کی حیثیت سے نہیں ہو گا بلکہ پوری قوم کی نمائندگی کا تاج ان کے سر پر ہو گا اور وہ بیرونی حریفوں سے پورے عزم و اعتماد کے ساتھ نمٹ سکیں گے، لیکن اگر ایک طرف ان کے وقار میں اضافہ ہوا ہے تو دوسری طرف پوری قوم کی عظیم مسئولیت بھی انہی پر آن پڑی ہے، کل فردائے قیامت میں اللہ ذوالجلال کی عدالت میں جب ان کی پیشی ہو گی تو پوری قوم کا بارِ امانت ان کے کندھوں پر ہو گا اور انہیں پوری قوم کے اعمال اور کارناموں کے بارے میں جوابدہی کرنا ہو گی، اگر ملک میں صحیح آئین نافذ ہوا، اس کی روشنی میں خدا تعالےٰ کا پسندیدہ قانون رائج ہوا اور عدالتوں میں اسلامی عدل کے مطابق فیصلے ہوئے تو ان سب کا اجر و ثواب ان کے نامۂ عمل کی زینت ہو گا اور اگر ان کے مرتب کردہ آئین میں ایک بھی غلطی ہوئی اور اس کے مطابق ایسے قوانین وضع کئے گئے جن پر رضائے خداوندی کی مہر ثبت نہیں تھی اور عدالتوں میں غیر اسلامی قانون کے مطابق فیصلے ہوئے تو اس کا بارِ گناہ بھی سربراہ مملکت کی گردن پر ہو گا، رعایا کے جو حقوق اللہ تعالیٰ کی جانب سے حکومت پر عائد کئے گئے ہیں اگر ان کے ادا کرنے میں کسی امیر، وزیر یا ماتحت افسر نے کوتاہی کی تو اس کی باز پُرس صرف اسی سے نہیں بلکہ صدرِ مملکت سے بھی ہو گی، ارشادِ نبوی ہے: ((ألا کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیتہ)) کان کھول کر سن لو! تم میں سے ہر شخص (اپنے اپنے دائرے میں) نگہبان ہے اور ہر شخص اپنی رعیت کے بارے میں مسئول ہو گا۔ صدرِ مملکت کی اس اہم مگر نازک حیثیت کے پیشِ نظر ان کا اولین فرض یہ ہے کہ وہ آئینی اصلاحات کو فردائے انتظار پر معلق نہ رکھیں بلکہ جہاں ممکن ہو جلد از جلد چوٹی کے ماہرین دساتیر اور ماہرین قانونِ اسلام سے مشورہ لے کر

آئین کو ہر خامی سے ممکن حد تک پاک کرائیں اور پھر اس کے مطابق صحیح قوانین وضع کرائیں تاکہ یہ اُمت ربّ العالمین کی رحمت اور جود و کرم کے نفحاتِ طاہرہ سے بیش از بیش متمتع ہو، ایسا نہ ہو آئین کچھ کہے اور قانونِ اسلام کچھ اور ایسا نہ کہ ہمارے دین اور ہمارے آئین کے مابین ہم آہنگی نہ ہونے کی وجہ سے "اسلام در کتاب و مسلمانان در گور" کا مضمون صادق آئے اور قرآن کریم ایسی پاکیزہ کتاب کے ہوتے ہوئے اور اس پر دعوائے ایمان کے باوجود ہمارے اعمال ایسے ہوں کہ

ع " جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود "

تمام رائج الوقت قوانین جو آئین اسلام کے خلاف ہیں، بیک جنبش قلم انہیں موقوف کر دیا جانا چاہیئے اور جدید قوانین اسلامی اصولوں کے مطابق نافذ اور رائج کئے جانے چاہئیں۔ یہی ایک صورت ہے جس کے ذریعہ ہم رحمتِ الٰہی کے مستحق ہو سکتے ہیں۔ قہرِ خداوندی سے بچ سکتے ہیں اور ایک اور مہلت جو ہمیں عطا کی گئی ہے اس سے دانشمندی کے ساتھ فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

آئین میں اصلاح طلب چند اُمور

اسلامی نقطۂ نظر سے آئین میں کن اصلاحات کی ضرورت ہے؟ اس کے بارے میں تو اپنی ناقص رائے کا اظہار ہم اسی وقت کریں گے جب پورا آئین ہمارے سامنے آئے گا، البتہ اخبارات کے ذریعہ جتنا کچھ سامنے آسکا ہے اس کے پیشِ نظر اپنی کم مائیگی اور بے بضاعتی کا پورا پورا اعتراف کرتے ہوئے یہاں چند امور کی طرف توجہ دلانا ضروری معلوم ہوتا ہے۔

اسلامی آئین کسے کہتے ہیں؟

آئین کے واضعین کی جانب سے بڑی شدت و اصرار کے ساتھ یہ فرمایا گیا ہے کہ آئین اسلامی جمہوری اور وفاقی ہے، یہ امر کسی تشریح کا محتاج نہیں کہ وہی آئین "اسلامی آئین" کہلانے کا مستحق ہو گا جس میں اعلان کیا گیا ہو کہ :۔

۱۔ حکومت کا کوئی اقدام اسلام کے خلاف نہیں ہو گا۔

۲۔ مملکت کے تمام مسلم شہریوں پر اسلامی فرائض کی پابندی قانوناً لازمی ہو گی۔

۳۔ ہر شہری اسلام کے عدلِ عمرانی سے مستفید ہو گا اور اسلامی معاشیات کا نفاذ ہو گا۔

۴۔ ممنوعاتِ شرعیہ پر اسلامی تعزیرات جاری ہوں گی۔

۵۔ ملک کی تمام عدالتیں صرف اسلامی قانون کی پابند ہوں گی اور اس آئین کے نفاذ کے دن سے تمام رائج الوقت غیر اسلامی قوانین منسوخ تصور کئے جائیں گے۔

۶۔ خدا اور رسولؐ کے صریح احکام بغیر کسی مسخ وتحریف کے نافذ کئے جائیں گے اور ان پر کسی اتھارٹی کو رائے زنی کا حق حاصل نہیں ہو گا۔

۷۔ مجلسِ قانون ساز کا کوئی فیصلہ اگر اسلامی اصول کے منافی ہوا تو عدالتِ عالیہ میں اسے چیلنج کرنے کا ہر مسلمان کو حق ہو گا۔

۸۔ اسلامی شعائر کا تحفظ کیا جائے گا اور ان کی بے حرمتی مستوجبِ سزا ہو گی۔

۹۔ منافیٔ اسلام سرگرمیاں ممنوع ہوں گی۔

۱۰۔ مسلمانوں کو گمراہ کرنے کی کسی کو اجازت نہیں ہو گی اور

۱۱۔ ارتداد کو اسلام کے خلاف بغاوت تصور کیا جائے گا اور اس کی وہی سزا ہو گی جو بغاوت کی ہو سکتی ہے۔

پاکستان کے جدید اور قدیم دساتیر کا فرق

اس میں شک نہیں کہ اسلامی نقطۂ نظر سے نیا دستور سابقہ دساتیر سے فی الجملہ بہتر ہے، اس کا دیباچہ اسلام کے حق میں خاصا پُرجوش ہے، دیباچۂ دستور میں اللہ کی حاکمیت کا اعلان بھی خوب ہے (اگرچہ وزیرِ قانون کی وضاحت کے مطابق اسے کسی قسم کا آئینی تحفظ حاصل نہیں نہ اس کی کوئی آئینی حیثیت ہے) دستور میں یہ بھی تسلیم کیا گیا ہے، اگرچہ بڑی ردّ وکد اور گریز پائی کے بعد ہی سہی) کہ ملک کا سرکاری مذہب اسلام ہو گا، صدارتی عہدہ کے لئے اسلام کی شرط بھی رکھی گئی ہے، حزب اختلاف کی درخواست پر سوشلزم کا لفظ حذف کر دیا گیا ہے اور یہ ضمانت بھی دی گئی ہے کہ کوئی قانون کتاب وسنت کے منافی نہیں بنایا جائے گا (اگرچہ اس کو برسوں

پر معلق کر دیا گیا ہے اور اس کے ساتھ مشاورتی کونسل کی" ایوبی بدمست" کا لاحقہ بھی چسپاں کر دیا گیا ہے) ہم ان تمام امور کے لئے واضعین دستور کے شکر گذار ہیں مگر یہ ساری چیزیں تو کم و بیش سابقہ دساتیر میں بھی موجود تھیں۔ سوال یہ ہے کہ کیا نئے آئین میں یہ بات کہی گئی ہے کہ ہر معاملہ میں اسلام کو بالادستی حاصل ہو گی ؟ کیا کسی اسلامی عقیدے، اسلامی شعائر یا اسلام کے کسی اصول اور قانون کو آئینی تحفظ دیا گیا ہے ؟ کیا" اسلامی عدالت" پر اسلامی قانون کے مطابق فیصلہ کرنے کی پابندی عائد کی گئی ہے ؟ کیا اسلامی تعزیرات کے نفاذ کا اعلان کیا گیا ہے ؟ کیا مسلمانوں پر اسلامی فرائض کی پابندی کو لازم کیا گیا ہے ؟ کیا انسداد ارتداد کے لئے کچھ کیا گیا ہے ؟ کیا اسلام کش سرگرمیوں پر قدغن لگائی گئی ہے ؟ کیا یہ اعلان کیا گیا ہے کہ اسلامی مملکت، خدا اور رسول کے احکام کو جوں کا توں نافذ کرنے کی پابند ہے ؟ کیا یہ ضمانت دی گئی ہے کہ اگر پارلیمنٹ یا کوئی ماتحت ادارہ اسلام کے خلاف کوئی فیصلہ کرے تو اسے چیلنج کیا جا سکتا ہے ؟

اگر ان تمام سوالات کا جواب نفی میں ہے تو خود اپنے ضمیر سے دریافت فرمائیے کہ یہ دستور کہاں تک" اسلامی دستور" کہلانے کا مستحق ہے ؟ اور اللہ تعالیٰ کی نظر میں اس کی کیا قیمت ہو گی ؟ اگر اسلام کے کسی اصول کو آئینی تحفظ حاصل نہیں اور صرف وعظ کے درجہ میں عوام کی نمائش کے لئے اسلام کا نام لیا گیا ہے تو کیا یہ ایسی چیز ہے جس پر مسرت و شادمانی کے شادیانے بجائے جائیں ؟ کیا اسے اسلام سے وفاداری کہا جائے گا ؟ اور کیا ہمارا یہ طرزِ عمل حق تعالےٰ کی رضا و رحمت کا موجب ہو گا ؟

رحمتِ الٰہی اور رضاءِ خداوندی حاصل کرنے کا طریقہ

بالکل ظاہر ہے کہ جب تک نفاق کو ترک کر کے اسلامی قانون کو اپنانے کا عہد نہیں کیا جائے گا جب تک زندگی اسلامی ڈھانچے میں نہیں ڈھالی جائے گی اور جب تک قول اور فعل کا تضاد ختم نہیں کیا جائے گا جو آج تک ہماری زندگی کا مستقل وطیرہ رہا ہے تب تک حق تعالےٰ کی رحمت کی کیا اُمید ہو سکتی ہے ؟ قول و فعل اور عقیدہ و عمل کا تضاد حق تعالےٰ کے نزدیک نہایت مکروہ

اور ناپسندیدہ چیز ہے، ارشادِ خداوندی ہے:

((یا أیھا الذین آمنوا لم تقولون ما لا تفعلون، کبر مقتاً عند اللہ أن تقولوا ما لا تفعلون۔^۱^))	اے ایمان والو! ایسی بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں ہو، خدا کے نزدیک یہ بات بہت ناراضگی کی ہے کہ ایسی بات کہو جو کرو نہیں۔

پاکستان کی ابتدائی نشاۃ سے آج تک قوم کو طفل تسلیوں سے بہلایا گیا کہ یہاں اسلامی قوانین مرتب اور نافذ ہوں گے، کبھی نمائش کے لئے تعلیمات اسلام کا بورڈ قائم کیا گیا، کبھی مشاورتی کونسل تشکیل کی گئی، کبھی تحقیقاتی ادارے بنائے گئے مگر اسلامی قانون کا خواب آج تک شرمندۂ تعبیر نہ ہوسکا، ان بورڈوں کے سامنے شعائر اللہ کی تخفیف ہوئی، ان مشاورتی کونسلوں کے علی الرغم محرمات کو فروغ دیا گیا اور ان تحقیقاتی اداروں کے جلو میں کفر و الحاد کو رائج کیا گیا، اسلامی عقائد کو پامال کیا گیا اور اسلامی شعائر کو مسخ کیا گیا، آخر اس نفاق اور دو عملی کا نتیجہ کیا نکلا؟ نہ صرف یہ کہ آمروں کا یہ ٹولہ اپنے ساختہ پرداختہ دستوروں سمیت ((فخسفنا بہ وبدارہ الأرض^۲^)) کی یاد تازہ کر گیا بلکہ اپنے نفاق و بدعملی کی بدولت قوم کو بھی آتش فشاں کے دہانے پر کھڑا کر گیا، نصف ملک ٹوٹ چکا ہے اور باقی کا خدا حافظ۔ انا للہ وانا الیہ راجعون، عوام کو چند دن غلط فہمی میں مبتلا رکھا جاسکتا ہے خوش آئند وعدوں اور خواب آور تھپکیوں کے سہارے انہیں کچھ عرصہ کے لئے سلا دیا جاسکتا ہے لیکن بالآخر اس تزویر و فریب کی قلعی کھل جاتی ہے اور حق تعالیٰ کو تو ایک لمحہ کے لئے بھی دھوکا نہیں دیا جاسکتا:—

؏ با خدا تزویر و حیلہ کے رواست

البتہ وہ ظالموں اور سرکشوں کو ڈھیل دیتا ہے، غافلوں اور مجرموں کو مہلت دیتا ہے، اور نافرمانوں اور بدکاروں سے درگذر کرتا رہتا ہے اس کے اسی حلم و عفو سے کچھ لوگ غلط فہمی میں مبتلا ہوجاتے ہیں جو شقاوت و بدبختی کی علامت ہے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

۱؎ الصف ۱، ۲ و ۳۔

۲؎ یہ ارشاد قارون کے بارے میں فرمایا کہ "پس ہم نے اس کو اس کے گھر سمیت زمین میں دھنسا دیا۔"

«أفأمنوا مكر الله فلا يأمن مكر الله إلا القوم الخسرون»[1]

ہاں! تو یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی ناگہانی پکڑ سے نڈر ہوگئے تو (خوب سمجھ رکھو) کہ اللہ تعالیٰ کی ناگہانی گرفت سے کوئی نڈر نہیں ہوتا ماسوا ان کے جن کی شامت ہی آگئی ہو۔

اور آنحضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:۔

«إن الله ليملي الظالم حتى إذا أخذه لم يفلته، ثم قرأ: وكذلك أخذ ربك إذا أخذ القرى وهي ظالمة إن أخذه أليم شديد»[2]

بلاشبہ اللہ تعالیٰ ظالم کو مہلت ضرور دیتے ہیں تاآنکہ جب اسے پکڑتے ہیں تو پھر اسے چھوڑتے نہیں یہ فرماتے ہوئے آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی؛ "اور آپ کے رب کی داروگیر ایسی ہی (سخت ہوتی) ہے جب وہ کسی بستی والوں پر داروگیری کرتا ہے جبکہ وہ ظلم کیا کرتے ہوں بلاشبہ اس کی پکڑ بڑی دردناک اور سخت ہے۔

کس کو کب تک ڈھیل دی جائے؟ اور اسے کب اور کس طرح پکڑا جائے؟ یہ حق تعالیٰ کے تکوینی مصالح ہیں جن کو وہی جانتا ہے، نعوذ باللہ من غضب اللہ وغضب رسولہٗ۔

موجودہ نام نہاد اسلامی آئین کی خامیاں

الغرض ہمیں اپنی تاریخ سے عبرت لینی چاہیئے، اگر نئے دستور کے سائے میں سوشلزم کا (جسے "اسلامی سوشلزم" سے ملمع کیا جاتا ہے) پرچار کیا جاتا ہے، اگر انگریزی دور کے مسخ شدہ کالے قوانین کی عملداری قائم رہتی ہے، اگر ایوبی آمریت کی مکروہ یادگار "عائلی قانون" بدستور نافذ رہتا ہے اگر اسلامی تعزیرات کو نافذ نہیں کیا جاتا، اگر پارلیمنٹ کے فیصلوں کو اسلامی احکام کے مقابلہ میں چیلنج نہیں کیا جا سکتا تو کیا یہ دستور اسلامی ہو گا؟ وہ وفاقی جمہوری ہو تو ہو لیکن اسلامی نہیں ہو سکتا، جس دستور کے تحت ہر قسم کے فواحش ومنکرات اور کفر والحاد کی آزادی ہو، تلاعب بالدین کی کھلی چھوٹ ہو، اسلام سے انحراف وارتداد کی اجازت ہو، شعائر اللہ کو مسخ کیا جا سکتا ہو، قطعیاتِ دین میں تاویلیں کرنے کی گنجائش ہو، حضرت خاتم النبیین صلی اللہ

---

[1] الاعراف ۔ ۹۹ [2] صحیح بخاری

علیہ وسلم سے بغاوت کوئی جرم نہ ہو، اکابرِ اُمت پر سب وشتم کی ممانعت نہ ہو، جدید نبوت پر ایمان لانے والوں کی عزت افزائی کی جائے اسے اسلامی دستور کا نام دے کر اللہ تعالےٰ کو خوش کیا جاسکتا ہے؟ جو دستور اللہ تعالےٰ کے نازل کردہ پاکیزہ دین، اس کے عقائد اور اس کے احکام کے تحفظ کی ضمانت نہیں دیتا کیا یہ توقع رکھی جائے کہ اللہ تعالےٰ اس دستور کی اور اس ملک کی جس میں یہ دستور نافذ ہے حفاظت فرمائیں گے؟

صحیح اسلامی آئین

ان معروضات کا خلاصہ صرف یہ ہے کہ آئین میں جو اسلامی دفعات رکھی گئی ہیں وہ خوب ہیں قابلِ ستائش ہیں، اس کے باوجود اسلامی نقطۂ نظر سے آئین تشنۂ تکمیل اور محتاجِ اصلاح ہے اگر معاملہ صرف بندوں تک محدود ہوتا تو معاملہ چنداں دشوار نہیں تھا، انہیں پروپیگنڈے کی طاقت، ملمع کاری کی ساحری اور پارلیمانی اکثریت کی دلیل سے مطمئن کیا جاسکتا تھا مگر "اسلام" کا معاملہ اس سے مختلف ہے وہ اللہ رب العالمین کا نازل کردہ دین ہے اور اللہ تعالےٰ کے یہاں نام ونمود اور ریاء ونمائش کی کوئی قیمت نہیں نہ اسے پروپیگنڈے سے فریب دیا جاسکتا ہے، نہ اس کے سامنے یہ دلیل چل سکتی ہے کہ ہم قوم کے نمائندے تھے، ہماری اکثریت تھی اور قوم نے پہلی بار بالغ رائے دہی کے اصول سے ہمیں ایوان میں بھیجا تھا اور ہمیں اپنی مرضی کا آئین تیار کرنے کا اختیار دیا تھا، ہم نے قوم کو ایسا آئین دیا جو اُن کی امنگوں کی عکاسی کرتا تھا، اس دلیل سے قوم کے ذہن کو اپیل کی جاسکتی ہے مگر اس سے اللہ تعالےٰ کو خوش نہیں کیا جاسکتا، نہ اس کی رضا ورحمت کا فیصلہ ہمارے حق میں ہوسکتا ہے اس لئے اگر آئین کو "اسلامی" بنانا ہے تو اس میں ایسی اصلاحات ازبس ضروری ہیں جن سے خدا کے بندوں پر خدا کی حکمرانی عملاً نافذ ہو، ہم یہ سوچ کر مطمئن ہیں کہ یہ آئین عوام کے نمائندوں کا تیار کردہ ہے، اس لئے کوئی شخص اس کو اپنی جگہ سے نہیں ہلا سکتا، مگر ہم یہ بھول جاتے ہیں کہ سابقہ دستور بھی قہرِ خداوندی کا نشانہ بنے، جو غلام محمد، اسکندر مرزا، ایوب خاں اور یحییٰ خان کی شکل میں نمودار ہوا، اور جب قہرِ الٰہی نازل ہوتا ہے تو وہ نہ عوام کو پوچھتا ہے نہ عوام کے نمائندوں کو وہ نہ ملک کی پرواہ کرتا ہے نہ اس

کے مقدس آئین کی، ہمیں دستور کی پائیداری کے سلسلہ میں صرف عوامی طاقت پر تکیہ نہیں کرنا چاہیئے بلکہ قہرِ خداوندی سے حفاظت کی بھی کچھ فکر کرنی چاہیئے۔

اسلامی آئین کے نفاذ کا تقاضہ

اسلامی آئین کے نفاذ کے بعد سب سے اہم مسئلہ یہ ہے کہ اخلاص اور دیانت داری کے ساتھ اس کے تقاضوں کو پورا کیا جائے اور خدا خوفی کے ساتھ اس پر عملدرآمد شروع کیا جائے اور اس کے لئے عوام و خواص کی اسلامی اصولوں کے مطابق اخلاقی تربیت کی جائے، میں پہلے بھی بارہا کہہ چکا ہوں اور اب پھر کہتا ہوں کہ تم لاکھ آئین بناؤ یا قوانین وضع کرو جب تک مسلمانوں کو عملی طور پر حقیقی مسلمان بنانے کی کوشش نہ کرو سب کچھ بے سود ہے، آج لوگوں نے حکومت، سلطنت، جمہوریت، دستور اور پارلیمان جیسی چیزوں کو نسخۂ کیمیا سمجھ رکھا ہے، حالانکہ ان میں سے ایک چیز بھی ایسی نہیں جو مسلمانوں کو راحت و سکون، امن و امان اور عیش و نشاط کی دولت عطا کر سکے جس سے ملت کی رگوں میں تازہ خون پیدا ہو، ان کے اخلاق میں بلندی ان کے نفس میں شائستگی، ان کے اقوال میں متانت اور ان کے افعال میں رزانت کے اوصاف ابھریں، اور جو پوری قوم کو ((أشداء علی الکفار رحماء بینهم)) (کافروں پر سخت اور آپس میں رحیم) کا مظہر بنا دے، یہ نسخۂ کیمیا نہ ملک ہے نہ حکومت، نہ کونسل، نہ ممبری، نہ دستور، نہ امارت، نہ وزارت بلکہ وہ صرف اسلام کی دعوت و تبلیغ اور افرادِ اُمت کا تزکیہ ہے۔

فریضۂ دعوت و تبلیغ اور مسلمان

افسوس ہے کہ قرون مشہود لہا بالخیر[۱] کے بعد اُمت دعوت و تبلیغ میں بہت مقصر رہی ہے اور اب تو اس بنیادی چیز کو چھوڑ کر دوسری چیزوں ہی کو مقصود بنا لیا، بلاشبہ سلاطینِ اسلام نے سیف و سنان اور جہاد و قتال کے بہت سے کارنامے انجام دیئے اور اس کے نتیجہ میں بہت سے لوگ حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے لیکن اسلام کے بتلائے ہوئے اہم اصول "اخلاقی دعوت و تبلیغ" کے راستے سے اسلام کو پھیلانے کی کوششیں بہت کم ہوئیں ورنہ دنیا کا نقشہ ہی

۱۔ دورِ نبوت، دورِ صحابہ اور دورِ تابعین۔

کچھ اور ہوتا، اسلام کا وہ نور جو دعوت و تبلیغ کے راستہ سے دلوں میں اترتا ہے وہ بڑا قوی پائیدار اور بابرکت ہوتا ہے۔

غزوۂ خیبر کے موقعہ پر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کو اسلامی پرچم عطا فرماتے ہوئے جو ہدایت فرمائی اسے صحیح بخاری شریف کے الفاظ میں سنیئے:۔

«انفذ علی رسلك حتی تنزل بساحتهم ثم ادعهم إلی الإسلام وأخبرهم بما یجب علیهم من حق الله فیه، فو الله لأن یهدی بك الله رجلاً واحداً خیرٌ لك من حمر النعم[1]»

اطمینان سے جاؤ یہاں تک کہ ان کے قریب جاکر فروکش ہو جاؤ پھر انہیں اسلام کی طرف بلاؤ اور اللہ کی جانب سے اسلام لانے کا جو حق ان پر عائد ہوتا ہے اس سے انہیں آگاہ کرو، پس خدا کی قسم اگر تیری وجہ سے ایک آدمی کے لئے بھی اللہ تعالیٰ ہدایت کا فیصلہ فرمادیں یہ تیرے لئے سرخ اونٹوں سے بہتر ہے۔

اسلام تو دراصل نام ہے اس دین کا جس کی بنیاد ہی دعوت و تبلیغ پر قائم ہے جس کا سب سے بڑا سرمایہ شفقت و رحمت اور محبت و مودت ہے اور جس کا پیغام امن و سلامتی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے چودہ سال صرف دعوت و تبلیغ، اصلاح و تزکیہ اور قلوب میں ایمان باللہ اور ایمان بالآخرۃ کو پختہ کرنے کے لئے مختص تھے جب دعوت و تبلیغ کا کام اپنی آخری حد کو پہنچ گیا، اسلام کی صداقت اور اس کی اخلاقی قوت ہر خاص و عام کے سامنے روز روشن کی طرح کھل کر واضح ہوگئی اور باطل پھر بھی اپنی ضد سے باز نہ آیا، اور جب ہر طرح کی ہمدردانہ کوششیں ناکام ہوگئیں اور مسلمانوں کو اہلِ عناد کی دسیسہ کاریوں سے انتہائی مجبور کن حالات کا سامنا کرنا پڑا تو جہاد بالسیف کی اجازت دی گئی اور حکم ہوا کہ اب باطل کا کانٹا صاف کر دیا جائے اور فتنہ پردازوں کے وجود سے خدا کی زمین کو پاک کر دیا جائے، چنانچہ اعلان کر دیا گیا:۔

«أُذن للذین یقاتلون بأنهم ظلموا، وإن الله علی نصرهم لقدیر[2]»

اب لڑنے کی ان لوگوں کو اجازت دی گئی جن سے کافروں کی طرف سے لڑائی کی جاتی ہے اس وجہ سے کہ ان پر بہت ظلم کیا گیا اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ ان کو غالب کر دینے پر پوری

---

[1] صحیح بخاری (۲-۶۰۶)
[2] الحج

قدرت رکھتا ہے۔

بہر حال کہنا یہ ہے کہ جب تک اصلاحِ نفوس اور تزکیۂ قلوب کی قرآنی دعوت کے اصول پر جم کر کام نہ کیا جائے تب تک اصلاح کی توقع بے سود ہے، حضرت صدیقِ اکبرؓ کا وہ مقولہ جو عام طور پر امام مالکؒ کی طرف منسوب ہے آج بھی اپنی جگہ عین حقیقت ہے، فرمایا:-

لن یصلح آخر ھذہ الأمۃ إلا بما صلح بہ أولھا۔

آخری دور میں بھی اس امت کی اصلاح صرف اسی نہج پر ہو سکے گی جس نہج پر پہلے دور میں اس کی اصلاح ہوئی۔

قرآنی اصول کے مطابق اسلامی دعوت کو جب تک عام نہیں کیا جاتا جب تک اس کام کو کام سمجھ کر یہ امت اس دعوت کے لئے نہیں اٹھ کھڑی ہوتی اور جب تک اس دعوت کی آواز گھر گھر نہیں پہنچتی تب تک اصلاح ممکن نظر نہیں آتی، اُمت کی حیاتِ نو اور نشأۃِ ثانیہ کا بس یہی ایک طریقہ ہے اس کے علاوہ جتنے طریقے اپنائے جائیں گے ان سے اگر کسی قدر فائدہ ہوگا بھی تو محض عارضی، وقتی، ناپائیدار اور غیر مستقل ہوگا۔

مغربی سیاست اور اس کے مضر اثرات

مغربی سیاست نے جن بدعات کو جنم دیا ہے ان سے عداوت و نفرت، کینہ و بغض اور تفریق و انتشار کے کانٹے تو مل سکتے ہیں مگر الفت و محبت، سلامتی و امن و اتحاد و اعتماد کے پھول دستیاب نہیں ہو سکتے، دورِ جدید کا سب سے بڑا بُت "عوامی طاقت" ہے، جس کی پرستش کے لئے انتخابات، اسمبلی اور جمہوریت کے بلند و بالا صنم کدے تعمیر کئے جاتے ہیں، پجاریوں کی مختلف پارٹیاں اس معبود کی رضا جوئی کے لئے مختلف منتیں مانتی ہیں، جبینِ نیاز خم کرتی ہیں اور ہر ممکن طریقے سے اسے خوش کرنا چاہتی ہیں، ان میں باہمی رقابت چلتی ہے مسابقت کی دوڑ ہوتی ہے، ایک دوسرے کے خلاف پروپیگنڈہ کیا جاتا ہے، ایک ایک کا نسب نامہ تلاش کیا جاتا ہے، ہر کردہ و ناکردہ گناہ ایک ایک کے نامۂ عمل میں ڈالا جاتا ہے، گفتنی و ناگفتنی کا بازار گرم ہو جاتا ہے منشور چھپتے ہیں اشتہارات نکلتے ہیں، جلسہ و جلوس، شور

دعوغا، طعن وتشنیع یہ ہیں وہ وظائف جو رضائے معبود کے لئے پڑھے جاتے ہیں، مقصد صرف یہ کہ رضائے معبود کی سند۔ ووٹ۔ کسی طرح ہمیں حاصل ہو جائے تاکہ ہم عالم بالا، حکومت وکونسل میں پہنچ کر من مانی کریں۔

دنیا کی گمراہ قومیں جن میں یہودی، عیسائی اور لامذہب سب شامل ہیں، وہ تو خیر اس طریق کار پر مجبور تھیں کہ اوّل تو ان کا منتہائے مقصود اور نقطۂ عروج حکومت وسلطنت سے آگے نہیں جاتا، پھر وہ دین ومذہب سے بالکل بے بہرہ ہیں یا اگر برائے نام مذہب ہے بھی تو صرف چند رسوم وقیود تک محدود ہے، وہ تو خیر مجبور تھے کہ حکمرانی کے اصول وضع کریں، قانون سازی کے ادارے تشکیل کریں اور قوم کے لئے صحیح غلط قانون ودستور تیار کریں لیکن اُمتِ مسلمہ کو ان کی نقّالی کی کیا ضرورت تھی؟ اُن کے پاس خدا کا نازل کردہ آئینِ حیات مکمل طور پر موجود تھا، ہر شعبۂ زندگی کے راہنما اصول سے لے کر جزئی قواعد وضوابط تک موجود ہیں، ہر مرض کے لئے نسخۂ شفا موجود تھا، آخر ان کو کیا مصیبت پڑی تھی کہ اللہ تعالےٰ کے اصولِ رحمت اور قانونِ عدل کے بجائے چند افراد کے وضع کردہ ضوابط کو ذریعۂ نجات سمجھنے لگے، خالقِ کائنات کے قانونِ رحمت وعدل کو چھوڑ کر مخلوق کے ساختہ پرداختہ قانون میں امن وعافیت ڈھونڈنا کہاں کا فلسفہ ہے؟ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دامنِ رحمت سے کٹ کر یہودیوں اور عیسائیوں کے طریقۂ کار اور فلسفۂ حیات میں پناہ لینا کیا عقل ودانش کی بات ہے:- ع ببین از کہ بُریدی وبا کہ پیوستی؟

چھوڑو پارلیمانی دستوروں کو اور انسانوں کے خود ساختہ قانون کو! کیا قرآنِ کریم جیسی وحیِ ربّانی تمہارے پاس نہیں؟ کیا خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی پاکیزہ سنت کا ریکارڈ اور مقدس صحیفے تم سے گم ہو چکے ہیں؟ کیا اسلامی قانون اپنی پوری جامعیت اور ہمہ گیری کے ساتھ مکمل ضابطۂ حیات کی شکل میں تمہارے ہاتھ میں نہیں؟ سب کچھ ہے مگر مسلمانوں کا زاویۂ نظر صحیح نہیں رہا ورنہ مسلمان کیوں اس تباہ کن زندگی میں سر سے پاؤں تک ملوث ہوتے؟ اگر انہیں اپنے گھر کی خبر ہوتی تو کیوں کشکولِ گدائی لے کر انسانیت کش نظاموں سے بھیک مانگنے کو جاتے، آج جتنی جدوجہد اسمبلی کی نمائندگی کے لئے کی جاتی ہے، حکومت سازی کے لئے جتنے

پاپڑ بیلے جاتے ہیں اور ان نمائشی ڈراموں پر جتنی خطیر رقمیں اڑائی جاتی ہیں اگر آج مسلمان اس کا عشرِ عشیر بھی دعوت و تبلیغ پر خرچ کرتے تو اس شقاق و افتراق سے محفوظ رہتے اور رحمتِ الٰہی کے مستحق ہوتے، صالح معاشرہ وجود میں آتا، پاکیزہ سیرتیں جلوہ گر ہوتیں، سکون و اطمینان کی زندگی نصیب ہوتی، آخرت سے پہلے جنتی زندگی کے پاکیزہ نفحات مشامِ جان کو معطر کرتے اللہ تعالیٰ صحیح توفیقِ عمل نصیب فرمائے، آمین۔ وصلی اللہ علیٰ خیر خلقہٖ صفوۃ البریۃ خاتم النبیین سیدنا و مولانا محمد و آلہٖ وصحبہٖ و اتباعہٖ اجمعین۔

ربیع الثانی ۱۳۹۳ھ، جون ۱۹۷۳ء

قانونِ الٰہی سے روگردانی اور اس کی سزا

سننِ ابن ماجہ و مستدرکِ حاکم میں حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہم) کی روایت سے ایک حدیث مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:-

((مَن جَعَلَ الهُمُومَ هَمًّا وَاحِدًا هَمَّ آخِرَتِهٖ كَفَاهُ اللهُ هَمَّ دُنيَاهُ، وَمَن تَشَعَّبَت بِهِ الهُمُومُ فِي أَحوَالِ الدُّنيَا لَم يُبَالِ اللهُ فِي أَيِّ أَودِيَتِهَا هَلَكَ)) أو كما قال.

جس نے اپنی تمام فکروں کو ایک ہی فکر یعنی فکرِ آخرت بنا لیا حق تعالیٰ شانہٗ دنیا کے افکار سے اسے نجات عطا فرمائے گا اور جو دنیا ہی کی فکروں میں پریشان خاطر ہو کر رہ گیا تو وہ دنیا کی کس وادی میں ہلاک ہوا؟ حق تعالیٰ اس کی کوئی پرواہ نہیں کرے گا۔"

مقصد ظاہر ہے کہ ایسے شخص کے لئے حق تعالیٰ کی حفاظت جب نہیں رہے گی تو اس کی تباہی و بربادی میں کیا شک ہے، آج کل ہمارا پاکستان جس دور سے گذر رہا ہے اور جو کچھ پیش آیا اور آرہا ہے جو کچھ ہوا اور جو کچھ ہو رہا ہے وہ اس حدیثِ نبوی کی عملی تفسیر ہے مسلمان ایک معاہد قوم کا نام ہے جس نے اللہ و رسول سے یہ معاہدہ کر لیا ہے کہ چونکہ دنیا عبوری دور ہے اور منزلِ مقصود آخرت ہے اس لئے عبوری دور میں جو احکاماتِ خداوندی ہوں گے وہ بسر و چشم ان کی اطاعت کرے گا اور اس کی تنفیذ (نافذ کرنے) میں حتی المقدور کوئی تقصیر نہیں کرے گا۔

عرصہ دراز کی آہ و بکا کے بعد ہمیں دنیا کا لاکھوں مربع میل خطۂ زمین اس شرط پر ملا کہ اس پر حق تعالیٰ کی حاکمیت کا ظہور اور احکاماتِ خداوندی کا اجراء ہوگا لیکن جو کچھ ہوا وہ سب کے سامنے ہے "عیاں راچہ بیان" آخر اس کا ہولناک نتیجہ بھی سامنے آیا بلاشبہ ہم نے فیکٹریاں بنائیں، انڈسٹریاں چلائیں، سڑکیں بنائیں، سر بفلک عمارتیں بنائیں درآمد و برآمد میں حیرت انگیز ترقی کی، باہر ملکوں میں سفارتیں قائم کیں، منصوبے بنائے

سودی قرضے لئے، بینک کھولے، انشورنس کمپنیاں جاری کرائیں، تھیٹر بنائے، سینما چلائے ریڈیو اسٹیشن قائم کئے، ٹی وی اسٹیشن لگائے، وغیرہ وغیرہ ترقیات کہاں تک گنوائیں سب کچھ ہم نے وہ کیا جو دنیا کی تمام قومیں کرتی ہیں جو یورپ نے کیا جو امریکہ نے کیا جو خدا فراموش قوموں نے کیا سب کی نقلیں اتاریں اور اس نقالی میں وہ سب کچھ کیا جو خدا فراموش قوم کیا کرتی ہے، جوئے شراب اور زنا کے کلب قائم کئے، عورتوں کو برہنہ کیا، سیرتوں کو بگاڑا، صورتوں کو مسخ کیا، ناچنے اور گانے والیوں کو باہر بھیجا، باہر سے بلایا، ورائٹی شو کی مجلسیں سجائیں، لاکھوں کروڑوں روپیہ بے حیائی و عریانی پر بہایا، چکلے بنائے، بازارِ حسن میں جلوے دکھائے، ہر کفر و الحاد کی حوصلہ افزائی کی، سچائی کو دبایا، رشوت کا بازار گرم کیا، حق کو باطل اور باطل کو حق بنانے میں کوئی کسر باقی اٹھا نہیں رکھی۔ خدارا بتلایئے کہ حق تعالیٰ کی غضب ڈھانے والی کون سی معصیت ہے کہ ہم نے نہیں کی، پھر جو سزا ملی اور مل رہی ہے اس پر تعجب کیوں ہے؟ جو زہرِ ہلاہل کھائے گا مرے گا جو شعلہ فشاں آگ میں کودے گا جلے گا جو متلاطم سمندر کی موجوں میں چھلانگ لگائے گا غرق ہوگا، معاہد قوم جب بغاوت کرے گی بغاوت کی سزا بھگتے گی۔

نہ صرف یہ کہ ہم نے قانونِ رحمت کو جاری نہیں کیا اور قانونِ عدل سے قوم کو محروم رکھا بلکہ دنیا کی کافر قوموں کے ہاں جو ظاہری خوبیاں تھیں، اتحاد تھا، تنظیم تھی، دنیوی معاملات میں صفائی تھی، ملک و قوم سے وفاداری تھی، وہ بھی نہ اپنائیں، ملک و قوم کو ترقی دینے کے لئے جو وسائل و ذرائع ہو سکتے تھے، ان میں سے کسی کو اختیار نہیں کیا اور کافر قوموں میں جو بُرائیاں تھیں ان کی ایسی نقل کی کہ اصل سے بڑھ جائے اور جو خوبیاں تھیں ان میں سے ایک کو بھی اختیار نہیں کیا، فوجی حکومت کے سہارے زندگی بسر کی جو فوجی حکومت کو لعنت سمجھتے تھے آج اس لعنت میں خود گرفتار ہیں، نہ زمیندار کو راحت ہے نہ کسان کو چین، نہ کارخانے دار کو سکھ ہے نہ مزدور کو آرام، نہ کسی کی جان محفوظ، نہ کسی کا مال محفوظ، نہ کسی کی آبرو محفوظ، حدیثِ نبوی "لم یبال اللہ فی أیّ أودیتھا ھلک" (اللہ کو کچھ پروا نہیں کہ وہ کس گڑھے میں گرا) کی اس سے زیادہ کیا واضح تفسیر ہوگی؟

انا للہ وانا الیہ راجعون۔

کاش یہ مصیبت صرف دنیا کی ہوتی تو آخر ختم ہو جاتی، سب سے بڑی مصیبت تو یہ ہے کہ ہمارے یہاں زندگی کا جو نقشہ تیار ہوا ہے یہ آخرت کے مصائب کو دعوت دے رہا ہے، ایک حدیثِ نبویؐ میں دعا کے یہ کلمات کتنے عجیب ہیں :۔

«اللّٰھم لا تجعل مصیبتنا فی دیننا ولا تجعل الدنیا أکبر ھمنا ولا مبلغ علمنا ولا تسلط علینا من لا یرحمنا»

اے اللہ! ہماری مصیبت دین کی نہ ہو، اور دنیا ہمارا مقصدِ زندگی اور اوڑھنا بچھونا نہ ہو، صرف دنیا ہی ہماری علمی پرواز نہ ہو اور ہم پر ایسوں کو نہ مسلط فرما جو ہم پر رحم نہ کریں۔

افسوس ہے کہ نہ مرض کی صحیح تشخیص کی کوشش ہے نہ صحیح علاج کی فکر، بلکہ اس سے بڑھ کر افسوس اس کا ہے کہ نہ صرف یہ کہ مرض کا احساس ہی نہیں بلکہ مرض کو صحت و تندرستی سمجھ لیا گیا ہے، نہ ماضی سے عبرت، نہ مستقبل کی فکر، نہ حال کا خطرہ، اب علاج ہو تو کیونکر ہو اور کرے تو کون کرے؟ عقل و فکر سے کام لے کر یہ سوچنے کی بھی زحمت نہیں کی جاتی کہ پاکستان کی تخریب کے کیا کیا عوامل تھے اور دوبارہ تعمیرِ جدید کے کیا عوامل ہو سکتے ہیں، جب ذہنی جمود اس حد تک پہنچ جائے تو نجات کی کیا توقع۔

پاکستان کی باطنی وظاہری تعمیر

گذشتہ شمارے میں پاکستان کی باطنی تعمیر، جو پاکستان کی روح ہے اس کا بیان ہم کر چکے ہیں اور ظاہری تعمیر جو پاکستان کا جسد اور قالب ہے اس کا ذکر بھی آچکا ہے، قوی روح اور قوی جسد ہو تو کمالِ صحت و قوت و توانائی حاصل ہو گی، مریضِ جسد میں کمزور روح سے کیا ترقی و نجات کی امید! آخر موجودہ صورتِ حال سے کوئی سبق نہ لینا کیا جنون نہیں ہے؟ تزکیہ روح سے انتہائی غفلت کے ساتھ تقویتِ جسد سے بھی غفلت شعاری انتہائی ناقابلِ برداشت صورتِ حال ہے، سیاسی مزاج کی صحت کے لئے جس صبر و تحمل کی ضرورت ہے وہ مفقود ہے، قومی اتحاد کے لئے جس بصیرت و عواقب اندیشی کی ضرورت ہے وہ غیر موجود ہے ملکی استحکام کے لئے جس دانائی و فرزانگی اور سمجھ بوجھ کی ضرورت ہے وہ عنقا ہے، صبح کو

ایک اعلان اور شام کو دوسرا حکم، جس کے معنی یہ ہیں کہ صرف دینی مزاج کا فقدان ہی نہیں بلکہ سیاسی مزاج بھی مفلوج ہو کر رہ گیا ہے، کیا کسی باوقار ملک میں پولیس نے بھی ہڑتال کی ہے؟ جب ذہنی پراگندگی اور انتشار اتنا شدید ہو جائے کہ پولیس والے بھی ہڑتال کرنے لگیں تو ملک کا خدا ہی حافظ ہے، نہ معلوم اس بدنصیب قوم اور اس بدنصیب ملک کا کیا حشر ہوگا، طبیب خود لاعلاج مرض میں مبتلا ہو گیا ہے، علاج کس سے کروائیں، کسی لطیفۂ غیبیہ کا اس ملک میں ظہور ہو تب ہی نجات کی امید ہو سکتی ہے۔

مزید افسوس اس کا ہے کہ اہلِ علم کے مزاج پر بھی سیاست کا اتنا غلبہ ہو گیا ہے کہ ہر بات کو دینی نقطۂ نظر کے بجائے سیاسی انداز سے سوچا جاتا ہے پارٹی کے مفاد کی حیثیت سے غور کیا جاتا ہے جب اربابِ دین کے گھر سے دین رخصت ہوا اور اربابِ علم کے حلقوں سے دین ہجرت کرے اور دین و علم کی جگہ سیاست ہو اور سیاست بھی دینی سیاست نہ ہو تو پھر اللہ تعالیٰ ہی عاقبت بخیر کرے، اہلِ حق میں بھی خیر کا پہلو بہت کم ہوتا جا رہا ہے، مخلصین کے اخلاص کے ساتھ غیر شعوری طور پر اتنی آمیزش ہو جاتی ہے کہ اخلاص کا پتہ چلانا بہت مشکل ہو جاتا ہے، یہ حقیقت اب واضح ہوتی جا رہی ہے کہ سیاسی راستوں سے اس قوم و ملت کی اصلاح نہیں ہو سکتی ویسے بھی حضرت خلیفہ راشد صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کا وہ جملہ مشہور ہے جو اکثر حضرات نے امام مالکؒ کی طرف منسوب کر دیا ہے: لن یصلح آخر ھذہ الأُمّۃ إلا ما أُصلح أولھا کہ امت کے آخری دور کی اصلاح بھی اسی چیز سے ہو گی جس سے پہلے دور کی اصلاح ہوئی تھی، وہ دین اور محض دین ہے، کیا اچھا ہوتا کہ رہنمایانِ قوم تمام کے تمام اپنی پوری طاقت و محنت دعوت الی الخیر اور دعوت الی اللہ پر خرچ کرتے اور کچھ عرصہ پوری توجہ اسی پر ہوتی تو توقع ہو سکتی تھی کہ اس کے مبارک ثمرات امت کے سامنے آتے اور منجدھار میں پھنسی ہوئی کشتی ساحلِ مراد تک پہنچ جاتی اور پھر یہ اصلاح شدہ تزکیہ یافتہ قوم جہاں بھی جاتی راستہ صاف ہو جاتا چاہے وہ اسمبلی ہال میں ہو یا دفتر کی کرسی پر، منصبِ صدارت پر جلوہ افروز ہو یا پولیس کے تھانے میں، الغرض باخدا قوم تیار کرنے پر بڑی محنت کی ضرورت ہے بلاشبہ یہ مرحلہ کٹھن ہے لیکن مایوسی کی کوئی وجہ نہیں ہمت و محنت کی ضرورت

ہے "صبر اگرچہ تلخ است ولے ثمرہ شیریں دارد" ۔

مصلحت دید من آنست کہ یارانِ ہمہ کار　　بگذرانند و خم طرہ یارے گیرند

ابھی یہ موضوع تشنہ ہے اس پر بہت کچھ لکھنے کی ضرورت ہے وباللہ التوفیق.

عائلی قوانین اور اسلام

یہ معلوم ہو کر افسوس ہوا کہ حکومت کی ایک ذمہ دار شخصیت نے یہ اعلان کر دیا کہ عائلی قوانین میں کوئی ترمیم نہ ہوگی اور اسی طرح نافذ رکھا جائے گا، تعجب و حیرت ہے کہ ایک طرف تو یہ دعویٰ بیانگِ دُہل کیا جاتا ہے کہ کتاب وسنت کے خلاف کوئی قانون نہیں بنایا جائے گا اور یہ کہ کتاب وسنت کے مطابق آئین تیار ہوگا اور دوسری طرف عائلی قوانین کو بدستور رکھنے کی خوشخبری سنائی جاتی ہے، یہ تضاد قابلِ حیرت بھی ہے اور قابلِ افسوس بھی ہے، عائلی قانون وہ رسوائے عالم قانون ہے جو قرانِ کریم کی نصوصِ قطعیہ، صریح احادیثِ نبویہ، مذاہبِ اربعہ اہلِ سنت اور مذہب اہلِ شیعہ سب کے مخالف ہے، یہ دورِ ایوبی کا ملعون قانون تھا، جمعیت علماءِ اسلام کے قائد مولانا مفتی محمود نے قومی اسمبلی میں اس کی مؤثر و مدلل تردید فرمائی اور سترہ ترمیمیں پیش کیں اور علمائے امت نے اس کے خلاف آواز اٹھائی اور مستقل رسالے تصنیف کئے اور کوئی شک کسی کو باقی نہ رہا کہ وہ تقریباً سراسر اسلام کے خلاف ہے اور عقل کے بھی خلاف ہے اس خلافِ عقل اور خلافِ نقل رسوائے عالم قانون کے بارے میں یہ اعلان کرنا کتنا حیرت انگیز ہے اور اس قسم کے اعلانات کے ہوتے ہوئے اس اعلان کی کیا وقعت رہ جاتی ہے کہ کتاب وسنت کے خلاف کوئی قانون نہیں بنایا جائے گا، آخر دنیا یہ باور کرنے پر مجبور ہو گی کہ اس قسم کے جتنے اعلانات ہیں سراسر دھوکہ اور خداع ہے اس کی کوئی صحیح حقیقت نہیں گویا صرف نعروں سے قوم کو بہلانے کی کوشش ہو رہی ہے[1] اور یہ پہلے سے پاکستانی

---

[1] صرف اسلامی قانون کے نفاذ کی بات نہیں بلکہ ہر شعبہ میں یہی ریت چل نکلی ہے کہ رہنمایانِ قوم گھسے پٹے خواب آور نعرے لگایا کریں اور نیم مدہوش قوم ان نعروں کی تبلیغ کے لئے دیوانوں کی طرح ہلڑ مچایا کرے اور کسی کے منہ سے سچی بات اگر نکل ہی جائے تو اسے گالیوں سے نوازا جائے، مشرقی بازو کٹ چکا ہے اور مغربی حصہ طوفان کی زد میں ہے مگر قوم کو اس نشہ کی ایسی چاٹ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

سنت چلی آرہی ہے کہ محض عوام کو خوش کرنے کے لئے کچھ نعرے لگائے جائیں، سکندر مرزا کے تعلیمی بورڈ" دورِ ایوبی" کے" ادارہ تحقیقاتِ اسلامیہ" بلکہ قرار دادِ مقاصد کا بنیادی اعلان یہ سب ایک ہی تھیلے کے چٹے بٹے ہیں، اللہ تعالیٰ ہم پر رحم فرمائے اور صالح حکومت کی نعمت نصیب فرمائے آمین۔ یارب العالمین و یا اُرحم الراحمین۔

صفر المظفر ۱۳۹۲ھ ، اپریل ۱۹۷۲ء

(بقیہ حاشیہ ص سے آگے) پڑی ہے کہ چھڑائے نہیں چھٹتی، رہنماؤں کو احساس ہی نہیں کہ اس نشہ کا انجام کیا ہوگا؟ اور عمل کو چھوڑ کر گلیوں بازاروں میں نعرے لگانے والی قوم آخر کتنے دن جئے گی اور اسی کے ساتھ دوسرا نشہ "پارٹی مفاد" کا ہمارے قومی ناخداؤں پر سوار ہے ان کا نظریہ یہ ہے کہ ملک جائے تو جائے مگر پارٹی مفاد پر آنچ نہ آئے حکومت بنے تو ہماری بنے، اور چلے تو ہماری چلے، قوم کو زوال آئے تو آئے مگر پارٹی کی مونچھ نیچی نہ ہونے پائے۔ (مدیر)

عذاب وسزا کے سلسلہ میں قانونِ الٰہی

حق تعالیٰ کا قانون یہ ہے کہ کسی قوم پر جبکہ محض غافل ہو، اچانک کوئی عذاب نازل نہیں فرمایا جاتا بلکہ اسے معمولی تنبیہ اور سرزنش کی جاتی ہے بار بار آگاہ کیا جاتا ہے اس پر بھی جب وہ خواب غفلت سے بیدار نہیں ہوتی تو عذابِ الٰہی اپنی مہیب شکل میں نازل ہو جاتا ہے اور پھر کوئی تدبیر کارگر نہیں ہوتی، پاکستان پر جس عذابِ الٰہی اور غضبِ خداوندی کا ظہور ہوا وہ بھی اچانک نہیں بلکہ رُبع صدی کی طویل مدت میں بار بار خبردار کرنے کے بعد ہوا اور جو کچھ ہوا وہ ہمارے اعمال اور غفلت شعاری کا لازمی نتیجہ تھا:-

((وَمَآ اَصَابَکُمْ مِّنْ مُّصِیْبَۃٍ فَبِمَا	اور تم کو جو کچھ مصیبت پہنچتی ہے تو وہ تمہارے
کَسَبَتْ اَیْدِیْکُمْ وَیَعْفُوْ عَنْ	ہی ہاتھوں کے کئے ہوئے کاموں سے (پہنچتی ہے)
کَثِیْرٍ (الشوریٰ ۳۰)	اور بہت سی تو درگذر ہی کر دیتا ہے (بیان القرآن)

لیکن سب سے بڑا عذاب یہ ہے کہ عذاب نازل ہو اور عذاب کا احساس نہ ہو، جب دلوں کی قساوت اس خطرناک حالت تک پہنچ جاتی ہے تو اس کے نتائج بے انتہا دردناک ہوتے ہیں، پاکستان پر اتنا بڑا تاریخی حادثۂ کبریٰ نازل ہوا جس کی کوئی مثال اسلامی تاریخ میں نہیں ملتی اور ابھی تک یہ ملک موت و حیات کی کش مکش میں ہے لیکن افسوس صد افسوس کہ تمام قوم جہاں تھی وہیں کی وہیں ہے نہ اپنے اعمال پر ندامت، نہ توبہ، نہ استغفار، نہ اصلاحِ اخلاق و کردار کی فکر، جاہ پسندی و خود غرضی کے وہی مظاہرے بے حمیتی و بے حیائی کے وہی مناظر، اخلاق و اعمال کی وہی گراوٹ انتشار و خلفشار کے وہی ہنگامے بدعملی و بدکرداری کے وہی روح فرسا مظاہر۔ مسجدیں ویران اور عشرت کدے آباد۔ إنا لله وإنا إليه راجعون۔

پاکستان کی تعمیر کے لئے مؤثر اقدامات

موجودہ حکومت نے بار بار اعلان کیا ہے کہ وہ پاکستان کی نئی تعمیر کرے گی، اب

تک جتنے آئے دعویٰ ان کا بھی ملک کے استحکام و تعمیر ہی کا تھا مگر ان کے عمل سے وہ کچھ رونما ہوا جو آج دنیا کے سامنے ہے، اس لئے ضروری ہے کہ آئندہ ہر قدم نہایت دانشمندی، خلوص اور حزم و احتیاط کے ساتھ اٹھایا جائے، آئندہ تعمیری پروگرام کے دو شعبے ہو سکتے ہیں اور دونوں میں مؤثر اقدامات کی ضرورت ہے، ظاہری تعمیر، باطنی تعمیر، مثلاً ظاہری تعمیر کے لئے یہ کہ:

۱۔ ملک کے تمام صوبوں کے عوام کو اعتماد میں لیا جائے، ان میں باہمی تعاون، یکجہتی اور ایثار و ہمدردی کی فضا پیدا کی جائے اور ان کے جمہوری حقوق بحال کئے جائیں مگر اس سلسلہ میں گذشتہ حکومتوں کی طرح محض طفل تسلیوں سے گریز کیا جائے۔

۲۔ مارشل لاء کو دفن کر کے ایک عبوری آئین کے تحت قومی اسمبلی کا اجلاس بلایا جائے اور قومی اہمیت کے مسائل میں قومی اسمبلی کو فیصلہ کرنے کا موقع دیا جائے۔

۳۔ صوبوں میں جو نمائندہ حکومتیں تشکیل دی جائیں انہیں مناسب حدود کے اندر وسیع اختیارات دیئے جائیں مگر ساتھ ہی شر پسندوں پر کڑی نظر رکھی جائے۔

۴۔ بھارت اور اس کی ہمنوا سازشی طاقتیں مشرقی پاکستان کو ہڑپ کرنے کے بعد بھی سیر نہیں ہوئی ہیں بلکہ اب ان کی پروپیگنڈا مشینری اور نشری ادارے، مغربی پاکستان میں صوبائی عصبیت اور منافرت پھیلانے میں مصروف ہیں اور بدقسمتی سے انہیں اس کے لئے مناسب فضا میسر آگئی ہے اس لئے یہ مسئلہ سب سے اہم اور فوری توجہ کا مستحق ہے کہ اعدائے اسلام کی اندرونی اور بیرونی ریشہ دوانیوں کا دفاع کس طرح کیا جائے؟ یہ کام نہ مارشل لاء کے ڈنڈے سے ہو سکتا ہے، نہ خالی تقریروں، وعدوں اور دھمکیوں سے بلکہ اس کے لئے ضروری ہے کہ ملک کے ہر فرد کو امن و انصاف میسر ہو، اندرونی طور پر کسی کو کسی سے شکایت نہ ہو اور پاکستان کا ہر شہری یہ محسوس کر سکے کہ اس ملک میں اس کے حقوق محفوظ ہیں، الغرض جب تک ملک اندرونی طور پر مستحکم نہیں ہوگا اور یہاں کا ایک ایک فرد پورے خلوص اور اطمینان کے ساتھ حکومت کی پشت پر نہیں ہوگا اس وقت تک اعداءِ اسلام کو اپنی زبوں حرکتوں کا موقع ملتا رہے گا۔

۵۔ پاکستان اس وقت مالی اعتبار سے جس قدر کمزور ہے اس کا اظہار صدرِ مملکت کی زبان سے کئی بار ہو چکا ہے، ظاہر ہے کہ اس صورت میں یہ مظلوم ملک اور اس کے غریب شہری، نہ سرکاری شعبے میں شاہ خرچی کے متحمل ہیں، نہ بڑے لوگوں کی عیش کوشی کو برداشت کر سکتے ہیں اس کے سدِ باب کے لئے اوپر سے نیچے تک اصلاح ناگزیر ہے مثلاً:۔

★ بڑے افسروں کی تنخواہوں میں تخفیف، اور زیادہ سے زیادہ تنخواہ کا منصفانہ معیار قائم کرنا ہوگا۔

★ سرکاری وغیر سرکاری شعبوں میں تمام غیر ضروری اخراجات بند کرنے ہوں گے۔

★ شاہانہ دعوتوں، ضیافتوں اور پارٹیوں کا سلسلہ ختم کرنا ہوگا۔

★ پوری قوم کو کفایت شعاری اور پس اندازی کا خوگر بنانا اور اس کے لئے بڑے لوگوں کو قابلِ تقلید نمونہ پیش کرنا ہوگا۔

★ تمام غیر ضروری اشیاء کی درآمد بند کرکے صرف بنیادی ضرورت کی چیزیں منگوانی ہوں گی۔

★ اندرون ملک بے فائدہ اور لایعنی صنعتوں پر جو روپیہ صرف ہو رہا ہے، مثلاً فلم سازی وغیرہ اسے کسی مفید صنعت میں لگانا ہوگا۔

الغرض ملکی معیشت کے استحکام کے لئے صرف وعظ و تلقین کافی نہیں بلکہ ٹھوس اقدامات کی ضرورت ہے، سوچنے کی بات ہے کہ وہ مفلوج قوم جس کا نصف حصہ شل ہو گیا ہو اور باقی نصف ضعف و اضمحلال کا شکار ہو جس کا خزانہ خالی ہو اور جو موت و زیست کی آخری جنگ لڑ رہی ہو اس کے "بڑوں" کا سالگرہیں منانا، ضیافتیں اڑانا اور دادِ عیش دینا کتنا عجیب لگتا ہے؟

پاکستان کی باطنی تعمیر کے لئے اہم نکات

۱۔ ملک میں بلا تاخیر اسلامی آئین کا نفاذ کیا جائے اور موجودہ لادینی قوانین کے بجائے کتاب و سنت کا قانون رائج کیا جائے۔

۲۔ سود، جوا، شراب اور تمام محرمات سے معاشرے کو پاک کیا جائے اور ان جرائم کے ارتکاب کرنے والوں پر شرعی تعزیرات عائد کی جائیں اور ملک میں غیر سودی نظامِ معیشت جاری کیا جائے۔

۳۔ اخلاقی اصلاح کے لئے عریانی و بے حجابی، مخلوط تعلیم، مرد و زن کے بے محابا اختلاط اور فحاشی و عیاشی کے اڈوں کا قلع قمع کیا جائے جو حقائق اب تک سامنے آئے ہیں ان کے مطابق حالیہ شرمناک شکست کا سب سے بڑا سبب ہمارے سابق آمر اور اس کے حواریوں کی عیاشی و فحاشی اور شراب نوشی و بدکاری تھی۔

۴۔ پوری قوم سے صورت و سیرت کی اصلاح اور نماز روزہ وغیرہ دینی شعائر کی پابندی کرائی جائے اور ایک خدا ترس معاشرہ وجود میں لانے کے لئے مناسب تدابیر کی جائیں اور اس کے لئے ملک میں ایک مستقل محکمہ "امورِ شرعیہ" قائم کیا جائے۔

۵۔ قوم کی اصلاح کے لئے علماءِ کرام کی موجودہ کوششوں کو کافی نہ سمجھا جائے بلکہ دعوت و اصلاح کے مؤثر نظام کے ذریعہ اس ڈوبتی ہوئی قوم کو بچانے کی ہر ممکن تدبیر کی جائے

آج کل اگر کوئی تدبیر کی بھی جاتی ہے تو صرف "ظاہری اصلاح" کی، باطنی اصلاح کی طرف کسی کی توجہ نہیں حالانکہ ظاہری اصلاح محض ڈھانچہ اور جسم ہے اور باطنی اصلاح مغز اور روح، جسم خواہ کتنا ہی قوی اور حسین ہو جب تک اس میں روح نہ ہو مُردہ ہے، حق تعالیٰ کی رحمت کا نزول اور برکات کا ظہور اسی اصلاحِ روح پر موقوف ہے۔

بہر حال جو سانحہ پیش آچکا ہے اس سے عبرت حاصل کرنا اور مستقبل کی تعمیر میں ماضی کی غلطیوں سے سبق حاصل کرنا وقت کا شدید تقاضا ہے، اگر ہم اسی لیت و لعل میں رہے اور کوئی مؤثر قدم نہ اٹھایا تو وقت ہمیں زیادہ مہلت نہیں دے گا، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ کی طرف سے آخری تنبیہ ہو گئی اگر قوم اب بھی خوابِ غفلت سے بیدار نہ ہوئی تو حق تعالیٰ کا قانونِ مکافات پھر حرکت میں آئے گا اور اس کا انجام نہایت دردناک اور حیرت ناک تباہی ہو گا، معاذ اللہ

بلاشبہ اعداءِ اسلام، برطانیہ، امریکہ اور روس نہ کسی صحیح اسلامی حکومت کو برداشت

کرسکتے ہیں نہ صالح معاشرہ کی تشکیل ان کو بھاتی ہے، انہوں نے اسلامی ملکوں کو اتنا اپاہج اور کمزور کر رکھا ہے کہ کوئی اسلامی ملک ان کے اشارے کے بغیر حرکت نہیں کرسکتا، مگر صالح قیادت کی دانشمندی یہ ہے کہ ان متلاطم موجوں سے گذر کر اس ٹوٹے ہوئے سفینۂ ملک کو ساحل پر پہنچایا جائے اور ﴿الا ان تتقوا منهم تقاة﴾ کو چراغ راہ بنایا جائے۔

اسلامی ممالک میں پاکستان ہی ایک ایسا ملک تھا جس میں بظاہر کچھ جان تھی جس سے اسلامی ملکوں کا وقار قائم تھا اور جس سے اسلامی بلاک اور اسلام کی نشأۃ ثانیہ کی توقعات وابستہ کی جاسکتی تھیں، مگر بین الاقوامی سازشش نے اپنوں کی غداریوں اور حکمرانوں کی حماقتوں کے ذریعہ اس پر ایسی ضرب لگائی جس سے پورے عالم اسلام کی کمر ٹوٹ گئی، موجودہ صورت حال اتنی نازک ہے کہ اگر فوری طور پر اصلاح کی کوشش نہ کی گئی تو سامراجی طاقتیں اسے ایک اور دھکے سے صفحۂ وجود سے مٹانے کی کوشش کریں گی، اس لئے ایک لمحہ ضائع کئے بغیر جلد سے جلد ظاہری و باطنی تعمیر پوری قوت، دانائی اور صبر و ہمت سے شروع کر دینی ضروری ہے۔

اللہ تعالیٰ ہماری لغزشیں معاف فرمائیں اور ہر قدم پر ہماری رہنمائی فرمائیں اور اس ملک کی حفاظت فرمائیں۔

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ صفوۃ البریۃ محمد و علیٰ آلہ و أصحابہ و أتباعہ أجمعین۔

محرم الحرام ۱۳۹۲ھ، مارچ ۱۹۷۲ء

دینِ اسلام سے انحراف اور اس کی سزا

((اِنّ الدین عند اللہ الاسلام))

اسلام خدا تعالیٰ کا آخری آسمانی دینِ رحمت ہے جو پوری انسانیت کی دنیوی و اخروی فلاح و کامیابی کے لئے نازل کیا گیا جو شخص اسلام اور اسلامی تعلیمات کو اپنائے گا وہ دنیا و آخرت میں سرخ رو ہوگا اور جو شخص اس سے انحراف کر کے کسی اور طرف دیکھے گا وہ دنیا میں ذلیل و خوار اور آخرت میں خائب و خاسر ہوگا، اسی انحراف کے نتیجہ میں ۲۸ سال سے ہمارا ملک آفات کا تختۂ مشق بنا ہوا ہے مگر صد حیف کہ تباہ کن آفتوں، سیلابوں، زلزلوں اور جھٹکوں سے بھی نہ ہمارے ارباب اختیار کو کوئی عبرت ہوتی ہے نہ عام لوگوں کو ہوش آتا ہے، مقتدر طبقہ کی کچھ عادت سی ہو گئی ہے کہ اٹھتے بیٹھتے وہ سوشلزم وغیرہ کے غلط اور لادینی نعرے لگاتے رہتے ہیں اور ملک میں اسلام کش تحریکیں چل رہی ہیں مگر انہیں کوئی پرواہ نہیں، اگر کوئی شخص یہ کہے کہ معاذ اللہ اسلامی عقائد و عبادات نامکمل ہیں اور ان کی تکمیل کے لئے یہودیت، عیسائیت یا ہندو مذہب کی پیوندکاری کی ضرورت ہے تو کیا وہ مسلمان ہوگا؟ اسی طرح جو شخص یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اسلام کے ہوتے ہوئے سوشلزم یا کسی اور نظریۂ حیات کی ضرورت ہے یا اسلام کے معاشی نظام میں سوشلسٹ نظریات کو سمونے کی حاجت ہے یا اسلام کو زمانے کے مطابق ڈھالنے کی احتیاج ہے وہ درحقیقت اسلام کی صداقت اور اس کے دین خداوندی ہونے کی نفی کرتا ہے اس سے بڑھ کر افسوس کی بات یہ ہے کہ جو حضرات کل بڑی شد و مد سے سوشلزم کو کفر قرار دیتے تھے وہ آج "سکوتِ مصلحت آمیز" کی چادر تانے آرام سے سو رہے ہیں اگر پاکستان کو تباہی و بربادی، ذلت و رسوائی اور خدا تعالیٰ کے قہر و غضب سے بچانا ہے تو خدا کے لئے ان لوگوں کو باز رکھو جو خدا تعالےٰ کے دین کی مخالفت کر کے قہرِ الٰہی کو دعوت دے رہے ہیں یہاں ہم عبرت و موعظت کے لئے ایک معروف عالمِ دین کا وہ خط درج کرتے ہیں جو بینات رجب ۸۹ھ، میں پانچ سال قبل شائع ہوا تھا۔

۲۳ جولائی ۱۹۶۹ء

محترم گرامی قدر جناب محمد حسین صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ مشرقی پاکستان کے پندرہ روزہ دورے سے واپسی پر آپ کا ملفوف مراسلہ اور اشتہار دونوں میری نظر سے گذرے، اسی قسم کے کچھ اور خطوط بھی اس سے پہلے مجھے موصول ہوئے تھے جن میں معاندانہ اور مفسدانہ انداز اختیار کیا گیا تھا اس لئے میں نے ان کو قابلِ خطاب نہیں سمجھا اور خاموشی اختیار کی، لیکن آپ کی تحریر سے اخلاص اور ادب کا اندازہ کر کے میں نے مناسب سمجھا کہ آپ کو صورت حال سے مطلع کر دوں۔

اشتہار کے صفحہ ۳ و صفحہ ۴ پر جو عبارتیں نقل کی گئی ہیں ان میں سے صفحہ ۴ کی عبارت کا تعلق مفتی محمد شفیع صاحب سے ہے اور میرے افکار و خیالات کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے البتہ صفحہ ۳ پر جو عبارت نقل کی گئی ہے وہ "اخبار جہاں" کے انٹرویو کا اقتباس ہے جس میں الفاظ اور عبارت انٹرویو کے ترتیب دینے والے صاحب کے ہیں اور مفہوم تقریباً میرا ہے، الفاظ اور عبارت سے عام تاثر یہ ہوتا ہے کہ میں نے تحریکِ پاکستان سے اختلاف رکھنے والوں کو پاکستان دشمن قرار دیا، جبکہ ان میں حضرت مدنیؒ جیسے اکابرِ اُمت بھی شامل تھے اور دوسرا تاثر یہ ہوتا ہے کہ میں اس مبینہ اختلاف کو آڑ بنا کر جمعیت علماءِ اسلام مغربی پاکستان کی مخالفت کرنا چاہتا ہوں حالانکہ یہ دونوں تاثرات نہ صرف یہ کہ بے اصل اور بے سروپا ہیں بلکہ میری اپنی اُفتادِ طبع کے بھی خلاف ہیں اور اس عظمت و احترام کے بھی منافی ہیں جو تحریکِ پاکستان کے مسئلہ میں اختلاف کے باوجود ان اکابرِ ملت کے لئے میرے دل میں ہمیشہ سے ہے۔

"اخبارِ جہاں" کے انٹرویو کی صورت یہ ہوئی کہ ۱۲ جون بروز جمعرات صبح دس بجے اسلامیہ کالج کراچی میں طلبہ کی جانب سے سیرۃ النبیؐ کا ایک جلسہ تھا اور یہ تاریخ ایک ہفتہ پہلے میری ڈائری میں درج تھی، ۱۱ جون بروز بدھ صرف ایک روز پہلے "اخبارِ جہاں" کے دفتر سے فون آیا کہ اس کے نمائندے کل صبح انٹرویو لینے کے لئے آنا چاہتے ہیں، میں نے ڈائری کا پروگرام دیکھ کر بتایا کہ دس بجے مجھے اسلامیہ کالج کے جلسہ میں جانا ہے اگر آپ آنا چاہیں تو ۹ بجے صبح آجائیں لیکن "اخبارِ جہاں" کے نمائندے ساڑھے نو بجے کے بعد میرے پاس پہنچے، انٹرویو دیتے ہوئے پندرہ بیس منٹ ہی

گذرے تھے کہ اسلامیہ کالج کے طلبہ مجھے لینے کے لئے آئے، میں نے "اخبار جہاں" کے نمائندے سے معذرت کی کہ کسی دوسرے وقت آپ تشریف لائیں انٹرویو کا باقی حصّہ میں مکمل کرا دوں گا مگر وہ نہیں مانے اور کہنے لگے کہ آپ میرے چند سوالات کے جوابات ہاں یا نہیں میں مختصراً دے دیجئے میں انہیں اپنے الفاظ میں پھیلا کر لکھ لوں گا، چنانچہ ان سوالات میں سے ایک سوال یہ بھی تھا کہ جمعیت علماءِ اسلام مغربی پاکستان کے موجودہ عہدے دار کیا پاکستان کی تحریک میں شامل تھے، میں نے جواب دیا، نہیں، بلکہ ان حضرات کو تحریکِ پاکستان سے اختلاف تھا اور اسی اختلاف کی بناپر مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ نے جمعیت علماءِ اسلام کی تشکیل فرمائی تھی، دوسرا سوال یہ تھا: کیا مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کے ساتھی رفقاء کی یہ ذمہ داری نہیں ہے کہ وہ میدان میں آکر نظریۂ پاکستان کی حفاظت کریں میں نے جواب دیا بے شک یہ رفقاء اور مولانا ظفر احمد عثمانیؒ جو مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے قریبی اور ہمعصر ساتھی ہیں انہیں اس میں پہل کرنی چاہیئے، یہ وہ مجمل جوابات ہیں جن کا پھیلاؤ انٹرویو ترتیب دینے والے صاحب نے اپنے الفاظ اور اپنی عبارت میں کیا، غاصبانہ قبضہ، کانگریسی علماء، پاکستان دشمن وغیرہ جیسے الفاظ بائیس سال کے عرصہ میں کبھی کسی نے میری زبان سے نہ سنے ہوں گے اور نہ میں ایسی تلخ گوئی کا عادی ہوں۔

تحریکِ پاکستان سے اختلاف کی وضاحت چاند کے مسئلہ میں نظر بندی کے بعد لاہور کے استقبالیہ کی تقریر میں کر چکا ہوں جس کی صدارت استاذ العلماء حضرت مولانا رسول خاں صاحب نے کی تھی اور اس میں مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ صاحب بھی شریک تھے، اسی طرح کی وضاحت دو سال پہلے ڈیرہ غازی خاں کی ایک تقریر میں بھی کر چکا ہوں جس کی بناپر حضرت مدنیؒ کے بعض متوسلین نے یہ خیال ظاہر کیا تھا کہ میں اپنے خیالاتِ ضبطِ تحریر میں لا کر شائع کرا دوں، کانگریسی علماء اور قبضہ غاصبانہ الفاظ بھی میرے نہیں ہیں بلکہ مفہوم میرا ہے یعنی یہ کہ یہ حضرات تحریکِ پاکستان سے اختلاف رکھتے تھے پھر پاکستان بننے کے بعد ان حضرات نے جمعیت علماءِ اسلام کی تنظیم کو اپنا لیا ہے۔

جمعیت علماءِ اسلام کے اجلاس منعقدہ ملتان میں اس امر کا اعلان کیا گیا تھا کہ اب پاکستان بن جانے کے بعد اسلامی خطوط پر اس کی تعمیر کا مسئلہ ہے لہٰذا کانگریسی اور غیر کانگریسی کا امتیاز ختم کر دینا چاہیئے، حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوریؒ نے مجھے جمعیت علمائے اسلام کا ناظمِ اعلیٰ

مقرر فرمایا تھا مگر میں نے بچند وجوہ کنارہ کشی کا فیصلہ کر لیا تھا اس لئے بار بار اصرار کے باوجود میں نے مولانا احمد علی صاحب لاہوریؒ سے معذرت ظاہر کر کے معافی مانگ لی تھی، اگر کانگریسی اور غیر کانگریسی کی تفریق میرے گوشۂ خیال میں ہوتی تو دستوری نکات ترتیب دینے کے سلسلہ میں ہر مکتبِ فکر کے علماء کے اجتماع میں مولانا احمد علی صاحب لاہوریؒ اور مولانا محمد علی صاحب جالندھری مولانا محمد یوسف صاحب بنوریؒ اور مولانا مودودیؒ صاحب کو کیوں شریک کرتا، وہ اجتماع میری رائے سے ہوا تھا جس کا مطلب یہ ہے کہ تعمیرِ پاکستان کے مسئلہ میں کانگریسی اور غیر کانگریسی کا امتیاز کبھی میرے وہم و گمان میں بھی نہیں رہا۔

سابق صدر ایوب خان نے اپنی خانہ ساز کتاب میں پاکستان کی مخالفت کے سلسلہ میں جن کانگریسی علماء کا اور مولانا مودودی صاحب کا تذکرہ کیا ہے وہ بھی میری نظر میں خلافِ واقعہ اور بے بنیاد ہے جس کا اظہار میں نے بارہا اپنی تقریروں میں کیا ہے کیونکہ کانگریسی علماء کا اختلاف جس فارمولے پر مبنی تھا وہ مسلمانوں کے مستقبل کے اعتبار سے مخلصانہ اور ان کے نقطۂ نظر سے نیک نیتی سے متعلق تھا اور مولانا مودودی صاحب نے تحریکِ پاکستان کی جس قیادت پر عدمِ اعتماد کا اظہار کیا تھا وہ بھی کچھ زیادہ غیر واقعی نہ تھا اور اگر پاکستان قرآن و سنت کی حکومت قائم کرنے میں کامیاب نہ ہو تو تحریکِ پاکستان سے اختلاف کے اسباب اور وجوہ غلط نہیں قرار دیئے جا سکتے، اگر اسلامی حکومت کے نصب العین میں پاکستان کامیاب ہو جاتا ہے تو تحریکِ پاکستان سے متعلق تمام اختلافات کو بے بنیاد، غیر صحیح اور توہمات کا درجہ دیا جا سکتا ہے، پھر غاصبانہ کا الزام میری طرف سے اس وقت صحیح ہوتا جب میں جمعیت علماءِ اسلام کا دعویدار ہوتا، مولانا احمد علی صاحب لاہوریؒ نے وصال سے کچھ روز قبل علالت کی حالت میں عمرہ کے لئے جاتے ہوئے غریب خانے پر تشریف لا کر فرمایا تھا کہ میری انتہائی خواہش ہے کہ آپ جمعیت علماءِ اسلام کو سنبھالیں میں نے اس وقت غایتِ ادب سے عرض کیا تھا جی بہتر ہے۔

پھر مولانا غلام غوث ہزاروی اور مفتی محمود صاحب دونوں حضرات نے مولانا عبداللہ درخواستی صاحب کا استخارہ بیان کرتے ہوئے مجھے جمعیت علمائے اسلام کے لئے فرمایا میں نے معذرت پیش کر دی تو ایسی صورت میں میری طرف سے قبضۂ غاصبانہ کا الزام دینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

"مجھے نہ کانگریسی علماء سے اختلاف ہے اور نہ جمعیت علماء اسلام کی موجودہ قیادت سے بلکہ اصل اختلاف اس عالمگیر اور اسلام کش فتنہ سے ہے جو کمیونزم اور سوشلزم کے نام سے ہمارے ملک میں سر اٹھا رہا ہے اور . . . . . . کے پلیٹ فارم سے یا اس کے اخبار . . . . سے اسلامی سوشلزم کی پر فریب مگر مہلک اصطلاح اختیار کر کے اس فتنہ کی حمایت کی جا رہی ہے جہاں جہاں اسلام پسند طبقوں نے اس طرح کا دھوکا کھایا ہے آج وہاں نہ وہ اسلام پسند موجود ہیں اور نہ وہاں اللہ کا نام لینے والا کوئی باقی ہے، اینگلو امریکی سامراج کے لائے ہوئے سرمایہ دارانہ نظام کی مخالفت اور معاشی انصاف اور عدلِ عمرانی کے قیام کے لئے اسلام کا لفظ اختیار کرنا کافی ووافی ہے، اگر اس پُرفریب اصطلاح سے کلی طور پر اجتناب نہ کیا گیا تو اندیشہ ہے کہ ملحد و بے دین طبقہ اسلام کی آڑ لے کر ماڈرن سے تنگ کا لادینی نظام قائم کر لے گا، ہماری نظر میں یہ مسئلہ صرف پاکستان ہی کی موت و زیست کا مسئلہ نہیں ہے بلکہ اس ملک میں اسلام کی بقا اور عدمِ بقا کا مسئلہ بھی ہے اس لئے سوشلزم اور اسلامی سوشلزم کی مخالفت ہمارا ایمان ہے اور جس طرح سرمایہ دارانہ نظام کے خلاف جہاد کرنا فرض ہے اسی طرح سوشلزم اور اسلامی سوشلزم کے خلاف جہاد کرنا بھی وقت کا سب سے بڑا فریضہ ہے اس فتنہ کی سرپرستی خواہ کوئی فرد کرے یا کوئی جماعت اور گروہ، دیوبندی بریلوی شیعہ سنی اور اہلِ حدیث سب کو مل کر اس لادینی فتنہ کی مخالفت اور اس کے خلاف جہاد کرنا ناگزیر اور ضروری ہے۔"

شعبان ۱۳۹۵ھ، ستمبر ۱۹۷۵ء

مسلمانوں کی موجودہ پستی اور اس کا علاج

"رباط کانفرنس" سے دنیا بھر کے مسلمانوں کو یہ توقع تھی کہ عالمِ اسلام کے معزز سربراہ ارضِ مقدس فلسطین اور مسجدِ اقصیٰ کو اسرائیل کے پنجۂ استبداد سے واگذار کرانے کے لئے اہم ترین فیصلے کریں گے، اس سے ایک نئی تاریخ ابھرے گی اور عالمی سیاست کے دھارے بدل جائیں گے، لیکن افسوس کہ یہ توقع پوری نہ ہو سکی اور مغصوبہ عرب علاقے اسرائیلی جارحیت کے پنجۂ استبداد میں بدستور سسکتے تڑپتے رہ گئے، علاج صرف ایک ہے کہ اسلامی ممالک مغربی یا اشتراکی بلاک سے انصاف کی امید نہ رکھیں، اقوامِ متحدہ کے دروازوں پر دستک دینا چھوڑ دیں، اپنے متحدہ وسائل جمع کریں اور اللہ کی ذات کے بھروسے پر "اسلامی جہاد" کا اعلان کریں، سعودی سفیر برائے پاکستان جناب محمد عبداللہ المطلق کی خواہش پر جس کا اظہار موصوف نے ایک ملاقات میں کیا تھا راقم الحروف نے شرکاءِ کانفرنس کے نام جو پیغام بھیجا تھا اس میں عالمِ اسلام کے سربراہوں کی خدمت میں یہ گذارش کی گئی تھی کہ آج کا مرض کیا ہے اس کا علاج کیا ہونا چاہئے، پیغام کا مضمون یہ تھا:۔

"دعوت و تبلیغ کی ناکامی کے بعد صرف "جہاد" ہی اصلاحِ امت کا واحد راستہ ہے، وہ جہاد جس کا مقصد تمام سیاسی و مادی اغراض سے ہٹ کر محض اعلاءِ کلمۃ اللہ ہو، مسلمانوں کی موجودہ ذلت و نکبت کا سب سے بڑا سبب اسلامی جہاد کا ترک کرنا ہے فلسطین کا غصب، بیت المقدس کا سقوط، مسجدِ اقصیٰ کی آتشزدگی اور تمام اسلامی آثار کو مٹا ڈالنے کے ناپاک صہیونی عزائم اسلام کے لئے ایسا دردناک حادثہ ہے جسے مسلمانوں کے عرقِ خجالت سے لکھا جانا چاہئے، یہود جیسی ملعون قوم کا یہ جبری اقتدار ہماری شامتِ اعمال کی بدلی ہوئی شکل ہے اور اس صورتِ حال کے بنیادی سبب دو ہیں:۔

(۱) مسلمانوں کا اسلام دشمن طاقتوں پر اعتماد کرنا ان ہی سے اپنی مشکلات کے حل کی توقع رکھنا اور ان کے وعدوں کو صحیح سمجھنا، یہی وہ بنیادی غلطی ہے جس نے عالمِ اسلام کے لئے گوناگوں مسائل کو جنم دیا۔

(۲) مسلمانوں میں راحت پسندی، عیش پرستی اور جدید تمدن کی وجہ سے دنیا کی محبت اور موت سے نفرت جاگزین ہو گئی ہے: اسی کو حدیث نبوی میں "وھن" (دوں ہمتی) سے تعبیر کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ اس کی وجہ سے کثرتِ تعداد کے باوجود مسلمان خس و خاشاک کی طرح ہوں گے جسے سیلاب کا معمولی ریلا بہالے جاتا ہے مسلمانوں کو کبھی عدد وعُدّہ (تعداد اور سامان) کی کثرت سے کامیابی نہیں ہوئی، ان کی کامیابی کا ایک ہی طے شدہ اصول ہے اور وہ یہ ہے:-

((إِن يَنصُرْكُمُ اللَّهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ وَإِن يَخْذُلْكُمْ فَمَن ذَا الَّذِي يَنصُرُكُم مِّن بَعْدِهِ وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ))

اگر اللہ تمہاری مدد کرے تو تم پر کوئی غالب نہیں آسکتا اور اگر وہ تمہاری مدد سے ہاتھ کھینچ لے تو اس کے بعد کون ہے جو تمہاری مدد کو آئے؟ اور اہلِ ایمان کو لازم ہے کہ وہ صرف اللہ کی ذات پر بھروسہ کریں۔

ہماری تمام مشکلات کا صحیح حل یہ ہے کہ ہم راحت طلبی اور تن آسانی اور تشتت و افتراق کی فضا ختم کریں، عالم اسلام کی مجلسِ متحدہ قائم کریں، اسلام دشمن طاقتوں سے کٹ کر صرف حق تعالٰے کی ذات پر اعتماد کریں اور کفر کے مقابلہ میں بنیانِ مرصوص بن کر اعلاءِ کلمۃ اللہ کے لئے سر سے کفن باندھ کر میدانِ جہاد میں کود جائیں: حق تعالٰے کا ارشاد ہے:-

((إِن تَنصُرُوا اللَّهَ يَنصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ أَقْدَامَكُمْ))

اگر تم اللہ کی مدد کے لئے نکلو گے تو اللہ تمہاری مدد کے لئے نکلے گا اور تمہیں ثابت قدم رکھے گا۔"

مقامِ شکر ہے کہ علمائے حرمین نے جہاد کا فتوٰی دیا ہے اور سعودی عرب کے فرمانروا شاہ فیصل بن عبدالعزیز اور ان کے تمام امراء وزراء، اعیان واکابر اور مشاہیر اہلِ قلم نے اعلانِ جہاد کر دیا ہے، ان کی تمام تقریریں سعودی عرب کے اخبارات اور مجلہ "المنہل" میں شائع ہو چکی ہیں لیکن ضرورت اس بات کی ہے کہ اعلان سے آگے بڑھ کر کوئی عملی قدم اٹھایا جائے اور ارضِ مقدس کو یہودی نجاست سے پاک کر دیا جائے۔

کفر اور امنِ عالم

احمد آباد اور جنوبی ہند کے بعض دوسرے شہروں میں مسلمانوں کی جان و مال اور عزت و آبرو کو جس درندگی، بربریت اور قساوت سے تباہ و برباد کیا گیا ہے اور جس کا سلسلہ ابھی تک جاری ہے وہ بھارتی حکومت کے مکروہ چہرے پر کلنک کا ٹیکہ ہے: "گاندھی ازم" کے پجاریوں نے عقل و انصاف اور شرافت و انسانیت کے سارے تقاضوں کو پسِ پشت ڈال رکھا ہے، بائیس سال سے مسلسل یہی ہوتا چلا آیا ہے کہ نہتے مسلمانوں کو "فسادات" کا نام دے کر بے دریغ قتل کیا جاتا ہے اور پھر بھارتی حکومت نہ صرف یہ کہ ان مفسدوں کے خلاف کوئی اقدام نہیں کرتی بلکہ یہ سارا قصہ یہ کہہ کر لپیٹ دیا جاتا ہے کہ "یہ فسادات پاکستان کی سازشش سے ہوئے"۔ پاکستان اگر ایسا ہی سازشی ہے تو سوال یہ ہے کہ وہ اپنے ملک کی غیر مسلم اقلیتوں کی عزت و ناموس کی حفاظت کیوں کرتا ہے؟ دراصل یہ بھارتی مسلمانوں کو صرف ان کے "مسلمان" ہونے کی سزا دی جارہی ہے اور ہمیں خوب معلوم ہے کہ "کفر" ہمیشہ تنگ نظر، سفاک اور ظالم رہا ہے، "گاندھی ازم" کے پرستاروں نے بھارت میں جو خونی ڈرامہ کھیلا، یورپ و امریکہ کے مہذب درندوں نے ویٹ نام وغیرہ میں جو کچھ کیا اور سوشلزم کے نقیبوں نے سمرقند و بخارا اور دوسرے سوشلسٹ ممالک میں جو کارنامے انجام دئے یہ "کفر" کی طبعی افتاد ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ "کفر" کے پاس امنِ عالم اور انسانی سلامتی کے لئے کچھ نہیں صرف اسلام ہی وہ مذہب ہے جو عالم کے لئے پیغامِ رحمت اور انسانیت کے لئے مژدۂ امن و سلامتی ہے، چنانچہ پاکستان میں تمام غیر مسلم اقلیتوں کا نہ صرف جان و مال محفوظ ہے بلکہ ان کی مادی ترقی اور آسودہ حالی قابلِ دید ہے اور تقریباً یہی حال تمام ممالکِ اسلامیہ کی غیر مسلم اقلیتوں کا ہے، وہ کفر تھا اور یہ اسلام ہے ع ببیں تفاوتِ رہ از کجا است تا بکجا

جمعیۃ علماءِ اسلام اور اس کا منشور

جمعیت علمائے اسلام کی مرکزی مجلس عمومی نے اپنے اجلاس منعقدہ ۲۸ ستمبر ۱۹۶۹ء (بمقام سرگودھا) میں اتفاق رائے سے جمعیت کا جو منشور منظور کیا ہے اس کا خلاصہ اخبارات میں اور پورا متن ہفت روزہ "ترجمانِ اسلام" (۱۰ اکتوبر ۶۹ء) میں شائع ہو چکا ہے اجلاس میں

پاکستان کے دونوں حصوں سے ممتاز شخصیتیں شامل ہوئیں جن میں اکثریت علماءِ کرام کی تھی۔

منشور کی دفعات وعنوانات میں بڑی حد تک جامعیت کو ملحوظ رکھنے کی کوشش کی گئی ہے، نظامِ حکومت کی توضیح پر ۱۴ دفعات ہیں، ۷ دفعات محکمۂ "احتسابِ شرعی" کے قیام اور اس کے فرائض کی تعیین پر ہیں، تعلیم کے ۲۶ نکات میں قریب قریب وہ تمام تجاویز آگئی ہیں جو نئی تعلیمی پالیسی کے سلسلہ میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب اور راقم الحروف کے زیر انتظام کراچی کے علماء کی "تعلیمی جائزہ کمیٹی" نے متفقہ طور پر پیش کی تھیں، معاش واقتصاد اور تجارت سے متعلقہ نکات میں اعتدال پسندی سے کام لیا گیا ہے، صنعتوں اور کارخانوں کے سلسلہ میں موجودہ فتنوں کے پیش نظر جدید مشکلات کی رعایت کی گئی ہے زراعتی پالیسی پر ۱۷ دفعات ہیں، مسئلہ "مزارعت" میں صاحبینؒ کے مفتیٰ بہ قول کو لیا گیا ہے اور ناگزیر حالات میں امام ابو حنیفہؒ اور جمہور ائمہ کے قول کی روشنی میں "بٹائی" کے بجائے اجارہ (ٹھیکہ) کے اصول کو تسلیم کیا گیا ہے اور حتی الامکان "تحدید ملکیت" کے نظریہ سے احتراز کیا گیا ہے آخر میں اس بات کی تصریح کر دی گئی ہے کہ "منشور ہذا کی دفعات میں قرآن وسنت کی نصوص اور ملک وملت کے مفاد کے تحت ترمیم وتبدیلی اور کمی بیشی کی تجاویز پر غور کیا جاسکتا ہے"۔

منشور کا سب سے اہم جزء وہ بائیس نکات ہیں جنہیں ۱۹۵۳ء میں حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی کے زیر اہتمام ملک کے جید علماء کی "مجلسِ منتخبہ" نے بالاتفاق منظور کیا تھا، یہ متفقہ بائیس نکاتی مسودہ پاکستان کی ملتِ اسلامیہ کے اتحاد واتفاق کا سنگِ بنیاد ہے اس "مجلسِ منتخبہ" میں ملک کے تمام فرقوں کے نمائندے اور ممتاز ترین علمی دینی اور سیاسی ومذہبی شخصیتیں شامل تھیں (جناب مولانا مودودی صاحب خود بھی اس میں شامل تھے جو آج جمعیۃ علمائے اسلام سے سیاسی انتقام لینے کے لئے ان نکات سے انحراف کرتے ہوئے خود اپنے بُنے ہوئے کو ادھیڑنا چاہتے ہیں، کالتی نقضت غزلها مِنۢ بَعدِ قُوَّةٍ انکاثا جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اتحادِ ملت کی جو بنیاد ایک دفعہ رکھی جاچکی ہے اسے بھی اکھاڑ پھینکا جائے اور ملت کو ہمیشہ کے لئے انتشار وافتراق کی نذر کر دیا جائے۔

بہرحال کہنا یہ ہے کہ منشور بحالات موجودہ بڑی حد تک جامع بھی ہے اور قابلِ عمل بھی اور اس کا سب سے خوش آئند اور نمایاں پہلو یہ ہے کہ موجودہ مشکلات کو حل کرنے اور معاشرہ کی ہمہ جہتی کجی کو سیدھا کرنے کے لئے قدم قدم پر قرآن وسنت کی نصوص اور اسلامی اصول کو سامنے

رکھا گیا ہے اور ہر ایسی تجویز کا خیر مقدم کیا گیا ہے جو قرآن کی روشنی میں ملک و ملت کے لئے مفید تر ہو اور یہ قرارداد منظور کی گئی ہے کہ اگر "لیبر پارٹی" اس اسلامی منشور کو تسلیم کرلے تو معاہدہ کی توثیق کی جاتی ہے۔

جمعیت کے زعماء کے بارے میں جو غلط فہمیاں تھیں اور انہیں سوشلسٹ ہونے کا جو طعنہ دیا جاتا تھا اس منشور کے بعد اسے ختم ہو جانا چاہیئے، البتہ لیبر لیڈروں کا یہ فرض ہے کہ وہ اس اسلامی منشور کی منظوری کا صاف اعلان کریں اور اگر ان کی طرف سے ان کی موافقت کا اعلان نہ ہو تو جمعیۃ کو اعلان کرنا چاہیئے کہ ان کی شرط کے مطابق معاہدہ باقی نہیں رہا، یہ معاملہ صاف ہو جانا چاہیئے تاکہ شقاق و افتراق کا دروازہ آئندہ کے لئے کھلا نہ رہے۔

کتاب "آدمیت کی کہانی" اور جامعہ اسلامیہ بہاول پور

چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی

ہفت روزہ "چٹان" لاہور (۲۰ اکتوبر ۶۹ء) میں کسی انگریز مصنف ہنڈرک وان لون کی کتاب "آدمیت کی کہانی" (THE STORY OF MANKIND) کے اقتباس شائع ہوئے ہیں جن میں رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر نہایت سفیہانہ انداز میں جگر شگاف حملے کئے گئے ہیں "چٹان" نے لکھا ہے کہ یہ کتاب محکمہ اوقاف کے سرکاری ادارہ "جامعہ اسلامیہ بہاول پور" کے تخصص فی التاریخ کے نصاب میں شامل ہے۔

پاکستان کے صدر محترم جناب جنرل محمد یحییٰ خان کئی بار اعلان کر چکے ہیں کہ "اسلام اور نظریۂ پاکستان کے خلاف کوئی چیز برداشت نہیں کی جاسکتی" ادھر وزارتِ تعلیم کی طرف سے اطمینان دلایا جاتا ہے کہ نئی تعلیمی پالیسی کے ذریعہ ملک کے نظامِ تعلیم کو اسلامی سانچے میں ڈھالا جائے گا۔

ہمارے نزدیک ایسی گندی کتاب کو پاکستان میں داخلہ کی اجازت دینا نہ صرف حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم سے توہین آمیز بے وفائی ہے بلکہ اسلام کی عزت و ناموس اور اسلامیانِ پاکستان کی حمیت و غیرت کے خلاف کھلا چیلنج ہے۔

سوال یہ ہے کہ پاکستان میں یہ کتاب کس نے درآمد کی؟ محکمہ اطلاعات و نشریات نے کیوں اس کا نوٹس نہیں لیا؟ محکمہ تعلیم نے اس کی منظوری کیسے دی؟ اوقاف کے ناظم اعلیٰ مسٹر مسعود جو ائمہ

مساجد کو "اردو نماز" اور ایک آنہ اُجرت پر مرغیوں کے ٹیکے لگانے کی تربیت کا اعلان بڑے "دینی جذبے" سے فرمایا کرتے ہیں وہ اس کتاب کے مندرجات سے کیوں جاہل رہے؟ جامعہ کے پرنسپل مولانا نورالحق الندوی الازہری اور جامعہ کی انتظامیہ اور تعلیمی کمیٹی نے اس نجس کتاب سے اپنی دامن آلودگی کو کس حوصلہ سے برداشت کرلیا؟ یہ سارا قضیہ کسی گہری اور ناپاک سازش کا پتہ دیتا ہے۔

ہم اربابِ اقتدار سے گذارش کرتے ہیں کہ اس کتاب کو فوراً جامعہ کے نصاب سے خارج اور ملک میں اس کا داخلہ ممنوع قرار دیا جائے، نیز جن افراد کی ملی بھگت نے اس کتاب کے ذریعہ اسلامیانِ پاکستان کی دینی غیرت کو للکارا ہے ان کا محاسبہ کیا جائے اور انہیں عبرت ناک سزائیں دی جائیں، جو ملک اللہ و رسولؐ کے نام پر کلمہ طیبہ کے نعروں سے حاصل کیا گیا تھا اور جس کے لئے قرآن مجید ہاتھ میں لے کر اسلام کا واسطہ دیا گیا اور جس کے لئے مسلمانوں نے جان و مال ہی نہیں عزت و ناموس تک کو قربان کرڈالا اور احمد آباد وغیرہ میں ابھی تک یہ قربانی دی جارہی ہے کتنی شرم کی بات ہے کہ آج اسی پاک ملک میں اللہ و رسولؐ کے نام کی تحقیر، کلمہ طیبہ کی بے حرمتی، قرآن مجید کی سوختگی اور اسلام کی پامالی کے لئے سازشوں کے جال پھیلائے جارہے ہیں اور اس سے بڑھ کر ڈوب مرنے کی بات یہ ہے کہ محکمہ اوقاف کے زیر سایہ اللہ و رسولؐ کے نام پر چلنے والی "دینی درسگاہ" میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کرکے اسلام اور پاکستان کا مذاق اس طرح اڑایا جاتا ہے کیا یہی پاکستان ہے؟ کیا یونیورسٹی کا یہی "اسلامی نظامِ تعلیم" ہے؟ کیا محکمہ اوقاف کی یہی حسنِ کارکردگی" ہے؟ کیا یہی جامعہ اسلامیہ بہاول پور کی لن ترانیاں ہیں؟

اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ لَعَنَھُمُ اللّٰہُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ وَاَعَدَّ لَھُمْ عَذَابًا مُّھِیْنًا ۔ (سورہ احزاب رکوع ۷)

رمضان المبارک ۱۳۸۹ھ ، نومبر ۱۹۶۹ء

مسلمانوں کے تفرق، اختلاف وانتشار کے ظاہری و باطنی اسباب

آج کل پاکستان جس بحرانی دور سے گذر رہا ہے وہ انتہائی دردناک ہے اور شاید پاکستان کی ۲۴ سالہ زندگی میں اتنا دردناک دور کبھی نہیں آیا ہوگا۔ ستمبر ۶۵ء میں بلاشبہ ایک ایسا نازک اور دردناک دور آیا تھا جس میں پاکستان کے وجود کے لئے خطرہ پیدا ہو گیا تھا اور مکار دشمن نے اس شدت سے حملہ کیا کہ پاکستان صفحہ وجود ہی سے مٹ جائے، لیکن حق تعالٰے نے محض فضل وکرم سے اس کے نتائج سے بچایا، تمام ملک اور پوری قوم میں ایک غیبی لطیفہ کا ظہور ہوا، تمام امت میں ایمانی روح کی لہر دوڑ گئی اور اس کے نتیجے میں تصور سے بالاتر برکات، اور نصرت الٰہی نازل ہوئی اور قوم و ملک تباہی و بربادی سے بچ گئے۔ اس وقت ضرورت تھی کہ اس نئی روح کی حفاظت کی جاتی اور حق تعالیٰ کا صحیح شکر ادا کیا جاتا۔ اگر یہ ہوتا تو حق تعالٰے کا وعدہ: لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ (اگر تم شکر کروگے تو مزید انعامات دیں گے) پورا ہو جاتا۔ ملک قوی سے قوی تر ہو جاتا، قوم کو راحت وسکون کی زندگی میسر آتی اور اعدائے اسلام کے حوصلے پست ہو جاتے، لیکن افسوس! صد افسوس! کہ ایسا نہیں کیا گیا بلکہ اس کے برعکس اس نئی روح کو فنا کرنے اور اس نئے خون کو پاکستان کے بدن سے جلد از جلد خارج کرنے کی کوشش کی گئی، یوں اس ملک کو تباہی و بربادی کے راستے پر ڈال دیا گیا، تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں، یہ ابھی کل کی تاریخ ہے جو دنیا کے سامنے ہے، ہم نے خود اپنے ہاتھوں وہ حالات پیدا کئے جن کے نتائج بد ہمارے سامنے آرہے ہیں، شدید خطرہ ہے کہ کہیں حق تعالٰے کے دوسرے قانون وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ (اور اگر تم میری ناشکری کروگے تو میرا عذاب بہت سخت ہے) کا ظہور نہ ہو جائے۔

مسلمانوں کو اغیار سے کبھی اتنا نقصان نہیں ہوا جتنا اپنوں سے پہنچا، اسلامی ملکوں میں اغیار کی ریشہ دوانیاں ہمیشہ سے ہوتی رہی ہیں اور اب بھی ہو رہی ہیں مگر ان کے نتائج کبھی اتنے دردناک نہیں نکلے جس قدر کہ اپنوں کی غداریوں، خیانتوں اور حماقتوں سے ملک و ملت کو ہلاکت و تباہی کے گڑھے میں گرنا پڑا، خلافتِ عباسیہ کی تباہی سے سلاطینِ مغلیہ کے زوال تک مسلمانوں کی یہی تاریخ ہے۔

مشرقی پاکستان میں جو نقشہ آج کل تیار ہو رہا ہے، خاکم بدہن، کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ سابق ناشکری کی سزا ہو، ظاہر ہے کہ جس مقصد کے لئے پاکستان کی ضرورت بتلائی گئی تھی اسے پورا نہیں کیا گیا، مقصد یہ تھا کہ آزاد قوم کی حیثیت سے ایک پاک سرزمین میں ایک باخدا قوم کی تشکیل کی جائے، آزادی کے ساتھ دین و دنیا کے نظام کو چلایا جائے، پاکستانی قوم، اپنی ذہنی اور ایمانی صلاحیتوں کے لحاظ سے ایک معیاری اور مثالی قوم ہو جس میں تمام عالمِ اسلام کی قیادت کی اہلیت ہو اور اس خطۂ پاک میں خدا کے دین کو نافذ کر کے دنیا کو یہ بتایا جا سکے کہ موجودہ دور میں اسلام نہ صرف یہ کہ زندگی کی راہنمائی کر سکتا ہے بلکہ اسلام ہی وہ ضابطۂ حیات اور دستورِ زندگی ہے جو انسانی مشکلات کا واحد حل ہے وغیرہ وغیرہ۔

لیکن جو کچھ ہوا اور جو کچھ ہو رہا ہے وہ مخفی نہیں، تمام دعوے غلط ثابت ہوئے، تمام آرزوئیں خاک میں مل گئیں؛ اصل مقصد نگاہوں سے اوجھل ہو کر طاقِ نسیان کی زینت بن گیا اور ہمارے سامنے صرف ایک مسئلہ رہ گیا اور وہ ہے "پیٹ کا مسئلہ"! اس کو حل کرنے کے لئے بھی بدترین قسم کے نظام سرمایہ داری کا راستہ اختیار کیا گیا، معیارِ ترقی کے خبط میں ظلم و استحصال کی آخری حدود کو چھو لیا گیا، سود، قمار، سٹہ، لاٹری اور بیمے کا گھن ملک کی عوامی معیشت کے تمام مغز کو چاٹ کر کھوکھلا کر گیا، غریبوں کی ضرورتوں کو پسِ پشت ڈالا گیا، بے حیائی و عریانی اور فواحش و منکرات کا بازار خوب خوب گرم ہوا، دین کے دشمنوں کو کھلی چھٹی ملی، اسلام کو دفن کرنے کی تدبیریں کی گئیں، محرمات کو حلال ثابت کرنے کے لئے لاکھوں کروڑوں کے مصارف سے ادارے قائم کئے گئے اور خدا کے دین کا نام ملائیت رکھ دیا گیا، الغرض وہ کون سی کسر ہے جو یہاں باقی چھوڑی گئی، سیاسی، اقتصادی، دینی، علمی، اخلاقی، سماجی ہر اعتبار سے قوم قعرِ مذلت میں گرتی چلی گئی مگر قوم کے ناخداؤں کی آنکھیں نہ کھلیں، انا للہ۔

بالآخر یہ حقائق رنگ لائے اور ان کے بدترین نتائج ہمارے سامنے آئے، آج جو سیاسی بحران نظر آ رہا ہے وطنی و لسانی عصبیتیں ابھر رہی ہیں، بھائی بھائی کا گلا کاٹ رہا ہے، ایک ہی جسم کے اعضاء ایک دوسرے کے خلاف نفرت و بیزاری کے بھیانک مظاہرے کر رہے ہیں اور ملکِ پاک کا نازک آبگینہ چور رہا ہے، میں ٹوٹ کر منتشر ذرات میں تحلیل ہوا چاہتا ہے، یہ سزا

ہے خدافراموشی کی، چنانچہ خدافراموش قوم کے تمام خدوخال آج ایک ایک کر کے سامنے آرہے ہیں۔

ہماری ناقص رائے میں موجودہ حالات کے دو سبب ہیں، ایک ظاہری اور ایک باطنی، ان دونوں کی طرف ہم نے اشارہ کر دیا۔

باطنی منشاء تو یہی کہ پاکستان کے اصل مقصدِ وجود کو نظر انداز کر دیا گیا اور اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت کی ناشکری کی گئی، عرصۂ دراز سے مسلمانوں کی آزادی کی کوششیں جاری تھیں، ۵۷ء اور اس کے بعد سے مختلف سیاسی تدبیریں کی گئیں، سنۃ اللہ یہ ہے کہ بغیر قربانی کے اتنی بڑی نعمت نہیں ملتی، بالآخر وہ قربانی بادل ناخواستہ دینی ہی پڑی، لاکھوں جانیں ضائع ہوئیں، عورتیں بیوہ اور بچے یتیم ہوئے، ہزاروں عصمتیں لٹیں، وطن چھوڑا، مال و اسباب اور جائیداد لٹائی، ہجرت کرنی پڑی، گویا وہی نقشہ تھا جو آلِ فرعون کا قرآن نے بیان کیا:۔

((کم ترکوا من جنات وعیون	وہ لوگ کتنے ہی باغ اور چشمے اور کھیتیاں
ومقام کریم ونعمۃ کانوا	اور عمدہ مکانات اور آرام کے سامان جن میں
فیھا فاکھین))	وہ خوش رہا کرتے تھے چھوڑ گئے۔

آخر اللہ تعالیٰ نے پاکستان کی شکل میں اس کا بدلہ دیا، سلطنت دی، دولت و ثروت دی، عزت و راحت دی، دولتِ خداداد پاکستان کا وقار اونچا کیا اور اسے سربلندی عطا فرمائی کارخانے، دوکانیں، انڈسٹریاں ملیں، الغرض جو کچھ گیا تھا اس سے بڑھ کر دیا، آخر ان نعمتوں کا شکر بھی تو ادا کرنا تھا، تقویٰ و طہارت کی زندگی اختیار کرنی تھی، کتاب و سنت کا خدائی قانون نافذ کرنا تھا، اسلامی اخوت و مؤاسات کے رشتے قائم کرنے تھے اسی سے تمام ملکی و لسانی اور قومی عصبیتیں ختم ہو جاتیں، بہر حال ایک باخدا قوم کے آثار و نشان قائم کرنے تھے اور دنیا سے زیادہ دین کی ترقی کی فکر کرنی تھی لیکن یہ سب کچھ نہ ہوا، نہ کیا۔

وہ تو اللہ تعالیٰ بھلا کرے قوم کے صالح افراد کا کہ حکومت کی سطح پر اگرچہ نہیں ہوا، مگر قوم کے صالح اور دردمند لوگوں نے انفرادی تعاون سے ہزاروں مسجدیں بنائیں، سینکڑوں مدرسے چلائے، بہت سے ادارے قائم کئے، مسلمان بچوں کی دینی تعلیم کا انتظام کیا، جب جاکر اسلام کا کچھ نقشہ باقی رہا اور اللہ تعالیٰ کا عذاب ٹل گیا، ورنہ عذابِ الٰہی نہ معلوم کس شکل

میں آتا لیکن جیسا کہ عرض کیا گیا یہ دینی خدمت جو تھوڑی بہت ہوئی انفرادی شکل میں ہوئی مگر قومی اور حکومتی سطح پر آج تک کوئی قابلِ قدر کام نہ ہو سکا، ۲۳، ۲۴ سال سے اسلامی دستور اور اسلامی قانون کے لفظی نعروں سے فضا گونج رہی ہے۔ مگر عجیب بات ہے کہ آج تک نہ اسلامی قانون کا لفظ منت کشِ معنی ہوا، نہ اسلامی دستور کا خواب شرمندۂ تعبیر ہو سکا، سنۃ اللہ کے مطابق جب کسی قوم سے اجتماعی جرم "سرزد ہوتا ہے تو اس قوم پر باندازۂ جرم اسی نوعیت کا "اجتماعی وبال" آتا ہے، یہ ہے اصل باطنی سبب اس شدید قسم کے سیاسی، لسانی، وطنی اور اقتصادی بحران کا جس نے پوری قوم کو موت و حیات کی کش مکش میں ڈال دیا ہے اور اس کا ظاہری سبب در اصل صالح، قوی، مخلص اور بیدار مغز قیادت کا فقدان ہے۔

اولاً: ملک ہمیشہ سے اغیار اور دشمنانِ اسلام کی ریشہ دوانیوں کی آماجگاہ رہا، الا ماشاء اللہ ہر قیادت نے اپنے دینی و قومی اور مقامی و جغرافیائی تقاضوں سے زیادہ اغیار کے اشاروں پر عملدرآمد کو نشانِ سعادت مندی سمجھا، مفسد و شریر عناصر کو من مانی کرنے کی کھلی چھٹی دی گئی، ان کی اصلاح کرنے اور انہیں راہِ راست پر لانے کی صحیح تدبیر نہیں کی گئی، صوبائی نظام کو توڑ کر پہلے وحدانی نظام (ون یونٹ) بنایا گیا، اس کے پس منظر میں بھی نہ اسلامی رشتۂ اتحاد کو مضبوط کرنا تھا، نہ اسلامی نظام کے اجراء کے لئے اچھی فضا پیدا کرنا بلکہ سیاسی اغراض و مقاصد کارفرما تھے تاہم اس کی صورت اور اس کا ڈھانچہ شاید اسلام سے قریب تر تھا مگر اسے توڑ کر پھر وہی صوبائی نظام دوبارہ مسلط کر دیا گیا اور پٹھان، پنجابی، سندھی، بلوچی، بنگالی، مشرقی اور مغربی کی لعنت پھر سے مسلط کر دی گئی اور اسلامی وحدت پارہ پارہ ہو کر رہ گئی۔

ثانیاً: شر پسند عناصر جو پہلے ہی سے بے قابو تھے، ان پر گرفت ڈھیلی کر دی گئی اس سے مفسدہ پرداز اور فتنہ انگیز عناصر کو بے گناہ شہریوں کی جان و مال اور عزت و آبرو سے کھیلنے کا موقع مل گیا اور مصنوعی نعروں کی آڑ میں اپنی ذاتی اغراض کی تکمیل نے قیادت کی کمزوری اور نفاق کو واضح کر دیا۔

ثالثاً: سرمایہ داری اور دولت کی طغیانی نے غریب عوام کے لئے مشکلات کا پہاڑ کھڑا کر دیا، ہمارے قائدین نے اس رِستے ہوئے ناسور کا بروقت مداوا کرنے کی ضرورت محسوس نہ کی،

نہ انہیں پسماندہ اور مظلوم طبقوں کے مسائل حل کرنے کی طرف توجہ ہوئی، عوام میں اس سے ہیجانی کیفیت پیدا ہوئی اور کج ذہن عناصر کے جذباتی نعروں نے جلتی پر تیل کا کام دیا، ظلم و استحصال کی داستانیں کچھ ایسی لَے میں سنائی گئیں کہ قوم ان کو خضر و مسیحا سمجھ بیٹھی، آخر ان حالات نے عجیب اور بھبڑ کی شکل اختیار کر لی۔ ع "شامتِ اعمال ما صورتِ نادر گرفت"

" از ماست کہ بر ماست " " خود کردہ را چہ علاج "، فرمان خداوندی ہے :۔

((وما أصابكم من مصيبة فبما كسبت أيديكم ويعفو عن كثير)) جو کچھ تمہیں پہنچ رہا ہے یہ خود تمہارے اپنے ہاتھوں کے کرتوت ہیں اور بہت کچھ تو اللہ تعالےٰ معاف فرما دیتا ہے۔

مسلمانوں کے تفرق و انتشار کا باطنی و ظاہری علاج

مرض کی ٹھیک تشخیص کے بعد صحیح علاج ہو تو مریض کے جانبر ہونے کی امید کی جا سکتی ہے، باطنی مرض کا علاج تو یہ ہے کہ حق تعالےٰ کی طرف رجوع کیا جائے، سابقہ زندگی سے توبہ کی جائے اِنابت الی اللہ کا راستہ اختیار کیا جائے اور عہد کر لیا جائے کہ امن و سکون ہوتے ہی پہلی فرصت میں اسلام کا عادلانہ قانون نافذ کر دیا جائے گا اور صالح معاشرے کے قیام و تشکیل میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی جائے گی، حق تعالیٰ کو ناراض کر کے قوم کی رضامندی حاصل کرنے کی کوشش نہ کی جائے اور گڑگڑا کر حق تعالےٰ سے اپنے اعمال کی معافی مانگی جائے، خصوصیت کے ساتھ سورۂ بقرہ کی آخری آیت میں جو دعا سکھائی گئی ہے ربنا لا تؤاخذنا سے آخر آیت تک اسے ہر وقت اور ہر نماز کے بعد پڑھا جائے اور آخر میں آمین اور درود شریف پڑھیں۔

ظاہری علاج یہ ہے کہ نہایت تدبر و اخلاص کے ساتھ معاملہ کو سلجھانے کی کوشش کی جائے اور غلط قوتیں جو ابھر آئی ہیں ان کی اصلاح کے لئے مناسب تدبیریں حزم و احتیاط اور ہوشمندی و دانائی کے ساتھ اختیار کی جائیں جو "نہ سیخ جلے نہ کباب" کا مصداق ہوں۔

یہ مختصر اور ناتمام اشارے ہیں جو سپردِ قلم کئے گئے ہیں :

اند کے پیش تو گفتم حالِ دل ترسیدم
کہ آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار است

میں ایک عرصہ سے باہر تھا، حرمین شریفین میں قریب ایک ماہ کے گذر گیا اور اس کے بعد المجلس الأعلی للشئون الإسلامیۃ کی دعوت پر قاہرہ چلا گیا، ایک ہفتہ مصر رہا، اس طرح گویا ایک چلّہ باہر گذر گیا، جب یہاں سے حرمین شریفین کا سفر ہوتا ہے تو پاکستانی اور غیر پاکستانی تمام حالات سے بے خبر ہو جاتا ہوں، توجہ کا محور بدل جاتا ہے اور نقطہ نگاہ وہاں کے مناسب زندگی ہوتی ہے، نہ یہاں کے اخبار پڑھتا ہوں اور نہ وہاں کے اخبار، نہ ریڈیو، نہ ٹیلیویژن، چلتے چلاتے کان میں کوئی بات پڑ گئی تو نا تمام علم ہو جاتا ہے، البتہ اپنے ملک سے قلبی تعلق کے بناء پر بالکلیہ بے تعلق بھی نہیں رہتا، وہاں کا جو کام ہے اسلام کے لئے اور مسلمانوں کے لئے دعائیں کرنا اور خصوصًا اپنے پاکستان اور صحیح قیادت اور صحیح نظام اسلامی قائم کرنے کی دعائیں کرنا اس میں کوتاہی نہیں ہوتی۔

جب بارگاہِ قدس کی حاضری نصیب ہوئی اور حق تعالےٰ کی دعوت پر لبیک کہا، رحمت و رضوان کی بارگاہِ عالی، تجلیاتِ رحمانی کا ضوفشاں ماحول میسر آئے تو چونکہ جس طرح ارحم الراحمین کی رحمت بے انتہا ہے اس طرح انسان اور انسانی ضروریات و حاجات و آرزؤں کی بھی کوئی حد نہیں، اس لئے سب کچھ مانگا جائے، خانہ کعبہ ہو یا ملتزم، مقامِ ابراہیم ہو یا میزابِ رحمت، صفا ہو یا مروہ، رحمتِ الٰہیہ کی تجلیات اور حریمِ قدس کی آیات بینات ہیں، امسال خصوصیت کے ساتھ عام دعائیں مسلمانوں اور پاکستان کے لئے اور تمام عالم اسلام کے لئے قدس و فلسطین کے لئے بہت کیں۔

ہر سال لاکھوں مسلمان عالم اسلام کے گوشے گوشے سے بارگاہِ قدس میں جلوہ گر ہوتے ہیں اور نورِ ایمان کی خصوصی ضوفشانی کی نعمتیں تقسیم ہوتی ہیں، گویا یہ تمام عالمِ اسلام کے نمائندے پہنچ جاتے ہیں اگر ان کی اصلاح ہو جاتی اور واپس جا کر تمام عالم میں پھیل کر داعی الی اللہ بن جاتے تو کتنا بڑا انقلاب آجاتا، دنیا بدل جاتی، لیکن صدمہ اور افسوس ہے کہ جس طرح ہماری ہر عبادت سے روح نکل گئی ہے اسی طرح حج بیت اللہ کی برکات سے بھی پورا استفادہ نہیں

ہوتا، اگر حدیثِ نبویؐ کے مطابق ((من حج ولم یرفث ولم یفسق رجع کیوم ولدته أمه)) اس طرح صالح بن کر واپس لوٹتے تو کتنا عظیم تغیر زندگیوں میں آجاتا، بہر حال کہنا یہ تھا کہ میں ایک عرصہ سے حالات سے بے خبر رہا ہوں اور اب بھی چنداں معلومات نہیں اور نہ معلوم میری یہ سطریں جب قارئین کے پاس پہنچیں گی تو سیاسی بحران کہاں تک پہنچ جائے، اور اس کے نتیجے میں پاکستان کا کیا بنے گا؟ اللہ تعالےٰ ہی کو علم ہے، بہر حال اپنی معلومات اور بساط کے مطابق جو سمجھا تھا اور جو کچھ تجویز سمجھ میں آئی وہ عرض کردی۔

حق تعالےٰ سے دعا ہے کہ پاکستان کی حفاظت فرمائے اور ملک کو ٹکڑے کرنے سے بچائے اور دشمنانِ اسلام کی ریشہ دوانیوں سے محفوظ فرمائے اور چند سفہاءِ قوم کے اعمال کے بُرے نتائج سے تمام ملت کو ہلاک نہ فرمائے دعا ہے۔ ربنا لا تؤاخذنا بما فعل السفهاء منا إن هي إلا فتنتك، ربنا لا تجعلنا فتنةً للقوم الظالمين ونجنا برحمتك من القوم الكافرين وصلى الله على صفوة البرية رحمة للعٰلمين محمد وعلى آله وصحبه وتابعيه أجمعين۔

صفر المظفر ۱۳۹۱ھ، اپریل ۱۹۷۱ء

پاکستان میں فسادات، ان کا سبب اور علاج

گذشتہ چند ماہ میں جو ہنگامہ آرائی رہی ملک وملت کے سکون کا شیرازہ جس دردناک طریقے سے منتشر ہوا وہ پاکستان کی تاریخ کے خونچکاں صفحات ہیں، مسلمان کی جان ومال وآبرو غیر محفوظ تھی، خصوصاً مشرقی پاکستان میں جو روح فرسا واقعات پیش آئے ماضی قریب میں اس کی نظیر تاریخ میں نہ ہوگی، یہ سب کچھ ہوا اس ملک میں جو اسلام کے نام سے وجود میں آیا ہے اور اس ملک میں جس کی غالب اکثریت مسلمانوں کی ہے اور جو کچھ کیا مسلمانوں نے اور جو کچھ ہوا مسلمانوں کے ساتھ ان عبرت ناک واقعات نے ثابت کر دیا کہ اس ملک میں مشکلات کے لئے جو حل تجویز کیا گیا تھا وہ صحیح نہ تھا، وہ تریاق نہ تھا زہر تھا جو نسخہ تجویز کیا گیا وہ صحیح نہ تھا اور جو کچھ ردعمل ہوا اور اس غلط نسخے کی تاثیر تھی جو اس ملک کے لئے اور اس قوم کے لئے غلط تجویز کیا گیا، اس کے بُرے اثرات سے نہ راعی بچا نہ رعیت، امیر وفقیر یکساں طور پر متاثر ہوئے۔

((وما أصابكم من مصيبة فبما كسبت أيديكم ويعفو عن كثير))	اور جو بھی مصیبت تم پر آتی ہے وہ تمہارے ہی ہاتھوں کے کئے کاموں کی وجہ سے آتی ہے اور بہت کچھ تو اللہ (اپنے رحم وکرم سے) معاف کرتا رہتا ہے۔

آخر کب تک یہ غلط تجربات کئے جائیں گے اور کب تک ہم اعداءِ اسلام کے آلہ کار بنتے رہیں گے اگر اس غفلت کی نیند سے آنکھیں نہیں کھولی گئیں تو خاکم بدھن تاریخ سے ہمارا نام مٹ جائے گا۔

یہ حسرت ناک انجام سب کے سامنے ہے اربابِ حکومت ہوں یا اہلِ ملک، اربابِ تجارت ہوں یا اصحابِ زراعت، دکاندار ہوں یا پیشہ ور، کارخانہ دار ہوں یا مزدور، سب نے یہ تماشا دیکھ لیا، صدارتی نظام بھی آزمایا گیا اور نام نہاد جمہوری نظام بھی، برطانوی طریقہ حکومت کا تجربہ بھی کیا گیا اور امریکی طرز حکومت کا بھی، اب تمام ملک وملت کے لئے اسلام اور اسلامی آئین کا ایک ہی صراط مستقیم باقی رہ گیا ہے:۔

((وأن هذا صراطي مستقيماً فاتبعوه ولا تتبعوا السبل فتفرق بكم	اور بیشک یہ میرا سیدھا راستہ پس تم اسی کی پیروی کرو اور دوسرے راستوں کی پیروی مت کرو کہ وہ تم کو

عن سبیلہ) انعام ۱۵۳ میرے راستہ سے منتشر کر دیں گے۔

بلاشبہ اس وقت تمام عالمِ اسلامی شدید ابتلا میں گرفتار ہے، عربی ممالک خصوصًا اعداءِ اسلام کی ریشہ دوانیوں کے مراکز بنے ہوئے ہیں، کہیں عربی قومیت کا بھوت سوار ہے کہیں مال و دولت کی فراوانی سے قوم اپنی قیمت کھو رہی ہے، کہیں عیش پروری و تن آسانی نے قوم کو تباہی کے گڑھے تک پہنچا دیا ہے ظاہری اسباب کچھ بھی ہوں لیکن حقیقی سبب حق تعالےٰ کے قانون سے روگردانی ہے، غیر اسلامی آئین کا تسلط ہے، خدا فراموش قوموں کی تہذیب و تمدن کی نقالی ہے بازاروں میں، ہوٹلوں میں، سیرگاہوں میں، تفریح گاہوں میں، کلبوں میں بلکہ گھروں تک میں وہی عریانی کے روح فرسا مناظر ہیں، رقص و سرود کی محفلیں ہیں، قہوے خانے شراب خانوں میں تبدیل ہو گئے ہیں کون سی وہ لعنت ہے جسے یورپ کی تہذیب نے جنم دیا ہو اور عرب ملکوں میں موجود نہ ہو، کہیں اگر مذہب کا نام ہے تو وہاں مذہب کے نام پر وہ جہالت وہ قساوت وہ خشونت ہے کہ عقل حیران ہے، مذہبی حکومتوں کے بعض مشاہیر اہلِ علم نے آج بھی یہ فتویٰ لگایا ہے کہ جو شخص زمین کی کرویت کا قائل ہو یا زمین کو متحرک مانے وہ کافر ہے مرتد ہے اور واجب القتل ہے، اگر مذہب کا نام ہے تو اس جہل کے ساتھ ہے ع" تن ہمہ داغ داغ شد پنبہ کجا کجا نہم " دردناک حیرت ہے کہ ان عقلوں پر کیسے پردے پڑ گئے۔

تمام عالمِ اسلام میں یہی آخری مملکت پاکستان کی تھی جہاں کے عوام میں دینی پختگی تھی، دینی خدمات کا جذبہ تھا، مسجدیں مدرسے دینی ادارے جمعیتیں سب کی رونق مسلمان قوم کی توجہ سے قائم تھی اور اربابِ دولت و حکومت سے بے نیاز ہو کر حفاظتِ دین کی خدمت انجام دیتے رہے آخر دشمنانِ دین نے اپنی ریشہ دوانیوں سے یہاں بھی ڈائنامیٹ لگانے شروع کر دیئے، اب یہ قوم بھی بری طرح ان سازشوں کی شکار ہو رہی ہے، سرمایہ دار سود خواروں کی سنگدلی نے کمیونزم و سوشلزم کے راستے ہموار کر دیئے، بے عمل مسلمانوں کے طرزِ عمل نے اسلام کو بدنام کر دیا، خود غرض اربابِ دین کی حرکتوں نے علماءِ دین کی وقعت ختم کر دی، ایک عجیب سیلاب ہے معلوم نہیں کہاں جا کر رکے گا، اللّٰھم اھد قومی فانھم لا یعلمون۔

یہ ہے اس وقت عبرت ناک احوال کا ایک ہلکا سا خاکہ ان حالات پر غور کرنے سے جو

بات سمجھ میں آتی ہے، رہنمایانِ ملت و قوم کے سامنے عرض کرنے کی جسارت کرتا ہوں :-

(۱) سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ اصلاح معاشرے کی طرف ایک مہم کی صورت میں قدم اٹھایا جائے اصلاحِ معاشرے سے میرا مقصد یہ ہے کہ اگر تمام قوم کا نہ ہو تو قوم کی اکثریت کا دعوت و تبلیغ کے ذریعہ دینی مزاج بنایا جائے، اعتقادی، عملی، اخلاقی ہر پہلو سے مسلمان بنانے کی کوشش ہو، تمام ملک میں دعوتی و تبلیغی وفود کی منظم طور پر حرکت ہو، جگہ جگہ مراکز بنائے جائیں، شہروں میں، بستیوں میں، آبادیوں میں اور ویرانوں میں تبلیغی وفود "دعاۃ الی اللہ" پہنچیں، سب کو نمازی بنانے کی کوشش کی جائے، اور دلوں میں ایمان کی دبی ہوئی چنگاری سلگائی جائے، آج ملک میں معروف "تبلیغی جماعت" کے قافلے جو حضرت مولانا محمد الیاس رحمہ اللہ کے طریقہ پر گھروں سے نکل کر تمام دنیا میں پھیل گئے ہیں، یہ تمام جماعتیں اپنی پوری طاقت کو اور تمام وفود اور قافلوں کو صرف پاکستان کے دونوں بازوں کے لئے وقف کر دیں اور جم کر کام کریں، یعنی کچھ عرصے کے لئے یہ منتشر طاقتیں جو یورپ و افریقہ کے ممالک میں پھیل رہی ہیں یہ پوری قوت کے ساتھ اور اس سے زیادہ بہتر تنظیم کے ساتھ اسی ملک میں کام کریں اور تمام مسلمان زیادہ سے زیادہ اس کام میں حصہ لیں، علما، طلبہ تاجر زراعت پیشہ دکاندار ملازم پیشہ غرض ہر طبقے کے لوگ زیادہ سے زیادہ شرکت کریں اور وقت دیں، ایک عالم گیر طریقے پر اور ایک "مہم" کے طور پاکستان کے گوشے گوشے میں پہنچ جائیں، بڑی بڑی بستیوں اور شہروں میں مستقل ڈیرے لگائے جائیں اور روزانہ مقررہ اوقات میں گشت کئے جائیں اور نظام وہی ہو جو تبلیغی جماعت کا ہے کہ دفتر و سیکریٹری و خازن کچھ نہ ہوں اپنے جیب سے خرچ کریں یا پھر ان پر ایسے خرچ کرنے والے ہوں کہ لا تعلم شماله ما تنفق یمینه (کہ بائیں ہاتھ کو بھی خبر نہ ہو کہ دائیں ہاتھ نے کیا خرچ کیا) کے مصداق ہوں، بہت قلیل عرصے میں انشاء اللہ حیرت انگیز آثار ظاہر ہوں گے۔

دیکھئے ماضی قریب میں ستمبر ۶۵ء میں جب ہندوستان کے ساتھ جہاد کی نوبت آئی تو کس محیر العقول انداز سے قوم کا مزاج دینی بن گیا تھا، مرد عورتیں بوڑھے بچے عوام و خواص سب ہی اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو گئے تھے، پھر کتنے حیرت انگیز طریقے سے حق تعالےٰ کی رحمت و قدرت کے معجزانہ کرشمے دیکھنے میں آئے کیا کوئی باور کر سکتا تھا کہ یہی وہ خدا فراموش قوم تھی؟ مسجدیں

نمازیوں سے بھر گئی تھیں، گھروں میں ذکر و تلاوتِ قرآن کی آوازیں گونجتی تھیں، ہائے افسوس کہ اس صورتِ حال کو باقی رکھنے کی کوشش نہیں کی گئی، نہ صرف یہ بلکہ بہت ہی ظالمانہ انداز سے اس صورتِ حال کو ختم کرنے کی کوشش کی گئی اور اس کے مبارک نقوش کو مٹانے کی پوری سعی کی گئی۔

بہر حال مایوسی اب بھی نہیں ساٹھ فیصدی سے زیادہ قوم کا مزاج آج بھی دینی ہے اور زمین بھی نمناک ہے اور زرخیز، اگر تبلیغی اور دعوتی مہم چلائی جائے اور تھوڑے سے عرصے کے لئے پوری قوت کے ساتھ اس خدمت کو انجام دیا جائے تو بہت کچھ امید ہو سکتی ہے کہ اس کوشش و کاوش کے مبارک آثار خود بخود جمنے شروع ہو جائیں گے اور باہر کی جو طاقتیں مختلف ازموں کے نام سے جو تحریکیں اٹھا رہی ہیں وہ خود بخود اپنی موت مر جائیں گی، مگر ہونا یہ چاہئے کہ ہر وفد میں صالح و مخلص علماء موجود ہوں اور حکمت و موعظت کے اصول پر تربیت کریں، اگر کوئی عالم پورا وقت نہ دے سکے تو باری باری یکے بعد دیگرے علماء و طلبہ کی اس مہم کے لئے تنظیم کی جائے اور سب وقت لگائیں، یہ کام ان علماء کی رہنمائی میں زیادہ بہتر طریقے پر انجام پذیر ہوگا جو تبلیغی قافلوں کی سرکردگی و رہنمائی کرتے رہے ہیں، بہر حال تنظیم کے ساتھ اصلاحِ معاشرے کی پوری جد وجہد کی انتہائی ضرورت ہے۔

(۲) دوسری تدبیر یہ ہے کہ ملک میں جو کام کرنے والی جماعتیں اور جمعیتیں ہیں جمعیت علماءِ اسلام ہو یا جمعیۃ علماءِ پاکستان، تنظیم اہلِ سنت ہو یا تحفظِ ختمِ نبوت، احرارِ اسلام ہو یا جماعت اہلِ حدیث وغیرہ وغیرہ یہ تمام جماعتیں تمام اختلافات کو بالائے طاق رکھ کر اللہ تعالےٰ کے دین کی حفاظت کے لئے متحد ہو جائیں اور تمام امت کو صرف اسلام کے جھنڈے تلے جمع کریں اور ایسے طریقوں سے جد وجہد کا آغاز کریں کہ بہر صورت اس ملک میں اسلامی دستور کے تحت کتاب و سنت کے مطابق آئندہ قانون بنایا جائے ملک میں موجودہ سیاسی جماعتیں مسلم لیگ کونسل مسلم لیگ یا کنونشن لیگ اگر اس اسلامی علم کے نیچے جمع ہو سکیں تو ان کو بھی موقع دیا جائے، بقیہ سیاسی تنظیمات جس طرح چاہیں بعد میں یہ پروگرام طے کریں لیکن ملکی قانون کے اسلامی ہونے پر متحد ہوں، مؤخر الذکر جماعتوں کے لئے بھی جو مستقبل میں خطرات لاحق ہیں ان سے بچنے اور دنیوی نجات کے لئے بھی بس یہی ایک راستہ رہ گیا ہے ورنہ خدانخواستہ اگر لادینی

طاقتیں کامیاب ہوتی ہیں تو ظاہر ہے کہ ان جماعتوں کے لئے بھی سوائے اس کے کہ دین و دنیا دونوں کی تباہی ہو اور کوئی صورتِ نجات نہیں، اگر دین سے عداوت نہیں ہے یا عداوت انتہا کو نہیں پہنچی ہے تو دنیا کی خیر منانے کے لئے بھی دین ہی کی ضرورت ہوگی اور دین ہی کے دامن میں پناہ ملے گی، دین ہی ایک ایسا مرکزی نقطہ ہے جس پر اسلامی، دینی، تمام جماعتیں متحد ہو سکتی ہیں، گذشتہ ہنگاموں میں سیاسی اور فکری اضطراب انگیزی کے جو دردناک مناظر سامنے آئے کیا ان سے عبرت نہیں ہوگی؟ اگر نجاتِ آخرت مطلوب ہے تو اس کا راستہ بھی اسلام کا صراطِ مستقیم ہے اور اگر دنیا کی نجات مقصود ہے اور سکونِ قلب کی خواہش ہے تو اسلام ہی کے ذریعہ یہ نعمت بھی حاصل ہوگی، خدا کا شکر ہے کہ دین پور شریف کے سجادہ نشین حضرت مولانا عبدالہادی کی مبارک کوششوں سے مسلمانوں کی تین جماعتیں جمعیتہ علماءِ اسلام، مجلس تحفظِ ختمِ نبوت، تنظیم اہلِ سنت متحد ہوگئی ہیں اور چند ہی روز قبل ۲۵ مارچ ۱۹۶۹ء کو مارشل لاء نافذ ہونے سے چند گھنٹہ قبل ملتان میں راقم الحروف کی موجودگی میں تینوں جماعتوں میں سے ایک ایک نمائندہ پر مشتمل ایک جماعت "اسلامی مجلس" کے نام سے وجود میں آچکی ہے اور توقع ہے کہ مجلس احرارِ اسلام بھی اس میں شمولیت کرے گی، اس مجلس کے لائحہ عمل میں یہ چیز واضح کر دی گئی ہے کہ تمام اسلامی جماعتوں و صرف اسلام کے نام پر متحد بنانے کی جدوجہد کی جائے اور سب مل کر آئینی طریقوں سے منزلِ مقصود تک پہنچنے کی کوشش کریں، مولانا مفتی محمود صاحب اور مولانا محمد علی جالندھری صاحب س مجلس کے ممتاز رکن ہیں، مولانا محمد علی صاحب کو اس مجلس کا کنوینر بنایا گیا ہے اگر کسی جماعت یں ذرا بھی اخلاص و انصاف ہے تو اس جماعت کے ساتھ اتفاق و اتحاد کا رابطہ قائم کر کے اس دینی محاذ کو مضبوط کرے گی، خدا کا شکر ہے کہ موجودہ مارشل لاء کے عہد میں اس قسم کے پرسکون مقاصد کے لئے یہ خاموش فضا نہایت سازگار ہے، اس طرح خدمت انجام دینے سے حکومتِ وقت کی بھی اعانت ہوگی، آخر میں ہمیں موجودہ حکومت سے بھی یہ توقع ہے کہ ۱۹۶۲ء کے قانون میں سے کم از کم عائلی قوانین کو جو اسلامی قانون اور کتاب و سنت کے سراسر خلاف ہے منسوخ کر کے مسلمانوں کو مطمئن کر دے، اگر ایسا ہوا تو مارشل لاء کے دور کا یہ مبارک ترین کارنامہ ہوگا۔

دعا ہے کہ حق تعالیٰ مسلمانوں کو صحیح سمجھ عطا فرما کر اپنی رحمتِ کاملہ سے صحیح توفیق عطا فرمائے

اور امتِ اسلام کے اس سفینہ کو جو منجدھار میں پھنس گیا ہے ساحلِ مقصود سے ہمکنار فرمائے۔

وصلی اللہ علیٰ خیر خلقہ رحمۃ للعٰلمین وآلہ وصحبہ اجمعین۔

صفر ۱۳۸۹ھ

انحطاط وتنزل اور اس کے اسباب

متحدہ ہندوستان میں مسلمان ہی حکومت اور اقتدارِ اعلیٰ سے محروم ہوئے تھے اور اپنی نالائقیوں اور بداعمالیوں کی پاداش میں وہی برطانوی استعماری ریشہ دوانیوں کا شکار ہوئے تھے اور اسلامی حکومت کی نعمت انہی سے چھینی گئی تھی۔

حق تعالیٰ کی صفاتِ کمال میں سے ایک وصف یہ ہے کہ وہ قائماً بالقسط ہے، یعنی عدل پر قائم ہے، اس کے عدل کا تقاضا ہے کہ وہ جو نعمت کسی کو عطا کرتا ہے از خود اور بلاوجہ اس سے واپس نہیں لیتا وہ کریم بھی ہے اور جواد بھی، اس کے جود وکرم کا تقاضا بھی یہی ہے کہ وہ دی ہوئی نعمت واپس نہیں لیتا، الّا یہ کہ اس نعمت کی واپسی اور زوال کے اسباب ودواعی خود اس کی طرف سے وجود میں آجائیں، حق تعالیٰ شکور اور قدرشناس بھی ہے، چنانچہ شکر نعمت ـــ یعنی اس نعمت کے برمحل استعمال ـــ پر مزید نعمتیں عطا فرماتا ہے، صبور بھی ہے اسی لئے ناشکریوں کی سزائیں جلدی نہیں کرتا اور بڑی حد تک ان ناشکریوں کو برداشت کرتا ہے۔

متحدہ ہندوستان کے آخری دور میں مسلمان اُمراء اور سلاطین کی ناسپاسی اور نااہلی کی ناگفتہ بہ داستانیں اربابِ بصیرت پر مخفی نہیں ہیں، چنانچہ اگر کسی وقت "شامتِ اعمال" نے نادر" کی صورت اختیار کی تھی تو آخر وہ وقت بھی آگیا کہ وہ نعمت ہماری نااہلیت اور نالائقی کی بدولت بالکل ہی ہمارے ہاتھوں سے چھین لی گئی۔ ایسٹ انڈیا کمپنی نے اپنی سازشوں اور دسیسہ کاریوں سے برطانوی استعمار کے لئے راستہ ہموار کردیا اور مسلمان نہ صرف حکومت وسلطنت اور اقتدارِ اعلیٰ بلکہ آزادی سے بھی محروم ہوگئے گویا اگر اس وقت "شامتِ اعمال" نے نادر کی صورت اختیار کی تھی تو اس وقت شامتِ اعمال نے کافر کی صورت اختیار کرلی، حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

"ذٰلک بان اللہ لم یک مغیراً "یہ اس لئے ہے کہ بیشک اللہ کی شان سے بعید ہے

نعمۃً أنعمہا علی قوم حتی یغیروا کہ وہ کسی قوم کو دی ہوئی نعمت کو بدلے روا پس لے،

ما بأنفسہم ۔ تا اینکہ وہ خود اپنی حالت کو بدل ڈالیں ۔

اور اس وقت تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ پورے عالمِ اسلام کو ہی خدا فراموشی اور ناسپاسی کی سخت ترین سزا مل رہی ہے، ذرا اس پچاس سال کی روداد پر غور کیجئے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کی سب ہی اسلامی حکومتوں کی چولیں ہل گئی ہیں دیکھئے! پہلی جنگ عظیم کے بعد خلافتِ عثمانیہ کا زوال شروع ہوا جس حکومت اور جس قوم نے صدیوں اسلام کی خدمت کی تھی اور تمام یورپ اس کی سطوت و شوکت سے لرزہ براندام رہتا تھا، مسلسل ناسپاسیوں اور نافرمانیوں کی پاداش میں اس کے ایسے حصے بخرے ہوئے کہ ایک حکومت سے تقریباً بائیس حکومتیں بن گئیں اور اس طرح اسلامی خلافت کو پارہ پارہ کرکے ملوکیت بلکہ طوائف الملوکی کا دروازہ کھول دیا گیا ۔

اس کے تھوڑے عرصہ بعد ہی اسی ناسپاسی اور نافرمانی کے نتیجہ میں وسطِ ایشیا کی قدیم ترین اسلامی حکومت مملکت بخارا و سمرقند روسی حکومت کی دست درازیوں اور کمیونسٹوں کی خون آشامیوں سے موت کے گھاٹ اتار دی گئی اور اسلامی صناعی کے عظیم الشان شاہکار، عالی شان مسجدیں، خانقاہیں، مدارس و مکاتب اور تمام دینی معابد، شرابخانوں، قحبہ خانوں، رقص گاہوں، کلبوں سینماؤں اور تھیٹروں میں تبدیل کر دیئے گئے، سرخ فوجوں کے گھوڑوں کے اصطبل بنا دیئے گئے ورنہ مسمار کرکے ان پر ہل چلا دیئے گئے، شاہِ بخارا "جناب عالی" بھاگ کر افغانستان میں پناہ گزین ہو گیا لیکن ہزاروں، لاکھوں علماء و صلحاء میں سے کچھ تو دردناک اور لرزہ خیز مظالم کا شکار ہوئے اور بری طرح قتل کر دیئے گئے اور کچھ وطنِ عزیز کو خیرباد کہہ کر بیک بینی و دوگوش ہجرت کر گئے۔ آج بھی سرزمین حرمین شریفین ان مہاجرین کے خاندانوں سے آباد ہے ۔

غرض اسی "شامتِ اعمال" کے نتیجہ میں وہ علم و عرفان کی سرزمین اور خالص اسلامی خطہ جس سے امام بخاری و ترمذی و ابن ماجہ جیسے ہزاروں محدثین، عارفین، فقہاء اور علومِ اسلامیہ کے وہ ائمہ جن کی نظیر پورے عالمِ اسلام میں نہیں ملتی، پیدا ہوئے۔ آج وہاں خدا دشمن ملعون کمیونسٹ دندناتے پھرتے ہیں اور اس طرح یہ خالص اسلامی ملک ۔ جہاں کسی غیر مسلم کا نام تک نہ تھا۔ اسلامی علوم اور اسلام کی نعمت سے یکسر محروم ہو گیا، اس پچاس سالہ دورِ انقلاب اور

انتقامِ الٰہی کی تباہ کاریاں اسلامی ممالک تک ہی محدود نہیں رہیں بلکہ کچھ ہی عرصہ بعد یورپ کی دوسری جنگ عظیم نے پورے یورپ کو تہ وبالا کر کے رکھ دیا اور چند دنوں میں ہی یورپ کی دسیوں حکومتیں تباہ و برباد ہو گئیں، برطانیہ کی "جنت" انگلستان جرمنی کی آتش فشاں بمباریوں سے جہنم زار بن گیا، پھر وہ یورپ کو تہ وبالا کر دینے والی زبردست طاقتیں بھی یعنی جرمنی اور ان کی حلیف حکومتیں بھی اس طرح بیوند خاک ہو گئیں کہ وہ ہٹلر، ہملر اور گوبلز جن کے ناموں سے دنیا لرزتی تھی ایسے بے نام و نشان ہو گئے کہ تاریخ کے اوراق کے علاوہ کہیں ان کا ذکر تک نہیں ملتا۔

الغرض اس پچاس سالہ دورِ انقلاب میں تمام عالم کو اپنی خدانا شناسی، بدعملی اور ظلم و عدوان کی سزا مل گئی، برطانیہ "عظمٰی" کی وہ حکومت جس میں سورج غروب نہیں ہوتا تھا چند جزیروں میں سمٹ کر رہ گئی، ہندوستان جیسی سونے کی چڑیا انگریزوں کے ہاتھ سے نکل گئی۔

اسی اثناء میں مسلمانانِ ہندوستان کا عرقِ ندامت و انفعال اور آہ و بکا، استخلاصِ ملک و ملت کی تدبیریں اور قربانیاں رنگ لائیں اور مالک الملک کی رحیمی و کریمی نے اسلام کے نام لیوا مسلمانوں کو بطور امتحان ملک کا ایک خطہ "پاکستان" کے نام سے دوبارہ عطا فرما دیا۔

لینظر کیف تعملون — تاکہ دیکھیں اب تم کیا کرتے ہو۔

اب اس کا آپ خود فیصلہ کیجئے کہ یہ مسلمان اور پاکستان کے حکمران اس امتحان میں کہاں تک کامیاب ہوئے۔

ایک ملک "اسلام" کے نام پر مانگا گیا، اس ملک میں اسلامی قوانین نافذ کرنے کی غرض سے تمام جانی و مالی نقصانات اور حوادث و آلام برداشت کیے گئے کہ اس خداداد مملکت پر پھر ایک دفعہ اسلام کا جھنڈا لہرائے گا نہ صرف یہ کہ اس پاک سرزمین میں اسلامی شریعت کے قوانین نافذ ہوں گے بلکہ یہ "مثالی اسلامی حکومت" تمام عالمِ اسلام کو بھولا ہوا سبق یاد دلائے گی اور پاکستان سے لے کر ترکی اور مراکش تک یہ اسلامی حکومت مسلمانوں کی قیادت کرے گی، اسلام کا جھنڈا اس کے ہاتھ میں ہوگا، طاقتوروں کی چیرہ دستیاں کمزوروں پر، مالداروں کی دراز دستیاں غریبوں پر مٹا دی جائیں گی استحصال اور ظلم و عدوان کے جابرانہ اور سرمایہ دارانہ سیاہ قوانین یکسر ختم کر دیئے جائیں گے وہ اسلامی شریعت کے عادلانہ قوانین نافذ ہوں گے جن کے ذریعہ مظلوموں کی دادرسی ہوگی۔

زناکاری اور شراب نوشی کے اڈے ختم کر دیئے جائیں گے، بے حیائی و عریانی اور فواحش و منکرات کی نجاست سے اس پاک سرزمین کو پاک و صاف رکھا جائے گا، چوروں کے ہاتھ کاٹے جائیں گے، زناکاروں کو سنگسار کیا جائے گا یا کوڑے لگائے جائیں گے، ڈاکوؤں کو سرِ راہ سولی پر لٹکایا جائے گا، قصاص و دیت کا عادلانہ نظام قائم کر کے جان و مال کی حفاظت کی جائے گی، فقر و افلاس کا ملک سے خاتمہ کر دیا جائے گا، کوئی متنفس خوراک و لباس سے محروم نہ رہے گا، کوئی غریب بیروزگار نہ رہے گا، سرمایہ دارانہ معاشی نظام، سود اور سودی کاروبار اور بینکاری سسٹم جس کے ذریعہ ملک کی دولت چند افراد یا خاندانوں میں سمٹ آتی ہے اور غریب غریب سے غریب تر اور امیر، امیر سے امیر تر ہوتا چلا جاتا ہے اور ملک معاشی بحران کا شکار ہو جاتا ہے اور غیر متوازن معاشرہ کو جنم دیتا ہے، یکسر ختم کر کے اس کی جگہ اسلام کا وہ عادلانہ معاشی نظام جاری کیا جائے گا جس کے ذریعہ دولت کی گردش برابر جاری رہتی ہے، طبقاتی امتیازات کے ساتھ ساتھ ملک کا ہر طبقہ رفاہیت و خوشحالی سے زیادہ سے زیادہ بہرہ یاب ہوتا رہتا ہے، اور کمیونزم و سوشلزم کے سیلاب کو روکنے کے لئے سدِ سکندری کا کام دیتا ہے۔

افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ پاکستان کی بائیس سالہ سرگذشت نے ثابت کر دیا کہ یہ تمام دعوے جھوٹے تھے، تمام نعرے سیاسی ڈھونگ تھے، اسلام کی شیدائی سادہ لوح قوم کو یہ سبز باغ دکھا کر چند خود غرض افراد اور جماعتوں نے عوام کو اپنا آلہ کار بنایا تھا، نہ اسلام کو سربلند کرنے کی نیت تھی نہ اسلامی قوانین نافذ کرنے کا ارادہ تھا بلکہ مٹھی بھر دولت مندوں اور ان کے سرپرست حکمرانوں نے بے خوف و خطر اور بے شرکت غیرے معاشی لوٹ کھسوٹ اور استحصال کی غرض سے یہ ملک حاصل کیا تھا اسی لئے اس بائیس سال کے عرصہ میں اس کے سوا اور کچھ نہیں ہوا، اور تو اور ملک سے اسلامی خد و خال بھی مٹنے لگے، علانیہ کتاب و سنت کے خلاف قوانین بنائے اور نافذ کیے گئے، سود اور شراب جیسی گندی چیزوں کو حلال اور جائز ثابت کرنے کی کوششیں کی گئیں، اس وقت جو سرخ سیلاب آ رہا ہے اور سوشلزم کے جو منحوس نعرے لگ رہے ہیں درحقیقت یہ ردِ عمل ہے اس غیر اسلامی نظامِ معیشت و معاشرت اور کافرانہ زندگی اختیار کرنے کا، سزا ہے ان جھوٹے وعدوں اور پُرفریب نعروں کی، خصوصاً غلام محمد، سکندر مرزا اور ایوب خاں کے دورِ حکومت میں

تو کون سی چیز ہے اسلام کی جو باقی رکھی گئی ہو، قوم ان غیر اسلامی حکومتوں کے دور میں سرتاسر اُس خدا فراموش زندگی اور حلال وحرام کی پروا کیئے بغیر ہوسِ زراندوزی کی لعنت میں گرفتار ہو چکی ہے جس کا چند سال بیشتر تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا، یہ بھیانک صورتِ حال سزا ہے ملک میں اسلامی قوانین نافذ نہ کرنے کی صدائے بازگشت ہے شرعی محاکمِ عدلیہ قائم نہ کرنے کی۔

آخر جب ملک کو معاشی بحران کے شعلوں نے اپنی لپیٹ میں لے لیا تو موجودہ مارشل لاء حکومت قائم ہوئی اور ملک کو فوری تباہی کے خطرے سے بچایا، اس فوجی حکومت کے طریق کار سے پھر کچھ توقعات قائم ہوئی ہیں، اس مارشل لاء حکومت نے بالغ رائے دہی کے اصول پر آزادانہ انتخابات کرانے کا اعلان بھی کیا ہے، انتظامات بھی کر رہی ہے اسی لئے اب پھر اسلام، اسلام کے نعرے لگائے جا رہے ہیں، مردہ سیاسی پارٹیاں دوبارہ زندہ ہو رہی ہیں، مردہ اور زندہ تمام سیاسی لیڈر - جن کے "سیاہ کارناموں" سے ملک کا بچہ بچہ واقف ہے - پھر عوام کو اسلامی قوانین نافذ کرنے کے وعدوں کا سبز باغ دکھا رہے ہیں حتیٰ کہ بعض بعض خالص کمیونسٹ اور سوشلسٹ پارٹیاں بھی سوشلزم پر اسلام کا لیبل لگا کر اسلامی سوشلزم کے نعرے لگا رہی ہیں، ہر پارٹی اور اس کا لیڈر اسلام اور پاکستان کا وفادار اور فدائی ہونے کا مضحکہ خیز دعویٰ کر رہا ہے حالانکہ اس کی سوشل زندگی برملا اس دعوے کی تردید کر رہی ہے نہ اس کی صورت اسلام کے معیار کے مطابق اسلامی ہے نہ سیرت، نہ اس کے اخلاق و اطوار اسلام کے معیار پر اسلامی ہیں نہ کردار اسلامی ـــــ ایسے وقت میں تو علماء کی تمام جماعتوں اور جمعیتوں کا فرض منصبی تھا کہ ان سیاسی ہنگاموں سے الگ تھلگ رہ کر حقیقی معنی میں اسلامی حکومت قائم کرنے کی ٹھوس تدبیروں میں مصروف و منہمک ہو جاتیں لیکن افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ وہ بھی سیاسی خارزار میں پھنس کر افتراق و انتشار کا شکار ہو چکی ہیں۔

اس تمام غوغا آرائی اور طوفان بے تمیزی میں صرف ایک ہی چیز انتہائی خوشی کی ہے اور وہ یہ کہ الحمدللہ مجموعی طور پر پاکستانی قوم اور پاکستانی عوام کی اکثریت واقعی مسلمان ہے اور اسلام کے نام پر سب کچھ قربان کر دینے کے لئے بے قرار ہے اسی لئے ہر پارٹی اور ہر جماعت - صرف عوام کے ووٹ حاصل کرنے کی غرض سے ـــــ خواہی نخواہی یہ دعویٰ کرنے پر مجبور ہے کہ ہمیں

تجربہ کا موقعہ دیجئے ہم پہلی فرصت میں اسلامی قوانین نافذ کر دیں گے اور اگر ہماری جماعت برسرِ اقتدار آگئی تو اسلام اور مسلمان دونوں کا بھلا ہوگا حالانکہ سب جانتے اور برملا کہتے ہیں:۔

؎ "یہ بازو میرے آزمائے ہوئے ہیں"

بہرحال تصویر کا یہ رُخ انتہائی اُمید افزا ہے کہ بائیس سالہ دورِ عیش و عشرت اور ہمہ گیر فسق و فجور میں بھی اسلام ختم نہیں ہوا ہے اور مسلمانوں کے دلوں سے اسلام کی محبت نہیں نکلی ہے، اسلامی قوانین ملک میں نافذ کرنے کے لئے زمین تیار ہے صرف تخم ریزی کی دیر ہے۔

لیکن تصویر کا دوسرا رُخ انتہائی یاس انگیز ہے کہ غیر سوشلسٹ سیاسی اور دینی جماعتوں میں بھی شدید اختلاف و انتشار ہے نہ صرف یہ بلکہ اختلاف رائے دلوں کے اختلاف اور شقاق و افتراق تک پہنچ چکا ہے اور فتوے بازی تک کی نوبت آگئی ہے، افسوس! ان بے محل فتووں نے برمحل فتاویٰ کی قدر و قیمت کو بھی کم کر دیا، کون نہیں جانتا کہ وہ کمیونزم اور سوشلزم جس کو مارکس و لینن یا ماؤزے تنگ جیسے خدا دشمن اعداءِ اسلام نے اختراع کیا ہے جس کی بنیاد ہی حق تعالےٰ کی ربوبیت اور اس کے وجود کے انکار پر رکھی گئی ہے وہ کفرِ صریح ہے اور کون نہیں جانتا کہ قوم کے بعض لیڈر جو برملا عوام کو ہر قسم کی تباہ کاریوں ۔ قتل و غارت، آتش زنی، گھیراؤ، لوٹ کھسوٹ پر اکسا رہے ہیں وہ باہر کے اشاروں پر ناچ رہے ہیں وہ اعلیٰ درجہ کے خود غرض اور اقتدار پرست ہیں، ان کی شخصی اور عملی زندگی اس کا روشن ثبوت ہے۔

بہرحال اس ہنگامہ آرائی کے پیشِ نظر شدید خطرہ ہے کہ کہیں اس اختلاف و انتشار ہی کو ملک میں اسلامی قوانین نافذ نہ کرنے کا بہانہ بنا لیا جائے۔

بظاہر یہ آخری موقعہ ہے کہ رائے عامہ کے متفقہ مطالبہ کے تحت اسلامی قانون کو مملکت کا قانون بنایا جا سکتا ہے لیکن اس کے لئے ضروری ہے کہ اہلِ حق کی تمام جماعتیں صدقِ دل سے اس مقصد پر متفق اور شانہ بشانہ متحد ہو کر اپنی تمام تر قوتوں اور توانائیوں کو اسی مرکزی نقطہ پر صرف کریں اور اس جہادِ عظیم کی راہ میں اپنے تمام شخصی اور جماعتی اغراض و مقاصد کو قربان کر دیں۔

مارشل لاء حکومت کے حکمرانوں اور کارپردازوں کے سینوں میں بھی اگر ایمان و اخلاص ہو اور واقعی وہ ملک میں اسلامی قانون نافذ کرنے کی تڑپ رکھتے ہوں تو جس طرح انہوں نے

جرأت کے ساتھ "بالغ رائے دہی کے اصول پر انتخابات" کرانے کا اعلان کیا ہے اسی طرح وہ پاکستان میں اسلامی قوانین کے نفاذ کا اعلان بھی کر سکتے ہیں اور جس طرح انہوں نے ون یونٹ توڑ کر سابقہ صوبے عملی طور پر بحال کر دیئے ہیں اسی طرح ملک کی تمام عدالتوں میں فوری طور پر اسلامی قانون کے مطابق فیصلے کرنے کے احکامات بھی جاری کر سکتے ہیں اس لئے کہ بالغ رائے دہی کے اصول پر انتخابات کرانے کے مطالبہ کی بہ نسبت بدرجہا زیادہ یقینی قوم کا متفقہ مطالبہ ملک میں اسلامی قوانین نافذ کرنے کا مطالبہ ہے، پاکستان کا کوئی ایک فرد یا جماعت بھی اس مطالبہ سے اختلاف نہیں کر سکتا "ون یونٹ توڑنے نہ توڑنے" کے بارے میں تو تھوڑا بہت اختلاف رائے تھا بھی، اسلامی قانون ملک میں نافذ کرنے کے بارے میں تو برائے نام بھی اختلاف نہیں ہے، آخر قانون سازی کے "پانچ بنیادی اصول" بھی تو خود مارشل لا حکومت نے تجویز کئے ہیں، فوجداری اور دیوانی عدالتوں میں اسلامی قوانین کے مطابق مقدمات کے فیصلے کرنے کا بنیادی اصول بھی مارشل لاء حکومت طے کر سکتی ہے، یقین مانئے ایک متنفس بھی اس کے خلاف احتجاج نہیں کریگا۔

اسلامی قانون بنا بنایا موجود ہے اول تو اردو انگریزی دونوں زبانوں میں فقہ اور قضا سے متعلق فقہی کتابوں کے ترجمے ہو چکے ہیں، زیادہ سے زیادہ جدید قانونی سانچوں میں ڈھالنے اور عدالتوں کے حکام کو ٹرینڈ کرنے کا سوال پیدا ہوگا، اس کام کے لئے بیشک وقت درکار ہے سو اس کام کو تو اپنی جگہ جاری رکھا جائے فوری طور پر اس مقصد کے لئے تمام فوجداری اور دیوانی عدالتوں میں "مذہبی مشیر" کے نام سے ایک ایک فقیہ عالم کا تقرر کر دیا جائے، عدالتیں ہر معاملہ میں شرعی حکم اس عالم سے معلوم کر کے فیصلے کرنے شروع کر دیں، ہر مکتبِ فکر کے شخصی قوانین (پرسنل لاء) بھی مرتب و مدون موجود ہیں وہ بآسانی ان پر نافذ کئے جا سکتے ہیں، لہٰذا نہ شیعہ سُنی کا سوال پیدا ہوگا نہ اس ملک میں حنفی شافعی کا سوال پیدا ہوگا، اس لئے کہ ملک کی غالب اکثریت حنفی مسلک کی پیرو ہے، برطانوی حکومت کے ابتدائی دور میں عدالتوں میں یہ طریقِ کار کافی عرصہ تک جاری رہا ہے۔

چند روز کی بات ہے کہ ایک باوقار، سنجیدہ اور مخلصانہ اجتماع میں چیف جسٹس مسٹر حمود الرحمٰن صاحب کی خدمت میں راقم الحروف نے اسلامی قانون کے فوری طور پر نفاذ کی یہ صورت

پیش کی تھی، موصوف استبعاد کے سوا اس کے خلاف کچھ نہ فرما سکے۔

بہرحال اگر نیت صحیح ہو تو اسلامی قوانین کے نفاذ کی فوری طور پر تشکیل بھی کچھ مشکل نہیں، مارشل لاء حکومت اتنے کہ انتخابات ہوں اور قانون ساز اسمبلی ۱۲۰ دن میں قانون کا مسودہ تیار کرے، اس صورت کا تجربہ کرکے دیکھ لے اور دنیا کو دکھا دے، باقی نہ کرنے کے سو بہانے ہیں، حق تعالیٰ اخلاص، فہمِ صحیح اور ایمانی جراٴت عطا فرمائیں اور عمل کرنے کی توفیق نصیب فرمائیں، آمین۔

ربیع الاول ۱۳۹۰ھ، مئی ۱۹۷۰ء

انتخابات

خدا خدا کرکے پاکستان کی تاریخ میں وہ دن بھی آگیا کہ اس ملک کی صدارت کے لئے انتخاب ہوا اور جمہوریہ اسلامیہ پاکستان کسی درجہ میں تو اسم بامسمیٰ جمہوریہ ہوا، اگرچہ یہ انتخاب "جمہوریت" کو محدود کرکے صرف "بنیادی جمہوریت" کے ارکان کے دائرہ میں محدود کر دیا گیا ہے اور اس "بنیادی جمہوریت" کے نظام کو انگلستان میں آزمانے کے بعد ختم کر دیا گیا ہے اور اس کو حقیقی اور آزاد جمہوریت کے منافی قرار دیا جا چکا ہے، گویا مدعیانِ جمہوریت کے نزدیک بھی یہ ایک فرسودہ اور برائے نام نظامِ جمہوریت ہے، اسی لئے جدید نظامِ جمہوریت کے پرستار اس نظامِ کہن سے بیزار ہو چکے ہیں اور خیرباد کہہ چکے ہیں۔

بہرحال ۱۹۶۵ء کا سال اس حیثیت سے پاکستان کی تاریخ میں ضرور اہمیت رکھتا ہے کہ اگست ۱۹۴۷ء سے چل کر ۱۹۶۵ء میں سترہ سال مسلسل چلنے کے بعد کسی نہ کسی درجہ میں "جمہوریت" کے دروازے پر تو پہنچا اور اس جہت سے موجودہ صدرِ مملکت کا یہ ایک "کارنامہ" سمجھنا چاہیئے اگرچہ اس کا بے انتہا صدمہ ہے کہ اس برائے نام جمہوریت کی منزل تک پہنچنے میں بھی قوم کو بہت بڑی قربانی دینی پڑی ہے، وہ کون سا ظلم وعدوان ہے جو نہیں ہوا؟ کہاں کہاں حق وانصاف کا گلا نہیں دبایا گیا؟ کامیابی سے پہلے بھی اور کامیابی کے بعد بھی، افسوس کہ یورپ وامریکہ کی نقالی بھی صحیح طور پر نہیں آئی، وہاں بھی ہزاروں، لاکھوں نہیں کروڑوں افراد ووٹ ڈالتے ہیں مگر کسی کو خراش تک بھی نہیں آتی، کسی ووٹر کی نکسیر تک بھی نہیں پھوٹتی، لیکن یہاں جبر واکراہ، فساد وخونریزی، قتل وغارت، غرض کونسی بدعنوانی، بے رحمی اور بغض وعناد کا مظاہرہ ہے جو آپ نے اخبارات کے صفحات میں نہ پڑھا ہو، فَاِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن، یہ ہے ہمارے اس ملک اور بدنصیب قوم کی "جمہوریت"۔

جب کسی قوم کا ستارۂ اقبال غروب ہو جاتا ہے اور خدا کی بھیجی ہوئی عالمگیر رحمت سے وہ منہ موڑ لیتی ہے تو تاریخِ عالم شاہد ہے کہ اس قوم کا ہمیشہ ایسا ہی حشر ہوا ہے، مسلمان ایک معاہد قوم ہے یعنی یہ قوم خدا اور رسول سے اسلام کے نام پر معاہدہ کر چکی ہے، معاہد قوم کی بدعہدی کبھی برداشت نہیں کی جاتی، فوراً سزا ملتی ہے اس کے برعکس کفار غیر معاہد قوم ہے وہ پہلے سے

ہی باغی ہیں ان کو ڈھیل دینے کی غرض سے دنیا کی آسائشوں سے محروم نہیں کیا جا سکتا، اس لئے کہ وہ آخرت کی نعمتوں سے کُلی طور پر محروم ہیں۔

اسلامی قانون کا نفاذ بہرصورت پہلا مرحلہ۔ صدارت کا مسئلہ۔ طے ہو گیا اب دوسرا مرحلہ ملک میں اسلام اور قانونِ اسلامی کے بقا و نفاذ کا ہے، اسلام کی زبان میں اور شریعتِ اسلامیہ کی اصطلاح میں صرف اسی ملک کو اسلامی کہا جاتا ہے جس میں "اسلامی قانون" رائج ہو، "محاکم شرعیہ عدلیہ" قائم ہوں، کتاب و سنت اور فقہِ اسلامی کے مطابق احکامات نافذ ہوتے ہوں، غرض قانونِ الٰہی کا سایۂ رحمت باشندگانِ ملک کے سروں پر سایہ فگن ہو اور رحمتِ خداوندی کا آفتابِ عالمتاب اس ملک میں ضوفشاں ہو اس لئے کہ رب العالمین کی صفت کمال ہی ((قائماً بالقسط)) ہے اس کی اس صفتِ قسط و عدل کا ظہور اس کے قانونِ عدل وانصاف کے نفاذ کی صورت میں ہی ہو سکتا ہے تاکہ آخرت کے عدل و انصاف کا ایک ہلکا سا نمونہ دنیا میں بھی عبرت و موعظت کے لئے قائم رہے اور حقیقی دارالجزاء سے پہلے ہی نظامِ عالم کے تحفظ کے لئے دنیا میں بھی عدلِ الٰہی کی مظہر "دادگاہیں" قائم ہوں اور مجرموں کو ان کے کیفرِ کردار تک پہنچایا جائے اور یہ عالم مادی صحیح معنی میں مظہرِ صفاتِ الٰہیہ بن جائے۔

علاوہ ازیں کسی ملک و مملکت کے صحیح حسن و جمال اور اس کے حسن کے حقیقی خدوخال کا مظہر بھی یہی "نظام عدل و داد" ہوا کرتا ہے اس لئے کہ انسانی جان و مال اور انسانی آبرو ہی انسان کا سب سے زیادہ قیمتی سرمایہ ہے، کسی قانون کے کمال و خوبی کا آئینہ وہ "عدالتی نظام" ہی ہوتا ہے جس میں اس سرمایہ کے زیادہ سے زیادہ تحفظ کی ضمانت ہو، ایسے "عدالتی نظام" کا نفاذ و اجراء اور اہلِ ملک کا اس کے ثمرات سے کماحقہٗ بہرہ یاب ہونا ہی اس کی سب سے زیادہ قابلِ قدر نعمت ہے جس ملک میں انسانوں کی جان و مال و آبرو محفوظ نہ ہوں وہ ملک جانوروں اور درندوں کا ملک تو ہو سکتا ہے انسانوں کا ملک ہرگز نہیں ہو سکتا۔

پیغمبرِ اسلام شارعِ اعظم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس آخری اور تاریخی خطبہ کے چند کلمات طیبات جو آپ نے نبوت کے تیئیسویں سال منجانب اللہ تکمیل دینِ اسلام کا اعلان ہو جانے کے

بعد حجۃ الوداع کے موقعہ پر عید الاضحیٰ کے دن وادیٔ منیٰ میں کم و بیش ایک لاکھ انسانوں کے مجمع میں دیا تھا۔ حسب ذیل ہیں۔

«فإن دماءکم وأموالکم وأعراضکم حرام علیکم کحرمۃ یومکم ھٰذا فی شھرکم ھٰذا فی بلدکم ھٰذا»

بے شک تمہاری جان، مال اور آبرو تم پر ایسی ہی حرام ہیں جیسے تمہارے اس شہر (سرزمین حرم) میں تمہارے اس ماہِ (حرم) میں تمہارے اس (آج کے) دن کی حرمت (مسلم) ہے۔

یعنی جس طرح تمہارے ذہنوں میں اس شہر (مکہ) کا اس مہینہ (حرام) کا اور اس دن (یوم عید الاضحیٰ) کا احترام مسلم ہے ٹھیک اسی طرح اللہ کے دین "اسلام" میں مسلمانوں کی جان و مال و آبرو کا احترام اور قدر و قیمت مسلم ہے اور جس طرح ان تینوں چیزوں کے احترام کی حفاظت کو تم اپنا فرض سمجھتے ہو بالکل اسی طرح مسلمان کے ان تین قیمتی سرمایوں کی حفاظت کو ہمیشہ اپنا فریضہ سمجھو جیسے وہ اللہ کی امانتیں ہیں ایسے ہی یہ بھی اللہ کی امانتیں ہیں اور جیسے ان تینوں چیزوں کی حرمتوں کا توڑنا اللہ کی امانت میں خیانت ہے ایسے ہی مسلمانوں کے ان تینوں سرمایوں پر دست درازی اللہ کے دین میں خیانت ہے۔

مسلمانوں کی جان و مال و آبرو کے تحفظ کی اس ضمانت دینے کے بعد ارشاد فرمایا۔

«ألا فلیبلغ الشاھد الغائب»

سن لو! جو شخص یہاں حاضر ہے اور یہ حکم سن چکا ہے اس کا فرض ہے کہ جو لوگ اس وقت موجود نہیں ہیں ان کو یعنی آنے والی نسلوں کو یہ پیغام پہنچا دے۔

یہ ہے وہ آخری پیغام جو پیغمبر اسلام علیہ الصلاۃ والسلام نے رہتی دنیا تک کے لئے اُمتِ محمدیہ کو دیا ہے اور یہ ہے وہ مسلمان کے جان و مال و آبرو کے تحفظ کی ضمانت جو اسلام اور اس کا قانون دیتا ہے، کان کھول کر سن لیں! مسلمان حکمران اور اربابِ اقتدار!!

اسلامی قانون پاکستان اب کسی نہ کسی درجہ میں "جمہوریہ" تو بن گیا ہے اب رہا "اسلامیہ"

بننا تو اس کے لئے ضرورت ہے کہ غیر مسلم حکمرانوں اور غیر ملکی فرمانرواؤں نے جو ہماری بدنصیبی سے ہمیں "غیر اسلامی" قانون کا تحفہ دیا تھا وہ فی الفور "عطا تو بلقاء تو" کہہ کر واپس کر دیا جائے اور وہ قدیم ترین مقدس تحفہ جو نہ صرف مسلمانوں بلکہ ساری کائنات کے لئے رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ رحمٰن ورحیم اور علیم وقدیر رب العالمین نے امتِ محمدیہ کو عطا فرمایا ہے یعنی "اسلامی قانونِ مملکت" اس کو جلد از جلد اپنا کر پورے ملک میں نافذ کر دیا جائے۔

یہ وہ سرتاسر رحمت وسعادت قانونِ فطری ہے جس کا اس روئے زمین پر سالہا سال تجربہ بھی ہو چکا ہے اور چشم فلک اس قانون پر عمل کرنے والوں کے سروں پر دنیاوی عظمت ومجد کا تاج اور دنیا کی دوسری قوموں کے مقابلہ میں سربلندی وسرخروئی کا سہرا دیکھ چکی ہے تاریخ کے صفحات پر اس کا ریکارڈ ثبت ہے ؎

ثبت است ہر جریدۂ عالم دوام ما

اسی قانون کی برکت وسعادت سے ایک ہزار سال تک مسلمان دُنیا پر حکومت کر چکے ہیں۔ وہ مالک الملک جس کی شان ہے :-

«تعطی الملك من تشاء وتنزع الملك ممن تشاء وتعز من تشاء وتذل من تشاء بيدك الخير إنك على كل شيء قدير »

تو جس کو چاہتا ہے ملک وسلطنت عطا کرتا ہے اور جس سے چاہتا ہے ملک وسلطنت چھین لیتا ہے جس کو تو چاہے عزت (غلبہ واقتدار) دیتا ہے اور جس کو چاہے ذلت دیتا ہے (اور غلبہ واقتدار سے محروم کر دیتا ہے) تیرے ہی ہاتھ میں تمامتر خیر (وخوبی) ہے بے شک تو ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے۔

اس کی رضا وخوشنودی کا حصول بھی اسی قانونِ خداوندی کے احیاء پر موقوف ہے، آخرت کی لازوال نعمتیں بھی اسی سے وابستہ ہیں، دنیا کی قوموں پر غلبہ واقتدار بھی اسی کا رہینِ منت ہے اور حکومتِ خداوندی کا جھنڈا فضاءِ عالم میں لہرا کر خلیفۃ اللہ فی الارض کے استحقاق کا عملی ثبوت دینے کا واحد وسیلہ بھی یہی ہے، یاد رکھیے۔

«ومن لم یحکم بما أنزل الله فاُولٰئك هم الکافرون»	اور جو اللہ کے نازل کردہ قانون پر فیصلے نہ کریں وہی لوگ کافر ہیں ۔
«ومن لم یحکم بما أنزل الله فاُولٰئك هم الظالمون»	اور جو اللہ کے نازل کردہ قانون پر فیصلے نہ کریں وہی لوگ ظالم ہیں ۔
«ومن لم یحکم بما أنزل الله فاُولٰئك هم الفاسقون»	اور جو لوگ اللہ کے نازل کردہ قانون پر فیصلے نہ کریں وہی لوگ فاسق ہیں ۔

اللہ جلّ جلالہ، کے قانون کو نہ ماننا، اس پر عمل نہ کرنا، اس کو نافذ نہ کرنا وحیِ الٰہی (قرآن) کی زبان میں اس کا نام کفر ہے ظلم ہے، فسق ہے، اس کفر و ظلم و فسق سے نجات حاصل کرنے کا واحد ذریعہ یہی ہے کہ "قانونِ الٰہی" بلا تاخیر اور بغیر کسی حیلہ بہانے کے جلد از جلد نافذ کر دیا جائے ورنہ اس میں ذرہ برابر شک نہیں کہ رب العالمین کے قانون کو پس پشت ڈال دینا اور انسانی دماغوں کے ساختہ پر داختہ قانون کو اپنانا اور سینہ سے لگانا اس سے بڑھ کر اور کیا ظلم ہو گا، احکم الحاکمین کی مخلوق پر بھی یہ ظلم ہے اور مالکُ الملک کے ملک پر بھی یہ ظلم ہے، انسان اور رب العالمین کے مقابلہ پر قانون بنائے ؟ استغفر اللہ، العیاذ باللہ یاد رکھیئے «إن الحکم إلا للہ» نہیں ہے حکم مگر اللہ کا۔

صدرِ مملکت کا اب دوبارہ برسرِ اقتدار آنے کے بعد اولین فرض یہ ہے کہ جس طرح وہ دنیا کے اقتدارِ اعلیٰ کی عزت سے سرفراز ہوئے ہیں اسی طرح رب العالمین کے قانون کو نافذ اور جاری کر کے آخرت کی سرفرازی کی نعمت و سعادت سے بھی بہرہ ور بنیں اور مالک الملک کی عطا کی ہوئی نعمت "حکومت و سلطنت" کا شکریہ ادا کریں اور اس سلسلہ میں جو غلطیاں اور کوتاہیاں وہ کر چکے ہیں ان کی تلافی کریں اور آئندہ ان کا اعادہ نہ ہونے دیں اور جو "حالات" و "واقعات" اس انتخاب کے دوران پیش آئے ہیں، ان سے صحیح معنیٰ میں "عبرت" حاصل کریں اور اس اقتدار اعلیٰ کو صحیح طور پر استعمال کریں، اللہ رب العالمین کی مخلوق پر رحم کر کے حقیقی اسلامی قانون — مصنوعی نہیں — نافذ کر دیں تاکہ دنیا اور آخرت دونوں کی سرخروئی ان کو حاصل ہو سکے ورنہ یاد رکھیں اللہ جل جلالہ کی شان وتنزع الملك ممن تشاء بھی ہے، اس موقعہ کو غنیمت سمجھیں

الیکشن کے دوران صدرِ محترم نے جو وعدے کئے ہیں دنیا منتظر ہے کہ ان کی عملی تصدیق جلد از جلد اپنی آنکھوں سے دیکھ لے۔

انتہائی مسرت و طمانیت کا مقام ہے کہ صدر محترم کی آخری تقریر بہت کچھ امید افزا ہے اور بجا طور پر توقع ہے کہ صدرِ محترم اپنی پوری قوت و ہمت کے ساتھ ان وعدوں کا ایفاء اور اپنی صداقت کا عملی ثبوت دیں گے۔

صدرِ مملکت کے اختیارات و فرائض اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلامی قانون کے تحت صدرِ مملکت یا جماعتِ شوریٰ (ممبرانِ اسمبلی) کا منصب "قانون سازی" نہیں ہے بلکہ اسلامی قانون کو نافذ اور جاری کرنا ہے، نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا جو اسلامی قانون کتاب و سنت میں موجود ہے اس میں نہ کسی مشاورت و استصواب رائے کی ضرورت ہے نہ کسی اصلاح و ترمیم کی گنجائش ہے، صدرِ مملکت اور "ماہرینِ قانون اسلامی کا دائرۂ عمل محدود ہے صرف ان انتظامی اور تنفیذی حدود کے اندر جہاں اسلام نے کوئی خاص رہنمائی ضروری نہیں سمجھی اور حالات کے تقاضوں پر چھوڑ دیا ہے لیکن جن امور و معاملات کے متعلق صاف اور صریح احکام موجود ہیں ان کی پابندی "حاکم و محکوم" دونوں پر اسی طرح ضروری ہے جس طرح عبادات کی پابندی ضروری ہے، مشاورتی کونسل کا فرض صرف اتنا ہے کہ صدرِ مملکت "یا" اراکینِ اسمبلی" جن دینی احکام سے ناواقف ہوں اور اراکینِ مشاورتی کونسل سے دریافت کریں وہ انتہائی دیانت داری کے ساتھ کتاب و سنت کی روشنی میں ان احکام کو بتلا دیں نہ ان کو زیرِ بحث لانے کا سوال ہے نہ ان پر رائے زنی کا، اسی لئے ضروری ہے کہ مشاورتی کونسل کے اراکین اس فرض کو انجام دینے کے اہل ہوں، یعنی کتاب و سنت کے مستند عالم اور قانونِ اسلامی (فقہ اسلامی) کے ماہر ہوں۔

۵. اب شرعی احکام کے اجراء کو اسمبلی کے "فیصلے" یا مطالبہ" پر موقوف رکھنا اور بے معنی "آئینی" گورکھ دھندوں میں الجھانا شرعی احکام کے نفاذ سے انحراف اور روگردانی کے مترادف ہے خصوصاً جب کہ موجودہ دستور" کے تحت پورے اختیارات یا ۹۰ فیصد اختیارات خود صدرِ مملکت کو حاصل ہیں ایسی صورت میں اس قسم کے" دینی" اور" اساسی" امور کو اسمبلیوں کے سپرد کرنا

اور ان کی منظوری یا مطالبہ پر موقوف رکھنا عذرِ لنگ نہیں تو اور کیا ہے۔

اس سلسلہ میں سب سے پہلے رسوائے عالم عائلی قوانین کو ایک آرڈی ننس (صدارتی حکم) کے ذریعہ اسی طرح ختم کریں جس طرح آرڈی ننس کے ذریعہ اسے نافذ کیا تھا یا کم از کم جو ترمیمات علماءِ کرام کر چکے ہیں ان کو فوراً قبول کر لیں اور اس کے علاوہ بقیہ اسلامی قوانین کے اجراء کا بھی اعلان فرما دیں اور صرف اعلان پر اکتفا نہ کریں بلکہ تدریجی طور پر الأھم فالأھم کے اصول پر شرعی قانون نافذ کرتے رہیں تاکہ کم سے کم مدت میں مکمل اسلامی قانون ملک میں نافذ ہو جائے، نیز یہ بھی ضروری ہے کہ "فقہِ حنفی" کو جو اس ملک کے عام باشندوں کا مذہب ہے "اساس" قرار دیں اور اس پر عمل کرنے کے لئے "محاکمِ عدلیہ" میں دو دو، تین تین فقہاِ اسلامی خصوصاً فقہِ حنفی کے مستند ماہرین کا تقرر فرمائیں۔

ایک نہایت اہم تنبیہ آخر میں ایک نہایت ضروری اور اہم تنبیہ گوشگذار کرنا میں اپنا فرض سمجھتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ "اصولِ اسلام کے مطابق ملکی قوانین بنائے جائیں گے۔" چنانچہ آج ہی ایک روزنامہ میں وزیرِ قانون جناب خورشید صاحب کے بیان میں یہی فقرہ شائع ہوا ہے یاد رکھیے اس "فقرہ" کی حقیقت بھی وہی ہے جو مرکزی اسلامی تحقیقاتی ادارہ کے ڈائرکٹر صاحب دادِ تحقیق دے رہے ہیں کہ "قرآن کے ابدی ہونے کے معنیٰ یہ ہیں کہ قرآن کی علل وغایات" ابدی ہیں نصوصِ قرآن میں ترمیم وتنسیخ کی جا سکتی ہے۔" جس کی واضح اور قطعی تردید بینات میں آچکی ہے۔

اس قسم کی پر فریب تعبیر میں ایک خطرناک "تلبیس" (دھوکہ) مضمر ہے جس کی طرف عوام کے ذہن منتقل نہیں ہو سکتے، عوام تو اس قسم کے بیان سن کر خوش اور مطمئن ہو جاتے ہیں کہ چلئے اسلام کے اصول کی پابندی تو حکومت نے تسلیم کر لی۔" لیکن یاد رکھیے کہ اسلام نے جو اصول بتلائے ہیں عدل وانصاف کو قائم کرنا، مجرموں کو سزا دینا وغیرہ وغیرہ انہی اصول پر خود قانون بھی بنائے ہیں اور ان قوانین کا بنانے والا کوئی انسانی دماغ نہیں ہے بلکہ علیم وقدیر رب العالمین نے خود وحی رسالت کے ذریعہ کتاب وسنت میں وہ قوانین متعین فرما دیئے ہیں، مثلاً مجرم اگر

چور ہے تو اس کے جرم کی سزا خود مقرر فرما دی ہے کہ اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے، اگر غیر شادی شدہ مرد و عورت زنا کریں تو مجمعِ عام میں ان کے سو دُرے لگائے جائیں اور اگر شادی شدہ مرد و عورت اس جرم کا ارتکاب کریں تو انہیں "سنگسار کیا جائے" اب اگر کوئی شخص یہ قطع برید کرلے کہ ان مجرموں کو سزا تو دے لیکن یہ سزا نہ دے جو اسلام نے تجویز کی ہے اور قرآن میں اس کی تصریح موجود ہے بلکہ کوئی اور خود ساختہ سزا دے تو یہ صریح اسلامی قوانین کی خلاف ورزی ہوگی اور ومن لم یحکم بما أنزل اللہ کے تحت داخل ہوگا، اگرچہ کہنے کو نفس سزا تو دے دی جوان حضرات کے بقول "اصولِ اسلام" کا تقاضا تھا، یاد رکھئے اسلام تو درحقیقت احکام تجویز کرتا ہے، "اصول" ان احکام سے اخذ کئے جاتے ہیں بالفاظِ دیگر مقدم اور اصل احکام ہیں اور "اصول" ان احکام سے ماخوذ و مستنبط ہیں نہ یہ کہ اصول مقدم اور اصل ہیں اور احکام ان پر مرتب، یہی خداوندی قانون سازی اور انسانی قانون سازی میں فرق ہے، یہ دوسری بات ہے کہ اللہ تعالےٰ کے علم ازلی میں ان کے محرکات و علل ہوتے ہیں، درحقیقت جن کو تم "اصول" کہتے ہو وہ تو دراصل وہ مقاصد و غایات اور مصالح و حکم ہیں جو ان احکام پر مرتب ہوتے ہیں اسلامی احکام کی "اساس" اور "اصول" صرف خدا پرستی ہے اور بس جیساکہ آیتِ کریمہ (و ما خلقت الجن و الانس إلا لیعبدون) سے واضح ہے بدقسمتی یا سوئے فہم سے تشریعِ الٰہی (خداوندی قانون سازی) کی صورت کو برعکس سمجھ لیا گیا اور انسانی قانون سازی پر قیاس کرلیا گیا۔

اسی لئے انسان نہ ان احکام کو بدلنے کا مجاز ہے اور نہ ان غایات و مقاصد اور مصالح و حکم کو متبادل احکام کے ذریعہ حاصل کرنے کا اُسے اختیار ہے کہ اس قسم کا تصرف "خدا پرستی" کے منافی ہے اسی لئے اس کو کفر، فسق اور ظلم کہا گیا ہے۔

غرض جس علیم و قدیر رب العالمین نے اصول بتلائے ہیں اسی نے فروع (احکام) بھی مقرر فرما دیئے ہیں جس طرح ان اصول کا اتباع ضروری ہے ٹھیک اسی طرح ان فروع و احکام کی متابعت بھی ضروری ہے، مدار خدا پرستی "حکم" پر ہے اصول پر نہیں، ہم کو "احکام" کا مکلف

بنایا گیا ہے "اصول" کا نہیں قیامت کے دن سوال ان احکام پر عمل کرنے یا نہ کرنے کا ہوگا۔
عبادت واطاعت کا مظہر بھی "تعمیلِ احکام" ہی ہے۔

یاد رکھئے اگر اس تلبیس کا سدِ باب نہ کیا گیا اور اس پر فریب تعبیر کو اپنایا گیا تو اسلام کی پوری عمارت منہدم ہو جائے گی، نہ عبادات محفوظ رہیں گی نہ معاملات اور یہ "ملحد" خدا کے بھیجے ہوئے اور رسول اللہ کے لائے ہوئے "دین کو مسخ کر کے رکھ دیں گے نعوذ باللہ منہم، یہی وہ الحاد ہے جو یادش بخیر جناب پرویز پھیلانے میں مصروف ہیں اور یہی فریب کاری اس قماش کے اور بہت سے لوگ کر رہے ہیں اور یہ کوئی نئی چیز نہیں ہے اب سے بہت پہلے باطنی ملاحدہ اسی قسم کی تلبیس وتحریف کرتے رہے ہیں اور اسی راستہ سے مستشرقینِ یورپ اسلام اور اس کی تعلیمات پر حملہ آور ہوئے ہیں اور بدقسمتی سے اسی رو میں ہمارے "مستغربین" بھی بہے چلے جا رہے ہیں۔

اس پر فریب تعبیر وتشریح کا دائرہ خدانخواستہ اگر وسیع ہو گیا اور مسلمان اس فریب میں آ گئے تو نماز، روزہ، زکاۃ، حج اور حرمتِ سود وقمار وشراب وزنا اور حدود وقصاص وغیرہ وغیرہ تمام ہی حدود اللہ" اور "شعائر دین" ختم ہو جائیں گے اور اسلام دنیا سے اسی طرح اٹھ جائے گا جیسے ملتِ ابراہیمی کفار ومشرکینِ عرب کی دستبرد سے اور دینِ موسیٰ وعیسیٰ علیہم السلام یہود ونصاریٰ کی تلبیس وتحریف سے مسخ ہو گیا تھا۔

اسی لئے میں مکرر سہ کرر تنبیہ کرنا اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ مسلمان ہوشیار رہیں اس دل کش اور خوشنما تعبیر میں پوری تلبیس والحاد مضمر ہے اور اس طرح کے بیان دینے والے (دانستہ یا نادانستہ) اسلام کی بیخ کنی کر رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو صحیح سمجھ عطا فرمائیں اور دانا دشمن اور نادان دوست دونوں سے بچائیں آمین ثم آمین۔

وصلی اللہ علیٰ خیر خلقہ سیدنا ومولانا محمد وآلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

فروری ۱۹۶۵ء رمضان ۱۳۸۴ھ

انتخابات اور اس کا نتیجہ

اس وقت پاکستان کے گوشے گوشے سے "انتخابات! انتخابات!" کی صدائیں بلند ہو رہی ہیں اور ایک شور و غوغا برپا ہے، بیانات، پریس کانفرنس، مقالات، مضامین، جلسے، جلوس، بدگمانیاں، تلخیاں، الزامات، اتہامات۔ گویا ہنگامۂ محشر برپا ہے، علماء، زعماء اور عوام و خواص سب میدانِ انتخاب میں کود پڑے ہیں، ہر سیاسی و نیم سیاسی پارٹی۔ کیا دین دار کیا بے دین۔ اس فکر میں ہے کہ زیادہ سے زیادہ نشستوں پر قابض ہو۔ اس کے لئے جماعتی مشورے ہو رہے ہیں، تدابیر سوچی جا رہی ہیں، جوڑ توڑ ہو رہا ہے، وزن بڑھانے کے لئے اتحاد کے معاہدے کئے جا رہے ہیں، ان اتحادی معاہدوں میں یہ بھی ہو رہا ہے کہ دو جماعتوں میں اصولی فرق ہے، دونوں ایک دوسرے کے سائے سے بھاگتے ہیں مگر انتخاب کی موجِ بلا ہے کہ اتحاد کی نمائش پر مجبور کر رہی ہے "تحسبھم جمیعًا وقلوبھم شتّٰی" بظاہر مل بیٹھے ہیں مگر دل پھٹے ہوئے ہیں، مخالفوں پر چوٹیں ہو رہی ہیں اور ان کے لئے تحقیر و مذمت کے گھٹیا سے گھٹیا لفظ استعمال ہو رہے ہیں، ادھر ہر جماعت کا یہ دعویٰ ہے کہ ۱۲ کروڑ عوام ہمارے ساتھ ہیں، ملک بھر کے ووٹ ہمارا ورثہ ہے اور ہمارے سوا سب ملک کے دشمن اور عقل کے کورے ہیں، فنڈ جمع ہو رہے ہیں، تھیلیاں پیش کی جا رہی ہیں اور درونِ خانہ خدا جانے کیا کیا ہو رہا ہے۔

ملک کی سیاست کو جس رُخ پر ڈال دیا گیا ہے اور افراتفری اور شورا شوری کی جو ناخوشگوار فضا پیدا ہو گئی ہے، اس کے نتیجہ میں اس "معرکۂ جہاد" کے بعد پیش آنے والے خطرات کا تقاضا ہے کہ چند باتیں صاف صاف عرض کر دی جائیں تاکہ ملک کا ہر دردمند فرد غور و فکر کے بعد صحیح فیصلہ کر سکے۔

دردناک قومی المیہ

انتخابات کو اتنی اہمیت دی جا رہی ہے کہ گویا دنیا و آخرت کی نجات و سعادت تمام تر

اسی پر موقوف ہے، تمام مشکلات کا حل صرف قانون ساز اسمبلی ہے، پاکستان کا مقصدِ وحید یہی تھا اور اسلام کی ساری روح بس اسی میں سمٹ آئی ہے۔ ہر پارٹی کا دعویٰ ہے کہ ہم برسرِ اقتدار آتے ہی اسلام کو نافذ کریں گے اور عوامی مشکلات کو حل کر دیں گے۔

اس بحث کو تو جانے دیجیے کہ مغربی طرز کے جمہوری انتخابات اسلامی تقاضوں کو کہاں تک پورا کر سکتے ہیں، مگر اس حقیقت سے تو انکار نہیں کیا جا سکتا کہ انتخاب صحیح بھی ہو سکتا ہے اور غلط بھی، اچھی قیادت بھی اُبھر کر اوپر آ سکتی ہے اور بُری بھی۔ اقتدار پر مخلصین کا قبضہ بھی ہو سکتا ہے اور خود غرض لوگوں کا بھی۔ اب ذرا انصاف اور حقیقت پسندی سے حالات کا جائزہ لیجیے، مدعیانِ دین و سیاست پارٹیوں میں اکثریت اُن حضرات کی ہے جن کے گذشتہ کارنامے سب کو معلوم ہیں، ان کی "اسلامی خدمات" بھی کسی سے پوشیدہ نہیں، ماضی قریب میں ان کے قول و عمل کے تضاد کی سیاہی ابھی تک خشک نہیں ہوئی اور حال میں ان کے افکار و نظریات، ان کی دعوت، ان کی زندگی کے اعمال و کردار اور ان کا سیاسی مؤقف، آنکھوں کے سامنے ہے، ان سب باتوں سے یہ اندازہ کرنا کچھ مشکل نہیں کہ وہ آئندہ اپنے عزائم کی تکمیل کے لئے کیا کچھ نہیں کریں گے، لیکن تعجب ہے اور افسوس بھی کہ عوام کو نہ ماضی سے عبرت ہے، نہ حال کا مشاہدہ ہے نہ مستقبل کی فکر ہے، انتخابی نعروں کے فریب میں ان تمام حقائق سے آنکھیں بند کئے ہوئے، ماضی و حال کے عادل گواہوں کی شہادت کے خلاف مستقبل کا فیصلہ فرما رہے ہیں، فیا للأسف!

جو قومیں ماضی سے سبق نہیں لیتیں ان کو شاندار مستقبل کی نہیں بلکہ حسرت ناک انجام کی توقع رکھنی چاہیئے اور جس قوم کے افراد سر کی آنکھوں سے سب کچھ دیکھنے کے باوجود پروپیگنڈے کے "سحرِ سامری" پر ایمان لے آئیں یا چند ٹکوں کی خاطر پوری قوم کی نکیل غلط ہاتھوں میں تھما دینے پر آمادہ ہو جائیں، ان کی سادہ لوحی لائقِ ماتم ہے، کیا ہمارے یہاں اس دردناک "قومی المیہ" کو محسوس کیا گیا؟۔

جمہوری الیکشن اور اس کی حقیقت

اب ذرا الیکشن کی کامیابی وناکامی کے نقشہ پر بھی ایک نظر ڈالیئے، اس وقت ملک میں پارٹی در پارٹی کا رجحان غالب ہے، تقسیم در تقسیم کے عمل نے درجنوں کے حساب سے سیاسی جماعتوں کو جنم دیا ہے اور ہر جماعت اس خوش فہمی میں مبتلا ہے ۔ یا محض نمائش کے لئے قوم کو غلط تأثر دیا جاتا ہے ۔ کہ پچاس فیصد ووٹ ہمیں ملیں گے اور شاید بعض حضرات اس سے بھی زیادہ خبط میں مبتلا ہوں اور ۸۰ ۔ ۹۰ فیصد کے خواب دیکھ رہے ہوں، لیکن یہ تمام قیاس آرائیاں سطحی ہیں، عین وقت پر معلوم ہوگا کہ ؏ خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا، جو سُنا افسانہ تھا، کبھی یہ ہو گا کہ عہد وپیمان کسی طرف تھا اور ووٹ کسی اور طرف ڈھلک گیا، کہیں "جس کی لاٹھی اس کی بھینس" کا قصہ ہوگا، کہیں دستِ غیب کا عمل جاری ہوگا، کہیں ترغیب وترہیب کے حربے آزمائے جائیں گے کہیں وعدہ وعید کی کارفرمائی ہوگی، کہیں اثرورسوخ سے کام نکالا جائے گا، گذشتہ دور میں یہ سب کچھ ہوتا رہا ہے اور آئندہ کیا کچھ نہیں ہوگا ؟ انتخابی جنگ میں اس "خفیہ اسلحہ" کا استعمال بند ہونا چاہیئے تھا مگر ابھی تک اس کی روک تھام کا خیال نیک خواہشات سے آگے نہیں بڑھ سکا، ان حالات میں یہ سمجھنا کہ کوئی پارٹی بھاری اکثریت سے کامیاب ہو جائے گی خود فریبی کے سوا اور کیا ہے ؟

وجود میں آنے والی اسمبلی کے فرائض

اب دیکھئے کہ الیکشن کے نتائج کیا ہوں گے ؟ سب کو معلوم ہے کہ صدارتی حکم کے مطابق آئندہ وجود میں آنے والی اسمبلی کو ۱۲۰ دن میں "اسلامی جمہوریہ پاکستان" کا "اسلامی دستور" بنانا ہوگا۔ خدانخواستہ اس مدت میں وہ کسی متفقہ دستور کا فیصلہ نہ کر سکے تو آئین ساز ادارہ خود بخود معطل سمجھا جائے گا اور صدرِ محترم اپنی صوابدید کا دستور نافذ کریں گے ۔

ادھر سیاسی جماعتوں کی ذہنی سطح کا اندازہ اوپر کے دیئے گئے نقشہ سے لگایا جاسکتا ہے، انہیں انتخابی سرگرمیوں کی وجہ سے ۔ یا غالباً ہر جماعت کے بیجا پندار کی بنا پر ۔ اس پر غور وفکر

کرنے کی مہلت ہی نہیں ملی کہ نہ یہ موسم سیاسی جنگ کے لئے راس ہے نہ گروہی عصبیت یا ذاتی خوش فعلیوں کے لئے موزوں ہے، قوم کی کشتی منجدھار میں ہے، سب کو مل جل کر اسے پار لگانے کی فکر کرنی چاہیئے تھی، باوقار قومیں بے آئین اور بے دستور الیکشن نہیں لڑا کرتیں۔

اگر ہمارے سیاسی لیڈر فی الواقع مخلصانہ سوجھ بوجھ سے کام لیتے تو الیکشن سے پہلے آئینی دفعات پر اتفاق ضروری تھا مگر یہاں آئین تو کیا کسی آئینی بنیاد پر بھی اتفاق رائے ضروری نہیں سمجھا گیا، باہمی نفرت و بیزاری کے بل پر سیاسی معرکہ شروع کر دیا گیا جس کا نتیجہ ظاہر ہے کہ اول تو کسی پارٹی میں اتنا وزن نہیں کہ اپنے نمائندوں کی بھاری اکثریت آئین ساز اسمبلی میں بھیج دے، بالفرض ایسا ہو بھی جائے تو اس بات کا کیا اطمینان ہے کہ پارٹی کے معزز ممبر اسمبلی میں پہنچ کر پارٹی کے وفادار رہیں گے، کسی جوڑ توڑ، رسہ کشی اور مفاد پرستی کا شکار نہیں ہوں گے، وہ جاتے ہی بس دستوری دفعات مرتب کرنا شروع کر دیں گے اور سب یک زبان ہو کر برق رفتاری کے ساتھ آئینی مسودہ ۱۲۰ دن میں بنا ڈالیں گے؟ اگر ایسا ہو جائے اور خدا کرے ہو جائے، تو بلاشبہ یہ پاکستانی قوم کی بہت بڑی "کرامت" ہوگی مگر باہر کی تلخی کے پیش نظر اس "کرامت" کے امکانات بہت کم ہیں اور اگر بالفرض اکثریت ایک آئینی مسودہ پر متفق ہو جائے تو کیا ضروری ہے کہ وہ تسلیم بھی کر لیا جائے گا اور کوئی غیر متفق اقلیت اس میں کوئی سقم نکال کر اسے سبوتاژ کرنے کی کوشش نہیں کرے گی۔

خلاصہ یہ کہ موجودہ الیکشن جن حالات میں ہو رہا ہے اور جس انداز سے سیاسی زور آزمائی ہو رہی ہے اسے دیکھ کر تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس کا راستہ ایک ایسے بحران پر جا کر ختم ہوتا ہے کہ اس کے بعد جو خلا پیدا ہوگا، اس کے تصور سے بھی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، کہاں کا آئین؟ کہاں کا دستور؟ کہاں کا اسلام؟ اور کہاں کا دین؟ افسوس ہے کہ بیرونی سازشوں اور خفیہ ہاتھوں سے جن ہولناک خطرات کا سامنا ہے ان کی طرف ہلکا سا اشارہ بھی کیا جائے تو موجودہ حالات میں اسے "مجذوب کی بڑ" سمجھ کر ٹال دیا جاتا ہے، حسبنا اللہ ونعم الوکیل۔

یہ سیاسی گرم بازاری جس کی خاطر ہزاروں پاپڑ بیلے جا رہے ہیں، لاکھوں مسلمانوں کے دلوں

میں عداوت ونفرت اور کراہت وبیزاری کے بیج بو کر انہیں ایک دوسرے کا دشمن بنایا جا رہا ہے قوم کا کروڑوں روپیہ اس داؤ پر لگا دیا گیا ہے، بے حد قیمتی صلاحیتوں کو ضائع کر دیا گیا ہے حتیٰ کہ مسلمانوں کی عزت وحرمت کو بھی مباح بنا دیا گیا ہے، اس کا نتیجہ موہوم، مشکوک بلکہ صفر ہے ضرورت ہے کہ اس کے حقیقی اسباب کا جائزہ لے کر غلطی کی اصلاح کی جائے، ان تمام اسباب پر تفصیل سے گفتگو کرنا تو مشکل ہے، البتہ بعض بنیادی امور کی نشاندہی ضروری ہے۔

پاکستانی قوم کے بائیس سال

بائیس سال سے اوپر سے نیچے تک قوم کی دینی واخلاقی اور معاشی "صحت" کو تباہ کرنے کے اَن گنت ذرائع تو فراہم کئے گئے لیکن واقعہ یہ ہے کہ قوم کی اصلاح وتربیت کے لئے کوئی ملک گیر مہم نہیں چلائی گئی، نہ قوم کے مختلف اعضاء میں باہمی تعاون، اخوت ومؤاسات اور ایثار وقربانی کا جذبہ پیدا کیا گیا، نہ ایمان باللہ اور محاسبۂ آخرت کی بنیاد پر ایک دوسرے کے حقوق ادا کرنے کا ولولہ پیدا کیا گیا، اسلامی شعائر سے رشتہ توڑ دیا گیا، دینی اعمال زندگی سے خارج ہو گئے، ظاہر ہے کہ اس کے بعد کسی خیر کی توقع کیونکر ہو سکتی ہے؟ شور وشر اور فتنہ وہنگامہ آرائی سے ہٹ کر دینی واخلاقی بنیادوں پر جس قوم کی تعمیر اور تربیت نہ ہو اس سے سفلی مظاہرے تو ہو سکتے ہیں مگر وہ ملک وملت کا کوئی مفید کارنامہ انجام نہیں دے سکتی، بلاشبہ بے دین یا بد دین جماعتیں اور خود غرض افراد اس کام کی طرف کبھی توجہ نہیں کریں گے، ان کا مفاد اسی میں ہے کہ قوم کا اخلاقی مزاج بگاڑ دیا جائے اور دینی ڈھانچہ تباہ کر دیا جائے مگر جن لوگوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کا ذرا بھی خوف ہے ان کی طرف سے جو کوششیں انتخابات کے لئے کی جا رہی ہیں، اگر اس سے آدھی محنت بھی دعوت واصلاح پر صرف کی جائے تو قوم کا نقشہ ہی بدل جائے گا، اور جب معاشرہ میں صلاح وتقویٰ کی فضا پیدا ہو جائے تو نہ انتخابات پر کروڑوں روپے کے خرچ کی ضرورت، نہ دلوں میں عداوت ونفرت کے بیج بونے کی ضرورت، نہ بے ضمیر افراد کے ابھر آنے کا اندیشہ، نہ کسی سازش کے آلہ کار بننے کا خطرہ۔ بنیاد صحیح اور مضبوط ہو تو اس پر جو عمارت بنائی جائے گی وہ مضبوط ہوگی، ورنہ ہم ریت پر ہوائی قلعے تعمیر کر کے خوش

ہوں گے اور نتیجہ کوہ کندن وکاہ برآوردن ہوگا ؎

مصلحت دید من آنست کہ یاراں ہمہ کار
بگذارند وخم طرۂ یارے گیرند

کامیابی وکامرانی کا راستہ

یہاں سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا مشہور ارشاد جسے محب طبری نے "الریاض النضرۃ" میں نقل کیا ہے، یاد آتا ہے۔

لن یصلح آخر ھذہ الأمۃ إلا ما صلح بہ أولھا۔ اس امت کے آخری حصے کی اصلاح بھی بس اسی چیز سے ہو سکتی ہے جس سے اس کے پہلے حصہ کی اصلاح ہوئی۔

ربع صدی سے یہاں سب کچھ آزمایا جا چکا ہے، آیئے اس جدید نظریہ کو بھی آزما لیجئے۔

ع فلک را سقف بشگافیم وطرحِ نو در اندازیم

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرائضِ منصبی

قرآنِ حکیم نے چار مقامات پر حضرت خاتم الانبیاء جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چار منصب بیان فرمائے ہیں:۔

(۱) آیات پڑھ کر سُنانا۔

(۲) تزکیہ کرنا، یعنی کفر وشرک، بدعملی وبداخلاقی اور امورِ جاہلیت سے ان کو پاک صاف کرنا۔

(۳) کتاب اللہ کے احکام کی تعلیم دینا اور اس کے مضامین کی تشریح کرنا۔

(۴) حکمت ودانائی، احکام کے علل وغایات اور شریعت کے اصول ومقاصد کی تعلیم دینا۔

"تزکیہ" سے مراد عقائد ونظریات اور اعمال واخلاق کی پاکیزگی ہے، قرآنِ کریم نے تین مقامات پر "تزکیہ" کا "تعلیم" سے مقدم ذکر فرمایا جس سے ایک بات تو یہ معلوم ہوتی ہے کہ بقدرِ ضرورت تزکیہ، تعلیم سے پہلے ہونا چاہیئے، تعلیم اسی وقت مفید اور بار آور ہو سکتی ہے جبکہ قلوب میں اس کے قبول کرنے کی اہلیت اور جذب کرنے کی صلاحیت موجود ہو، زمین کو پہلے کاشت کے

قابل بنایا جائے پھر تخم ریزی کی جائے، ورنہ وہی کیفیت ہوگی جو عارفِ شیرازی نے فرمائی ہے

باراں کہ در لطافتِ طبعش خلاف نیست
در باغ لالہ روید و در شورہ بوم خس

یہ تزکیہ حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے فیضانِ صحبت اور مکارمِ اخلاق سے حاصل ہوتا تھا اور اب بھی بقدرِ استعداد اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں سے ربط و تعلق اور ان کی صحبت اور مجالست سے حاصل ہو سکتا ہے۔

دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ تعلیم کتاب و حکمت سے بھی اصل مقصود تزکیہ ہے، یہ نہ ہو تو ساری تعلیم بیکار ہے، اعمال و اخلاق کے بغیر نرے علوم و معارف کی حق تعالیٰ کے یہاں کوئی قدر نہیں، آدمی ساری دنیا کی کتابیں چاٹ لے، لیکن اگر انسانی اخلاق اور ایمانی اعمال نہیں تو "پڑھا لکھا جانور" تو ہو سکتا ہے، مگر "انسان" کہلانے کا مستحق نہیں۔

تزکیہ کے بغیر نہ ایمان میں رسوخ کی کیفیت اور یقین و اطمینان کی قوت پیدا ہوگی، نہ اخلاق درست ہو سکیں گے نہ اخلاص کی دولت ملے گی، نہ اعمال پر مداومت نصیب ہوگی، نہ "اندر کا فرعون" (مکار نفس) ہلاک ہوگا، نہ مخلوق سے لڑائی بند ہوگی۔

ع نفسِ ما ہم کم تر از فرعون نیست

یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں: تعلمنا الإیمان ثم تعلمنا القرآن، کہ ہم نے پہلے ایمان سیکھا پھر قرآن سیکھا، یہ ایمان کا سیکھنا" ہی تزکیہ کہلاتا ہے کہ قلب غیر اللہ کے بتوں سے پاک ہو، اعمال ریا وغیرہ سے پاک ہوں اور نفس کمینے اخلاق سے پاک ہو، معاشرہ امورِ جاہلیت سے پاک ہو، کمائی حرام اور مکروہ ذرائع سے پاک ہو، وغیر ذلك۔

یہی تزکیہ تھا جس کی وجہ سے حضراتِ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو اللہ تعالیٰ نے بہت سی بشارتوں سے نوازا اور انہیں آسمانی وحی کی شہادت اور سند ملی، سورۂ فتح میں ان کے امتیازی اوصاف ذکر کرتے ہوئے ایک وصف باہمی رحمت و شفقت ذکر کیا گیا ہے، رحماء بینھم، یہ وصف کامل تزکیہ کے بعد ہی حاصل ہو سکتا ہے اور اسی کو نہ سمجھنے کی خرابی ہے کہ صحابہؓ سے بدگمانی پیدا ہوتی ہے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے صحابۂ کرامؓ کا پہلا وصف یہی بیان فرمایا،

اَبَرُّهُمْ قَلْبًا کہ ان کے دل بہت پاک صاف تھے، دوسرا وصف بیان فرمایا :۔ وأعمقهم علمًا ان کا علم بڑا گہرا تھا، تیسرا وصف بیان فرمایا ، وَاَقَلُّهُمْ تَکَلُّفًا ان کی زندگی تکلفات اور تصنّع سے پاک تھی ۔

حضراتِ صوفیاء اور اشاعتِ دین

حضرات صوفیاءِ کرام (رحمہم اللہ) جن کے ذریعہ دین کی تبلیغ و اشاعت سلاطین کی تلوار اور علمائے قلم سے بھی زیادہ ہوئی ہے ان کا خاص موضوع یہی ہے کہ نفوس کی تربیت اور اخلاق کا تزکیہ کیا جائے ان کے یہاں بھی تربیت کا ایک طریقہ یہ ہے کہ پہلے جذب ہو پھر سلوک ، اسی کا نام "مجذوب سالک" رکھتے ہیں ، بظاہر یہ طریقہ أقرب إلی القرآن ہوگا ۔

البتہ قرآنِ کریم میں صرف ایک جگہ جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا نقل فرمائی ہے ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ان چار مناصب میں سے تزکیہ کو کتاب و حکمت کی تعلیم کے بعد سب سے آخر میں رکھا ہے ، اس سے ایک تو اس طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے کہ تعلیم کا اول و آخری مقصد تزکیہ ہے ، دوسرے اس طرف اشارہ ہے کہ تزکیہ بقدرِ ضرورت تو تعلیم سے پہلے ہونا چاہیئے مگر کامل تزکیہ کی نوبت تعلیم کے بعد ہی آسکتی ہے یعنی علم کے بعد عمل ہوگا اور علم ہی ذریعہ بنے گا عمل کا ، گویا اس آیت میں تربیت کا دوسرا طریقہ بیان فرمایا ہے جو حضراتِ صوفیہ (رحمہم اللہ) کے یہاں "سالک مجذوب" کہلاتا ہے ، لوگوں کی استعدادیں مختلف ہوتی ہیں کسی کو تعلیم کے بعد بھی تزکیہ کی ضرورت رہتی ہے اور کسی کو تزکیہ کے بعد تعلیم کی حاجت ہوتی ہے نہ تزکیہ کے مراتب ختم ہوتے ہیں ، نہ تعلیم کی انتہا ہے ۔

خلاصہ یہ کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا منصب صرف تعلیم اور سمجھانا ہی نہیں تھا بلکہ اس کی تعمیل کرانا اور قوم کو ایک باعمل اُمت بنانا بھی تھا ، جب تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دیئے ہوئے نقشہ کے مطابق تعلیم و تربیت پر محنت نہیں ہوتی اور افراد کی اصلاح کے ذریعہ ایک پاکیزہ اور صالح معاشرہ وجود میں نہیں آتا ، سیاسی محنت صحیح طریق پر بار آور نہیں ہوگی اور تمام قوتیں شر و فساد کی نذر ہو جائیں گی ۔

اسلامی سیاست اور موجودہ سیاست

دینی تربیت کے فقدان ہی کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ باوجودیکہ تمام زعماء اور سیاسی لیڈر اسلام کی خدمت کا اعلان فرما رہے ہیں اور ملک و ملت کی صحیح نمائندگی کا دم بھرتے ہیں، یقیناً ان میں سے بعض حضرات مخلص بھی ہوں گے اور وہ "اسلام" کے نام کو محض اقتدار طلبی کے لئے استعمال نہیں کرتے ہوں گے، لیکن ان "اسلامی نمائندوں" کی اکثریت اس بات سے بھی واقف نہیں کہ جس "اسلام" کا ہم نام لیتے ہیں، اسی "اسلام" نے سیاست کے بھی کچھ آداب تجویز کئے ہیں، اور بے ہنگم سیاست بازی پر کچھ پابندیاں عائد کی ہیں، مثلاً موجودہ سیاست کی بنیاد ہی اس بات پر قائم ہے کہ ایک شخص اقتدار طلبی کے لئے کھڑا ہو، اپنی پارٹی بنائے، اپنا پروگرام قوم کے سامنے رکھے اور قوم سے اپیل کرے کہ اس کو ووٹ دے کر کرسی اقتدار پر فائز کیا جائے، اس کے بعد وہ جانے اور قوم کے مسائل۔

اب دیکھئے کہ اسلام، اقتدار طلبی کے مزاج ہی کی جڑ کاٹ دیتا ہے، اسلام اقتدار کی خواہش کو پسند نہیں کرتا بلکہ وہ یہ ذمہ داری معاشرہ پر ڈالتا ہے کہ وہ ایسے افراد کو آگے لائے جو:۔ (لا یریدون علواً فی الارض ولا فساداً) (جو نہیں چاہتے زمین میں اونچا ہونا اور نہ فساد) کے معیار پر پورے اتریں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی ایسے شخص کو جو عہدہ کی درخواست لے کر آئے، عہدہ نہیں دیتے تھے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ہاتھ جوڑ جوڑ کر اور منتیں کر کر کے حضرات صحابہؓ کو عہدے دیئے ہیں، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو عہدۂ قضاء کی پیش کش کی، انہوں نے انکار کیا، امیر المؤمنینؓ نے فرمایا: تمہارے باپ نے بھی تو قبول کیا تھا۔ عرض کیا: ان میں ہمت ہو گی، مجھ میں نہیں۔" امیر المؤمنین نے منت و سماجت کی مگر ان کی معذرت غالب آ گئی، حضرت عثمانؓ نے فرمایا: بہت اچھا، مگر کسی اور کو نہ بتانا، ورنہ کوئی بھی اس کے لئے آمادہ نہ ہو گا، حضرت تھانویؒ کے ملفوظات میں ہے، کہ شاہ عبدالعزیزؒ کا جامع مسجد دہلی میں وعظ تھا جس میں ایک انگریز بہادر بھی موجود تھا تقریر کے بعد اس نے مسلمانوں سے سوال کیا کہ مسلمانوں کے ہاتھ سے سلطنت کیوں جاتی رہی؟ کسی نے کچھ جواب دیا، کسی نے کچھ، اس نے کہا میں بتاتا ہوں کہ

اصل وجہ یہ بھی کہ اس منصب کے اہل لوگوں نے اس سے گریز کیا اور نا اہل لوگ اوپر آگئے اور یہی نااہلی زوالِ سلطنت کا باعث بنی۔

مسلمانوں کی نمائندگی

ہم جانتے ہیں کہ اس زمانۂ قحط الرجال میں جس میں انسانوں کی تو افراط ہے مگر "آدمی" بہت کم ہیں، نہ اسلام کا معیاری معاشرہ ہے، نہ معیاری نمائندے مل سکتے ہیں لیکن کم از کم اتنا تو ہو کہ جو لوگ اسلام کی خدمت اور مسلمانوں کی نمائندگی کا دعویٰ لے کر اٹھیں ان میں صوم وصلوٰۃ کی پابندی، دینی شعائر کا احترام، اسلام کے ضابطۂ حیات پر کامل اذعان اور اسلامی اخلاق و اعمال پائے جائیں، وہ قول کے سچے اور بات کے پکے ہوں، انہیں غریب مسلمانوں کے مسائل کی سمجھ بوجھ اور دینی احکام کا شعور ہو، ملت کے تمام افراد کے یکساں ہمدرد ہوں، وہ اسلام دشمن طاقتوں کے ہاتھ کا کھلونا نہ بنیں، گذشتہ بائیس سالہ تجربہ شاہد ہے کہ غیر تربیت یافتہ اور غیر اصلاح شدہ نمائندوں نے اسمبلیوں میں کیا گل کھلائے ہیں، اب پھر اسی قسم کے لوگوں کو آگے لانے کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہے کہ اس الیکشن اور اس کے بعد وجود میں آنے والی دستوریہ سے جو توقعات وابستہ کی جارہی ہیں ان کا حشر بھی وہی ہوگا جو پہلے ہو چکا ہے، یہ دستور سازی کا سارا وقت اکھاڑ پچھاڑ میں کھو دیں گے اور ۱۲۰ دن بعد کہا جائے گا کہ اسلامی دستور پر قوم کے نمائندے متفق نہیں ہو سکے، لا فعل اللہ ذلک۔

جن لوگوں کا بارہا تجربہ ہو چکا ہے، دوبارہ ان ہی کا تجربہ کئے چلے جانا اور جن کی "اسلامیت" کا نقشہ آنکھوں کے سامنے ہے ان پر اعتماد کر لینا، اس کا نتیجہ سوائے ندامت کے اور کیا ہوگا، حافظ شیرازیؒ فرماتے ہیں:

ہر چند کازمودم ازوے نبُود سودم

من جرب المجرب حلت به الندامة

(میں نے ہر چند اُسے آزمایا، مگر مجھے اُس سے کچھ نفع نہ پہنچا جو شخص تجربہ شدہ کو آزماتا ہے اسے ندامت کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا) ۲

موجودہ حکومت اور اسلامی آئین

موجودہ حکومت نے اپنی صوابدید کے مطابق یا رائے عامہ کا احترام کرتے ہوئے جو بہت سے اہم اقدامات کئے ہیں اور ان کے بارے میں جو فیصلے مخالف آواز کے باوجود پوری قوت سے نافذ کئے ہیں، ان کے تذکرہ کی ضرورت نہیں، سوال یہ ہے کہ کیا" اسلامی آئین" کا مسئلہ اتنا الجھا ہوا ہے کہ اسے آئندہ اسمبلی پر ٹال دیا گیا ؟ اسمبلی جن حالات و کوائف میں وجود میں آئے گی وہ کسی سے ڈھکے چھپے نہیں اور اس سے جو ناقابلِ اصلاح بحران پیدا ہو جانے کا قوی امکان ہے وہ بھی مخفی نہیں۔

اس کا احساس ہر عامی کو بھی ہے، کیا اس کا نتیجہ یہ نہیں ہوگا کہ قوم ہمیشہ کے لئے بے دستور رہے اور اسلامی آئین کی راہ میں ایک ایسی خندق حائل کر دی جائے جسے صدیوں تک پاٹنا ممکن نہ ہو؛ قوم مسلمان ہے ملک مسلمانوں کا ہے، اسے اسلام ہی کے نام پر حاصل کیا گیا ہے یہاں بغیر کسی بحث و تمحیص کے "اسلامی آئین" نافذ ہونا چاہیئے، جو خود گو مگو کی حالت میں ہوں گے جو متضاد ذہن لے کر اسمبلی میں جائیں گے اور جن کی ناکامی کی سزا پوری قوم کو خدا جانے کب تک ملتی رہے گی۔

مارشل لاء حکومت کی بے نفسی و بے غرضی اس صورت میں زیادہ نمایاں ہو سکتی ہے کہ وہ اربابِ حل و عقد، علماء و زعماء اور ماہرینِ قانون کے مشورے سے ایک مسودۂ آئین تیار کر کے اسے منظور کر لیتی، اس کے مطابق انتخابات ہوتے اور آئین ساز اسمبلی کو حق دیا جاتا کہ وہ اسے منظور کرے یا اس میں مناسب ترمیم کرے، یا کم از کم اتنا ہی کر لیا جاتا کہ ایک آئینی مسودہ اسمبلی میں پیش کر دیا جاتا اور اس کے ساتھ یہ تصریح کر دی جاتی کہ دستور کی فلاں فلاں دفعات، جن کا تعلق اسلامی قانون کے نفاذ سے ہے زیر بحث نہیں آئیں گی اور ان کے علاوہ انتظامی نوعیت کی دفعات میں ایوان کو ترمیم کا حق ہوگا، تب بھی امکان تھا کہ اسمبلی ۱۲۰ دن میں اس بھاری بوجھ سے عہدہ برآ ہو سکتی، غالباً یہ پہلا تجربہ ہے کہ اسمبلی کو کسی مسودہ کے بغیر ہی آئین سازی کی زحمت دی جائے اور اس کے لئے چار ماہ کی مدت بھی مقرر کر دی جائے۔

جہاں تک اسلامی قانون کے نفاذ کا تعلق ہے وہ اُمتِ مسلمہ کی مشترکہ میراث ہے، اس پر رائے زنی، بحث وتمحیص اور ووٹنگ یا اختلاف رائے کا کوئی اعتبار نہیں، اسمبلی کا دائرہ عمل انتظامی امور، خارجہ پالیسی، شعبوں کی تقسیم اور ہر شعبے کے اختیارات جیسے مسائل تک محدود رہنا چاہیئے تھا، خلاصہ یہ کہ اسلام میں شریعت کے مسلمہ اصول وقواعد اور احکام ومسائل پر رائے زنی کا حق کسی حکمران کسی ادارے اور کسی گروہ کو نہیں دیا گیا۔

راہِ نجات

اوپر جو کچھ عرض کیا گیا ہے اس سے مستقبل کے بھیانک خطرات کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے، نجات کا مختصر راستہ بس یہ ہے کہ:۔

(۱) سیاسی جماعتوں اور ان کے قائدین کو مشرقی ومغربی، سُرخ وسفید اور دائیں بائیں کی تلخیوں کو مزید نہیں بڑھانا چاہیئے، گروہی مفادات سے ہٹ کر اُمت کے مفاد کی بنیاد پر سوچنا چاہیئے، انہیں یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیئے کہ اصولی طور پر الیکشن محض کرسئ اقتدار کے لئے نہیں بلکہ دستور بنانے کے لئے ہے اور اگر باہمی مفاہمت نہیں ہوئی اور فضا کو خوشگوار نہیں بنایا گیا تو نہ دستور بنے گا نہ اسمبلی رہے گی، نہ آپ لیڈر رہیں گے، نہ آپ کی سیاسی جماعت رہے گی، اس نازک وقت میں ایک دوسرے پر الزامات تھوپنا، نفرت انگیزی کی مہم چلانا اور ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کی روا اور ناروا کوششیں کرنا، سیاسی نابالغی کی علامت اور خودکشی کا پیش خیمہ ہے، اگر سیاسی جماعتوں کے قائدین میں ذرا بھی اخلاص وایمان اور فہم وبصیرت ہے تو ان کو باہمی مفاہمت، خلوص اور اسلامی وفاداری کے خطوط پر سوچنا ہوگا، ظلم وعدوان کا ماحول بنانے کے بجائے برّو تقویٰ اور خلوص ونیک دلی کی فضا پیدا کرنی ہوگی، بہرحال یہ الیکشن فیصلہ کرے گا کہ ہمارے سیاسی قائدین ہوش اور تدبر کے ساتھ ملک کا نظام بھی چلا سکتے ہیں یا صرف لڑنا جانتے ہیں۔

(۲) اُمت کے مختلف اعضاء میں جو بدمزگی پیدا ہو رہی ہے یا جان بوجھ کر پیدا کی جارہی ہے یہ بھی پوری قوم کے لئے پیامِ موت ہو سکتی ہے، آجر واجیر، کارخانہ دار اور کاریگر کسان اور زمیندار، غریب اور امیر، اساتذہ وطلبہ، مختلف طبقات نہیں بلکہ حسبِ ارشادِ نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم)

امتِ مسلمہ کے اعضاء اور ایک دوسرے کے دست و بازو ہیں جو شخص بھی ان میں منافرت پیدا کرنا چاہتا ہے، وہ پوری قوم کو مفلوج کرنے کے درپے ہے اور ملک کو تباہی کے غار میں ڈھکیلنا چاہتا ہے، شدید ضرورت ہے کہ ملت کے ایک ایک فرد میں "حق طلبی" کے بجائے حق شناسی اور حق دہی کا ایسا جذبہ پیدا کیا جائے کہ کسی کو کسی سے شکایت کا موقعہ نہ رہے، ایک فرد کا دکھ درد پوری قوم کو تڑپا کر رکھ دے، مشکلات کو ہمدردی سے حل کیا جائے، ضد اور ہٹ دھرمی کے ذریعہ مشکلات میں مزید اضافہ نہ ہونے دیا جائے۔

(۳) ملک کے بارہ کروڑ عوام کو اچھی طرح محسوس کرنا چاہیئے کہ دستور سازی کا سارا بوجھ صدر مملکت نے دراصل ان کے کندھوں پر ڈال دیا ہے اگر قوم کسی آئینی بحران کا شکار ہوئی تو اس کی مسئولیت سے کوئی فرد بھی بری الذمہ نہیں ہوگا، جو نمائندے آپ کے ووٹ سے منتخب ہوں گے، ان کی اچھی یا بُری کارگذاری آپ کے سر ہوگی، اس لئے ملک کے ایک ایک فرد کا یہ فرض ہے کہ وہ کسی حلقے سے خود غرض، مفاد پرست، بددین اور منافقت پیشہ لوگوں کو کامیاب ہونے کا موقعہ نہ دیں بلکہ صرف ان ہی افراد کو منتخب کریں جن کے دین و دیانت پر اعتماد ہو، جو اسلام پر غیر متزلزل ایمان رکھتے ہوں، بے ایمان اور بددین نہ ہوں، دینی شعائر کا احترام کرتے ہوں، اعمالِ شرعیہ کے پابند ہوں، ملک و ملت کے خیر خواہ ہوں، غریب عوام کا واقعی درد رکھتے ہوں ان کی زندگی اور سیرت و کردار پر ظلم و ستم کے داغ نہ ہوں، خواہ ان کا تعلق کسی پارٹی سے ہو۔

علماءِ کرام اور الیکشن ہم نے حضرات علماءِ کرام (ثبتنا اللہ وایاھم علی دینہ) کی خدمت میں بہت کچھ لکھا ہے، مگر اب تک یہ ہوا ہے کہ ہر فریق نے اپنے مطلب کی باتیں لے لیں اور باقی تھوک دیں، بقول عارف رومیؒ :۔

ہر کسے از ظنِ خود شد یارِ من
وز درونِ من نجست اسرارِ من

اس لئے اب مزید لکھنے کو جی نہیں چاہتا، تاہم ملک و ملت کے نئے حالات کا تقاضا ہے کہ دونوں طرف کے بزرگوں سے ایک دوسرے کے بارے میں ایک بار پھر عرض کیا جائے کہ :۔

صِلْ مَنْ قَطَعَكَ وَاعْفُ عَمَّنْ ظَلَمَكَ وَاَحْسِنْ اِلٰى مَنْ اَسَاءَ اِلَيْكَ۔ (جو تم سے کٹے تم

اس سے جڑو، جو تم پر ظلم کرے تم اسے معاف کر دو اور جو تم سے بُرائی سے پیش آئے تم اس سے بھلائی کرو) ارشادِ نبوت ہے اور حضراتِ علماءِ کرام ہی سے اس اخلاقِ نبوت کے نمونے کی توقع رکھی جا سکتی ہے۔

رہا نظریات کا اختلاف تو یہ محض سراب اور دھوکہ ہے ؎

لبقولِ دشمن پیمان دوست بشکستی

ببیں کہ از کہ بریدی و با کہ پیوستی

اسی دھوکے میں آکر ایک فریق بتدرع جماعتوں کے ساتھ تو معاہدہ کرتا ہے کہ نہ ان کے خلاف لب کشائی ہو گی نہ قلم کو جنبش آئے گی مگر دوسرے فریق کو سوشلسٹ کہا جاتا ہے اور یہ دوسرا فریق ایسے لوگوں کے ساتھ جن کی اسلام سے وابستگی کا حال سب کو معلوم ہے، انتخابی وعدہ کرتا ہے (اور ان کے ہر قول و عمل کی توثیق ضروری سمجھی جاتی ہے) مگر پہلے فریق کو امریکی سامراج اور سرمایہ داروں کا ایجنٹ قرار دیتا ہے، اناللہ۔ گویا جن بزرگوں کی داڑھیاں قال اللہ وقال الرسول میں سفید ہوئیں اور آج بھی بحمد اللہ اسی خدمت میں مشغول ہیں وہ تو یکایک خدانخواستہ ایک طرف سے سوشلسٹ اور دوسری طرف سے امریکی سامراج کے ایجنٹ بن گئے اور جن کے پیمانِ وفا کا نیا نیا انکشاف ہوا ہے وہ پکے مسلمان یا اسلام پسند ہیں۔

صدق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ویُقصی آباہ ویدنی صدیقہ۔

ہمارا مقصود ان معاہدوں پر یا ان بزرگوں کے اخلاص پر تنقید کرنا نہیں، ہم خود اس حق میں ہیں کہ اس نازک وقت میں زیادہ سے زیادہ اُمت کو "اسلام کے ایک پلیٹ فارم" پر جمع کیا جائے ہماری تمنا ہے کہ وہ ان کو اور یہ ان کو کھینچ کر لائیں اور اُمتِ واحدہ بنا دیں، اوپر جو کچھ کہا گیا ہے اس کا منشا یہ ہے کہ :-

(۱) جب دور دور جا کر صلح ہو سکتی ہے اور معاہدے کئے جا سکتے ہیں تو غلط فہمیوں کے غبار میں نزدیک والوں سے ملنے کو کیوں کسرِ شان سمجھا جائے؟

(۲) جس سے انتخابی معاہدہ کر لیا جائے کیونکر اس کے ہر قول و عمل کی توثیق کی جائے؟

(۳) اگر ایک کا موقف دوسرے کی سمجھ میں نہیں آیا تو اس کے لئے ضرورت افہام و تفہیم کی

ہے یا کہ تمنا بن جا لالقاب کی ؟

(۴) اصول یہ ہونا چاہئیے کہ صحیح بات اگر حریف کہے تو رد نہ کرو، اور غلط بات حلیف کے مُنہ سے نکلے تو تاویلیں نہ کرو۔

بہر حال یہ ایک ضمنی بات تھی جو بادلِ ناخواستہ زبانِ قلم پر آگئی، اصل بات جو حضراتِ علماءؒ سے عرض کرنی ہے وہ یہ ہے کہ ان کو اور ان کے ساتھ تمام مخلص مسلمانوں کو ناکام کرنے کا منصوبہ بن چکا ہے اور اس کی تفصیلات طے ہو چکی ہیں، نصف منصوبہ الیکشن سے پہلے کا ہے اور نصف اس کے بعد کا، بائیس سال سے باطل قوتیں دھیرے دھیرے اپنا راستہ بنا رہی تھیں مگر انہیں کھل کر سامنے آنے کی ہمت نہیں تھی، انہیں ان بوریہ نشین درویشوں اور دین و ملت کے پاسبانوں کی قوتِ ایمانی کا احساس تھا، اچانک تاریخ نے ایک نیا ورق اُلٹا، اور یہ الیکشن سامنے آیا جس کا ماقبل و مابعد پیش کیا جا چکا ہے، طاغوتی قوتوں نے محسوس کیا کہ یہی موقعہ ہے کہ راستے کے اس پتھر کو ہٹا دیا جائے اور علماء کو ان ہی کی تلوار سے کاٹ دیا جائے، چنانچہ پروپیگنڈے کے ذریعہ علماء میں پھوٹ کی بنیاد ڈالی گئی، اخبارات میں جھوٹی سچی خبریں چھاپی گئیں، لگائی بجھائی کے لئے دونوں طرف مفسدوں کا ایک ٹولہ مقرر کیا گیا، ایک کو سفید سامراج کے خلاف اُکسا کر کام نکالا گیا، دوسری طرف سُرخ آندھی کے خطرہ کی گھنٹی بجائی گئی، کوئی آئے نہ آئے مگر دونوں طرف سے علماء کو کچل دیا گیا، "جہاد" کے دونوں فریق "اسلام" کے لئے لڑ رہے ہیں مگر جب معرکۂ کارزار ختم ہوگا تو پتہ چلے گا کہ مالِ غنیمت دوسروں کے حصہ میں آیا اور "اسلام" کے بے لوث سپاہیوں کے حصے میں گہرے زخم جن سے کبھی جانبر نہ ہو سکیں۔ یا کم از کم ان کی ٹیس ہمیشہ باقی رہے۔

خود غرض مفسدوں نے دونوں طرف کا تمام اسلحہ اسی خانہ جنگی میں ختم کرا دیا، بد باطن ملاحدہ خوش ہیں کہ دونوں طرف کے بزرگوں نے ایک دوسرے پر ضمیر فروشی اور کفر تک کے فتوے لگا کر اپنے ہاتھ خود کاٹ لئے، فتوؤں کی دو طرفہ تیر اندازی سے ان کے بازو شل اور جسم چھلنی ہو گئے، وہ مجموعی طور پر آئندہ کبھی باطل کے لئے خطرہ نہیں بنیں گے، نہ ان کا "فتویٰ" کبھی اُن سے تجاوز کرے گا۔

ادھر عام مسلمان ششدر ہیں، حیران ہیں، پریشان ہیں کہ یا اللہ! یہ یکایک کیا آفت

آگئی، اور اب صورتِ حال یہ ہے :۔

لا یصلح الناس فوضیٰ لا سراۃ لھم
ولا سراۃ اذا جھالھم سادوا

ترجمہ :۔ فوضیت (انتشار و پراگندگی) کے ہوتے ہوئے جب کہ قوم کے رئیس باقی نہ رہیں، اصلاح کی کوئی توقع نہیں جس طرح کہ جاہلوں کی قیادت میں کوئی خیر نہیں، اس کا وجود، عدم سے بدتر ہے)

یہ تھا منصوبے کا پہلا حصہ جو بڑی چابکدستی سے نافذ کیا گیا، کہ کسی کو احساس تک نہ ہونے دیا گیا، (اور دوسرے حصہ کا خاکہ تیار ہے رمگر الیکشن تک خود ان کا مفاد مانع ہے) اسی کا نتیجہ ہے کہ اب سے کچھ پہلے کسی کو جرأت نہ تھی، کہ وہ علمائے کرام پر فقرے چست کرے، اخباروں کے مزاحیہ کالم بڑوں بڑوں پر لکھے جاتے تھے، لیکن کسی عالم دین پر لکھنا سوءِ ادب سمجھا جاتا تھا، اب نہ صرف علماء پر گھٹیا قسم کے مقالے لکھے جا رہے ہیں، بلکہ تیسرے اور چوتھے درجہ کے صحافی جنہیں شاید صبح اٹھ کر منہ دھونا بھی نصیب نہ ہوتا ہو اللہ تعالٰے کے ایسے ایسے مقبول بندوں پر طعنہ زنی کرتے ہیں، جن کے آنسوؤں سے بوقتِ سحر گاہی زمین سیراب ہوتی ہے، جن کی دعائیں عرش پر سے اللہ تعالٰے کی رحمت کو کھینچ لاتی ہیں اور جن کے وجود کی برکت سے عذاب ٹلتا ہے، اُنما تنصرون و ترزقون بضعفائکم۔

اب کیسے یقین دلایا جائے کہ بحمداللہ نہ وہ سوشلسٹ ہیں، نہ یہ کسی کے ایجنٹ، انسانی کمزوریوں سے معصوم و مبرا کوئی بھی نہیں، نہ ہم، نہ وہ، نہ یہ، نہ کوئی دوسرا تیسرا، (جو کچھ عرض کیا گیا ہے یہ محض شاعری نہیں، سوچے سمجھے منصوبے کی نشاندہی ہے) کاش کسی بڑی سے بڑی ذات کا واسطہ دے کر عرض کیا جا سکتا کہ اے حضراتِ علماءِ کرام! غلط فہمیوں اور بدگمانیوں کے طلسم کو توڑ ڈالو، بخدا! تم ایک دوسرے کے دشمن نہیں، یہ خفیہ سازشی ہاتھوں کا کھیل ہے، بزدل دشمن نے رات کی تاریکی میں تم پر شبخون مارا ہے، اور تاریخ کے نہایت خطرناک موڑ پر انتقام لینے کے لئے تمہیں لڑا دیا گیا ہے، آؤ ایک دوسرے سے گلے مل جاؤ، کہا سنا سب معاف کردو۔

«أ لا تحبون أن یغفر اللہ لکم» سب مل کر باطل کے مقابلہ میں ڈٹ جاؤ، اور دشمن کے سارے منصوبے خاک میں ملادو، جو کرو باہمی مشورے سے کرو، سب کو ساتھ ملاؤ، ہر طبقے اور ہر جماعت کو اسلام کے پلیٹ فارم پر جمع کرو، مگر باطل کو ایک لمحہ کے لئے گوارا نہ کرو، خواہ وہ سرخ ہو یا سفید، کالا ہو پیلا، غرض اپنی تمام قوتوں کو مجتمع کر کے اسلام کا بول بالا اور کفر کا منہ کالا کرو۔

«و لا تنازعوا فتفشلوا و تذهب ریحکم، واصبروا إن الله مع الصابرین» اور آپس میں جھگڑو نہیں، ورنہ بودے ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی اور صبر و ضبط سے کام لو، اللہ تعالیٰ صبر والوں کے ساتھ ہے۔

اند کے پیش تو گفتم حالِ دل و ترسیدم
کہ آزردہ شوی، ورنہ سخن بسیار است

اللهم ارحم أمة محمد صلی اللہ علیہ وسلم، وألف بین قلوبهم و أصلح هم وأصلح ذات بینهم، وانصرهم علی عدوك وعدوهم، وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ صفوة البریة سیدنا محمد النبی الأمی وعلی آلہ وأصحابہ وأتباعہ وبارك وسلم۔

جمادی الاخری سنہ ۱۳۹۰ھ، اگست سنہ ۱۹۷۰ء

صوبائی تعصبات اور فتنۂ رنگ و نسل کا اصل علاج

خدا خدا کرکے طویل انتظار بلکہ مایوسی کے بعد پہلی مرتبہ جمہوری انداز میں انتخاب ہوا، انتخاب کے نتائج اگرچہ زیادہ امید افزا نہیں ہیں بلکہ بعض وجوہ سے افسوسناک ہیں تاہم آئندہ کے لئے ایک گونہ طرح پڑ گئی اور توقع ہو گئی کہ انشاء اللہ کسی نہ کسی وقت اس ملک کا بیڑہ ساحلِ مراد پر لگ جائے گا، تمام رہنمایانِ قوم نے ببانگِ دہل اعلانات کئے ہیں کہ ہم اس ملک میں اسلامی دستور اور اسلامی آئین نافذ کریں گے اور اس ملک میں کتاب و سنت کا قانون بنے گا، اب یہ ان کے لئے شدید امتحان کا وقت ہے کہ یہ دعوے میں کہاں تک صحیح تھے اور ان میں کتنی صداقت تھی، ہم بار بار یہ صاف عرض کر چکے ہیں کہ اس ملک کا مزاج اسلامی ہے اور صحیح اسلام کے سوا اور کوئی نسخہ کامیاب نہیں ہو سکتا، جب قوم اسلامی قانون کی خواہاں ہو اور رہنمایانِ قوم نے اسی کا اعلان کیا ہو اور مشرقی و مغربی پاکستان میں اتحاد کا بھی ایک ہی رشتہ ہو اور ایک ہی راستہ تو خدارا رہنمایانِ قوم اس ملک پر رحم کریں اور جلد سے جلد اسلامی دستور تیار کرنے کے بعد اسلامی قانون کو نافذ کریں، اگر اسلامی قانون نافذ ہو گیا تو یہ تمام تنگ نظریاں، صوبائی عصبیتیں لسانی تعصبات اور رنگ و نسل کے یہ فتنے سب کے سب ختم ہو جائیں گے، ان فتنوں کی سرکوبی کے لئے ایک ہی نسخہ شفا ہے اور وہ قرآن و اسلام ہے، پھر اسلام کی برکات نہ صرف اس ملک تک محدود رہیں گی بلکہ تمام عالمِ اسلامی، انڈونیشیا سے لے کر مراکش تک ایک عظیم ترین اسلامی رابطے میں منسلک ہو جائے گا اور اعدائے اسلام کے تمام منصوبے خاک میں مل جائیں گے، مغربی سرمایہ داری روسی کمیونزم یا چینی سوشلزم کے درمیان نقطۂ اعتدال صرف اسلام ہی ہے، صرف پیٹ کا مسئلہ حل کرنے سے فکری انتشار کبھی ختم نہ ہوگا، ذہنی انتشار و اضطراب کا علاج روحانی اقدار ہیں۔ جب تک روح کا علاج نہ ہو جائے اور قوم کی دینی اقدار پر تربیت نہ ہو جائے اور اس مخلوق کا خالق سے رابطہ مضبوط نہ ہو جائے اس وقت تک سکون و اطمینان ممکن نہیں، بہرحال اگر رہنمایانِ قوم کے نعروں میں ذرا بھی صداقت ہے تو انتظامی قوانین کے الجھاؤ میں اسلامی قانون سے جو قدرِ مشترک ہے ہرگز گریز نہ کریں بلکہ جلد سے جلد اسلامی دستور و اسلامی آئین تیار کرکے خدائے تعالیٰ اور اس کی مخلوق کے سامنے سرخرو ہو جائیں۔

مرزا ناصر احمد کا دورۂ یورپ اور سعودی عرب میں ٹیلیویژن پر اس کی نمائش

پچھلے دنوں مرزا غلام احمد آنجہانی کا پوتا مرزا ناصر احمد، سر ظفر اللہ کی معیت میں یورپ کے دورے پر گیا، خبر آئی ہے کہ اس کے دورے کے مناظر سعودی عرب میں ٹیلیویژن پر دکھائے گئے، ہمیں مرزا ناصر کے دورۂ یورپ سے تعجب نہیں کیونکہ جس حکومت نے اس ناپاک پودے کی کاشت سرزمینِ پنجاب میں کی تھی اسے اس کی ہر قسم کی نگہداشت بھی بہرحال کرنی ہوگی، اب اگر اس دورے کے ذریعہ وہاں کے کسی مسلمان کو گمراہ اور مرتد کیا جاسکتا ہے تو انگریز کا اس سے دل چسپی لینا بھی ایک منطقی بات ہے، آخر کون کاشت کار اپنے خود کاشتہ پودے سے پھل اٹھانے کا متمنی نہیں ہوتا۔

لیکن جو بات ہمارے لئے ناقابلِ فہم ہے وہ یہ ہے کہ سعودی عرب میں مرزا ناصر کے مناظر دکھانے کی کیا تک ہوئی، گذشتہ حج پر سر ظفر اللہ قادیانی اپنے چند رفقاء سمیت شاہ فیصل کا مہمان بن بیٹھا تھا اور اب یہ قصہ پیش آیا، سرزمینِ مقدس! اور مرزا غلام احمد جیسے دجال، مسیلمۂ پنجاب اور بدکردار آدمی کے متبعین کی پذیرائی؟

ع چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی؟

دنیا بھر کے ستر کروڑ مسلمانوں کے لئے ڈوب مرنے کی بات ہے کہ ان کا قبلۂ اوّل یہودیوں کے قبضے میں ہے اور "اللہ کا پہلا گھر" قادیانی مرتدین کی یلغار کی زد میں ہے، ربِ کعبہ! تو بے نیاز ہے! ہمیں یہ روز بد بھی دیکھنا تھا کہ کعبہ کے پاسبانوں کے سامنے کعبے کی حرمت یوں لٹے گی؟ کون کہہ سکتا تھا کہ "بیت المقدس" پر موشے دایان اور حرمِ مقدس پر ظفر اللہ قادیانی مرتد یوں دندناتے پھریں گے، اور پھر بھی عرب کے سادہ لوح ٹیلیویژن پر مرزا ناصر کے دورے کی فلمیں دیکھیں گے؟ کاش عالمِ اسلام کے ستر کروڑ مسلمانوں کی غیرت نہ مر جاتی یہ خود مر جاتے تاکہ قیامت کے دن ربِ کعبہ کے سامنے روسیاہ نہ ہوتے، کاش کوئی ہمارا پیغام عرب بھائیوں کو پہنچادے کہ وہ قادیانیوں کی پذیرائی کر کے عالمِ اسلام کے زخمی دلوں پر نمک پاشی نہ کریں۔

مسلمان فروعی اختلافات ختم کر کے تبلیغ میں مشغول ہوں

مرزا ناصر نے دورۂ یورپ سے واپسی پر کراچی کی ایک پریس کانفرنس میں یہ وعظ فرمایا ہے کہ "مسلمانوں کے تمام فرقے اپنے "فروعی اختلافات" کو بھول کر سات سال کے لئے تبلیغِ اسلام میں مشغول ہو جائیں"۔ ؎ چہ دلاور است دزدے کہ بکف چراغ دارد۔

مرزا ناصر یہ وعظ فرماتے وقت شاید بھول گئے کہ ان کا دادا مرزا غلام احمد تمام مسلمانوں کو ذریۃ البغایا وخنازیر الفلا (کنجریوں کی اولاد، حرامزادے اور جنگل کے سور) سے نوازتا تھا، ان کا باوا مرزا محمود "ہر شخص بڑے سے بڑا مرتبہ پا سکتا ہے حتیٰ کہ محمد رسول اللہ سے بھی بڑھ سکتا ہے" کے تمغے تقسیم کیا کرتا تھا، مرزائی امت عیسیٰ علیہ السلام کو "شرابی" کے لقب سے ملقب کرتی تھی اور قائد اعظم سمیت تمام مسلمانوں کو کافر تصور کرتے ہوئے ان کا جنازہ جائز نہیں سمجھتی تھی۔ وغیرہ ذلک، کیا یہ سب فروعی اختلاف تھے؟ مرزائی جو بالاتفاقِ اُمت مرتد، کافر اور خارج از اسلام ہیں آپ جانتے ہیں کہ ان کو "فروعی اختلاف" کے وعظ کی جراُت کیوں ہوئی؟ اس لئے کہ حکومت پاکستان میں ان مرتدوں کو مسلمانوں کی فہرستِ مردم شماری میں شامل رکھا گیا (اگرچہ مرزائی امت ہمارے ان حکمرانوں کو آج تک کافر ہی سمجھتی رہی جس طرح ظفر اللہ قادیانی نے قائدِ اعظم کو سمجھا) ان کے ساتھ ہر طرح کی مدارات بلکہ مداہنت برتی گئی، سول اور فوج کے اونچے اونچے مناصب پر ان کو مسلمانوں کے بجائے مسلط کیا گیا، انہیں ایک الگ اقلیتی فرقہ قرار دینے سے ہمیشہ کنی کترائی گئی، اور انہیں مسلمانوں کو مرتد کرنے کی کھلی چھٹی دی گئی، پھر آج مرزا ناصر یہ وعظ نہ کرتے تو کیا کرتے۔ ؎ اے بادِ صبا ایں ہمہ آوردہ تست

تاہم مرزا ناصر کا وعظ اپنی جگہ قیمتی ہے ہم تمام مسلمانوں سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ اپنے تمام فروعی اختلافات سات سال کے لئے نہیں بلکہ ہمیشہ کے لئے بھول کر تبلیغِ اسلام اور ردِّ مرزائیت میں مشغول ہو جائیں، کیا مرزا ناصر کے اس اعلان کے بعد بھی مسلمانوں کو عقل

نہیں آئے گی؟ کیا اب بھی ہماری حکومت ان مرتدین کے عزائم اور سرگرمیوں کا نوٹس نہیں لے گی؟ اللہ تعالیٰ اسلام اور مسلمانوں پر رحم فرمائے، آمین۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ صفوۃ البریۃ محمد وآلہ وصحبہ أجمعین.

شعبان ۱۳۸۷ھ

برطانوی عہدِ حکومت اور مسلمان

اُمتِ اسلامیہ کا یہ آخری دور بہت ہی پُر فتن ہے، قدم قدم پر فتنے ہی فتنے ہیں، برطانوی عہدِ حکومت میں سب سے زیادہ انتقام مسلمانوں سے لیا گیا، ہر ملک میں نہایت خطرناک فتنے کھڑے کئے گئے، متحدہ ہندوستان میں انگریزوں کے قدم جمے تو چونکہ یہ سرزمین اہلِ علم میں پختگی اور دینی بصیرت کے لئے ممتاز تھی اس لئے یہاں کے مسلمانوں کو سب سے زیادہ انتقام کا نشانہ بنایا گیا اور دینِ اسلام سے مسلمانوں کا رشتہ منقطع کرنے کے لئے سب سے زیادہ فتنوں کی تخم ریزی کی گئی مثلاً:

(الف) علماء و صلحاء کو چُن چُن کر ٹھکانے لگانے کی کوشش کی گئی، مسلمانوں کے مذہبی اوقاف ضبط کر لئے گئے، ان کے معابد و مدارس اُجاڑ دیئے گئے دینی راہنماؤں کو عوام کی نظر میں ذلیل کرنے کے لئے طرح طرح کے القاب وضع کئے گئے، ملک میں مسیحی مشنریوں کا جال پھیلایا گیا اور لوگوں کو عیسائی بنانے کے لئے ترغیب و ترہیب کے تمام ذرائع اختیار کئے گئے۔

(ب) اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں مغرب کا ملحدانہ نصابِ تعلیم اور طریقۂ تعلیم رائج کیا گیا اور اس کے ذریعہ اسلامی عقائد پر کاری ضرب لگانے کی کوشش کی گئی، نئی نسل کے دل و دماغ کو خالص لامذہبیت میں ڈھالنے کے سانچے تیار کئے گئے اور دین سے نفرت و بیزاری اور اسلام کی ہر بات میں تشکیک و تذبذب ہی تعلیم کا سب سے اونچا معیار سمجھا گیا۔

(ج) پورے اسلامی معاشرہ پر مغربی تہذیب کی یلغار ہوئی اور وہ تمام گندگی جو تہذیبِ مغرب کا خاصہ ہے "غلامانِ ہند" کا فیشن قرار پائی، گویا تعلیمِ جدید نے ذہن و قلب کو بدلا تھا اور مغرب کے "تہذیبی تحفہ" نے یہاں کے مسلمانوں کی صورت و سیرت، وضع و قطع، اخلاق و معاشرت تہذیب و ثقافت کے تمام زاویے ہی بدل ڈالے اور تہذیبِ جدید کے متوالوں کے لئے یہود و نصاریٰ کی نقالی عزت و افتخار کا نشان بن گئی، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

الغرض اس طرح کے بے شمار فتنے کھڑے کئے گئے جن کی تفصیل کے لئے ایک دفتر چاہیئے مگر ان تمام فتنوں میں سب سے بڑا فتنہ اور امتِ اسلامیہ کے خلاف سب سے بڑی سازش جو

برطانوی حکومت نے کی وہ فتنۂ قادیانیت اور مرزائیت ہے جو مرزا غلام احمد آنجہانی کے ذریعہ ظہور میں آیا۔

حکومتِ برطانیہ اور فتنۂ قادیانیت و مرزائیت

انگریزوں نے واضح طور پر محسوس کیا کہ ہزار کوششوں کے باوجود وہ اس بات میں کامیاب نہیں ہوسکے کہ امتِ اسلامیہ کا رشتہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دامنِ نبوت سے بالکل ہی کاٹ ڈالیں، انہیں اس بات کا بھی خوب تجربہ ہوا کہ مسلمان خواہ ایمانی و اخلاقی انحطاط کے آخری نقطہ تک پہنچ چکے ہوں لیکن جب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت و حرمت کا سوال سامنے آتا ہے تو امتِ اسلامیہ کے دل میں ایمان کی چھپی چھپائی چنگاری بھی ایک خوفناک آتش فشاں کی صورت اختیار کرلیتی ہے اور وہ کسی نہ کسی "غازی علم الدین شہید" کو سامنے لاکھڑا کرتی ہے، اس لئے انہیں ایک ایسے دین و مذہب کی ضرورت تھی جو دین کے نام پر بے دینی کا مرقع ہو، جس کے ظاہر میں دین کا مقدس نام ہو اور باطن میں سراسر کفر پوشیدہ ہو۔ انہیں ایک ایسی تحریک درکار تھی جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آستانہ سے ہٹا کر مسلمانوں کو ایک ایسی نئی نبوت سے وابستہ کردے جس کی تمام وفاداریاں انگریزی طاغوت کے لئے وقف ہوں، انہیں سرزمینِ ہند میں ایک ایسا خار دار "خود کاشتہ پودا" نصب کرنے کی ضرورت تھی جس کے کانٹوں میں الجھ کر امتِ اسلامیہ کا دامنِ اتحاد تار تار ہوجائے اور جس کے سائے میں انگریزی طاغوت کو استحکام نصیب ہو، انہیں معلوم تھا کہ "مہدیٔ موعود" کا دعویٰ اسلامی تاریخ کا کوئی انوکھا واقعہ نہیں ہے، اس سے پہلے بہت سے طالع آزما دکانِ مجددیت چمکا کر دجل و فریب کا بیوپار کرچکے ہیں۔ وہ یہ بھی جانتے تھے کہ مسلمانوں میں ہر صدی میں ایک مجدد پیدا ہوتا ہے ادھر عوام کَالْأَنْعَام میں جاہلانہ اعتقاد نہ جانے کس شیطان نے پھیلادیا تھا کہ چودھویں صدی ہی بس آخری صدی ہے اس کے بعد کوئی صدی نہیں قیامت سے پہلے جن چیزوں کے وقوع کی خبر احادیث میں دی گئی ہے یعنی ظہورِ مہدی، خروجِ دجال نزولِ عیسیٰ یاجوج ماجوج اور دابۃ الارض وغیرہ، وہ سب اسی صدی میں ہوں گی[1]۔ ادھر

---

[1] مرزا جی نے اس جاہلانہ خیال سے فائدہ اٹھانے کی پوری کوشش کی، چنانچہ اربعین ۲ میں فرماتے ہیں

بقیہ حاشیہ ص ۲۱۱

نہ صرف ہندوستان بلکہ پورے عالمِ اسلام کے مسلمانوں کے سیاسی حالات نہایت ابتر تھے اور عام لوگ ان حالات کے سامنے بالکل بے بس اور سپر انداز میں نظر آتے تھے، ان پر ذہنی جبس اور یاس و قنوطیت کے بادل منڈلا رہے تھے اور فطری طور پر ان حالات کے مقابلہ کے لئے "مردے از غیب" کے منتظر تھے، اسلام اور مسلمانوں کے ازلی دشمنوں نے سوچا کہ ان حالات میں مجددیت مہدویت اور مسیحی نبوت کا جعلی سکہ چلایا جائے تو بڑی آسانی سے چل سکتا ہے، چنانچہ اس مقصد کے لئے صوبۂ پنجاب میں قادیان ضلع گورداسپور کے مرزا غلام احمد کو منتخب کیا گیا، اس مہم کے لئے پنجاب اور قادیان کا "حسنِ انتخاب" بھی بڑا معنی خیز تھا، پنجاب اپنے مخصوص مزاج کی وجہ سے انگریز سرکار کا سب سے زیادہ وفادار صوبہ تھا، اسے فوجی کمک سب سے زیادہ یہیں سے میسر آتی تھی اور قادیان میں مرزا صاحب کا خاندان انگریزی عملداری کے آغاز ہی سے انگریز کا سب سے بڑا پشتیبان اور تاجِ برطانیہ کی اطاعت گذاری، وفاشعاری اور نمک خواری کا اعلیٰ نمونہ تھا، اس لئے "سیاسی نبوت" کے لئے اس پشتینی وفادار خاندان کے ایک فرد کا انتخاب نہایت موزوں تھا، یوں بھی پنجاب کی زرخیز سرزمین میں پیروں مریدوں کا قحط نہیں تھا، یہاں بلا تمیز ہر شعبدہ باز کو مریدوں کی اچھی خاصی تعداد کا میسر آجانا ایک معمولی بات تھی۔

(بقیہ حاشیہ صد سے آگے) انبیاءِ گذشتہ کے کشوف نے اس بات پر مہر لگا دی کہ وہ (مسیحِ موعود) چودھویں صدی کے سر پر پیدا ہوگا اور یہ کہ پنجاب میں ہوگا" اور ضمیمہ "نصرۃ الحق" میں لکھتے ہیں:

"احادیثِ صحیحہ میں آیا تھا کہ وہ مسیح صدی کے سر پر آئے گا اور وہ چودھویں صدی کا امام ہوگا"

انبیاءِ گذشتہ اور احادیثِ صحیحہ پر مرزا جی کی یہ تہمت ان سینکڑوں کذب بیانیوں میں سے ایک سفید جھوٹ ہے، کسی نبی کے کشف اور کسی حدیث میں یہ نہیں آتا کہ مسیح علیہ السلام فلاں صدی میں تشریف لائیں گے" اور یہ کہ پنجاب میں ہوگا" یہ مرزا کا دوسرا بڑا جھوٹ ہے جس سے انہوں نے جاہلوں کو دھوکا دیا، اس کے برعکس احادیثِ صحیحہ میں تو یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول دمشق کے شرقی منارہ پر ہوگا۔ (مدیر)

مرزا غلام احمد اور دعویٰ نبوت

مرزا صاحب نے مسیحائی کے مراتب طے کرنے کے لئے بڑی محتاط قسم کی تدریجی رفتار اختیار کی پہلے پہل گوشۂ گمنامی سے نکل کر وہ ایک مناظرِ اسلام کی حیثیت سے قوم کے سامنے آئے اور تمام ادیانِ باطلہ کے مقابلہ میں اسلام کی حقانیت ثابت کرنے کے لئے "براہینِ احمدیہ" کی پچاس جلدیں لکھنے کا اشتہار دیا اور قوم سے چندہ کی اپیل کی۔[۱] جب "وکیلِ اسلام" کی حیثیت سے ان کی روشناسی ہوئی تو اپنے دعاوی میں علی الترتیب محدث، ملہم من اللہ، امام الزماں، مجدد، مہدی موعود، مثیلِ مسیح، مسیحِ موعود، ظلی نبی کے درمیانی مدارج کرتے ہوئے تشریعی نبوت کی بامِ بلند پر پہنچ گئے اور ببانگِ دہل وحی، نبوت اور معجزات کا اعلان کر دیا اور "محمد رسول اللہ" کا مصداق خود بن بیٹھے، قرآنِ کریم کی جو آیات حضرت خاتم النبیین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں تھیں ان کو اپنی ذات پر منطبق کیا، اپنے دور کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دور سے افضل بتلایا، اولوالعزم انبیاءِ کرام کی توہین کی، انبیاء علیہم السلام سے افضلیت کا دعویٰ کیا، اپنی وحی کو قرآن جیسی قطعی وحی بتلایا اور جو لوگ ان کی اس خانہ ساز نبوت پر ایمان نہیں لائیں انہیں کافر و جہنمی قرار دیا بلکہ انہیں ولد الحرام ذریۃ البغایا (کنجریوں کی اولاد) خنزیر اور کتوں کے نام سے یاد کیا، نئی شریعت کے ذریعہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے جن اجزاء کو چاہا منسوخ کر ڈالا، برطانوی حکومت کو ظل اللہ فی الارض کا خطاب عطا ہوا، اس کی اطاعت کو فرض اور اسلام کے دو حصوں میں سے ایک حصہ قرار دیا، کافروں سے جہاد کا حکم منسوخ ہوا، اور انگریزوں کے مقابلہ میں جہاد کے حرام ہونے کا فتویٰ صادر ہوا، دین کے قطعی عقائد کا مذاق اڑایا، احادیثِ متواترہ کی تکذیب کی، قرآنِ کریم کی بے شمار آیتوں میں کھلی تحریف ہوئی، صحابۂ کرامؓ کو غبی اور کے خطاب سے نوازا، مسلمانوں سے شادی بیاہ کرنا، ان کے جنازے میں شریک ہونا اور ان کے پیچھے نماز پڑھنا ممنوع اور حرام قرار پایا، الغرض ایسے صریح سے صریح ترین

---

[۱] مرزا صاحب کو اس پر خوب چندہ ملا مگر انہوں نے مسلمانوں کا چندہ کھا پی کر پچاس جلدوں کے بجائے صرف پانچ جلدیں تحریر فرمائیں اور یہ نکتہ ارشاد فرمایا کہ ۵ اور ۵۰ میں صرف ایک نقطے کا معمولی سا فرق ہے لہذا پانچ سے پچاس کا وعدہ پورا ہو گیا (مدیر)

دعوے کئے کہ ان میں سے ہر بات مستقل کفر کی بات تھی اور ان میں کسی طرح بھی تاویل کی گنجائش نہیں تھی، اس لئے علمائے اُمت نے متفقہ طور پر مرزا صاحب اور ان کی اُمت کے کافر و مرتد ہونے کا فتویٰ دیا اور ان کی کتابوں سے ایک سو کے قریب صریح کفریات جمع کئے، اگر پوری طرح استقصاء کر کے تمام کفریات و ہذیانات کو جمع کیا جائے تو ایک ہزار کفریات سے کم نہ ہوں گے، خدا کا غضب ہے کہ ظل و بروز کے پردے میں اسلام کی تمام اصطلاحات کو مسخ کیا گیا، مرزا صاحب کی اہلیہ کے لئے "ام المؤمنین" کی اصطلاح استعمال ہوئی، ان کے ہاتھ پر کفر و ارتداد قبول کرنے والوں کو "صحابی" کہا گیا اور ان کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ سے افضل بتایا گیا، قادیان کو حرم اور مرزا کی قبر کو "گنبدِ بیضاء" قرار دے کر مکہ اور مدینہ کے بجائے یہاں کے حج و زیارت کی دعوت دی گئی اور اسے مکہ و مدینہ کے حج و زیارت سے افضل بتایا گیا۔ ؎ تفو بر تو اے چرخ گرداں تفو!! اور شخصی زندگی ایسی کہ ان صفحات پر اس کا ذکر کرنا بھی باعثِ شرم ہے۔

انگریزی دربار اور مرزا غلام احمد اور اس کی امت

انگریزی دور میں مرزا غلام احمد اور ان کی امت کا مشن صرف دو چیزیں تھیں، اُمتِ مسلمہ میں تفریق و انتشار کے بیج بونا اور مسلمانوں کو انگریزوں کی وفاداری کی تلقین کرنا، ان کی دعوت یہ تھی کہ برطانوی حکومت ظل اللہ فی الارض ہے اس کی حمایت و حفاظت ہر مسلمان کا فرض ہے اور اس کے خلاف جہاد حرام ہے، گویا اس دور میں قادیانی نبوت پر ایمان لانے کے معنی انگریزوں کی وفاداری پر ایمان لانے کے تھے، خود مرزا صاحب کے لفظوں میں "باعتبار مذہبی اصول کے گورنمنٹ کا اوّل درجے کا وفادار اور جان نثار یہی "نیا فرقہ" ہے جس کے اصول میں سے کوئی اصول گورنمنٹ کے لئے خطرناک نہیں۔" اور یہ کہ "اور میں یقین رکھتا ہوں کہ جیسے جیسے میرے مرید بڑھیں گے ویسے ویسے مسئلہ جہاد کے معتقد کم ہوتے جائیں گے کیونکہ مجھے مسیح اور مہدی مان لینا ہی مسئلہ جہاد کا انکار کرنا ہے۔"

ایک طرف اگر انگریز کو مسلمانوں میں انتشار پھیلانے انہیں دین سے برگشتہ کرنے اور

انگریز کا وفادار بنانے کے لئے اس خانہ ساز نبوت کی ضرورت تھی تو دوسری طرف مرزا صاحب اور ان کی امت کو بھی اس امر کا بجا طور پر احساس تھا کہ جعلی نبوت کا یہ سکہ انگریز کی اندھیر نگری ہی میں چل سکتا ہے اور اسی کے سایۂ عاطفت میں جھوٹی نبوت کا یہ شجرۂ خبیثہ پرورش پا سکتا ہے کوئی گھٹیا سے گھٹیا اسلامی حکومت بھی اس کفر وار تداد کو برداشت نہیں کر سکتی، اس لئے فیصلہ کیا گیا کہ قادیانیت اور انگریز بہادر کے مفادات باہم متحد ہیں، قادیانیت کی ترقی انگریزی حکومت کے استحکام کی ضامن ہے اور انگریزی استعمار کی توسیع قادیانیت کے پھلنے پھولنے کی کفیل ہے[1]۔

تاجِ برطانیہ کا خود کاشتہ پودا

مرزا صاحب اور ان کی امت نے جس طرح خود کو تاجِ برطانیہ کا "خود کاشتہ پودا" بتایا ملکۂ برطانیہ اور دیگر اعلیٰ ادنیٰ حکام کے "حضور میں" جس طرح نیاز مندانہ خطوط لکھے، ان کے مراحمِ خسروانہ کے حصول کی خاطر تملق اور خوشامد کا جو پست اور گھٹیا انداز اختیار کیا اور گورنمنٹ برطانیہ کے حق میں مسلمانوں کی رائے کو ہموار کرنے کے لئے فتویٰ حرمتِ جہاد کی پچاس پچاس الماریوں کے جو حوالے دیئے وہ آج بھی ان کی مطبوعہ کتابوں میں محفوظ ہیں یہاں ان کے نقل کرنے کی نہ گنجائش ہے نہ ضرورت ہے۔

قادیانی انگریزوں کے ایجنٹ

الغرض قادیانی جہاں جاتے اور جس ملک میں ہوتے وہ انگریز کے ایجنٹ کی حیثیت سے

---

[1] خلیفۂ قادیان کا ایک اعلان جو ان کے اخبار "الفضل" میں ۲۷ جولائی ۱۹۱۸ء کو شائع ہوا ان کے اس مشن کی صحیح نمائندگی کرتا ہے، اس کا ایک جملہ درج ذیل ہے:۔

"سلسلۂ احمدیہ کا گورنمنٹ برطانیہ سے جو تعلق ہے وہ باقی تمام جماعتوں سے نرالا ہے، ہمارے حالات ہی اس قسم کے ہیں کہ گورنمنٹ اور ہمارے فوائد ایک ہو گئے ہیں، گورنمنٹ برطانیہ کی ترقی کے ساتھ ہمیں بھی آگے قدم بڑھانے کا موقع ہے اور اس کو خدانخواستہ اگر کوئی نقصان پہنچے تو اس صدمے سے ہم بھی محفوظ نہیں رہ سکتے۔"

کام کرتے کیونکہ دونوں کے "مفادات" متحد تھے اور ان "مفادات" کا تحفظ جبھی ممکن تھا جب کہ ان کا الگ قومی تشخص ہو، اس لئے وہ انگریزی دور میں بھی مسلمانوں سے الگ اپنے قومی تشخص پر زور دیتے تھے، چنانچہ تقسیمِ ملک کے وقت باؤنڈری کمیشن کے سامنے انہوں نے یہ مؤقف اختیار کیا کہ چونکہ وہ مسلمانوں سے الگ ایک قوم ہیں اس لئے انہیں ایک الگ خطہ دیا جائے لیکن ان کے اس مؤقف کا فائدہ ہندوستان کو ملا، کیونکہ ملک کی تقسیم مسلم اور غیر مسلم کی بنیاد پر ہو رہی تھی اور جب مرزائیوں نے خود اپنے کو "غیر مسلم" ظاہر کر دیا تو جس خطے کا وہ مطالبہ کر رہے تھے وہ ہندوستان کا حق قرار پایا اور یوں مسلمانوں کے جو علاقے پاکستان کے حصہ میں آتے تھے ہندوستان کا استحقاق ان پر ثابت ہو گیا۔

قیامِ پاکستان کے بعد وہ اپنے روحانی مرکز کو چھوڑ پاکستان چلے آئے اور یہاں آکر انہوں نے طے کیا کہ:

(الف) پاکستان میں ایک "عارضی مرکز"[1] قائم کیا جائے، چنانچہ ایک مستقل علاقہ پنجاب میں کوڑیوں کے مول لیا گیا اور وہاں "ربوہ" کے نام سے خالص مرزائی شہر آباد کیا گیا، وہاں سے ریلوے لائن چلائی گئی، دفاتر قائم کئے گئے، کالج اور اسکول کھولے گئے، اخبارات جاری ہوئے "الفرقان" کے نام سے ایک اسپیشل فوج تیار کی گئی، اب "ربوہ" پاکستان میں ایک مستقل "ریاست" کی حیثیت رکھتا ہے جہاں عملاً حکومت خلیفۂ قادیان کی ہے، پاکستان کے ہر خطہ میں مرزائی آباد ہو سکتے ہیں لیکن کیا مجال کہ اس "قادیانی ریاست" میں کوئی مسلمان رہ سکے؟ حکومتِ پاکستان نے تمام اسلامی و غیر اسلامی اوقاف پر قبضہ کیا، لیکن ان کے کروڑوں کے اوقاف کو نہیں چھیڑا۔

(ب) خلیفۂ ربوہ کی ہدایت کے مطابق سول سروس، فوج اور بیرونی سفارت خانوں میں زیادہ سے زیادہ مرزائیوں کو کھپانے اور کلیدی آسامیوں پر انہیں مسلط کرنے کی اسکیم تیار کی گئی، بدقسمتی سے پاکستان کا سب سے پہلا وزیرِ خارجہ سر ظفر اللہ قادیانی ہوا، اس نے اپنے اثر و رسوخ سے اندرون و بیرونِ ملک قادیانیت کی جڑیں خوب مضبوط کیں یہاں تک کہ پاکستان کے ہر دور میں اس فتنہ کی آبیاری ہوتی رہی، آج اعداد و شمار ہی بتا سکتے ہیں کہ قادیانیوں

---

[1] عارضی "اس لئے کہ ان کے نزدیک ملک کی تقسیم عارضی تھی اور خدا کا منشا یہ تھا کہ بہت جلد دونوں حصوں کو پھر ایک کر دیا جائے غالباً مشرقی پاکستان کا سقوط ان کے خیال میں خدا کی منشا کی پہلی قسط ہے۔ (مدیر)

کی کل تعداد کتنی ہے اور وہ تمام محکموں میں کتنے بڑے حصّے پر قابض ہیں۔

(ج) مذہبی طور پر اگرچہ مرزائیوں نے اپنا الگ تشخص باقی رکھنا ضروری سمجھا مگر مسلمانوں کو کافر کہنے کی پالیسی میں لچک پیدا کر لی اور ۱۹۵۳ء میں میز عدالت میں مرزا محمود نے اعلان کر دیا کہ ہم غیر احمدی مسلمانوں کو کافر نہیں کہتے مگر یہ سب دجل اور نفاق تھا، دراصل ہوا کا مخالف رُخ دیکھ کر مرزائیوں نے محسوس کر لیا تھا کہ اب مسلمانوں کو کافر کہنے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ انہیں ایک غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا جائے گا اور مسلمانوں میں شامل رہ کر جن کلیدی آسامیوں پر وہ فائز ہیں اس استحصال کے دروازے بند ہو جائیں گے، یہ مرزائیوں کا ایسا دجل تھا جس نے گذشتہ دور کے سارے حکمرانوں کو تاریکی میں رکھا۔

(د) اندرونِ ملک مسلمانوں کو مرتد بنانے کی کوششیں تیز کر دی گئیں اور اپنی سیاسی طاقت پیدا کرنے کے لئے کم از کم بلوچستان کے صوبہ کو احمدی بنانے کی خوفناک تحریک کی گئی۔

(الفضل ۱۳، اگست ۱۹۴۸ء خلیفہ ربوہ کا خطبہ)

(ھ) انگریزوں کی ایجنٹی کا کام نہایت ہی منظم اور خفیہ طریقے سے جاری رکھا اور مغربی ممالک کے علاوہ اسلامی اور عربی ممالک میں سازشیں پھیلانے کے لئے وہاں مشن کھولے، چنانچہ اسرائیل کے ساتھ پاکستان سمیت اسلامی ممالک کے تعلقات نہیں ہیں مگر قادیانیوں کے ان سے باقاعدہ روابط ہیں اور انگریزوں کو ان پر یہاں تک اعتماد ہے کہ ایک حکمراں نے اس امر کا اظہار کیا کہ اگر فلاں قادیانی کو ہٹا دیا جائے تو ہماری بیرونی امداد بند ہو جائے گی، غالبًا یہی وجہ ہے کہ قادیانیوں کو قیامِ پاکستان سے لے کر اب تک کلیدی عہدوں پر تفوق حاصل رہا ہے، ایوب خان نے تمام سابق سیاست دانوں کو ملک کا غدار کہا مگر بقول ان کے غداروں کے دور میں جو قادیانی جن بڑے عہدوں پر فائز تھے ایوب صاحب نے انہیں ان سے الگ نہیں کیا بلکہ انہیں مزید ترقی دی اور مزید قادیانی بھرتی کئے، موجودہ دور میں ایوب خان کو جلی کٹی سنائی جاتی ہیں لیکن قادیانی ایوبی دور سے بھی اب بلند عہدوں پر فائز ہیں۔

الغرض ہر دور میں اس فتنہ کی آبیاری ہوتی رہی، انہیں تبلیغِ اسلام کے نام پر غیر ملکوں میں مشن کھولنے کے لئے زرِ مبادلہ کی خطیر رقمیں مہیا کی گئیں، لیبیا، انڈونیشیا وغیرہ اسلامی ممالک

میں مسلمانوں کے نام سے قادیانی ڈاکٹر، انجینئر اور دیگر ماہرین بھیجے گئے اور اب تو پانی سر سے گذر گیا ہے اور تمام سابقہ ریکارڈ ٹوٹ گئے ہیں اور جب عربی اسلامی حکومتوں اور وہاں کے علماء و مشائخ کو اس مکروہ صورتِ حال کا علم ہوا تو وہ چیخ اٹھے، انہیں اس مہیب خطرے کا احساس ہوا تو انہوں نے علماءِ ہند و پاک کی موافقت کی اور اس فرقۂ کافرہ کی تکفیر کی، اس کے عقاید و نظریات اور عزائم و مقاصد پر رسالے لکھے اور مضامین و مقالات شائع کئے اور پہلی مرتبہ بین الاقوامی سطح پر ان حقائق سے پردہ اٹھا اور عالمی اسلامی تنظیموں نے تمام اسلامی ممالک سے اپیل کی کہ مرزائیوں کو "غیر مسلم اقلیت" قرار دیا جائے کیونکہ وہ عالمِ اسلام میں اسرائیل کے ایجنٹ ہیں، یہ سب کچھ اخبارات و رسائل میں چھپ چکا ہے تو اب مرزائیوں کے حوصلے اتنے بڑھ گئے ہیں کہ ان کے موجودہ خلیفہ مرزا ناصر نے "الفضل" میں پاکستان کی موجودہ حکومت کو بھی دھمکی دے ڈالی، یہ ملک کی بدنصیبی ہے کہ پیپلز پارٹی کے ٹکٹ پر ۱۳، ۱۴ مرزائی پہلی مرتبہ مرکزی اسمبلی کے لئے مسلمانوں کے ووٹوں سے منتخب ہوئے، انا للہ۔ انسان ان دردناک حقائق کو کہاں تک شمار کرائے، بہرحال عالمِ اسلام میں بیداری کچھ لہر پیدا ہوئی تو امت مرزائیہ کو بھی اپنی فکر ہوئی اور مرزا غلام احمد آنجہانی کے دعوئ نبوت میں تأویلات کرنے لگے، مرزائیوں کے طرزِ عمل سے کچھ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اب وہ ظاہری سطح پر بدل رہے ہیں اور مرزا آنجہانی کو "مجدد" ماننے کی طرف آرہے ہیں جس طرح لاہوری پارٹی ان کو مجدد مانتی ہے پہلے بھی اسلامی ممالک میں جہاں ان کو ابتلاء پیش آیا تو "تقیہ" کرکے مرزا آنجہانی کی نبوت سے انکار کرنا شروع کر دیا، ان کی اس تبدیلیٔ رُخ کا مقصد صرف یہ ہے کہ بین الاقوامی سطح پر ان کے خلاف جو ہنگامہ آرائی شروع ہو گئی ہے وہ ذرا دب جائے اور طوفان کا یہ ریلا نکل جائے، اس لئے اس صورتِ حال کے پیشِ نظر چند گذارشات پیش کرنا ضروری ہے۔

کفر و ارتداد سے توبہ کا طریقہ

(۱) اگر کوئی کافر یا مرتد اپنے کفر و ارتداد سے تائب ہو کر مسلمان ہونا چاہتا ہے تو اسلام کی وسیع اور عالمگیر رحمت کے دروازے اس کے لئے بند نہیں ہیں وہ صاف و صریح توبہ کرکے

اسلام میں داخل ہو سکتا ہے اور اسلامی برادری کا معزز فرد بن سکتا ہے۔" چشم ما روشن دلِ ماشاد" مگر اسے اپنے تمام سابقہ کفریہ عقائد سے اجمالاً وتفصیلاً توبہ کرنا ہوگی اور اپنے سابقہ عقائد سے برأت کا اعلان کرنا ہوگا۔

(۲) جس شخص کا کفر و ارتداد ثابت ہو جائے اور اس کے کفریہ عقائد میں تاویل کی کوئی گنجائش نہ ہو اس کو امام، مقتدا، مصلح اور مجدد ماننا بھی کفر ہے کیونکہ ایسے شخص کو امام اور مجدد ماننے کے معنیٰ یہ ہیں کہ یہ شخص اس مرتد کے عقائد و نظریات اور اس کے تمام دعوؤں کو تسلیم کرتا ہے ایک مسلمان کو مسلمان کہنا اور سمجھنا جس طرح ضروری ہے ٹھیک اسی طرح ایک دجال کافر و مرتد کو کافر کہنا بھی ضروری اور فرض ہے، چنانچہ مرزائیوں کی لاہوری جماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ مرزا غلام احمد آنجہانی مجدد تھے نبی نہیں تھے مگر علمائے امت نے اسی نکتہ کی بنیاد پر بھی ان کو کافر ہی سمجھا بلکہ انہیں قادیانی مرزائیوں سے بھی زیادہ خطرناک سمجھا گیا۔

(۳) مرزائیوں کو اگر واقعی اپنی گمراہی کا احساس ہو گیا ہے اور وہ تہہ دل سے مسلمان ہونا چاہتے ہیں اور پاکستان کے سچے بہی خواہ بن کر اسلامی برادری میں شامل ہونا چاہتے ہیں تو مرزائی امت کو (خواہ قادیانی، ربوی ہوں یا لاہوری) صاف صاف اپنے عقائدِ کفریہ سے توبہ کا اعلان کر دینا چاہیئے اور اس امر کا اقرار و اعتراف کرنا چاہیئے کہ مرزا غلام احمد آنجہانی اپنے تمام دعاوی میں واقعۃً جھوٹا تھا، مفتری تھا، کذّاب تھا، دائرۂ اسلام سے خارج تھا، اگر وہ ایمانی جرأت سے کام لے کر اپنے نفاق اور تأویلات سے توبہ کرنے پر آمادہ ہیں تو ماشاء اللہ کیا کہنا وہ ہمارے بھائی ہوں گے اور اخوتِ اسلامیہ کی عالمگیر برادری میں شامل ہو جائیں گے۔

اپنے سالہا سال کے عقائد کو غلط کہنا اور باپ دادا کے مذہب کو خیر باد کہنا بڑے دل گردے کا کام ہے، آدمی اس میں طبعاً خفت محسوس کرتا ہے مگر حق بات کا ماننا اگرچہ مشکل اور بے حد مشکل ہے لیکن اس سے آدمی کی عزت و وقار کو ٹھیس نہیں لگتی بلکہ اس میں اضافہ ہی ہوتا ہے، ہم مرزائیوں کو اطمینان دلاتے ہیں کہ مرزا آنجہانی کی "سیاسی نبوت" سے چپکے رہنے کے بجائے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دامنِ نبوت سے وابستہ ہو جائیں

تو ان کے کسی سابقہ قول و فعل پر کوئی مسلمان انہیں عار نہیں دلائے گا بلکہ تمام مسلمان انہیں سر آنکھوں پر بٹھانے کے لئے تیار ہوں گے نیز اگر وہ دینِ مرزائیت سے تائب ہونا چاہتے ہیں تو انہیں مرزا غلام احمد آنجہانی کی تمام کتابوں سے دست کش ہو جانا چاہیئے اور غلام احمد کی "احمدی" نسبت ترک کر دینی چاہیئے اور اندرون و بیرونِ ملک مرزائیت کے تمام اڈوں کو ختم کر دینا چاہیئے۔

مرزائی امت تقریباً سو سال سے تاویل در تاویل کے گرداب میں پھنسی ہوئی ہے، عبداللہ آتھم عیسائی کی موت اور احمدی بیگم کے آسمانی نکاح کی پیشگوئی ہو یا مرزا آنجہانی کے عجیب و غریب دعوے ہوں، مرزائیت کی تو کوئی کل بھی سیدھی نہیں ہر مرزائی امت کے صنادید سو سال سے تاویل کے تیشوں سے اس کی تراش خراش میں مصروف ہیں مگر جسے خدا نے ٹیڑھا پیدا کیا ہو اسے کون سیدھا کر سکتا ہے ع "ولن یصلح العطار ما أفسده الدھر" یقیناً مرزائی دوست سو سال تک مرزا آنجہانی کے ہذیانات کی اُلٹی سیدھی تاویلیں کرتے کرتے تھک ہو چکے ہوں گے، خود ان کا ضمیر بھی انہیں ملامت کرتا ہو گا کہ وہ صریح غلط بیانیوں کو خواہ مخواہ تاویل کے رندوں سے تراش تراش کر سچ ثابت کرنے کی عبث کوشش کیوں کر رہے ہیں، کاش وہ جس جال میں پھنسے ہوئے ہیں ایک جھٹکا دے کر اسے توڑ ڈالتے اور حیص بیص اور گو مگو کی جو کیفیت ان پر سو سال سے طاری ہے اس سے ان کی گلو خلاصی ہو جاتی۔

(۴) بہرحال اگر مرزائی صاحبان دینِ مرزائیت سے تائب ہونا چاہیں تو اسلام کی آغوش ان کے لئے اب بھی کشادہ ہے اور مسلمان انہیں گلے لگانے کے لئے تیار ہیں لیکن اگر انہیں اپنے عقائد پر اصرار ہے اور وہ مرزا آنجہانی کو بدستور مسیح موعود اور مہدی معہود یا مصلح اور مجدد مانتے ہیں اور صرف ہوا کا رُخ دیکھ کر ازراہِ تقیہ اپنے نظریات کو تاویلات کے نئے غلاف میں پیش کر کے مسلمانوں کو دھوکا دینا چاہتے ہیں تو انہیں یہ غلط فہمی ذہن سے نکال دینی چاہیئے کہ وہ دجل و تلبیس کے راستہ سے مسلمانوں کی صفوں میں ایک بار پھر گھس آئیں گے، من جرّب المجرب حلّت بہ الندامۃ۔

کتے، خنزیر، کافر، جہنمی اور ولد الحرام کے وہ سینکڑوں خطابات مسلمانوں کو اب تک بھی

خوب یاد ہیں اور ہمیشہ یاد رہیں گے جن سے مرزائے آنجہانی نے مسلمانوں کو نوازا تھا مسلمانوں کو مرزائیوں کے خلیفۂ دوم کے وہ بیسیوں اعلانات بھی خوب یاد ہیں جن میں بڑے غرور اور تحدی سے کہا جاتا تھا:۔

"کُل مسلمان جو حضرت مسیح موعود کی بیعت میں شامل نہیں ہوئے، خواہ انہوں نے حضرت مسیحِ موعود کا نام بھی نہ سنا ہو وہ کافر اور دائرۂ اسلام سے خارج ہیں۔" (آئینہ صداقت مصنفہ مرزا محمود)

"حضرت مسیحِ موعود نے تو فرمایا ہے کہ ان کا (یعنی مسلمانوں کا) اسلام اور ہے ہمارا اور ان کا خدا اور ہے اور ہمارا اور، ہمارا حج اور ہے اور ان کا اور، اسی طرح ہر بات میں ان سے اختلاف ہے۔" (مرزا محمود کی تقریر)

یہ غلط ہے کہ دوسرے لوگوں سے ہمارا اختلاف صرف وفاتِ مسیح یا اور چند مسائل میں ہے، آپ نے فرمایا: اللہ تعالےٰ کی ذات، رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم، قرآن، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، غرض آپ نے تفصیل سے بتایا کہ ایک ایک چیز میں ان سے ہمیں اختلاف ہے۔"

کیا ان واضح اعلانات کے بعد بھی اس کا امکان ہے کہ مرزا آنجہانی کے واضح کفریات کی تصدیق کرنے کے باوجود مرزائیوں کو مسلمانوں کی صفوں میں گھسنے کی اجازت دی جائے گی؟۔ مرزائی امت نے مسلمانوں کو آخر ایسا بے حس کیوں سمجھ لیا ہے کہ وہ مرزائیوں کی صد سالہ تاریخ کو یکسر بھول جائیں گے، مرزائی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت وحرمت پر حملہ کریں، مرزا آنجہانی کو نہ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جگہ لا کھڑا کریں بلکہ آپ سے بھی اونچا مقام دیں، انبیاءِ کرام کی توہین وتذلیل کریں، مسلمانوں کو جنگل کے سور اور ذریۃ البغایا جیسی "مقدس گالیاں" دیں مگر مسلمان ان تمام چیزوں کے باوجود انہیں امتِ اسلامیہ کی صف میں جگہ دیں؟

الغرض مرزائیوں کے لئے صرف دو ہی راستے ہیں یا تو اپنے عقائدِ کفریہ سے ہاتھ جھاڑ کر مسلمان ہو جائیں یا پھر مسلمانوں کی صفوں میں گھسنے کا سودائے خام اپنے ذہن سے نکال دیں انہیں خوب یاد رکھنا چاہیئے کہ وہ مرزا آنجہانی کی نبوت کو ہزار ظل وبروز کے پردوں میں

لپیٹیں یا مجدد و مہدی کے رنگ میں پیش کریں لیکن امت اسلامیہ کا معدہ اسے کبھی ہضم نہیں کر سکتا۔
علاوہ ازیں مرزائی صاحبان کو اپنے "مسیح موعود" کی وصیت یاد رکھنی چاہیئے کہ :۔

"تمہیں دوسرے فرقوں کو جو دعویٰ اسلام کرتے ہیں بکلی ترک کرنا پڑے گا۔"

(حاشیہ تحفہ گولڑویہ)

"خدا تعالیٰ یہ چاہتا ہے کہ ایک جماعت تیار کرے، پھر جان بوجھ کر ان لوگوں میں گھسنا، جن سے وہ الگ کرنا چاہتا ہے منشاء الٰہی کی مخالفت ہے۔"

(الحکم ، فروری ۱۹۰۳ء)

ہم بھی مرزائی صاحبان سے یہی درخواست کرتے ہیں کہ انہیں مسلمانوں کو "بکلی ترک کرنا پڑے گا" اور مسلمانوں میں گھس کر انہیں منشاء الٰہی کی مخالفت کی اجازت نہیں دی جائے گی، الا یہ کہ وہ اپنے دین مرزائیت سے تائب ہو کر نئے سرے سے اسلام میں داخل ہو جائیں۔

(۶) ہم اپنی حکومت سے بھی گذارش کرنا چاہتے ہیں کہ ۲۶ سال تک پاکستان میں مرزائیت نوازی کی سرکاری مہم جاری رہی انہیں مسلمانوں کے حقوق دیئے گئے اور ان کو مصنوعی طور پر مسلمان بنانے کی کوشش کی گئی لیکن اس کا نتیجہ کیا ہوا؟ یہی کہ انہیں اندرون و بیرون ملک سازشوں کا موقعہ ملتا رہا مگر اب یہ صورت حال تبدیل ہو جانی چاہیئے، مستقبل میں مؤقف کی نزاکت کا احساس کریں اسلامی ممالک جو پاکستان کے تحفظ کا ذریعہ ہیں اور جن سے صحیح ہمدردی کی توقع کی جا سکتی ہے صرف ارباب کفر کی خوشنودی کے پیش نظر ان کی ہمدردی اور دوستی و تعاون سے چشم پوشی نہ کریں، آخرت کے غضب الٰہی سے قبل دنیا کے عذاب اور ذلت سے بچنے کی تدبیر کریں اور بحالت موجودہ سیاسی و اقتصادی مشیر اور ہوائی اور بری و بحری قیادت کی جو صورت حال ہے اس کو فوراً ختم کریں اور سابق حکمرانوں کی غلط پالیسیوں کے نتیجے میں جو تباہی نازل ہو چکی ہے اس سے کچھ تو عبرت حاصل کریں، اسلامی و عربی ممالک جن کے ساتھ ہمارے اخوت اسلامی کے مضبوط رشتے ہیں اور جو ہر آڑے وقت میں پاکستان کے بہترین دوست ثابت ہوئے ہیں، افسوس ہے کہ انہیں بھی ہماری اس داخلی کمزوری اور ارتداد نوازی کا علم ہو چکا ہے اور ان ممالک میں قادیانی اسرائیل گھ جوڑ پر بحثیں ہو رہی ہیں، اس کے اثرات ہمارے حق میں کیا ہوں

گے ؟ یہ دانشمندی کے ساتھ سوچنے کی بات ہے یہاں ہم یہ شکایت بھی اربابِ اقتدار کے نوٹس میں لانا چاہتے ہیں کہ ایک طرف تو یہ حالت کہ جب مسلمانوں کی جانب سے قادیانیوں کا ذرا بھی تعاقب کیا جائے تو فوراً امنِ عامہ کو خطرہ لاحق ہو جاتا ہے فرقہ واریت کا جن بوتل سے باہر نکل آتا ہے اور قانون اپنے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے بڑی تیزی سے حرکت میں آجاتا ہے زبانیں بند اور جلسہ جلوس اور اجتماع پر پابندی۔

اور دوسری طرف مرزائی ہیں کہ کھلے بندوں گلی گلی اور گھر گھر "حضرت مسیحِ موعود" کا پرچار کر رہے ہیں اور یہاں تک جرأت کہ مسلمانوں کی مسجدوں اور دینی اداروں میں جاکر بڑے معصومانہ انداز سے مرزائے آنجہانی کی رسالت و نبوت کی تشریح کرتے ہیں، ہم صاف صاف کہہ دینا چاہتے ہیں کہ یہ صورتِ حال مسلمانوں کے لئے ناقابلِ برداشت ہے، مرزا آنجہانی کے ہفوات و ہذیانات کے تیروں سے مسلمانوں کے سینے چھلنی ہو چکے ہیں، وہ اس ملکِ پاک میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غداروں کی بات سننے کے لئے تیار نہیں ہیں، دانشمندی کا تقاضا یہ ہے کہ قادیانیوں کو ایک غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے، انہیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تاجِ ختمِ نبوت پر ہاتھ ڈال کر اشتعال دلانے سے روکا جائے اور ان کی تحریکِ ارتداد پر پابندی عائد کی جائے اور اگر اصرار ہو کہ مرزائی بھی امتِ اسلامیہ کا ایک حصہ ہیں تو ہمیں یہ کہنے میں باک نہیں کہ واقعۃً یہ امت کا ایک ایسا گلا سڑا حصہ ہے جسے جسمِ امت سے الگ کر دینا ہی اس کا صحیح علاج ہے ورنہ اس ناسور کا زہر ملتِ اسلامیہ کے پورے دھڑ میں سرایت کر جائے گا اور اس کا نتیجہ موت اور تباہی کے سوا کچھ نہیں ہوگا، اس مسئلہ کا حل کل بھی یہی تھا اور آج بھی یہی ہے ایک معمولی اقلیت کی خوشنودی کے لئے ایک بڑی اکثریت کو ناراض کرنا آخر کون سی سیاست ہے ؟ حق تعالیٰ صحیح فہم نصیب فرمائے۔

وصلی اللہ علیٰ خیر خلقہ سیدنا محمد وآلہ وأصحابہ وأتباعہ أجمعین۔

رجب شعبان ۱۳۹۳ھ ، ستمبر اکتوبر ۱۹۷۳ء

مسئلہ ختمِ نبوّت اور پاکستان

پاکستان کی بنیاد لا إلٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پر رکھی گئی تھی اور خدا تعالےٰ سے عہد اور قوم سے وعدہ کیا تھا کہ اس میں اسلام کا عادلانہ نظام قائم کیا جائے گا، یہاں کی حکومت خلافتِ راشدہ کا نمونہ ہو گی، مسلمانوں کی انفرادی و اجتماعی زندگی اسلام کی جیتی جاگتی تصویر ہوگی، یہ ملک عالمِ اسلام کے لئے ایک مثالی نمونہ ہوگا، اور اسلامی فلاحی مملکت قائم کر کے پوری دنیا پر واضح کیا جائے گا کہ اگر راحت و سکون کی زندگی مطلوب ہے تو خدا تعالیٰ کے آخری پیغام کو اپناؤ جو حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے وغیرہ وغیرہ، مگر جو کچھ ہوا وہ سب کے سامنے ہے۔ "عیاں را چہ بیان"۔

بدقسمتی سے آزادی کے بعد پے در پے ایسے حکمران آئے جنہوں نے ملتِ اسلامیہ کے احتجاجی ضمیر میں جھانکنے کی کبھی زحمت گوارا نہیں کی، نئے اسلامی ملک اور نئی قوم کے تقاضے کیا ہیں؟ ملتِ اسلامیہ کی تشکیل کن عناصر سے ہوتی ہے؟ اس کے حقیقی خد و خال کیا ہوتے ہیں؟ جس قوم نے خدا اور رسول کے نام پر انہیں اسلامی ملک کی مسندِ اقتدار پر فائز کیا ہے وہ ان سے کیا کیا توقعات رکھتی ہے؟ ان سوالات پر غور انہوں نے کبھی کیا ہی نہیں یا شاید وہ اس کی صلاحیت ہی نہیں رکھتے تھے، ان کے سامنے دورِ غلامی کا پامال راستہ تھا جس پر وہ رواں دواں تھے، وہی آئین و قانون، وہی حکمرانی کے اصول اور پیمانے، وہی جبر و استبداد اور مطلق العنانی، وہی افسر شاہی کی نازک مزاجی، جو لوگ انگریز دشمنی کی بنا پر دورِ غلامی میں "خطرناک" سمجھے گئے، وہ اپنے اخلاص و للہیت، قومی خدمات اور حب الوطنی کے باوجود ان نئے حکمرانوں کی لغت میں بھی "خطرناک" اور معتوب ہی رہے اور ان پر سی، آئی، ڈی کا پہرہ بدستور رہا اور جن لوگوں کی تخم ریزی اور نشو و نما انگریز نے اپنے مخصوص مصالح کے لئے کی تھی وہ "اسلامی ملک" میں بھی برسرِ اقتدار معزز اور معتمد علیہ رہے۔

اگر ان حکمرانوں میں معمولی سی بات دینی حس یا کم از کم صحیح سیاسی بصیرت ہی موجود ہوتی تو دورِ غلامی کے نوکر شاہی ذہن کو بدل کر نئے ملک کے لئے نئے تقاضوں کو سمجھتے، امتِ مسلمہ کی نفسیات کا مطالعہ کرتے اور مسلمانوں کے وہ متفقہ اجتماعی و ملی مسائل جنہیں شدید مطالبوں کے باوجود انگریزی حکومت نے لائقِ توجہ نہیں سمجھا تھا بغیر کسی تقاضے کے خود آگے بڑھ کر انہیں حل کرتے، اگر انہوں نے اس فہم و تدبر اور مسلمانوں سے ہمدردی و بہی خواہی کا مظاہرہ کیا ہوتا تو بے چینی کی فضا ختم ہو جاتی، ملت کا شیرازہ مستحکم ہو جاتا اور دنیا

کی نیک نامی کے ساتھ آخرت کی سعادت بھی ان کے حصّہ میں آتی۔

مگر یہاں ہوا یہ کہ جب بھی مسلمانوں نے اپنے جذبات کا اظہار کیا تو دفع الوقتی سے کام لیا گیا اور شدت سے مطالبہ ہوا تو پائے استحقار سے ٹھکرا دیا گیا، معاملہ بے قابو نظر آیا تو گولہ بارود سے "جلیانوالہ باغ" کی یاد تازہ کر ڈالی اور اپنی ہی قوم کو اقتدار کی طاقت سے کچل ڈالا گیا، نتیجہ یہ کہ حکمران خود تو بصد ذلت ورسوائی کیفر کردار کو پہنچے ہی مگر ان کی غلط اندیشی اور کم ظرفی نے ملک کو تباہ کر ڈالا اس طرح نہ صرف یہ کہ پاکستان کا مقصدِ وجود ظہور پذیر نہ ہو سکا بلکہ ہم الٹی سمت سفر کرتے کرتے کہیں سے کہیں جا نکلے، چنانچہ ایک مدت سے ہم شک وتذبذب، افراتفری و بدامنی اور بے یقینی و بے چینی کے لق ودق بیابانوں میں بھٹک رہے ہیں، آج ہمارے سامنے مسائل کا جنگل ہے مگر ہم میں سے ہر شخص جس کے منہ میں زبان اور ہاتھ میں قلم ہے وہ اپنے سوا ہر شخص کو وطن دشمن اور غدار کا خطاب دے کر یہ فرض کر لیتا ہے کہ مسائل کا یہ جنگل اس خطابِ غداری کی چنگاری سے خود بخود بھسم ہو جائے گا، ملک دو نیم ہو چکا ہے اور بقیۃ السلف پر بیرونی سازشوں کے کرگس منڈلا رہے ہیں مگر ہمارے زعما باہم دست وگریبان ہیں، سوچنا چاہیئے کہ ان حالات میں اس ملک کا مستقبل کیا ہوگا؟ إنا للہ وإنا إلیہ راجعون۔

عقیدۂ ختمِ نبوّت کو تسلیم کئے بغیر پاکستان قائم نہیں رہ سکتا

کسی عمارت کی بنیادیں کھود کر انہیں اپنی جگہ سے ہٹا دینا اور پھر یہ توقع رکھنا کہ عمارت جوں کی توں قائم رہے گی ایک مجنونانہ حرکت ہے، ملتِ اسلامیہ کا شیرازہ حضرت ختمی مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ عالی سے قائم ہے اور یہی وجودِ پاکستان کا سنگِ بنیاد ہے جو شخص اس سے انحراف کرتا یا اسے منہدم کرتا ہے وہ اسلام، ملتِ اسلامیہ اور پاکستان تینوں سے غداری کا مرتکب ہے، ایک ایسے شخص سے جو ملک وملت کی جڑوں پر تیشہ چلا رہا ہو، کسی مفید تعمیری خدمت کی توقع رکھنا خود فریبی نہیں تو اور کیا ہے جو شخص رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا وفادار نہ ہو وہ ملک وملت کا وفادار کیونکر ہو سکتا ہے، تاریخ شاہد ہے کہ ملتِ اسلامیہ کا اجتماعی ضمیر کبھی برداشت نہیں کر سکا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بجائے کسی اور شخص کو "محمد رسول اللہ" اور "رحمۃ للعالمین" کی حیثیت سے کھڑا کیا جائے اور اس کے لئے وہ تمام حقوق ومناصب اور آداب والقاب تجویز کئے جائیں جو مسلمانوں کے مرکزِ عقیدت

(صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ مختص ہیں، بایں ہمہ یہ اصرار بھی کیا جائے کہ وہ مسلمان ہے ملک وملت کا وفادار ہے اور مسلمانوں کو اس پر اعتماد کرنا چاہیئے۔

ایک ناگہانی حادثہ اور اس کے اثرات

۲۹ مئی کا سانحہ قوم کے لئے ایک ناگہانی حادثہ تھا، جس نے قوم کو طویل خوابِ غفلت سے اچانک جگا دیا، جذبات کے سوتے ابل پڑے اور ملک بھر میں اس کا شدید ردعمل رونما ہوا، قومی جذبات کو نظم وضبط کا پابند رکھنے اور انہیں اجتماعیت کے دائرے میں لانے کے لئے ایک ایسی مجلسِ عمل کی تشکیل ناگزیر ہوئی جو ملک بھر کی دینی وسیاسی جماعتوں کی نمائندہ ہو، یہ بات بڑی خوش آئند اور لائق تحسین ہے کہ موجودہ عوامی حکومت نے بھی قوم کے ملی جذبات کا احترام کرتے ہوئے ان کے مطالبہ پر ہمدردانہ غور کا وعدہ کیا ہے اور اس کے لئے قومی اسمبلی کی ایک خصوصی کمیٹی تجویز کردی گئی، توقع ہے کہ ان سطور کی اشاعت تک کمیٹی کے غور وفکر کا کوئی واضح نتیجہ سامنے آچکا ہوگا، کمیٹی کی کارروائی کے پیشِ نظر ملک میں قادیانی مسئلہ کے بارے میں اظہارِ خیال پر پابندی عائد ہے، اس لئے ہم بھی اس مسئلہ کے اعتقادی، مذہبی سماجی ومعاشرتی اور سیاسی واقتصادی پہلوؤں سے تعرض نہیں کرتے، البتہ تمام اہلِ وطن سے اپیل کرتے ہیں کہ یہ بہت نازک وقت ہے، پوری قوم کے امتحان کا موقعہ ہے، تمام مسلمانوں کا فرض ہے کہ نظم وضبط کو برقرار رکھیں اور ملک میں امن وامان کا مسئلہ ہرگز پیدا نہ ہونے دیں، بلکہ جائز حدود کے اندر رہتے ہوئے اپنی آواز متعلقہ افراد تک مسلسل پہنچاتے رہیں، تا آنکہ مسئلہ کے اطمینان بخش حل کی صورت نکل آئے۔

ملک وملت کے بدخواہ اس موقعہ پر نہ صرف خفیہ ریشہ دوانیوں میں مصروف ہیں بلکہ اس کوشش میں بھی ہیں کہ اشتعال انگیزی کے ذریعے حالات مخدوش کردیئے جائیں، مختلف ذرائع سے مطبوعہ لٹریچر مسلمانوں کے گھروں میں پہنچایا جارہا ہے، گذشتہ دنوں لاکھوں روپے کے بڑے بڑے اشتہار قریباً تمام اخبارات میں مسلسل کئی دن تک شائع ہوتے رہے جن کا مقصد اشتعال دلانے کے سوا کچھ نہیں تھا، ہمیں معلوم ہے کہ یہ کس دماغ کی اختراع تھے، ان کے لئے سرمایہ کس نے مہیا کیا اور جس انجمن کا فرضی نام غلط طور پر استعمال کیا گیا ہم اس کے ارکان سے بھی متعارف ہیں، بہرحال ہماری اپیل یہی

ہے کہ مسلمانوں کو پر امن رہنا چاہیئے۔

غیر مسلموں سے مقاطعہ (سوشل بائیکاٹ)

ان دنوں یہ شرعی مسئلہ خاص طور سے زیر بحث ہے اور اس سلسلہ میں بار بار سوال کیا جاتا ہے کہ کیا کسی غیر مسلم سے مقاطعہ جائز ہے؟ یہاں اس پر مفصل بحث کی گنجائش نہیں، مختصر یہ کہ کسی کافر سے موالات اور دوستی کا برتاؤ تو کسی حال میں بھی جائز نہیں، نہ انہیں ملی مشوروں میں شریک کیا جاسکتا ہے نہ ملک کی پالیسیوں میں انہیں دخیل بنایا جاسکتا ہے، نہ کسی کافر کو کسی کلیدی اسامی پر فائز کیا جاسکتا ہے، رہا لین دین اور میل جول کا سوال؟ تو کافر اگر حربی یا باغی ہو مسلمانوں کے مقابلے میں برسرِ پیکار ہو اور اس سے لین دین کا معاملہ مسلمانوں کے حق میں مضر ہو، تو اس سے ہر قسم کے تعلقات ختم کرلینا نہ صرف جائز بلکہ واجب ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قریش کی ناکہ بندی کرنا سیرتِ نبوی کا معروف واقعہ ہے۔ اسی طرح حضرت ثمامہؓ بن اثال کا واقعہ بھی مشہور ہے کہ انہوں نے کافروں کی رسد روک کر ان کا ناطقہ بند کردیا تھا اور جب تک کافروں نے بارگاہِ اقدس میں حاضر ہوکر معذرت اور منت وسماجت نہیں کی ان کی رسد بحال نہیں ہوئی، قرآنِ کریم میں اجمالاً اور بخاری شریف میں تفصیلاً حضرت کعب بن مالک اور ان کے رفقاء کے مقاطعہ کا عبرت آموز قصہ بھی موجود ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ سنگین موقعہ پر تادیب اور سرزنش کے لئے بعض اوقات ایک مسلمان سے بھی مقاطعہ صحیح ہے، یہ تو کفار ہیں اور بعض اوقات مسلمانوں سے مقاطعہ کا مسئلہ تھا اور جو شخص دینِ اسلام سے۔ العیاذ باللہ۔ منحرف ہوکر مرتد ہوگیا ہو اس کے ساتھ تو کسی نوع کا بھی تعلق قطعاً جائز نہیں، یوں بھی اسلامی غیرت اس کو برداشت نہیں کرتی کہ باغیانِ اسلام کے ساتھ کسی قسم کا ربط رکھا جائے ایسے موقعوں پر عموماً انسانی ہمدردی اور اسلامی رواداری کی اپیل کی جاتی ہے مگر کون نہیں جانتا کہ انسانی ہمدردی اور رواداری کی بھی کچھ حدود ہوتی ہیں، بعض اوقات جرم کی نوعیت ہی کچھ اتنی سنگین ہوتی ہے کہ انسانی ہمدردی اور رواداری کے سب پیمانے ٹوٹ جاتے ہیں اور رحم کی اپیل مسترد کردی جاتی ہے، یہ ہمارے سامنے روزمرہ کے واقعات ہیں۔ ارتداد اسلام کی نظر میں بدترین جرم ہے، کیونکہ وہ "بغاوت" کا دوسرا نام ہے، اس لئے مرتد کے معاملہ میں انسانی ہمدردی اور رحم کی کوئی اپیل اسلام کی عدالت میں لائقِ التفات نہیں تاوقتیکہ مجرم اپنے جرمِ بغاوت سے باز نہ آجائے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں عکل اور عرینہ کے چند افراد نے اس جرم کا

ارتکاب کیا تھا، مرتد ہو کر انہوں نے صدقات کے اونٹوں پر قبضہ کر لیا اور راعی کو قتل کر ڈالا تھا، پکڑے گئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قصاص میں ان کے ہاتھ پاؤں کٹوا کر انہیں چلچلاتی دھوپ میں ڈلوایا وہ پیاس کی شکایت کرتے تو پانی تک نہ دیا جاتا، بالآخر اسی طرح تڑپ تڑپ کر اپنے انجام کو پہنچے۔ سوال ہو گا کہ ان کے معصوم بچوں کا کیا قصور ہے مگر اس کا خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دے چکے ہیں، چنانچہ عرض کیا گیا کہ کافروں کی بستی پر رات کی تاریکی میں حملہ کیا جائے تو ان کے بچے بھی اس کی زد میں آجاتے ہیں فرمایا «هم من آبائهم» وہ بھی تو کافروں کے ہی بچے ہیں یعنی جو حکم کافروں کا ہے وہی کافروں کے بچوں کا۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

بعض لوگوں کی جانب سے یہ غلط فہمی پھیلائی جا رہی ہے کہ مجلس عمل میں چونکہ دینی و سیاسی جماعتیں شریک ہیں لہذا یہ "سیاست بازی" ہے۔ حالانکہ ملک بھر کی جماعتوں کا کسی ایمانی مسئلہ پر متفق ہو جانا صرف ایمانی تقاضہ ہے اسے سیاست سے کیا تعلق؟ بلاشبہ یہ تمام امت مسلمہ کا مشترک سرمایہ ہے جس میں حزب اقتدار اور حزب اختلاف کی تفریق ہی غلط ہے خود وزیر اعظم بر ملا اعلان کر چکے ہیں کہ وہ منکرین ختم نبوت کو دائرہ اسلام سے خارج سمجھتے ہیں، اس لئے یہ ذمہ داری تو سب سے بڑھ کر بااقتدار جماعت پر عائد ہوتی ہے کہ وہ اسلام کے ایک قطعی اور بنیادی مسئلہ میں مسلمانوں کو مطمئن کرے اندریں صورت اس مسئلہ کے تقدس کو سیاسی الزام سے مجروح کرنا نہایت، افسوسناک بے انصافی ہے۔

رجب المرجب ۱۳۹۴ھ، اگست ۱۹۷۴ء

قادیانیت کے خلاف اہلِ پاکستان کا شدید ردِ عمل

کسے کیا معلوم تھا کہ "ربوے" کا واقعہ ایک عظیم انقلاب کا ذریعہ بن جائے گا اور انتہائی ناکامیوں اور مایوسیوں کے بعد پاکستان کی سرزمین ایک عظیم نعمت سے مالا مال ہوگی اور جو کام ستائیس ۲۷ برس میں نہ ہو سکا وہ تین ماہ کے قلیل عرصہ میں انجام پذیر ہوگا۔

برطانیہ کی اسلام دشمنی

برطانیہ کی اسلام دشمنی ضرب المثل ہے محتاجِ بیان نہیں، دوسری جنگِ عظیم میں برطانیہ کو جب شکستوں پر شکستیں ہونے لگیں اور اسے شدید خطرہ لاحق ہو گیا کہ انگلستان کے بچانے کے لئے اگر پوری طاقت جمع نہ کی گئی تو صفحۂ عالم سے مٹ جائے گا، ان حالات کی وجہ سے وہ متحدہ ہندوستان کی تقسیم پر آمادہ ہو گیا جبکہ مسلمانوں کی عظیم الشان اکثریت تقسیمِ ملک کا مطالبہ کر رہی تھی، انگریز کو برصغیر سے بوریا بستر لپیٹنا پڑا تو جاتے جاتے "پاکستان" کو لنگڑا لولا بنانے کے لئے ایک سازش کر گیا، صوبۂ بنگال مسلم اکثریت کا صوبہ تھا اور پنجاب میں بھی مسلم اکثریت تھی، تقسیم ہند کے طے شدہ اصول کے مطابق یہ دونوں صوبے پورے کے پورے پاکستان کے حصے میں آتے تھے، لیکن انگریز نے ان دونوں کی تقسیم کی شکل نکالی، چنانچہ دونوں صوبوں کی تقسیم ضلعی اکثریت کی حیثیت سے وجود میں لائی گئی یہ برطانیہ کی مسلمانوں کے ساتھ پہلی غداری تھی، ہندو کو خوش کیا اور مسلمانوں پر ظلم کیا، اس موقع پر چاہیئے تھا کہ مسلمانوں کی اکثریت کی طاقت اس جدید منطق کو ٹھکرا دیتی لیکن افسوس کہ ایسا نہ ہو سکا اور ہماری غفلت یا تغافل سے دشمن نے فائدہ اٹھایا، پھر بنگال اور پنجاب دونوں کو تقسیم کرنے کے بجائے مناسب صورت یہ تھی کہ مشرقی بنگال کے بدلے پاکستان کو مشرقی پنجاب دے دیا جاتا تاکہ روز روز کے جھگڑے نہ ہوتے اور پاکستان کے دونوں حصوں میں ایک ہزار میل کا غیر فطری فاصلہ حائل نہ ہوتا جس کی وجہ سے ہمیں ۱۹۷۱ء میں روزِ بد دیکھنا پڑا، لیکن افسوس یہ بھی نہ ہو سکا اور یہ انگریز کی دوسری غداری و مکاری تھی، پھر جو کمیشن تقسیم پنجاب کے لئے مقرر ہوا اس میں بھی برطانوی کمیشن نے غداری کی کہ مشرقی پنجاب کے وہ حصے جو پاکستان میں آنے والے تھے اور جو پاکستان کے شہ رگ کی حیثیت رکھتے تھے وہ ہندوستان کے نقشے میں لائے گئے چنانچہ قادیان "پٹھان کوٹ" وغیرہ کے خطے پاکستان کا حق تھے مگر برطانیہ اور ان کے گماشتوں کی سازش سے بھارت میں چلے گئے جس کی وجہ سے کشمیر کا مسئلہ پیدا

ہوا اور آج تک عقدۂ لاینحل بنا ہوا ہے، یہ مسلمانوں کے ساتھ برطانیہ کی تیسری غداری اور سازش تھی، پھر برطانیہ نے سر ظفر اللہ خاں قادیانی کو پاکستان کا پہلا وزیر خارجہ مقرر کرانے پر اصرار کیا، اس نے سات سال کے عرصۂ وزارت میں پاکستان کے اندر اور باہر قادیانیوں کی جڑوں کو خوب مضبوط کیا، اس کے دورِ وزارت میں پاکستان کے بیرونی سفارت خانوں میں چن چن کر قادیانی بھیجے گئے اور وہ "قادیانی مشن" کے طور پر کام کرتے رہے، اور یہ چوتھا خنجر تھا جو انگریز نے مسلمانوں کے سینے میں ایسا گھونپا کہ اس کا نکالنا مشکل ہو گیا۔

"ربوہ" ایک نیا قادیان

پاکستان میں ایک "نیا قادیان" بسانے کے لئے ایک علیحدہ خطہ "ربوہ" کے نام سے پاکستان میں حاصل کیا گیا اور اس کے لئے اس وقت کے انگریز گورنرِ پنجاب نے خاص کارنامہ یہ انجام دیا کہ پاکستان کے قلب میں ایک وسیع خطہ "قادیانی ریاست" کے لئے مخصوص کر دیا اور "ربوہ" کے قادیانیوں کو ایسی آزادی دی گئی کہ عملاً پاکستان کی حکومت وہاں نہیں تھی گویا پنجاب میں اس کو ایک آزاد ریاست کی حیثیت حاصل تھی جسے "ریاست در ریاست" کہنا صحیح ہوگا، "تبلیغِ اسلام" کے نام پر دو لاکھ سالانہ زرِ مبادلہ قادیانی وصول کرتے رہے جس کے ذریعہ مشرقی افریقی ممالک میں دبلیغ پھیلانے پر مرزائیوں نے اپنے مبلغ بھیجے اور ارتداد کا جال پھیلایا، یہاں تک کہ اسرائیل کی یہودی حکومت سے حکومتِ پاکستان کا کوئی تعلق اور رابطہ نہیں تھا مگر مرزائیوں نے ان کے مرکز تل ابیب اور حیفہ میں مراکز قائم کئے اور اس طرح برطانیہ کا خود کاشتہ پودا نہ صرف پاکستان میں بلکہ تمام اسلامی اور غیر اسلامی ممالک میں بھی ایک تن آور درخت بن گیا، ستم بالائے ستم یہ کہ سکندر مرزا اور ایوب کی غفلتوں یا غداری کی وجہ سے پاکستان کے کلیدی مناصب پر مرزائی چھا گئے، اس طرح مٹھی بھر مرزائی پاکستان پر حکومت کرنے کے خواب دیکھنے لگے، حکومت نے محکمۂ اوقاف کے ذریعہ سے مسلمانوں کے تمام اوقاف "وقف ایکٹ" کے ماتحت قبضہ میں لے لئے، لیکن قادیانی مرزائیوں کے اوقاف کو ہاتھ نہیں لگایا گیا جس کے ذریعہ نہ صرف ان کی مالی حیثیت اور قوی ہو گئی بلکہ ان میں "خود مختار ریاست" کا تصور شدت سے ابھرا، علاوہ اس کے بین الاقوامی سطح پر دشمنانِ اسلام اسرائیل و برطانیہ وغیرہ کی جانب سے ان کی جو مخفی اعانت ہوتی رہی اور سر ظفر اللہ نے تین سالہ زندگی میں اقوامِ متحدہ کی نمائندگی کے

دوران باہر کی دنیا میں مرزائیت کی جڑوں کو جو مضبوط کیا وہ اس پہ مستزاد ہے جس سے مرزائیوں کو اپنی بین الاقوامی پوزیشن کے مضبوط ہونے کا گھمنڈ ہونے لگا، الغرض ان متعدد عوامل کے تحت یہ فتنہ روز بروز قوی تر ہوتا گیا جس کی تفصیلات حیرت ناک بھی ہیں اور دردناک بھی۔

تحریکِ ختمِ نبوت ۱۹۵۳ء میں تحریکِ ختمِ نبوت چلی، لیکن افسوس اور صد افسوس کہ خواجہ ناظم الدین جیسے دیندار اور حاجی نمازی کے زمانے میں مسلمانوں کی یہ مقدس تحریک سیاست کی بھینٹ چڑھ گئی، سینکڑوں ہزاروں مسلمانوں کی خونریزی ہوئی ان کی لاشوں کو نذرِ آتش کیا گیا دریائے راوی کی لہروں کے سپرد کر دیا گیا، مسلمانوں پر وہ مظالم ڈھائے گئے جو رنجیت سنگھ کے زمانے میں نہیں ہوئے تھے اور اس طرح مسلمان حکمرانوں کے ذریعہ مسلمانوں کا خون بہایا گیا اور تحریک کو کچل کر کے رکھ دیا گیا، لیکن ان شہدائے ختمِ نبوت کی روح جب تڑپتی ہوئی بارگاہِ الٰہی میں پہنچیں اور انہوں نے رحمتِ الٰہی کے دروازے کھٹکھٹائے آخر ربوہ کا حادثہ پیش آیا اور انجام وہی ہوا جس کی ضرورت تھی اور اگر روزِ اوّل سے یہ صورت اختیار کی جاتی کہ قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دے کر ان کا قصہ پاک کر دیا جاتا تو یہ خونچکاں صورتِ حال پیدا نہ ہوتی۔

حادثۂ ربوہ اور اس کے نتائج ۲۹ مئی ۱۹۷۴ء کو ربوہ کا حادثہ پیش آیا اور حالات نے نازک صورت اختیار کی، مسلمانوں کے جذبات بھڑک اٹھے اور حکومت نے بروقت صحیح قدم نہیں اٹھایا، ۳ جون ۱۹۷۴ء کو پنڈی میں علماء کرام اور مختلف فرقوں کا نمائندہ اجتماع ہوا، اس کو بھی ناکام بنانے کے لئے تین مندوبین مولانا مفتی زین العابدین، مولانا حکیم عبدالرحیم اشرف اور مولانا تاج محمود کو لالہ موسیٰ کے اسٹیشن پر روک کر ٹرین سے اتار لیا گیا، ۳ جون کے اجتماع کو ناکافی سمجھ کر ۹ جون کو راقم الحروف کی طرف سے لاہور میں اجتماع رکھا گیا اور تمام اسلامی فرقوں اور جماعتوں کو شرکت کی دعوت دی گئی، چنانچہ مسلمانوں کے تمام فرقے اور جماعتیں دیوبندی، بریلوی، اہلِ سنت، شیعہ، اہلحدیث، مسلم لیگ، جمعیت علمائے اسلام، جمعیت علمائے پاکستان، جماعت اسلامی وغیرہ وغیرہ شریک ہوئیں، بیس جماعتوں کا نمائندہ اجتماع ہوا، راقم الحروف نے مختصر سی تقریر کی جس کا خلاصہ یہ تھا کہ ہمارا یہ اجتماع اس وقت صرف ایک دینی عقیدہ کی حفاظت کے لئے ہے یہ اجتماع "ختمِ نبوت" کے مسئلہ پر ہے اس کا دائرہ آخر تک محض دینی رہے گا، سیاسی آمیزشوں سے اس کا دامن پاک رہنا چاہیے، جو سیاسی حضرات اس میں

شامل ہیں ان کا مطمحِ نظر دین ہی ہوگا اور حزبِ اقتدار و حزبِ اختلاف کی کش مکش سے بالاتر ہوگا۔

تحریک ختمِ نبوت کا طریقِ کار ختمِ نبوت کی تحریک کا طریقِ کار نہایت پرامن ہوگا اور اسے تشدد سے کوئی سروکار نہ ہوگا، اگر کوئی مزاحمت ہوئی یا تکلیف پیش آئی تو دین کے لئے اس کو برداشت کرنا ہوگا اور صبر کرنا ہوگا، مظلوم بن کر رہنا ہوگا اور ہمارے مدمقابل صرف مرزائی امت ہوگی حکومت نہ ہوگی، ہم حکومت کو ہدف بنانا نہیں چاہتے، اگر حکومت نے ان کی حفاظت یا ان کی حمایت میں کوئی غلط قدم اٹھایا تو اس وقت مجلسِ عمل کوئی مناسب فیصلہ کرے گی، ابھی قبل از وقت کچھ کہنا درست نہیں، اس کے بعد مولانا مفتی محمود صاحب نے تائیدی تقریر فرمائی، پھر جناب نوابزادہ نصر اللہ خاں اور دیگر مختلف نمائندوں نے تقریریں کیں، تحریک کو نظم و ضبط کے تحت رکھنے کے لئے ایک مجلسِ عمل وجود میں آئی اور راقم الحروف کو عارضی طور پر اس کا صدر منتخب کیا گیا، میری آرزو اور خواہش یہی تھی کہ آئندہ اجتماع میں مجھے اس بوجھ سے سبکدوش کر دیا جائے گا، پریس کانفرنس کی گئی، اور ۱۴ تاریخ کو ملک میں مکمل ہڑتال کا اعلان کر دیا گیا اسی کے ساتھ امتِ مرزائیہ سے سوشل بائیکاٹ کا فیصلہ کیا گیا، اس دوران وزیرِ اعظم بقصدِ مذاکرات لاہور میں قیام پذیر ہوئے، مجلس نے یہ فیصلہ کر لیا کہ اگر وزیرِ اعظم کی جانب سے ملاقات اور مذاکرات کی دعوت دی گئی خواہ انفرادی ہو یا اجتماعی، اسے قبول کر لینا چاہیئے کہ شاید افہام و تفہیم سے کوئی راستہ نکل آئے۔

۱۱ جون ۷۴ء وزیرِ اعظم صاحب بھٹو نے مجھے ملاقات کے لئے بلایا اور بعد میں مجلسِ عمل کے دیگر افراد کو یکے بعد دیگرے فرداً فرداً بلایا، راقم الحروف نے بہت صفائی اور سادگی کے ساتھ واضح اور غیر مبہم الفاظ میں جو کچھ کہا اس کا حاصل یہ تھا کہ قادیانی مسئلہ بلاشبہ پاکستان کے روزِ اول سے موجود ہے، پہلی غلطی اس وقت ہوئی جب ظفر اللہ قادیانی کو وزیر خارجہ مقرر کیا گیا، شہیدِ ملت (خان لیاقت علی خاں مرحوم) کو اس خطرناک غلطی کا احساس ہوا اور انہوں نے قادیانیوں کو اقلیت قرار دینے کا عزم کر لیا تھا لیکن افسوس کہ وہ شہید کرائے گئے اور ہو سکتا ہے کہ ان کا یہ عزم ہی ان کی شہادت کا سبب ہوا ہو، اس وقت جو جرأت مرزائیوں کو ہوئی ہے اگر اس وقت اس کا تدارک نہ کیا گیا اور وہ غیر مسلم اقلیت قرار نہیں دئے گئے تو مسلمانوں کے جذبات بھڑک گئے اور ان کی جان و مال کی حفاظت حکومت کے لئے مشکل ہو گی، اقلیت قرار دئے جانے کے بعد اس ملک میں ان کی حیثیت "ذمی

کی ہوگی اور ان کی جان و مال کی حفاظت شرعی قانون کی رو سے مسلمانوں پر ضروری ہوگی، اس طرح ملک میں امن قائم ہو جائے گا، میں مانتا ہوں کہ آپ پر خارجی غیر اسلامی حکومتوں کا دباؤ ہوگا لیکن اس کے بالمقابل ان اسلامی ممالک کا تقاضا بھی ہے کہ ان کو جلد غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے جن ممالک سے ہمارے اسلامی تعلقات بھی ہیں اور ہر قسم کے مفادات بھی وابستہ ہیں، خارجی دنیا میں غیر اسلامی حکومتوں کے بجائے اسلامی مملکتوں کو مطمئن اور خوش کرنا زیادہ ضروری ہے، نیز ایک معمولی سی اقلیت کو خوش کرنے کے لئے اتنی بڑی اکثریت کو غیر مطمئن کرنا دانشمندی نہیں، اگر آپ حق تعالیٰ پر توکل و اعتماد کر کے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے مسلمانوں کے حق میں فیصلہ فرمائیں تو دنیا کی کوئی طاقت آپ کا بال بیکا نہیں کر سکتی اور اس راستہ میں موت بھی سعادت ہے، غلام محمد، سکندر مرزا اور ایوب خان کا جو حشر ہوا وہ سب کے سامنے ہے اور شہید ملت شہید ملت ہو گئے، الغرض گفتگو بہت طویل تھی، میں ٹھیک ۳۲ منٹ تک بولتا رہا، درمیان میں ایک آدھ سوال وزیر اعظم صاحب نے کیا جس کا جواب شافی فوراً دے دیا گیا اور ان کو خاموش ہونا پڑا، بقیہ حضرات نے بھی فرداً فرداً ملاقات کی اور اپنے تاثرات پیش کئے، ۱۳ جون کو وزیر اعظم صاحب نے اردو میں لمبی تقریر کی جو ریڈیو پر نشر ہوئی، جس میں حادثۂ ربوہ پر ایک حرف بھی نہیں فرمایا البتہ ختم نبوت پر اپنا ایمان ظاہر فرمایا کہ میں مسلمان ہوں میرا عقیدہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں لیکن یہ مسئلہ بہت پرانا ہے اتنا جلد کیسے حل ہو سکتا ہے؟ ۱۴ جون ۱۹۷۴ء کو درۂ خیبر سے کراچی تک اور لاہور سے کوئٹہ تک ایسی مکمل ہڑتال ہوئی جس کی نظیر پاکستان کی تاریخ میں نہیں ملے گی۔

۱۶ جون کو راقم الحروف نے فیصل آباد میں اجتماع رکھا تھا جس میں وزیر اعظم صاحب کی تقریر پر تبصرہ ہوا اور تنقید کی گئی کہ وزیر اعظم نے اپنی تقریر میں مسلمانوں کے مطالبہ سے کچھ زیادہ ہمدردی کا ثبوت نہیں دیا ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ نیشنل اسمبلی میں صرف ایک قرارداد پیش کرنے کے خواہشمند ہیں، اور پھر اس قرارداد کو سپریم کورٹ یا مشاورتی کونسل کے حوالے کر کے سرد خانے میں ڈالنا چاہتے ہیں قرارداد خواہ صوبائی اسمبلی کی ہو یا قومی اسمبلی کی، آئینی طور پر اس کی کوئی حیثیت نہیں، اس کی حیثیت صرف ایک مشورے اور سفارش کی ہے جبکہ مسلمانوں کے ملی مطالبہ کے پیش نظر ضرورت اس امر کی ہے کہ جلد سے جلد آئین اور دستور میں واضح طور پر ختم نبوت پر ایمان لانا ہر مسلمان کے لئے ضروری قرار دیا جائے۔

اور جو شخص اس پر ایمان نہیں رکھتا اسے کافر اور دائرۂ اسلام سے خارج قرار دیا جائے اور نیشنل اسمبلی میں ترمیمی بل اس مقصد کے لئے پاس کرایا جائے، وزیرِ اعظم صاحب چونکہ اکثریت کے لیڈر بھی ہیں اس لئے ان پر سب سے پہلے یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ اپنی جماعت کے ارکان کو اس مسئلہ میں آزاد نہ چھوڑیں بلکہ انہیں ناموسِ رسالت کے تحفظ کی خاطر مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے پر مامور و مجبور کریں، نیز مسئلہ کی اہمیت اور مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی بے چینی کا تقاضا یہ ہے کہ بجٹ سیشن کو ملتوی کر کے سب سے پہلے اس مسئلہ کو حل کیا جائے۔

مجلسِ عمل کے لاہور کے اجلاس میں راقم الحروف کو مجلس کا عارضی صدر مقرر کیا گیا، میری خواہش تھی کہ اس نازک ذمہ داری کے لئے کسی اور موزوں شخصیّت کو صدارت کے لئے منتخب کر لیا جائے گا مگر ؎

"قرعۂ فال بنام من دیوانہ زدند"

اب کے مجلسِ عمل کا مستقل صدر پھر راقم الحروف کو باتفاقِ حاضرین منتخب کیا گیا، بہر حال یہ طے کیا گیا کہ پر امن طریقے پر تحریک کو منزلِ مقصود تک پہنچانے کے لئے پوری جد وجہد کی جائے اور قادیانیوں کا بائیکاٹ جاری رکھا جائے اور تحریک کو سول نافرمانی سے بہر قیمت بچایا جائے، ادھر مجلسِ عمل کی پالیسی تو یہ تھی کہ حکومت سے تصادم سے بہر صورت گریز کیا جائے، ادھر حکومت نے ملک کے چپے چپے میں دفعہ ۱۴۴ نافذ کر دی پریس پر پابندیاں عائد کر دیں، انتظامیہ نے اشتعال انگیز کارروائیوں سے کام لیا اور مسلمانوں کو گرفتار کرنا شروع کیا چنانچہ سیکڑوں اہلِ علم اور طلبہ کو گرفتار کیا گیا انہیں ناروا ایذائیں دی گئیں، کبیر والا، اوکاڑہ سرگودھا، فیصل آباد، کھاریاں ضلع گجرات وغیرہ میں دردناک واقعات رونما ہوئے جن کو مظلومانہ صبر کے ساتھ برداشت کیا گیا، صرف ایک شہر اوکاڑہ میں ان مظالم کے خلاف احتجاج کے طور پر بارہ دن مکمل اور مسلسل ہڑتال ہوئی، اسی سے اندازہ کیجئے کہ ملک بھر میں مجموعی طور پر کتنا ظلم اور اس کے خلاف احتجاج ہوا؟۔ جگہ جگہ لاٹھی چارج کیا گیا، اشک ریز گیس کا استعمال بڑی فراخدلی سے کیا گیا، مجلسِ عمل کی تلقین تمام مسلمانوں کو یہی تھی کہ صبر کریں اور مظلوم بن کر حق تعالیٰ کی رحمت اور غیبی تائیدِ الٰہی کے منتظر رہیں، قریباً پورے سو دن تک ان حالات کا مقابلہ کیا گیا اور تمام سختیوں کو خندہ پیشانی سے برداشت کرتے رہے جن کی تفصیل کی ان اوراق میں گنجائش نہیں۔

جناب وزیرِ اعظم بھٹو صاحب مشرقی پاکستان (حال بنگلہ دیش) کے دورے سے جب واپس آئے تو پوری

قومی اسمبلی کو ایک خصوصی کمیٹی کی حیثیت دے کر اس کے سامنے دو قرار دادیں پیش کی گئیں کہ اسمبلی بحیثیت خصوصی کمیٹی کے ان پر غور و فکر کرے :-

(۱) کہ آئین میں مسلمان کی تعریف کی جائے (پھر اس کے نتیجہ کے طور پر یہ فیصلہ کرنا سپریم کورٹ یا مشاورتی کونسل کا کام ہوگا کہ مرزائی غیر مسلم ہیں یا نہیں)

(۲) کہ مرزائیوں کو دستوری حیثیت سے غیر مسلم اقلیت قرار دے کر غیر مسلم اقلیت کی فہرست میں ان کا نام درج کیا جائے پہلی قرار داد حزبِ اقتدار کی جانب سے جناب وزیرِ قانون نے پیش کی اور دوسری حزب اختلاف کے ارکان نے، یہ بھی طے کر دیا گیا کہ کمیٹی کے لئے چالیس اشخاص کا کورم ہوگا، ان میں سے ۳۰ ممبر حزبِ اقتدار کے اور ۱۰ حزبِ اختلاف کے لازماً ہوں گے، گویا اصولی طور پر طے ہوگیا کہ جب تک حزبِ اختلاف کے دس ارکان کمیٹی کے فیصلہ کی تصدیق نہیں کریں گے وہ فیصلہ کالعدم ہوگا، بہرحال ایک رہبر کمیٹی بنی، اور خوشی کی بات ہے کہ سفارشات کے تمام مراحل اتفاقِ رائے سے طے ہوتے چلے گئے، اس دوران حکومت نے مرزائیوں کو صفائی پیش کرنے کا موقع دینا ضروری سمجھا، چنانچہ مرزا ناصر نے ۱۹۲ صفحے کا صفائی نامہ پیش کیا اور مرزائیوں کی لاہوری پارٹی کے صدر صدر الدین نے تحریری بیان پیش کیا، گیارہ دن تک مرزا ناصر پر جرح ہوتی رہی اور تین دن صدر الدین پر جرح ہوئی، جرح کے دوران تمام اراکینِ اسمبلی کے سامنے یہ بات بالکل واضح ہوگئی کہ مرزا غلام احمد مدعی نبوت دجال ہے اور نبی اور مجدد تو کیا ایک شریف آدمی کہلانے کا بھی مستحق نہیں، دوسری قرار داد جو حزبِ اختلاف کی جانب سے پیش کی گئی تھی اس کی تشریح و توضیح کے لئے دو صد صفحے کی ایک کتاب جو جدید طرز پر مرتب کی گئی تھی، ان ارکان کی جانب سے پیش کی گئی اور ایوان میں سنائی گئی جس سے تمام ممبرانِ اسمبلی کو مرزائیوں کی مذہبی حیثیت اور ان کے سیاسی عزائم سے آگاہی ہوئی اور ان کی آنکھیں کھل گئیں۔

بہرحال مسلمانوں کی کوششیں نیشنل اسمبلی کی سطح پر اور باہر مسلمانوں کی عام سطح پر پر امن طریقے سے جاری رہیں، آخر جناب وزیرِ اعظم بھٹو صاحب نے ۷ ستمبر ۱۹۷۴ء آخری فیصلہ کے اعلان کی تاریخ مقرر کر دی، حالات آخر تک مایوس کن تھے اور توقع نہ تھی کہ مطالبہ کا احترام کیا جائے گا اس لئے کہ تین ماہ کے عرصہ میں تحریک کو کچلنے کی کوئی کسر باقی نہیں رکھی گئی لیکن ((واللہ غالب علی أمرہٖ)) حق تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے، قلوب بھی حق تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں اور زبانیں بھی اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہیں، خوف و رجاء کے بہت سے مراحل

آتے رہے، بالآخر جناب وزیرِ اعظم بھٹو صاحب نے چھ اور سات کی درمیانی رات کو رات کے بارہ بجے کے بعد مسلمانوں کا مطالبہ تسلیم کر لیا، اگلے دن ۷ ستمبر کو اڑھائی بجے رہبر کمیٹی کا اجلاس ہوا، ساڑھے چار بجے نیشنل اسمبلی کا اجلاس ہوا اور ساڑھے سات بجے ایوانِ اعلیٰ کا اجلاس ہوا، تمام حاضر اراکین کے اتفاق سے مسلمانوں کا مطالبہ منظور ہو گیا اور آخری اعلان آٹھ بجے کی خبروں میں ہو گیا اور اس طرح الحمد للہ یہ مسئلہ بخیر و خوبی طے ہو گیا، جب سے پاکستان بنا ہے مسلمانوں کو کبھی اتنی مسرت اور خوشی نہیں ہوئی جتنی کہ اس خبر سے ہوئی کہ اس سرزمینِ پاک میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ختمِ نبوت کو آئینی تحفظ دے کر پاکستان کے مسلمانوں نے تاریخ اسلام میں ایک زرین باب کا اضافہ کیا، اب ان گذشتہ باتوں کو دہرانے کی ضرورت نہ تھی مگر یہ چند اجمالی اشارے دو وجہ سے ضروری سمجھے گئے اوّل یہ کہ مسلمان یہ جاننے کے لئے بیتاب تھے کہ ان کی ملّی تحریک کن مراحل سے گذری اور کس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و احسان سے اسے کامیابی سے ہمکنار کیا، دوم یہ کہ بعض حلقوں کی جانب سے یہ تأثر دیا گیا کہ مسلمان مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کا مطالبہ کر کے خدانخواستہ ظلم کر رہے ہیں، حالانکہ تحریک کو اوّل سے آخر تک دیکھا جائے تو قدم قدم پر مسلمانوں کی مظلومیت کے نقوش ثبت ہیں، مظلوم کو فریاد کرنے کی بھی اجازت نہ دینا کہاں کا انصاف ہے۔

سپاس و تشکّر

اس موقع پر ہم سب کو اللہ پاک کا شکر ادا کرنا چاہیئے کہ محض اسی نے اپنے فضل و احسان سے اپنے حبیبِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ختمِ نبوت کی لاج رکھ لی اور اس تحریک کو کامیابی عطا فرمائی، اسی نے اس کے فوق العادت اسباب مہیا کئے، مسلمانوں کے تمام طبقوں کو متحد اور مجتمع فرمایا اور اسی نے اراکینِ اسمبلی کے دل میں صحیح فیصلہ ڈالا، الحمد للہ وحدہٗ، لا إلٰہ إلا اللہ وحدہٗ، أنجز وعدہ، ونصر عبدہٗ (أعنی سیدنا محمداً صلی اللہ علیہ وسلم) وھزم الأحزاب وحدہٗ۔ اللہ تعالیٰ کے بہت سے نیک بندوں نے اس موقع پر دعائیں کیں، اللہ تعالیٰ سے التجائیں کیں، اللہ تعالیٰ نے ان کی دعائیں قبول فرمالیں جو کچھ ہوا محض اللہ تعالیٰ کے فضل سے تکوینی طور پر ہوا، وہم و گمان سے بالاتر اللہ تعالیٰ نے احسان فرمایا۔

مجلسِ عمل کے خادم کی حیثیت سے میں یہ فرض سمجھتا ہوں کہ جناب وزیرِ اعظم صاحب اور ان کے

رفقاء کو مبارک باد اور ہدیہ تشکر پیش کروں، اگر موصوف نے آخری مرحلہ میں تدبر سے کام نہ لیا ہوتا اور گذشتہ حکمرانوں کی طرح نشۂ اقتدار میں مسلمانوں کے ملی مطالبہ کو خدانخواستہ ٹھکرا دیا جاتا تو شاید ہم سب غضبِ الٰہی کی لپیٹ میں آگئے ہوتے اور پاکستان میں پھر ۵۳ء کی یاد تازہ ہو جاتی تھی، یہ اللہ تعالیٰ کا ان پر احسان ہے کہ یہ مسئلہ ان کے دورِ اقتدار میں حل ہوا، اگرچہ مسلمانوں کو ابتلا سے گذرنا پڑا لیکن بالآخر اللہ تعالیٰ نے فضل فرمایا، جناب وزیرِ اعظم صاحب کے دل میں صحیح بات ڈال دی، بہر حال وہ اس جرأت مندانہ اقدام پر تمام عالمِ اسلام کی جانب سے مبارکباد کے مستحق ہیں۔

نیز میں قومی اسمبلی کے صدر اور معزز مسلمان اراکین کو تمام مسلمانوں کی جانب سے مبارک باد پیش کرتا ہوں کہ انہوں نے مرزائیت کے تمام مالہ وما علیہ کو بڑی محنت اور جانفشانی سے پڑھا اور پوری بصیرت سے صحیح فیصلہ صادر کیا۔

ملتِ اسلامیہ نے جس بے مثال اتحاد کا مظاہرہ کیا اور تمام مسلمانوں نے جس عزم و استقلال کے ساتھ تحفظِ ناموسِ رسالت (علی صاحبہا الصلاۃ والسلام) کی خاطر ہر قسم کی گروہ بندیوں سے بالاتر ہو کر ایثار و قربانی کا نمونہ پیش کیا اس کی تحسین کے لئے الفاظ کا دامن تنگ ہے جن جن لوگوں نے اخلاص کے ساتھ اس میں حصّہ لیا وہ اپنا اجر اللہ تعالیٰ کے یہاں پائیں گے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کے مستحق ہوں گے، حق یہ ہے اس موقعہ پر ملت اسلامیہ کا ایک ایک فرد مبارک باد کا مستحق ہے۔

اس حادثۂ ربوہ کا آغاز عزیز طلبہ پر ظلم و ستم سے ہوا اور انہوں نے ایک طرف تحریک کے لئے قربانیاں پیش کرنے کا عزم کیا اور دوسری طرف اپنے جوش و خروش کو مجلسِ عمل کی ہدایات کے مطابق بے جا استعمال کرنے سے حتی الوسع پرہیز کیا ورنہ نوجوان طبقہ صبر و تحمل کی تلقین کو مشکل ہی سے سننے کا عادی ہوتا ہے اس لئے ہمارے عزیز طلبہ دوگونہ مبارک باد کے مستحق ہیں اور کبھی کبھی خیال ہوتا ہے کہ اگر ان نوجوانوں کی ہمت و ارادہ کے دھارے صحیح رُخ پر بہنے لگیں اور ان کی ایسی تربیت ہو کہ وہ اس پاکستان کی پاک سرزمین میں ہر قسم کی گروہ بندیوں اور ذاتی مفادات سے بالاتر ہو کر صرف اللہ تعالیٰ کے دین کی خاطر محنت کرنے والے بن جائیں تو اس ملک کا نقشہ ہی بدل جائے، وما ذالک علی اللہ بعزیز۔

اس موقعہ پر حزبِ اختلاف کی جماعتوں کے کردار کی داد نہ دینا بے انصافی ہوگی، سیاسی جماعتوں کا مزاج ہی کچھ ایسا ہوتا ہے کہ وہ کسی مناسب موقعہ سے سیاسی فائدہ اٹھانے سے نہیں چوکتیں مگر ہماری

تحریک بحمداللہ خالص دینی تھی، صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس اور آپ کی ختمِ نبوت کی آئینی حفاظت اس کا مشن تھا اس لئے جو جماعتیں بھی مجلسِ عمل میں شامل ہوئیں انہوں نے پوری شدت کے ساتھ اس مقدس تحریک کو سیاسی آلائشوں سے پاک رکھنے کا عزم کیا اور عملی طور پر اس کا پورا پورا مظاہرہ بھی کیا، اللہ تعالیٰ سب کو جزائے خیر دے۔

قومی پریس پر سخت پابندیاں عائد تھیں، تحریک کی خبروں کی اشاعت چھن چھن کر ہوتی تھی، اس کے باوجود قومی پریس نے مسلمانوں کی ملی تحریک سے حتی الامکان ہمدردی اور تعاون کا مظاہرہ کیا، خصوصیت کے ساتھ "نوائے وقت" لاہور نے بڑے بصیرت افروز اداریے اور مقالے شائع کئے انصاف یہ ہے کہ دیگر دینی جرائد کے ساتھ "نوائے وقت" کا اس مقدس تحریک میں بہت ہی بڑا حصہ ہے، اللہ تعالیٰ اس کے ذمہ دار اصحاب کو بہت ہی جزائے خیر عطا فرمائے اور دنیا و آخرت میں اس کا بہترین اجر عطا فرمائے۔

ناسپاسی ہوگی اگر ہم اس موقعہ پر عالمِ اسلام کی ان مایہ ناز اور پر وقار شخصیتوں کا ذکر نہ کریں جنہوں نے اس نازک موقعہ پر پاکستان کے مسلمانوں سے ہمدردی فرمائی اور اربابِ حل و عقد کو اپنے قیمتی مشوروں سے مستفید کیا، میں ان کی خدمت میں پاکستان کے تمام مسلمانوں کی طرف سے مبارکباد پیش کرتا ہوں۔

اس مسرت و شادمانی کے موقعہ پر ہمیں اپنے ان بزرگوں کی یاد آتی ہے جنہوں نے اپنی ساری زندگی اس کے لئے بے چینی میں گذاری، حضرت الاستاذ امام العصر مولانا محمد انور شاہ کشمیری، حضرت مولانا پیر مہر علی شاہ گولڑوی، حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی، حضرت مولانا ثناء اللہ امرتسری، حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائپوری، مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری، مولانا محمد علی جالندھری، مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادی، مولانا لال حسین اختر اور دیگر بہت سے اکابر نے اپنے وقت میں مرزائی فتنہ کے استیصال کے لئے اپنی ہمتیں صرف فرمائیں، حق تعالیٰ ان کو بہترین درجات عطا فرمائے کہ انہی کی جوتیوں کے طفیل آج مسلمانوں کو کامیابی نصیب ہوئی، یہاں خصوصیت سے علامہ اقبال مرحوم کا تذکرہ ضروری ہے کہ سب سے اول انہوں نے قادیانیوں کو اقلیت قرار دینے کا مطالبہ اٹھایا۔

۵۳ء کی تحریک میں یا تحریک کے موجودہ مرحلے میں جن حضرات نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ختمِ نبوت پر اپنی جان نثار کی اور جامِ شہادت نوش فرمایا ہم ان کی ارواحِ طیبہ پر بھی عقیدت کے

پھول نچھاور کرتے ہیں، ان کی قربانیاں رنگ لائیں اور جس مقصد کے لئے انہوں نے اپنی جان کا ہدیہ پیش کیا تھا بالآخر اللہ تعالیٰ نے وہ مقصد عطا کر دیا، اللہ تعالیٰ ان سب کو بلند درجے عطا فرمائے اور ان کی لغزشوں سے درگذر فرمائے۔

آثار و نتائج :۔

قوموں کی زندگی میں اس قسم کے تاریخ ساز واقعات ہمیشہ نہیں آتے، اس لئے جی چاہتا تھا کہ پاکستان کی تاریخ کے اس زریں واقعہ کے آثار و نتائج پر کچھ تفصیل سے لکھا جائے مگر افسوس کہ اس کی نہ فرصت ہے نہ گنجائش، مختصراً یہ کہ ۱۹۷۱ء میں سقوطِ مشرقی پاکستان سے پاکستان کے مسلمانوں کو جو گہرا زخم پہنچا تھا، اس سے نہ صرف مسلمانوں کا وقار مجروح ہوا بلکہ خود اسلام کے بارے میں بھی (جو اس ملک کا سنگِ بنیاد تھا) طاغوتی طاقتوں نے طرح طرح کے پروپیگنڈے شروع کر دئے تھے، الحمد للہ قومی اسمبلی کے ایمانی فیصلہ سے اس کی بڑی حد تک تلافی ہو گئی، عالمِ اسلام میں پاکستان کا وقار بلند ہوا جس کا اندازہ ان تہنیتی تاروں سے ہو رہا ہے جو وزیرِ اعظم اور دیگر عمائد ملک کو موصول ہو رہے ہیں بلکہ کافر ممالک کو بھی یہ احساس ہو گیا کہ اسلام ایک زندہ طاقت ہے اور مسلمانوں میں ابھی ہمت و ارادہ موجود ہے اور وہ اپنے دین کی سربلندی کے لئے جراٴت مندانہ اقدام کرنے کی سکت رکھتے ہیں، اسلام کے صرف ایک مسئلہ اور بنیادی مسئلہ کو اپنانے کی یہ برکت ہے اگر ہمارے حکمران کمالِ اخلاص کے ساتھ خدا تعالیٰ کو راضی کرنے کے لئے پورے کا پورا دین انفرادی اور حکومتی دونوں سطحوں پر اپنا لیں تو آخرت میں تو جو اجر ملے گا ملے گا انشاء اللہ دنیا کی سرخروئی بھی مسلمانوں کو نصیب ہو سکتی ہے۔

پاکستان اور مسلمانوں کی بقاء اسلام سے وابستہ ہے

ہمارے ملک میں کچھ عرصے سے لادینی کیونسٹ نظام کو لانے کے لئے اسلامی سوشلزم کی باتیں ہو رہی ہیں، عوام کو روٹی، کپڑا اور مکان کے نعروں سے فریب دیا جا رہا ہے اور ذرائعِ ابلاغ سے ایسے مضامین شائع اور نشر کئے جا رہے ہیں قومی اسمبلی کا حالیہ تاریخی فیصلہ اس امر کی علامت ہے کہ جو شخص یہاں کے عوام کو اسلام سے برگشتہ کرنے کے کھیل کھیلتا ہے وہ چند دنوں کے لئے فریب دے سکتا ہے لیکن بالآخر اسے منہ کی کھانی ہوگی، پاکستان حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور کلمہ طیبہ کے نام پر اور اسلام کی خاطر بنا ہے جو لوگ یہاں کے مسلمانوں کے دل سے اسلام کی وقعت نکالنا چاہتے ہیں محمد رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کے پاک طریقوں سے مسلمانوں کو ہٹاتے ہیں وہ دراصل پاکستان کے نقشہ کو مٹانے کے درپے ہیں غرض ایک بار یہ حقیقت پھر ابھر کر سامنے آگئی کہ پاکستان اور پاکستان کے مسلمانوں کی بقا اسلام اور صرف اسلام سے وابستہ ہے۔

اقلیت قرار دیئے جانے کے بعد مرزائیوں کی حیثیت

مرزائیوں کی حیثیت قبل ازیں کفارِ محاربین کی تھی اور قومی اسمبلی کے فیصلہ کے بعد ان کی حیثیت پاکستان کے غیر مسلم شہریوں کی ہے جن کو "ذمی" کہا جاتا ہے (بشرطیکہ وہ بھی پاکستان میں بحیثیت غیر مسلم کے رہنا قبول کرلیں اس لئے کہ عقدِ ذمہ دو طرفہ معاہدہ ہے) اور کسی ذمی کے جان و مال پر ہاتھ ڈالنا اتنا سنگین جرم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کے دن بارگاہِ الٰہی میں ایسے شخص کے خلاف نالش کریں گے اس بنا پر تمام مسلمانوں کا فرض ہے کہ ان کی جان و مال کی حفاظت کریں، مجلس عمل نے مرزائیوں سے سوشل بائیکاٹ کا فیصلہ کیا تھا جو مسلمانوں کے دائرہ اختیار کی چیز تھی لیکن جن مرزائیوں نے قومی اسمبلی کا فیصلہ تسلیم کرکے اپنے غیر مسلم شہری ہونے کا اقرار کرلیا ہو اب ان سے سوشل بائیکاٹ نہیں ہوگا اور جو مرزائی اس فیصلہ کو قبول نہ کررہے ہوں تو اس کے معنیٰ یہ ہیں کہ وہ مسلمانوں سے ترکِ محاربت پر آمادہ نہیں۔

مرزائیوں کو آئینی حیثیت سے غیر مسلم تسلیم کرنے کے بعد کچھ انتظامی اقدامات ہیں جو حکومتِ پاکستان سے متعلق ہیں ہم توقع رکھتے ہیں کہ حکومت اس باب میں تغافل سے کام نہیں لے گی، اس سلسلہ میں زیادہ اہم یہ امر ہے کہ خفیہ ریشہ دوانیوں پر کڑی نظر رکھی جائے اور کسی نئی سازش برپا کرنے کے امکانات کو نظر انداز نہ کیا جائے۔

مرزائیوں سے متعلق مسلمانوں اور حکومت کے کرنے کا اصل کام

حکومت اور عام مسلمانوں دونوں سے متعلق جو چیز ہے وہ یہ ہے کہ مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دے کر ہمارا مشن پورا نہیں ہوجاتا بلکہ یہ تو اس کا نقطۂ آغاز ہے اصل کام جو ہمارے کرنے کا ہے وہ یہ ہے کہ جو لوگ کسی مادی غرض یا کسی غلط فہمی کی بنا پر اس مرزائیت سے وابستہ ہوئے انہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دامنِ ختمِ نبوت میں لانے کے لئے محنت کی جائے ان کے کچھ شبہات ہوں تو ان کو زائل کیا جائے، ان کی کچھ مجبوریاں ہوں تو ان کو رفع کیا جائے، مرزائیوں نے عام طور پر

مسلمانوں ہی کو شکار کیا ہے ضرورت اس بات کی ہے کہ ان کو پوری ہمدردی اور خیر خواہی کے ساتھ جہنم سے نکالنے کی فکر کی جائے، پاکستان کے اندر اور باہر جس قدر لوگ مُرتد ہوئے ہیں انہیں پھر سے اسلام کی دعوت دی جائے، غرض مرزائیوں کو "خارج از اسلام" قرار دینا اصل مقصد نہیں تھا بلکہ انہیں "داخل دراسلام" کرنا اصل مقصد ہے، اس سلسلہ میں انشاء اللہ ایک وسیع ارادہ ہے جو صالحین اس کے لئے قربانیاں دینے کو تیار ہوں گے ان کے لئے انشاء اللہ بڑی ہی بشارتیں ہیں، راقم الحروف کے ایک نہایت مخلص دوست جناب شیخ محمود حافظ مدنی نے جو ان دنوں دمشق میں ہیں ایک گرامی نامہ تحریر فرمایا ہے اس کا ایک فقرہ یہاں نقل کرتا ہوں:۔

فانی اُبشرکم انی رأیتکم فی المنام لیلة ۳ شعبان ۹۴ھ رؤیاً طیبةً جداً، اُھنئکم بھا، واُختصرھا لکم، رأیتکم مع جماعة علیھم سیما الصلاح والتقویٰ متقدمین فی السن، وکلھم یعملون فی جمع صفحات القرآن الذی کتبتموہ بخطکم وقلمکم الجمیل بمداد لونہ زعفرانی۔ وقصدکم طباعة ھذا القرآن ونشرہ بین الناس لتعمیم الفائدة ھکذا اسمعت منکم و اُنتم تشیرون إلیَّ فی غایة من الفرح والسرور والابتھاج، وعندما تیقظت لصلوٰة الفجر قمت متصباً ملأً والفرحة تملأ قلبی و اُیقنت باُن اللہ تعالیٰ کلل اُعمالکم

میں آپ کو مبارک باد دیتا ہوں کہ میں نے ۳ شعبان ۱۳۹۴ھ کی رات کو آپ کے بارے میں بہت عمدہ اور مبارک خواب دیکھا ہے جس کی آپ کو مبارک باد دینا چاہتا ہوں، اس کو یہاں مختصراً نقل کرتا ہوں، میں نے آپ کو ایسے شیوخ کی جماعت کے ہمراہ دیکھا، جو سن رسیدہ ہیں اور جن پر صلاح و تقویٰ کی علامات نمایاں ہیں، یہ سب حضرات اس قرآنِ کریم کے صفحات جمع کرنے میں مصروف ہیں جو آپ نے اپنے قلم سے سنہری زعفرانی رنگ کی روشنائی سے خود تحریر کیا ہے اور آپ کا قصد یہ ہے کہ اس کو عام فائدہ کے واسطے لوگوں میں شائع کیا جائے، آپ نے اپنے اس قصد کا اظہار نہایت مسرت و شادمانی اور سرور کی حالت میں میری طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا، صبح کو نماز فجر کے لئے اٹھا تو قلب فرحت سے لبریز تھا اور مجھے یقین ہے کہ آپ کے اعمال کو حق تعالیٰ نے کامیابی و کامرانی کا تاج پہنایا

بالفوز والنجاح، والحمد للہ الذی بنعمتہ تتم الصالحات۔	ہے، اللہ تعالیٰ کا بے حد شکر ہے جس کی نعمت سے تمام خوبیاں تکمیل پذیر ہوتی ہیں۔
انتھی باختصار	خواب مختصر الفاظ میں ختم ہوا۔

اہلِ فہم جانتے ہیں کہ ملاحدہ نے قرآنِ کریم کی آیات کو جس طرح مسخ کیا اور ان میں تاویل وتحریف کرکے ان کے مفہومات کو بگاڑا ہے قرآن کو سنہری حروف میں لکھ کر تمام عالم میں شائع کرنے کی تعبیر اس کے سوا کیا کی جائے کہ ان ملاحدہ کی تحریفات دنیا کے جس جس خطے تک پھیلی ہوئی ہیں ان کے اثرات وہاں سے مٹائے جائیں اور قرآنِ کریم کی سنہری تعلیمات کی طرف لوگوں کو دعوت دی جائے، کیا بعید ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے کمزور، نالائق اور پست ہمت بندوں سے بھی اس سلسلہ میں کچھ خدمت لے لیں، وما ذلک علی اللہ بعزیز۔ اب دیکھئے وہ کون خوش قسمت لوگ ہیں جو قرآن کے ان سنہری صفحات کو جمع کرنے کے لئے میدان میں آتے ہیں۔

گوئے توفیق و سعادت درمیاں افگندہ اند
کس بمیدان در نمے آید، سواراں راچہ شد

والحمد للہ أولاً وآخراً والصلاۃ والسلام علی خیر خلقہ صفوۃ البریۃ سیدنا محمد وآلہ وأصحابہ وأتباعہ أجمعین۔

رمضان المبارک وشوال المکرم ۱۳۹۴ھ، اکتوبر ۱۹۷۴ء

برطانیہ اسلام کا سب سے بڑا دشمن

حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ کا مقولہ اپنے اساتذہ سے سنا تھا کہ "اسلام کے خلاف دنیا میں کہیں بھی کوئی سازش کی گئی ہو اس میں برطانیہ کا ہاتھ ضرور ہوگا۔" واقعہ یہ ہے کہ برصغیر پر غاصبانہ تسلّط کے دوران اسلام کو جتنا نقصان حکومتِ برطانیہ نے پہنچایا اتنا شدید نقصان شاید تمام طاغوتی طاقتوں کی مجموعی قوت سے بھی نہیں پہنچا، ماضی قریب میں اسلام کا سب سے بڑا دشمن، سب سے بڑا حریف اور سب سے بڑا مجرم انگریز رہا ہے، اسلامی تہذیب و معاشرت، اسلامی قلب و قالب اور اسلام کی روح و معنویت کو اس "سفید دشمن" نے جیسا مسخ کیا اس کی نظیر تاریخ میں نہیں ملتی، یہی دشمن ہے جس نے خلافتِ عثمانیہ کے عظیم و وسیع اسلامی قلعہ کو مسمار کر کے عالمِ اسلام کو چھوٹی چھوٹی ٹکڑیوں میں تقسیم کر ڈالا جس نے اسلامی ممالک کے درمیان شقاق و نفاق کے کانٹے بوئے، جس نے اسلام کے مقاماتِ مقدسہ کی حرمت کو پامال کیا جس نے اسلامی شعائر کو مغربیت کی کُند چھری سے ذبح کیا، جس نے مسلمانوں کی اسلامی و ملی غیرت کو کچل ڈالا جس نے انسانیت کو بہیمیت و درندگی اور مکاری و عیاری کا درس دیا جس نے خواتین اسلام کے سر سے ردائے عفت چھین لی جس نے صنفِ نازک کو بازارِ فسق کا بکاؤ مال بنا ڈالا۔

ہاں یہی طاغوت ہے جس نے لاکھوں مسلمانوں کو شہید کیا، جس نے ہزاروں اولیاء اللہ کو تختۂ دار پر کھینچا جس نے معصوم بچوں کے خاک و خون میں تڑپنے کا تماشہ دیکھا، جس نے پردہ نشینانِ اسلام کو درندگی و بہیمیت کا نشانہ بنایا، جس کی سازش نے عالمِ اسلام کے جگر میں "اسرائیل" کا صیہونی خنجر گھونپا جس نے لاکھوں فلسطینیوں کو خانہ بدوشی کی سزا دی، خدا کی زمین میں کون سی جگہ ہے جہاں انگریز کے جور و ستم اور سازشوں کے نقش ثبت نہیں؟ عالمِ اسلام کے چپے چپے پر اس کے دندانِ حرص و آز کے زخم موجود ہیں۔"

جانشین ہوں گے تو اس سے دوہرا مقصد حاصل ہوگا۔ ایک طرف انگریزی و برطانوی حکومت کے حق میں ظل اللہ فی الارض کا قادیانی تصوّر قائم رہے گا اور دوسری طرف قادیانی نبوت انگریزی داشتہ کی حیثیت سے کام کرے گی، برطانیہ کو "جہاد کے خطرہ" سے نجات ملے گی اور اسلام کی جگہ قادیانیت کو پنپنے کا موقع ملے گا۔

قادیانیت انگریز کا خود کاشتہ پودا

اس مقصد کے لئے افریقی ممالک میں جس طرح عیسائیوں کے لئے سکول، ہسپتال اور گرجے قائم کئے گئے، ٹھیک اسی طرح قادیانیوں کے ہسپتال اسکول اور نئے گرجے بنائے گئے اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہاں مسلمانوں

کو عیسائیت اور مرزائیت کی چکی کے دو پاٹوں کے درمیان پیس ڈالا گیا اور حیرت ہے کہ قیامِ پاکستان کے بعد قادیانیوں نے ان ممالک کے سادہ لوح عوام کو یہ تاثر دیا کہ پاکستان میں مرزائیوں کی حکومت قائم ہے، ربوہ دارالخلافہ ہے اور پاکستان کا "امیر المومنین" خلیفہ ربوہ ہے۔ اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اس نئے حربے سے بھولے بھالے مسلمانوں کو کتنی آسانی سے شکار کیا گیا ہوگا؟ اس لئے شدید ضرورت ہے کہ ان شیاطینی تدابیر کا توڑ کیا جائے اور ختمِ نبوت کے جھنڈے تلے حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی صحیح نشر و اشاعت کی جائے، یہ مسئلہ تمام اسلامی ممالک کی توجہ کا اولین مستحق ہے، خصوصاً پاکستان کی حکومت پر اس کی سب سے بڑی ذمہ داری عائد ہوتی ہے اس کے لئے بہترین صلاحیتوں کے مخلص، پرعزم اور باہمت نوجوانوں کی ضرورت ہے جو پرچمِ اسلام کو سربلند کرنے کے لئے اپنی تمام صلاحیتیں اللہ تعالیٰ کے راستہ میں وقف کر سکیں۔

قادیانیوں کی پاکستان کے خلاف سازشیں

یہ دیکھ کر بے حد صدمہ ہوا کہ قادیانی گروہ جو انگریز کی اطاعت و فرماں برداری اور خوشامد و تملق کا خوگر ہے، اس نے ستمبر ۱۹۷۴ء کے بعد پاکستان کے خلاف زہر اگلنا شروع کر دیا ہے، بیرونی ممالک میں قادیانیوں پر حکومتِ پاکستان کے مظالم کی فرضی داستانیں تراش تراش کر پوری دنیا میں پاکستان کے خلاف پروپیگنڈا کر رہا ہے، قادیانی افسانہ سازوں کی ان حرکات کا نوٹس لینا اور ان کے مکروہ پروپیگنڈہ کا جواب دینا حکومت کا فرض تھا اور پاکستانی سفارت خانوں کو اس کا توڑ کرنا چاہیئے تھا مگر افسوس ہے کہ اس طرف توجہ نہیں کی گئی اور اس فیصلہ کے مضمرات کی کماحقہ، تشہیر و اشاعت سے غفلت روا رکھی گئی، اس لئے مجبوراً یہ خدمت بھی "مجلس تحفظِ ختمِ نبوت" کو انجام دینا پڑی، الحمد للہ اسلامی ممالک کے علاوہ افریقی ممالک میں بھی "مجلس تحفظِ ختمِ نبوت" کی شاخیں قائم کی جا رہی ہیں اور مجلس کے مبلغین اپنے محدود وسائل کی حد تک قادیانیوں کے گمراہ کن اثرات کو زائل کرنے میں مصروفِ عمل ہیں، بہرحال پاکستان کی حکومت اور پبلک کے لئے قادیانی مسئلہ کا یہ پہلو بھی خاص طور سے توجہ طلب ہے۔

قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کے تقاضے

ستمبر ۷۴ء کے آئینی فیصلے کے تقاضے ابھی تشنہ ہیں اور مسلمان ان کی تکمیل و تعمیل کے لئے مضطرب

اس سلسلہ میں روزنامہ "نوائے وقت" لاہور (۳۱ جنوری ۱۹۷۶ء) کا اداریہ مسلمانوں کے جذبات کا صحیح ترجمان ہے ہم اسے ذیل میں نقل کرکے ملک کے اربابِ حل و عقد کو اس اہم ترین فریضہ پر توجہ کرنے کی دعوت دیتے ہیں۔

قادیانی ـــــــ آئینی ترمیم پر عملدر آمد

"مرکزی مجلس تحفظِ ختمِ نبوت کے زیرِ اہتمام ایک تقریب میں جو کراچی میں اس تنظیم کے سربراہ مولانا محمد یوسف بنوری کے اعزاز میں منعقد ہوئی یہ بتایا گیا کہ مجلس کا ایک وفد جلد ہی وزیرِ اعظم مسٹر بھٹو سے ملاقات کرے گا اور اس بات پر زور دے گا کہ قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دینے کے لئے، ستمبر ۱۹۷۴ء کو آئین میں اتفاق رائے سے جو ترمیم کی گئی تھی اُسے عملی جامہ پہنانے کے لئے ضروری اقدامات میں مزید تاخیر نہ کی جائے۔

آئین میں یہ ترمیم برصغیر کے مسلمانوں کی جس طویل اور ایمان افروز جدوجہد کے بعد کی گئی تھی، وہ محتاجِ وضاحت نہیں اور اس کی منظوری کے موقع پر وزیرِ اعظم مسٹر بھٹو کا یہ اظہارِ فخر بالکل بجا تھا کہ ان کی حکومت کو ایک بہت پرانا اور نازک مسئلہ حل کرنے کی منفرد سعادت حاصل ہوئی ہے اس کے ساتھ انہوں نے قومی اسمبلی میں اپنی تقریر کے دوران میں ان دوسرے متعلقہ اہم معاملات کی طرف بھی جلد ہی مناسب توجہ کرنے کا واضح یقین دلایا تھا جو مسلمانوں کے اس بنیادی مطالبہ کے لازمی مضمرات کی حیثیت رکھتے تھے ان میں فوری نوعیت کا معاملہ یہ تھا کہ تحریک تحفظِ ختمِ نبوت کے سلسلے میں ملک بھر میں جن علمائے کرام، سیاسی کارکنوں اور دوسرے اصحاب کے خلاف مقدمات درج کئے گئے تھے وہ واپس لئے جائیں، یہ فوری معاملہ بھی تدریجاً اور قسطوں میں ہی حل کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور ابھی تک پوری طرح حل نہیں ہوا، کیونکہ گاہے گاہے مختلف مقامات سے ان مقدمات کا سلسلہ ختم کرنے کے مطالبات منظرِ عام پر آتے رہتے ہیں لیکن بیشتر دوسرے اور نسبتاً اہم تر مضمرات ابھی تک تشنۂ تکمیل چلے آرہے ہیں، ہماری مراد قادیانیوں کو کلیدی مناصب سے علیحدہ کرنے، ملازمتوں کے سلسلہ میں ان کی آبادی کے تناسب کو ملحوظ رکھنے کے ساتھ اس صورتِ حال کو بھی مستقلاً ختم کرنے سے ہے جو قادیانیوں کی طرف سے اپنے آپ کو مسلمان بلکہ بطور مسلمان مسلمانوں سے بھی بہتر مسلمان ظاہر کرنے پر اصرار سے پیدا ہو جاتی ہے۔

پچھلے سال کے شروع میں آئینی ترمیم کی روشنی میں ضابطہ تعزیرات میں مناسب تبدیلی کے لئے ایک مسودۂ قانون قومی اسمبلی میں پیش کیا گیا تھا لیکن ابھی تک اسے منظور نہیں کرایا گیا اور یہی بات اضطراب و تعجب کا باعث بنی ہوئی ہے، یہ درست ہے کہ اس دوران میں شناختی کارڈوں، پیشہ ورانہ تعلیم کے بعض اعلیٰ اداروں

میں داخلہ، حج اور عمرہ کے لئے درخواستوں وغیرہ کے سلسلہ میں عقیدۂ ختمِ نبوت پر کامل ایمان کے اظہار کے لئے حلف نامے ضروری قرار دیئے جا چکے ہیں لیکن ضابطۂ تعزیرات میں تبدیلی کا مسودۂ قانون منظور کرنے میں جو تاخیر ہو رہی ہے اس کی وجہ سے جہاں قادیانی حسبِ سابق اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرنے کی کوشش کر رہے ہیں وہاں انہوں نے طنز و تضحیک کے انداز میں اصل مسلمانوں کو محض آئینی قانونی مسلمان قرار دینے کا بھی اشتعال آفریں سلسلہ شروع کر رکھا ہے اور ان کے بعض اخباروں اور ترجمان جرائد نے تو اس حرکت کو معمول بنا لیا ہے۔

ضابطۂ تعزیرات میں آئینی ترمیم کے مطابق تبدیلی کرنے میں تاخیر سے یہ عجیب صورت بھی پیدا ہو گئی ہے کہ جو لوگ آئینی طور پر غیر مسلم قرار پا چکے ہیں وہ نہ صرف اسلام کے مبلغ ہونے کے دعویدار بنتے ہیں بلکہ ان اسلامی اصطلاحات کو بھی بے دریغ استعمال کرتے ہیں جو عقیدہ و ایمان اور تاریخ و روایت کے اعتبار سے صرف اسلام کا حصہ اور مسلمانوں کا ورثہ اور سرمایہ ہیں، قادیانیوں کی طرف سے یہ گمراہ کن اور اشتعال آفرین سلسلہ اب اسی طرح ختم ہو سکتا ہے کہ ضابطۂ تعزیرات میں بھی تبدیلی کرنے میں مزید تاخیر نہ کی جائے تاکہ آئین میں تاریخی ترمیم کے اصل مقاصد پورے کرنے کی راہ کما حقہ، ہموار ہو سکے۔

ہمیں امید ہے کہ مرکزی مجلس تحفظ ختم نبوت نے وزیر اعظم سے اپنے ایک وفد کی ملاقات کا جو پروگرام بنایا ہے اس اہم ضرورت کو پورا کرنے کی مثبت کوشش ثابت ہو گا اور اسلامیانِ پاکستان کو ۱۹۷۴ء میں اپنے بنیادی عقیدہ اور عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے تحفظ و اظہار کے لئے باقاعدہ آئینی اہتمام کرنے کی جو سعادت حاصل ہوئی تھی وہ ہر لحاظ سے پایۂ تکمیل تک پہنچ جائے گی، قادیانی حلقے آئینی ترمیم کی طرح ضابطۂ تعزیرات میں تبدیلی پر بھی یقیناً بڑے برہم ہوں گے لیکن جب وہ دائرہ اسلام سے باہر قرار دیئے جا چکے ہیں تو پھر انہیں کوئی حق نہیں پہنچتا کہ وہ اپنے غیر اسلامی عقائد کے باوجود مختلف مفادات کے حصول و تحفظ کے لئے اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کریں اور اسلامی اصطلاحات استعمال کرنے پر اصرار کرتے رہیں"۔

محرم ۱۳۹۶ھ، فروری ۱۹۷۶ء

"بشکریہ: روزنامہ نوائے وقت" لاہور ۱۳ جنوری ۱۹۷۶ء"

غنڈہ گردی اور اس کا سدِّباب

وطن عزیز میں ظلم و ستم اور جور و جفا کے سلسلے دن بدن گہرے ہوتے جا رہے ہیں اور ملک کا مستقبل لمحہ بہ لمحہ تاریک سے تاریک تر ہوتا جا رہا ہے، یہاں آئے دن کوئی نیا شگوفہ کھلتا ہے اور نیا شگون رونما ہوتا ہے، اسلام آباد کی مرکزی مساجد سے دو علماء کے اغواء کی دردناک کہانی اسی ہفتہ اخبارات میں نظر سے گذری جن میں ایک مولانا عبداللہ صاحب خطیب لال مسجد بھی شامل ہیں، اور اس سے چند دن پہلے جامعہ رشیدیہ ساہی وال اور بعض دوسرے دینی مدارس و مساجد پر چھاپہ مارا گیا اور اخبارات کے مطابق جامعہ رشیدیہ کی جامع مسجد کو شراب سے ملوث کیا گیا، إنا للہ و إنا إلیہ راجعون۔

ہمیں معلوم ہے کہ یہ کس بت فتنہ گر کی عشوہ طرازیاں ہیں؟ یہ کس کی مشق ناز کی کرشمہ سازی ہے؟ کس کے اشارۂ چشم و ابرو سے قتلِ عشاق کا سامان کیا جا رہا ہے؟ لیکن سوال یہ ہے کہ یہ فسطائی حربے، یہ سبائی ہتھکنڈے، یہ غنڈہ گردی اربابِ اقتدار کی بدنامی کا موجب ہے یا اس "نیک نامی" سے حکومت مضبوط ہوتی ہے؟ اگر یہ سب کچھ حکومت کے علم و ایماء کے بغیر ہو رہا ہے تو اس دہشت گردی اور بربریت کے انسداد سے حکومت کیوں قاصر ہے؟ کیا ان مہیب واقعات پر حکومت کی پُراسرار خاموشی اس کی رضامندی کی دلیل نہیں؟ خدارا ان فسطائی حربوں سے شعائر اللہ کی مٹی پلید کر کے خدا تعالیٰ کی غیرت کو چیلنج نہ کریں، ظلم و بربریت کا انسداد کر کے اپنے تدبر اور ہوشمندی کا ثبوت دیں۔

لفظ غیر مسلم لکھوانے سے قادیانیوں کا انکار

مدعیٔ نبوت مرزا غلام احمد قادیانی اور اس کے متبعین کی حیثیت آئین میں متعین کر دی گئی ہے اور مرزائی فرقہ کو غیر مسلم اقلیتوں کی فہرست میں شامل کیا جا چکا ہے لیکن مرزائی فرقہ کے آرگن روزنامہ "الفضل" ربوہ نے اعلان کیا ہے کہ ہم شناختی کارڈ اور دوسرے کاغذات میں "غیر مسلم لکھنا برداشت نہیں کریں گے، مرزائیوں کا یہ اعلان آئین کی صریح خلاف ورزی ہے اور اس کا نوٹس لینا آئین کے محافظوں کا فرض ہے تاہم یہ امر واضح ہے کہ مرزائیوں کو "غیر مسلم اقلیت"

کی حیثیت سے جو آئینی تحفظ دیا گیا ہے اگر وہ اس حفاظتی بند کو خود توڑنے کی جسارت کریں تو اس کے معنیٰ یہ ہوں گے کہ انہوں نے یہ آئینی معاہدہ خود منسوخ کر دیا اس کے بعد ان کی حیثیت شرعاً "حربی کافروں" کی ہوگی اور مسلمان اسی بات پر شرعاً و اخلاقاً مجبور ہوں گے کہ مرزائیوں سے کم از کم سوشل بائیکاٹ کریں۔

دینِ اسلام اور رنگ و نسل و علاقائیت

خدا جانے ہمارے اربابِ اقتدار کو کیا ہو گیا کہ عبرت انگیز حقائق و واقعات سے عبرت نہیں ہوتی؟ غفلت کی انتہا ہو گئی کہ آنکھیں نہیں کھلتیں۔ اسلامی اتحاد اور اسلامی اخوت کی عالمگیر نعمت کی قدر دانی نہیں اور ملکی، لسانی اور مقامی تہذیب و ثقافت کے محدود ترین دائرہ میں سوچتے ہیں اور اس کے احیاء کی کوشش کرتے رہتے ہیں، مراکش سے لے کر انڈونیشیا تک وحدتِ اسلامی کی "سلکِ مروارید" کو چھوڑ کر سندھی، پنجابی اور بلوچی تہذیبوں کے احیاء کی کوشش فرماتے ہیں، جس کے ذریعے نہ صرف وحدتِ اسلامی کو پارہ پارہ کرتے ہیں بلکہ پاکستانی حبل متین کے اتحاد کو بھی پارہ پارہ کر کے مشرقی پاکستان کی دردناک و حسرتناک اور شرمناک صورتِ حال کو دعوت دے رہے ہیں۔ إنا لله وإنا إليه راجعون۔

اسلام نے پہلے قدم پر رنگ و نسل اور وطن کے تمام بتوں کو توڑ کر بے نظیر روحانی رشتہ میں سب روئے زمین کے مسلمانوں کو پرو دیا تھا، پاکستان بنانے کی سب سے بڑی دلیل یہی تھی کہ دنیائے اسلام کی سب سے بڑی حکومت وجود میں آئے گی اور اس کے ذریعہ تمام عالمِ اسلام کے اتحاد کا روح پرور منظر وجود میں آئے گا۔

اسلام ہی وہ عالمگیر مذہب ہے جس نے جاہلیت قدیمہ و جاہلیت جدیدہ کی لعنتوں کو ختم کیا تھا اور مشرق و مغرب کے مسلمانوں میں روحانی حبل اللہ المتین کا وہ رشتہ قائم کیا جس کی نظیر تاریخِ عالم میں نہیں ملتی، یہ وہ طاقت تھی کہ دشمنانِ اسلام اس سے لرزہ براندام تھے اور اس رشتہ کی برکت سے ایک ہزار برس تک اسلام کا علم لہراتا رہا، دشمنانِ اسلام نے صدیوں محنتیں کر کے اور کروڑوں روپیہ خرچ کر کے اس کو تباہ کرنے کی ریشہ دوانیاں کیں، یہاں تک کہ

خلافتِ عثمانیہ کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے دم لیا اور عرب دنیا کو "ترکی بھوت" سے ڈرا کر اتحادِ اسلامی کو پارہ پارہ کیا، پھر عرب اتحاد کے خوف سے ان کے سینوں پر ملعون یہودی حکومت قائم کرا دی، تاکہ دوبارہ قیامت تک متحد نہ ہو سکیں اور آج جو کچھ نقشہ آپ کے سامنے ہے یہ صدیوں کی سوچی سمجھی ہوئی اسکیم تھی جس کا ظہور ہو گیا۔

اعدائے اسلام کی امید کے خلاف مسلمانوں کی ایک بہت بڑی قوت پاکستان کی صورت میں دنیا کے نقشے پر نمودار ہو گئی تو سر ظفر اللہ مرزائی قادیانی کو اس کا وزیرِ خارجہ بنوا کر پاکستان اور عالمِ عرب کو پارہ پارہ کرنے کا بیج ڈال دیا گیا، سب سے پہلے افغان حکومت کو ناراض کر کے دشمن بنا دیا گیا اور پھر ایسے مہرے آگے آتے رہے کہ رہی سہی توقعات سب کی سب ختم ہو گئیں، نہ اسلامی قانون و آئین جاری کرایا، نہ اسلامی اخوت کا پرچار کیا، نہ اسلامی اتحاد کی قدر کی۔

اعدائے اسلام کو بنگلہ دیش بنانے کا موقع مل گیا، روس، امریکہ اور ہندوستان تینوں نے مل کر وحدتِ اسلامی پر پہلا وار کر کے پاکستان کو دو ٹکڑے کرایا، اب وہ اس پر صبر و قناعت نہیں کرنا چاہتے بلکہ ان کی خواہش ہے کہ سندھو دیش بھی قائم ہو، بلوچستان بھی الگ کیا جائے اور سرحد کو بھی کاٹ دیا جائے، پنجاب میں مرزائیوں کے بل بوتے پر دوبارہ نئی حکومت ایسی قائم کی جائے جس کے ذریعہ عرب دنیا کو ڈائنامیٹ لگایا جا سکے۔

سندھ صدیوں کے آئینہ میں

ان نازک ترین حالات میں "سندھ صدیوں کے آئینہ میں" سیمینار قائم کیا جاتا ہے اور اگر یہ صحیح ہے کہ امریکن فونڈیشن کی اعانت سے قائم کیا گیا تھا تو آغاز ہی سے اس کے انجام کا پتہ چل جاتا ہے اس مبارک سیمینار کا اختتام یوں ہوا کہ جمعہ مبارک کی شام کو آرٹس کونسل کراچی میں سندھی موسیقی و رقص کا پروگرام" پیش کیا گیا ہے جس میں وزیروں کی بیگمات نے بھی حصہ لیا اور کیا کیا نغمہ سرائی اور "ہو جمالو" کی دھن پر رقص کے قطیع و قبیح مناظر کے ذریعہ بین الاقوامی سیمینار کے نمائندگانِ عالم کے سامنے سامانِ تفریح پیش کیا گیا، إنا للہ وإنا إلیہ راجعون۔ یہ ہمارا پاکستان ہے اور یہ ہمارا اتحادِ اسلامی کا منظر ہے، سنا ہے کہ ایک بیچارے ترکی نمائندہ نے سچ کہا ہے کہ "پاکستان کو سنا کرتے تھے مگر آج دیکھ لیا۔" اس نقار خانے میں جو آواز سنجیدہ اور متانت کی اٹھی،

وہ جناب اے، کے بروہی کی تھی جس نے اسلامی تہذیب اور عربی زبان پر زور دیا، کاش طوطی خوش الحان کی یہ آواز نقار خانے میں سنی جائے۔

خدارا! اس رہے سہے پاکستان پر رحم کرو، دشمنانِ اسلام کی ریشہ دوانیوں سے بچو، ان دلیشوں بد لیشوں سے پناہ مانگو، جلد سے جلد اسلامی آئین وقانون کو نافذ کرو اور حق تعالیٰ کے غضب کو مزید دعوت مت دو، فیاللأسف۔ نہ معلوم عقلوں پر کیا پردے پڑ گئے، دماغوں کو کیسا کلوروفارم سونگھایا گیا کہ ہوش نہیں آتا، اے اللہ ہم پر رحم فرما اور اپنے غضب سے بچا۔

واعف عنا واغفر لنا وارحمنا أنت مولانا فانصرنا علی القوم الکافرین، آمین۔

ربیع الثانی ۱۳۹۵ھ، مئی ۱۹۷۵ء

قادیانیت اور عالم اسلام

(ایک سفرنامہ کا اقتباس[1])

حج سے پہلے "رابطہ عالم اسلامی" کے جنرل سیکرٹری شیخ محمد صالح قزاز صاحب سے حضرت مولانا مدظلہٗ کی ملاقات ہوئی، مولانا نے ان کو اپنے سفر کے تاثرات سنائے جس پر انہوں نے خوشی اور اطمینان کا اظہار کیا اور دعائیں دیں، حضرت مولانا نے ان کو بھی یہ تجویز پیش کی کہ رابطہ کی طرف سے کتاب "موقف الأمة الإسلامیہ من القادیانیة" کی طباعت کا انتظام ہو اور اسے بلادِ اسلامیہ میں تقسیم کیا جائے جسے انہوں نے بخوشی قبول کیا اور کتاب کو متعلقہ کمیٹی کے سامنے پیش کرنے کا حکم دیا۔

موسمِ حج میں ہر سال رابطہ کی طرف سے "بین الاسلامی مجلسِ مذاکرہ" منعقد ہوتی ہے اس مجلس کے اجلاس جاری تھے، شیخ محمد صالح قزاز صاحب نے حضرت مولانا کو اس میں شرکت کی دعوت پیش کی اور اصرار کیا کہ کم از کم اس کے اختتامی اجلاس میں آپ ضرور شرکت فرمائیں جسے آپ نے قبول فرمالیا، اس بین الاسلامی مجلسِ مذاکرہ میں جن موضوعات پر مقالے پیش کئے گئے وہ یہ ہیں:۔

۱۔ قادیانیت ۲۔ غیر مسلم ممالک میں مسلم اقلیتیں ۳۔ اسلام میں عورت کا مقام

مجلس کا آخری اجلاس ۵ ر ذوالحجہ ۱۳۹۵ مطابق ۷ دسمبر ۱۹۷۵ء کو عشاء کے بعد رابطہ کے ہال میں شروع ہوا، حضرت مولانا نے بھی اس میں شرکت فرمائی، رابطہ کے حضرات نے آپ کا استقبال کیا اور شیخ محمد صالح قزاز اپنی جگہ چھوڑ کر آئے اور مولانا کو خاص مہمانوں کی جگہ بٹھایا، اس اجلاس میں مسلم اور غیر مسلم ممالک کے سینکڑوں علماء نے شرکت کی۔

اس اجلاس میں مندرجہ بالا موضوعات سے متعلق مجلسِ مذاکرہ کی خصوصی کمیٹی نے اپنی سفارشات پڑھ کر سنائیں، قادیانیت کے متعلق جو سفارشات پیش کی گئیں وہ یہ ہیں:۔

بین الاسلامی مجلس مذاکرہ کی طرف سے قادیانیت سے متعلق مقررہ کمیٹی نے بڑے غور و خوض سے قادیانی جماعت کے اغراض و مقاصد کا مطالعہ کیا اور اس نتیجہ پر پہنچی کہ یہ جماعت بظاہر اسلام کا لبادہ اوڑھ کر اسلام کی جڑیں کاٹ کر مسلمانوں میں اپنے خبیث نظریات پھیلاتی ہے اور اسلام اور

---

[1] یہ سفرنامہ محترم جناب مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق صاحب زید مجدہم نے تحریر فرمایا۔

مسلمانوں کے عقائد کے خلاف مندرجہ ذیل امور کی مرتکب ہے :۔

الف ۔ اس جماعت کے لیڈر مرزا غلام احمد نے نبوت کا دعوےٰ کیا۔

ب ۔ اپنے گھٹیا اغراض کے لئے قرآن کریم کی آیات کی تحریف کی ۔

ج ۔ اپنے آقا استعمار اور صہیونیوں کو خوش کرنے کے لئے جہاد کے منسوخ ہونے کا اعلان کیا۔

نیز کمیٹی نے ان عقائدی سیاسی اور اجتماعی خطرات کا بھی مطالعہ کیا جن کا اس جماعت کی وجہ سے عالم اسلامی کو خطرہ لاحق ہے اور بعض فضلاء کی زبانی یہ سن کر افسوس ہوا کہ یہ جماعت افریقہ ایشیا یورپ اور امریکہ کے بعض ممالک میں اپنا کام کر رہی ہے اس لئے یہ کمیٹی مندرجہ ذیل قرارداد پیش کرتی ہے :۔

۱۔ بین الاسلامی مجلس مذاکرہ ان اسلامی حکومت کو مبارک باد پیش کرتی ہے جنہوں نے قادیانیت کے بارے میں اپنا واضح مؤقف اختیار کرتے ہوئے اسے غیر مسلم اقلیت قرار دیا اور یہ مجلس تمام اسلامی حکومتوں اور دینی تنظیمات سے پرزور مطالبہ کرتی ہے کہ وہ بھی یہ اعلان کریں کہ قادیانیت غیر مسلم جماعت ہے اور اسلام کی دائمی تعلیمات کے خلاف ہے۔

۲۔ حسن اتفاق سے اس وقت نائیجیریا کے سربراہ مملکت دیار مقدسہ میں موجود ہیں اور جیسا کہ معلوم ہے کہ نائیجیریا میں قادیانی سرگرمیاں بہت تیز ہو رہی ہیں اور اب یہ جماعت وہاں کی یوربا زبان میں قرآن کریم کا ترجمہ شائع کرنا چاہتی ہے اس لئے کمیٹی یہ سفارش کرتی ہے کہ علماء افاضل کا ایک وفد تشکیل دیا جائے جو نائیجیریا کے صدر محترم سے ملاقات کرے اور ان کے سامنے اس غیر مسلم اور باغی جماعت کے بارے میں امت اسلامیہ کے مؤقف کی وضاحت کرے اور ان سے اپیل کرے کہ وہ ان کے اس خطرناک منصوبے کو پورا ہونے سے روکیں۔

۳۔ مسلمانوں کو مختلف وسائل کے ذریعہ قادیانی لٹریچر پڑھنے سے روکا جائے اور اس لٹریچر کو مسلمانوں میں پھیلانے کا سدباب کیا جائے خصوصاً قرآن کریم کے تحریف شدہ ترجمے۔

۴۔ کمیٹی یہ سفارش کرتی ہے کہ اس غیر مسلم گمراہ کن جماعت کی سرگرمیوں پر کڑی نگاہ رکھی جائے اور رابطہ عالم اسلامی اس سلسلہ میں ایک خاص شعبہ قائم کرے جس کا کام اس جماعت کی سرگرمیوں اور اس کی نقل و حرکت پر نگاہ رکھنا اور اس کی مقاومت کے لئے مناسب قدم اٹھانا ہو۔

۵۔ جن بلاد میں یہ فتنہ پھیل چکا ہے وہاں کثرت سے ایسے مخلص مبلغین کو بھیجا جائے جو قادیانی مذہب اس کے مقاصد اور اس کے طریقہ کار سے خوب واقف ہوں۔

۶۔ جن ممالک میں قادیانی سرگرمیاں موجود ہیں وہاں مدارس، ہسپتال اور یتیم خانے قائم کئے جائیں تاکہ مسلمان بچے ان کے مدارس اور ہسپتالوں میں جانے پر مجبور نہ ہوں۔

۷۔ یہ کمیٹی رابطہ عالم اسلامی سے یہ بھی مطالبہ کرتی ہے کہ اسلامی ممالک میں ایسی کتابیں بکثرت شائع کرے جو اس فرقہ کے خطرات سے آگاہ کرتی ہوں تاکہ مسلمان ان کے فاسد عقائد اور ناپاک اغراض پر مطلع ہو سکیں۔

۸۔ اسلامی حکومتوں سے یہ بھی اپیل کرتی ہے کہ وہ اپنے ہاں شائع ہونے والی کتابوں کی نگرانی کے لئے ایسے حضرات کا تقرر کرے جو صحیح اسلامی فکر کے مالک ہوں۔

۹۔ جو لوگ محض جہالت یا دھوکے میں قادیانیت کے جال میں پھنس چکے ہیں ان کو نہایت نرمی اور حکمتِ عملی سے اسلام کی دعوت دی جائے اور اس سلسلہ میں مناسب تدابیر اور وسائل کو کام میں لایا جائے وباللہ التوفیق۔

حرمین شریفین میں مقامی علمی اور دینی شخصیات کے علاوہ دوسرے ممالک سے آئی ہوئی شخصیات سے بھی ملاقاتیں ہوئیں اور ان سے اس موضوع پر تبادلۂ خیالات ہوا اور ان کو مذکورہ کتاب پیش کی گئی، ان ممالک میں جاپان، انڈونیشیا، ملایا، فلپائن، ہندوستان، شام، عراق، اردن، لیبیا، نائیجیریا، سیرالیون، اپر وولٹا، ایروی کوسٹ، سینیگال، جنوبی افریقہ اور ترکی قابلِ ذکر ہیں۔ وصلی اللہ علی سیدنا محمد خاتم النبیین وآلہ واصحابہ وسلم

ربیع الثانی ۱۳۹۶ھ، مئی ۱۹۷۶ء

طاغوتی قوتوں کی اسلام دشمنی

اس پُر آشوب دور میں علمی و عملی فتنوں کا سیلاب ہر طرف سے امڈ رہا ہے کوئی گوشہ ایسا نہیں رہا جہاں سے کسی نہ کسی فتنہ کا چشمہ نہ ابلتا ہو، اور جس طرح اسلامی حکومتوں کے خلاف تمام طاغوتی طاقتیں متحد ہو کر تہیا کر چکی ہیں کہ ان اسلامی دولتوں کو صفحۂ ہستی سے حرفِ غلط کی طرح مٹا دیں اسی طرح یہ حکومتیں گمراہ کن افکار کے ذریعہ اس کی جدوجہد میں مصروف ہیں کہ کسی طرح دین اسلام کے کسی بھی خدوخال کو صحیح باقی نہ رہنے دیا جائے، بڑی بڑی نامور حکومتیں اونچی سطح پر اس تدبیر میں مشغول ہیں کہ کسی طرح اسلامی شعائر اور اسلامی خصوصیات مٹ جائیں، بڑی بڑی خطیر رقمیں اس کام کے لئے نکالی جارہی ہیں اور ایسے مشہور ملحدین جو مستشرقین کی تربیت میں اپنے استادوں سے بھی گوئے سبقت لے جا چکے ہیں ان کو منتخب کر کے اُن کے ذریعہ یہ کام کیا جارہا ہے، ان ملعون طاغوتی طاقتوں کو اصل دشمنی دینِ اسلام سے ہے اگر وہ اسلامی حکومتوں کو ختم نہ کرسکیں تو پھر اس کو غنیمت سمجھتے ہیں کہ ان ملکوں سے صحیح اسلام کی روح نکال دیں، اس مہم کو کامیاب بنانے کے لئے دو محاذوں پر بڑی تیزی کے ساتھ کام کیا جارہا ہے،

ایک یہ کہ نئی نسل جو دینی اقدار، دینی عقائد اور دینی مسائل سے ناآشنا ہے، اس کے سامنے اسلام کی ایسی تعبیر کی جائے کہ اگر کسی کفرِ صریح پر اسلامی لیبل لگا دیا جائے تو وہ اسی کو اسلام سمجھنے لگے دوسری طرف اہلِ حق اور اربابِ دین میں مختلف ذرائع سے اتنا شدید اختلاف و انتشار پیدا کر دیا جائے کہ ان کی قوت مفلوج ہو کر رہ جائے، ظاہر ہے کہ جب ملحدین کو ٹوکنے والے کسی اور دھندے میں مشغول ہوں گے تو اسلام کو ذبح کرنے کا اس سے بہتر اور کوئی موقع نہیں آئے گا۔

اعدائے اسلام کی ریشہ دوانیوں کا سبب

درحقیقت اعدائے اسلام کی ریشہ دوانیوں کا سبب تمام اسلامی ممالک میں (پاکستان ہو یا انڈیا، مصر ہو یا مراکش و الجزائر) مسلمانوں کی غفلت اور اسلام سے تعلق کی کمی ہے کسی جگہ نہ دینِ اسلام کی

علمی روح باقی رہی نہ عملی قالب سالم و باقی رہا، پھر برائے نام اسلام کا جو بھی حشر ہو نہ یادہ مستبعد نہیں، پھر ان سب پر مستزاد یہ فتنہ ہے کہ اسلام کے نادان دوست نہ معلوم نادانستہ یا دانستہ کسی خود غرضی کی بناء پر خدمتِ اسلام کے نام پر اسلام کی جڑیں اکھاڑ رہے ہیں، فیا غربۃ الاسلام!

فتنۂ انکارِ حدیث (فتنۂ پرویزیت)

کسے معلوم نہیں کہ فتنۂ انکارِ ختمِ نبوت کے بعد اس سرزمین میں سب سے بڑا فتنہ انکارِ حدیث کا پیدا ہوا جو عام طور سے فتنۂ پرویزیت کے نام سے معروف ہے اور جس نے اسلام کے بنیادی اصول تمام مسائل کو مجروح کرنے کی کوشش کی، عقائد، عبادات، اخلاق، اعمال، شعائر، اسلامی معاشرت، اسلامی اقتصادی نظام وغیرہ کسی چیز کو بھی نہیں چھوڑا جس کو مجروح نہ کیا ہو اور اپنے زعمِ باطل میں اسے ختم نہ کیا ہو، آخر مجبور ہو کر علماءِ حق نے اپنی مسئولیت کے پیشِ نظر ان کفریات سے نقاب اٹھایا اور حق کو واضح کیا۔

سکندر مرزا آنجہانی کے عہدِ حکومت میں ۵۸ء میں جو کلوکیم لاہور میں ہوا تھا اور تمام اسلامی ملکوں کے اربابِ علم موجود تھے جب پرویز کے مقالات سامنے آئے تو مصری شامی مغربی وغیرہ تمام اہلِ علم نے ان کے خلاف متفقہ آواز اٹھائی کہ یہ صریح کفر ہے اور اسلام کے نام پر یہ صریح کفر قابلِ برداشت نہیں، اس موقعہ پر غلام احمد پرویز کی جو رسوائی ہوئی وہ اپنی نظیر آپ تھی، جس کی وجہ سے سکندر مرزا کا سارا کھیل ناکام رہا اور اس طرح پاکستان کے لاکھوں روپے غارت ہو گئے، اس ناکامی کے بعد امریکن فاؤنڈیشن کمیٹی نے فوراً ہی دوسرا کلوکیم کراچی میں منعقد کر لیا لیکن اس کو بھی ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا، لیکن افسوس اور صد افسوس کہ آج دوبارہ بعض اربابِ قلم جن پر حسنِ ظن بھی رہتا ہے نہ معلوم کیوں خامہ فرسائی کر رہے ہیں کہ پرویز سے اختلاف فروعی ہے اور علماء کو تکفیر کا فتویٰ واپس لے لینا چاہیئے، اور کسی جدید تالیف میں بعض باتیں اپنے مزاج کی دیکھ کر اس کی تعریف میں رطب اللسان ہو گئے انا للہ۔ پرویز صاحب کی یہ نئی کتاب جس سے متاثر ہو کر ہمارے بعض اربابِ قلم علماء کو فتویٰ واپس لینے کا مشورہ دے رہے ہیں ابھی تک ہماری نظر سے نہیں گذری۔ اس لئے نہیں کہا جا سکتا کہ اس میں اسلام کے بارے میں کیا کچھ لکھا گیا ہو گا تاہم فرض کر لیجئے کہ یہ کتاب صحیح حقائق سے لبریز بھی ہو اور کوئی بات اس میں کفر کی نہ بھی ہو لیکن جب تک تمام سابق ریکارڈ کی، جو کفریات سے مالا مال ہے،

مسٹر پرویز تردید نہ کریں تو ایک کتاب میں چند اچھی باتیں لکھ دینے کو کیسے رجوع الی الحق سمجھ لیا جائے؟ کیا اربابِ کفر اور دشمنانِ اسلام تمام باتیں کفر کی کرتے ہیں؟ نہیں بلکہ بسا اوقات اچھے اچھے حقائق بھی ظاہر کرتے ہیں، کائنات اور کونیات ربانیہ کے اسرار و رموز خفیہ ظاہر کرتے ہیں اور اس کائنات کے حقائقِ باطنیہ سے پردے اٹھا کر تمام عالم کو ان سے روشناس کراتے ہیں لیکن یہ حقائق اپنی جگہ، اور ان کا کفر اور کفریہ کارنامے اپنی جگہ، کیا ضروری ہے کہ جھوٹا آدمی ہر بات جھوٹی ہی کیا کرے؟ ہرگز نہیں؟ تو پھر چند باتوں کے پسند آنے سے سابق کی تمام غلط باتیں کیسے صحیح ہو جائیں گی؟

پرویزی تحقیقاتِ ملحدانہ پر ایک نظر

ہم یہاں مسٹر پرویز کے بحرِ الحاد کے چند قطرے پیش کرتے ہوئے اہلِ عقل و انصاف سے اپیل کرتے ہیں کہ براہِ کرم ان "پرویزی تحقیقات" پر دوبارہ نظر ڈالیں اور پھر خود ہی فیصلہ فرمائیں کہ کیا یہ فروعی مسائل ہیں یا اسلام کے بنیادی اصولی اساسی مسائل ہیں؟ جن کی جڑوں پر مسٹر پرویز نے تیشہ چلا کر شجرِ اسلام کو کاٹنے کی کوشش کی ہے، حوالہ جات بغرض اختصار نہیں دئے، مکمل تفصیلات کے لئے مدرسہ عربیہ اسلامیہ کی شائع کردہ کتاب "علماءِ امت کا متفقہ فتویٰ پرویز کافر ہے" کا مطالعہ کیا جائے۔

۱۔ "قرآنِ کریم میں جہاں اللہ و رسول کا ذکر آیا ہے اس سے مراد مرکز نظامِ حکومت ہے۔"

۲۔ "رسول کو قطعاً یہ حق نہیں کہ لوگوں سے اپنی اطاعت کرائے۔"

۳۔ "رسول کی اطاعت نہیں کیونکہ وہ زندہ نہیں۔"

۴۔ "ختمِ نبوت" سے مراد یہ ہے کہ اب دنیا میں انقلاب شخصیتوں کے ہاتھوں نہیں بلکہ تصورات کے ذریعہ رونما ہوا کرے گا، اب سلسلۂ نبوت ختم ہو گیا ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ اب انسانوں کو اپنے معاملات کے فیصلے آپ کرتے ہوں گے الخ۔"

۵۔ "اب رہا یہ سوال کہ اگر اسلام میں ذاتی ملکیت نہیں تو پھر قرآن میں وراثت وغیرہ کے احکام کس لئے دیئے گئے اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن انسانی معاشرے کو عبوری دور کے لئے بھی ساتھ کے ساتھ راہنمائی دیتا چلا جاتا ہے ورثہ قرضہ لین دین صدقہ خیرات سے متعلق احکام عبوری دور سے متعلق ہیں۔"

۶۔ "صحیح قرآنی خطوط پر قائم شدہ مرکزِ ملت اور اس کی مجلسِ شوریٰ کا حق ہے کہ وہ قرآنی اصول

کی روشنی میں صرف ان جزئیات کو مرتب کرے، جن کی قرآن نے کوئی تصریح نہیں کی، پھر یہ جزئیات ہر زمانہ میں ضرورت پر تبدیل کی جا سکتی ہیں یہی اپنے زمانہ کے لئے شریعت ہیں۔

۷۔ "جن اصول کا میں نے اپنے مضمون ذکر کیا ہے وہ قانون اور عبادت دونوں پر منطبق ہوگا، نماز کی کسی جزئی شکل میں جس کا تعین قرآن نے نہیں کیا اپنے زمانے کے کسی تقاضے کے ماتحت کچھ ردوبدل ناگزیر سمجھے تو وہ ایسا کرنے کی اصولاً مجاز ہوگی الخ۔"

۸۔ مسلمانوں کو قرآن سے دور رکھنے کے لئے جو سازش کی گئی اس کی پہلی کڑی یہ عقیدہ پیدا کرنا تھا کہ رسول کو اس وحی کے علاوہ جو قرآن میں محفوظ ہے ایک اور وحی بھی دی گئی تھی، یہ وحی روایات میں ملتی ہے، دیکھتے دیکھتے روایات کا ایک انبار جمع ہوگیا اور اسے اتباعِ سنتِ رسول اللہ قرار دے کر امت کو اس میں الجھا دیا، یعنی یہ جھوٹ مسلمانوں کا مذہب بن گیا وحیِ غیر متلو اس کا نام رکھ کر اسے قرآن کے ساتھ قرآن کی مثل ٹھہرا دیا گیا، ان احادیث مقدسہ کے جو حدیث کی صحیح ترین کتابوں میں محفوظ ہیں اور جو مُلا کی غلط نگہی اور کوتاہ اندیشی سے ہمارے دین کا جز بن رہی ہیں، سلام علیک کیجئے اور ہاتھ ملا لیجئے جنت مل گئی، دو مسلمان جب مصافحہ کرتے ہیں تو ان دونوں کے جدا ہونے سے پہلے اللہ تعالیٰ انہیں بخش دیتا ہے اب مسجد میں چلئے اور وضو کیجئے جنت حاضر ہے الخ۔

۹۔ "اور آج جو اسلام دنیا میں مروج ہے وہ زمانہ قبل از قرآن کا مذہب ہو تو ہو قرآنی دین سے اس کا کوئی واسطہ نہیں الخ۔"

۱۰۔ "خدا عبارت ہے ان صفاتِ عالیہ سے جنہیں اپنے اندر منعکس کرنا چاہتا ہے اس لئے قوانینِ خداوندی کی اطاعت درحقیقت انسان کی اپنی فطرتِ عالیہ کے نوامیس کی اطاعت ہے۔"

۱۱۔ "قرآن ماضی کی طرف نگاہ رکھنے کے بجائے ہمیشہ مستقبل کو سامنے رکھنے کی تاکید کرتا ہے، اسی کا نام ایمان بالآخرت ہے۔"

۱۲۔ "بہر حال مرنے کے بعد کی جنت اور جہنم مقامات نہیں انسانی ذات کی کیفیات ہیں۔"

۱۳۔ "ملائکہ سے مراد وہ نفسیاتی محرکات ہیں جو انسانی قلوب میں اثرات مرتب کرتے ہیں، ملائکہ کے آدم کے سامنے جھکنے سے مراد یہ ہے کہ یہ قوتیں جنہیں انسان مسخر کر سکتا ہے انہیں انسان کے سامنے جھکا ہوا رہنا چاہیئے الخ۔"

۱۴۔ "آدم کوئی خاص فرد نہیں تھا بلکہ انسانیت کا تمثیلی نمائندہ تھا، قصہ آدم کسی خاص فرد کا قصہ نہیں بلکہ خود آدمی کی داستان ہے جسے قرآن نے تمثیلی انداز میں بیان کیا ہے الخ"۔

۱۵۔ "رسولِ اکرم کو قرآن کے سوا کوئی معجزہ نہیں دیا گیا"۔

۱۶۔ "واقعہ اسراء" اگر یہ خواب کا نہیں تو یہ حضور کی شبِ ہجرت کا بیان ہے اس طرح مسجدِ اقصیٰ سے مراد مدینہ کی مسجدِ نبوی ہوگی جسے آپ نے وہاں جاکر تعمیر فرمایا۔

۱۷۔ "مجوسی اُساورہ نے یہ سب کچھ اس خاموشی سے کیا کہ کوئی بھانپ نہ سکا، انہوں نے "تقدیر" کے مسئلے کو اتنی اہمیت دی کہ اسے مسلمانوں میں جزوِ ایمان بنا دیا"۔

۱۸۔ "اب ہماری صلاۃ وہی ہے جو مذہب میں پوجا پاٹ یا ایشور بھگتی کہلاتی ہے، روزے وہی ہیں جنہیں مذہب میں برت کہتے ہیں، زکاۃ وہی شے ہے جسے مذہب دان خیرات کرکے پکارتا ہے، ہمارا حج مذہب کی یاترا ہے، آپ نے دیکھا کہ کس طرح دین (نظامِ زندگی) یکسر مذہب بن کر رہ گیا، ان امور کو نہ افادیت سے کچھ تعلق ہے نہ عقل و بصیرت سے کچھ واسطہ الخ"۔

۱۹۔ "قرآنِ کریم نے نماز پڑھنے کے لئے نہیں کہا بلکہ قیامِ صلاۃ یعنی نماز کے نظام کے قیام کا حکم دیا ہے، عجم میں مجوسیوں کے ہاں پرستش کی رسم کو نماز کہا جاتا تھا، لہٰذا صلاۃ کی جگہ نماز نے لے لی الخ"۔

۲۰۔ "زکاۃ اس ٹیکس کے علاوہ اور کچھ نہیں جو اسلامی حکومت مسلمانوں پر عائد کرے اس ٹیکس کی کوئی شرح متعین نہیں کی گئی الخ"۔

۲۱۔ "حج عالمِ اسلامی کی بین الملی کانفرنس کا نام ہے اس کانفرنس میں شرکت کرنے والوں کے خورد و نوش کے لئے جانور ذبح کرنے کا ذکر قرآن میں ہے الخ"۔

۲۲۔ "یہ عقیدہ کہ بلا سمجھے قرآن کے الفاظ دہرانے سے ثواب ہوتا ہے یکسر غیر قرآنی عقیدہ ہے، یہ عقیدہ درحقیقت عہدِ سحر کی یادگار ہے"۔

یہ چند کفریات "مشتے نمونہ از خروارے" کے طور پر ذکر کئے گئے، ان کے حوالہ جات اور پوری تفصیل اور ان کے جوابات اور جوابات کی تصدیق پر علماءِ امت کے دستخطوں کے لئے مکمل اور مفصل کتابی صورت میں فتویٰ ملاحظہ فرمائیں، خدارا مسٹر پرویز کی ان تصریحات کو سامنے رکھ کر بتائیے کہ اللہ و رسول[۲] اطاعتِ اللہ و رسول[۳]، جنت[۴]، دوزخ[۵]، یوم آخرت[۶]، ختم نبوت[۷]، نماز[۸]، روزہ[۹]، زکوٰۃ[۱۰]، حج[۱۱]، تلاوت[۱۲]

قرآن، قربانی[14] اور تقدیر[15] سے انکار، شریعتِ اسلامیہ[16] کے منسوخ ہونے کا دعویٰ، احکامِ[17] قرآنی محض عبوری دور کے لئے تھے، اب ان کا حکم باقی نہیں، وراثت[18]، خیرات[19] و صدقہ[20] وغیرہ وغیرہ تمام احکام وقتی تھے، اب مرکزِ ملت کو اختیار ہے کہ جو فیصلہ صادر کرے حق ہے انا للہ۔ آخر اسلام کی کون سی چیز باقی رہ گئی، جس پر مسٹر پرویز نے ہاتھ صاف نہ کیا ہو، حدیث عجمی سازش ہے، حدیث کا انبار بے معنی چیز ہے اور اب جو اسلام مسلمانوں کے پاس ہے وہ سب "افسانۂ عجم" ہے، وغیر ذلک من الھفوات والاکاذیب۔

بتایئے کیا یہ مسائل فروعی مسائل ہیں؟ اور اگر یہ فروعی مسائل ہیں تو اصولی مسائل کیا ہوں گے اور کیا تکفیر کبھی بھی فروعی مسائل کے انکار سے ہوتی ہے؟ قرآن، حدیث، تمام عبادات، تمام احکامِ شرعیہ، بیک جنبش قلم ختم کر دیئے گئے پھر بھی سب اچھا ہے اور اسلام بخیر ہے؟ اسلام کی قریبی تاریخ میں مرزا کے سوا آج تک اتنا بڑا ملحد پیدا نہیں ہوا جس نے بیک وقت تمام شریعت کی اس طرح تحریف کی ہو گویا مرزا غلام احمد قادیانی کی روح چودھری غلام احمد پرویز میں آگئی ہے، ڈاکٹر فضل الرحمٰن سابق ڈائرکٹر مجلس تحقیقاتِ اسلامی یہ سب ایک طرح کے دینِ اسلام کو مسخ کرنے والے ہیں افسوس کہ اسلام اتنا غریب الدیار بن گیا ہے کہ جو بے رحم زندیق وملحد آئے اسلام کو ذبح کرے، جس طرح چاہے اس کی شہ رگ پر کند چھری چلائے، کوئی چھڑانے والا نہیں؟ ہاں! ان ملاحدہ کو ٹوکنے والے ظالم ہیں؟ إنا للہ وإنا إلیہ راجعون۔ تصور بھی اس کا نہیں ہو سکتا تھا کہ پاکستان کی سرزمین پر ایسے ایسے گمراہ وملحد اس آزادی کے ساتھ اسلام کی گردن پر چھری چلائیں گے کہ کوئی آہ بھی نہ کر سکے گا، ایک طرف یہ دردناک صورتِ حال ہے دوسری طرف اسلامی ثقافت اور "محبتِ رسول" کے نام پر خرافات وبے حیائی وبے دینی کے وہ روح فرسا مناظر کہ الامان والحفیظ۔ ایک طرف سراسر الحاد وزندیقیت کے مناظر دوسری طرف دین کی محبت کے نام پر بے دینی وبے حیائی کے مناظر۔ "فیا غربۃ الإسلام ویا خیبۃ المسلمین"۔ اللہ تعالیٰ رحم فرمائے اور اس مملکت پاکستان کی سرزمین کو صحیح اسلام کا نمونہ بنا دے اور ایسی مثالی حکومت قائم فرمائے جو تمام عالمِ اسلام کی دینی وسیاسی قیادت کر سکے۔

اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف یہودی زہر آلود ذہنیت:۔

ایک عرصہ سے پاکستان میں لندن کے ایک یہودی مصنف کی ایک کتاب درآمد کی جارہی ہے، جمعیۃ المشائخ لاہور کے ہم ممنون ہیں جس نے اس یہودی اسرائیلی کتاب کے چند حوالے ذکر کر کے اُمتِ

اسلامیہ کو متنبہ کیا ہے، کتاب کیا ہے یہودی ذہنیت کی رذیل و ذلیل ذہنیت کا ایک مرقع ہے، آج تک اس قدر اخلاق سے ساقط معیار پر اسلام اور پیغمبرِ اسلام کے خلاف زہر آلود ذہنیت کا مظاہرہ کسی نے بھی نہیں کیا، افسوس کہ ایسی رسوائے عالم کتاب کا داخلہ پاکستان میں کیسے ہوا، جو نہایت آزادی سے یہاں فروخت ہو رہی ہے، نہ معلوم کہ اربابِ اقتدار کیسی تکلیف وہ غفلت میں مبتلا ہیں، بہرحال جمعیۃ المشائخ کے فراہم کردہ اقتباسات مع ترجمہ اور ابتدائی نوٹ یہاں دیا جاتا ہے، پڑھئے اور اغیار کے ظلم و ستم اور مسلمانوں کی بے حسی اور غفلت شعاری کی داد دیجئے۔

نام کتاب "جیول ان دی لوٹس" (JEWEL IN THE LOTUS)

تصنیف: یہودی ایلین ایڈورڈ از لندن

"کتابِ مذکور جس کی چھپائی سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ کئی سال سے پاکستان میں بر سرِ بازار فروخت ہو رہی ہے اور جس میں جناب نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام، اسلام، صحابۂ کرام اور ہمارے قابلِ قدر اسلاف کے متعلق انتہائی غلیظ، فحش، گندی اور بازاری زبان استعمال کی گئی ہے، اسلام کے دشمنوں خاص کر ہنود و یہود نے اسلام کے متعلق جو کچھ آج تک لکھا ہے وہ کسی مسلمان سے پوشیدہ نہیں لیکن جو مواد اس کتاب میں ہے اس سے قبل اس قدر دیدہ دلیری کسی ذلیل، بدبخت اور حیا سوختہ الشان نما درندے نے نہیں کی۔ اس کتاب سے فقط مسلمانانِ پاکستان ہی کے نہیں مسلمانانِ عالم کے دل بھی مجروح ہوئے ہیں، افسوس کی بات یہ ہے کہ جہاں حکومت کے کارندے صاحبانِ اقتدار کے خلاف ایک فقرہ برداشت نہیں کرتے اور ایسی تحریر جو کسی لیڈر کے متعلق لکھی گئی ہو اسے ان کی دور رس نگاہیں فوراً جانچتی ہیں اور تحریر بمع محرر ضبط کر دی جاتی ہے، لیکن ایسی کتاب جس میں پیغمبرِ اسلام کے متعلق یاوہ گوئی کی گئی ہو بڑے آرام سے سرحد پار کر کے اس مملکتِ اسلامیہ میں داخل ہوتی ہے اور بر سرِ عام فروخت ہوتی ہے لیکن اس کی آمد پر نہ تو سنسر بورڈ کے کانوں پر جوں رینگتی ہے اور نہ ہی ایوانوں میں کوئی بے چینی یا اضطراب پیدا ہوتا ہے۔

ہم حکومتِ وقت سے پرزور اپیل کرتے ہیں کہ وہ جلد از جلد اس کتاب کو ضبط کرے اور خدارا ایک ایسا بورڈ بنائے جو خاص طور پر ایسے لٹریچر پر نگاہ رکھے۔

ہم عاشقانِ رسول اللہ سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ کتاب کی ضبطی کے لئے پر امن احتجاج کریں اور

حکومت پر زور دیں کہ اس کتاب کو ضبط کرے اور برطانوی حکومت کے نمائندوں کو یہ ثابت کر دیں کہ مسلمان ابھی زندہ ہے اور اپنے پیغمبرِ اسلام کے خلاف کسی قسم کی توہین برداشت نہیں کر سکتا۔"

SOME OF THE EXTRACTS TAKEN FROM THE BOOK WRITTEN BY A JEW ALLEN EDWARDS, PRINTED BY TANDEM BOOK LTD. LONDON. THE TITLE OF THE BOOK IS 'JEWEL IN THE LOTUS!

1. The golden cresent of El Islam denoted Vulva. Elmehrab in the mosques and sacred black stone of El Kaaba in Mecca are symbole of female Genitalia. Page 55.
2. The Arabs in all seriousness pledged 'I swear upon the Cullions of Lord Mohammad 'Page 73.....
3. The Minarets sleek and white is most architectural phallic in origin. The Star of Islam is representative of sexual conjunction. Page 81......
4. One of the ninety nine names of God 'Elfutooh' the opener proclaims his divine command over the Vulva of Maidenhood. Page 93......
5. In Elhijaz province of Saudi Arabia women and boys flock outside Mecca and Medina

clamouring to sell their bodies to pilgrims were thereafter allowed to revel in the debauchery as their rewards. Page 126.....

6. Pilgramage to Mecca is not completely perfected saved by copulation with the camel. Page 240......

7. Geust Harlotry, Thus excused by the Prophet, soon made its appearance. The custom of lending wives and daughters to geustes proved lucrative to the lazy 'Deyyose' who did nothing but, to entertain wealthy geustes. Page 128.......

8. This tail never ends like the entrails of Omar. This road never ends and as long as the pizzle of Omar. This black guard is like Omar, born without Anus and suckled on the blood. Page 216......

9. Tipoo saheb,the demented tiger of Mysore took pains to capture the children of Europeans, then, when he felt the urge, he ordered them into his private chamber..... In emulation of Turks, Tipoo saheb sought and tried every method of gratification

known to man. Women had long ago sated the tiger, and was tired of men and boys as well. Taking a large goose he said 'You must one day try this: it is wonderfully singular. He (Tipoo) was also wont to display his ability with sows and goats. Page 222/223.

ترجمہ

۱۔ اسلام کا سنہرہ ہلال عورت کی جائے مخصوصہ کی مانند ہے اور مسجد میں محراب، کعبہ شریف میں حجرِ اسود بھی عورت کے خاص مقامات کی اشکال ہیں، صفحہ نمبر ۵۵

۲۔ عرب نہایت سنجیدگی سے قسم کھاتے "کہ مجھے رسول پاک صلعم (توبہ نعوذ باللہ) کے فوطوں کی قسم، صفحہ ۴۳

۳۔ مساجد کے سفید اور پتلے مینارے مردانہ عضو تناسل سے مشابہت رکھتے ہیں اور اسلام کا ستارہ جنسی اختلاط کی شکل ظاہر کرتا ہے۔ صفحہ ۸۱۔

۴۔ اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام جو کہ مسلمانوں نے بنائے ہیں ان میں سے ایک الفتوح ہے جس کا مطلب ہے دوشیزاؤں کے خاص مقامات کھولنے والا، صفحہ ۹۳

۵۔ سعودی عرب کے صوبہ الحجاز کی لڑکیاں اور لڑکے مکہ اور مدینہ کے باہر زائرین کے لئے جسم فروشی کے لئے اکٹھے ہو جاتے بعد ازاں زائرین کو بطورِ انعام ان سے لطف اندوز ہونے کی اجازت دی جاتی، صفحہ ۱۲۶

۶۔ مکہ میں حج تب تک مکمل تصور نہیں کیا جاتا جب تک زائرین اونٹ کے ساتھ بدفعلی نہ کرتے۔ صفحہ ۲۰۴

۷۔ مہمانوں کو لڑکیاں پیش کرنے کی رسم جیسا کہ پیغمبر صلعم (توبہ نعوذ باللہ) نے اجازت دی تھی جلد ہی مہمانوں کو لڑکیاں اور بیویاں پیش کرنے کی رسم کاہل اور ذلیل میزبان کے لئے نہایت نفع بخش کاروبار بن گیا جو اپنے دولت مند مہمانوں کو خوش کرتا تھا۔ صفحہ ۱۲۸

۸۔ یہ کہانی (خاکم بدہن) حضرت عمر کی انتڑیوں سے بھی لمبی ہے اور نہ ختم ہونے والی ہے، یہ سڑک اتنی لمبی ہے جتنی کہ عمر کا عضو، یہ کالا حبشی حضرت عمر کی طرح ہے کہ بغیر مقعد کے پیدا ہوا اور خون پر پلا ہوا۔ صفحہ ۲۱۶

۹۔ ٹیپو صاحب میسور کا ذلیل شیر بڑی جدوجہد کر کے یورپی بچوں کو گرفتار کرتا اور جب بھی خواہش ہوتی تو انہیں اپنے شب خوابی کے کمرے میں بلواتا، ترکوں کی طرح ٹیپو صاحب نے اپنی جنسی شہوت کی تسکین کے لئے ہر ممکن طریقہ اختیار کیا، عورتوں سے بہت مدت سے دل بھر چکا تھا اور مردوں اور بچوں سے بھی تھک چکا تھا، ایک دن اس نے ایک بڑا البطخا پکڑ کر کہا کہ ایک دن میں اس کو بھی استعمال کروں گا، وہ (ٹیپو) سورنیوں اور بکریوں کے ساتھ بھی بدفعلی کرتا تھا۔ صفحہ ۲۲۲۔ ۲۲۳۔

جمادی الاخریٰ ۱۳۹۴ھ، جولائی ۱۹۷۴ء

مفتی محمود صاحب کی وزارتِ علیا

الحمدللہ کہ پاکستان کی تاریک گھٹاؤں کے اندر بھی کبھی سورج کی شعاعیں نظر آجاتی ہیں اور مایوسیوں کے تہ بر تہ بادلوں میں بھی کچھ امید کی کرنیں پھوٹ پڑتی ہیں۔

خدا کا شکر کہ اس جدید مایوس کن دور میں ایک دفعہ پھر امید پیدا ہو گئی کہ شاید یہ ملک اللہ تعالیٰ کی رحمت کا مستحق ہو سکے۔ صوبہ سرحد میں وزارتِ علیا کے منصب پر ایک عالم اور صحیح عالم، جلوہ افروز ہوا ہے اور خوشی ہے کہ عصرِ حاضر کے دینی و سیاسی تقاضوں سے بھی موصوف کو حظِ وافر ملا ہے، سیاسی مجالس میں اپنے حریفوں سے بارہا اپنا لوہا منوا چکے ہیں، سب سے بڑا خلا اس ملک میں یہی رہا ہے کہ جو سیاست دان ہیں اور نظام مملکت کا شعور رکھتے ہیں وہ دین سے بے بہرہ اور بے خبر ہیں اور جو مسندِ علم و دین پر متمکن ہیں وہ عصرِ حاضر کے سیاسی تقاضوں سے بے خبر اور نابلد ہیں، اسلام کے قرونِ اولیٰ اور قرونِ اخیرہ میں یہی بنیادی فرق رہا ہے۔

منصبِ وزارت پر فائز ہوتے ہی ام الخبائث (شراب) کی کلی طور پر ممنوعیت کا اعلان کیا گیا ہے اور تمام قوانین کو اسلامی سانچے میں ڈھالنے کا عزم فرمایا گیا ہے، توقع ہو گئی کہ انشاء اللہ العزیز یہ صوبہ اسلامی شعائر کی حفاظت میں گوئے سبقت لے جائے گا اور پنجاب و سندھ و بلوچستان کے لئے بھی باعثِ عبرت بنے گا، اگرچہ طاغوتی طاقتیں بدحواس ہو رہی ہیں، کوئی یہ احمقانہ اعلان کرتا ہے کہ شراب پر بندش انسانی بنیادی حقوق کے خلاف ہے" ان احمقوں کو اب تک انسانی بنیادی حقوق کی ہوا بھی نہیں لگی، کوئی یہ کافرانہ صدا بلند کرتا ہے کہ شراب کو بند کر کے غیر مہذب دنیا کی طرف لوٹایا جاتا ہے،" اناللہ۔ صریح کفر کا کلمہ ہے۔ کوئی مسیحی یہ اعلان کرتا ہے کہ" مسیحیوں کے لئے تو شراب حلال ہے ان پر پابندی کیسے برداشت ہو گی؟ الغرض شیاطین بے قرار ہو گئے ہیں طرح طرح کی بکواس پر اتر آئے ہیں کوئی درپردہ سیاسی ہتھکنڈوں کے ذریعہ موصوف کو ناکام بنانے کی تدبیروں میں لگا ہوا ہے، اگر حق تعالیٰ کا فیصلہ اس امت پر رحمت نازل فرمانے اور غضب سے بچانے کا ہو

چکا ہے تو یہ تمام سازشیں ناکام ہوں گی اور ضرور ہوں گی اور اگر اس بدنصیب ملک کے حق میں تباہی مقدر بن چکی ہے، حاکم بدہن تو تمام اصلاحی کوششیں ناکام رہ جائیں گی۔

بہر حال دعا ہے کہ حق تعالےٰ حکومتِ سرحد کو اپنے مبارک مقاصد میں کامیابی عطا فرمائے اور کتاب وسنت پر مبنی صحیح قانون بروئے کار آئے اور پاکستان صحیح معنی میں اسلامی مملکت بنے، سب سے بڑا صدمہ یہ ہے کہ ملک میں ناپاک سیاست کا عنصر ایسا وبا کی طرح پھیل گیا ہے کہ ہر نیک اور اچھی سے اچھی تحریک کو صرف سیاسی مصالح کے پیشِ نظر ناکام بنانے کی پوری کوشش کی جاتی ہے، بہر حال جو کام آج تک مرکز میں نہ ہوسکا وہ پاکستان کے ایک گوشے میں ہی ہو جائے تو لبسا غنیمت ہے ممکن ہے کہ مرکز کے لئے اور بقیہ صوبوں کے لئے یہ ایک سبق آموز درس ہو جائے اس وقت ہر اس شخص کے لئے جو دل سے اسلام چاہتا ہوا انتہائی مسرت اور شکر گذاری کا مقام ہے کہ سرحد کی وزارتِ اعلیٰ پر فائز ہونے کا ایک ایسی شخصیت کو منجانب اللہ موقع ملا ہے جس کی طویل زندگی کا پورا حصہ درس وتدریس میں گذرا ہے اور ایک دینی علمی درس گاہ کے شیخ الحدیث اور صدرِ مدرس بھی ہیں، صاحبِ بصیرت وباذوق فقیہ ہیں، محقق عالم ہیں صاحبِ قلم ہیں، مجالسِ عامہ میں اظہار مافی الضمیر پر عمدہ قدرت رکھتے ہیں، سیاسی داؤ پیچ سے بخوبی واقف ہیں، دینی سیاست کے ماہر ہیں منصب کے بھوکے نہیں ہیں، جاہ ومنصب اور وجاہت کے تصور سے بھی بالاتر ہیں، شاید قرونِ اخیرہ کی اسلامی تاریخ میں اس کی نظیر نہ ملے کہ اس منصب پر ایسا شخص برسرِ اقتدار آیا ہو، الحمد للہ جو کچھ کہہ رہا ہوں انتہائی احتیاط اور بصیرت کے ساتھ کہہ رہا ہوں اور تجربہ سے کہہ رہا ہوں، ضرورت اب اس بات کی ہے کہ ایسے آزمودہ کار مشیر اور اچھے رفقاء اور اعوان وانصار بتوفیقِ الٰہی ان کے گرد جمع ہو جائیں جو ان کے عزائم وارادات کی تکمیل میں سچے دل سے پوری جدوجہد کریں تاکہ اسلامی قانون کے اثرات وبرکات سے تمام ملک بہرہ انداز اور سرفراز ہو، اعداءِ اسلام کو کہنے کا موقع نہ ملے کہ یہ اسلامی قانون ایک پارینہ دستاویز ہے اس دور میں نہیں چل سکتا۔" زیادہ افسوس اس بات کا ہے کہ ناکامی نظام وتدبیر کی ہوتی ہے مگر بدنامی اسلام کے نام پر تھوپ دیتے ہیں۔

الغرض پاکستان سے لے کر لندن و امریکہ تک تمام اسلام دشمن اور پاکستان دشمن قوتیں حیران ہیں کہ یہ کیا ہو گیا؟ اللہ تعالیٰ سے التجا ہے کہ اپنے فضل و کرم سے ہماری اس تمام کوشش کو مثمر فرمائے اور امتِ مسلمہ کو صحیح فکر و عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

بلوچستان کی وزارت

افسوس ہے کہ بلوچستان میں اس معیار پر وزارت نہ بن سکی بعض ایسے حضرات منصبِ وزارت پر جلوہ افروز ہوئے ہیں جن میں اگرچہ دین و علمِ دین جلوہ گر ضرور ہے لیکن اس کے ساتھ جس عقل و تدبر اور سیاسی شعور و جرأت کی ضرورت ہے وہ مفقود ہے کسی زمانہ میں کہا گیا ہے کہ "یک من علم را دہ من عقل باید" اس وقت تو یہ کہنا بے محل نہ ہو گا کہ "یک من علم را صد من عقل باید" اس وقت اگر ان علمائے دین نے جو منصبِ وزارت پر فائز ہوئے ہیں، حکومت کے صحیح تقاضوں کو پورا نہ کیا تو بدقسمتی سے یہی سمجھا جائے گا کہ اسلامی قوانین اس دور میں نہیں چل سکتے اس لئے اور بھی انتہائی احتیاط کی ضرورت ہے کہ ایسی صورت پیش نہ آئے ورنہ اسلام اور تمام مسلمانوں کی رسوائی ہو گی خدا کرے کہ ہمارے حکمرانوں کی نیتیں بھی درست ہو جائیں اگر مرکز میں کسی وجہ سے وہ اسلامی آئین صحیح معنی میں نہ بنا سکیں تو انہیں صوبوں کو آئینی آزادی ضرور دے دینی چاہیئے تاکہ وہ جس طرح چاہیں اسلامی آئین کا نفاذ کرائیں اور ان کے راستے میں رکاوٹیں نہ کھڑی کریں اور باہر کے اشاروں کے تحت مشکلات نہ پیدا کریں، مرکز اور صوبوں کے صحیح ربط ہی سے اس ملک کے استحکام اور سالمیت کی حفاظت ہو سکتی ہے، بہرحال حق تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس ملک کی غیبی تائید کے اسباب میسر فرمائے اور اسلامی قانون و اسلامی آئین اور اسلامی دستور کی برکات سے اس مملکت کو سرفراز فرمائے۔

جمادی الاولیٰ ۱۳۹۲ھ، جولائی ۱۹۷۲ء

پاکستان اور حقوقِ نسواں کمیٹی

عصرِ حاضر کی تاریخ میں مملکتِ خداداد پاکستان پہلا ملک ہے جو اسلام کے نام سے حاصل کیا گیا ہے اور عرصہ دراز کی رسوائیوں کے بعد وہ وقت بھی آگیا کہ اس کے دستور میں یہ تسلیم کیا گیا،

(الف) حاکمیت اللہ تعالیٰ کی ہوگی۔

(ب) پاکستان کا سرکاری مذہب اسلام ہوگا۔

(ج) تمام قوانین قرآن و سنت کے مطابق بنائے جائیں گے۔

لیکن نہ معلوم کہ دستور کے مطابق قوانین اسلامی بنانے کا موقع کب آئے گا، مرزائی اُمت کو خارج از اسلام تسلیم کر لیا گیا اور پارلیمان میں ایسا متفقہ فیصلہ ہوا جس کی نظیر مشکل سے ملے گی، اور دستور میں مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیتوں کی فہرست میں درج کیا گیا لیکن پُرزور وعدوں کے باوجود اس کے لئے قانون سازی کا خواب شرمندۂ تعبیر اب تک نہ ہو سکا، عرصہ ہوا کہ اس کے لئے سب کمیٹی بھی بنائی گئی لیکن غالباً ابھی تک اس کا کوئی اجلاس بھی نہیں ہوا، سب سے بڑا صدمہ یہ ہے کہ ہمارے اربابِ اقتدار کے طرزِ عمل سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جس طرح عوام کو اپنے خوشنما وعدوں سے فریب دے کر مطمئن کر لیتے ہیں وہ یہ سمجھتے ہیں کہ شاید اسی طرح آسمانی نظامِ قدرت بھی ان کے زبانی جمع خرچ سے مطمئن ہو جاتا ہوگا، انہیں یہ معلوم نہیں کہ اس کے عواقب کتنے خطرناک ہوتے ہیں۔ مشرقی پاکستان کی علیحدگی میں جو رسوائی ہوئی فوجی اور مادی طاقت کی جس طرح تباہی آئی اور دنیا کی دو بڑی طاقتیں آپس کی شدید عداوت کے باوجود پاکستان کی تباہی پر جس طرح متفق ہو گئیں۔ کیا یہ چھپی باتیں ہیں، لیکن افسوس کہ کوئی عبرت نہیں ہوئی جو قوم حق تعالیٰ کے غضب کو دعوت دینے والی زندگی اختیار کرتی ہے، اس قوم کا حشر اسی طرح دردناک ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ رحم فرمائے۔

اسی سال جنوری میں حکومت نے "حقوقِ نسواں کمیٹی" کی تشکیل کی۔ اس کی جو رپورٹ سامنے آئی ہے اس پر بجز مایوسی کے کیا ہو سکتا ہے؟ عائلی کمیشن کے وہ رسوائے عالم قوانین جو قرآن و سنت کے خلاف تھے، عقل کے خلاف تھے اور جن کی تردید پر بے شمار مقالات، رسالے اور کتابچے لکھے گئے ان قوانین کو حقوقِ نسواں کمیٹی کی رپورٹ کا جزو بنایا گیا جس پر متعدد مجلات میں واویلا مچایا گیا، "بینات" کے گذشتہ شماروں میں بھی اس پر تنقید کی گئی، اب تک معلوم نہ ہو سکا کہ اس کا

کیا حشر ہوا، کوئی صاف بات ابھی تک نہیں آئی، لیکن الحمد للہ یہ خوشی کی بات اخبارات میں آگئی کہ بلوچستان میں شرعی قوانین کا نفاذ کر دیا گیا اور قاضیوں کا تقرر عمل میں لایا جا رہا ہے، اللہ تعالیٰ کرے کہ یہ خوشخبری تکمیل تک پہنچ جائے اور ایسا نہ ہو کہ بعض وقتی مصالح کے پیش نظر یہ اعلان کیا گیا ہو، اور مقصد پورا ہونے کے بعد کوئی عذر لنگ پیش کیا جائے کون بدنصیب مسلمان ایسا ہوگا کہ پاکستان کی سرزمین میں اسلامی قوانین کا نفاذ نہ چاہتا ہو، ملک کے استحکام اور ملک میں امن وامان کے قیام کے لئے اسلامی قوانین کئے بغیر اور کوئی چارہ کار نہیں۔ اگر بلوچستان والوں کو یہ نعمت دی گئی تو بقیہ پاکستان کو کیوں اس نعمت سے محروم رکھا جاتا ہے۔ اگر وہاں کوئی مصلحت درونِ پردہ ہے تو وہ مصلحت بیرونِ پردہ ودرونِ پردہ یہاں بھی انشاء اللہ تعالیٰ ظہور میں آئے گی، ملک پر جو نظام اب تک مسلط رہا ہے اور جو نظام مسلّط کیا جا رہا ہے تجربہ نے ثابت کر دیا ہے کہ وہ ناکام ہے، دلوں میں اضطراب ہے، دماغوں میں بے چینی ہے، امن وامان مفقود ہے کسی کی جان ومال و آبرو محفوظ نہیں، عیاشوں اور بدمعاشوں کو آزادی مل گئی ہے، شراب نوشی اور قمار بازی سے خدا کی مخلوق تنگ آچکی ہے، عریانی وبے حیائی نے پاکستان کو رسوا کر دیا ہے۔ روز افزوں گرانی نے نئے نئے جرائم کو جنم دیا ہے۔ خدا کی مخلوق پر رحم کرو اور اپنی جانوں پر رحم کرو۔ شراب نوشی اور قمار اور بے حیائی کے نئے نئے مراکز بنا کر خدا تعالیٰ کے غضب کو دعوت نہ دو، ہم ان صفحات پر بار بار لکھ چکے ہیں کہ جب تک زبان پر اسلام کا دعویٰ ہے اور من حیث القوم آپ مسلمان کہلائے جاتے ہیں، شراب نوشی وبدمعاشی ان پر راس نہیں آتی، بالآخر قوم کا انجام تباہی وبربادی کے سوا اور کچھ نہیں، آخر آنکھوں پر کیوں پردے پڑے ہوئے ہیں، تازہ بتازہ بیروت کا حشر آپ کے سامنے ہے جس معاشرہ سے یورپ بھی چیخ اٹھا ہے آخر قوم کو اس معاشرے میں کیوں دھکیلا جا رہا ہے۔ کیا پاکستان اس لئے بنایا گیا تھا کہ دلوں کا سکون ختم ہو، جان ومال اور آبرو غیر محفوظ ہو، ہر طرف فسادہی فساد ہو، غنڈہ گردی عروج پر پہنچ جائے، زرمبادلہ فارن ایکسچینج کی حرص میں قوم اپنی ملکی پیداوار کی نعمتوں سے محروم ہو، روح فرسا گرانی عوام کو حواس باختہ بنائے قومی ادارے، قومی مدارس، دینی معاہد اور مساجد کو ہر وقت خطرہ لگا رہے کہ آج حکومت نے قبضہ کیا اور آج کیا جو کام حکومت کے کرنے کے تھے بیچاری قوم کن کن مشکلات میں ان کو خود انجام دیتی

رہے اور جب تکمیل تک پہنچ جاتے ہیں تو نااہلوں کا استیلا، ہو جاتا ہے، کاش اس کی خدمت کا حق ادا کرتے تو پھر بھی مضائقہ نہ تھا جن مقاصد کے پیشِ نظر بنائے جاتے ہیں کاش وہ حاصل ہوتے، کیا یہ پاکستان ہے کہ نہ کسی کی دنیا محفوظ ہو نہ دین محفوظ ہو، نہ جان امن میں ہو، نہ مال امن میں ہو، ((خسر الدنیا والآخرۃ ذلک ھو الخسران المبین)) نہ معلوم کہ وہ مبارک دن کب آئے گا کہ جو وعدے کیے گئے وہ پورے ہوں، اسلامی قوانینِ عدل و رحم جاری ہوں، ہر شخص کی جان و مال و آبرو کی حفاظت و کفالت ہو، عصمت فروشی کے اڈے یکسر ختم ہوں، شراب نوشی کے مراکز بند ہوں، بے حیائی بے پردگی جرم ہو، اشیائے ضرورت عوام کے لئے سستی ہوں، عیاشی و بدمعاشی کے تمام ذرائع پر پابندی ہو، پولیس اپنے فرائض میں کوتاہی نہ کرے۔ فوج مملکت کی حدود کی حفاظت کے لئے ہر وقت سربکف ہو ہر طرف اعلاء کلمۃ اللہ کی محفلیں گرم ہوں۔ اتفاق و اتحاد کا روح پرور منظر ہو، حکمران کا تصور صحیح طور پر ملک و ملت کی خدمت ہو، قوم و رعیت کی خیر خواہی اس کا نصب العین ہو لیکن افسوس کہ جو کچھ ہو رہا ہے اور جو کچھ کیا جا رہا ہے اس کا نقشہ آپ کے سامنے ہے کیا کہا جائے۔

ع "خموشی معنے دارد کہ در گفتن نے آید"۔ اللہ تعالیٰ رحم فرمائے۔

پاکستان کی سلامتی اسلامی قوانین کے جاری کرنے میں ہے

اب کہنا یہ ہے کہ خدارا اس ملک پر اور اس قوم پر رحم کرو بلکہ اپنی عاقبت کے پیشِ نظر جلد سے جلد اسلامی قوانین کا اجراء کر دیا جائے، عدالتوں میں قضاۃ کا تقرر کیا جائے، اسلامی حدود اور تعزیرات جاری کئے جائیں، سرکاری سکولوں اور کالجوں میں دینی تعلیم و تربیت لازمی قرار دی جائے عربی زبان کو لازمی مضمون کی حیثیت دی جائے، اسلامی اوقاف انہی مقاصد پر خرچ ہوں جو واقفین کے شرائط ہیں، سودی نظام اور سودی کاروبار کو جلد ختم کیا جائے۔

ہم صاف صاف یہ بات کہنے پر مجبور ہیں کہ بلاشبہ بدکرداری کی سزا تو آخرت میں ملے گی جو صحیح معنی میں دار الجزاء ہے لیکن حق تعالیٰ کی حکمت کا تقاضا ہے کہ دنیا کو ایک حد تک آخرت کا نمونہ بنایا گیا ہے، عبرت کے لئے کہ چشم بصیرت دیکھ لے، دنیا میں بھی کچھ نمونہ سزا کا مل جاتا ہے۔ یوں ہی نہیں چھوڑا جاتا۔ آخر پاکستان کے سابق حکمرانوں کا حشر بھی دنیا نے دیکھ لیا کہ جو ملک کے

غدار ہوتے ہیں ان کا حشر کتنا حسرت ناک ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ نے نظامِ مملکت چلانے کی جو صلاحیتیں دے رکھی ہیں اگر ان کے ساتھ دینی نظامِ برکت وسعادت کو بھی جاری کر دائیں تو دنیا کی نیک نامی بھی ان کے سامنے ہوگی اور کامیابی بھی ان کے قدم چومے گی اور آخرت پر اگر ایمان ہے تو اس کی کامیابی اور سعادتیں بھی نصیب ہوں گی۔

اسلامی قانون کے نفاذ میں حائل عذرِ لنگ

اسلامی قانون کے نفاذ میں سب سے بڑا عذرِ لنگ جو لیاقت علی خاں کے دور سے لے کر آج تک پیش کیا جا رہا ہے اور جسے اباحیت پسند ملحدوں کی کھیپ مسلسل چلا چلا کر دہرا رہی ہے۔ یہ ہے کہ صاحب! یہاں کوئی ایک فرقہ تو نہیں ہے جس کا فقہی قانون اٹھا کر ملک میں نافذ کر دیا جائے یہاں تو مختلف فرقے آباد ہیں، بھانت بھانت کی بولیاں ہیں، ایک فرقہ کا فقہی قانون نافذ کر و تو دوسرا فوراً مشتعل اور برافروختہ ہو جائے گا، یہ ہے اصل رکاوٹ اسلامی قانون کے نفاذ میں۔

مگر یہ عذر "من پاپی عذر ہزار" کے زمرے میں آتا ہے، ان دانش مندوں سے کوئی پوچھنے والا نہیں کہ آپ نے تیس سال سے جو انگریز کا چبایا ہوا نوالہ اور اس کا کافرانہ قانون اس "پاک مملکت" میں نافذ کر رکھا ہے ذرا بتایئے کہ اس پر کون کون سے اسلامی فرقے ایمان رکھتے ہیں اور اس کے نفاذ میں تم نے کن کن مسلمان فرقوں کی دل جوئی ملحوظ رکھی ہے؟ کتنے شرم کی بات ہے کہ یہاں کے سوادِ اعظم کا قانون تو اس لئے نافذ نہیں کیا جاتا کہ باقی اقلیتی فرقے ناراض ہو جائیں گے مگر کتاب وسنت کے علی الرغم، خدا و رسول کے علی الرغم، تمام اسلامی فرقوں کے علی الرغم اور یہاں کے جمہور عوام کے علی الرغم انگریز کا کالا قانون ملک پر مسلّط کرتے ہوئے نہ خدا و رسول کی ناراضی کا اندیشہ کسی کو لاحق ہوتا ہے نہ کسی اسلامی فرقے کے جذبات کو ٹھیس پہنچتی ہے، گویا خالص کفر ملک پر مسلّط رہے تو مضائقہ نہیں، لیکن اسلامی قانون اگر نافذ کر دیا جائے تو خطرہ لاحق ہو جاتا ہے کہ کہیں اس ملک پر قہرِ الٰہی نہ ٹوٹ پڑے اور یہ ملک گروہ بندی کا شکار ہو کر ختم نہ ہو جائے۔

اور پھر ہم پوچھتے ہیں کہ اس ملک پر ایوبی دور میں جو ہٹلرانہ عائلی قانون مسلّط کیا گیا اور آج بھی مسلّط ہے اس میں کن کن اسلامی فرقوں کے جذبات کو بطورِ خاص ملحوظ رکھا گیا اور اب جو حقوقِ نسواں کمیٹی کی سفارشات پر ایک لادینی قانون مسلّط کیا جا رہا ہے اس کی سفارش کس اسلامی فرقے

نے کی ہے۔

سیدھی بات یہ ہے کہ یہاں کے اباحیت پسند جنہیں بد قسمتی سے اقتدار میں ہمیشہ رسوخ حاصل رہا ہے ان کا نہ اسلامی قانون کی خیر و برکت پر ایمان ہے نہ وہ اس کے نفاذ کے معاملہ میں مخلص ہیں، وہ پاکستان کی پبلک کو جس راستے پر ڈالنا چاہتے ہیں اسلامی قانون کا نفاد اس میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے اس لئے وہ عوام کو بھیڑ بکری سمجھ کر من مانے قانونی ڈنڈے سے ہانکتے رہتے ہیں ورنہ مسلمانوں کا فرقہ وارانہ اختلاف اسلامی قانون کی راہ میں کبھی حائل نہیں ہوا، نہ ہو سکتا ہے یہ فرقہ واریت کچھ آج پیدا نہیں ہوئی، یہ اس وقت بھی تھی جب اسلامی قانون کا پرچم ساری دنیا میں لہراتا تھا مگر تاریخ شاہد ہے کہ مسلمانوں کے فقہی اختلافات نے کبھی اسلامی قانون کے سامنے بند نہیں باندھا۔

اس لئے اباحیت پسندوں کی یہ دلیل بالکل غلط ہے کہ چونکہ پاکستان میں مختلف مذہبی فرقے آباد ہیں اس لئے اسلامی قانون یہاں نافذ نہیں ہو سکتا، آج اگر اسلامی قانون کے نفاذ کے اختیارات کلیۃً کسی اہل کے سپرد کر دیے جائیں تو ایک سال کے اندر اندر انشاء اللہ یہ ملک انگریز کے کافرانہ قانون سے آزاد ہوگا اس کی جگہ اسلام کی حکمرانی ہوگی اور تم دیکھو گے کہ اس کے سایۂ عدل و رحمت میں کسی مسلمان فرقے کو کجا کسی غیر مسلم کو بھی کوئی شکایت نہیں ہوگی۔

«الذین إن مکنا ھم فی الأرض	وہ لوگ کہ اگر ہم ان کو حکومت دیں زمین
أقاموا الصلاۃ وآتوا الزکاۃ	میں تو نماز قائم کریں، زکاۃ ادا کریں نیکی
وأمروا بالمعروف ونھوا عن	پھیلائیں اور بدی مٹائیں اور اللہ ہی کے
المنکر وللہ عاقبۃ الأمور[1]»	ہاتھ ہے تمام کاموں کا انجام“

---

[1] الحج۔ ۴۱   جنوری ۱۹۷۷ء، محرم الحرام ۱۳۹۷ھ

اسلامی نظریاتی کونسل کی جدید تشکیل

حق تعالےٰ کا شکر ہے کہ سیاسی بحران نے جو مایوس کن صورت اختیار کر لی تھی وہ ختم ہو گئی، اور اس کی امید ہو گئی کہ اگر ہماری قوم کو من حیث القوم معافی مل گئی تو کسی درجہ میں صحیح نمائندہ حکومت برسرِ اقتدار آجائے گی اور لوگوں کو حکومتِ الٰہیہ کے سایۂ رحمت میں سکون کا سانس نصیب ہو جائے گا، موجودہ مارشل لاء کی حکومت سے جہاں قوم کو ظالموں کے پنجے سے نجات ملی اور سکون نصیب ہوا وہاں نمائندہ حکومتِ اسلامی کے لئے راستہ بھی ہموار ہو گیا، اسلامی نظریاتی کونسل کی جدید تشکیل سے بھی بہت کچھ توقعات وابستہ ہو گئیں اور حسبِ ذیل بنیادی تبدیلیاں کی گئیں:-

الف :- یہ ادارہ مستقل آزاد ادارہ ہوگا کسی وزارت کے ماتحت نہیں ہوگا جیسا کہ اب تک وزارتِ قانون کے ماتحت چلا آتا تھا۔

ب :- اس کی حیثیت محض مشیر کی نہیں ہوگی بلکہ اس کی سفارشات حتمی ہوں گی اور ان کا نفاذ حکومت کے ذمہ ہوگا، انہیں ردّ کرنے کا حق نہیں ہوگا اور نہ وہ اکثریت و اقلیت کی رائے شماری کے چکر میں آئیں گی۔

ج :- ادارہ تحقیقاتِ اسلامی اس کے ساتھ ملحق ہوگا اور اس کا ایک جزء ہوگا، علمی تحقیقات کے لئے اس کے تینوں مجلے اسلامک اسٹیڈیز (انگریزی) الدراسات الاسلامیۃ (عربی) اور فکر و نظر (اردو) اس کے ترجمان ہوں گے اور اس کی معاونت کا کام ان سے لیا جائے گا۔

د :- اس کی تمام کارروائی امت کے سامنے آئے گی اور کوئی تجویز بھی صیغۂ راز میں نہیں رکھی جائے گی، توقع رکھنی چاہیئے کہ ان چار باتوں سے اسلامی کونسل میں جان آجائے گی، اسلامی نظریاتی کونسل کی تشکیل کوئی نئی چیز نہیں بلکہ پہلے بھی "تعلیماتی بورڈ" پھر "مشاورتی کونسل" پھر "اسلامی نظریاتی کونسل" کے نام سے ادارے قائم کئے گئے اور ان اداروں نے کچھ کام بھی کیا لیکن اربابِ اقتدار کو چونکہ اسلام سے نہیں بلکہ صرف نام سے غرض تھی، اس لئے ان کی سفارشات کو نافذ تو کیا کیا جاتا ان کی کارروائی تک کو صیغۂ راز میں رکھا گیا کیونکہ ان حکومتوں نے صرف عوام کو مطمئن کرنے کے لئے یہ کام شروع کر رکھا تھا ورنہ عملی طور پر ان اداروں کی کارروائی کو ردّی کی ٹوکری میں ڈالا جاتا رہا اور عوام کو قصداً اس سے بے خبر رکھا گیا تاکہ کوئی احتجاج نہ کر سکیں کہ سفارشات کو قبول کیوں نہیں جاتا ورنہ بہت کچھ

کام ہوگیا تھا، اگر سابقہ حکومتیں اسلام کے بارے میں مخلص ہوتیں اور ان سفارشات کو نافذ کراتیں تو آج یہ روز بد نہ دیکھنا پڑتا لیکن افسوس "خود غلط بود آنچہ ما پنداشتیم" وہاں تو معاملہ ہی کچھ اور تھا، اب الحمد للہ کہ اسلامی کونسل ایک مستقل اور با اختیار ادارہ کی حیثیت سے جدید انتخاب کے ساتھ پھر وجود میں آئی ہے اب قوم کو یہ دیکھنا ہے کہ وہ اسلام کے نفاذ میں کتنی فعال کتنی سرگرم اور کتنی مخلص ثابت ہوتی ہے اللہ تعالےٰ سے دعا ہے کہ اللہ تعالےٰ ان ایام میں وہ سب کام کرائے جو سالہا سال میں نہ ہوسکا۔

"ادارہ تحقیقاتِ اسلامی" کا رُخ اس وقت تک اسی طرف، لگا رہا کہ اسلام کا جدید ماڈل تیار کیا جائے جس میں یہ صلاحیت ہو کہ جدید تہذیب کے تمام کافرانہ خدو خال موجود ہوں، اسی مقصد کے پیشِ نظر جناب ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی کو ہٹا کر ڈاکٹر فضل الرحمٰن کو ادارہ کا سربراہ بنایا گیا تھا، ابتداء میں اس کا دس لاکھ کا بجٹ تھا، پھر بارہ لاکھ پھر ۱۴ لاکھ کا سالانہ بجٹ رہا اور یہ کروڑوں روپیہ حکومت کا الحاد اور دہریت کی نذر ہوتا گیا، اشک شوئی کے لئے کبھی کبھی کوئی ایک آدھ علمی کتاب بھی شائع کرائی گئی تاکہ عوام کی زبان بند ہو اور کوئی شکایت نہ کرسکے کہ کام نہیں ہو رہا ہے، خوشی کی بات ہے کہ جنرل محمد ضیاء الحق صاحب چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر نے اس ادارہ کو اسلامی کونسل کا جزء بنا کر امت پر ایک اور احسان کیا، اب اللہ تعالےٰ سے دعا ہے کہ محض اپنے فضل وکرم سے رفقاءِ ادارہ کو صحیح خدمتِ اسلام کی توفیق عطا فرمائے۔

یومِ تجدید میثاق اور توبہ وانابت

اسلامی کونسل نے قوم وملت سے ایک دن مقرر کرکے توبہ وانابت اور تجدیدِ میثاق کی اپیل کی ہے، مقصد یہ کہ حکومتی اور عوامی دونوں سطح پر ایک ایسا دن مقرر کیا جائے کہ سب مل کر بارگاہِ قدس میں توبہ کریں، تیس سالہ دور میں جو اللہ تعالےٰ سے بدعہدی کی ہے اور غیر اسلامی زندگی کو جس انداز سے عام کیا ہے اس کی معافی مانگی جائے اور آئندہ کے لئے یہ عہد کیا جائے کہ جس مقصد کے لئے پاکستان بنایا گیا تھا اس مقصد کے لئے سرتوڑ کوشش کی جائے گی اور اس ملک میں صحیح معنوں میں حکومتِ الٰہیہ قائم کی جائے گی۔

ہم نے "بینات" کے صفحات پر بار بار ان حقائق کا واشگاف اظہار کیا ہے کہ خدا کے لئے اس

ملک پر رحم کرو اور اللہ تعالیٰ کے غضب کو دعوت دینے والی زندگی سے توبہ کرو، موجودہ صورت اور دردناک حالات ہماری شامتِ اعمال کے نتائج ہیں جن کے ذریعہ ہم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے محروم ہو گئے، نہ جان محفوظ، نہ آبرو محفوظ، نہ مال محفوظ، بجائے روز افزوں ترقی کے روز افزوں قعرِ مذلت میں گرتے جا رہے ہیں، بہرحال اس وقت اس کی ضرورت ہے کہ ہمارے واعظین اور خطباء و مقررین ان حقائق کو امت کے کانوں تک پہنچائیں اور ہمارے اخبارات و مجلات ریڈیو ٹیلی ویژن وغیرہ ذرائع نشر و اشاعت سے ان حقائق کو واضح کرائیں اور صحیح اسلامی معاشرت سے زندگی کے ثمرات و نتائج سے روشناس کرائیں اور اسلامی حکومتیں جن خطرناک غلطیوں سے دنیا کے صفحے سے مٹ گئی ہیں ان کی عبرت ناک داستانیں سنائیں اور بتلائیں کہ مسلمانوں پر من حیث القوم خدا فراموش زندگی کبھی راس نہیں آئی اور ظلم و کبر اور بربریت کے ساتھ کوئی حکمران بھی اس کے برے عواقب سے بچ نہیں سکتا اور حق تعالیٰ کی حکمت و مصلحت سے آخرت سے پہلے بھی ان مجرموں کو دنیا میں بھی سزا مل جاتی ہے، آخر پاکستان کے اندر ہی کیا کوئی مرقع عبرت نہیں؟ آخر سکندر مرزا، غلام محمد اور ایوب خان کا حشر کیا ہوا؟ اور "قائدِ عوام" کا حشر اب دنیا دیکھ رہی ہے اور مزید دیکھ لے گی، اللہ تعالیٰ کی اس مخلوق کو کس بے رحمی اور ظلم سے ستایا گیا اور کیسی عبرت ناک تفصیلات جرائد اور اخبارات کے صفحات پر آ رہی ہیں ان ظالموں نے اللہ تعالیٰ کی اس خداداد مملکت کو کس طرح نیست و نابود کرنے کی کوشش کی؟ کون سی گندگی اور بے رحمی ہے جس کا ارتکاب نہ کیا گیا ہو؟ بے حیائی، سنگدلی، بے رحمی کے ریکارڈ توڑ دیے گئے، دنیا کے جابر و ظالم ڈکٹیٹروں نے اس دنیا میں جو کچھ کیا ان سب کو یہاں جمع کر دیا، آخر مخلوق تو خدا کی ہے، اللہ تعالیٰ نے کسی حکمران کو اپنی خدائی نہیں دی ہے کہ اس کی مخلوق کے ساتھ جو چاہے کرے، لیکن حق تعالیٰ صبور و حلیم ہے ہر چیز کے لئے ایک وقت مقرر ہے «لکل اجل کتاب»، بہرحال ایک وقت آتا ہے کہ «عزیز ذو انتقام» کی صفت کا بھی ظہور ہوتا ہے، واقعات ناظرین کے سامنے ہیں بیان و تفصیل کی حاجت نہیں۔

اسلام دشمن طاقتیں اور پاکستان

موجودہ بحران سے جو افسوسناک حقیقت واشگاف ہو کر سامنے آئی ہے وہ یہ ہے کہ پاکستان میں اسلام دشمن و شریر طاقتیں منظم ہو کر حق کے مقابلہ میں رونما ہوئی ہیں، تمام شر کی

قوت منظم ہو کر خیر سے نبرد آزما ہو گئی ہے، گذشتہ قیادت کا سب سے بڑا کارنامہ بھی یہی ہے کہ اس کی بدولت منتشر شر و فساد کی طاقتیں منظم ہوئیں اور ظاہر ہے کہ جیسی روح ویسے فرشتے، الحاد و دہریت اور لادینی کے پرستار دین کے دشمن تمام عناصر متفق ہو گئے ہیں اور لادینی قیادت ہی چاہتے ہیں، ہمارے بعض حضرات ان حقائق سے غافل نظر آتے ہیں وہ اپنے جلسوں میں صالحین کی اکثریت دیکھ کر یہ خیال کرنے لگتے ہیں کہ بس اب تو آنکھیں بند کر کے صالح قیادت ہی کی حمایت ہو گی، دوسری طرف سے آنکھیں بند کر لیتے ہیں کیا لاہور اور پنڈی میں شر و فساد کے عناصر کے محیر العقول اجتماعات ان کے سامنے نہیں پھر کیوں ان کو غلط فہمی ہو جاتی ہے، پھر محض عددی اکثریت اور جلسوں کے اجتماعات سے فیصلہ لگانا بھی حقائق سے چشم پوشی ہے، بلاشبہ غلبہ حق کا ہوتا ہے بشرطیکہ خالص حق ہو، اگر دال میں کچھ کالا کالا ہے تو پھر کیونکر اطمینان ہو سکتا ہے اور کیوں انسان خوش فہمی میں مبتلا ہوتا ہے، عہدِ نبوت میں حقِ خالص ہونے کے باوجود اپنی اکثریت پر گھمنڈ ہوا تو کیا حشر ہوا؟ وحی آسمانی میں غزوۂ حنین کے واقعہ سے کیا عبرت نہیں ہوتی؟ مسلمان کا شیوہ یہ ہونا چاہئے کہ ہر وقت حق تعالےٰ پر ہی توکل ہو اور ضعف ناتوانی پیش ہو اور حق تعالےٰ کی صمدیت و بے نیازی سامنے ہو، نہ معلوم کس وقت کیا تکوینی مصلحت ہو، لن ترانیاں اور دعوے اسلامی مزاج کے بالکل خلاف ہیں، افسوس ہے کہ اچھے اچھے حضرات بھی پھسل جاتے ہیں اور ان حقائق سے غفلت کی وجہ سے خلافِ توقع صورتیں پیش آجاتی ہیں، پھر شیطانی وساوس شروع ہو جاتے ہیں، حدیث میں آتا ہے کہ دشمن یعنی کافر کے مقابلے کی آرزو مت کرو لیکن جب واسطہ پڑے تو پھر کمال یہ ہے کہ قدم نہ ڈگمگائے، یہ بر سرِ عام اجتماعات میں جلسوں اور جلوسوں میں نعرے لگانے اور یہ کہ ہم یوں کر دیں گے اور یوں کر دیں گے یہ تمام اسلامی مزاج کے خلاف ہیں، بہرحال حضرت رسالت پناہ علیہ صلوات اللہ وسلامہ کی زندگی اور اسوۂ حسنہ اور صحابہ کرام علیہم رضوان اللہ کا طرزِ زندگی اور واقعات مسلمانوں کے سامنے رہنے کی ضرورت ہے اسی میں خیر و برکت ہے، اسی میں فلاحِ دارین اور سعادتِ کونین ہے بلاشبہ موجودہ قیادت اگرچہ بصورت فوجی حکومت ہے لیکن بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا جلوہ ہے اس کی شکر گذاری کی ضرورت ہے کہ اللہ تعالےٰ کرے کہ ان کے ذریعہ سے تمام روڑے راستے سے ہٹ جائیں اور صحیح قیادت کے لئے راستہ ہموار

ہو جائے اور مجرمین کو سزا مل کر دنیا کو راحت و سکون کا سانس نصیب ہو اور شر و فساد کے تمام عناصر ذلیل و رسوا ہوں اور اس مملکتِ خداداد میں عدل و انصاف کا دور دورہ ہو اور اللہ تعالٰی کی رحمتِ کاملہ کا ظہور پُر نور ہو اور خدا فراموش زندگی سے نجات نصیب ہو اور یہ مملکت دنیا کے ممالکِ اسلامیہ میں باعزت ہو اور تمام عالمِ اسلام کی قیادت کی صلاحیت حاصل ہو اور تمام مایوسی کی گھٹاؤں کے بعد اُمید کے آفتاب عالم تاب کی شعاعوں سے دنیا منوّر ہو۔ وما ذٰلک علی اللہ بعزیز

ذوالقعدہ ۱۳۹۷ھ، نومبر ۱۹۷۷ء

بھٹو دورِ حکومت اور پاکستان

عرصہ ہوا کہ یہ بدنصیب ملک شدید حالات سے دوچار ہوتا جارہا ہے جس وقت جناب ذوالفقار علی بھٹو صاحب مسند آرائے مملکت ہوئے توقعات وابستہ ہوگئیں کہ موصوف بلا کے ذہین اور زیرک ہیں اور سابقہ ادوار سے عبرت آموز ہوگئے ہیں اور جب عہدِ ایوبی میں وزارتِ خارجہ کے منصب سے فائز تھے بعض امور ایسے پیش آئے تھے جن سے حسنِ ظن پیدا ہوگیا تھا لیکن وائے ناکامی کہ موصوف جس وقت سے کرسیٔ اقتدار پر آئے حیرت انگیز واقعات ایسے پیش آتے رہے جن سے یہ یقین ہوگیا کہ ان کی ساری ذہانت ان کی قوتِ عمل، ان کی حرکت۔ ان کی تدبیر صرف اپنی ذات کے لئے ہے ملک و ملت کو کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکا، وہ جب سے مطلعِ سیاست پر نمودار ہوئے ہیں ملک مسلسل فتنوں اور بحرانوں کی منجدھار میں ہے، انہوں نے سب سے پہلا بحران ۱۹۷۱ء میں "اُدھر تم اِدھر ہم" کے نعرہ سے پیدا کیا، جس کے نتیجہ میں ملک دولخت ہوگیا اور ہماری آبادی کا بڑا حصہ کٹ کر الگ ہوگیا اور باقی ماندہ کٹے پھٹے ملک پر وہ دادِ حکمرانی دینے لگے۔ گویا ان کا اقتدار ان کے خود آوردہ بحران کی پیداوار تھی، اس کے بعد اپنے پنجسالہ دور میں انہوں نے مسلسل پے در پے اتنے بحران تخلیق کیئے اور قوم و ملک کے زخم خوردہ جسم پر اتنے چرکے لگے کہ قوم نیم جان ہوکر رہ گئی۔ حکومت کا سب سے بڑا فرض یہ ہوتا ہے کہ وہ ملک کے شہریوں کو امن و امان اور راحت و آسائش کی ضمانت دے، مگر بدقسمتی سے مسٹر بھٹو کا دورِ اقتدار پاکستان کی تاریخ کا وہ سیاہ ترین دور ہے جس میں کسی کو سکھ کا سانس لینا نصیب نہ ہوا، نہ کسی کی جان محفوظ رہی، نہ مال، نہ آبرو، ملک کے ممتاز لیڈروں کو دن دہاڑے سڑکوں پر خون میں نہلایا اور موت کے گھاٹ اتارا گیا۔ غنڈوں کو من مانی کرنے کی کھلی چھٹی ملی اور پُرامن شہریوں کو جیلوں میں سڑنے پر مجبور کیا گیا، رذیلوں کی عزت اور حوصلہ افزائی کی گئی اور شرفاء کو گھناؤنے مقدمات میں پھانسا گیا، مزدوروں طالب علموں اور عورتوں پر لاٹھیاں اور گولیاں برسائی گئیں، وکلاء کو ذلیل کیا گیا، علماء سے توہین آمیز سلوک روا رکھا گیا، بھٹو حکومت کی غلط پالیسیوں اور اللّے تللّے اخراجات کی بدولت گرانی اور افراطِ زر کا دور دورہ ہوا، مصنوعی قحط کا دیو عریاں ناچنے لگا، متوسط طبقہ کی قوتِ خرید جواب دے گئی غریب عوام کی زندگی اجیرن ہوگئی اور ملازم طبقہ بدحالی و پریشانی کا شکار ہوگیا۔

قومی اتحاد اور مسٹر بھٹو

مسٹر بھٹو کا پیدا کردہ آخری بحران (خدا کرے یہ آخری ہو) موجودہ انتخابی بحران تھا، بھٹو صاحب جانتے تھے کہ اب وہ قوم میں مقبول نہیں رہے ہیں اور ان کے غلط اقدامات کی وجہ سے قوم انہیں مسترد کر چکی ہے، اس لئے انتخابات میں وسیع پیمانے پر دھاندلیاں کی گئیں اور ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر انتخابی نتائج کے غلط اعلانات نشر کئے گئے، قوم اس زیادتی کو برداشت نہ کر سکی بلکہ دوبارہ انتخابات کا مطالبہ کیا، عقل و انصاف کا تقاضا تھا کہ سابقہ نتائج کو منسوخ کر کے فوراً دوبارہ پولنگ کرا دی جاتی اور قوم کو بغیر کسی دھونس اور دھاندلی کے اپنی رائے کے اظہار کا موقعہ فراہم کر دیا جاتا مگر مسٹر بھٹو کی بحران پسند طبیعت نے اس سیدھے راستہ کو اختیار کرنے کے بجائے لاٹھی اور گولی سے قوم کی مرمت شروع کر دی۔ پولیس، ایف۔ ایس ایف، اور بالآخر فوج کو قوم کی گوشمالی پر مامور کر دیا اور پھر اس کا جو انجام ہوا وہ سب کے سامنے ہے، ملک ایک ایسے بحران کی نذر ہو گیا جس سے ملک کی چولیں ہل گئیں لیکن الحمدللہ اب کچھ توقع سی ہونے لگی ہے کہ پاکستان کی امتِ اسلامیہ اس شدید بحران کے تلاطم خیز سمندر سے نکل کر ساحل کے کنارے پہنچ جائے اور محض حق تعالیٰ کے فضل و کرم سے یہ امید ہو گئی ہے کہ اس اُمت کے گناہ شاید معاف ہو جائیں اور وہ شاید مقصود سے ہم کنار ہو جائے اور الحمدللہ کہ ایک بوریہ نشین درویش عالم دین، باخدا شخصیت کی صالح قیادت اور حسنِ تدبر سے قوم کی کشتی منزل مقصود کے قریب آ گئی ہے۔

قومی تحریک اور اس کی قیادت

اس تحریک میں قوم نے جس بے مثال اتحاد کا مظاہرہ کیا وہ قابلِ صد ستائش ہے اور تمام طبقوں نے اپنی جان و مال اور عزت و آبرو کی جو قربانیاں اسلام کی خاطر دیں ان کی نظیر اس دور میں مشکل سے ملے گی، قومی اتحاد کی آہنی دیوار میں شگاف ڈالنے کی ہر ممکن کوشش کی گئی (اور جب تک مسٹر بھٹو کا بس چلے گا آئندہ بھی ان سے یہی توقع ہے) مگر تمام قائدین اور ان کے رفقاء مستحقِ تبریک ہیں کہ انہوں نے ایسی تمام کوششوں کو ناکام بنا دیا۔ قومی تحریک کی قیادت حالیہ تحریک میں ایک بین الاقوامی قیادت کی حیثیت سے ابھری، مولانا مفتی محمود صاحب نے ایک باوقار، با اصول اور مدبر سیاست دان ہونے کا ثبوت پیش کیا، بلاشبہ ان کے تمام رفقاء لائقِ صد تحسین ہیں جنہوں نے اپنے نیک مشوروں سے ان کی اعانت فرمائی اور باہمی اتفاق و اعتماد کے ساتھ زمامِ اختیار ان کے سپرد کر کے نہایت قابلِ قدر حکمت و

تدبر کا ثبوت دیا۔

مفتی محمود صاحب کو صوبہ سرحد کی وزارتِ عظمیٰ کے دوران بھی ایک بے لوث درویش ہستی کی حیثیت سے دنیا نے پہچانا تھا، مگر حالیہ تحریک کے دوران ان کے صبر و استقامت، حسنِ تدبر اور معاملہ فہمی کی بدولت ان کی شخصیت اور بھی نکھر کر سامنے آئی، وہ نہ صرف عالمِ دین ہیں بلکہ عصرِ حاضر کے قابل فقیہ ہیں۔ اسلامی قانون کی تدوین میں عالمِ اسلام میں ممتاز ہیں وہ ایک سلیم الذوق محدث، نہایت کامیاب مدرس، عمدہ خطیب نہایت زکی و مدبر اور غیر مرعوب شخصیت اور حاضر دماغ و حاضر جواب سیاست دان ہیں، دنیا کے جاہ و منصب سے بالاتر ہیں، ان کے لئے کرسئ اقتدار، گھر کی چار دیواری، جیل کی تاریک کوٹھڑی اور مسندِ درس و تدریس سب یکساں ہیں، انہیں نہ کسی قیمت پر خریدا جا سکتا ہے نہ دنیا کے مطامع دنیہ" ان کے پائے استقامت میں لغزش پیدا کر سکتے ہیں نہ دار و رسن کا خوف انہیں کلمہ حق کہنے سے روک سکتا ہے وہ عالم ہیں، متقی ہیں، دل و زبان پر قابو یافتہ ہیں۔ دینی و شرعی سیاست سے باخبر ہیں، دورِ حاضر کی گندی سیاست سے بالاتر ہیں اور اس ناپاک سیاست سے کبھی مرعوب نہیں ہوتے، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس مملکت کی دینی خدمات کے لئے انہیں کامیابی و کامرانی کے ساتھ تا دیر سلامت رکھے اور اس مملکت کے سفینہ کو کامیابی کے ساتھ ساحلِ مقصود تک پہنچائے اور قومی اتحاد کے تمام معزز قائدین کو اسلام کی حفاظت و خدمت کے لئے باہم متفق و متحد رکھے۔ آمین

اس دوران سعودی حکومت اور اس کے فرمانروا اجلالۃ الملک شاہ خالد اور سفیر باتوقیر عالی جناب ریاض الخطیب نے جس حسنِ تدبر، ہمدردی و اخلاص کا ثبوت دیا اور اس بحران سے نکالنے کے لئے جو پُرخلوص جدوجہد فرمائی ہم اس کے شکریہ سے قاصر ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو دارین کی عزت و سعادت عطا فرمائے اور دونوں جہاں کی نعمتوں سے مالا مال فرمائے اور مزید اسلامی اخوت و صداقت کی نعمت سے سرفراز فرمائے۔ آمین

کچھ ایسا محسوس ہو رہا ہے اگر پاکستانی امت اس شدید ابتلاء و امتحان سے باہر آنے اور مافات کی تلافی کے لئے مسلسل جدوجہد کرے تو امید ہے کہ مستقبل روشن ہو جائے گا اور خاکم بدہن اگر خدانخواستہ اس ابتلاء کے بعد بیدار نہیں ہوئی اور وہی خدا فراموش سابقہ زندگی ہے تو شاید پھر دوبارہ موقع ہاتھ نہیں آئے گا اور مستقبل جس انداز سے تاریک ہو گا اس کے تصور سے بھی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

عزت وکامرانی کے اسباب

عام طور سے دنیا میں مال و دولت سے عزت آتی ہے اور حکومت سے امن وچین نصیب ہوتا ہے لیکن افسوس سے کہنا پڑتا کہ آج عرب اسلامی ممالک میں جو مال و دولت کی فراوانی ہے غیر اسلامی حکومتیں اس کا تصور بھی نہیں کر سکتیں تھیں، لیکن باوجود اس مال و دولت کے وہ عزت وطاقت سے محروم ہیں، وہ خوف زدہ و ذلیل ہیں، ہر وقت اعداءِ اسلام کا خوف دامن گیر رہتا ہے، کسی کو امریکہ کا خوف ودبدبہ کھائے جارہا ہے اور کسی کو روسیاہ روس کی یلغار کا خطرہ لاحق ہے، یہ سب کچھ نتیجہ ہے اس بات کا کہ مسلمانوں کا تعلق اللہ تعالےٰ سے منقطع ہو گیا، دنیا اور دنیا کے مال و دولت کو کعبۂ مقصود بنالیا، نہ اسلام کی صحیح ہمدردی ہے نہ اسلام کی صحیح خدمت ہے، عیش وعشرت کی زندگی میں ڈوبے ہوئے ہیں، مٹھی بھر اسرائیل کا خطرہ وبالِ جان بنا ہوا ہے، یہ مانا کہ اسرائیل امریکہ کی دولت و ایٹمی قوت اور برطانیہ کی سیاست وحکمت کے زیرِ سایہ زندگی بسر کر رہا ہے، لیکن اللہ تعالےٰ کی قدرت وعزت و جبروت کے سامنے ان دنیا والوں کی طاقت وقوت کی کیا حیثیت ہے، اگر مسلمانوں کا رشتہ اللہ تعالےٰ سے قوی ہوجائے اور ربانی ہدایات وارشادات ((وأعدوا لهم ما استطعتم من قوة)) پر عمل کریں تو دنیا میں سب سے باعزت قوم مسلمان ہوگی. حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوعبیدہ بن جراح کو فرمایا تھا:۔

يا أبا عبيدة إذا طلبت العزة بالله أعزك الله وإذا طلبت العزة بغير الله أذلك الله۔	اے ابوعبیدہ! جب تم اللہ تعالیٰ سے عزت کے طالب ہوگے تو اللہ تعالیٰ تمہیں عزت دیں گے اور جب غیر اللہ سے عزت چاہوگے تو اللہ تعالیٰ تمہیں ذلیل کردیں گے۔

یہ وہی ابوعبیدہ ہیں جن سے حضرت فاروق نے فرمایا:۔

كلنا قد غيرته الدنيا إلا أنت يا أبا عبيدة۔	اس دنیا نے ہم سب کو بدل دیا ہے مگر ایک آپ ہیں اے ابوعبیدہ!"

میں تو سمجھتا ہوں کہ ہماری دنیا کی کامرانی وکامیابی کے دو پختہ اصول ہیں:۔

۱۔ ظاہری مطلوبہ اسباب کی فراہمی میں پوری جد وجہد کرکے توکل واعتماد صرف حق تعالیٰ کی ذات پر ہو، اسباب پر مدار نہ ہو۔ (وعلى الله فليتوكل المؤمنون (قرآن کریم) صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ذات پر مسلمانوں کا توکل وبھروسہ ہو)

۲۔ اصلاح امت کے لئے وہی قدیم ترین آسمانی نسخہ استعمال کریں جس سے اس امت کی پہلے اصلاح ہوئی تھی، لن یصلح آخر ھذہ الامۃ إلا ما أصلح أولھا۔

پاکستانی مسلمان من حیث القوم توبہ واستغفار کریں اور جتنا دین پر چلنا ان کے قبضہ وقدرت میں ہے اس پر صحیح طریقے سے عمل کریں، نمازیں پڑھیں، حقوق اللہ وحقوق العباد کی ادائیگی میں کوتاہی نہ کریں، تمام منکرات سے خود بچیں اور دوسروں کو بچانے کی کوشش کریں، الغرض خود معروفاتِ شرعیہ پر عمل کریں، دوسروں کو عمل کرنے کی تلقین کریں، منکرات سے بچیں اوروں کو منکرات سے بچانے کی سعی کریں، سورۃ العصر میں حق تعالیٰ نے ان چار باتوں کا حکم دیا ہے، اس میں تقصیر نہ کریں اگر ایسا ہو تو انشاء اللہ تعالیٰ بہت جلد نقشہ بدل جائے گا اور مایوس کن حالات ختم ہو جائیں گے۔ بفضلہ تعالیٰ۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مدظلہ راقم الحروف کے نام ایک تازہ گرامی نامہ میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"آپ کے یہاں کے حالات کے لئے دعاؤں میں بہت اہتمام کر رہا ہوں اور کرا رہا ہوں، ایک آدھ دن کو آس کی خبر سنتا ہوں تو دو دن یاس اور ناامیدی کی، اللہ تعالیٰ ہی اپنے فضل وکرم سے پاکستان کے حال پر رحم فرمائے، کتنی امیدوں اور دعاؤں کے ساتھ پاکستان بنا تھا اور حضرت مدنی جیسے حضرات نور اللہ مرقدہم اکابر کی زبان سے کئی دفعہ خود میں نے یہ فقرہ سنا کہ ابتداء میں تو ہم مخالف تھے اور ہماری رائے کے خلاف بنا، لیکن جب بن گیا تو اب اس کی سلامتی اور ان امیدوں کے پورا ہونے کے لئے دل سے دعا کرتے ہیں جن امیدوں پر یہ قائم کیا گیا، حضرت مدنی سے تو اس ناکارہ نے کئی دفعہ اس قسم کی دعائیں سنیں اور حضرت رائپوری سے بھی اور دیگر اکابر سے بھی جو ابتداءً مخالف تھے، اللہ تعالیٰ ہی اپنے فضل وکرم اور رحم سے ان امیدوں کو پورا کرے جو اس سے وابستہ تھیں۔"

رجب المرجب ۱۳۹۷ھ، جولائی ۱۹۷۷ء

بھٹو حکومت کا خاتمہ اور مارشل لا کا نفاذ

الحمد للہ جو مایوس کن گھٹائیں چھائی ہوئی تھیں چھٹ گئیں اور خلافِ توقع ایک لطیفہ غیبیہ کا ظہور ہو گیا اور امید ہو گئی کہ اب وقت آگیا کہ جس مقصد کے لئے پاکستان کی نعمت اُمت کو مل گئی تھی اب اسلام کی صحیح ہدایت کی شمع روشن ہو جائے اور تیس سال شدید ابتلاء کا دور گذر گیا اور یہ امت شاید قابل معافی ہو گئی اور حق تعالیٰ کے ابرِ رحمت کی مستحق ہو گئی اور جنرل ضیاءالحق کی صورت میں یہ رحمت ظاہر ہو گئی، اگر مارشل لاء ایسا ہوتا ہے جس کا ظہور اس وقت ہو گیا، بلاشبہ یہ اللہ تعالیٰ کی ایسی رحمت ہے کہ اگر تمام عمر یہ مارشل لاء ہو تو کوئی مضائقہ نہیں دلوں کو سکون نصیب ہو دماغوں کو چین حاصل ہو اور ایسی صورت پیدا ہوئی کہ ہزاروں مایوسیوں کے بعد یہ توقع ہو گئی کہ اس خداداد مملکت میں قانونِ معدلت اور محاکمِ عدل کا نظام جاری ہو سکے، اور آزاد صحیح انتخابات ہوں، البتہ شدید امتحان کا وقت آگیا اور پاکستانی قوم کے سامنے ایک آخری مرحلہ امتحان کا آگیا ہے کہ وہ اپنے ووٹ ورائے کی قیمت کو سمجھیں اور اخلاص کے ساتھ اپنا ووٹ اس شخص کو دیں جس کے دین وایمان اور مخلصانہ زندگی پر یقین ہو، ان میں خدمتِ قوم کی صحیح اہلیت ہو اور ان کے دل میں خدمتِ اسلام کا قوی جذبہ ہو ان کا ماضی بے لوث ہو ان سے مستقبل کی صحیح توقعات وابستہ ہوں، ذاتی مفاد سے بالاتر ہوں، پارٹیوں کی گندی سیاست سے اعلیٰ وارفع ہوں، خدمتِ دین وخدمتِ ملت کا صحیح جذبہ رکھتے ہوں، حق تعالیٰ نے اپنے رحمتِ کاملہ اور قدرتِ کاملہ سے یہ آخری موقع مہیا کر دیا ہے کہ صحیح رجالِ کار منتخب ہوں اور ان کے ہاتھوں میں زمامِ حکومت منتقل ہو اور ان کے ذریعہ قانونِ عدل نافذ ہو، اور اللہ تعالیٰ اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی اور رضا کے لئے یہ خدمت انجام دیں اور تمام غیر اسلامی ازم ختم ہوں اور اسلامی معاشرہ کی تکمیل ہو۔ ”ویکون الدین کلہ للہ“ کی جیتی جاگتی تصویر دوبارہ آنکھوں کے سامنے آئے، بلاشبہ جس شخصیت کے ذریعہ یہ موقع نصیب ہوا وہ شخصیت آسمان کے فرشتوں اور سمندر کی مچھلیوں اور صحراؤں کے کیڑے مکوڑوں اور زمینی مخلوق کی دعاؤں کی مستحق ہے، اللہ تعالیٰ کی برکتیں اس پر نازل ہوں گی اور دارین کی سعادتوں سے سرفرازی نصیب ہوگی، بظاہر یہ آخری موقعہ ہے کہ قوم وملت کو آزادانہ انتخاب کا موقع ہاتھ آیا، اگر خدانخواستہ ملت نے یہ آخری موقع ضائع کیا تو بظاہر یہ ملت ختم ہو گئی اور پاکستان ایک بے حقیقت چیز رہ گئی اور پھر اس ملک کو اللہ تعالیٰ کے غضب سے کوئی چیز بچانے والی نہ ہوگی، اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اپنے غضب سے بچائے اور توفیق نصیب

فرمائے کہ پاکستان ایک مثالی معیاری حکومت بنے اور عالم اسلام کی قیادت کرے اور عالمِ اسلام کو جو توقعات وابستہ تھیں وہ پوری ہو جائیں۔

آخر میں موجودہ اقتدار سے بھی گذارش ہے کہ وہ نہایت ہی تیقظ اور بیداری اور نہایت تدبر سے کام لے اور کڑی نظر رکھے کہ غلط طاقتیں نہ ابھریں اور ان کی تباہ کن تدبیریں خاک میں مل جائیں، وہ غلط فضاء نہ پیدا کر سکیں اور سدِباب اختیار کرنے میں کوتاہی نہ کرے اور حق تعالیٰ کی ذات پر توکل و اعتماد کرے اور رضاءِ الٰہی اپنا مقصد بنائے۔

دینِ اسلام نعمتِ ربانی ہے

اسلام حق تعالیٰ کی آخری نعمت ہے اگر صحیح اسلام نصیب ہو، قلب وقالب دونوں کی اصلاح ہو جائے گی، آخرت سے پہلے دنیا میں بھی جنت کا نمونہ نصیب ہوگا، جان ومال وآبرو محفوظ رہے گی، قلب کو سکون ہوگا دماغ کو راحت ہو گی۔ "کسے رابا کسے کارے نباشد" کا نقشہ سامنے آئے گا، مخلوقِ خدا کی محبت دل میں ہوگی، خدا کی مخلوق پر رحم آئے گا، مسلمانوں کی تکلیفوں سے دل کو دکھ ہوگا، دنیا کے کسی گوشے کے مسلمان کو اگر کوئی تکلیف ہو گی تو اپنے قلب کے گہرائیوں میں وہ تکلیف محسوس کرے گا، اتحادِ عالمِ اسلام کا وہ نقشہ سامنے آئے گا جس کا تصور بھی انسان نہیں کر سکتا لیکن ہائے افسوس کہ مسلمانوں نے اسلام پر چلنا چھوڑ دیا صرف زبانی جمع وخرچ پر قناعت کر لی ہے نہ حق تعالیٰ کا خوف دل میں ہے نہ جہنم کا ڈر ہے نہ جنت کی آرزو ہے نہ مخلوقِ خدا پر رحم، ظلم وقساوت وخودغرضی کا دور دورہ ہے اور آج کل کے مسخ شدہ یہود ونصاریٰ کی تقلید وپیروی کا جذبہ اتنا غالب آگیا ہے کہ نہ سیرت اسلامی ہے نہ طرزِ معاشرت اسلامی ہے، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا تھا:۔

«لتتبعنّ سنن من كان قبلكم شبراً بشبرٍ وذراعاً بذراع حتى لو دخل أحدهم جحر ضبّ لدخلتموه»

کہ یہود ونصاریٰ کا اتباع ایسا غالب آئے گا کہ اگر ان میں سے کوئی گوہ کے سوراخ میں داخل ہوگا تم بھی داخل ہو گے یعنی لغو اور بے ہودہ کاموں میں بھی ان کا اتباع کرو گے۔

تہذیب وتمدن کے علمبرداروں کی حالتِ زار جو قومیں اسلام کی نعمت سے محروم ہیں اور تہذیب وتمدن کی مدعی ہیں ذیل میں ان کی دو مثالیں ملاحظہ ہوں:۔

جنسی بیماریاں بین الاقوامی ادارہ صحت (W.H.O) کی رپورٹ کے بموجب دنیا میں جنسی بیماریاں روز افزوں ترقی پر ہیں، ایک محتاط اندازہ کے مطابق دنیا میں ہر سال ۲۵ کروڑ افراد سوزاک اور ۵ کروڑ آتشک (GONORRHEA & SYPLILIS) میں مبتلا ہو رہے ہیں چونکہ امریکہ میں انسانی فلاح و بہبود اور ذہنی و جسمانی اذیت کی وجہ سے اسقاطِ حمل کو قانونی تحفظ حاصل ہے اس لئے صرف نیویارک شہر میں یکم جولائی ۱۹۷۰ء سے ۳۰ جون ۱۹۷۲ء تک (PARKEN & BERGEN REPORT: JULY 1973) ۱۲ ہفتہ سے کم حمل کے اسقاط ۳ لاکھ ۲۱ ہزار ۵ سو اور ۳ ہفتہ سے زائد کے اسقاط کی تعداد ۸۰ ہزار ۵ سو ریکارڈ کی گئی ہے۔ یہ تو وہ رپورٹ ہے جو کہ قانونی طریقہ سے قلم کی زد میں آگئی کیا آپ اندازہ کر سکیں گے کہ غیر قانونی اسقاط جو گرفتِ قلم سے باہر ہیں وہ کس قدر ہوتے ہوں گے، سوزاک اور آتشک جنسی متعدی امراض کی موجودگی ہی صرف اس امر کی نشاندہی کرتی ہے کہ تہذیب یافتہ ممالک میں بے حجابانہ جنسی اختلاط کی بدولت (جن کی نقل کرنے میں ہمارے مرد و زن ہمہ تن کوشاں ہیں) بے راہروی کس قدر ہے، کیا یہی مغربی مساوات مرد و زن کے درمیان ہونی چاہیئے؟ یہ بیماریاں ملیریا بخار کی طرح مچھر کاٹنے سے تو نہیں ہو گئیں، ان کا منبع صرف اور صرف مرد و زن کے ناجائز اختلاط کی بوقلمونی ہے، مغربی اقوام اس بڑھتے ہوئے معاشرہ کی غلاظت اور رستے ہوئے ناسوروں سے اب پریشان ہیں اور اسلامی معاشرے نے تو چودہ سو سال پیشتر ہی اس سے پرہیز کا حکم دیا تھا۔

جرائم و لوٹ مار معاصر جریدہ جنگ" رقم طراز ہے (نیویارک ۲۰ جولائی ۷۷ء، جنگ نیوز) گذشتہ ہفتہ ۹۰ لاکھ آبادی والے شہر نیویارک میں بجلی فیل ہونے کی وجہ سے جو تاریکی پھیلی تھی اس میں ایسی زبردست لوٹ مار کی گئی جس کی مثال نہیں ملتی، گرفتار شدگان سے جیلیں بھر گئیں اور جو قید خانے پرانے ہونے کے باعث بند کر دیئے گئے تھے انہیں دوبارہ کھولنا پڑا، ۳،۷۷۶ افراد گرفتار کئے گئے، پولیس کے چار سو سے زیادہ آدمی زخمی ہوئے، تمام رات لوٹ مار کا بازار گرم رہا، نیویارک کے میئر نے موم بتیوں کی روشنی میں اپنا ہنگامی اجلاس کیا، دو ہزار سے زیادہ اسٹوروں کو لوٹ لیا گیا، نقصان کا اندازہ کوئی ایک ارب ڈالر ہے۔ اسٹوروں کے سامنے لگی ہوئی لوہے کی گرل توڑ دی گئیں، نوعمر لڑکے اور لڑکیاں اور بڑی عمر کے لوگ دکانوں کو تباہ کرنے کے لئے ٹوٹ پڑے جن میں سلے سلائے کپڑوں، بجلی کے سامان، فرنیچر، ٹیلیویژن سیٹوں اور کریانہ کی دکانیں شامل تھیں، ایک آدمی کو اس وقت پکڑا گیا جب وہ لوٹتے ہوئے بلیک اینڈ وائٹ

ٹی وی کو واپس لے کر اس کی جگہ رنگین ٹی وی لوٹنے کے لئے آرہا تھا، کچھ لوگوں نے عظیم الشان اِسٹوروں میں لوٹ کے سامان کی دکانیں لگائیں اور وہاں سامان کو فروخت کرتے رہے۔

حکومت کویت کا موسوعۂ فقہِ اسلامی

حکومتِ کویت نے جہاں جہاں بانی کی طرف حیرت انگیز قدم اٹھایا ہے اور نہایت سُرعت سے آگے بڑھ رہی ہے، خوشی کی بات ہے کہ وہ اسلامی علوم و معارف کی طرف بھی توجہ کر رہی ہے چنانچہ آج کل "موسوعۃ الفقہ الاسلامی" (اسلامی فقہ کی انسائیکلوپیڈیا) مرتب کروا رہی ہے، اس مقصد کے لئے جامعۂ دمشق کے مشہور عالم الشیخ مصطفیٰ الزرقاء کو دعوت دی گئی ہے اور موصوف اس خدمت میں اپنا وقت صرف کر رہے ہیں، شیخ مصطفیٰ الزرقاء کا انتخاب نہایت عمدہ انتخاب ہے، موصوف کے قلم سے فقہِ حنفی اور فقہِ اسلامی کی چند مجلدات "الفقہ الاِسلامی فی ثوبہ الجدید" اور "المدخل إلی الفقہِ الاسلامی" کے نام سے چند سال بیشتر خراجِ تحسین حاصل کر چکی ہیں، قدیم عبارات کو جدید تعبیرات میں منتقل کرنے اور قانونی دفعات پر فقہِ اسلامی کو مرتب کرنے میں اچھی خاصی مہارت کے مالک ہیں، موصوف نے ایک مقالہ راقم الحروف سے اور ایک مقالہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب سے بھی لکھوانے کی خواہش ظاہر کی ہے، واللہ الموفق۔

ربیع الاوّل ۱۳۸۷ھ

رابطہ عالم اسلامی اور اس کے فرائض

مکہ مکرمہ زادھا اللہ کرامۃً میں امسال "الرابطۃ الإسلامیۃ" کی مؤتمر ایامِ حج کے بعد منعقد ہوئی۔ "الرابطۃ الإسلامیۃ" کا مقصد جیسا کہ نام سے ظاہر ہے ممالکِ اسلامیہ میں اسلامی اخوت کی بنیاد پر تعلقات و روابط قائم کرنے ہیں، اس ادارے کی بنیاد پانچ سال قبل شاہ مخلوع ملک سعود بن عبد العزیز کے عہد میں ڈالی گئی تھی، گویا یہ جمال عبد الناصر حکمرانِ جمہوریہ عربیہ متحدہ کا عملی جواب تھا جس کی اساس وحدۃ العروبۃ (اتحادِ عرب) پر رکھی گئی۔ اگرچہ ان کا دعویٰ یہ تھا کہ اتحادِ عرب ہمارے مقاصد کی پہلی سیڑھی ہے اور "وحدتِ اسلام" کے لئے تمہیدی قدم ہے تاہم ان کے اس نعرے کو "اسلام ازم" کے خلاف "نیشنلزم" سمجھا گیا اور کہا گیا کہ اسلام نے قومیت وطنیت اور رنگ و نسل کی جس لعنت کو ختم کرنے کا اعلان کیا تھا، یہ اس سے متصادم اقدام ہے، قرآنِ حکیم نے سورۂ حجرات میں ((إنَّ أکرمکم عند اللہ أتقاکم)) اور حضرت رسالت پناہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیغمبرانہ تاریخی خطبہ میں جو حجۃ الوداع کے موقع پر ارشاد فرمایا تھا، صاف اعلان فرما دیا تھا: ((ألا لا فضل لعربی علی عجمی ولا لعجمی علی عربی ولا لأسود علی أحمر ولا لأحمر علی أسود إلا بالتقوی إن أکرمکم عند اللہ أتقاکم)) بہر حال صرف عرب کا اتحاد قومیت کی بنیاد پر تھا اور یہی سمجھا گیا، اس لئے ضرورت تھی کہ عالمگیر اسلامی اخوت کی بنیاد پر دوبارہ تحریک اٹھے، اس حیثیت سے سعودی حکومت تعریف و ثناء کی مستحق ہے کہ انہوں نے "وحدتِ اسلام" کے پیشِ نظر "الرابطۃ الإسلامیۃ" کی عالمگیر تأسیس کی اور اکثر اسلامی ممالک سے نمائندے منتخب کئے، ابتداً صرف سترہ نمائندے تھے جن میں مسلمانانِ ہند سے بھی ایک نمائندہ منتخب کیا گیا تھا اور سال میں دو مرتبہ "الرابطۃ" کا اجلاس ہوتا تھا (۱) رجب میں (۲) ذی الحجہ میں حج کے بعد، امسال ملک فیصل کے عہد میں "الرابطۃ الإسلامیۃ" کے سلسلہ کو مزید توسیع دی گئی اور ممالکِ اسلامیہ سے مزید نمائندے منتخب کئے گئے، اور اجلاس سال میں ایک مرتبہ ہی رکھا گیا چنانچہ امسال اس مؤتمر میں ساٹھ ممالک سے مندوبین یا تو بلائے گئے یا حجِ بیت اللہ کے موقع پر جو مشہور حضرات یا اربابِ علم مکہ آئے ہوئے تھے ان کو مدعو کیا گیا، اس طرح بآسانی ساٹھ ملکوں کے نمائندے شاملِ اجلاس ہو سکے، پاکستان سے دو قسم کے نمائندے

مدعو ہوئے، بعض حضرات کو خود پبلک سے منتخب کیا گیا اور بعض کو حکومتِ پاکستان کے ذریعہ بلایا گیا، حکومت نے اپنے نقطۂ نگاہ کے مطابق افراد کو بھیجا، کچھ قرار دادیں پاس کی گئیں اور "الرابطۃ الإسلامیۃ" میں مختلف شعبے قائم کئے گئے، شعبۂ ثقافت، شعبہ دعوت وارشاد، شعبۂ تأسیسی وغیرہ وغیرہ اور ہر شعبہ کے لئے مختلف ارکان کا تقرر وانتخاب عمل میں آیا اور اب یہ بھی ارادہ ہے کہ ہر ملک میں الرابطہ کا ایک باقاعدہ باتنخواہ ملازم رکھا جائے اور دفتر کھولا جائے تاکہ "الرابطہ" کے اغراض ومقاصد کی اشاعت ہو سکے، خدا کرے کہ تجاویز وقرار دادوں تک یا محض دعایہ و پروپیگنڈے تک یہ جد وجہد محدود نہ رہے بلکہ عملی اقدامات اور مقاصد کی تکمیل کے لئے صحیح ومؤثر تدابیر اختیار کی جائیں تاکہ ممالکِ اسلامیہ میں صحیح اسلام کی روح جلوہ گر ہو اور مغربی تہذیب نے جو جدید خد وخال چھوڑے ہیں یکسر ان کو ختم کر دیا جا سکے اور سیاست سے زیادہ دین مطلوب ہو اور قالب سے زیادہ روح پر توجہ ہو اور ظاہر سے زیادہ باطن کی اصلاح کی کوشش ہو، مال ودولت کی بے پناہ فراوانی سے جو برائیاں پیدا ہو رہی ہیں ان کی اصلاح کی تدبیریں سوچی جائیں، نئی نسل میں مغربی تہذیب کو اپنانے کا جو ولولہ پیدا ہو رہا ہے اس کے روک تھام کی کوشش کی جائے، جدید تعلیم کے ساتھ دینی تعلیم پر پوری توجہ ہو جس طرح مسجدِ حرام اور مسجدِ نبوی کی قابلِ قدر توسیع پر بے دریغ دولت خرچ کی گئی ہے اس سے زیادہ "مناسکِ حج" کے صحیح ادا کرانے کی طرف توجہ ہو، وادیٔ عرفات میں وادیٔ "عرنہ" کے مقام پر وقوف صحیح نہیں لیکن ہزاروں حجاج وہیں وقوف کرتے ہیں جن کا حج ہی ختم ہو جاتا ہے، وادیٔ مزدلفہ میں "مقامِ محشر" جو "مزدلفہ" اور "منی" کے درمیان تقریباً ساڑھے پانچ سو گز طولاً قطعہ ہے وہاں "مبیت" و "وقوف" دونوں جائز نہیں، ہزاروں حجاج وہیں رات گذارتے ہیں وہیں صبح وقوف کرتے ہیں اس کی طرف کوئی توجہ نہیں ہے، انتہا یہ ہے کہ "منتہی مزدلفہ" اور "مبدأ منی" کا جو بورڈ لگایا گیا ہے اس سے لوگوں کو مزید غلط فہمی ہو جاتی ہے، مسجدِ حرام میں نمازوں میں عورتیں مردوں کے شانہ بشانہ کھڑی ہوتی ہیں اس کی طرف کوئی توجہ نہیں، موجودہ تدبیر قطعاً ناکافی ہے طوافِ بیت اللہ شریف میں مرد وعورتوں کا اختلاط بری صورت اختیار کر جاتا ہے، اس کی اصلاح پر توجہ مرکوز کرنے کی حاجت ہے، الغرض

اس قسم کے مختلف مسائل ہیں جن پر "الرابطۃ الاسلامیہ" کو پوری توجہ کرنے کی ضرورت ہے۔ رؤیتِ ہلال کا مسئلہ جس کا قرآنِ مجید میں تصریح کے ساتھ "مواقیت للناس والحج" میں ذکر فرمایا گیا ہے اس کی شہادت و رؤیت کا صحیح شرعی نظام نہیں "وقوفِ عرفات" کی تاریخ میں اکثر اشتباہ ہو جاتا ہے اس سال یہی قصہ پیش آیا۔

کاش "الرابطۃ الإسلامیۃ" ان بے معنی قرار دادوں اور بے عمل تجاویز سے زیادہ توجہ ان مسائل پر کرتی تو مخلوقِ خدا کے حج ہونے کی قابلِ اطمینان صورت پیدا ہوتی جس طرح شاہ فیصل نے افتتاحی تقریر عمدہ اور مؤثر انداز میں فرمائی ہے اسی کی روشنی میں عملی اقدامات کی طرف توجہ بھی ہونی چاہیئے تاکہ معاملہ صرف ایک تقریر تک محدود نہ رہے، طاقت و اقتدار کے حصول کے بعد تقریر سے زیادہ عمل کی ضرورت ہے تجویز سے زیادہ تنفیذ کی ضرورت ہے۔

ایک حاجی احرام کی حالت میں تلبیہ پڑھتے ہوئے سرزمینِ حرم میں داخل ہوتا ہے اس کا جی چاہتا ہے کہ مقدس سرزمینِ حرم کے جلال و عظمت کے پیش نظر جو اس وقت اور اس مقام کے مناسب افکار و تصورات ہونے چاہئیں ان میں کوئی چیز مخل نہ ہو لیکن ہوتا یہ ہے کہ ڈرائیور اس وقت بھی اور ان مقامات میں بھی ریڈیو سے اور ریڈیو گرام سے گانا سناتا ہے اور روکنے سے بھی نہیں رکتا، سرزمینِ حجاز میں غنا کی یہ کثرت اور ابتلاء انتہائی تکلیف دہ ہے، سنا ہے کہ جدہ میں تھیٹر و سینما کی اجازت بھی دی گئی ہے اور ٹیلیویژن بھی لگ گیا ہے، إنا لله - ع

چیست یارانِ طریقت بعد ازیں تدبیرِ ما

الغرض اس طرح کے سینکڑوں مسائل ہیں جن پر رابطۂ اسلامیہ کو بے حد توجہ دینے کی ضرورت ہے "شعائر اللہ" کی تقدیس و تعظیم ایمان کا جزء ہے، ہر قیمت پر توجہ کے مستحق ہیں۔ مال کی فراوانی اور مواصلات کی آسانی، نقل و حرکت اور سیاحت کی کثرت سے ایک ملک کی برائیاں بہت سرعت کے ساتھ دوسرے ملک میں پہنچ جاتی ہیں، خدا کرے کوئی لطیفۂ غیبیہ ان مراکزِ ایمان میں جلد سے جلد ظہور پذیر ہو جس سے اس سیلابِ بلا کی روک تھام ہو جائے۔

وما ذلك على الله بعزيز۔

جون ۱۹۶۵ء، محرم ۱۳۸۵ھ

حضرت مولانا محمد یوسف بنوری مدظلہ، کا سعودی عربیہ کے مشہور روزنامے "الندوۃ" کو انٹرویو

- ★ باہمی اتحاد و اعتماد ہی" اسلام کی روح ہے۔
- ★ " رابطۂ اسلامیہ" اور دعوت الی اللہ کے میدان میں اس کا کردار۔
- ★ " قادیانیت" مسلمانوں کے خلاف ایک محاذِ جنگ ہے۔
- ★ اسلامی اتحاد سے زیادہ اعلیٰ و ارفع دنیا کا کوئی اتحاد نہیں ہو سکتا۔
- ★ باہمی اتحاد و اعتماد ہی اسلام کا جوہر اصلی ہے۔
- ★ اس اسلامی اتحاد کی طرف دعوت کے بارے میں کتاب و سنت کی بے شمار نصوص (تصریحات) موجود ہیں۔

مکہ مکرمہ، روزنامہ "الندوۃ" کے نمائندہ صالح جمال آفندی انٹرویو سے پہلے مندرجہ ذیل الفاظ میں حضرت مولانا موصوف کا تعارف کراتے ہیں:۔

اس سال بھی حضرت مولانا محمد یوسف بنوری مہتمم مدرسہ عربیہ اسلامیہ کراچی نے فریضۂ حج ادا کیا، موصوف پاکستان کے اکابر علماء میں سے ہیں، آپ اپنے قلم اور علم دونوں کے ذریعہ حریمِ اسلام سے دفاع اور دینِ متین اور عربی زبان کی خدمت میں مصروف ہیں۔

جس مدرسہ کے آپ مہتمم ہیں وہ پاکستان کی ان قدیم ترین درس گاہوں میں سرِ فہرست شمار ہوتا ہے جنہوں نے اسلام کی نشر و اشاعت اور اسلامی تعلیمات کی ترویج و توسیع میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ہے اور فقہ، قضاء اور علم (کتاب و سنت) کے محاذوں پر کام کرنے والے مجاہد پیدا کئے ہیں۔

ان تعارفی کلمات کے بعد نامہ نگار موصوف لکھتے ہیں:۔

میں نے حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری سے ملاقات کے بعد پہلا سوال پاکستان میں "قادیانی تحریک" کے بارے میں کیا۔

قادیانیت سامراج کا آلہ کار

س :۔ پاکستان میں "قادیانیت" اپنی سیاسی اغراض کے ہدف اصلی مسلمانوں کے ہر اتحاد ارتباط اور اجتماعی جد و جہد کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالنا۔ کے تحت اتحادِ اسلامی کے خلاف پے درپے حملے کر رہی ہے، کیا آپ کے خیال میں کوئی معتدبہ اثر اتحادِ اسلامی کی مساعی کو ناکارہ بنادینے کی صورت میں مرتب ہو سکتا ہے؟ اور کیا یہ محاذ ____ قادیانیت ___ اتنا قوی ہے کہ وہ اسلامی اتحاد اور مسلم ممالک کے باہمی ارتباط کی تحریک کے فروغ اور نشوونما پر کسی بھی پہلو سے اثر انداز ہو سکے گا؟

قادیانیت استعمار کا ایک حربہ ہے
قادیانی تحریک سامراج کا آلہ کار ہے

مولانا بنوری نے جواب دیا :۔

قادیانیت کی تمامتر کوششیں صرف برطانوی سامراج کے ہاتھ مضبوط کرنے اور برطانیہ کے "استعماری منصوبوں" کے لئے اسلامی ملکوں میں زمین ہموار کرنے اور ان کو کامیاب بنانے کی غرض سے ہمیشہ اسلامی وحدت کو پارہ پارہ کرتے اور ان کے باہمی ارتباط و اتحاد کو درہم برہم کرنے کے لئے وقف رہی ہیں، چنانچہ قادیانیت کا عقیدہ ہے کہ :۔ "برطانوی سامراج روئے زمین پر "اللہ کا سایہ" ہے جیساکہ اس فرقہ کے بانی مرزا غلام احمد قادیانی نے اپنی کتاب براہین احمدیہ میں اس کی تصریح کی ہے۔

لہٰذا یہ فرقہ خالص استعمار کی پیداوار ہے برطانوی سامراج نے اسے جنم دیا ہے اسی لئے مسلمان جہاں کہیں بھی ہوں گے ان کے خلاف ہر قسم کی سازش کو یہ فرقہ دینی جہاد قرار دیتا ہے اور اپنے خالق و مربی "استعمار" کا حقِ نمک ادا کرتا ہے ایسی صورت میں ان قادیانیوں کا وجود ہر اسلامی ملک اور اس کے مسلمانوں کے لئے زبردست خطرہ ہے۔

اور جب یہ واضح ہو گیا کہ قادیانیت اسلامی ممالک میں کام کرنے کے لئے برطانوی استعمار کا ایک خود کار (آٹومیٹک) حربہ ہے تو ان قادیانیوں کی طاقت و قوت کے اصل سرچشمہ کا اور ان کی ذات سے ظہور میں آنے والے خطرناک نتائج و عواقب کا معلوم کر لینا بہت آسان ہے۔

اسلامی اتحاد و باہمی اعتماد کی منزل تک پہنچنے کا راستہ

س :۔ دنیا کی مسلمان قومیں مجموعی طور پر عرب ہوں یا غیر عرب، اگر کسی ایک خطۂ زمین پر جمع یا باہمی اتحاد و تعاون پر متفق و متحد ہی ہو جائیں تو یہ دنیا کی اتنی بڑی اور زبردست طاقت بن سکتے ہیں جس کو ہرگز نظر انداز نہیں کیا جا سکتا، آپ کے خیال میں وہ کون سا راستہ یا طریق کار ہے جس کو اختیار کر کے باہمی اتحاد و تعاون کلی یا جزئی طور پر حاصل کیا جا سکتا ہے۔

جواب :۔ شیخ بنوری نے فرمایا : اسلامی اتحاد و تعاونِ باہمی کے اتنے فوائد اور عظیم ثمرات ہیں جن سے کسی طرح انکار نہیں کیا جا سکتا، باقی اس مقدس آرزو کو پورا کرنے کے لئے میرے خیال میں چند طریقے ہیں :۔

۱۔ دین اسلام اور اس کی (امن و سلامتی کی ضامن) تعلیمات کی اشاعت پوری قوت کے ساتھ دنیا کے چپہ چپہ پر کی جائے خصوصاً جن ممالک کے لوگ اسلامی تعلیمات کے لئے تشنہ اور بے چین ہیں اور صرف تعلیمات کی اشاعت پر اکتفاء نہ کیا جائے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ اسلامی اخلاقی تربیت اور اسلامی معاشرہ کی تشکیل نیز دینی شعور کو بیدار کرنا اور اسلامی احساسات و رجحانات پیدا کرنا بھی از بس ضروری ہے۔

۲۔ تمام اسلامی ممالک میں یکساں نظام تعلیم رائج کیا جائے اور تربیتی پروگراموں میں بھی یکسانیت پیدا کی جائے۔

۳۔ پھر یہ اسلامی ممالک ۔ وسیع تر ملی مفادات کو سامنے رکھ کر۔ آپس میں تجارتی

اقتصادی، سیاسی اور ثقافتی معاہدے کریں۔

ان تدابیر سے بڑھ کر یہ ہے:-

تمام اسلامی حکومتوں کے دستور اور رسمی قوانین یکساں ہوں اور وہ اسلامی شریعت اور اسلامی قوانین کی روشنی میں بنائے جائیں۔

باہمی اتحاد و تعاون ہی اسلام کی رُوح ہے

سوال :- اس باہمی اتحاد و تعاون کی طرف مقدس دعوت کے نتیجہ میں امتِ مسلمہ کے لئے جس عمومی خیر و صلاح کی امید کی جا سکتی ہے اس کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

جواب :- باہمی اتحاد و تعاون تو اسلام کی رُوح اور جوہرِ اصلی ہے لہذا اسلام تو نام ہی ہے باہمی اتحاد و یگانگت اور امن و سلامتی کی ضمانت کا، قرآنِ کریم کی بہت سی آیات و احادیث میں اس اتحاد و تعاون کی دعوت صراحۃً موجود ہے اور اسلامی اخوت تو بے شمار آیات و احادیث میں منصوص و معروف ہے لہذا اس باہمی تعاون و یگانگت سے اعلیٰ و ارفع اور کون سا اتحاد و تعاون ہو سکتا ہے جس کی دعوت ہمارا دینِ حنیف دیتا ہے اور اس میں شک نہیں کہ ہر مسلمان اس اعلیٰ و ارفع شرعی و دینی دعوت پر لبیک کہے گا اور جب اس دعوت کی روح اخلاص ہو اور اس کی اساس آسمانی تعلیمات پر قائم ہو تو اس میں کامیابی یقینی اور اس کے مقدس ثمرات کا حصول قطعی ہے۔

مجمع البحوث قاہرہ کی کانفرنس اور اس کی تجاویز

سوال :- آپ نے مجمع البحوث قاہرہ کی تیسری کانفرنس میں شرکت فرمائی ہے، مؤتمر مختلف اسلامی موضاعات پر نہایت اہم اور محکم تجاویز پاس کرنے میں کامیاب ہوئی ہے کیا ان میں سے کوئی قرار داد وقوع میں آئی ہے اور اس پر عمل ہوا ہے؟ اور کیا مؤتمر میں سید قطب اور ان کے رفقاء کی شہادت کا مسئلہ اٹھایا گیا تھا؟

جواب :- ہم اس کانفرنس میں شریک ضرور ہوئے ہیں مقالات پر بحث و تنقید میں حصہ بھی

لیاہے اپنی رائے کا اظہار بھی کیا ہے، لیکن قرار دادیں اکثر و بیشتر ہمارے واپس چلے آنے کے بعد ایک خاص اساسی کمیٹی میں پاس ہوئی ہیں جو مجمع البحوث کانفرنس کی روشنی میں قرار دادیں پاس کرنے کے لئے مقرر ہے اس کا ابھی تک علم نہیں ہوا کہ اس کمیٹی میں کیا قرار دادیں پاس ہوئیں اور ان میں سے کون کون سی نافذ ہوئیں جو قرار داد ہماری موجودگی میں باتفاق آراء پاس ہوئی وہ اسرائیل کے خلاف قرار داد ہے، باقی سید قطب کی شہادت کا مسئلہ وہاں اٹھانا ممکن نہ تھا کیونکہ ان کے سیاسی مصالح کے خلاف تھا۔

دین کے خلاف محاذِ جنگ

سوال :۔ میں نے شیخ بنوری سے سوال کیا: پاکستان میں ادارۂ تحقیقات اسلامی کیا کام کر رہا ہے اور اس ادارہ کے اغراض و مقاصد کیا ہیں؟

جواب :۔ ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی جس کے سربراہ ڈاکٹر فضل الرحمٰن ہیں اس کی تمام کارکردگی اور اغراض و مقاصد کتاب و سنت کی بالکل ضد ہیں، معلوم ہوتا ہے کہ اس ادارہ کا اصلی مقصد اسلام کے نام سے "ایک نیا اسلام" پیش کرنا ہے۔

مسلمانوں کو اس ادارہ کے اغراض و مقاصد سے آگاہ کرنے کے لئے اس ادارہ کے سربراہ (ڈاکٹر کرٹم) کے چند افکار و نظریات پیش کئے جاتے ہیں جن کا بار بار اور برملا اظہار وہ اپنی تصانیف، مقالات اور ماہنامہ فکر و نظر میں کر چکے ہیں، یہ تمام افکار و نظریات اسلامی معتقدات کے بالکل ضد ہیں اور ان سے ٹکراتے ہیں ان افکار و نظریات نے ایک (خطرناک قسم کا) فکری انتشار پیدا کر دیا ہے اور نہایت افسوسناک بات یہ ہے کہ اس ادارے کو حکومت کی سرپرستی حاصل ہے اور وہ "وزارتِ قانون" کی نگرانی میں کام کر رہا ہے، اور "اسلامی حکومت" کے خزانہ سے گرانقدر رقمیں اس پر صرف کی جارہی ہیں حالانکہ یہ ادارہ دینِ اسلام میں برابر رخنہ اندازی میں مصروف ہے۔

ڈاکٹر فضل الرحمٰن کہتے ہیں :۔

(۱) قرآن کے منصوص احکام ابدی نہیں بلکہ احکام کی علل و غایات ابدی ہیں اور اس

تعلیل (علت آفرینی) کی دو مثالیں پیش کرتے ہیں :۔

(۱) شرعی زکواۃ کی وہ مقدار جو شریعت نے مقرر کی ہے آج کے زمانہ میں حکومت کی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے کافی نہیں ہو سکتی چونکہ زکواۃ مالی ٹیکس ہے، اس لئے حکومت کو حق حاصل ہے کہ اپنی ضروریات کے مطابق جس حد تک چاہے زکواۃ کی مقدار میں اضافہ کر سکتی ہے۔

(۲) (قرآنِ حکیم کا) عورت کی شہادت کو مرد کی شہادت کا نصف قرار دینا اُس زمانہ کی بات ہے (کیونکہ اس وقت عورتیں ان پڑھ ہوا کرتی تھیں) لیکن آج کے "پڑھے لکھے" دور میں ایک مرد کے ساتھ ایک عورت کی شہادت بھی کافی ہے ایک مرد کی جگہ دو عورتوں کی ضرورت نہیں۔

غرض ڈاکٹر فضل الرحمٰن نے قرآن کے تمام منصوص (صریح) اور قطعی (یقینی) احکام میں تغیر و تصرف کرنے کی غرض سے یہ (مذکورہ بالا) اصول وضع کر رکھا ہے چاہے وہ احکام نماز سے متعلق ہوں چاہے زکواۃ سے یا روزہ اور حج سے۔

(۲) ڈاکٹر فضل الرحمٰن کہتے ہیں: وحی کی وہی بات قابل قبول ہے جو عقل و بصیرت اور تاریخ کے مطابق ہو۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ اور اس کی وحی اس سے مبرّا اور برتر ہے کہ وہ بصیرت و عقل صحیح (اور تاریخ) کے خلاف ہو۔

(۳) اور کہتے ہیں: وحیِ الٰہی اور نبی دونوں اپنے ماحول کے تاریخی اثرات سے متأثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔

(۴) اور کہتے ہیں: قرآن و سنت کے اکثر و بیشتر احکام وقتی اور اس زمانہ کے مخصوص ظروف و حالات کے ساتھ مخصوص تھے۔

(۵) اور کہتے ہیں: سنتِ نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) کا اکثر و بیشتر حصہ اس رسم و رواج پر مشتمل ہے جو اسلام سے پہلے عرب میں رائج تھا، پھر فقہاء نے یہودیوں، رومیوں اور پارسیوں کی روایات کا اس میں اور اضافہ کر دیا، گویا ان کے نزدیک سنت (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال کا نام نہیں بلکہ) ان فقہی قوانین کے

مجموعہ کا نام ہے جو ان "غیر مسلم" اقوام اور ان کے قوانین سے ماخوذ ہیں۔
نیز ڈاکٹر فضل الرحمٰن (۱) نزول علیہ السلام سے انکار کرتے ہیں اور دعویٰ کرتے ہیں کہ مسلمانوں نے یہ عقیدہ عیسائیوں سے لیا ہے اسی طرح (۲)، معراج جسمانی (۳) شفاعت (۴) ظہور مہدی کا بھی انکار کرتے ہیں (اور ان عقائد کو بھی عیسائیت سے ماخوذ بتلاتے ہیں)، اسی قسم کے بے شمار بے سروپا دعوے ڈاکٹر صاحب کی جانب سے کئے جاتے ہیں جو اسلام کے قطعی عقائد سے ٹکراتے ہیں اس لئے تمام علمائے امت اور سلف صالحین سے ان کی جنگ ہے، یہ ڈاکٹر فضل الرحمٰن کے ان بہت سے افکار و نظریات کا ایک نمونہ ہے جو اس مختصر سے وقت میں پیش نہیں کئے جا سکتے (مشتے نمونہ از خروارے)

مولانا نے فرمایا:۔ مدرسہ عربیہ اسلامیہ کراچی کا ماہنامہ "بینات" (خاص طور پر) ڈاکٹر فضل الرحمٰن (اور ان کے قلمی رفقاء) کے ان افکار و نظریات کو پوری تفصیل سے منظر عام پر لانے اور انتہائی دیانت داری اور انصاف کے ساتھ ان پر جرح و تنقید اور علمی معیار پر تردید کا فرض ادا کر رہا ہے۔
حضرت مولانا نے مزید فرمایا:۔
میں نے عالم اسلام کے گیارہ علماء کو جن میں شیخ عبداللہ بن حمید بھی شامل ہیں، ڈاکٹر فضل الرحمٰن موصوف کے ان ملحدانہ افکار و خیالات سے بخوبی آگاہ کر دیا ہے۔

رابطۂ عالم اسلامی کو کیا کرنا چاہیئے

سوال:۔ نامہ نگار موصوف کہتے ہیں، اس کے بعد میں نے رابطۂ عالم اسلامی سے متعلق ایسی تجاویز کے بارے میں سوال کیا جن کے ذریعہ رابطہ اپنا پیغام عالم اسلامی کے وسیع سے وسیع تر دائرہ تک پہنچا سکے اور تمام عالم اسلامی کی ترجمانی کر سکے۔

جواب:۔ میرے خیال میں رابطہ کے اہم مقاصد حسب ذیل امور ہونے چاہئیں:۔
(۱) تمام بلاد اسلامیہ میں حکیمانہ اسلوب سے اسلام کی تبلیغ و اشاعت خصوصًا وہ

وہ ممالک جن میں اسلام کی دعوت پر لبیک کہنے کی زیادہ امید ہے، جاپان
چین اور جنوبی کوریا جیسے ممالک آج بہت سے قلوب ایسے دین کے شدید
پیاسے ہیں جو ان کے بقاء استحکام کے ساتھ ہی ساتھ روحانی اطمینان اور
قلبی سکون کا باعث بن سکے، یہ عہد حاضر میں اسلام کی سب سے بڑی
خدمت ہے۔ میں نے اپنی یہ رائے رابطہ اسلامیہ کے الامین العام جنرل سکریٹری
سے ملاقات کے وقت بھی پیش کی ہے اور انھوں نے اس رائے سے پورا
اتفاق کیا ہے اور وہ اس سلسلہ میں عملی قدم بھی اٹھانے والے ہیں۔

(۲) رابطہ نئی نسل میں اپنی دعوت کو زیادہ سے زیادہ عام کرے اور جو نومسلم
ان ممالک میں اسلام قبول کرتے ہیں انھیں اسلامی ممالک میں بلا کر ان کی دینی
تعلیم و تربیت کا خاص طور پر انتظام کیا جائے تاکہ اسلامی تعلیمات ان کے
قلوب میں راسخ ہو جائیں اور وہ اپنے وطن واپس جاکر اسلام اور اس کی تعلیمات
کو اپنی وطنی زبان میں زیادہ سے زیادہ پھیلا سکیں۔

ربیع الاوّل ۱۳۸۷ھ

مؤتمر قاہرہ کے مشاہدات و تاثرات

(ادارہ مجمع البحوث الاسلامیۃ کی مختصر روئیداد)

۶ مارچ ۱۹۶۴ء رات کے ۲ بجے جاپان ایرلائنز سے ہمارا یہ سفر شروع ہوا اور ۷ مئی ۱۹۶۴ء ۱۱ بجے صبح پی، آئی، اے کے ذریعہ ہم واپس کراچی پہنچ گئے۔ تین ہفتے قاہرہ میں قیام رہا، دو ہفتہ مدینہ منورہ میں دو ہفتہ مکہ مکرمہ میں اور ایک ہفتہ عراق و ایران میں اور کل ۱۲ گھنٹہ آمدورفت و پرواز پر صرف ہوئے۔ اس طرح ۲ ماہ ایک دن اور چند گھنٹوں میں وہ طویل سفر طے ہوا جو ادارۂ جامعۂ ازہر کی دعوت پر شروع ہوا تھا، جامعہ ازہر نے اپنی نشأت ثانیہ میں ایک ادارہ "مجمع البحوث الاسلامیہ" کے نام سے قائم کیا ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ جدید تمدن نے جو مسائل پیدا کئے ہیں، قرآن و سنت اور فقہاء امت کی مدون کردہ فقہِ اسلامی کی روشنی میں ان مسائل کا متفق علیہ حل نکالا جائے، مجمع البحوث الاسلامیہ" ایک ادارہ ہے[1] جو چند سالوں سے قائم ہے اور اس کے لئے مصر اور سوڈان بعض اور مغربی افریقہ کے بعض عربی ممالک سے ممتاز اہلِ علم کا انتخاب کیا گیا ہے چند حضرات کے نام حسبِ ذیل ہیں۔

(۱) فضیلۃ الشیخ الجلیل فرج اللہ سنہوری (۲) فضیلۃ الشیخ محمد ابو زہرہ (۳) فضیلۃ الشیخ محمود عبد الحلیم، (۴) فضیلۃ الشیخ علی نور الحسن (۵) الشیخ الدکتور عبد اللہ العربی (۶) الشیخ الدکتور مہدی العلام۔

---

[1] ہمارے ملک میں بھی اس وقت تین ادارے اس مقصد کے پیش نظر موجود ہیں (۱) ادارۂ تحقیقاتِ اسلامیہ کراچی۔ (۲) ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ لاہور (۳) مشاورتی کونسل۔ پہلا ادارہ اور مؤخر الذکر سرکاری ادارے ہیں جن پر حکومت پاکستان کا لاکھوں روپیہ خرچ کیا جا رہا ہے، مقصد بھی تقریباً مشترک ہے فرق صرف اتنا ہے کہ قاہرہ کے "مجمع بحوث" میں قدیم و جدید ماہرین کا جس طرح حسین امتزاج ہوا ہے ہمارے ادارے اس سے محروم ہیں بلکہ افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ بعض حضرات تو ان اداروں میں ایسے نامزد کئے گئے ہیں جن کو ان مقاصد سے دور کا واسطہ بھی نہیں اور ان میں کسی قسم کی اہلیت بھی اس خدمت کے لئے نہیں ہے اور بعض ایسے حضرات ہیں کہ جن سے قیامت تک یہ توقع پوری ہونے کا امکان نہیں بلکہ اندیشہ ہے کہ ان کے پیش کردہ اسلام کی جدید تعبیر و تصویر اسلامی حقائق کو ایسا مسخ کر دے گی کہ آئندہ نسل اسلام کے صحیح خد و خال پہچاننے سے بھی عاجز رہے گی چنانچہ

اس ادارے کے ڈائرکٹر جنرل ڈاکٹر محمود حب اللہ ہیں جو قدیم وجدید علوم کے ایک محقق ماہر ہیں اور نہایت سنجیدہ و باوقار شخصیت کے حامل ہیں۔ یہ حضرات اس ادارے کے مستقل اعضا اور ارکان ہیں۔

جامعۂ ازہر کے ارباب اقتدار نے چاہا کہ اس اکیڈمی کی طرف سے اسلامی ملکوں کی ایک کانفرنس بلائی جائے جن کے مقاصد حسبِ ذیل ہوں :۔

الف : ان موضوعات ومقالات پر علمی تبادلۂ خیال ہو جواب تک لکھے جاچکے ہیں۔

ب : جو مسائل زیر بحث نہیں آئے ان کو متعین کیا جائے کہ کن کن موضوعات پر لکھنے کی ضرورت ہے۔

ج : اس تبادلۂ افکار وبحث وتمحیص سے ان لائینوں کو واضح طور پر متعین کیا جائے جن پر آگے چل کر کام کرنا ہے۔

د : کتاب وسنت اجماع وقیاس کی عام چار شاہراہیں جو امت کے سامنے آگئی ہیں اور انہی سرچشموں سے چار مذاہب وجود میں آئے ہیں کیا اس کا امکان بھی ہے کہ جدید مسائل حل کرنے میں چار مذہبوں میں ایک خاص مذہب فقہی کی پابندی نہ ہو بلکہ جس مذہب میں گنجائش زیادہ نکلے اس کو اختیار کیا جائے۔

ھ : نیز ان فقہی مسائل کے حل کرنے کے علاوہ اس پر غور کیا جائے کہ اسلامی دعوت رشد وہدایت جو سرعت سے تمام عالم میں پھیل گئی تھی اس کے کیا اسباب وعوامل تھے۔ ان عوامل واسباب کی روشنی میں دوبارہ دعوتِ حق کے نشر واشاعت کی کیا کیا تدبیریں اختیار کی جائیں۔ الغرض جو مقالات پڑھے گئے اور وہ ارکان پہلے سے تیار کرکے لائے تھے ان سب میں یہی روح جلوہ گر تھی۔

چنانچہ اس کانفرنس کے لئے تمام بلادِ اسلامیہ اور غیر اسلامیہ کے ممتاز اشخاص کو دعوت دی گئی تھی، ابتدائی مرحلے میں کانفرنس کے مندوبین ۳۰ ممالک سے پہنچ گئے بعد میں ۴۲، اور پھر پچاس

اس وقت تک ان کے جو نتائج ہمارے سامنے آئے ہیں ان سے یہ اندیشہ مزید قوت پکڑتا جا رہا ہے کاش ہماری حکومت بھی اس ادارے کے لئے ایسے افراد وارکان نامزد کرتی جو اس عظیم مقصد کی تکمیل کے لئے موزوں ترین ہوتے اور قوم وملت کو ان کی شخصیتوں پر واقعۃً پورا اعتماد ہوتا۔ (بنوری)

تک تعداد پہنچ گئی، ان میں لندن، یوگوسلاویہ، ہنگری، چین، جاپان، روس کے بھی اسلامی علماء شریک تھے، لیبیا، تونس، الجزائر، سوڈان، عراق، لبنان، ترکی، موریتانیا (مغربی افریقہ) کویت، بحرین، سومالی لینڈ، نائیجریا، سنی غال، کینیا، پاکستان، افغانستان، بھارت، جاوا، ملایا، فلپائن وغیرہ وغیرہ سب ہی دنیا کے تھے لیکن تعجب ہوا کہ سیریا (شام) حجاز، ایران، ان تین اسلامی ملکوں کے نمائندے شامل نہ تھے۔

ان مندوبین کی تعداد ابتداءً ستر تھی۔ بعد میں سو سے متجاوز ہوگئی تھی۔ ان سب نمائندوں کو قاہرہ کے دو ممتاز ہوٹلوں "فندق اطلس" اور "کورینٹیل ہوٹل" میں ٹھہرایا گیا تھا۔ ان سب نمائندوں کو ہوائی جہاز کے فرسٹ کلاس کے ٹکٹ مصری سفارت خانوں کے ذریعے بھیجے گئے تھے۔ ایئرپورٹ پر استقبال کے لئے علماء وغیرہ موجود ہوتے تھے۔ ۶ مارچ ۱۹۶۴ء کانفرنس کا آغاز ہوا۔ لیکن کانفرنس کی کارروائی ۷ مارچ سے شروع ہوئی۔ ۶ مارچ کو صرف "جامع ازہر" میں نماز جمعہ کا پروگرام تھا۔ ایرکنڈیشن حسین وجمیل بسوں اور کاروں کے ذریعہ وفود کو "جامع ازہر" کی تاریخی قدیم ترین جامع مسجد میں پہنچایا گیا۔

قاہرہ میں تین مساجد تاریخی اور قدیم ترین ہیں: پہلی مسجد جامع عمرو بن العاص جو مصر قدیمہ "فسطاط" میں واقع ہے اور جس میں حضرت عمرو بن العاص فاتح مصر کے صاحبزادے عبداللہ بن عمرو کا مزار مبارک بھی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو صحابہ میں وہ ممتاز بزرگ ہیں جنہوں نے عہد نبوت ہی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے احادیث نبویہ جو خود براہ راست سنتے تھے کا ایک مجموعہ تیار کیا تھا۔ جس کا نام "الصادقة" تھا۔[1]

دوسری مسجد جامع ابن طولون ہے جو حرم مکی کے نمونے پر تیار کی گئی تھی اور وسط جامع میں وضو خانہ تھا جیسے بیت الحرام وسط مسجد حرام میں ہے۔

تیسری مسجد جامع ازہر ہے جو چوتھی صدی میں فاطمیین کے دور میں بنائی گئی تھی۔ اسی جامع ازہر نے جامعہ ازہر کی صورت اختیار کی اور دنیائے اسلام کے ہزاروں ممتاز علماء یہاں سے نکلے اور اسلام

---

[1] جس کی تفصیل ابن سعد اور حافظ ابو عمر ابن عبدالبر اندلسی کی کتاب "جامع بیان العلم" اور "مسند دارمی" میں ہے اور اس مبارک مجموعہ میں صحیح بخاری کی احادیث سے زیادہ ذخیرہ موجود تھا۔ (بنوری)

کی علمی تاریخی دنیا اس کے ساتھ وابستہ ہے۔ جامع ازہر کے دائیں بائیں طلبہ کے لئے دار الاقامہ بنایا گیا ہے جو "رُواقات" کے نام سے مشہور ہے ہر ملک کے طلبہ کے لئے علیحدہ علیحدہ "رواقات" ہیں۔ رواق الافغان، رواق الشوام، رواق الجرت وغیرہ وغیرہ۔ اب ازہر کے جدید نظام میں یہ طلبہ مستقل ایک بستی میں جو "مدینۃ البعوث" کے نام سے بنائی گئی اس میں رہتے ہیں۔ اس مدینۃ البعوث میں اس وقت ۶۰ ملکوں کے تین ہزار طلبہ قیام پذیر ہیں جن کو ۱۲ پونڈ مصری وظیفہ دیا جاتا ہے اور ۵ پونڈ ان سے ناشتہ کھانا چارپائی بستر وغیرہ کے عوض وصول کیا جاتا ہے۔ یہ وفود جامع ازہر پہنچے۔ جامع ازہر کے دروازے پر دو طرفہ سیاہ وردی میں زرق برق پولیس انتظام اور استقبال کے لئے کھڑی تھی۔ راستہ کو قالینوں سے سجایا گیا تھا۔ صفِ اول میں مہمانوں کے لئے نشست مخصوص تھی۔ قاہرہ میں عام مسجدوں میں سب قالینوں کا فرش ہوتا ہے اور ان مساجد کا انتظام و تولیت وزارتِ اوقاف کی طرف سے ہوتی ہے اور یوں تو تمام مساجد میں بجائے بوریا یا شطرنجی کے قالین ہی بچھائے جاتے ہیں لیکن ذرا اہتمام کر کے نئے نئے قالین بھی بچھائے گئے تھے۔ حسبِ معمول وزارتِ اوقاف کی طرف سے ہر جامع مسجد میں نماز جمعہ سے قبل نصف گھنٹہ قرآن کریم کی تلاوت کرنے کے لئے بہترین خوش الحان قاری مقرر ہوتے ہیں۔ چنانچہ جب ہم پہنچے تو یہاں بھی ایک قاری نہایت مؤثر اور درد انگیز لہجہ میں تلاوت فرما رہے تھے۔ اذان ہوئی سنتیں ہوئیں ایک نوجوان ازہری عالم خطیب تھے۔ انہوں نے عمدہ خطبہ دیا۔ "اجتہاد و تقلید" کے موضوع پر یہ خطبہ تھا جو بظاہر اس موقع کے مناسب سوچ کر دیا گیا تھا (ہمارے نقطۂ خیال سے اس خطبہ میں گرفت کے مقامات بھی تھے) نماز سے فراغت کے بعد وفود و مندوبین میں تعارف کے لئے ایک ہال میں اجتماع ہوا جو جامع ازہر کے ایک گوشے میں تھا اور پر تکلف کرسیوں اور بہترین قالینوں سے آراستہ تھا، قہوۂ مصری سے تواضع کی گئی اور سلام و مصافحہ اور سرسری ملاقات کے بعد اپنی اپنی موٹروں میں اپنے ہوٹلوں میں پہنچا دیئے گئے۔ وہاں اگلے روز یعنی ۷ مارچ کا پروگرام بھی بتلایا گیا کہ کل مجمع البحوث الاسلامیہ کی مؤتمر کا افتتاح ہوگا اور ۹ بجے جانا ہوگا۔

کانفرنس کا محلِ انعقاد

قاہرہ ویسے بھی خوبصورت شہر چلا آ رہا ہے اور اس وقت تو ۴۵ لاکھ کی آبادی کا مرکز قدیم د

جدید تمدن کا خوبصورت ترین صاف ستھرا شہر بن گیا ہے خصوصاً شہر کا وہ حصہ جو دریائے نیل کے کناروں میلوں تک چلا جاتا ہے وہ تو لاجواب ہے۔ قاہرہ کے اس علاقہ میں قدیم اشیاء کا "متحف" یعنی "میوزیم" یا عجائب گھر ہے جس میں فراعنۂ مصر کے تاریخی آثار ہیں اور فراعنہ کی محفوظ کی ہوئی لاشیں ہیں۔ اس مقام میں جامع الدول العربیۃ کی عظیم الشان عمارت ہے جہاں چند روز پیشتر "مؤتمر القمہ" کے نام سے ملوکِ بلادِ عرب کی کانفرنس ہوئی تھی جس میں ۱۴ ممالک عربیہ کے سربراہ شریک ہوئے تھے۔ اسی مقام پر قاہرہ کا سب سے عظیم الشان خوبصورت ترین " ہلٹن " ہوٹل ہے اور اسی مقام پر "میدان التحریر" آزادی کی یادگار ہے اور اسی مقام پر پندرہ منزلہ عظیم الشان سرکاری عمارت "بناء المجمع" کے نام سے ہے جو سیکرٹریٹ ہے جس کی ہر منزل میں تقریباً ایک سو بیس کمرے ہیں یہاں سب سرکاری دفاتر ہیں۔ اسی مقام پر ایک اور خوبصورت عمارت ہے جو صرف تین چار منزلہ ہے چاروں طرف باغیچے و چمن و سڑکیں ہیں۔ سامنے پر شکوہ دریائے نیل ہے۔ دو طرفہ پارکوں اور درختوں اور پھولوں سے آراستہ ہے۔ قدرت کی فیاضی کے ساتھ جدید فنِ دست کاری کے کمال نے سونے پر سہاگہ کام کیا ہے۔ اس عمارت کے سامنے پھولوں اور سبزے کے روشوں کے ساتھ ایک وسیع ترین احاطہ ہے جہاں کاریں کھڑی کی جاسکتی ہیں۔ اس عمارت کا نام "بناء المحافظہ" ہے۔ اس عمارت میں "مجمع البحوث الاسلامیہ" کی المؤتمر الاول (پہلی کانفرنس) کے انعقاد کا انتظام تھا۔ علی الصباح ۹ بجے پہلے سارے وفود کو "قصر القبۃ" کے نام سے جو گورنمنٹ ہاؤس ہے وہاں پہنچا دیا گیا اور وہاں دفتر میں سب نے ایک رجسٹر پر دستخط کئے جو غالباً رئیس جمال عبدالناصر کے سامنے پیش کرنے کے لئے ہوں گے جن حضرات نے چاہا ان کے گروپ فوٹو لئے گئے۔ یہاں سے بناء المحافظہ پہنچ گئے۔ مؤتمر کا افتتاح بناء المحافظہ کے زیر زمین ہال میں کیا گیا تھا۔ جس میں ریکارڈنگ اور فلم سازی کے سارے آلات موجود تھے۔ صدر مقام میں چند کرسیاں تھیں۔ جو جمال عبدالناصر کے نائب السید حسین محمود شافعی دوسرے پر وکیل الازہر ڈاکٹر عبداللہ ماضی، ڈاکٹر محمد البھی وزیر الاوقاف وشئون الازہر، ڈاکٹر محمود حب اللہ مجمع البحوث کے ناظم اعلیٰ کے لئے تھیں۔ ایک کرسی الشیخ خلیل محمود الحصری کے لئے تھی جو قاہرہ کے سب سے بڑے قاری ہیں اور سرکاری رسمی احتفالات و اجتماعات میں ہر جگہ انہی کو دعوت دی جاتی ہے۔ گیارہ بجے

السید حسین محمود شافعی جمال عبدالناصر کے نائب کی حیثیت میں افتتاح کے لئے پہنچ گئے۔ ان کے چہرے سے شرافت، متانت، سنجیدگی، شجاعت ٹپک رہی تھی۔ قاری خلیل حصری نے قرآن کریم سے موقع کے مناسب آیات کا انتخاب کرکے تلاوت شروع فرمائی۔ قرآن کریم کا اثر پھر موقع کے مناسب آیات کا انتخاب بہترین لب و لہجہ ان سب مؤثرات نے مل کر مجمع پر ایک عجیب کیفیت اور رقت طاری کردی۔ قرأت کے بعد نائب الرئیس (وائس پریزیڈنٹ) نے مختصر مگر نہایت جامع و مؤثر تقریر فرمائی جس میں وفودِ ممالکِ اسلامیہ اور مندوبین کا خیر مقدم کیا گیا۔ ان کی تشریف آوری کا شکریہ ادا کیا گیا اور اسلام کی جامعیت، ازہر کی خدمات جدید ازہر کے عزائم پر روشنی ڈالی گئی اور استعماریت نے جو نقصان اسلام کو پہنچایا ہے اس کا ذکر کیا گیا تھا۔ حمد و ثناء سے تقریر شروع کی تھی اور اندازِ تقریر خطیبانہ تھا۔ اس کے بعد ڈاکٹر محمد البہی وزیر الاوقاف وشئون الازہر پھر ڈاکٹر عبداللہ ماضی نے تقریریں کیں۔ سب نے اسلام کی جامعیت اور ازہرِ جدید کے عزائم اور مجمع البحوث الاسلامیہ کی اہمیت اور جدید مسائل حل کرنے کی طرف توجہ دلائی۔ پھر الشیخ الحاج ابراہیم بناس سینیگال اور نائیجیریا کے شیخ الاسلام اور مغربی افریقہ کے ممتاز دینی و علمی رہنما اور سلسلۂ صوفیہ تیجانیہ کے شیخ و مرشد نے تمام وفود اور مندوبین کی طرف سے بحیثیت وکیل حکومت مصر اور ان حضرات کا شکریہ ادا کیا جنہوں نے اس عظیم ترین مقصد کے لئے مجمع البحوث کے مؤتمر کا اجلاس بلایا تھا، ممدوح نے اتحاد اسلامی پر زور دیا اور وحیِ آسمانی کی رہنمائی کی اہمیت و عظمت بیان کی اور نہایت سادہ لہجہ میں عمدہ اور مختصر تقریر فرمائی۔ پھر ڈاکٹر محمود حب اللہ کی تقریر اور شیخ خلیل محمود حصری کی تلاوتِ قرآن پر یہ کارروائی ختم ہوئی اس کے بعد اوپر کی منزل کے ہال میں نائب الرئیس حسین شافعی نے وفود سے ملاقات و مصافحہ کا موقعہ فراہم کیا تھا جس کے بعد مؤتمر کا صبح کا اجلاس ختم ہوگیا۔ سب تقریروں میں مقصد کی اہمیت اور وقت کی نزاکت اور علماء و نمائندگانِ بلادِ اسلامیہ کی تہنیت و خیر مقدم کی روح جلوہ گر تھی۔ اب مؤتمر کا نظام یہ مقرر ہوا کہ شام کو ۵ سے ۷½ تک اور صبح کو ۱۰ سے ایک بجے تک اجلاس ہوا کریں گے!

۷ مارچ ۱۹۶۴ء کو شام ۵ بجے سے مؤتمر کا باقاعدہ اجلاس شروع ہوا۔ "مبنی المحافظۃ"

کی شاندار عمارت کی پہلی منزل کے ایک ہال میں جو نہایت خوبصورت تھا. پورا ہال ایئرکنڈیشن تھا. تین طرف نشستیں ترتیب دی گئی تھیں. سامعین کے لئے ایک طرف مستقل نشستوں کا بھی انتظام تھا. ہر شخص کی کرسی کے سامنے میز پر ایک خوبصورت پلاسٹک کا مائیکروفون بھی ہوتا تھا اس کے نیچے میز پر ہیڈ فون اور شیشے کے نیچے ایک ورق لگایا گیا تھا. سامنے ایک چھوٹی مشین تھی اس پر یہ عبارت لکھی ہوئی تھی کہ آپ عربی، فرانسیسی، انگریزی جس زبان میں چاہیں اُس کی سوئی گھماکر لگا دیجئے. اسی ہال کے ایک حصہ میں ترجمہ کرنے والوں کے لئے تین کیبن تھے. جیسا آج کل "یو. این. او" کے اسمبلی ہال میں انتظام ہوتا ہے اور گو ہمارے پاکستان کی اسمبلی میں بھی اسی طرح کا انتظام ہے لیکن یہاں ترجمہ کا انتظام خاطر خواہ نہیں جس انداز سے یہاں ترجمہ ہوتا تھا یہ محسوس ہی نہیں ہوتا تھا کہ ترجمہ ہو رہا ہے بلکہ یہ محسوس ہوتا تھا کہ اسی زبان میں مقرر بول رہا ہے اور پھر علمی اصطلاحات اور علمی تحقیقات کا اس سرعت و فصاحت سے ترجمہ کرنا حیرت انگیز تھا. الغرض اس انداز سے اس کا نظم و نسق تھا. مختلف موضوعات پر مجمع البحوث کے ارکان کے وہ مقالات تھے جو وہ لکھ کر اپنے ساتھ لائے تھے. جس روز مقالہ پڑھا جاتا تھا اگلے روز چھاپ کر تقسیم کر دیا جاتا تھا. مؤتمر کے مندوبین کو ان مقالات پر مناقشہ و مباحثہ کا حق ہوتا تھا. نیز صدر کی طرف سے کوئی جدید مقالہ جدید موضوع پر لکھے یا ان موضوعات پر رکھے، اجازت ہوتی تھی. حسبِ ذیل موضوعات پر مقالات تھے:۔

(۱) اسلامی دعوت کے جلد پھیلنے کے کیا اسباب و عوامل تھے؟

(۲) اجتہاد کے مختلف ادوار کا جائزہ.

(۳) مختلف اسلامی فقہی مذاہب سے مسائل منتخب کرنا، اس کا عنوان تھا "التلفیق بین المذاہب"

(۴) ملکیتِ زمین کا مسئلہ اسلام میں (لیکن اس موضوع پر کسی نے مقالہ نہیں پڑھا).

ان کے علاوہ چند اور موضوعات بھی تھے. خیال ہے کہ آئندہ "بینات" کی کسی اشاعت میں ان مباحث کا خلاصہ پیش کیا جائے. راقم الحروف نے بھی اجتہاد پر ایک مختصر مقالہ وہیں مرتب کیا جو فل اسکیپ سائز کے ۶ صفحات پر تھا طبع ہو کر تقسیم کیا گیا. نیز اجتہاد کے سابق مقالات پر بحث میں حصہ لیا اور تنقید کی اور اپنے مقالہ میں تلفیق بین المذاہب پر ہلکی روشنی ڈالی اور

مقالہ نگار کی رائے سے اختلاف کیا۔ ہمارے رفقاء میں سے مولانا مفتی محمود صاحب اور مولانا غلام غوث صاحب نے بعض موضوعات پر مقالات پیش کیے۔

مجمع البحوث الاسلامیہ اور اس کی پہلی کانفرنس کے بارے میں تاثرات :۔

اس مؤتمر کا سب سے عظیم الشان فائدہ یہ ہوا کہ حکومت جمہوریہ متحدہ جو عربی ممالک کے اتحاد کے لئے جدوجہد کر رہی تھی۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا۔ عربی اتحاد کی جگہ اسلامی اتحاد آ رہا ہے اور ایسا محسوس ہوا کہ جمال عبدالناصر کو وحدۃ العروبہ میں ناکامی ہونے کے بعد اب ان کی توجہ اسلامی اتحاد کی طرف بڑھ رہی ہے۔ اگرچہ وہاں کے سربرآوردہ حضرات بھی کہا کرتے تھے کہ عربی اتحاد سے ہماری غرض یہ ہے کہ اتحاد اسلامی کی یہ پہلی کڑی ہے۔ بہرحال اس جہت سے اس کانفرنس سے یہ سیاسی فائدہ بھی اٹھایا گیا کہ اسلامی اخوت اور عالمگیر اسلامی رشتۂ مودت کی طرف قدم اٹھانا چاہیئے اور اسی وجہ سے مشرقی افریقہ کے جدید آزاد شدہ ممالک کی طرف کافی توجہ تھی اور اسی وجہ سے بار بار مختلف جہات سے یہ کوشش ہوتی رہی کہ سب مندوبین اسلامی عالمگیر اخوت کے رشتہ کی اہمیت زیادہ محسوس کریں اور یہ گویا سمجھایا جا رہا تھا کہ جمہوریہ متحدہ عربیہ کے پیش نظر اسلامی اخوت کا رشتہ مضبوط ہے۔ اسی مؤتمر میں اخبارات میں شائع ہونے سے قبل سب وفود کو یہ خبر سنائی گئی کہ ہمارا دستور تیار ہو گیا اور اس میں یہ بات طے ہو گئی کہ حکومت جمہوریہ عربیہ متحدہ کا مذہب اسلام ہو گا اور سرکاری زبان عربی ہو گی۔ اسی مؤتمر میں پہلے صدر مؤتمر ڈاکٹر عبداللہ ماضی نے شاندار الفاظ میں یہ اعلان کیا کہ حکومت نے "مصحف مرتل" کے لئے ایک خاص اسٹیشن کھولا ہے جس کے میٹر کا نمبر یہ ہو گا۔ اس پر صرف قرآن کریم روزانہ چودہ گھنٹہ نشر کیا جائے گا۔ مصری وقت کے مطابق صبح ۶ سے ۱۰ اتک اور ۱ سے ۱۱ تک) ہمارے یہاں ۱۰ سے ایک تک اور ۴ سے ۲ بجے رات تک صدر جمال عبدالناصر نے وفود سے جب ملاقات کی تو سب سے مصافحہ اور مزاج پرسی کے بعد کہا :۔

حضرات ! میری خوش قسمتی ہے کہ میں آج آپ حضرات کی زیارت کر رہا ہوں۔ ہم سب اسلامی اخوت کے رشتہ میں منسلک تھے۔ استعماری طاقت نے اپنے سیاسی اغراض کے لئے جدا

کر دیا اور استعماری سیاست نے دنیا کو تباہ کر دیا (یہ جملہ دو مرتبہ دُہرایا اور اس پر زور دیا) میں اس وقت مشغول ہوں رخصت چاہتا ہوں خدا حافظ۔ عربی تقریر کا پہلا جملہ یہ تھا۔
أیها السادة ! إني لسعيد برؤيتكم، اور آخری جملہ تھا! سيروا على بركة الله ۔ اور اسی وجہ سے حدود فلسطین میں صلح کی حد بندی پر جہاں یو این او کا حفاظتی دستہ بھی موجود ہے سب وفود کو چار سو کیلومیٹر صحرا ؤ سینا طے کرا کرے گئے اور یہ تجویز پاس کرائی کہ فلسطین کا قضیہ تمام عالمِ اسلامی کا مشترکہ قضیہ ہے۔ یہ تنہا عربی ممالک کا قضیہ نہیں اس لئے ہم تمام نمائندگان ممالکِ اسلامیہ اور مسلمانانِ عالم متفقہ احتجاج کرتے ہیں کہ فلسطین میں مہاجرین کو جلد از جلد آباد کیا جائے اور سب مندوبین سے اس قرار داد کی تائید کے لئے کہا گیا۔ دوسرا نمبر راقم الحروف کا آیا۔ حسب ذیل عربی الفاظ میں قرار داد کی تائید کی۔

"أيها السادة وفود البلاد الإسلامية وعلماء المسلمين ! لا شك في أن المؤمنين إخوة على تواصي بلادهم وأقطارهم وهم كما قال سيدنا الرسول صلى الله عليه وسلم «المؤمنون في تراحمهم وتوادهم وتعاطفهم كجسد واحد إذا اشتكى عضو تداعى له سائر الجسد بالسهر والحمى» ولا ريب أن قضية فلسطين قضية إسلامية عالمية ليست قضية عربية فقط، فمن واجبنا أن نقوم للدفاع عنها متكافئين في سبيلها وحل مشاكلها. وأيها السادة!
إن قضية فلسطين وقضية كشمير متماثلتان متجانستان، فأربعة ملايين من المسلمين تئن تحت سيطرة حكومة غاشمة ظالمة مستبدة تحكم عليهم بكل قسوة وجفوة ليست فيها أية رحمة وعاطفة، فالرجاء أن نتحد لها كذلك۔

(ترجمہ) حضرات، ممالک اسلامیہ کے نمائندو! بلاشبہ مسلمان کہیں کے بھی باشندہ ہوں، ان میں اسلامی اخوت کا رشتہ موجود ہے اور حضرت رسالت پناہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق ساری دنیا کے مسلمان اپنی ہمدردی و تعلق و محبت میں ان کی مثال ایک بدن کی ہے۔ بدن کے کسی حصہ میں اگر کوئی شکایت ہے تو سارا بدن بخار و بے خوابی میں مبتلا رہتا ہے بلاشبہ فلسطین

کا قضیہ تمام عالم اسلامی کا مسئالہ ہے، تنہا عربی ممالک کا نہیں۔ اس لئے ضروری ہے کہ اس مشکل کو حل کرنے کے لئے ہم سب متحد ہو کر سوچیں۔

حضرات! جس طرح فلسطین کا مسئالہ تمام عالمِ اسلامی کا مسئالہ ہے ٹھیک اسی طرح کشمیر کا قضیہ بھی تمام عالمِ اسلامی کا مسئالہ ہے، چالیس لاکھ مسلمان کشمیر میں ایک ظالم بے رحم حکومت کے پنجۂ استبداد کے نیچے کراہ رہے ہیں، تو ہمیں اس کے لئے بھی متحد ہونے کی ضرورت ہے[1]۔

الغرض یہ محسوس ہوا کہ اب عرب دنیا بھی اپنے مسائل ومشکلات کے حل کرنے میں عالمِ اسلامی کے تعاون سے بے نیاز نہیں ہو سکتی اور خدا کا شکر ہے کہ ان کو بھی اس کا احساس ہو چلا ہے۔

محرم الحرام ۱۳۸۴ھ جون ۱۹۶۴ء

---

[1] عالمِ اسلام کے نمائندہ وفود کے اجتماع میں قاہرہ جیسے مرکزی مقام پر مسئلہ کشمیر کی یہ ایسی مؤثر ترجمانی ہو گئی ہے کہ اس پر ہماری حکومت کو حضرت علامہ بنوری کا ممنون ہونا چاہیئے خصوصاً حضرت ممدوح نے مسئلہ کشمیر کو مسئلہ فلسطین کا ہم پلہ قرار دے کر اتنا وزن بڑھا دیا کہ اس سے زائد کا تصور کوئی سیاسی مدبر بھی نہیں کر سکتا۔

(غ۔م)

مجمع البحوث الاسلامیۃ قاہرہ کی دوسری کانفرنس

مؤتمر رابطۂ اسلامیہ منعقدہ مکہ مکرمہ کے بعد قاہرہ مئی ۱۹۶۵ء میں مجمع البحوث الاسلامیہ کی دوسری مؤتمر منعقد ہوئی، ۱۳ مئی سے ۲۳ مئی تک کانفرنس جاری رہی، حسبِ معمولِ سابق پاکستان سے چار مندوبین کو دعوت دی گئی (۱) راقم الحروف (۲) مولانا مفتی محمود (۳) مولانا غلام غوث ہزاروی (۴) مولانا تاج الاسلام (مشرقی پاکستان) میں مکہ مکرمہ میں تھا دعوت نامہ یہاں سے ہو کر وہاں پہنچا، سفارت خانہ جمہوریہ عربیہ متحدہ مقیم سعودیہ عربیہ نے جدہ سے براہِ راست قاہرہ روانگی کے لئے آمادگی کا اظہار بلکہ اصرار کیا لیکن میرے ساتھ خاندان کا ایک مختصر سا قافلہ تھا اس لئے میں نے براہِ راست قاہرہ کے سفر سے معذرت کی، کراچی ۱ مئی کو مراجعت ہو سکی، ہلکا سا خیال ہوا کہ تین چار دن کی شرکت ہی سہی قاہرہ چلا جاؤں اس لئے کہ خالص علمی مباحث، جدید مسائل پر محققانہ تبادلہ خیال اور علمی مناقشات میرے دلچسپی کے موضوعات تھے، لیکن سفارت خانہ جمہوریہ عربیہ متحدہ مقیم کراچی سے معلوم ہوا کہ پاکستان کی وزارت خارجہ کے کارکنوں نے میری غیر موجودگی کو غنیمت سمجھا اور جمہوریہ عربیہ متحدہ کے سفارت خانے سے سفارش کی کہ ان کے خصوصی نمائندے سے میری جگہ کی خانہ پُری کر دی جائے بہر حال میں قاہرہ کا یہ سفر نہ کر سکا۔

غیرتِ اسلام اور پاکستان

مؤتمر مجمع البحوث الاسلامیہ میں اس سال جو مقالات پڑھے گئے ان میں اسلامی مالیاتی نظام اور بینکاری و بیمہ صرف دو ہی مسئلے زیر بحث تھے اور جو مقالہ پڑھے گئے ان میں تین مقالے سب سے زیادہ اہم تھے :۔

(۱) ایک زکاۃ و صدقات پر شیخ ابو زہرہ کا نہایت محققانہ اور بلسوط علمی مقالہ۔

(۲) دوسرا بینکاری اور اسلام پر ڈاکٹر عبداللہ العربی رکن مجمع البحوث کا نہایت جامع اور مدلل مقالہ۔

(۳) تیسرا مقالہ اسلام کے نظامِ مالیات پر شیخ رفیق القصار کا تھا۔

موخر الذکر مقالے میں بینک کے "تجارتی سود" کے جواز پر زور دیا گیا تھا جس پر پورے ہال میں شور مچ گیا اور ڈاکٹر عبدالحلیم محمود پرنسپل شعبۂ اسلامیات ازہر نے شدید مؤاخذہ اور احتجاج

کیا اور اس مقالہ کو سراسر نصوصِ قطعیہ قرآنیہ اور اجماعِ اُمت کے خلاف قرار دے کر مطالبہ کیا کہ اس مقالہ کو مجمع البحوث کے مقالات بلکہ مؤتمر کی کارروائی اور رُوداد سے نکال دیا جائے اور مقالہ نگار کو اس خیال اور عقیدہ سے توبہ کا اعلان کرنا چاہیئے۔"

غنیمت ہے کہ اس دورِ الحاد و زندقہ میں اور ایک ایسی سرزمین اور ملک میں جس کو حریتِ رائے "کے لئے ضرب المثل سمجھا جاتا ہے اتنی حرارت ایمانی اور ایسی غیرت دینی کا مظاہرہ! عبرت کا مقام ہے کہ ہمارے اس "اسلامی ملک" اور پاک سرزمین" میں جس کے بسنے والوں کے قلوب میں مذہبی حمیت، دینی تصلب اور شعائرِ اسلامی کا احترام و تعظیم تمام ممالکِ اسلامیہ اور بلادِ عربیہ سے زیادہ موجزن ہے اور ایسی" اسلامی مملکت" میں جو دنیا کی سب سے بڑی اسلامی مملکت ہے اور اس کے ایسے نیم سرکاری "ادارہ" کی طرف سے جس پر حکومت کا لاکھوں روپیہ خرچ ہو رہا ہے، تجارتی سود کے جواز پر اردو عربی اور انگریزی زبانوں میں مستقل مقالے شائع ہوں اور نصوصِ قطعیہ قرآنیہ (قرآن کی قطعی اور صریح آیات) میں تأویلیں اور تحریفیں کی جائیں اور اعلانیہ کہا جائے کہ:-

"قرآن کی صرف علل و غایات ابدی اور قطعی ہیں، نصوصِ قرآن (قرآن کے صریح الفاظ) میں بدلے ہوئے حالات و ظروف کے تحت تصرف کیا جا سکتا ہے اور ہمارے تمام اربابِ دین، اربابِ فکر و نظر، اربابِ قلم، اربابِ مدارس عربیہ و مراکزِ دینیہ اور مدعیٔ اسلام حکمران غرض راعی سے لے کر رعایا تک سب ہی خاموش ہیں، فانا للہ وانا الیہ راجعون: ع

بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است

اگر ہماری غفلت و بے خبری، بے اعتنائی و بے توجہی کا یہی عالم رہا تو نہ معلوم یہ سیلاب کہاں جا کر رکے گا؟

بینات کے صفحات میں بار بار ہر طبقۂ فکر کو توجہ دلائی گئی اور حسبِ مقدور بہت کچھ لکھا بھی: ع

ولکن لاحیاۃ لمن تنادی

کچھ محسوس ایسا ہوتا ہے کہ اربابِ اقتدار علماءِ دین کی بے حسی، بے خبری اور بے دست و پائی سے اور عام تعلیم یافتہ طبقہ کی ٹھوس دینی معلومات سے بے بصیرتی اور ناواقفیت سے ناجائز فائدہ

اٹھا کر بالارادہ اس ملک میں یہ کام منظم طریقہ پر کر رہے ہیں جس کے نتیجہ میں یہ دردناک وقت آگیا ہے کہ پاکستان بھی ان اسلامی ملکوں کی صف میں شامل ہو گیا جہاں مذہبی غیرت اور دینی حمیت کا کوئی مظاہرہ نہیں ہوتا یا نہیں ہو سکتا۔

گذشتہ اسمبلی کے اجلاس میں باتفاق آراء پاکستان کے دستور کی بنیاد کتاب و سنت پر رکھی گئی ہے، ظاہر ہے کہ جدید تمدن اور یورپین تہذیب نے جس کی بنیاد ہی بے لگام نفس پرستی اور فحاشی پر رکھی گئی ہے، ملک میں سرمایہ کاری، سودخوری، قماربازی، شراب نوشی، زناکاری وغیرہ اخلاقی اور معاشرتی بدکاریوں کے جو جراثیم قوم کے اعلیٰ اور متوسط طبقہ میں پیدا کر دیئے ہیں اور شب و روز ان کے مظاہرے اعلیٰ سوسائٹیوں، ہوٹلوں، رقص گاہوں اور بنگلوں کوٹھیوں میں ہو رہے ہیں، اسلامی شریعت اور کتاب و سنت کی تعلیمات نہ صرف ان کو بلکہ ان کے تصور کو بھی ایک لمحہ کے لئے برداشت نہیں کر سکتیں، اب دو ہی صورتیں رہ جاتی ہیں:۔

(۱) ایک یہ کہ دوبارہ اسمبلی دستور میں ترمیم کر دے اور کتاب و سنت کی پابندی کا جوا اپنی گردنوں سے اتار پھینکیں۔

(۲) دوسری صورت یہ ہے کہ کتاب و سنت اور تعلیماتِ شریعت میں اتنی "توسیع" پیدا کر دی جائے کہ جدید تہذیب و تمدن کے پیدا کردہ تمام مسائل حسبِ خواہش اس میں سما سکیں۔

ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی اور اس کے سنہرے کارنامے

رائے عامہ کے دباؤ اور عالمی رسوائی کے خوف کی وجہ سے پہلی صورت اختیار کرنے کی جرأت نہیں ہے اس لئے دوسری صورت ہی اختیار کی جا رہی ہے اور ہمارے مرکزی ادارہ تحقیقاتِ اسلامی کراچی نے تو ایسا معلوم ہوتا ہے اس "کارِ خیر" کا بیڑہ اٹھایا ہوا ہے چنانچہ اس ادارہ کے ڈائرکٹر ڈاکٹر فضل الرحمن

---

[1] عصرِ حاضر کے تجدد پرست مجتہدین کے طبقہ کی مراد بدلے ہوئے حالات و ظروف سے یہی جدید تمدن کی پیداوار کجراہی اور بے راہ روی ہے جس کے تحت وہ سودخوری قماربازی کو جائز قرار دیتے ہیں اور امتناعِ شراب نوشی کی مخالفت کرتے ہیں۔

صاحب اور ان کے تمام کے تمام "قلمی رفقاء" بڑی جانفشانی اور تن دہی سے یہ "خدمت" انجام دینے میں ہمہ تن مصروف ہیں اور ماہنامہ "فکر و نظر" (اردو) اسلامک اسٹڈیز (انگریزی) اور الدراسات الاسلامیہ (عربی) سندھان (بنگالی) کے صفحات ان نام نہاد "اسلامی تحقیقات" (صحیح تحریفات) کے لئے وقف ہیں تاکہ اس شیریں اور دل آویز "زہر" کو ہر زبان کا پڑھنے والا زہر مار کرے۔

اول کتاب اللہ کے بارے میں صاف صاف اعلان ہوا کہ "قرآنِ حکیم کے ابدی ہونے کے معنی یہ ہیں کہ جن علل و غایات پر احکامِ الٰہیہ کا مدار ہے وہ علل و غایات ابدی ہیں، بدلے ہوئے حالات و ظروف کے تحت قرآن کی نصوص (صریح آیات) میں انہی علل و غایات کے تحت تصرف، تغیر و تبدل اور اخذ ترک کیا جا سکتا ہے۔" پھر ان علل و غایات کے سمجھنے، جاننے اور متعین کرنے والے کون ہیں؟ مجتہد عصر ڈاکٹر فضل الرحمٰن اور ان کے "تجدد پرست" "قلمی رفقاء" جو "سائنٹیفک ریسرچ" کی تربیت حاصل کر رہے ہیں، اور "مجتہدِ عصر" بننے کے امیدوار ہیں اور وہ قرآن کی "ابدی علل و غایات" وہ ہیں جو ادارہ تحقیقاتِ اسلامی کے ترجمان مذکورہ بالا ماہنامے اور سہ ماہی رسائل پیش کر رہے ہیں جس کا لُبِّ لباب یہ ہے :-

(۱) زکاۃ اسلامی حکومت کا ٹیکس ہے اور اس کی علت دفعِ فقر اور رفعِ مسکنت ہے اس لئے اسلامی حکومت شریعت کی مجمع علیہ اور متواتر شرحِ زکاۃ اور اموالِ زکوٰۃ میں موجود زمانے کے بدلے ہوئے حالات کے تحت جتنی چاہے شرحِ زکوٰۃ مقرر کر سکتی ہے اور جہاں مناسب سمجھے صرف کر سکتی ہے۔

(۲) قرآنِ حکیم کا منصوص نصابِ شہادت "دو ثقہ مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں، اس زمانہ کی پسماندہ اور غیر تعلیم یافتہ عورتوں کے پیش نظر تھا، اس زمانہ کی تعلیم یافتہ بیدار مغز اور مضبوط دل و دماغ کی ایک عورت بھی ایک مرد کے برابر ہے اور ایک مرد اور ایک تعلیم یافتہ عورت سے نصابِ شہادت پورا ہو جاتا ہے اور ان کے علاوہ اور "آزاد اجتہادات" جن کے بینات کے صفحات میں مختصر مگر شافی جوابات دیئے جا چکے ہیں مگر افسوس یہ ہے کہ عموماً قارئین "فکر و نظر" تک یہ جوابات نہیں پہنچ پاتے۔

ادارہ تحقیقاتِ اسلامی کے سربراہ ڈاکٹر فضل الرحمٰن صاحب نے اپنے اور اپنی زیر تربیت مجتہدین کے "اجتہادات" کو کتاب و سنت کے تحت لانے کی غرض سے "سنت" کے تیرہ سو سالہ معروف و مجمع علیہ معنی میں اپنے سفید فام معلم اور مشہور و معروف یہودی مستشرق ڈاکٹر جوزف شاخت کی رہنمائی سے

عجیب و غریب توسیع (نہیں تحریف) کی ہے اور ان اجتہادات کے لئے داغ بیل ڈالنے کی غرض سے ایک نہایت طویل و عریض مقالہ سنت، اجماع اور اجتہاد پر لکھا ہے اور اسی مقالہ سے ماہنامہ "فکر و نظر" کی بسم اللہ یعنی افتتاح کیا ہے اور اس مقالہ میں قرنِ اول و دوم کے مجتہدین کی تصانیف کے اقتباسات کے ذریعہ یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے اور پورا زورِ قلم اس پر صرف کیا ہے کہ "سنت" درحقیقت ایک تعاملی اصطلاح" ہے جس کی تشکیل "آزاد شخصی رائے" سے ہوتی ہے اور "عوام الناس" یا "رائے عامہ" کے قبول کر لینے کے بعد وہ ہی "سنت" بن جاتی ہے اور "رائے عامہ" کے اس قبول کر لینے کا نام ہی "اجماع" ہے جس کو وہ "آزاد اجماع" کے نام سے یاد کرتے ہیں اور ان کی تحقیق کے مطابق :۔

(۱) ملت مجموعی طور سے اپنے آپ کو سنتِ نبوی کے مشمولات کی تخلیق کے ضروری استحقاق کی متحمل سمجھتی ہے۔

(۲) ملت الفاظ پر زور نہیں دیتی بلکہ اس روح کو سمجھنے کی کوشش کرتی ہے جس کے تحت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان شدہ تاریخی کوائف میں "وحی الٰہی" کا مفہوم متعین کرنے اور اس کی تفسیر کرنے کے لئے کوئی اقدام فرمایا، اور اس "تعاملی اصطلاح" کو جاری و ساری رکھنے کی غرض سے ڈاکٹر صاحب موصوف اس کا نام "سنتِ جاریہ" یا "زندہ سنت" رکھتے ہیں، کتنا حسین اور دلکش نام ہے اور امتِ مسلمہ کی مجمع علیہ اور متواتر "سنت" پر کتنی سخت چوٹ ہے اور اپنے "مفروضات" کو ثابت کرنے کے لئے قرنِ اول اور دوم کے کبارِ مجتہدین کی تصانیف سے اقتباسات پیش کئے ہیں۔[۱]

منصب نبوت حالانکہ یہ قطعاً ظاہر اور ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ رسول اور نبی کی دینی حیثیت اور منصب ہی یہ ہے کہ اس کو سرتاپا معصوم اور امت کے لئے سراپا اسوہ اور قدوہ بنایا جاتا ہے، اس کی اطاعت جزوِ ایمان ہوتی ہے، ارشاد ہے :۔

((وما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن اللہ)) ہم نے ہر رسول و پیغمبر کو اپنے حکم سے واجب الاطاعت بناکر بھیجا ہے۔

تمام انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام نوح، ہود، صالح، لوط، شعیب، موسیٰ و عیسیٰ سب ہی یک زبان ہو کر یہی دعوت دیتے ہیں :۔

---

[۱] مذکورہ بالا اقتباسات کے لئے ملاحظہ فرمایئے، ماہنامہ فکر و نظر بابت ماہ جولائی و اگست ۶۳ء شمارہ نمبر (۱) جلد (۱) مقالہ تصورِ سنت ۱۲۔

((فاتقوا اللہ و اُطیعون)). پس تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔

الغرض رسول و نبی کی "سنت" کا واجب الاتباع ہونا تو ہر دینِ سماوی کا متفقہ اساسی عقیدہ ہے۔ اسلامی تعلیمات اور شریعتِ محمدیہ مطہرہ کی تشریعی اصطلاحات کے وجود میں آنے کے بعد کتاب و سنت قرآن و حدیث کے الفاظ اپنے مخصوص شرعی اور اصطلاحی معنوں میں استعمال ہونے لگے یعنی جہاں شریعت یا علومِ شرعیہ میں کتاب کا ذکر آئے گا تو اس سے مراد کتاب اللہ اور قرآن ہی ہوگا جو حضرت خاتم انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم پر آخری وحیِ الٰہی "کی صورت میں نازل ہوا اور ایسا کون جاہل ہو سکتا ہے جو یہ کہے کہ اس کتاب سے کوئی بھی لکھی ہوئی کتاب مراد ہے بالکل اسی طرح علوم و تعلیماتِ شرعیہ یا تشریعِ اسلامی کے ذیل میں جہاں بھی مطلق (یعنی صرف) "سنت" کا ذکر آئے گا اس سے مراد صرف "سنتِ رسول اللہ" ہی ہوگی۔

الحاد و زندقہ | بہرحال شرعی اصطلاح مقرر ہو جانے کے بعد ان الفاظ کے معانی شرعیہ چھوڑ کر لغوی معنی اختیار کرنا یہی الحاد ہے یہی تحریف فی الدین کون نہیں جانتا کہ ایمان، اسلام، صلوٰۃ، زکاۃ، صوم، حج یہ سب عربی زبان کے کلمات تھے جو نزول قرآن کریم سے پہلے عرب میں مستعمل تھے اور لغتِ عرب کے مطابق اپنے لغوی معانی میں مستعمل تھے، اسلام کے دنیا میں آنے کے بعد ان کلمات کے خاص خاص شرعی معانی متعین کئے گئے اور ان میں ان کلمات کو استعمال کیا گیا، شرعی اور لغوی معنی میں مناسبت کے ہوتے ہوئے بھی ان شرعی معانی میں بالکل جدید حیثیات و خصوصیات پیدا ہو گئیں، اب ان شرعی معانی مقصودہ کو چھوڑ کر لغوی معنی مراد لینا اور ان میں استعمال کرنا اور ان شرعی اصطلاحات کو لغت کے تابع کر کے ساری شرعی حیثیات و خصوصیات کو ختم کر دینا یہی الحاد فی الدین اور ((ان الذین یلحدون فی آیاتنا)) کا مصداق ہے جس کو امتِ محمدیہ کے تمام محققین نے سلفاً عن خلفٍ (اول سے آخر تک) متفقہ طور پر الحاد و زندقہ قرار دیا ہے، اسی موضوع پر حجۃ الاسلام امام غزالی (متوفی ۵۰۵ھ) رحمۃ اللہ علیہ نے "فیصل التفرقہ بین الاسلام والزندقہ" اور "قانون التاویل" وغیرہ مستقل کتابیں تصنیف فرمائی ہیں، اسی سلسلہ میں آخری اور جامع ترین تصنیف حضرت امام العصر مولانا محمد انور شاہ نور اللہ مرقدہٗ کی تصنیف "اکفار الملحدین فی ضروریات الدین" ہے جس کا اردو ترجمہ عنقریب مجلسِ علمی کراچی کی طرف سے شائع ہونے والا ہے۔

بہر حال یہ کہنا کہ سنت ایک تعاملی اصطلاح ہے اور اس کی تخلیق و تشکیل آزاد تخصی رائے سے ہوتی ہے اور رائے عامہ اس کی توثیق کرتی ہے، مصطلحاتِ شرعیہ کے ساتھ یقیناً تلاعب ہے یہی ملحدانہ طریقہ ڈاکٹر صاحب کے ایک پیش رو حریف " اور اُن کے اَتباع نے اختیار کر رکھا ہے اور رات دن اسی کی نشر و اشاعت میں لگے ہوئے ہیں حالانکہ پاکستان کے مسلمان ان کے متعلق اپنے فیصلہ کا اعلان کر چکے ہیں، ڈاکٹر صاحب موصوف کو اس سے سبق لینا چاہیئے اور اس طریق کار کو چھوڑ دینا چاہیئے، اس سے پہلے کہ پاکستان اور دنیا کے مسلمان ان کے متعلق کوئی فیصلہ کریں۔

یہ تو ایک جملہ معترضہ ہے جو الدین النصیحۃ کے جذبہ سے بیچ میں آگیا اب اصل موضوع کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

زیرِ نظر الفاظ و کلمات کے مصطلحاتِ شرعیہ قرار پا جائے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اب کوئی شخص ان کلمات کو لغوی معنی میں کہیں بھی استعمال نہیں کر سکتا خود قرآن حکیم میں ((وأقیموا الصلاۃ)) میں لفظ صلاۃ کو عبادتِ مخصوصہ کے معنی میں استعمال کرنے کے باوجود آیۂ کریمہ ((وما کان صلاتھم عند البیت إلا مُکاءً وَّتصدیۃ)) میں اسی لفظ صلاۃ کو غیر شرعی یعنی لغوی معنی میں استعمال فرمایا ہے۔ لہٰذا اگر کہیں امام مالکؒ یا امام اوزاعی یا کسی اور بزرگ نے ھو السنۃ عند نا ھٰذا السنۃ بلد نا" یا سنۃ المسلمین وغیرہ کے الفاظ اپنے شہر کے یا اپنے ملک کے یا عہدِ تابعین کے مسلمانوں کے تعامل کے لئے جو فی الجملہ سنتِ نبویہ کی روشنی ہی میں قائم ہوتا تھا استعمال کر لیئے تو اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ ان کے نزدیک کتاب و سنت کے ساتھ ساتھ جو لفظِ سنت مأخذِ تشریع کے طور پر استعمال ہوتا ہے اس سے بھی یہی "عامۃ الناس" کا تعامل مراد ہے اور یہی "سنت" کی حقیقت ہے جیسا کہ ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں کہ "درحقیقت سنت ایک تعاملی اصلاح ہے اور اس کا نام سنتِ جاریہ یا زندہ سنت رکھ کر یہ تاثر پیدا کرنا کہ ہر زمانہ میں امت نے سنتِ نبوی میں تخلیق و بار تخلیق کا عمل جاری رکھا ہے، لہٰذا ہم بھی اس استحقاق کے مالک ہیں اور ہمیں بھی تخلیقِ سنت کا حق ہے۔" بتلایئے کتنا بڑا ظلم اور کتنا زبردست دھوکہ اور فریب ہے۔

کیا اچھا ہوتا کہ اس نفاق کو ختم کر کے جرأت کے ساتھ یہ اعلان کر دیا جاتا کہ :-

عہدِ حاضر میں ہم ایک دوسری ہی زندگی کے اس طرح عادی ہو چلے ہیں اور جدید تمدن سے ہم اس طرح وابستہ ہو چکے ہیں اور اس سلسلہ میں ہم اتنے آگے بڑھ چکے ہیں کہ اب اس کو چھوڑ کر چودہ سو سال پیچھے لوٹنا ہمارے لئے بیحد مشکل بلکہ محال ہے ہم مجبور و معذور ہیں اس زندگی کو نہیں چھوڑ سکتے اللہ تعالیٰ ہمیں معاف فرمائیں۔

یہ بہت بہتر ہوتا بہ نسبت اس کے کہ یہ کہا جائے کہ :۔

موجودہ دور کی تمام ترقیات اور تمدنِ جدید کے تمام اخلاقی معاشرتی اور اقتصادی مسائل کتاب و سنت کی روح کے عین مطابق و موافق ہے۔

مگر ہو یہ ہی رہا ہے کہ کتاب و سنت کے نام پر اسی تلبیس و تحریف میں پورا زورِ قلم اور تمام تر توانائی فکر و نظر صرف کی جا رہی ہے، یہ تلبیس نہ اللہ تعالےٰ کے ہاں قابلِ عفو و درگذر ہو سکتی ہے نہ ہی امتِ مسلمہ کا دیندار و ایماندار طبقہ اس ابلہ فریبی کو وقعت کی نظر سے دیکھ سکتا ہے البتہ اعداءِ اسلام یہودی و مسیحی مستشرقین اور ان کے پروردہ مسلمان متغربین ضرور خوش ہو سکتے ہیں کہ ایک مسلمان کا زور قلم ہی اسلام کی بیخ کنی کر رہا ہے۔ " از ماست کہ بر ماست "

سنتِ جاریہ کے پردہ میں چھپے ہوئے دجل و فریب اور کذب و افتراء کو بے نقاب کرنے کے لئے بینات کے اس شمارہ میں " سنتِ جاریہ اور ائمۂ مجتہدین رحمہم اللہ " کے عنوان سے ایک مبسوط تنقیدی مقالہ کی پہلی قسط شائع ہو رہی ہے اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے مسلمانوں کو حسنِ نیت، فہم صحیح اور حسن عمل کی توفیق عطا فرمائیں۔

<u>یاس و نا اُمیدی کی تاریک گھٹاؤں میں امید و آس کی ایک کرن</u> :۔

انتہائی مسرت کا مقام ہے کہ پاکستان ہی کے ایک صالح نوجوان شیخ احمد ارشاد ایم اے نے، جو سالہا سال تک ملک کے اندر و باہر رہ کر بینکاری کی مکمل قابلیت و تجربہ حاصل کرنے کے بعد، بینکاری نظام اور سودی کاروبار کی تباہ کاریوں اور اسلامی نظامِ مالیات کی رفاہیت آفرینی پر پہلی مرتبہ قابل قدر کتاب " بلا سود بینکاری " کے نام سے تصنیف کی اور گزشتہ سال اس کا انگریزی ایڈیشن اور اس سال اس کا اردو ایڈیشن شائع کیا ہے اور عملاً بھی دی کوآپریٹو انویسمنٹ اینڈ فنانس کارپوریشن

لمیٹڈ کی بنیاد رکھی ہے¹ تاکہ جلد سے جلد اس اسلامی نظام کے تجربات بھی سامنے آجائیں، موصوف ہر طرح تہنیت و تبریک اور حوصلہ افزائی کے مستحق اور پاکستان کے لئے لائقِ فخر ہیں کہ انہوں نے تمام اسلامی ملکوں سے پہلے پاکستان میں اسلامی نظام کی عظمت کے لئے بروقت یہ عملی قدم اٹھایا اور اس سنتِ حسنہ کی بنیاد رکھی، اب ضرورت ہے کہ پاکستان کا مسلمان کاروباری طبقہ دل کھول کر اس کی معاونت اور حوصلہ افزائی کی طرف ہاتھ بڑھائے کہ یقیناً یہ معاونت تعاونوا علی البر والتقوی کا مصداق ہے اور آج جو بینکوں میں بلاسود کروڑوں روپیہ ڈپازٹ کی مد میں پڑا ہوا ہے اس میں سے معتدبہ حصہ نکال کر اس کارپوریشن میں لگادیں اور سعادت دارین حاصل کریں۔

انہی دنوں قاہرہ کے مشہور فاضل الاستاذ محمد عبداللہ العربی نے بھی بینکاری کے موجودہ نظام اور اسلامی نظامِ مالیات پر عربی میں ایک محققانہ کتاب شائع کی ہے² جس کا نام "المعاملات المصرفية الحاضرة ورأي الاسلام فيها" ہے، نیز اسی موضوع پر عربی میں ایک بصیرت افروز مقالہ "مؤتمر مجمع البحوث الإسلامية قاهرہ" میں پیش کیا ہے جس میں "ارتکازِ دولت" کی قباحتیں اور اس کے بالمقابل اسلامی نظامِ مالیات کے محاسن پر سیر حاصل بحث کی ہے۔

بہرحال عہدِ حاضر کی یہ کوششیں یقیناً یاس انگیز گھٹاؤں میں مسرت و کامرانی کی ایک چمک اور متوقع لطیفۂ غیبی کا پیش خیمہ ضرور ہیں، اللہ تعالیٰ ان مخلصین و مصلحین کی ان مساعی کو کامیاب اور مثمر فرمادیں اور نہ صرف امتِ محمدیہ بلکہ نوعِ انسانی ان برکات سے مالامال ہو اور سرمایہ داری و سُود خواری کی لعنت سے نجات پائے اور مسلمان دنیا و آخرت میں سرخرو ہوں۔ واللہ الموفق

صفر ۱۳۸۵ھ ، جولائی ۱۹۶۵ء

---

¹ راقم الحروف نے بھی سفیرِ عراق صاحب السعادۃ الاستاذ عبدالقادر گیلانی کی معیت میں اس کارپوریشن کی تقریب افتتاح میں شرکت کی ہے۔ ² ادارہ بینات اس کتاب کا عنقریب ترجمہ شائع کر رہا ہے، امید ہے کہ ارشاد صاحب کو اس کتاب کے مطالعہ سے بہت کچھ امداد ملے گی خصوصاً اسلامی دقیق معلومات کے سلسلہ میں۔

مؤتمرِ قاہرہ کے مشاہدات و تأثرات

گذشتہ سطروں میں ناظرین کے سامنے تصویر کا ایک رخ سامنے آگیا ہوگا۔ اس کا اصلی مقصد یہ ہے کہ ہمارے اربابِ اقتدار بھی صحیح مقاصد کے پیشِ نظر عالمِ اسلامی کو متاثر کرنے کے لئے گاہے گاہے ایسا اقدام کیا کریں، اور جو عربی دنیا پاکستان یا باقی اسلامی دنیا سے تقریباً کٹی ہوئی نظر آتی ہے اس کو جوڑنے کی ان تھک کوشش کرنی چاہیئے، صحیح حالات پیش کرنے سے میرا مقصد یہی ہے کہ جو مفید اور کام کی بات ہو اس سے فائدہ اٹھایا جائے کیونکہ صحیح مقاصد کے حصول کے لئے تنافس اور تسابق توعینِ اسلام ہے۔ الحمدللہ جو کچھ خامہ فرسائی کی گئی ہے وہ اشخاص کی تعریفوں سے اور ذاتی اغراض سے بالاتر سطح پر رہ کر کی گئی ہے، جب مقصد عبرت و سبق حاصل کرنا ہو تو کسی قوم یا فرد یا ملک کے محاسن کے ذکر سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے نہ کہ برائیوں کے اظہار سے لیکن واقعاتی سطح پر "خوگرِ مدح کو تھوڑا سا گلا" بھی احتیاط و اعتدال کے ساتھ کرنا پڑے تو چنداں مضائقہ نہ ہوگا بلکہ تاریخ کا حق اسی طرح ادا ہو سکے گا اور ایک مؤرخ کا قلم اپنے منصبی فرض سے صحیح معنیٰ میں سبکدوش ہو سکے گا۔ لہٰذا مؤتمر اور جدید ازہر اور جمال ناصر کے متعلق چند تاثرات جو دوسرے رُخ کی ترجمانی کریں گے اس لئے پیش کئے جاتے ہیں کہ ہم ان سے بچنے کی تدبیر سوچیں اور وہ حضرات اس کی اصلاح کی تدابیر پر غور کریں۔

علمائے ازہر کے بارے میں رائے

ہندوستان و پاکستان کے اکابر علماء میں جو خصوصیت ہے محسوس ہوا کہ عربی ممالک کے اہلِ علم سے وہ خصوصیت مدت ہوئی کہ رخصت ہو چکی ہے۔ دینی تصلب و پختگی، شعائرِ اسلام کی بقا کی کوشش، بلا خوفِ لومِ لائم حق کے اظہار میں جرأت اور قوت ایمانی کا ثبوت، کسی غیر صحیح مقصد کے لئے حکومتِ وقت کا آلۂ کار نہ بننا اور اس مسلک میں جو عواقب و نتائج پیش آئیں خندہ پیشانی سے لبیک کہنا، میں سمجھتا ہوں کہ یہ جوہر ممالکِ عربیہ میں ختم ہو چکا ہے۔ تاریخی روشنی میں مجھے نظر آتا ہے کہ چند افراد کو مستثنیٰ کرنے کے بعد دسویں گیارھویں صدی ہجری سے وہ صفات جو عرب ممالک کے خصائص تھے غیر منقسم ہندوستان کی طرف منتقل ہو گئے، امامِ ربانی مجدد الفِ

ثانی شیخ احمد سرہندی، شیخ عبدالحق محدث دہلوی، حضرت شاہ ولی اللہ صاحب اور شاہ عبدالعزیز دہلوی، حضرت سید احمد بریلوی، حضرت اسمٰعیل شہید، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہم اللہ جمیعاً کی نظیر اپنے اپنے دور میں مشکل ہی سے کہیں اور ملے گی۔

جو حضرات ازہر کے نمائندہ علماء تھے اور جو سوڈان، لبنان، عمان، قدس، غزہ، تونس وغیرہ سے آئے تھے۔ ان حضرات میں وہ بات محسوس نہ ہو سکی جس کی ان سے توقع تھی۔ البتہ موریتانیا اور مراکش وفاس کے علماء کو زیادہ پختہ پایا۔ یہ حضرات جدید رَو میں بہنے کے لئے تیار نہ تھے۔ میرا احساس یہ ہے کہ حکومتِ مصر کے پیش نظر جو کام ہیں علماءِ ازہر چاہتے تھے کہ کسی نہ کسی طرح ان مقاصد کا فقہِ اسلامی کی روشنی میں حل نکالنا ضروری ہے اور اس کی دو وجوہ نظر آتی ہیں: (۱) ان کو یہ خطرہ لاحق ہے کہ اگر ان مسائل کو اس طرح حل نہ کیا گیا اور حکومت کے منشأ کی تکمیل نہ ہو سکی تو اس کے خطرناک عواقب برداشت نہ کر سکیں گے (۲) یا یہ خیال ہے کہ عصرِ حاضر میں اتنا جمود بے معنی ہے اور توسع وآزادی ضروری ہے۔ اگر اساسی اصول، قرآن وسنت کو مان لیا جائے تو پھر رخصت وتیسیر پر عمل کرنا یا کسی ضعیف قول کو اختیار کرنا عین مصلحت وثواب ہے بلکہ اس وقت یہی صواب ہے۔ بہر حال وجہ جو کچھ بھی ہو ایک قسم کی مداہنت عام علماء میں زیادہ محسوس ہوئی۔ کلمةُ حَقٍّ عِندَ سُلطَانٍ جابِرٍ (ظالم حکمران کے سامنے کلمۂ حق) کی جرأت ان میں نہیں ہے۔ بہت ممکن ہے کہ جو استبدادی پنجہ ان کے سامنے ہے اس کے خوف سے یہ صورت پیدا ہو چکی ہو اس لئے مؤتمر کے ان مقالات میں جو مستقل اعضاء وارکان نے تحریر کئے تھے ان میں یہ طبعی ضعف نمایاں تھا۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ اس میں کوئی مقصد پنہاں ہے جس کی تکمیل کی کوشش کی جا رہی ہے اور وہ بھی نہایت عالمانہ بلکہ محققانہ انداز سے کہ اس کی گرفت بھی آسان نہ ہو البتہ چونکہ سب مقالات پختہ اہلِ علم کے قلم سے تھے اس لئے ایسے نہ تھے جیسے پرویزی قسم کے سوقیانہ یا ادارہ ثقافت کے دین فروشانہ یا اسلامک ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کے عام مقالات ہوتے ہیں جن میں ضروریاتِ دین کے قطعی حقائق کو مجروح کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ کہنا صرف یہ ہے کہ مؤتمر کے علماء کے مقالات میں ہمارے ملک کے مسلمہ اکابر کی تحقیقات کی جو نوعیت ہوتی تھی وہ روح جلوہ گر نظر نہیں آتی۔

جدید ازہر کے خدوخال

مؤتمر کے دوران مندوبین کے سامنے جو علمی ودینی کارنامے سامنے آئے ہیں ان میں سب سے زیادہ اہم الازہر یونیورسٹی کا تجدیدی نظام یا الازہر کی نشأت ثانیہ ہے جس کی عظیم الشان عمارات کی بنیاد قاہرہ ومصر کے جدید شہر" مدینۃ النصر" میں رکھی گئی ہے۔ مدینۃ النصر کے جس علاقہ میں اس جدید یونیورسٹی کے لئے کئی مربع میل کا احاطہ تھا اس میں جس جگہ بنیاد رکھی جانے والی تھی۔ ایک عظیم الشان حسین وجمیل پنڈال بنایا گیا تھا جس میں اسکندریہ سے قاہرہ تک الازہر کی مختلف شاخوں سے آکر بیٹھنے والے طلباء وعلماء ہی بیس ہزار تھے۔ اسٹیج پر صرف مندوبین اور المؤتمر کے وفود اور جمال عبدالناصر اور ان کے نائبین کے لئے کرسیاں تھیں جن پر نام لکھے تھے۔ میں نے اپنی زندگی میں اتنا خوبصورت اور عظیم الشان پنڈال نہایت خوبصورت قیمتی قالینوں سے فرش شدہ کبھی نہیں دیکھا تھا۔ یہ جس خوبصورتی سے سجایا گیا تھا قابلِ دید تھا۔ اتفاق سے جمال عبدالناصر اس روز ملک حسین والیٔ اردن کے وداعی امور میں مشغول تھے۔ اس لئے نہ آسکے اور حسین محمود شافعی نے ان کی نیابت کی خلیل عصری کی قرأت سے احتفال کی کارروائی شروع ہوئی۔ پھر تقریریں ہوئیں اور اس کے بعد سنگِ بنیاد رکھا گیا جس میں وفود کی طرف سے شیخ ابراہیم بناس نے وکالت کی۔ اس موقع پر ایک بڑا تمغہ سب مندوبین کو دیا گیا جس پر کوفی خط میں "تذکار وضع حجر الأساس للأزهر الجديد" کی عبارت کندہ تھی، یہ تمغہ ایک مخملی ڈبے میں رکھا ہوا تھا۔

اس مؤتمر کے مصارف کے لئے ابتدائی طور پر حکومت نے دس ملین پونڈ یعنی دس کروڑ روپیہ کی منظوری دے دی تھی۔ جدید یونیورسٹی میں جو جو کالج اور شعبے قاہرہ واسکندریہ یونیورسٹی میں ہیں وہ سب کے سب مزید ترقی یافتہ صورت میں موجود ہوں گے اور یورپ کی چند زبانوں میں سے فرانسیسی، انگریزی، جرمنی، ایطالوی کوئی نہ کوئی زبان سیکھنا ازہری عالم کے لئے ضروری ہوگا۔ جہاں تک علوم دینیہ کی مہارت کے ساتھ یورپ کی کسی زبان سیکھنے کا تعلق ہے، اس کی افادیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا ہے۔ آج کل تبلیغ، تالیف وتحقیق کے لئے ان زبانوں میں سے کسی ایک کا حاصل کرنا بہت ضروری ہو گیا ہے۔ اگر متقی علماءِ دین اس طرف توجہ کریں تو اسلام کی تبلیغ وتحقیق کا نقشہ ہی

بدل جائے لیکن جہاں تک علوم دینیہ میں مہارت کا تعلق ہے یعنی تفسیر و حدیث، فقہ و اصولِ فقہ، فلسفہ و کلام میں اعلیٰ ترین قابلیت کا تعلق ہے اس جدید نظام میں یہ پہلو بہت کمزور ہے۔ الازہر کی جو خصوصیت چلی آرہی تھی کہ علومِ اسلامیہ و دینیہ کے ماہرین یہاں پیدا کئے جائیں وہ خصوصیت اب ختم ہو جائے گی، یوں تو تقریباً ایک سو سال سے یہ ضعف دن بدن بڑھتا ہی جا رہا تھا لیکن ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اب اس امتیاز کا خاتمہ ہی ہو جائے گا، آخر ان جدید علوم کے لئے کیا ضرورت تھی کہ الازہر بھی اس خدمت کو انجام دیتا۔ مصر میں یونیورسٹیاں اور وزارتِ معارف و تعلیمات کے ادارے اس خدمت کو انجام دے رہے تھے۔ قرآن و سنت کے محققین و ماہرین پیدا کرنے کی جو ضرورت ہے وہ اس صورت سے پوری نہ ہو سکے گی بلکہ اگر یہ ہوتا کہ علومِ دینیہ میں تو انتہائی مہارت پیشِ نظر رہتی اور علومِ جدیدہ میں کسی قدر واقفیت اور یورپ کی کوئی زبان ضروری قرار دی جاتی تو بہتر ہوتا لیکن جو صورت اختیار کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ علومِ دینیہ سے تو بقدرِ ضرورت واقفیت رہے اور جدید علوم میں مہارت خصوصی حاصل ہو۔ ظاہر ہے کہ یہ صورتِ حال امید افزا نہیں ہے۔ اس کی وجہ سے الازہر کو جو تاریخی خصوصیت حاصل تھی وہ بالآخر ختم ہو جائے گی۔ میرے خیال میں اگر کوئی قوی العزم باوقار محقق عالم اور دینی مفکر حسنِ تدبیر کے ساتھ صحیح طریقہ پر جمال عبدالناصر کو سمجھانے کی کوشش کرتا تو شاید یہ سعی مثمر ہوتی، لیکن محسوس ہوا کہ اس وقت تو کوئی شیخ الازہر ہی نہیں۔ شیخ محمود شلتوت مرحوم کے بعد اب تک اس جلیل القدر عہدے کے لئے کسی کا انتخاب نہیں ہوا ہے۔ سنا ہے کہ الشیخ عبدالرحمٰن تاج اس جلیل القدر منصب کے لئے موزوں شخصیت ہیں، افسوس ہے کہ ان سے ملاقات نہ ہو سکی اور ان اجتماعات و احتفالات میں ان کا یکسر شرکت نہ کرنا یا تو ان کے معتوب ہونے کی وجہ سے تھا یا پھر ان کے اس تجدید سے غیر مطمئن ہونے کی دلیل ہے۔ بہرحال علمائے ازہر جو حکومت کے نظام سے وابستہ ہیں اگر تدبر و حکمت کے ساتھ قدم اٹھائیں تو شاید بہت کچھ اصلاح ہو سکے گی۔

جمال عبدالناصر

جمال عبدالناصر اور ان کے کارنامے یا عمل نامے یہ میرا موضوع سخن نہیں، اس لئے اس روئداد

یں اس کا تذکرہ بے محل ہے لیکن ممکن ہے کہ بعض حضرات گذشتہ صفحات میں جو کچھ لکھا گیا ہے اور مؤتمر کا جس انداز سے جائزہ لیا گیا ہے اُس سے کسی غلط فہمی میں مبتلا ہو جائیں۔ اس لئے چند سطریں وضاحۃً پیش خدمت ہیں :-

اس میں شک نہیں کہ جمال عبدالناصر ایک فوق العادۃ شخصیت کے مالک ہیں، عزم وارادے کا اتنا مضبوط آہنی انسان ہے کہ شاید ہی مسلمانوں میں ازمنۂ متاخرہ میں اس قوت وارادے کی کوئی شخصیت اس درجہ کی گذری ہو، جمال ناصر استعماریت اور یورپ خصوصاً برطانیہ کے شدید ترین مخالف ہیں، ان کی شاید ہی کوئی تقریر استعماریت پر حملہ سے خالی ہوتی ہو، وہ انتھک کام کرنے کے عادی ہیں، بہترین خطیب ہیں، عیاشی سے ان کی زندگی خالی ہے، اخلاقی کمزوریوں پر ان کے دشمن بھی ان کو متہم نہیں کرسکتے، وہ روزانہ اٹھارہ گھنٹے کام کرنے کے عادی ہیں، ان کا دماغ ہمیشہ کوئی نہ کوئی اسکیم سوچتا ہی رہتا ہے، ناصر کی زندگی سادہ ہے، صدر مملکت ہونے سے پہلے جب کرنل تھے تو جس مکان میں رہتے تھے اب بھی اسی میں رہتے ہیں، ان کی اہلیہ گاؤں میں رہتی ہیں اور مہینے میں دو بار خود ناصر اپنے گاؤں جاتے ہیں، ان کے بچے سائیکل پر اسکول جاتے ہیں، جتنا پروپیگنڈہ ان کے خلاف ہوتا رہا ہے مصر کی موجودہ ملکی ترقیات نے سب کو غلط ثابت کر دیا ہے، وہ نہ خروشیف کے حلیف ہیں نہ امریکہ وبرطانیہ کے، البتہ اپنے ملک میں اشتراکیت کو لاکر اشتمالیت سے بچانے کی کوشش کر رہے ہیں اور موجودہ کمیونزم کا جواب سوشلزم سے دینا چاہتے ہیں، اس سوشلزم کے اختیار کرنے کی وجہ سے روس کا قدرے اعتماد حاصل ہوچکا ہے، روس کو دراصل یہ طمع ہوگئی ہے کہ شاید آئندہ کسی وقت یہ ملک کمیونسٹ بن جائے لیکن ناصر ایک سخت دل انسان ہے، اپنے مخالف کو ختم کرنے میں کوئی رحم نہیں کرتا، جب انتقام پر اترتا ہے تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس کے دل میں رحم کا شائبہ بھی نہیں۔

جمال ناصر اپنی رائے میں بہت مستبد ہیں، بہت کم کسی کے مشورے پر عمل کرتے ہیں، گو ان کی رائے ہمیشہ صحیح بھی نہیں ہوتی، ان کی تربیت دینی نہیں ہوئی، نہ مزاج ہی دینی پایا ہے، اس لئے جس طرح دنیوی مسائل کے سمجھنے کی ان میں اہلیت ہے دین کو سمجھنے کی نہیں ہے، اسی لئے جس انداز سے دنیا کی طاقت وشوکت کے طریقوں کو سوچ کر وہ آگے بڑھ رہے ہیں، دین کی حیثیت وہاں

صفر نظر آتی ہے، کاش ناصر کا مزاج دینی ہوتا تو آج مصر کا نقشہ ہی کچھ اور ہوتا، وہ اپنی رائے میں بسا اوقات اتنی جلد بازی کر جاتے ہیں کہ نقصان تک اٹھانا پڑتا ہے، وہ ابتداءً عرب ممالک کے اتحاد میں کوشاں تھے اور عرب سیادت کے خواب دیکھ رہے تھے لیکن اس مقصد میں ناکام ہو کر اب وہ افریقہ کے جدید آزاد شدہ ممالک میں رسوخ حاصل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں اور اسلامی ممالک سے اپنے تعلقات درست کرنے کی خواہش رکھتے ہیں، چنانچہ اسی سلسلہ کی ایک کڑی "مجمع البحوث" کی پہلی موتمر کو سمجھنا چاہیئے۔

نہر سویز کی آزادی، اسوان بند، اسکندریہ کی بندرگاہ، مدیریۃ التحریر، مدینۃ النصر، مدینۃ العمال اور الازہر کی جدید نشأت، دار القرآن کی عظیم الشان عمارت کی تاسیس، المُصْحَفُ المرَتَّل کے ریکارڈ سارے اسلامی دنیا میں بھیجنا اور خود قاہرہ میں مخصوص ریڈیو کے اسٹیشن سے ۲۴ گھنٹہ قرآن کریم، المصحف المرتل، نشر کرنا، افریقہ کے ممالک میں ہزاروں مبلغ و معلم بھیجنا جمال کی زندگی کے روشن کارنامے ہیں۔

اب دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان مسلمان ممالک کے سربراہوں کو اسلام کی شوکتِ بازرفتہ دوبارہ واپس لانے کے لئے متحد کرے، اور مسلمان مملکتوں کے مادی وسائل سے مستفید ہو کر دینِ اسلام کی نشأتِ ثانیہ کا ذریعہ بنائے اور اغیار کی ریشہ دوانیوں سے محفوظ رکھے۔

وصلی اللہ علیٰ خیر خلقہ سیدنا محمد وآلہ وصحبہ اجمعین۔

صفر ۱۳۸۴ھ

مجمع البحوث الاسلامیہ قاہرہ کی پانچویں کانفرنس

قمری سال کے آخری ماہ ذی الحجہ ۱۳۸۹ھ کے اواخر میں قاہرہ میں "مجمع البحوث الاسلامیہ" کی پانچویں کانفرنس منعقد ہوئی اس دفعہ حکومت پاکستان کی وساطت سے راقم الحروف کو کانفرنس میں شمولیت کی دعوت ملی یعنی رسمی رسرکاری، طور پر پاکستانی مندوب کی حیثیت سے جانا پڑا۔

ہوا یہ کہ جنوری ۷۰ء کے آخر میں اسلام آباد سے وزارتِ قانون کے سیکرٹری نے ٹیلیفون کیا کہ قاہرہ میں ایک علمی کانفرنس ہو رہی ہے اور آپ کو پاکستانی نمائندہ کی حیثیت سے جانا ہوگا، میں نے عذر کیا کہ میں فروری ۷۰ء کی ۴ تاریخ کو حجِ بیت اللہ الحرام کا عزم کر چکا ہوں اس لئے میں کانفرنس کی شمولیت سے معذرت خواہ ہوں، سیکرٹری صاحب کی طرف سے اصرار ہوا اور فرمایا کہ حجِ بیت اللہ سے واپس آکر تشریف لے جائیں۔ میں نے کہا یہ بھی مشکل ہے، انہوں نے فرمایا کہ ہم نے تاریخ معلوم کرنے کے لئے ٹیلیگرام دلوایا ہے یہ ہو سکے گا کہ آپ جدہ سے قاہرہ براہ راست چلے جائیں۔

چنانچہ دوبارہ ٹیلیفون آیا اور تاریخ معلوم ہوئی کہ ۲۷ فروری ۱۹۷۰ء ۲۱ ذی الحجہ ۱۳۸۹ھ کو کانفرنس شروع ہوگی اور جب ٹکٹ آجائے گا تو پاکستانی سفارت خانے جدہ بھیج دیا جائے گا، پاکستانی سفیر مقیم جدہ سے رابطہ قائم رکھیں اور ٹکٹ وصول کر کے قاہرہ چلے جائیں، میں نے عرض کیا کہ یہ ممکن ہے، ۲۶ فروری ۷۰ء کو پاکستانی سفیر مقیم جدہ سے ملا، معلوم ہوا کہ ایک خط آیا ہے کہ: بنوری کو قاہرہ جانے پر آمادہ کریں ٹکٹ جب پہنچ جائے گا فوراً بھیج دیں گے اور آپ فوراً ان سے رابطہ قائم کر کے پہنچا دیں، لیکن ۲۶ فروری تک نہ پہنچنے پر مزید تاخیر مشکل تھی اس لئے سفیر صاحب کے مشورے سے طے پایا کہ اس ٹکٹ کے انتظار کئے بغیر قاہرہ پہنچ جانا چاہیئے[1]

حج کا موسم تھا اس زمانہ میں ہوائی جہازوں پر رش ہونے کی وجہ سے عین وقت پر سیٹ کا ملنا بہت دشوار ہوتا ہے لیکن "الوکالۃ الحسینیہ" سے مراسم وتعلقات کی وجہ سے یہ مرحلہ بآسانی طے ہوا اور ۲۷-۲۸ کی درمیانی شب میں قاہرہ پہنچ گیا۔

یہ کانفرنس تمام سابقہ موتمرات سے زیادہ اہم تھی اور نظم ونسق کے اعتبار سے بھی ممتاز تھی، ہر نمائندہ کے لئے مستقل کار تھی اور اس پر مثلاً "وفدِ پاکستان" کی چٹ لگی ہوئی تھی اور مندوب

---

[1] بعد میں معلوم ہوا کہ سفارتخانے کی عمارت سے نکلنے کے بعد ہی ٹکٹ پہنچ گیا تھا لیکن قیام گاہ معلوم نہ ہونے کی وجہ سے وہ نہ پہنچا سکے۔

کے ساتھ ایک مرافق عالم ہوتا تھا کہ جب کسی کام کی ضرورت پیش آئے مثلاً ٹکٹ ویزہ وغیرہ وغیرہ تو وہ ان کاموں کو انجام دے۔

جمعہ ۲۷ فروری سے کانفرنس کا افتتاح ہوا اور جمعرات ۵ مارچ ۱۹۸۰ء کو یہ کانفرنس ختم ہوگئی، لیکن جمعہ کو عام تعطیل ہونے کی وجہ سے کوئی خاص کام نہیں ہوا تھا صرف جامع ازہر میں تمام مندوبین نے نماز جمعہ ادا کی تھی اور شام کو ایک بڑے اور شاندار ہوٹل میں استقبالیہ دیا گیا تھا، ۲۸ فروری ۱۹۸۰ء کی صبح ۱۰ بجے سے باقاعدہ کانفرنس شروع ہوئی جس میں چالیس ملکوں کے ایک سو نمائندوں نے شرکت کی، شیخ الازہر اور وزیر شؤن الاوقاف والازہر اور مجمع البحوث الاسلامیہ کے ڈائرکٹر ڈاکٹر عبدالحلیم محمود نے مؤثر مقالات پڑھے اسی روز شام کو اور اگلے روز "کلمة الوفود" کے عنوان سے نمائندوں کو اپنے تاثرات کے اظہار کا موقع دیا گیا کہ جو کہنا چاہیں کہیں۔

یوں تو عام طور سے مجمع البحوث کی جو کانفرنسیں ہوتی رہی ہیں ان میں زیادہ تر علمی مقالات جو مجمع البحوث کے اعضاء لکھ کر لاتے ہیں پڑھے جاتے ہیں اور مندوبین کو ان پر بحث و مباحثہ کا حق دیا جاتا ہے لیکن اس دفعہ تمام کانفرنس میں فلسطین اور قدس کا مسئلہ خاص طور پر پیش نظر تھا، ایسا محسوس ہوتا تھا کہ اس کانفرنس کا اصلی منشاء یہی ہے کہ تمام عالم اسلامی کی رائے اس سلسلہ میں معلوم کی جائے اور اس مشکل کے حل کے لئے ان کے ذہنوں میں جو تجویزیں ہیں وہ معلوم کی جائیں اور اس طرح تمام عالم اسلام کو ان نمائندوں کے ذریعہ بیت المقدس کے مسئلہ پر متفق کیا جائے اسی لئے اکثر مقالات کا تعلق اسی موضوع سے تھا۔

چنانچہ شیخ الازہر ڈاکٹر محمد فحام کے مقالے کا عنوان تھا" استرداد بيت المقدس" (بیت المقدس پر مسلمانوں کا دوبارہ قبضہ)

ڈاکٹر عبداللہ قاضی کے مقالے کا عنوان تھا" الجهاد بالمال في نظر الإسلام"، (اسلام میں جہاد بالمال کی اہمیت)

ڈاکٹر اسحاق موسی الحسینی کے مقالے کا موضوع تھا" الجانب الإسلامي من القضية الفلسطينية (فلسطینی مسألہ کے بارے عالم اسلامی کی رائے)

قائد ڈاکٹر محمود شیت خطاب کے مقالے کا عنوان تھا" أهداف إسرائيل التوسيعية في

سنتے بھی تھے، راقم الحروف نے ان کی کوششوں کو سراہتے ہوئے متنبہ کیا کہ :۔
اگر صرف حق تعالیٰ کی ذات کی طرف اور اس کے دین کی تائید کی طرف توجہ ہوگی تو غیبی امداد ضرور آئے گی :۔

"إن تنصروا الله ينصركم ويثبت أقدامكم"	اگر تم اللہ تعالیٰ کے دین کی امداد کروگے تو اللہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدم جمادے گا۔

ملاقات کے بعد جمال عبدالناصر نے مختصر سی تقریر کی جس کا حاصل یہ تھا کہ :۔
میں آپ کا شکرگذار ہوں کہ آپ مصر آئے اور بیت المقدس کے استرداد کے لئے ہمدردانہ غور و خوض کیا جو قرار دادیں آپ حضرات نے پاس کی ہیں وہ میں نے پڑھ لی ہیں، ضرورت اس بات کی ہے کہ ان تجاویز کو عملی جامہ پہنایا جائے اس وقت جو ہماری کوششیں کارفرما ہیں وہ مشکل کے حل کرنے کے لئے کافی نہیں ہیں، ہمارا مقابلہ تنہا اسرائیل سے نہیں ہے بلکہ پس پردہ بہت بڑی طاقتور حکومت امریکہ سے ہے جو اسرائیل کو ہر طرح امداد پہنچا رہی ہے، ابھی کچھ دن ہوئے کہ جدید ترین بمبار طیارے امریکہ نے اسرائیل کو دیئے ہیں، دنیا کے تمام یہودی اسرائیل کی کافی امداد کر رہے ہیں پانچ سو ملین ڈالر کا چندہ اسرائیل کو ابھی ابھی پہنچا چکے ہیں اور مزید پانچ سو ملین ڈالر کی امداد پہنچائی جانے والی ہے اس لئے مسلمانوں کو اور تمام عالمِ اسلام کو بھی اسی طرح اس عظیم مقصد کی طرف متوجہ ہونے کی ضرورت ہے، یہ مسئلہ تنہا عرب قوموں کا نہیں تمام عالمِ اسلام کا ہے بلکہ عیسائیوں کا بھی ہے اس لئے کہ دو ہزار عیسائیوں کو بھی قدس سے نکلنا پڑا ہے جو لوگ پناہ گزین بن کر ہمارے ملک میں آئے ہیں ان میں عیسائی بھی کافی ہیں، ضرورت ہے کہ تمام مسلمان متحد ہو کر ہماری ہر طرح امداد و اعانت کریں تاکہ ہم اسرائیل کے مقابلہ کے لئے جدید ترین اسلحہ مہیا کرسکیں، اگر مسلمانوں نے کماحقہ، توجہ کی تو کچھ بعید نہیں کہ آئندہ سال اس کانفرنس کے موقع پر یہ حالات بدل چکے ہوں گے۔

۲- ثانیاً: حتی المقدور اسباب و وسائل اور سامانِ جنگ مہیا کرنے کے بعد، اعتماد صرف اللہ تعالیٰ کی ذات پر ہو نہ کہ اسباب و وسائل پر۔

۳- ثالثاً: اسلامی جہاد میں استعماری طاقتوں میں سے خواہ مغرب میں ہوں یا مشرق میں ان دونوں میں سے کسی پر بھی اعتماد کرنے کے بجائے صرف اور محض حق تعالیٰ کے اس کلمہ پر توکل و اعتماد کرنا ہوگا جس کی طرف قرآنِ کریم نے اشارہ کیا ہے: لاشرقیة ولاغربیة۔

۴- رابعاً: ہماری زندگی میں مغربی تہذیب کے زہریلے اثر سے جو تعیشات سرایت کر گئے ہیں ان کو یک قلم چھوڑنا ہوگا، سادی زندگی سادی معاشرت اختیار کرنی ہوگی جب تک عیش و عشرت کی یہ زندگی ختم نہ ہوگی کامیابی موہوم ہے۔

۵- خامساً: قرآنِ کریم نے جس آیتِ کریمہ[1] میں سامانِ جہاد کی تیاری کا. جس میں جہاد بالمال بھی شامل ہے (اس کی تفصیل زبانی بیان کی) حکم دیا ہے اس کے آخر میں ارشاد ہے "وما تنفقوا من شیٔ فی سبیل اللہ یوفّ الیکم وأنتم لاتظلمون"۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس آیتِ کریمہ میں یہ اشارہ بھی ہے کہ اگر تم جہاد فی سبیل اللہ کروگے تو اس کے پورے پورے نتائجِ حسنہ پاؤگے اور کوئی ظالم طاقت تم پر مسلط نہ ہو سکے گی لہٰذا کسی ظالم طاقت کا ہم پر مسلط ہونا اس کی دلیل ہے کہ ہم نے کما حقہ، جہاد فی سبیل اللہ کا فریضہ انجام نہیں دیا۔ میری دعا اور آرزو ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اعلاءِ کلمۃ اللہ کے لئے صحیح اسلامی جہاد کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

چنانچہ "مقترحات من کلمة السید محمد یوسف البنوری وفد پاکستان" کے عنوان سے اس تقریر کا چھپا ہوا خلاصہ عربی میں کانفرنس کے اگلے اجلاس میں تقسیم کیا گیا۔

کانفرنس کے اختتام کے بعد جمال عبدالناصر سے گورنمنٹ ہاؤس میں مندوبین کی ملاقات مقرر تھی چنانچہ تمام مندوبین اپنی اپنی کاروں میں تنہا اس موقع پر جو مرافقین مقرر تھے ان کو بھی علیحدہ کر دیا گیا۔ جمال عبدالناصر سے ملاقات کے لئے گئے، ملاقات ہوئی اور صدرِ موصوف نے سب سے پرتپاک مصافحہ کیا، اس اثناء میں جو شخص ان سے کچھ کہنا چاہتا تھا کہتا بھی تھا اور بہت اطمینان سے وہ

---

[1] پوری آیت یہ ہے: "وأعدوا لهم ما استطعتم من قوة ومن رباط الخيل ترهبون به عدو الله وعدوكم وما تنفقوا من شيء في سبيل الله يوف إليكم وأنتم لا تظلمون"۔

البلاد العربیۃ" (عربی ممالک پر اسرائیل کی للچائی ہوئی نظریں)

قائد عبدالرحمٰن امین کا مقالہ تھا "التولی یوم الزحف" (جہاد کے موقعہ پر میدانِ جہاد سے پشت پھیرنا)

ڈاکٹر "بھی" مصری کے مقالے کا موضوع تھا "إسرائیل والدین" (دینِ اسلام اور اسرائیل)

الاستاذ عبدالمنعم خلاف کے مقالہ کا عنوان تھا "الغارۃ الصھیونیۃ غارۃ دینیۃ علی الاسلام والإنسانیۃ" (یہ صہیونی حملہ تمام اسلام و انسانیت کے خلاف ہے)

اس لئے مقالات کے موضوعات کا علم ہونے کے بعد طبعاً مندوبین کو بھی اپنے ملکوں کی طرف سے اسی موضوع پر اظہارِ خیال ضروری تھا، چنانچہ اپنی مملکتِ خداداد پاکستان کی طرف سے راقم الحروف نے بھی اسی موضوع پر اظہارِ خیال کیا، جس کا ترجمہ و خلاصہ حسبِ ذیل ہے:۔

جنابِ صدر اور معزز حاضرین:،

میں جمہوریہ عربیہ متحدہ کا عموماً اور ادارۂ مجمع البحوث الاسلامیہ کا خصوصاً شکر گذار ہوں جن کی مساعی سے ہمیں اس خالص اسلامی مسألہ پر اظہارِ خیال کا موقع ملا، میں اپنی حکومت مملکتِ اسلامیہ جمہوریہ پاکستان اور اس کے باشندوں کی طرف سے یعنی حکومت اور پبلک دونوں کی طرف سے ہدیۂ شکر پیش کرتا ہوں اور واضح الفاظ میں اعلان کرتا ہوں کہ بیت المقدس پر یہود کے غاصبانہ قبضہ سے تمام عالمِ اسلامی کو بے حد صدمہ ہے اور اس صدمے میں ملتِ پاکستان کسی عربی مملکت سے پیچھے نہیں بلکہ احتجاج کے طور پر جلسوں اور جلوسوں کے لحاظ سے شاید آگے ہو، مجاہدین "الفتح" ہمارے ملک میں پہنچ چکے ہیں اور بیشتر مساجد میں جمعہ کے دن مسلمان دل کھول کر ان کی اعانت کرتے ہیں، جامع مسجد نیو ٹاؤن کراچی میں راقم الحروف بھی اس تعاون میں حصہ لیتا رہا ہے اور مدرسہ عربیہ اسلامیہ کے فاضل اساتذہ نے نہایت موثر انداز میں ان کی عربی تقریروں کی اردو زبان میں ترجمانی کی ہے۔

محترم حضرات:۔ میرے خیال میں بیت المقدس کے مسئلہ کا حل صرف ایک ہی ہے اور وہ ہے "اسلامی جہاد" لیکن اسلامی جہاد کے لئے جن امور کی ضرورت ہے میرے ناقص خیال میں وہ حسبِ ذیل ہیں:۔

۱۔ اولاً:۔ اس جہاد کا مقصد قومیت، وطنیت، جنسیت، سب سے بالاتر ہونا چاہیئے اور واحد مقصد صرف اعلاءِ کلمۃ اللہ ہونا چاہیئے۔

آخر میں جمال عبدالناصر نے مندوبین کے اعزاز کے طور پر اپنے ساتھ ہر ایک کا "یادگار فوٹو" کھچوانے کے لئے کہا، راقم الحروف کی جب باری آئی تو صف سے علیحدہ ہو کر پیچھے کرسی پر جا بیٹھا، دو شخص آئے کہ جمال عبدالناصر بلا رہے ہیں کہ فوٹو لیا جائے، میں نے معذرت کی اور کہا کہ میں اس کو صحیح نہیں سمجھتا اور میرے نزدیک اس کی کوئی دینی قیمت بھی نہیں اس لئے معذرت خواہ ہوں۔"

اگلے روز پہلی فرصت میں قاہرہ سے جدہ کے لئے سیٹ مل گئی اور قاہرہ سے جدہ ہو کر مدینہ طیبہ پہنچا اور مدینہ سے مکہ مکرمہ، غرض جو سفر درمیان میں ناتمام رہا تھا پورا کر کے مراجعت بالخیر ہوئی، وللہ الحمد۔

خوشی ہوئی کہ عین اس وقت جب کہ قاہرہ کانفرنس ختم ہوئی جدہ میں اسلامی ممالک کے وزراء خارجہ کی کانفرنس منعقد ہوئی اور کثرتِ رائے سے طے پایا کہ ممالکِ اسلامیہ کا ایک مشترکہ پلیٹ فارم اور مشترکہ سیکرٹریٹ جس کے ذریعہ تمام مشترکہ اسلامی مسائل حل کئے جائیں قائم کیا جائے۔ "رباط کانفرنس" میں یہ تجویز پاس ہوگئی اور اس کی تشکیل کے انتظامات بھی شروع ہوگئے، مزید خوشی کی بات یہ ہے کہ ہماری مملکت کے ایک معزز وزیر نے اس سلسلہ میں قابلِ قدر کردار ادا کیا اور تمام مندوبین نے اس کی تحسین کی، شام و عراق کی عدمِ شمولیت سے افسوس ہوا، ان حکومتوں کا عدمِ اشتراک ان کی نیتوں کی غمازی کر رہا ہے، آج سب سے بڑا فتنہ یہی ہے کہ اکثر ملوک و امراء کے دلوں میں شقاق و نفاق بھرا ہوا ہے "تحسبهم جميعاً وقلوبهم شتى" کا مصداق ہیں اسی لئے اعداء کے دلوں میں ان کی ہیبت اور رعب ختم ہو گیا، دوسرا فتنہ علماءِ امت کا اختلاف ہے جس کی وجہ سے عوام کے دلوں میں سے علماء کی عظمت و محبت نکل گئی بلکہ دین سے برگشتہ ہو رہے ہیں، بلاتخصیص تمام علماء پر اس کی مسئولیت عائد ہوتی ہے، ابھی وقت ہے۔ کاش اب بھی علماءِ امت متفق و متحد ہو کر تمام باطل قوتوں کی سرکوبی کے لئے متحد ہو جائیں اور صرف "اسلام" کے جھنڈے کے نیچے جمع ہونے کی امت کو دعوت دیں۔

وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ — صفر الخیر ۱۳۹۰ھ، اپریل ۱۹۷۰ء

شیخ الازہر شیخ عبد الحلیم محمود کی پاکستان آمد

گذشتہ ماہ میں ہماری وزارتِ اوقاف کی دعوت پر جامع ازہر کے "شیخ الازہر" ڈاکٹر عبد الحلیم محمود پاکستان کے سرکاری دورے پر آئے، موصوف سے براہ راست تعارف و تعلق تھا اس لئے موصوف نے حکومت کو مطلع کیا تھا کہ وہ مدرسہ عربیہ اسلامیہ تشریف لائیں گے اور راقم الحروف سے ملاقات کریں گے، چنانچہ اسلام آباد سے متعدد فون آئے اور پروگرام بھی بتلایا گیا اور اس خواہش کا ذکر بھی ہوا۔ بلاشبہ "جمہوریہ مصر" میں شیخ الازہر کا مقام وہاں کے وزیر اعظم سے بھی اونچا ہوتا ہے اور صدر مملکت کے بعد ہی اس کی شخصیت ہوتی ہے اور قدیم زمانہ سے ہی ان کی یہ "حیثیت و شخصیت" محفوظ چلی آتی ہے، ہمارا دستور مدرسہ عربیہ اسلامیہ میں روزِ اول سے یہی رہا کہ خود کسی بڑی شخصیت کو دعوت نہیں دیتے لیکن کوئی بڑی شخصیت خود آنا چاہے تو روکتے بھی نہیں خود ان کی خواہش تھی کہ وہ مدرسہ میں تشریف لائیں میرا ان سے براہ راست تعارف تھا اس لئے اپنی بساط کے مطابق اہتمام کیا، یہ ہمارا "بینات" کا موضوع نہیں اور نہ یہ مختصر صفحات اس کے لئے ہیں کہ یہ لکھیں کہ موصوف نے کیا فرمایا اور ہم نے کیا کہا، اگرچہ تمام ریکارڈ محفوظ ہے۔

الحمد للہ کہ موصوف کو مدرسہ دیکھ کر خوشی بلکہ حیرت ہوئی اور جب ایک امریکن نومسلم طالبِ علم یوسف طلال نے ان کے سامنے فصیح و بلیغ عربی زبان میں ایک تقریر پڑھ کر سنائی تو موصوف کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی کہ نیویارک کا یہ نومسلم انگریز عربی زبان کا کس خوبی سے تلفظ کرتا ہے فرمانے لگے کہ زندگی میں پہلی مرتبہ ایک انگریز کو صحیح عربی تلفظ کرتے دیکھا۔ ہمارے طلبہ کے تخصصات (ڈاکٹریٹ) کے بعض مقالات کا جب ان کو علم ہوا تو خواہش ظاہر فرمائی کہ دو مقالے جن میں سے ایک عبد اللہ ابن مسعود پر تھا وہ ادارۂ ازہر شریف کی طرف سے شائع کریں گے یہ محض حق تعالیٰ جل ذکرہٗ کا احسان ہے کہ ہمارے ایک گمنام ادارے کی حیثیت اتنی کر دی کہ دنیائے اسلام کی سب سے بڑی علمی یونیورسٹی اس کے طلبہ کے مقالات کو شائع کرنے کی خواہش کرتی ہے ذٰلك فضل الله يؤتيه من يشاء والله ذو الفضل العظيم۔ وزارتِ اوقاف کے سیکریٹری جناب تجمل حسین صاحب ہاشمی ساتھ تھے اور ساتھ ہی ان کا ٹی وی کا عملہ بھی تھا جب فلم بنوانے کے لئے کارروائی شروع کی تو راقم الحروف نے

سختی سے منع کیا کہ یہ فوٹو ہمارے مسلک میں حرام ہیں ہم اس کی اجازت نہیں دے سکتے تو اس پر ہاشمی صاحب نے فرمایا کہ چونکہ یہ سرکاری دورہ ہے اور حکومت کا حکم ہے کہ اس کی فلم بنائی جائے اس لئے یہ تو کرنا ہی ہوگا اس پر ہم بے بس ہو گئے اور کہہ دیا کہ شرعی ذمہ داری اب آپ پر ہوگی ہم بری ہیں، مصری سفیر نے تعجب سے یہ ماجرا سنا۔ جب چائے کی محفل پر بیٹھے تو مجھ سے گفتگو شروع کی۔ شیخ الازہر بھی سن رہے تھے میں نے کہا، کہ آپ کے شیخ محمد بخیت مطیعی جو اپنے زمانے میں شیخ الازہر تھے انہوں نے فوٹو کے جواز پر رسالہ لکھا تو ایک شاگردِ رشید نے اسی زمانے میں اپنی کتاب "النهضة الإصلاحية للأسرة الإسلامية" میں بڑی شدت کے ساتھ اپنی شیخ کے خلاف لکھا ڈاکٹر عبدالحلیم محمود سن رہے تھے اور تبسم فرما رہے تھے بہرحال اس صورتِ حال کو واضح کرنے کے لئے یہ چند سطریں لکھنی پڑیں کہ آگے چل کر کوئی ہمیں متہم کر کے معصیت میں بتلا نہ ہو، یا اس واقعہ کو فوٹو کے جواز کی دلیل نہ بنائے۔

واللہ سبحانہ ولی التوفیق

ربیع الثانی ۱۳۹۴ھ، مئی ۱۹۷۴ء

عرب و اسرائیل جنگ اور شکست کے اسباب

مسجدِ اقصیٰ، بیت المقدس، قبۃ الصخرہ وغیرہ مقاماتِ مقدسہ مسلمانانِ عالم کا مشترک ملی سرمایہ ہیں اور ان کی حفاظت تمام عالمِ اسلام کا مشترکہ دینی فریضہ ہے، شرقِ اوسط کا حالیہ سانحۂ کبریٰ یعنی قدس پر صیہونی تسلط اور یہودی اقتدار، دورِ حاضر کا انتہائی دردناک حادثہ اور سلطنتِ بخاریٰ کی تباہی اور خلافتِ آلِ عثمان کی بربادی کے بعد سب سے بڑا المیہ ہے، ابھی دس سال پیشتر کا قصہ ہے کہ برطانیہ فرانس اور اسرائیل کا سہ طاقتی حملہ پوری شدت اور قوت کے ساتھ مصر پر ہوا تھا مگر حملہ آوروں کو شرمناک شکست اور ناکامی کا سامنا کرنا پڑا تھا اور آج بظاہر تنہا اسرائیل حملہ آور ہوا، اور مصر، شام، اردن، حجاز، عراق، لیبیا الجزائر اور کویت وغیرہ تقریباً ایک درجن عرب ممالک نے مشترکہ دفاع کیا اور ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا، صدر جمال عبدالناصر کو شکست، ندامت اور ذلت کا ایسا اعتراف کرنا پڑا جس کا تصور وہ خود بھی نہیں کر سکتے تھے جس سے عالمِ اسلام پر یکایک نزع کا عالم طاری ہو گیا اور دوسری طرف تل ابیب، لندن اور نیویارک میں مسرت کے شادیانے بجنے لگے، آخر یہ سب کچھ کیوں ہوا؟ دس سال کے قلیل عرصے میں اتنا بڑا تغیر کیسے آگیا؟ اور وہ کون سے عوامل ہیں جن کے نتیجے میں پورے عالمِ اسلام کو بالعموم اور عرب ممالک کو بالخصوص عرقِ ندامت ہونا پڑا؟

یہ ایک اہم سوال ہے جس کا جواب ہر قسم کی جذباتیت، جھنجلاہٹ اور سطحیت سے بالاتر ہو کر پوری سنجیدگی اور گہرے غور و فکر کے ساتھ ہمیں دینا ہوگا۔

ذرا شرقِ اوسط کی دہ سالہ تاریخ کو سامنے لائیے ایک طرف اسرائیل کی ملعون قوم ہے جس نے ان دس سالوں کا ایک لمحہ بھی غفلت میں ضائع نہیں کیا، عسکری تربیت، جدید ترین اسلحہ کی فراہمی اور جذبۂ انتقام کی پرورش میں ذرا کوتاہی نہیں کی بلکہ ہر قیمت پر انتہائی قوت اور خوفناک جارحانہ عزائم میں برابر اضافہ کرتا چلا گیا، برطانیہ اور امریکہ نے اسرائیلی جارحیت کو پروان چڑھانے اور قوی سے قوی تر بنانے کے لئے اندھا دھند مدد دینے میں

کوئی کسر نہیں چھوڑی جس کے نتیجے میں بیس پچیس لاکھ کا پورا ملک "جنگی کیمپ" اور "فوجی چھاؤنی" میں تبدیل ہوگیا، دوسری طرف جانبِ مخالف نے فتح و کامرانی کے نشہ میں بدمست ہوکر اس دس سال کے وقفے میں اپنی طاقتوں کا بے محل استعمال شروع کیا، باہمی خانہ جنگی اور سرپھٹول میں مالی اور فوجی قوت کا جنازہ نکالا، دشمن کی بڑھتی ہوئی طاقت پر صحیح نظر رکھنے اور دفاعی تدابیر بروئے کار لانے سے تغافل برتا، مصنوعی پروپیگنڈا، اخباری شور و غوغا، کھوکھلے نعروں، دھمکی آمیز بیانوں اور تقریروں پر قناعت کی، جس قوم کو "اعداء اللہ" کے مقابلے کے لئے اپنی تمام ممکنہ قوتوں کے مجتمع رکھنے کا خطاب تھا (وأعدوا لهم ما استطعتم من قوة) وہ اپنی تمام قوتیں جھوٹے وقار پر ضائع کرنے لگی، جس قوم کو "اسلامی اتحاد" اور "اسلامی اخوت" کا آفاقی نصب العین دیا گیا تھا، وہ قومیت اور نیشنلزم جیسی لعنتوں میں مصروفِ پیکار ہوگئی جس اُمّت کو مرتے دم تک اسلام پر قائم رہنے کی تلقین کی گئی تھی (لا تموتن إلا وأنتم مسلمون) ان کی لغت میں اسلام پر جمنا ایک طعنہ بن کر رہ گیا جس امت کو کفر اور شعارِ کفر سے بیزاری کا حکم دیا گیا تھا (إنا برآء منكم ومما تعبدون من دون الله كفرنا بكم)، اس نے شکل و وضع، صورت و سیرت، تہذیب و تمدن اور افکار و نظریات میں کفار اور شعارِ کفر کی نقالی کو مایۂ فخر سمجھا، جس اُمّت کو تمام مادی وسائل، سامانِ حرب و ضرب اور عدد و عُدّہ کی فراہمی کے ساتھ ساتھ اللہ سے گڑگڑاکر دعا مانگنے، اسی کی ذات پر اعتماد اور بھروسہ کرنے اور اسی سے فتح و نصرت کی دعائیں کرنے کی تلقین کی گئی تھی اس نے موہومہ مادی قوت پر اعتماد کرتے ہوئے خدا فراموشی کا راستہ اختیار کیا (نسوا الله فنسيهم) آخر اس تمام پس منظر کا نتیجہ "شامتِ اعمال صورتِ نادر گرفت" کے سوا اور کیا ہوسکتا تھا؟ اس چشم دید اور دردناک صورتِ حال کی طرف چند مختصر اشارے گزشتہ ماہ کے "بصائر و عبر" میں کرچکا تھا، افسوس کہ جس چیز کا مجھے اندیشہ تھا وہی ہوکر رہی، اناللہ۔ روس ہو یا امریکہ، برطانیہ ہو یا فرانس، چین ہو یا جاپان جب تک مسلمان ان بتوں کو دل سے نہیں نکالیں گے، ٹھوس اسلامی بنیادوں پر "اتحادِ عالمِ اسلام" بروئے کار نہیں لائیں گے، صدقِ دل سے کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ ﷺ

پر چلنے کا عہد تازہ نہیں کریں گے اور اسلامی تاریخ کے سبق آموز واقعات سے عبرت پذیر نہیں ہوں گے اس وقت تک کوئی قوت ان کو حرمان و خسران سے نہیں بچا سکتی۔

(إن ینصرکم اللہ فلا غالب لکم وإن یخذلکم فمن ذا الذی ینصرکم من بعدہ)

آخر اسرائیل جیسی مغضوب اور ملعون قوم، جسے نبیوں کی زبانی ملعون کہا گیا اس کی یہ کامیابی ہمارے لئے کیا کچھ کم عبرت آموز ہے؟ مگر وہ اسی پر قانع نہیں، خدانخواستہ ہماری خود فراموشی اور خدا بیزاری کی یہی ناگفتہ بہ صورتِ حال قائم رہی تو خاکم بدہن، اسرائیل خیبر و مدینہ کے خواب دیکھ رہا ہے اور بنی نضیر، بنی قریظہ، بنی قینقاع اور یہودِ خیبر کا انتقام لینے کے لئے دانت پیس رہا ہے، فیا غربۃ الاسلام ویا خیبۃ المسلمین!

کاش یہی تازیانۂ عبرت مسلمانوں کو خوابِ غفلت سے جگانے اور اسلامی ممالک کے سربراہوں کی آنکھیں کھولنے کے لئے کافی ہو جائے، کاش عالمِ اسلام کے کسی گوشے سے کوئی صلاح الدین ایوبی شہیدؒ اٹھے اور ارضِ مقدسہ کی تطہیر کے لئے علمِ جہاد بلند کرے۔

مسلمان قوم اور اس کے امراض

عالمِ اسلام بالخصوص عرب کے صحراؤں میں قدرتی وسائل، خام ذخائر اور مال و دولت کی کمی نہیں بلکہ فراوانی اور طغیانی ہے مگر یہ کتنا بڑا المیہ ہے کہ ان کے مال و دولت کا بڑا حصہ یا تو غیر ملکی بینکوں میں جمع ہونے کی وجہ سے دشمنانِ اسلام کے کام آتا ہے یا شاہ خرچی، عیش پرستی، عافیت کوشی اور آسائش پسندی کے لئے ضائع کیا جاتا ہے یا پھر لایعنی منصوبوں اور بے مصرف صنعتوں پر برباد کیا جاتا ہے لیکن فوجی استحکام، عسکری تربیت اور اسلحہ سازی تقریباً صفر ہے، دشمنانِ اسلام جگہ جگہ ہوائی اڈے، بحری بیڑے فوجی چھاؤنیاں اور اسلحہ سازی کے بڑے بڑے کارخانے قائم کر رہے ہیں مگر عالمِ اسلام خدا فراموشی کے ساتھ ساتھ ظاہری تدابیر سے بھی مجرمانہ غفلت میں مست ہے۔

مسلمان قوم کو تن آسانی، آسائش پسندی اور عیش پرستی کبھی راس نہیں آتی، اندلس

اور بغداد کی تباہی سے لے کر ترکی اور بخاریٰ تک کی تاریخ پڑھئے اور سبق لیجئے۔ اسلام کے خیر القرون میں بھی جب اللہ تعالیٰ کی نصرت و تائید کی طلب میں ذرا سی غفلت یا اللہ اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ارشاد کی تعمیل میں معمولی سی کوتاہی ہوئی یا ظاہری ساز و سامان پر نظر گئی تو فوراً تنبیہ کی گئی اور بعض اوقات ناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔

بہر حال مسلمان قوم اور مسلمان حکومتیں حسب ذیل امراض میں مبتلا ہیں جن کا ازالہ جلد از جلد ہونا چاہیئے :-

۱. اسلامی اخوت کے بجائے قومیّت کا نعرہ۔
۲. اقتدار اور طاقت کے باوجود اسلامی قوانینِ الٰہیہ کو نافذ نہ کرنا
۳. تن آسانی، تن پروری، عیش و عشرت اور لہو و لعب پر مال و دولت کا برباد ہونا۔
۴. فوجی اور عسکری قوت اور جدید ترین جنگی اسلحہ سے مجرمانہ تغافل۔
۵. صرف مصنوعی، سطحی اور وقتی نعروں پر قوم کی تنظیم کا خبط۔
۶. اعلاءِ کلمۃ اللہ کے لئے اسلامی و دینی جہاد کی رُوح کو ختم کر کے ہوس ملک گیری اور شخصی قیادت کے بقاء کے جنون میں گرفتار ہونا۔
۷. اسلامی معاشرت کی جگہ ملعون قوموں کی تہذیب و معاشرت کو اپنانا۔
۸. اسلامی اخوت، ایثار و قربانی اور غریب پروری کے جذبہ کا ختم ہو جانا۔
۹. غلط نظامِ معیشت کی وجہ سے ایک طبقے کا دولت کی فراوانی کے ہیضہ میں مبتلا ہو جانا اور دوسرے طبقے کا نانِ شبینہ کے لئے بلکنا۔
۱۰. اللہ تعالیٰ، مالک الملک، خالق و رازق اور قادر مطلق سے غفلت برتنا اور دنیائے کفر کی طاغوتی طاقتوں کو قبلۂ حاجات سمجھنا اور ان سے ہمدردی اور خیر کی توقع رکھنا۔
۱۱. اسلامی نظامِ معیشت کی جگہ بینک کے موجودہ کافرانہ نظامِ مالیات کو اختیار کرنا اور اسی کو ذریعہ نجات اور مشکل کشا سمجھنا۔
۱۲. اسلامی فلسفۂ تعلیم کی جگہ خدا بیزار اور آخرت فراموش نظامِ تعلیم کو اپنانا اور اسی کو معراج ترقی سمجھنا

میں سمجھتا ہوں کہ عصر حاضر میں مسلمانوں کی تباہی کے حقیقی اسباب یہی ہیں، کاش ان کے ازالہ و اصلاح کی طرف عالمِ اسلام کو متوجہ ہونے کی توفیق ہو جائے۔

بیت المقدس پر اسرائیل کا قبضہ

بہر حال جون ۱۹۶۷ء کے پہلے عشرہ کے چار دنوں میں، بیت المقدس پر یہود کا قبضہ، خلیجِ عقبہ پر ان کا تسلّط اور غزّہ و عریش اور صحراء سینا پر ان کا اقتدار دورِ حاضر کی تاریخ کا دردناک حادثہ اور عالمِ اسلام کی جبین پر سیاہ داغ ہے، کہنے والوں کا کہنا ہے کہ یہ سارا قصہ "چار دن میں نہیں صرف چار گھنٹوں میں طے ہو گیا تھا، پھر تقریباً ڈیڑھ لاکھ باشندگانِ قدس و خلیل کا انتہائی ذلّت سے بیک بینی و دوگوش ملک بدر کیا جانا یہود کی قلبی قساوت اور سنگدلی کا نیا ریکارڈ ہے جس بدبخت اور تاریخی مجرم قوم نے انبیائے کرام علیہم السلام کے خون سے ہاتھ رنگین کئے ہوں ان سے انسانیت کی توقع کب ہو سکتی ہے؟ امریکہ و برطانیہ کا اس "یہودی سازش" میں بلاواسطہ شرکت کرنا اقوامِ متحدہ کی نام نہاد سلامتی کونسل[1] کا اظہارِ حق کی جرأت سے احتیاط کرنا عین وقت پر روس کا اپنے بلند بانگ دعوؤں کے باوجود پہلوتہی کرنا اور برطانیہ و امریکہ کی سامراجیت سے گٹھ جوڑ کرنا ہماری عبرت کے لئے کیا کچھ کم ہے؟

جو کچھ ہونا تھا ہو گیا اب بعد از وقت روس کا اسرائیل سے سفارتی تعلقات ختم کر لینا ان دردناک زخموں کو کبھی مندمل نہیں کر سکتا، روس اور اس کے ہمنوا ممالک اب جو کچھ کر رہے

---

[1] اس عالمی ادارے کا احترام اپنی جگہ لیکن ستمبر ۶۵ء کی پاک بھارت جنگ اور شرقِ اوسط کے حالیہ بحران کے دوران اس ادارے نے جو کردار ادا کیا ہے وہ عالمِ اسلام کے لئے قطعاً مایوس کن ہے، یہ ادارہ صرف بڑی طاقتوں کا اکھاڑہ اور جارحیت و صیہونیت کا آلہ کار بن کر رہ گیا ہے، یہ عجیب ستم ظریفی ہے کہ جو عالمی ادارہ عالمی مسائل کے سلجھانے کے لئے وجود میں آیا تھا وہ طاقت ور جارحیت کے خلاف کسی قسم کی کارروائی کرنے سے عاجز ہے اور مظلوم کے حق میں ایک لفظ تک کہنے سے اس کی زبان گنگ ہے۔

ہیں وہ "مشتے کہ بعد از جنگ بیاد آید بر کلہ خود باید زد" کا مصداق ہے۔ کیا اب بھی ان دشمنانِ اسلام سے دوستی اور خیر خواہی کی توقع رکھی جاسکتی ہے؟ افسوس ہے کہ ہمارے عرب اور غیر عرب ملوک وسلاطین کی آنکھیں اب بھی نہیں کھلتیں، کوئی روس کی ہمدردی حاصل کرنے کے لئے اس کے کافرانہ اشتراکی نظام کا حلقہ بگوش بنا ہوا ہے اور کوئی امریکہ وبرطانیہ کی مدح سرائی اور قصیدہ خوانی میں مست ہے، إنا لِلّٰهِ وَإنَّا إلَيهِ رَاجِعُونَ.

اسرائیل کا بیت المقدس پر قبضہ علاماتِ قیامت کا پیش خیمہ

فلسطین و بیت المقدس پر یہود کے استیلاء سے اب جو نقشہ بن گیا ہے کچھ بعید نہیں کہ یہی "ملحمۂ کبریٰ" اور ان ملاحم کے لئے جن کا ذکر احادیث میں بسلسلۂ "اشراط الساعۃ" آتا ہے پیش خیمہ ہو اور آثار بھی ایسے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس بے خبر دنیا کے ختم ہونے کا وقت شاید قریب آ پہنچا ہے۔

یہاں تک لکھ چکا تھا کہ "جنگ" مورخہ ۱۴ جون ۱۹۶۷ء میں مراکش کے شاہ حسن کا بیان نظر سے گذرا جس سے میری معروضاتِ بالا کی تائید ہوتی ہے، اقتباس ملاحظہ ہو:۔

"مشرقِ اوسط کی حالیہ جنگ میں عربوں کی شکست کی سب سے بڑی وجہ عرب ریاستوں کا عدم اتحاد اور مسلمانوں کے بڑھتے ہوئے گناہ ہیں، خدا نے ہمیں ہمارے گناہوں کی سزا دی ہے اور ہمیں متحد ہونے کی ہدایت کی ہے، خدا نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ایک دوسرے کی توہین نہ کی جائے اور ہم نے زبانی اور تحریری طور پر ایک دوسرے کی توہین کی ہے خدا نے ہمیں ایک اور موقع دیا ہے کہ ہم اس کے دئے ہوئے احکامات کی پابندی کریں اور اپنی زندگی کو خدائی قانون کے مطابق ڈھالیں، خدا نے ہم سے اس لئے آنکھیں موڑلیں کہ ہم خود اس سے دور ہوگئے"۔

باضمیر بادشاہ نے صفائی سے جن حقائق کا اعتراف کیا ہے قرآنِ کریم اور احادیثِ نبویہ نے ان حقائق کو نیہ کا اتنا واشگاف اعلان کیا ہے اور اسلامی تاریخ نے اس کے لئے اتنے

شواہد جمع کردیئے ہیں کہ جس دل میں نورِ ایمان کا کوئی ذرہ موجود ہو اور جو پوری طرح مسخ نہ ہو گیا ہو وہ ان کا اعتراف کیے بغیر نہیں رہ سکتا، اے اللہ! اس امت پر رحم فرما، اس کے گناہوں کو معاف فرما، ان کو سچا مسلمان بننے کی توفیق عطا فرما اور انہیں دنیوی سرخروئی اور اُخروی نجات نصیب فرما۔ (آمین)

اتحادِ عالمِ اسلام

ان تلخ حقائق اور دردناک حوادث میں اگر کسی قدر خوشی کی جھلک نظر آتی ہے تو وہ عرب ممالک کا اتحاد خصوصاً اسلامی اتحاد کی طرف رُجحان ہے بلاشبہ وقت کا فوری تقاضا یہ ہے کہ تمام عالمِ اسلام ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو جائے اور امریکہ و برطانیہ کی تحریک "تفریق بین المسلمین" کو ناکام بنا کر "اسلامی بلاک" وجود میں لایا جائے اگر آج بھی مسلمان عقلمندی سے کام لیں اور اس تباہی سے عبرت پکڑیں تو متحدہ مساعی سے اپنی سیاسی، اقتصادی اور عسکری قوتوں میں استحکام پیدا کر سکتے ہیں، اگر ہمارے سروں پر مسلط شدہ کافرانہ نظامِ معیشت، طرزِ معاشرت اور "درآمد شدہ نظریوں" کی اصلاح کر لی جائے، توبہ و انابت کے راستے کو اختیار کر لیا جائے تو تباہ شدہ عزت و مجد اور شرف و وقار کو واپس لوٹایا جا سکتا ہے، مسلمانوں میں آج بھی خالد بن ولید، طارق بن زیاد اور صلاح الدین ایوبی کے جانشین پیدا ہو سکتے ہیں جو ارضِ مقدسہ کو صہیونیت کے نجس قدموں سے پاک کر دیں اور من یسومھم سوء العذاب کا قرآنی وعدہ پھر ایک بار پورا کر دکھائیں، لیکن اگر مسلمان ہی صیہونی پارٹ ادا کرنے لگیں اور یہود و نصاریٰ اور ہنود و مجوس کی سی زندگی کو اپنا لیں، اقبال کے لفظوں میں :

وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدّن میں ہنود!
یہ مسلماں ہیں جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود؟

تو خدا کو ایسے "بدنام کنندۂ نیکو نامے چند" قسم کے نام نہاد مسلمانوں کی ضرورت نہیں ہے پھر ان کی ذلت اور موت مقدر ہو چکی ہے (لا یبالیھم اللہ بالۃً) معاذ اللہ۔

فتح وشکست کے حقیقی اسباب

حق تعالیٰ شانہ، کی قدرت وربوبیت آسمان سے لے کر زمین تک تمام کائنات پر محیط ہے اس عالمِ کون وفساد کا کوئی ذرہ نہ اس کی قدرت سے خارج ہے نہ اس کی ربوبیت سے بے نیاز، قوموں کا عروج وزوال، ترقی وبربادی، فتح وشکست اور کامیابی وناکامی بھی براہِ راست مشیتِ خداوندی کے تحت داخل ہے، الغرض حق تعالیٰ کا غیر مرئی "نظامِ قدرت" و "نظامِ ربوبیت" عالم کے ہر ہر جزء میں جاری وساری ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس عالم میں اسباب ومسببات کا ایک ظاہری سلسلہ جاری فرمادیا ہے لیکن اسباب ومسببات کا خالق ومالک بھی وہی ہے اور اقتدار وتصرف بھی اسی قادر مطلق کے قبضۂ قدرت میں ہے پھر جس طرح اس عالم میں ظاہری اسباب کا سلسلہ جاری ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کے کارخانۂ قدرت میں اسباب سے بالاتر بھی ایک مخفی نظام کارفرما ہے، ظاہری اسباب بھی اسی وقت مؤثر ہوتے ہیں جبکہ حق تعالیٰ شانہ، کی حکمت ومشیت کا تقاضا ہو ورنہ اسباب وتدابیر کا تمام کارخانہ بے کار اور معطل ہو کر رہ جاتا ہے، فتح ونصرت کے لئے جس طرح ظاہری اسباب موثر ہیں اس سے کہیں زیادہ باطنی اسباب اور غیبی نظام کی تأثیر فیصلہ کن ہوتی ہے۔

شرقِ اوسط کے دردانگیز حالات پر جہاں تک غور کیا یہی سانح ہوا کہ ظاہری ومادی اسباب ایسے نہ تھے کہ ایسی حیرت ناک اور ذلت آمیز شکست مسلمانوں کو ہوتی بلکہ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہماری بدعملیوں کی پاداش میں قدرت کا مخفی نظام حرکت میں آیا، مصری حکومت پر غلط فہمی اور غفلت طاری کردی گئی، یوں اس کا فوجی نظام تہ وبالا کردیا گیا اور سالہا سال کی جنگی تدبیروں اور دفاعی استحکام کو آن کی آن میں پیوندِ خاک کردیا گیا۔

(اذ أعجبتکم کثرتکم فلم تغن عنکم شیئاً وضاقت علیکم الارض بما رحبت ثم ولیتم مدبرین)

درحقیقت یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تازیانۂ عبرت ہے تاکہ ہم اپنے اعمال کا جائزہ لیں، خدا فراموش زندگی سے توبہ کرلیں اور حق تعالیٰ سے ٹوٹے ہوئے رشتے کو دوبارہ

جوڑلیں، یہ سانحہ کسی خاص ملک کے لئے نہیں بلکہ مصر، شام، ٹیونس، الجزائر، حجاز اور کویت بلکہ تمام اسلامی ممالک، سبھی کے لئے تازیانۂ عبرت تھا، جیساکہ "بینات" کے سابقہ شمارے میں تفصیلی اشارے کیے گئے تھے، لیکن صدمے کی بات یہ ہے کہ اس عبرت انگیز شکست اور سبق آموز صورت حال سے جیسی عبرت ہونی چاہیئے تھی نہیں ہوئی، واللہ المستعان.

ماضی کی ہلاک شدہ قوموں کی عبرت ناک تباہی کی داستانیں پڑھنے سے جو بنیادی بات آدمی محسوس کرتا ہے وہ یہی ہے کہ ان کے دل و دماغ نشۂ غفلت سے اس قدر ماؤف ہو چکے تھے کہ ان پر عذاب آتا مگر انھیں یہ احساس بھی نہ ہوتا کہ یہ حق تعالیٰ کا عذاب ہے بس یوں ہی اسباب کی طرف منسوب کرکے اپنی جگہ مطمئن ہوجاتے اور اگر کہیں اسباب کا کوئی سرا نہ ملتا تو ان حوادث کو بخت و اتفاق کا کرشمہ قرار دے دیا (قدمس آباء نا الضراء والسراء)، غفلت، لاپروائی اور سنگدلی کی یہی وہ خطرناک سرحد تھی جس سے گذرنے کے بعد ان کا نام و نشان تک مٹا دیا گیا (ھل تحس منھم من أحدٍ أو تسمعُ لھم رکزاً) موجودہ حسرت ناک اور دردناک صورت حال میں بھی یہی محسوس ہورہا تھا.

فتح و شکست کوئی نئی چیز نہیں بلکہ یہ سلسلہ تو ابتدا ہی سے چلا آرہا ہے لیکن شکست کے اصلی اور حقیقی اسباب پر غور نہ کرنا قابلِ صد افسوس ہے، قرآنِ حکیم نے اسی حقیقت کو واضح فرمایا ہے ارشاد ہے :-

((أولا یرون أنھم یفتنون فی کل عامٍ مرۃً أو مرتین ثم لا یتوبون ولا ھم یذکرون)) التوبہ	اور کیا وہ دیکھتے نہیں کہ انھیں آزمایا جاتا ہے ہر سال ایک مرتبہ یا دو مرتبہ پھر بھی نہ وہ توبہ کرتے ہیں اور نہ وہ غور کرتے ہیں۔

"ولا ھم یذکرون" نہایت ہی قابل غور ہے، نیز ارشاد ہے :-

((فلولا إذ جاءھم بأسنا تضرعوا ولکن قست قلوبھم وزین لھم الشیطان ما کانوا یعملون)) أنعام.	پھر وہ کیوں نہ گڑگڑائے جب ان پر ہمارا عذاب آیا تھا لیکن ان کے دل سخت ہوگئے اور اچھا کر دکھلایا ان کو شیطان نے جو کچھ وہ پہلے سے کر رہے تھے[1]

[1] کتنا عجیب نقشہ ہے جو قرآنِ حکیم نے "در حدیثِ دیگراں" خود ہماری صورتِ حال کا کھینچ کر رکھ دیا

(باقی صہ پر)

نیز ارشاد ہے :۔

"ولقد اخذناھم بالعذاب فما استکانوا لربھم وما یتضرعون" (المومنون۔)

اور یقیناً ہم نے ان کو عذاب میں پکڑا تھا، پھر نہ تو وہ اپنے رب کے سامنے جھکے اور نہ وہ گڑگڑاتے ہیں۔

اسی قسم کی آیات سے واضح ہے کہ حوادث سے عبرت نہ پکڑنا اور حق تعالیٰ کی طرف رجوع نہ کرنا نہایت خطرناک حالت ہے۔

عرب قومیت اور اشتراکیت کی نحوست

عرب ممالک میں بظاہر ممتاز فوجی قوت، عسکری نظام، مادی سازوسامان اور جدید اسلحہ کے اعتبار سے مصری حکومت ہی اس پوزیشن میں تھی کہ اسرائیل اور امریکہ و برطانیہ

(باقی حاشیہ ص سے آگے) جنگ سے ذرا پہلے ہمارے یہاں یہ بحث چھڑی ہوئی تھی کہ ہماری ترقی کے لئے سب سے بڑی رکاوٹ یہی مذہبیت رجعت اور ملائیت ہے اسے ختم کرکے "اسلامی اشتراکیت" اور "اسلامی سوشلزم" کو لانا چاہیئے مصر غریب جس کی اشتراکیت پسندی اور تجدد پرستی کے حوالے یہاں بار بار دیئے جاتے تھے سب نے دیکھا کہ وہ "عباداً لنا اُولی باْسٍ شدید" کی تاب چار دن بھی نہیں لاسکا لیکن ہمارے "فکر و نظر" میں اب بھی تبدیلی نہیں ہوئی ہمارے مفکرین کا رخ اب بھی "مذہب کش اشتراکیت" ہی کی طرف ہے امت کے عمومی "فسادِ مزاج" کی انتہا یہ ہے کہ سقوط بیت المقدس کے بعد بھی سینماؤں میں "سیرۃ النبیؐ" کے اجلاس منعقد کئے جاتے ہیں اور عربوں کے نقصانات کی تلافی کے لئے "عرب عورتوں کے مینا بازار" جیسے شرمناک اور حیاسوز مناظر کا اہتمام کیا جاتا ہے، واذا اراد اللّٰہ بقوم سوءً فلا مرد لہ۔ نظریں اس طرف تو بھی کی جاتی ہیں کہ مسلمان سائنس اور ٹیکنالوجی میں پیچھے رہ گئے تھے اس لئے انھیں شکست ہوئی اور ایک معاصر نے تو یہاں تک مشورہ دے ڈالا کہ پاکستان میں مسجدوں پر جتنے ٹکے مسلمان برباد کر رہے ہیں وہ سب سائنسی ترقی اور فوجی استحکام پر خرچ کئے جانے چاہئیں لیکن اس طرف کسی کی نظر نہیں جاتی کہ یہ امت تعلق مع اللّٰہ ایمانی قوت اور خوداعتمادی کی دولت کھو بیٹھی ہے اس لئے بیت المقدس سے اقوام متحدہ تک اس کی حیثیت گھاس پھوس کی ہو کر رہ گئی ہے جس کی نہ کوئی قیمت ہے نہ کوئی وزن۔ (مدیر)

کی سامراجیت سے پنجہ آزمائی کر سکے، پھر مصر کے صدر جمال عبد الناصر کے حوصلوں سے کسی اچھے کارنامے کی توقعات وابستہ ہو سکتی تھیں لیکن اس کا کیا کیا جائے کہ عرب قومیت اور اشتراکیت کی نحوست سے تمام کارناموں پر پانی پھر گیا مان لیجئے کہ اتحادِ عرب کی تحریک اتحادِ اسلام کے پیش خیمہ کے طور پر شروع کی گئی ہوگی، یعنی پہلے اپنے گھر کو بنائیں، پھر باہر کی دنیا کی خبر لیں گے لیکن ہوا یہ کہ "اتحادِ عرب" نے "اتحادِ اسلام" کی جگہ لے لی اور وہ بذاتِ خود مقصد بن کر رہ گیا، جس سے اسلامی اتحاد کمزور ہوتا گیا، اور اعدائے اسلام کو اسی راستے سے گھسنے کا موقعہ مل گیا، پھر بعض سیاسی غلطیوں یا ہوسِ اقتدار سے عرب اتحاد بھی پارہ پارہ ہو گیا اور افسوس ہے کہ اس نازک موقعہ پر جو اتحادِ عرب کی توقع پیدا ہو گئی تھی، اعداءِ اسلام کی عیاری اور اپنوں کی سادہ لوحی کی وجہ سے وہ بھی ختم ہو گئی۔

جنگ کے بعد حالات نے جو نئی کروٹ لی ہے اس سے قوی اندیشہ اس امر کا ہو گیا ہے کہ جمہوریہ مصر، شام، عراق اور الجزائر تو روسی بلاک میں شامل ہو کر اسلامی عربی انفرادیت کو کھو بیٹھیں گے بلکہ شاید روس کی دوستی کی قیمت ادا کرنے کے لئے خاکم بدہن اپنے ملکوں سے اسلام ہی کو ختم کر دیں گے اور دوسری طرف بقیہ چند عرب ممالک امریکہ و برطانیہ سے دوستانہ تعلق کو مزید استوار کر کے اسلام کے لئے مستقل "خطرہ" بنیں گے، بہر صورت موجودہ نقشہ انتہائی دردناک ہے جس کے تصور سے بھی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، خدا فراموشی، تن پروری اور اقتدار پرستی کا تاریک انجام یہی ہو سکتا ہے جو ہوا، فالی اللہ المشتکی۔

شکست کے اسباب صرف یہ بتلائے گئے کہ دشمن کے پاس سامان زیادہ تھا اور یہ کہ ہمیں حملہ کا خطرہ مشرق سے تھا لیکن حملہ مغرب سے ہوا، گویا محض سطحی اور ظاہری اسباب[1]

---

[1] انقلاب مصر کی ۱۵ ویں سالگرہ کے موقعہ پر صدر ناصر کی جو تقریر مقامی اخبارات میں شائع ہوئی ہے اس کے بعض جملے بلاشبہ قابلِ تحسین ہیں، صدر ناصر نے کہا ہے "اللہ تعالیٰ ہمیں ایک سبق دینا چاہتا تھا جو ہم نے سیکھنے کی کوشش نہیں کی تھی وہ سبق یہ تھا کہ ہم اپنی خامیوں کو دور کریں، اپنے گناہوں سے توبہ کریں، اور اپنے وطن کی تعمیر میں لگے رہیں، اب ہم نے یہ سبق حاصل کر لیا ہے، ہمیں یقین ہے کہ اللہ تعالےٰ ہمارے ساتھ ہے اور اگر ہم فتح حاصل کرنے کی جدوجہد کریں گے تو وہ یقیناً ہمیں فتح و نصرت (باقی حاشیہ صـ پر)

پر ایمان لاکر صرف اسلحہ کی کمی کو پورا کر لینا ہی معراجِ کمال سمجھا گیا اور ساتھ کے ساتھ اشتراکیت پر عزم کا بھرپور اظہار کیا گیا تاکہ کہیں "پیغمبرِ اشتراکیت" روس ناراض نہ ہو جائے اور روسی بحری بیڑہ کے سکندریہ اور سوئز پہنچنے پر اطمینان کا سانس لیا گیا حالانکہ جب رات ۶ بجے حملہ ہوا ہے تین بجے رات تک روس ہی اطمینان دلانے والا تھا کہ اسرائیل کی طرف سے حملہ نہیں ہوگا تم حملے میں پہل نہ کرنا اور عین اس وقت جبکہ اسرائیلی درندے مصر، شام اور اردن پر بمباری کر رہے تھے روسی بیڑہ کچھ زیادہ دور نہیں تھا اور روس اور امریکہ کے درمیان عدمِ مداخلت کا سمجھوتہ ہو رہا تھا، اگر یہ واقعات صحیح ہیں تو پھر کیا تعجب اور افسوس کا مقام نہیں کہ روس پر اس کے بعد بھی اعتماد باقی رکھا جائے، یہ صحیح ہے کہ جدید اسلحہ اور دیگر جنگی سامان کے لئے انہی خدا فراموش قوموں میں سے جس کو نسبتہً غنیمت سمجھا جائے گا اسی سے امداد لی جائے گی لیکن صرف اسی کو ذریعۂ نجات سمجھنا کہاں کی عقل اور کہاں کی تدبیر ہے۔

اگر خدانخواستہ عقبہ، غزہ، عریش اور صحرائے سینا کے بعد نہر سوئز پر بھی ان کا قبضہ ہو جاتا ہے جو بظاہر امریکہ و برطانیہ کی پوری سازش ہے تو عرب جمہوریہ کی شہ رگ

(باقی حاشیہ صہ سے آگے) سے ہمکنار کرے گا"۔ انھوں نے کہا "ہم کسی عرب ملک کو سوشلسٹ نظام کے تحت لانے کی کوشش نہیں کریں گے، اسرائیل کا مقابلہ کرنے کے لئے ایک "عرب محاذ" ہونا چاہیئے، انہوں نے مزید کہا" ہیں نے سربراہ کانفرنس طلب کرنے کے لئے سوڈان کے وزیر اعظم کی تجویز منظور کر لی ہے، ہم مطالبہ کرتے ہیں کہ عرب ملک جو کچھ کر سکتے ہیں کریں اور اپنی طرف سے کوئی کسر نہ اٹھا رکھیں" کاش اللہ تعالیٰ تمام عرب سربراہوں کو "اپنی واقعی خامیوں" کو سمجھنے، گناہوں سے توبہ کرنے اور "وطن کی تعمیر" کے بجائے اعلاء کلمۃ اللہ کو نصب العین بنانے کی توفیق بخشیں ضرورت جن چیزوں کو عمل میں لانے کی تھی، اب تو انھیں زبان پر لانا بھی شاذونادر ہی ہوتا ہے اور عرب سربراہ کانفرنس بھی مفید اسی وقت ہو سکتی ہے جبکہ شرکت کرنے والے جذبۂ مفاہمت سے شریک ہوں اور ایک دوسرے کی غلطیاں بغیر یاد دلائے معاف کر دینے کے لئے تیار ہوں اور اگر صرف اپنی کہنے اور اپنی سنانے کے جذبے ہی سے شرکت کی گئی تو خطرہ ہے کہ اس کا انجام اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کا سا نہ ہو۔ (مدیر)

کٹ جاتی ہے اور اس کے بعد اسلام اور مسلمانوں پر جو کچھ گذرے گی اس کا تصور بھی آج نہیں کیا جا سکتا، بہرحال عرب ممالک کا موجودہ نقشہ اور روزانہ کے پیش آنے والے حالات وواقعات ایک مسلمان کے لئے انتہائی ناقابلِ برداشت صدمہ کا موجب ہیں۔

جو کچھ پہلے لکھا گیا یا اب لکھا جا رہا ہے الحمدللہ وہ صرف اپنے ضمیر کی آواز ہے۔ نہ پہلے کسی کی غلطی کو خوبی سمجھا، نہ اب کسی کی واقعی خوبی سے انکار ہے۔

عالمِ اسلام کے اتحاد کی ضرورت

ظاہر ہے کہ آج کا مسئلہ صرف عرب ممالک کا نہیں بلکہ تمام عالمِ اسلامی کا مسئلہ ہے، مکہ، مدینہ اور قدس تمام عالمِ اسلام کا مشترک سرمایہ ہے اس لئے موجودہ صورت حال میں تمام عالمِ اسلام کو متحد و متفق ہونا چاہیئے، سربراہانِ عرب کا فرض ہے کہ وہ عرب ممالک کے سربراہوں کا اجتماع بلانے کے بجائے عالمِ اسلامی کے سربراہوں کی کانفرنس منعقد کریں۔

خدا کا شکر ہے کہ اس ابتلاء میں پاکستان کا اسلامی موقف ممتاز اور قابلِ فخر رہا، اور ترکی نے بھی قابلِ تعریف موقف اختیار کیا، ان صبر آزما حالات میں عرب اور اسلام کی مشترکہ مشکلات کو حل کرنے کے لئے اتحادِ اسلام کا بہترین موقع ہے، دشمنانِ اسلام انتہائی عیاری اور چالاکی سے جس طرح عرب حکومتوں میں تفریق کے درپے ہیں اسی طرح اس کوشش میں بھی مصروف ہیں کہ جلد سے جلد چند اسلامی ملکوں کا بلاک قائم کر کے عالمِ عرب سے انہیں جُدا کر دیا جائے۔

بظاہر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ چین کے خوف نے روس اور امریکہ کو کسی خفیہ سمجھوتے پر مجبور کر دیا ہے اور وہ اندرونِ خانہ عرب ممالک کی قسمت کا فیصلہ بھی کر چکے ہیں، اگر اس خیال میں کچھ بھی واقعیت ہے تو روس کی دوستی پر اعتماد کرنا اور اسی کو ذریعۂ نجات اور وسیلۂ کامیابی سمجھنا بڑی خطرناک اور تباہ کن غلطی ہوگی۔

جہاں تک جدید اسلحہ سازی کا تعلق ہے عرب اور دیگر ممالکِ اسلامیہ اتنے پیچھے ہیں کہ سو سال میں بھی یہ توقع نہیں کہ اپنے پاؤں پر کھڑے ہو سکیں گے، ان حالات میں

صراطِ مستقیم یہی ہے کہ پورا عالمِ اسلام متحد ہو کر مشترکہ فوجی تنظیم اور جنگی سامان کی تدابیر کرے، حتی المقدور تمام ممکن وسائل جہاں کہیں سے بھی حاصل ہوں مہیا کئے جائیں، اللہ تعالیٰ سے صحیح رشتہ جوڑیں، قانونِ اسلام نافذ کریں، اعلائے کلمۃ اللہ کو نصب العین بنا کر جدید تہذیب و تمدن کی تمام لعنتوں کو اپنے اپنے ملکوں سے نکال پھینکیں، متحد ہو کر عالمی ترازو میں اپنا وزن ڈالیں، اقوام متحدہ اور سلامتی کونسل کے چکروں سے نکلیں اور اسلامی اخوت کی پناہ میں آجائیں، اس طرح انشاء اللہ تعالیٰ کامیابی و کامرانی ان کے قدم چومے گی۔

لیکن اگر اس کا امکان نہیں تو مستقبل میں اپنی تباہی و بربادی اور ناکامی و ذلت کے لئے تیار ہو جائیں جس سے نہ روس کی اشتراکیت بچا سکے گی نہ امریکہ و برطانیہ کا ظلِ عاطفت۔

مصلحت دید من آنست کہ یاراں ہمہ کار
بگذارند و خم طُرّۂ یارے گیرند

إن تنصروا الله ينصركم ويثبت أقدامكم، والله سبحانه وتعالىٰ
ولي التوفيق وهو حسبنا ونعم الوكيل

جمادی الاولیٰ ۱۳۸۷ھ

مشرقِ وسطیٰ اور جمال عبدالناصر

گذشتہ ستمبر ۱۹۷۰ء میں اُردن میں جو خونچکاں اور رُوح فرسا واقعات پیش آئے ان پر جتنا ماتم کیا جائے کم ہے، مسلمانوں کے ہاتھوں مسلمانوں کا یہ قتلِ عام بجا طور پر دورِ حاضر کا "تاریخی المیہ" کہلانے کا مستحق ہے، وہ طاقت جو اسرائیلی طاغوت کے مقابلے میں خرچ ہونی چاہیئے تھی، آپس میں خانہ جنگی کی نذر ہو کر رہ گئی، "جہاد کے بجائے خانہ جنگی کی مکروہ ترین و دردناک صورتِ حال سامنے آئی، اسباب کیا تھے؟ اور صحیح واقعات کیا ہیں؟ یہ ایک معمہ سا بن گیا ہے، خیر اسباب کچھ بھی ہوں، نتائج بہر حال ہمارے سامنے ہیں، اتنا ضرور ہے کہ اعداءِ اسلام نے جانبین کی حوصلہ افزائی کے لئے نہ صرف ریشہ دوانیاں کیں، بلکہ دونوں طرف مادی تعاون بھی جاری رہا اور مسلمان اپنے ہی بھائیوں کا گلا کاٹنے کے لئے اعداء کے آلۂ کار بن گئے، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیہِ رَاجِعُون۔

اس المیہ کے ظاہری علل و اسباب کچھ بھی ہوں مگر اس کا باطنی سبب تو بظاہر شامتِ اعمال ہی معلوم ہوتی ہے، خدا فراموشی، نسل پرستی، اعلائے کلمۃ اللہ کے تصور کا مفقود ہو جانا جدید تمدن و تہذیب سے نہ صرف ملوث ہونا بلکہ اس میں مستغرق ہو جانا، قدم قدم پر عُریانی اور فواحش و منکرات کے رُوح فرسا مناظر اور خود پسندی، خود غرضی اور بد اعتقادی کے مظاہر یہ ہیں وہ چیزیں جنہوں نے عقلوں کو بے ہوش بنا دیا تھا۔ ؏

"شامتِ اعمال ما صورتِ نادر گرفت"

یہی دردناک صورتِ حال جمال عبدالناصر جیسی مضبوط اور آہنی شخصیت کے لئے جان لیوا ثابت ہوئی، یہ ان کی زندگی کا بے مثال کارنامہ ہے کہ فریقین اور تمام عرب ممالک کے سربراہوں کو بلا کر ان کی صلح کرائی اور انہی کے تدبر سے آخر یہ گتھی سُلجھ گئی، جمہوریہ عربیہ متحدہ کے سفیر جناب علی خشبہ سے معلوم ہوا کہ جمال ناصر مرحوم کو نو راتیں مسلسل نیند نہیں آئی، ڈاکٹروں کے اصرار پر خواب آور گولیوں کی مدد سے دن رات کے چوبیس گھنٹوں میں بمشکل

دو گھنٹے آرام کرتے تھے، بلاشبہ یہ ان کی زندگی کا آخری کارنامہ ان کے نامۂ اعمال کا زرّیں حصّہ ہے۔

مشرقِ وسطیٰ کے حالات عرصہ سے پیچیدہ ہیں اور اب جمال عبدالناصر کی وفات سے اور زیادہ پیچیدہ ہوگئے، عرصہ دراز کے بعد عرب ممالک میں استعماری طاقتوں خصوصاً امریکہ برطانیہ اور یہود کا مضبوط ترین مخالف پیدا ہوا تھا، چنانچہ مرحوم کی وفات کے بعد ان کی مقبولیت کا ٹھیک اندازہ دنیا کو ہوا، امریکہ و برطانیہ عرب ممالک میں جو ریشہ دوانیاں کر رہے ہیں ان کے لئے جمال ناصر کا وجود ایک آہنی دیوار تھا، ان کا سب سے بڑا وصف استعمار دشمنی تھا، جہاں کہیں استعماریّت کے خلاف تحریکِ حرّیت شروع ہوئی انہوں نے نہ صرف اس کی ہمنوائی کی بلکہ ممکن سے ممکن اعانت سے بھی دریغ نہ کیا، الجزائر کی آزادی میں اوّل سے آخر تک جو محیر العقول اعانت کی وہ بجائے خود ایک عظیم کارنامہ ہے، برطانیہ، فرانس اور یہود کے سہ طاقتی حملے کو جس بہادری و تدبّر سے پسپا کیا وہ قابلِ حیرت ہے، اگر "اخوان المسلمین" ان کے سیاسی حریف نہ بنتے اور ان کے قتل سے ان کا دامن داغدار نہ ہوتا تو دنیا میں اس کی مقبولیت تاریخی طور پر بے مثال ہوتی، اس وقت بظاہر امریکہ و برطانیہ کی ملعون سازشوں کے لئے میدان خالی سا ہو گیا ہے، چنانچہ فوراً امریکہ نے تقریباً بیس ارب ڈالر کا دفاعی بجٹ منظور کر کے اسرائیل کو ۵۰ کروڑ ڈالر قرض دینے کی تجویز پاس کر لی اور دو میزائل اڈے فلسطین میں تعمیر کرانے کا منصوبہ بنا لیا، اس طرح عرب ممالک کی مشکلات میں اضافہ ہو گیا اور یہود سے قدس اور مغصوبہ سرزمین کے استخلاص کی اُمید کھٹائی میں پڑ گئی۔

خیر یہ تو سیاسی مسائل ہیں، علمی و دینی مسائل ہمارے "بصائر و عبر" کا اصل میدان ہے، جامعہ ازہر کے میزانیہ کو ساڑھے نو ملین پونڈ تک پہنچا دیا؛ اس کے تعمیری سلسلہ کو اس قدر حیرت انگیز ترقی دی کہ عقل حیرت میں ہے۔ سات ہزار بیرونی ممالک کے طلبہ کے وظائف مقرر کئے اور "مدینۃ البعوث" میں ان سات ہزار طلبہ کے لئے رہائش کا انتظام کیا، عمدہ سے عمدہ غذائیں ان کے لئے فراہم کیں، ناشتے میں فول اور انڈے،

دوپہر اور شام کے کھانے میں ہفتہ میں تین روز مرغ اور اتنی وافر مقدار میں کہ جتنا چاہیں کھائیں اور اگر طلبہ کے مہمان بھی ہوں تو ان کے لئے الگ انتظام، مطبخ سے مزید جتنا چاہیں کھانا طلب کرلیں، دینی یا غیر دینی اداروں اور قومی یا حکومتی مدارس و جامعات میں تاریخ اس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر تھی۔

سرکاری مناصب ازہریوں کے لئے کھول دیئے گئے اور دین و دنیا کی تفریق علوم و معارف میں جو قائم ہو گئی تھی ناصر پہلا شخص ہے جس نے اسے ختم کر دیا اور تمام شعبوں میں خواہ انجینئرنگ ہو یا اکنامکس دین کا اتنا حصہ شامل کر دیا کہ آدمی جاہل نہ رہے، كلية الهندسة انجینئرنگ کالج، کا نصاب دیکھ کر حیرت ہوئی کہ ہمارے یہاں اسلامیات کی تعلیم جو ایم اے میں ہوتی ہے اس کے مقابل میں صفر ہے، الغرض دوسرے ممالک کے طلبہ کے لئے بھی آسائش حیرت انگیز ہے اور جیب خرچ کے لئے، پونڈ کا وظیفہ دینا اس پر مستزاد۔ خود مصریوں کے لئے تمام تعلیم مفت، یعنی کتاب، پنسل اور کاپی تک حکومت دیتی ہے اس لئے فوج کے علاوہ تمام وزارتوں سے وزارتِ تعلیم کا بجٹ زیادہ ہوتا ہے۔

ازہر کی زیر نگرانی ایک شعبہ "مجمع البحوث الاسلامیہ" کا قائم کیا جس میں جدید مسائل کتاب و سنت کی روشنی میں حل کئے جائیں گے، اس کے لئے اکثر عرب ممالک سے مستقل ارکان اور اعضاء کا انتخاب کیا، پھر یہ اہتمام کیا کہ یہ مسائل تمام عالمِ اسلام کے علماء کے سامنے پیش کئے جائیں اس کے لئے مؤتمرات یعنی کانفرنسیں ہوتی ہیں اور ان کانفرنسوں میں ہر نمائندے کو ردّ و قدح کی اجازت ہوتی ہے۔ فیصلہ ہونے کے بعد کتابی صورت میں وہ مسائل و مقالات چھپتے ہیں۔

ازہر میں ایک شعبہ قائم کیا جس کے زیرِ اہتمام تمام عالم میں خواہ اسلامی ہوں یا غیر اسلامی، عربی ادب عربی علوم یا اسلامی دعوت کے لئے علماء بھیجے جائیں، چنانچہ امریکہ سے پاکستان تک یہ سلسلہ جاری ہے، کراچی، ڈھاکہ، لاہور، پشاور تمام جگہ یہ اساتذہ عربی سکھانے یا قرأت سکھانے یا بقیہ علوم سکھانے کے لئے موجود ہیں اور بعض ممالک میں تو اتنے علماء بھیجے کہ حد ہو گئی، سومالی لینڈ میں سو ۱۰۰ کے قریب عالم بھیجے، اس طرح ہزاروں کی تعداد

ہیں "مبعوثین" باہر کی دنیا میں بھاری مشاہرات سے بھیجے جاتے ہیں اور اہل وعیال سمیت ان کے آنے جانے کے لئے ہوائی جہازوں تک کے تمام مصارف حکومت برداشت کرتی ہے۔

دینی وعلمی کتابوں کی نشرواشاعت کے لئے ایک مستقل ادارہ "المجلس الأعلیٰ للشئون الاِسلامیۃ" قائم کیا اور اس میں ایک شاخ "احیاء التراث الاِسلامی" قائم کی جس نے ان چند سالوں میں درجنوں اعلیٰ سے اعلیٰ کتابیں لاکھوں کی تعداد میں شائع کی ہیں، یہ کتابیں علمی اداروں اور تمام اسلامی وغیر اسلامی ممالک کے مطالبے پر مفت اپنے خرچ پر بھیجتے بلکہ افراد و اشخاص کے نام ارسال کرتے ہیں اور ان میں اسلامی اصول اور جدید انداز سے اسلامی علوم کی جو خدمت کی گئی عقل حیران ہے۔

قاری محمود خلیل مصری کی تلاوت سے امام حفص رحؒ کی قراءت کو ۴۴ بڑے ریکارڈوں میں تمام قرآنِ کریم کو ریکارڈ کر کے تمام ممالکِ اسلامیہ میں اس کے سیٹ بھیج دیئے تاکہ حکومتیں اسے ریڈیو پر نشر کرتی رہیں، اس طرح امام ورشؒ کی قراءت کے ۶۵ ریکارڈ بنائے گئے اور مراکش اور افریقہ وغیرہ ممالک میں بھیجے گئے، وہاں عام طور سے لوگ مالکی مذہب کے ہیں اور وہ امام ورشؒ کی قراءت پڑھتے ہیں، اسی طرح قاری عبدالباسط عبدالصمد کی تلاوت کو ریکارڈ کر کے محفوظ کر دیا گیا اور وہ قاہرہ ریڈیو سے نشر کی جاتی ہے، قاہرہ میں ایک مستقل ریڈیو اسٹیشن قائم کیا گیا جس کا نام " محطة إذاعة القرآن الكريم " رکھا ہے، اس اسٹیشن پر صرف قرآن کریم کی تلاوت روزانہ چودہ گھنٹہ ہوتی ہے، اس طرح دنیا میں حفاظِ قرآن کے لئے آسانی کی گئی اور قرآنِ کریم کے احترام کے لئے اور کوئی خبر اس اسٹیشن سے نشر نہیں کی جاتی۔

نماز سکھانے کے لئے چھوٹے کیسٹ بھرے اور تمام دنیا میں اس کو عام کر دیا، قرشوں سے اس کی قیمت رکھی اور مفت تمام ممالک میں بھیجے، قرآنِ کریم کے لاکھوں نسخے چھوٹے عمدہ سائز کے بہترین کاغذ پر طبع کرا کے افریقہ کے ان تمام ممالک کو بھیجے جو آزاد ہو گئے ہیں؛ اس کے علاوہ سفارت خانوں کی معرفت تمام اسلامی ممالک میں بھیجتے ہیں تاکہ قرآن مطبعی اغلاط سے محفوظ رہے اور قرآن کی تلاوت عام ہو، پچھلے سالوں میں جب یہودیوں نے محرف قرآن شائع کیا تو اس کے جواب میں تمام عالم کے لئے قرآن چھاپ کر ناصر کی حکومت نے ہر ہر گوشے گوشے

میں نسخے ارسال کئے، قرآن کریم کی اشاعت، قرآت تلاوت، طباعت جتنی اس کے دور میں ہوئی کبھی نہیں ہوئی، ماہ رمضان المبارک میں تمام عالمِ اسلامی میں مراکش سے لے کر انڈونیشیا تک قاری بھیجے جاتے ہیں، چنانچہ ہر سال پانچ پانچ قاری پاکستان بھی آتے ہیں، کیا اسلام کے دشمن ایسے کام کرتے ہیں؟ اگر بالفرض یہ سیاسی اغراض کے لئے ہیں تو دوسرے اسلامی ممالک کیوں ایسا نہیں کرتے؟

غالباً پانچ برس کی بات ہے کہ "مجمع البحوث الاسلامیہ" کی مؤتمر کے زمانے میں راقم الحروف بھی مؤتمر میں مدعو تھا، اس وقت قاہرہ میں ہمارے پاکستان کے سفیر اسکے دہلوی تھے، (عبدالسمیع خاں دہلوی)، وہ مجھ سے اس دوران میں کچھ مانوس سے ہو گئے تھے۔ اپنی قیام گاہ پر (یہ دریائے نیل پر سر آغا خاں کی ایک عظیم الشان کوٹھی تھی اور حکومتِ پاکستان کو دی گئی تھی)، مجھے استقبالیہ دعوت دی، فراغت کے بعد مجھ سے کہا کہ میرا ایک پیغام آپ ہمارے صدرِ مملکت جناب ایوب خان کو پہنچا دیجئے، ان کو بتائیں کہ دنیا میں حکومت ایسی ہوتی ہے جیسی صدر جمال عبدالناصر کرتا ہے، میں نے پوچھا وہ کیسی؟ اس کے بچے اسکول اور کالج سائیکل پر جاتے ہیں، ان کے لئے موٹر نہیں، کسی بنک میں ان کا کوئی کھاتہ نہیں جتنی زمین ان کی ملکیت تھی صدر بننے کے بعد اس میں کوئی اضافہ نہیں ہوا، جس وقت وہ کرنل تھے اس وقت جس مکان میں رہتے تھے بدستور اسی مکان میں رہتے ہیں، گورنمنٹ ہاؤس میں نہیں رہتے، صرف ملاقات کے لئے وہاں آیا کرتے ہیں، اٹھارہ گھنٹے روزانہ کام کرتے ہیں ـــــ میں نے کہا کہ آپ خود براہِ راست یہ پیغام کیوں نہیں پہنچاتے؟ کہا یہ ہمارا منصب نہیں تم جیسے جرأتمند مولویوں کا کام ہے، میرا ارادہ تھا کہ اگر ایوب خاں صاحب سے ملاقات ہو گی تو ضرور یہ پیغام ان کو پہنچاؤں گا۔

ناصر کا سب سے بڑا جرم یہ سمجھا جاتا ہے کہ اشتراکیت کی بنیاد ڈالی اور عرب قومیت کی علمبرداری کی، میں ان کی وکالت نہیں کرتی، ہر شخص قیامت کے روز اپنے اعمال کا مسئول ہو گا۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ جمال عبدالناصر عہدِ حاضر کا فرمانروا تھا، وہ فاروقِ اعظم نہ تھا کہ دین و دنیا کے تمام نظام میں اسلامی شریعت اور آسمانی قانون کی اتباع سے سرِمو تجاوز نہ کرے، اس

معیار پر نہ جانے بمشکل تاریخ اسلام میں کتنے افراد نکلیں گے لیکن قابلِ غور یہ ہے کہ وہ اشتراکیت یا اشتمالیت جس کا سرا مارکس ولینن سے جڑتا ہے اور جو سراسر کفر والحاد ہے اسے ایک لمحہ کے لئے کوئی مسلمان تو درکنار ایک عاقل انسان بھی برداشت نہیں کر سکتا لیکن جو ملک غلط نظامِ معیشت کی وجہ سے عیش پرستی کا مرکز ہو، طبقاتی تفاوت، زمین وآسمان کا ہو۔ ایک کو عیش پرستی کا ہیضہ ہو، اور ایک نانِ شبینہ کے لئے ترستا ہو، اخلاقی و دینی گرفتیں ڈھیلی ہو جائیں ایسے نظام کی اصلاح کے لئے تدبیر کرنا تو جرم نہیں البتہ مذہب کے شرعی اصولوں سے نکلنا جرم ہے۔ تمام دنیا میں سرمایہ داری اور عیش پرستی کے ردِّ عمل کے طور پر کمیونزم آرہا ہے۔ اگر کوئی شخص اس مہلک سیلاب کے روکنے کی تدبیر کرے اور صریح کفر سے بچا لے تو کیا یہ قابلِ قدر کارنامہ نہ ہوگا؟ تمام یورپ کے عقلاء یہ کہتے ہیں کہ دنیا میں مصر ہی ایک ایسا ملک ہے جہاں روس کا کمیونزم نہیں آسکتا جو اقتصادی نظام وہاں جاری ہے اس نے کمیونزم کے سیلاب کو مصر میں آنے سے روک دیا ہے، یوں بھی وہاں کمیونزم اور قادیانیت دونوں خلافِ قانون ہیں۔

بلاشبہ روسی اشتراکیت یا اشتمالیت دونوں کفر ہیں اور اگر کسی نے محض اسلام کے اقتصادی نظام کا نام "اشتراکیۃ الاسلام" یا "اسلامی سوشلزم" رکھ دیا تو بلاشبہ یہ بھی غلط ہے۔ اسلامی نظامِ اقتصاد کو اجنبی نام سے پکارنا بھی گناہ ہے۔ اسی طرح اسلام کے مالی نظام کے لئے دوسرے نظاموں سے استعارہ کر کے نام رکھنا بھی جرم ہے۔ یہ ذہنی مرعوبیت اور فکری غلامی کی دلیل ہے کہ اسلامی ناموں کو چھوڑ کر غیر اسلامی نام رکھا جائے۔ حق تعالیٰ نے اسلام کے تمام نظام کو، خواہ اس کا اقتصادی شعبہ ہو یا سیاسی و معاشرتی شعبہ، دوسروں سے مستغنی کر دیا ہے۔ ہمیں کوئی ضرورت نہیں کہ روس یا چین کے ناموں سے اسلامی چیزوں کو پکاریں لیکن واقعی سوشلزم لانا اور چیز ہے اور صرف اسلامی مالی نظام کو سوشلزم سے تعبیر کرنا ایک دوسری چیز، دونوں میں زمین وآسمان کا فرق ہے ایک صریح کفر اور دوسرا گناہ ہے۔ اخوان المسلمین کے ایک مشہور رکن رکین مصطفی سباعی مرحوم نے اسلامی مالی نظام پر ایک ضخیم کتاب لکھی اور اس کا نام "اشتراکیۃ الاسلام" رکھا، کیا نام رکھنے سے وہ کافر ہو گیا؟ العیاذ باللہ، ہاں اگر اسلامی نظام

کے بالمقابل روس کی اشتراکیت کو سراہا جائے، جیساکہ سید قطب کی کتاب "العدالۃ الاجتماعیۃ" سے مترشح ہوتا ہے تو بڑی خطرناک اور بڑی ناسمجھی کی بات ہے، بہرحال جو جرم اخوان المسلمین کے رکن نے کیا، یہی جرم ناصر نے بھی کیا ہے۔

ناصر کی سب سے قابلِ مواخذہ بات درحقیقت عربی قومیت میں غلو ہے اگرچہ وہ خود یہ کہتے تھے کہ اتحادِ اسلامی سے پہلے "وحدۃ العربیۃ" یعنی "عرب اتحاد" کی ضرورت ہے اور یہ اتحادِ اسلامی کی طرف ہمارا پہلا قدم اور پہلی منزل ہے لیکن ہوا یہ کہ تمام اعداءِ اسلام نے خود اس کو اتنا اچھالا کہ یہ ایک مستقل حقیقت بن گئی اور تمام عرب ممالک کا دامن اس نیشنلزم سے ملوث ہوگیا، اعداءِ اسلام کو موقع مل گیا کہ اس کو اتنی قوت پہنچائیں کہ اتحادِ اسلامی کا نعرہ دفن ہو کر رہ جائے، عرب اور غیر عرب کے درمیان تفریق ہوجائے اور قومیت کے ساتھ وطنیت کی لعنت سوار ہوجائے، اس جذبے نے اتنی ترقی کرلی کہ عرب عیسائی غیر عرب مسلمان سے بہتر سمجھا جانے لگا، بلاشبہ یہ عذاب تمام عربی ممالک پر مسلط ہوگیا اور مصر اگر ابتداءً اس نعرے کا مرکز رہا لیکن دوسرے ممالک ان سے بھی اب نمبرے گئے، حق تعالیٰ رحم فرمائے، بہرحال جو نظام عہدِ ناصری میں جاری ہوا اس سے بڑی حد تک غریبوں کا مسئلہ حل ہوگیا اور ایک غریب فلاح کو تعلیم و ہسپتال وہ سہولتیں میسر آئیں جو کسی وقت صرف امیر کو میسر ہوسکتی تھیں، تاہم ہم نے اس نظام کی ظلمت محسوس کی نہ معلوم یہ حقیقت ہے یا ہمارا فریبِ نظر۔

یوں تو مصر کی سرزمین آزادی کے لئے تاریخی طور پر مشہور ہے، صدیوں پہلے حافظ بدرالدین عینیؒ نے عمدۃ القاری میں اس کی بڑی تلخ شکایت کی تھی مگر جب سے بنولبن کا اقتدار قائم ہوا اور فرانسیسی نسلیں قاہرہ و اسکندریہ میں لاکر لبسائی گئیں تو بے پردگی کا رواج عام ہوتا گیا، نئی نسل میں بالخصوص شہری آبادی میں "سفور" یعنی بے حجابی کی وبا پھیل گئی، تعلیمی مدارس کے تمام شعبوں میں لڑکیاں تعلیم پانے لگیں، تاہم ازہر میں دینی تعلیم کے دروازے لڑکیوں کے لئے بند تھے، ناصر کے عہد میں پہلی بار یہ پابندی اٹھائی گئی، ازہر کے دروازے لڑکیوں کے لئے کھول دیئے گئے اور ان کے لئے لڑکوں سے الگ انتظام کردیا گیا۔ ہمارے نزدیک بے حجابی ایک لعنت ہے خواہ مصر میں ہو یا شام میں، افغانستان میں ہو یا پاکستان میں اور بے پردگی لعنت ہے

خواہ وہ تعلیم کے لئے ہو یا پارلیمنٹ کی ممبری کے لئے، جدید تعلیم کے لئے ہو یا قدیم کے لئے، میڈیکل کالجوں میں ہو یا پولیس تھانوں کی خدمات کے لئے، کرسیٔ عدالت ہو یا مسندِ تدریس پر ہم کسی موقعہ پر بھی سفور (بے پردگی) کی حوصلہ افزائی برداشت نہیں کر سکتے۔ یہ نہ صرف فطرت سے انحراف اور تقاضائے انسانیت سے بغاوت ہے، بلکہ انسانیت کے مظلوم طبقہ (عورتوں) پر مزید ظلم ڈھانے اور اسے نشانۂ ہوس بنانے کے لئے ایک شیطانی حربہ ہے، دورِ جدید کی بے پردگی مغرب کی بے خدا، بے دین اور بے غیرت قوموں اور تہذیبوں کا لایا ہوا تحفہ ہے۔ ناپاک اور نجس تحفہ۔ اسلام کی نظر میں عورت سراپا "ستر" ہے اور جو اس "ستر" کو برہنہ کرے وہ ملعون۔ عورت کو برہنہ کرکے مغرب، جس گرداب میں پھنس چکا ہے، کاش ہمارے مسلمان بھائی اسی سے عبرت پکڑتے، اور خدا و رسول کے حکم کی مخالفت کرکے "شرفِ انسانیت" کو یوں رسوا نہ کرتے۔

رمضان المبارک ۱۳۹۰ھ، نومبر ۱۹۷۰ء

مصر و اسرائیل جنگ سے درسِ عبرت

ماہِ رمضان المبارک (۱۳۹۳ھ) میں مصر و شام اور اسرائیل کے درمیان جو جنگ ہوئی اس میں امریکہ کی یہود نواز نکسن حکومت نے اسرائیل کو چار پانچ دن میں تین ہزار ملین ڈالر کا جدید سے جدید ترین اسلحہ مہیا کیا اور بقول بی بی سی لندن "امریکہ و اسرائیل کے درمیان ہوائی پل بنا ہوا تھا اور ہوائی راستے سے سامانِ جنگ مسلسل اسرائیلی محاذ پر پہنچ رہا تھا۔ امریکہ کی پوری طاقت اور توجہ اس مہم پر خرچ ہو رہی تھی، اس کے باوجود جب اسرائیل کسی طرح کامیاب نہ ہو سکا تو قبرص سے تازہ دم امریکی افواج نے آکر جنگ کا نقشہ بدل دیا، اس طرح امریکہ کھل کر اس جنگ میں کود پڑا، جبکہ روس نے اپنے روایتی نفاق کا ثبوت دیا اور زبانی وعدوں سے زیادہ کوئی مؤثر امداد نہیں دی، الغرض اس جنگ میں اسرائیل کو دی جانے والی امریکی امداد اور روس کے منافقانہ رویہ کی وجہ سے اگرچہ فاتح و مفتوح کے درمیان کچھ زیادہ فرق نمایاں نہیں ہو سکا لیکن الحمد للہ مسلمانوں کو اس سے متعدد فوائد اور تجربات حاصل ہوئے:۔

۱۔ مشرقِ وسطیٰ کی یہ پہلی جنگ تھی جو بڑی حد تک قوم و وطن کے تصور سے بالاتر ہو کر صرف اسلام کے نام پر اور اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے "اسلامی جہاد" کی حیثیت سے لڑی گئی۔ "اسلامی جہاد" بہت ہی اعلیٰ و ارفع مقصد ہے اس کے لئے بہت اونچے ایمان و اخلاص اور توکل علی اللہ کی ضرورت ہے اور مسلمان اگر واقعۃً اس منزلِ مراد کو پانے میں کامیاب ہو جائیں اور نصرتِ خداوندی کے اسلحہ سے لیس ہو کر اسلام کی سربلندی کے لئے میدان میں نکل آئیں تو کفر کی بڑی سے بڑی طاغوتی طاقتیں ان کے سامنے نہیں ٹھہر سکتیں تاہم اس جنگ میں اسلام کے نام پر لڑنے کا ہلکا سا تجربہ ہوا۔

۲۔ عرب ممالک اور شرق اوسط کی حکومتیں ایک مدت سے باہمی شقاق و نفاق کے مرض میں مبتلا تھیں، اگرچہ کبھی کبھی لفظاً یہ نظر آیا کہ وہ متحد ہو گئے ہیں لیکن جب ذرا غور سے دیکھا تو: ﴿تَحْسَبُهُمْ جَمِيعًا وَقُلُوبُهُمْ شَتَّىٰ﴾ کا حال نظر آیا (یعنی تم گمان کرتے ہو کہ وہ متفق و متحد ہیں حالانکہ ان کے دل پراگندہ و مختلف ہیں) مانا کہ یہ صورتِ حال

برطانیہ وامریکہ اور یہود ونصاریٰ کی ریشہ دوانیوں سے پیدا ہوئی لیکن اسباب خواہ کچھ ہی ہوں نتائج سب کے سامنے ہیں الحمدللہ ماضی قریب کی تاریخ میں پہلی مرتبہ اسلامی وعربی ممالک کو اتحاد ونفاق کی نعمت کا کچھ احساس ہوا، عرب سربراہوں کے آپس میں صلاح مشورے ہوئے اور مراکش اور شرقِ اوسط سے لے کر انڈونیشیا تک مسلمانوں میں فی الجملہ یک جہتی نظر آئی، کاش مسلم ممالک کے سربراہوں کو اللہ تعالیٰ عقل عطا فرمائے اور تمام عالمِ اسلام میں کامل اتحاد پیدا ہو جائے تو ان کے بہت سے مسائل حل ہو سکتے ہیں۔

۳۔ ایک مدت سے مسلمانوں پر مغرب سے مرعوبیت کا "کابوس" طاری ہے، وہ فکر ونظر سے لے کر روٹی پانی تک اور اسلحہ سے لے کر سامانِ تعیش تک میں مغرب کے دستِ نگر ہیں، یہ بات ان کے حاشیۂ خیال میں بھی نہیں آتی کہ وہ ان گورے کافروں کی اعانت وحمایت اور دوستی وموالات کے بغیر بھی جی سکتے ہیں، اس جنگ میں پہلی بار مسلمان سربراہوں کو احساس ہوا ہے کہ صرف وہی گوروں کے محتاج نہیں بلکہ وہ گوروں کو بھی احتیاج کا مزہ چکھا سکتے ہیں، یورپ وامریکہ کی ساری ترقیات کی کلید خود ان کے ہاتھ میں ہے۔ وہ جب چاہیں تیل کی سپلائی بند کر کے یورپی وامریکی صنعت کا پہیہ جام کر سکتے ہیں، وہ جب چاہیں مغربی بینکوں سے سرمایہ نکال کر ان کی اقتصادیات کو مفلوج کر سکتے ہیں اور جب چاہیں مغربی، امریکی اور یہودی مصنوعات کا بائیکاٹ کر کے ان کے سارے تجارتی کاروبار کو تلپٹ کر سکتے ہیں، الحمدللہ پہلی بار مسلمانوں نے اس جانب کچھ قدم اٹھایا ہے اور پہلی بار مملکتِ سعودیہ کے سربراہ ملک فیصل نے امریکہ کو نہایت جرأت مندانہ جواب دیا ہے، اگر اس تجویز کو مزید آگے بڑھایا جائے تو عالمِ اسلام متحد ہو کر مغربی وامریکی فرعونوں کو جھکنے پر مجبور کر سکتا ہے۔

۴۔ الحمدللہ یہ بھی بڑی مبارک علامت تھی کہ یہ جہاد مادی تصوّرات سے بالاتر تھا اور اس لئے مصروشام کے مجاہدین میں اسلامی روح جلوہ گر اور دینی جذبات وعواطف موجزن تھے چنانچہ پہلی مرتبہ مصری فوجوں میں نصرتِ الٰہی کے آثار نظر آئے اور یہود واسرائیل میں غضبِ الٰہی کے آثار نمایاں تھے اور سیریا کے سربراہ نے پہلی مرتبہ یہ اسلامی جذبات سے لبریز اعلان کیا کہ "ہم اس وقت تک لڑیں گے جب تک کہ اسرائیل کا وجود صفحۂ ہستی سے نہیں مٹ جاتا، اگرچہ مصر

وشام دنیا کے نقشے سے مٹ جائیں کیونکہ اسرائیل مٹ جائے تو صہیونی طاقت ختم ہو جائے گی، مگر مصر و شام کے ختم ہونے سے اسلام ختم نہیں ہوگا۔" اگر واقعی مسلمان وَقَاتِلُوهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ (اور لڑو ان سے یہاں تک کہ فتنے کا وجود مٹ جائے) کی قرآنی ہدایت کو مقصد بنا کر سربکف ہو جائیں تو انشاء اللہ آخری نتائج ان کے حق میں ہوں گے۔

۵۔ دنیا کو پہلی مرتبہ اس کا بھی احساس ہوا کہ اسرائیل کوئی مافوق الفطرت اور ناقابلِ تسخیر قوت نہیں ہے، اس مرتبہ اگر مسئلہ صرف اسرائیل کا ہوتا اور امریکہ درمیان میں نہ کودتا تو مصر و شام کی افواجِ قاہرہ اسرائیل کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کے لئے کافی تھیں، دراصل اسرائیل کیا؟ کسی بھی باطل میں کوئی قوت نہیں، اسرائیل تو دنیا کی وہ بدترین مغضوب اور ذلیل و بزدل قوم ہے جو صدیوں سے ذلت و رذالت میں ضرب المثل چلی آتی ہے کچھ یہی حال ہنود کا ہے، اگر مسلمان یہود و ہنود سے پٹتے ہیں تو اس کے معنی یہ نہیں کہ یہود و ہنود معزز ہو گئے بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ نالائق شہزادے کی گوشمالی کے لئے اسے ایک بھنگی سے پٹوایا جا رہا ہے۔ واقعتاً اسرائیل کا قیام اور اس کا عربوں کو دانت دکھانا ہماری شامتِ اعمال کا نتیجہ ہے ورنہ مسلمان ذرا سی ایمان کی انگڑائی لے کر خوابِ غفلت و معصیت سے جاگ اٹھے تو اسرائیل بے چارے کی کیا حقیقت ہے؟ ہاں! یہ وقت بھی انشاء اللہ آئے گا جبکہ اسرائیلیوں کو سر چھپانے کی جگہ بھی نہیں ملے گی اور شجر و حجر پکار کر کہیں گے کہ: "اے مسلمان! یہ یہودی چھپا بیٹھا ہے اسے قتل کر۔" جیسا کہ حدیث میں آتا ہے۔

۶۔ اور یہ تو خیر بارہا تجربہ ہو چکا ہے اور اب بھی ہوا اور خوب تلخ تجربہ ہوا کہ مسلمانوں خصوصاً عربوں کو کافروں پر اعتماد نہیں کرنا چاہیئے، ادھر عیسائی امریکہ نے اسرائیلی یہود کی ہر قسم کی کھل کر مدد کی، ادھر روسِ روسیاہ نے ہمیشہ نفاق کا ثبوت دیا، دراصل چین کی ابھرتی ہوئی طاقت کے خطرے سے امریکہ اور روس دونوں لرزہ براندام ہیں اور ہر ایسے موقع پر بظاہر ان کا مؤقف مختلف ہوتا ہے مگر اندر ہی اندر یہ دونوں طاقتیں کوئی خفیہ معاہدہ سا کر لیتی ہیں، مشرقی پاکستان میں جو جنگ پاکستان اور ہندوستان کے مابین ہوئی، اس میں روس ہندوستان کا کھل کر حامی تھا اور امریکہ نفاق کی پالیسی پر عمل پیرا تھا، مشرقِ اوسط میں اس کے بالکل برعکس امریکہ کھلے بندوں اسرائیل کی پشت پر تھا اور روس "کج دار و مریز" کی نفاق آمیز پالیسی پر گامزن رہا۔

گویا روس نے مصر سے انتقام لیا اور جب صلح کی ضرورت پیش آئی تو نکسن کے اشارے پر روسی وزیرِ اعظم فوراً مصر اور دمشق پہنچ گیا اور اس نے جو خاکہ مرتب کیا اس میں رنگ بھرنے کے لئے امریکہ کا یہودی وزیرِ خارجہ پہنچ گیا، اس سے تمام مسلمانوں میں یہ احساس پیدا ہو جانا چاہئے کہ مسلمان خواہ کسی طاغوت پر انحصار کریں، ہمیشہ مار کھائیں گے۔

۷۔ اگرچہ اس بار عربوں کو یہ فائدہ بھی ہوا کہ سفارتی اور اخلاقی سطح پر بیشتر ممالک کی ہمدردیاں انہیں حاصل ہوئیں مگر اس سے استفادہ خود ان کے دست و بازو کی طاقت پر منحصر ہے، عالمی رائے عام صرف طاقت ور کے سامنے جھکتی ہے اور کمزور کو کسی التفات کا مستحق نہیں سمجھتی بلکہ اسے پاؤں تلے روند کر آگے بڑھ جاتی ہے خواہ وہ کتنا ہی مظلوم ہو۔

مسلمانوں کے لئے لائحہ عمل

آئیے ان تازہ حقائق کی روشنی میں غور کریں کہ مسلمانوں کا آئندہ لائحہ عمل کیا ہونا چاہیئے، مسلمانوں پر حق تعالیٰ شانہٗ کا یہ عظیم احسان ہے کہ ان کے پاس ہر شعبۂ زندگی کی طرح صلح و جنگ کے لئے بھی آسمانی و ربانی ہدایات موجود ہیں، سورۂ انفال اور سورۂ توبہ میں صلح و جنگ اور اعداءِ اسلام اور منافقین کے مقابلہ کا مفصل دستور العمل موجود ہے، قرآنِ کریم کا کتنا صاف اعلان اور واضح مطالبہ تھا:۔

«وأعدوا لهم ما استطعتم من قوةٍ ومن رباط الخيل ترهبون به عدو الله وعدوكم وآخرين من دونهم ج لا تعلمونهم ج الله يعلمهم ط وما تنفقوا من شيءٍ في سبيل الله يوف إليكم وأنتم لا تظلمون ۝»[1]

اور ان کافروں کے لئے جس قدر تم سے ہو سکے ہتھیار سے اور پلے ہوئے گھوڑوں سے سامان درست رکھو اور اس کے ذریعہ تم رعب جمائے رکھو ان پر جو کہ اللہ کے دشمن ہیں اور تمہارے دشمن ہیں اور ان کے علاوہ دوسروں پر بھی جن کو تم نہیں جانتے، ان کو اللہ ہی جانتا ہے اور اللہ کی راہ میں جو کچھ بھی خرچ کرو گے وہ تم کو پورا دے دیا جائے گا اور تمہارے لئے کچھ کمی نہیں ہو گی (ترجمہ حضرت تھانوی)

---

[1] الانفال – ۶۰

یہ ارشادِ ربانی مسلمانوں پر بطورِ خاص یہ فریضہ عائد کرتا ہے کہ ان کے پاس ہمہ وقت اتنی قوت موجود رہنا ضروری ہے جس سے اعداءِ اسلام مرعوب، خائف اور لرزہ براندام رہیں، اور پوری مسلم قوم کو اس کی تیاری میں مصروف رہنا چاہیئے۔

مگر مسلمانوں پر صدیوں سے ایک جمود سا طاری ہے اور وہ نفس پرستی، عیش کوشی اور اغراض پرستی کی دلدل میں کچھ ایسے پھنسے ہیں کہ عرصۂ دراز سے مسلمان حکومتوں نے اس فریضۂ الٰہی سے تغافل اختیار کر رکھا ہے اور سورۂ توبہ و انفال کی واضح ہدایات کے ہوتے ہوئے غفلت و جہالت کی وادیوں میں بھٹک رہے ہیں جبکہ اعداءِ اسلام، اسلام دشمنی سے کبھی غافل نہیں ہوئے، اس دردناک غفلت و بے عملی کے جو نتائج سامنے آنے تھے وہ ظاہر ہو کر رہے جس طرح دواؤں اور غذاؤں کے خواص ہیں اسی طرح اعمال کے بھی خواص ہیں جو شخص زہر کھاتا ہے وہ ہلاک ہوگا اسی طرح ان ارشادات سے روگردانی کی سزا کو سمجھ لیجیے۔

حق تعالیٰ نے مسلمانوں کو کلیدی مقامات عطا فرمائے، دنیا کے نقشہ پر نظر ڈالو تو معلوم ہوگا کہ دنیا کا قلب اب بھی مسلمانوں کے حیطۂ اقتدار میں ہے اور قدرت نے نقشہ کچھ ایسا رکھا کہ تمام عالمِ اسلام باہم مربوط اور ایک اسلامی ملک کی سرحدیں دوسرے سے ملی ہوئی ہیں، پھر مسلم ممالک خصوصاً عرب ممالک کو مادی وسائل کی وہ فراوانی عطا فرمائی کہ عقل حیران ہے، اگر ان وسائل کو اسلامی ترقی اور فوجی طاقت مہیا کرنے پر صرف کیا جاتا تو عالمِ اسلام کا نقشہ ہی کچھ اور ہوتا اور آج یہ روزِ بد نہ دیکھنا پڑتا، اب اگر عرب اور مسلم ممالک یہ چاہتے ہیں کہ ان کفار اور دشمنانِ اسلام کی سازشوں سے محفوظ رہیں تو مندرجہ ذیل تدبیر پر عمل پیرا ہونا ضروری ہے:-

الف: قومیت وطنیت اور جنسیت کے مادی روابط سے بالاتر ہو کر صرف اسلام کے العروۃ الوثقیٰ اور حبلِ متین کو مضبوطی کے ساتھ تھاما جائے اور مغرب کی تمام لعنتوں کو خیرباد کہہ کر نئے سرے سے اسلام سے وفاداری کا عہد کیا جائے اور باہمی اتفاق و اتحاد کے رشتے مضبوط کئے جائیں، تمام اسلامی ممالک یکجان دو قالب ہو کر ہر قسم کے باہمی نفاق و شقاق اور حسد و کبر کو دل سے نکال دیں۔ یہ یقین دلوں میں جاگزیں ہونا چاہیئے کہ مسلمانوں کی عزت اسلام اور اسلامی زندگی کے اپنانے میں منحصر ہے، اسلام سے انحراف کر کے اور اس کی ہدایات کو پسِ پشت ڈال

کر یہ قوم کبھی سرخرو اور کامیاب نہیں ہو سکتی ۔

(ب) حق تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ سے جو مادی وسائل نصیب فرمائے ہیں ان کے ذریعہ اسلحہ سازی کے کارخانے قائم کریں اور پوری کوشش کریں کہ جدید سے جدید اسلحہ میں خود کفیل ہو جائیں، بلاشبہ اس میں دیر لگے گی لیکن بیس پچیس سال میں نقشہ ہی بدل جائے گا، اس مقصد کے لئے جرمن، چین اور جاپان سے فنی اعانت حاصل کی جاسکتی ہے اور زیادہ سے زیادہ معاوضہ دے کر ماہرین کی خدمات حاصل کی جاسکتی ہیں، کافروں کی خوشامدیں کرنے، ان سے بھیک مانگنے اور ان کے رحم و کرم پر زندگی بسر کرنے کے بجائے جب تک مسلمان اپنے وسائل پر انحصار نہیں کریں گے تب تک نہ باعزت اور مستغنی قوم کی حیثیت سے دنیا کے نقشہ پر اُبھر سکتے ہیں نہ ذلت کی وادیوں سے قدم باہر نکال سکتے ہیں، چین کی مثال ہمارے سامنے ہے جو قوم چالیس پچاس سال پہلے "افیونی قوم" مشہور تھی اور اپنی بے مائیگی میں ضرب المثل تھی آج وہ کہاں سے کہاں پہنچ گئی کہ امریکہ اور روس بھی اس سے خائف اور اس کے مقابلہ میں منافقانہ ملی بھگت پر مجبور ہیں، ان کی ترقی کا راز "سوشلزم" نہیں جیسا کہ ہمارے جہلاء اس کا پروپیگنڈہ کرتے ہیں بلکہ اتحاد و اتفاق، غیروں سے استغناء اور اپنے وسائل پر انحصار چین کی ترقی کا باعث ہے، الغرض جب تک عرب اور مسلم ممالک اپنے پاؤں پر کھڑے نہ ہوں گے اور ان اعداءِ اسلام کفار، امریکہ، روس، برطانیہ، فرانس سے بے نیاز نہ ہوں گے، اس وقت تک یہی صورتِ حال قائم رہے گی، جس کا افسوسناک نقشہ ہمارے سامنے ہے۔

ج:۔ آج کل عالم اسلام کے اتحاد کی باتیں بہت کی جاتی ہیں، اس کے لئے کانفرنسیں ہوئی ہیں، مقالے پڑھے جاتے ہیں، تجاویز سوچی جاتی ہیں لیکن اس نکتے سے سب غافل ہیں کہ جب تک سب کا ایک مرکز نہ ہو اور تمام سربراہانِ مملکت اور عوام اپنے مفادات، اپنی ذاتی اغراض اور اپنی "انا" کو چھوڑ کر ایک "مرکزِ ثقل" پر جمع ہونے کے لئے آمادہ نہ ہوں ان منتشر ٹکڑوں میں اتحاد کیسے پیدا ہو سکتا ہے، شاید آج کے ماحول میں یہ بات "دیوانے کی بڑ" سمجھی جائے گی لیکن خدا لگتی بات یہ ہے کہ جب تک مسلمان "خلافتِ اسلامیہ" کا احیاء نہیں کریں گے جسے برطانیہ کی سازش اور کمال اتاترک کی بداندیشی نے ذبح کر ڈالا تھا۔ اس وقت تک عالمِ اسلام نہ متحد ہوگا نہ ان کا کوئی

مسئلہ حل ہوگا، اب مسلمان چاہیں تو خواہ یہ کام آج کر لیں کہ سب متحد ہو کر ایک "خلیفۃ المسلمین" بنائیں اور سب کے سب اس کے جھنڈے تلے جمع ہو جائیں یا کچھ عرصہ مزید ذلیل و خوار ہو لیں، کافروں کی کُند چھری سے ذبح ہوتے رہیں اور بعد میں جو زندہ رہے گا وہ یہ کام کر لے گا، بہرحال مسلمانوں کے مسائل کا آخری حل خلافت کی تاسیس واحیاء ہے۔

مسلمانوں نے ایک بہترین اور بے نظیر قوم کی حیثیت سے دنیا پر حکومت کی ہے، صفحۂ ہستی پر نہایت خوشنما نقوش چھوڑے ہیں اور تاریخ عالم پر اپنے کارناموں کے زریں باب رقم کئے ہیں لیکن آج باوجودیکہ قرآن جیسا آسمانی ہدایت نامہ ان کے ہاتھ میں ہے اور خاتم الانبیاء رحمۃ للعالمین جیسا ہادیٔ برحق ان کا رسول و نبی اور مقتداء و پیشوا ہے مگر آج اس کی ذلت و نکبت اور بے حسی و بے غیرتی کا تماشا دیکھو کہ یہود و ہنود سے مار کھانا پسند کرتے ہیں لیکن اپنے طویل جمود، عیش پرستی و تن آسانی، آپس کے کبر و غرور اور انانیت ولن ترانی کو چھوڑنے پر آمادہ نہیں ہو پاتے، زمین کے خزانے اور دنیا بھر کے وسائل ان کے قبضہ میں ہیں مگر انہیں کہاں خرچ کیا جا رہا ہے؟ اسلام اور مسلمانوں کی ترقی اور جہاد فی سبیل اللہ پر نہیں بلکہ تماشوں اور سینماؤں پر، تفریحوں اور کھیلوں پر، ریڈیو اور ٹیلیویژن پر، کلبوں اور ہوٹلوں پر! اناللہ۔

حق تعالےٰ کا ارشاد گویا آج ہی ان کے حق میں نازل ہوا ہے :-

((فلما آتاهم من فضله	"سو جب اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے فضل سے
بخلوا به وتولوا وهم	(بہت سامال) دے دیا تو وہ اس میں بخل کرنے لگے اور
معرضون، فأعقبهم	روگردانی کرنے لگے اور وہ تو روگردانی کے عادی
نفاقاً في قلوبهم	ہیں سو اللہ تعالیٰ نے اس کی سزا میں ان کے دلوں
إلى يوم يلقونه بما	میں نفاق قائم کر دیا جو خدا کے پاس جانے کے دن
أخلفوا الله ما وعدوه	تک رہے گا اس سبب سے کہ انہوں نے خدا تعالیٰ سے
وبما كانوا يكذبون[1]))	اپنے وعدہ میں خلاف کیا اور اس سبب سے کہ وہ اس
	وعدہ میں شروع ہی سے) جھوٹ بولتے تھے" (ترجمہ حضرت تھانویؒ)

---

[1] التوبہ - ۷۶، ۷۷

اس آیتِ کریمہ کو بار بار پڑھئے اور غور کیجئے کہ جو ممالک ان کفار مستعمرین کے انتداب سے آزاد ہوئے خواہ وہ فرانس ہو یا برطانیہ، مراکش سے لے کر پاکستان تک کیا ان ممالک نے وعدے پورے کر لئے؟ کیا صحیح اسلامی حکومت قائم کی؟ یا اس کے لئے کوشش کی؟ کوشش تو کیا اس کی خواہش بھی کی؟ جواب نفی میں ملے گا، درحقیقت یہ تو ((بما اُخلفوا اللہ ما وعدوہ وبما کانوا یکذبون)) کی سزا ہے جو روز افزوں تنزل اور ذلت کے گڑھوں میں گرتے جا رہے ہیں۔

الغرض مسلمانانِ عالم کو چاہیئے کہ تمام قدرت کے عطا کردہ وسائل اپنی فوجی قوت وطاقت مہیا کرنے پر خرچ کریں اور غریب حکومتیں جہاد کا فنڈ قائم کر کے مسلمانوں سے جہاد کے لئے مال جمع کریں اور صرف اسی صحیح مقصد پر خرچ کریں اور اتفاق واتحاد پر اپنی پوری توجہ مرکوز رکھیں۔ ان سب تدابیر واسباب کو اختیار کرنے کے بعد توکل واعتماد صرف حق تعالیٰ ہی کی ذات نصرتِ الٰہی اور اس کی غیبی امداد پر ہو، ان وسائل کو حاصل کرنا اس لئے ضروری تھا کہ حق تعالیٰ کا ارشاد اور حکم یہی ہے، ایک راستہ تو مسلمانوں کی ذلت کو عزت سے بدلنے کا یہ معلوم ہوتا ہے۔

فلاح وکامیابی اور عزت وترقی کا راستہ

اس کے سوا ایک راستہ اور بھی ناقص خیال میں آتا ہے عرب وعجم کے سب مسلمان اسلامی دعوت وتبلیغ کے لئے وقف ہو جائیں، یہ مقصد نہیں کہ تمام کاموں کو چھوڑ کر اس میں لگ جائیں بلکہ مقصد یہ ہے کہ ہر ملک اور ہر قوم کا کافی حصہ کفر کے ممالک میں اسلامی اصولوں پر دعوتِ وتبلیغِ دین کا کام شروع کرے اور قافلے کے قافلے ہر طرف پھیل جائیں، زیادہ تر توجہ ان ممالک پر مرکوز رکھیں جن قوموں کو اسلام سے سخت عداوت نہ ہو اور ان میں کبر وغرور بھی نہ ہو اور وہ اپنی زندگی سے اُکتا چکے ہیں، سکونِ قلب مفقود کر چکے ہیں، پریشان ہیں، ان کو اسلام کی دعوت دے کر مسلمان بنانے کی کوشش کریں، ان کوششوں کا زیادہ تر دائرہ افریقی ممالک کے علاوہ چین وجاپان کو بنائیں۔ ہو سکتا ہے کہ کسی وقت یہ طاقتور قومیں اسلام کی حلقہ بگوش ہو جائیں اور مسلمانانِ عالم کا نقشہ ہی بدل جائے۔

((وإن تتولوا يستبدل قوماً غيركم ثم لا يكونوا أمثالكم))	اور اگر تم منہ پھیر لو تو اللہ تعالیٰ تمہاری جگہ کوئی دوسری قوم لے آئیں گے، پھر وہ تم جیسے نہیں ہوں گے۔

کا نمونہ سامنے آئے، نبی کریم علیہ صلوات اللہ وسلامہ نے کیا یہ دعا نہیں فرمائی ((اللھم أید ھذا الدین بأحب الرجلین إلیك أبی جھل وعمر)) اے اللہ اس دینِ اسلام کو دو آدمیوں میں سے جو آپ کو پسند ہو اس کے ذریعہ قوت عطا فرما دیجئے۔ آج ہم بھی اس سنتِ نبوی کی روشنی میں چین وجاپان کی ہدایت کے لئے یہ دعا کر سکتے ہیں، تبلیغی راستوں سے اس تدبیر میں کوتاہی نہیں کرنی چاہیئے،

الغرض میرے ناقص خیال میں یہی دو تدبیریں ہیں اور اگر دونوں کو جمع کر لیا جائے تو سبحان اللہ! حکمران پہلی تدبیر پر عمل کریں اور علماءِ امت اور عوام دوسری پر عمل پیرا ہوں، اگر یہ اسلامی طریقے اختیار کئے جائیں تو توقع ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت ان کوششوں کو ضائع نہیں فرمائے گی اور کم از کم آخرت کی مسئولیت سے ہم سبکدوش ہو جائیں گے، انسان کوشش ہی کا مکلف ہے نتائج حق تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہیں، إن أرید إلا الإصلاح ما استطعت، وما توفیقی إلا باللہ وحدہ، علیہ توکلت وإلیہ أنیب، وصلی اللہ علی خاتم النبیین وسید المرسلین محمد وآلہ وأصحابہ أجمعین إلی یوم الدین۔

ذوالقعدة ۱۳۹۳ھ ، دسمبر ۱۹۷۳ء

طرابلس اور شیخ محمد بن علی السنوسیؒ

اس دفعہ زیارتِ حرمین شریفین کے بعد بلادِ عربیہ کے دو ایک نئے ممالک کے دیکھنے کا اتفاق ہوا، جدہ سے بیروت ہو کر طرابلس الغرب (تریپولی) جانا ہوا، یہ سفر خالص دینی، دعوتی اور تبلیغی مقاصد کے لئے تھا جناب سید محمد جمیل صاحب سابق اکاؤنٹنٹ جنرل پاکستان وحال صدر انجمن اشاعت القرآن رفیقِ سفر تھے، تقریباً ایک ماہ تک طرابلس، عمان اور کویت وغیرہ کے دیکھنے وہاں کی دینی حالت کا مشاہدہ کرنے، عالمِ اسلام کے اصلاحی امکانات کا صحیح جائزہ لینے وہاں کے حکام، اہلِ فکر اور عوام سے ملنے اور ان سے دعوتِ دین کے موضوع پر خطاب کرنے کا موقع ملا۔

طرابلس کا نام مشہور داعی الی اللہ، مجاہدِ اعظم، مصلحِ ملت، متبع سنت وسیع النظر عالم ربانی الشیخ السید محمد بن علی السنوسیؒ کی وجہ سے کافی روشن تھا، پھر مسلمانانِ طرابلس کے مجاہدانہ کارنامے جو اٹلی کے جابرانہ تسلط واقتدار کے خلاف ظہور میں آئے ان کی بدولت اُسے نصف صدی سے شہرۂ آفاق حیثیت حاصل ہو گئی ہے اور جب سے طرابلس الغرب کے ریگستانی صحراء "زرِ سیال" اگلنے لگے اور یکایک ایک فقیر ملک متمول ممالک کی صف میں شمار ہونے لگا، اس وقت سے اس کی عالمگیر شہرت میں چار چاند لگ گئے، سننے والوں کو تعجب ہوگا کہ ساڑھے چار لاکھ مربع میل پر پھیلا ہوا یہ ملک جو ہمارے ملک پاکستان سے ایک لاکھ مربع میل زیادہ وسعت رکھتا ہے صرف ۱۵ لاکھ نفوس کی آبادی پر مشتمل ہے اور عجیب تر بات یہ کہ اس سال آبادی کے تناسب کے اعتبار سے سب سے زیادہ حج کرنے والی قوم طرابلس ہی کی تھی، یعنی ۱۵ لاکھ کی آبادی کے ملک سے ۱۸ ہزار افراد نے حج ادا کرنے کی سعادت حاصل کی، معلوم ہوا کہ ملکِ معظم السید ادریس ہزاروں افراد کو حکومت کی طرف سے امداد دے کر حج کے لئے بھیجتے ہیں، اتنی قلیل آبادی کے ملک کا میزانیہ (بجٹ)، تقریباً پاکستان کے برابر رہتا ہے، ملکِ معظم نے چار سو ملین پونڈ کی خطیر رقم نادار لوگوں کو تعمیرِ مکانات کے لئے عطا فرمائی ہے۔

خیال یہ تھا کہ یہ وسیع صحرائی اور ریگستانی ملک ہوگا لیکن طرابلس الغرب کی سرسبزی و شادابی کو دیکھ کر تعجب ہوا، زیتون، انگور، کھجور اور دیگر پھلوں کے باغات، گیہوں اور جو کے میلوں لمبے قطعات دیکھ کر حیرت میں اضافہ ہوا۔

مملکتِ لیبیا کا طرابلس کے بعد دوسرا عاصمہ یعنی دارالحکومت بیضاء ہے، تین سو کیلومیٹر کا یہ طویل اور عظیم الشان پہاڑی علاقہ فطری حسن و جمال کے دلکش مناظر اور حیرت انگیز سرسبزی و شادابی سے مالامال ہے، آب و ہوا کا تو کہنا ہی کیا ہے خصوصاً جبلِ اخضر کا آخری علاقہ "درنہ" تو دلکشی، جلوہ ریزی اور طبعی مناظر کے لحاظ سے بے نظیر خطہ ہے۔ لبدہ میں جو طرابلس سے ۱۲۰ کیلومیٹر کے فاصلہ پر واقع ہے اور بیضاء کے صوبہ میں شحات اور سوسہ کے رومانی اور یونانی آثارِ قدیمہ آج بھی تاریخ کے ادوارِ سابقہ کی عظمت کی داستانیں تازہ کر رہے ہیں۔

حکومتِ لیبیا میں دو یونیورسٹیاں ہیں، ایک "جامعہ لیبیا" جو طرابلس الغرب میں ہے اور دوسری "جامعۃ السید محمد بن علی السنوسی الاسلامیہ" جس کا مرکز صوبہ بیضاء ہے، یہ جامعہ نو عمر ہے جسے قائم ہوئے کوئی چار سال کا عرصہ ہوا ہے لیکن اس وقت اس کا سالانہ میزانیہ (بجٹ)، تین ملین پونڈ ہے اس کے شیخ الجامعہ کی حیثیت اور تنخواہ وزیرِ اعظم سے کسی طرح کم نہیں ہوتی، شیخ الجامعہ الشیخ عبدالحمید بن عطیہ الدیبانی بڑی جامعِ کمالات اور جاذب ترین شخصیت کے مالک ہیں، میں اس پورے سفر میں جس شخص سے سب سے زیادہ متاثر ہوا وہ شیخ الجامعہ ہی کی شخصیت تھی۔

عرب قوم، ان کے امراض اور ان کا علاج

بہرحال اس سفر کی تفصیلات پیش کرنے کا نہ ارادہ ہے، نہ مقصد، بے ساختہ چند حروف زیرِ قلم آگئے، کہنا یہ ہے کہ ان عرب ممالک کو دیکھ کر میرے اس سابقہ یقین میں مزید اضافہ اور استحکام پیدا ہوا کہ عرب قوم دو شدید قسم کے امراض میں مبتلا ہے جو بقیہ تمام بیماریوں کے لئے اُم الامراض کا درجہ رکھتے ہیں یعنی (۱) عرب قومیت پرستی (۲) مغربی

تہذیب وتمدن کا تسلط، یہ ضرور ہے کہ مصر کی جدید حکومت اس کی نمایاں طور پر علمبردار ہے لیکن یہ مرض اب سارے عرب کا مشترکہ روگ ہے جو اس کے جسم میں خون کی طرح سرایت کر گیا ہے۔

"قومیت" عربی ہو یا عجمی، مشرقی ہو یا مغربی دینِ اسلام کی نظر میں وہ بہرحال ایک لعنت ہے وہ ایک "بت" ہے جس کی پرستش کو اسلام "شعارِ جاہلیت" قرار دیتا ہے۔ "قومیت" اور اس کی بنیاد پر اُبھرنے والے تمام فلسفوں اور نظریوں کو کچل ڈالنے کی دعوت دیتا ہے، لیکن یا للأسف! آج قوم عرب جو اسلام کی دعوت الی اللہ کی اوّلین حامل تھی، اس لعنت کا بُری طرح شکار ہے، قومیت کے طاغوت نے عرب ممالک میں "اسلامی اخوت" کو پارہ پارہ کر ڈالا ہے، آپ کو یہ سن کر دکھ ہوگا کہ اسرائیل اور عربوں کی جو خلفشار ان دنوں جاری ہے، اس سلسلے میں عرب راہنماؤں کے جو بیانات، خطبات اور لکچر ریڈیو پر نشر کئے جاتے ہیں ان میں خدا اور رسول یا دینِ اسلام کا نام تک نہیں آنے پاتا، عرب قومیت، عرب وطنیت، عرب افواج اور ملکی وسائل وثمرات ہی کا وظیفہ بار بار پڑھا جاتا ہے اور اس سے بڑھ کر یہ کہ ایک خطبہ کا افتتاحی جملہ بسم اللہ کے بجائے "باسم القومیة العربیة" اور "باسم الکرامة العربیة" تھا، إنا للہ، جب معاملہ یہاں تک پہنچ جائے تو خیر واصلاح کی توقع بہت ہی کم باقی رہ جاتی ہے۔

افسوس ہے کہ اسلام نے جس لعنت کو مٹایا تھا، برطانوی طاغوت نے مسلسل تدابیر سے اس لعنت کو دوبارہ جنم دیا، "ولقد صدق علیھم ابلیس ظنہ" انہی ملعون تدابیر سے اس نے پہلے تو خلافتِ اسلامیہ کو ختم کرانے کے لئے عرب وترک دشمنی کا بیج بویا، اور بھائی بھائی کو دشمن بنایا اور جب اس میں کامیابی ہوئی تو "وطنیت" کا زہر پھیلایا، آج قومیت وطنیت، اور رنگ ونسل کی ان لعنتوں نے عربوں کو اتنا کمزور کر ڈالا کہ ۱۲ کروڑ عرب ۱۵ لاکھ اسرائیل سے جو ان کے قلب کا ناسور، اور عرب ممالک کے عین وسط میں واقع ہے، ہراساں، اس کے علاج سے عاجز اور ارضِ مقدسہ کی تطہیر سے درماندہ ہیں اور اسرائیل کا حوصلہ کتنا بڑھ گیا ہے؟ اس کا اندازہ اس سے کیجئے کہ عرب سربراہوں کی تقریریں سننے

کے بعد اسرائیل ریڈیو نے کہا:۔

"تم لکچر دیتے رہو، اور افسانے اڑاتے رہو، جب وقت آئے گا تو تمھیں معلوم ہو گا کہ اسرائیل کون ہے؟ یہ عمل کا وقت ہے، قول کا نہیں، نرے دعووں سے کچھ نہیں ہوتا۔"

لعنہ اللہ وخذلہٗ۔

کیا یہ اپنی اپنی ڈفلی بجانے والے قومیت اور وطنیت کے پرستاروں کے لئے عبرت کا مقام نہیں؟ کیا ابھی وقت نہیں آیا کہ تمام عالمِ اسلام، کلمۂ ایمان، خدا ورسول، اور اسلامی اخوت کے نام پر متحد ہو کر بنیانِ مرصوص بن جائے؟ اور دشمنانِ اسلام نے غلط فہمیاں پھیلا کر اختلاف وتفرق کے جس غار میں ہمیں دھکیل دیا ہے اس سے باہر آنے کی تدبیر کریں؟

یہ درست ہے کہ "اسرائیلی سانپ" کو قلبِ اسلام میں ڈسنے کے لئے امریکہ وبرطانیہ نے مل کر جنم دیا ہے وہی اس کی پرورش کرتے رہے ہیں اور آج بھی اس کی پشت پر یہ طاقتیں موجود ہیں لیکن آخر ان طاقتوں کو ہمارے اختلاف وتفرق ہی سے فائدہ اٹھانے کا موقع ملا، اس اختلاف وتفرق کی ایک مکروہ صورتِ حال اسی سفر میں خود ان آنکھوں نے دیکھی، طرابلس (لیبیا) کے اندر میلوں کے رقبہ میں پھیلا ہوا عظیم امریکی ہوائی اُڈہ اور امریکی بیڑہ موجود ہے، ہمارے دریافت کرنے پر اس کی مصلحت یہ بتلائی گئی کہ مصری حکومت کے خطرے کے پیشِ نظر طرابلس کی حفاظت کے لئے یہ تدبیر کی گئی ہے، سبحان اللہ! ڈاکوؤں رہزنوں اور قزاقوں کو پاسبانی کا شرف بخشا جاتا ہے اور انہی کو محافظ چوکیدار بنایا جاتا ہے، شدید ترین دشمنوں سے دوستی کی توقع رکھی جاتی ہے، سادہ لوحی اور خوش فہمی کی بھی انتہا ہو گئی اور اسی کا نتیجہ ہے کہ آج انہی ہوائی اُڈوں سے اسرائیل کی امداد ہو رہی ہے اور اسے تمام عالمِ اسلام کے مقابلے میں خم ٹھونکنے کے قابل بنایا جا رہا ہے، نہ معلوم یہ عقلیں اتنی کیوں مسخ ہو گئیں، ان ملکوں کی تفصیلات بڑی دردناک ہیں، اللہ تعالےٰ اپنا لطف وکرم فرمائے اور تمام عرب ممالک کو صدق واخلاص کے ساتھ کلمۂ اسلام پر جمع

ہونے اور اپنے تمام اختلافات کو بھول کر مل بیٹھنے کی توفیق بخشیں لہ۔

مال و دولت کی فراوانی اور اس کا معاشرہ پر اثر

اسی طرح ان عرب صحراؤں اور ریگستانوں میں جب سے سونے کی کانیں نکلنا شروع ہوئیں اور پٹرول کی نہریں بہنے لگیں، مال و دولت کی فراوانی اور طغیانی نے ان پر مغربی تہذیب و معاشرت کو مسلط کر دیا، عرب قومیں اس سے اس قدر متاثر ہیں کہ "دق" کی طرح مغربی تہذیب و تمدّن کا مرض ان کے دین و ایمان کو چاٹتا جا رہا ہے اور قریب قریب لاعلاج صورت اختیار کر چکا ہے، "عرب قومیت" نے اگر اسلامی عالمگیر اخوت کو پارہ پارہ کیا تھا، تو شکل و صورت، تہذیب و تمدن اور معاشرت و ثقافت میں مغرب کی نقالی دامنِ اسلام ہی کو تار تار کر دے گی، کسی ملک اور معاشرے میں جس رفتار سے تہذیب فرنگ خیمہ زن ہوتی جائے گی اسی رفتار سے قلوب سے ایمان اور معاشرے سے اسلامی اقدار رخصت ہوتی جائیں گی۔ اسی لئے ایک موقعہ پر حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انصار کے چند نوجوانوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا:

فواللہ ما الفقرَ أخشی علیکم ولکنی — پس بخدا میں تمہارے حق میں فقر کا اندیشہ نہیں رکھتا

لہ آج کل اخبارات میں عرب راہنماؤں کے اتحاد و تعاون کی جو خبریں آرہی ہیں وہ تمام عالمِ اسلام کے لئے نوید مسرت ہیں اردن کے شاہ حسین کا قاہرہ آکر صدر ناصر سے مدت سے بچھڑے ہوئے دو بھائیوں کی طرح گلے ملنا اور ان دونوں ملکوں کے سربراہوں کا مشترکہ دفاعی معاہدہ کی تجویز پر متفق ہونا قابل تقلید مثال بھی ہے اور موجودہ تاریخ کا زریں باب بھی اسی طرح صدر ناصر کا یمن سے مصری افواج کو واپس بلا لینا بلاشبہ قابل تحسین ہے۔
کاش تمام ممالکِ اسلامیہ میں ایمانی گہرائیوں سے یہ اتحاد عمل میں آجائے محض نمائشی، سیاسی اور وقتی نہ رہے۔

اللّٰھم ألف بین قلوب المؤمنین وأصلحھم وأصلح ذات بینھم واجعل فی قلوبھما لإیمان، اللّٰھم ارحم أمۃ محمدٍ صلی اللہ علیہ وسلم، آمین بحرمۃ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم۔

أخشى عليكم أن تبسط الدنيا عليكم كما بسطت على من كان قبلكم فتنافسوها كما تنافسوها وتهلكم كما أهلكتهم.

(أخرجه الشيخان واللفظ لمسلم)

بلکہ مجھے ڈر یہ ہے کہ کہیں دنیا تم پر بھی اسی طرح نہ پھیلادی جائے جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر پھیلائی گئی، پس تم بھی اس پر اسی طرح ریجھ جاؤ، جس طرح وہ اس پر ریجھے پھر یہ تمھیں بھی ہلاک کر ڈالے جس طرح انہیں ہلاک کر ڈالا۔

جیساکہ ابھی عرض کیا گیا مادیت کا یہ غلبہ اور اس کے نتیجے میں یورپی تہذیب کا تسلّط سارے عرب میں عام ہے، کویت وغیرہ میں ان صحراء نورد ساربانوں کا طنطنہ دیکھ کر حیرت ہوئی، بازاروں میں جاؤ تو لندن اور پیرس کا شبہ ہوتا ہے اور موٹر کاروں جیسے سامان تمول کو دیکھو تو امریکہ کا دھوکا ہوتا ہے، بلاشبہ ابھی تک مسجدیں آباد ہیں مگر عام طور پر فقراء ومساکین اور مزدور طبقہ ہی مساجد کی زینت ہے، مال کی فراوانی کے سیلاب میں آخر کب تک یہ نظام قائم رہے گا؟ ان ممالک کے اونچے طبقہ میں اور امراض بھی پیدا ہو چکے ہیں جن کا ذکر یہاں ضروری نہیں، بہرحال ؏

قیاس کن زگلستانِ من بہارِ مرا

حال کے آئینے میں مستقبل کے مناظر کتنے بھیانک نظر آتے ہیں؟

ان حالات میں مسلمانوں کا فرض ہے کہ "دعاۃ إلی اللہ" کی جماعتیں دعوتِ دین کو مستقل مقصد بناکر ہر ایک ملک میں مقیم ہوں اور پوری قوت اور توجہ سے اصلاح کا کام شروع کیا جائے، ابھی تک دلوں میں نورِ ایمان کی دبی دبائی چنگاریاں موجود ہیں، لیکن دن بدن ان کی روشنی مضمحل ہوتی جارہی ہے، ابھی تک ان قوموں میں بات سننے اور سنانے کی صلاحیتیں موجود ہیں، اس لئے اصلاح کی توقع کی جاسکتی ہے لیکن اگر دس پندرہ سال اسی غفلت میں گذر گئے تو پانی سر سے گذر جائے گا، ایمانی حرارت یکسر ختم ہو جائے گی اور اس وقت اصلاح کی کوئی توقع باقی نہیں رہے گی۔

عمان میں "رابطۃ العلوم الاسلامیہ" کے ایک اجتماع میں اس قسم کی تدبیر کی نشاندہی اور امراض کی تفصیل عرض کی گئی، شاید کسی موقعہ پر اس تقریر کا خلاصہ پیش کیا جاسکے، وہاں

محسوس ہوا کہ اونچے طبقے میں حالات ابھی تک مایوس کن نہیں بلکہ کچھ افراد ابھی ایسے موجود ہیں جو ہر حیثیت سے قابلِ قدر ہیں، کچھ علماء اور اربابِ فکر بھی ہر ملک میں ایسے مل جائیں گے جن کو ملا کر اصلاحی کوشش بارآور ہوسکے گی، بیروت میں جماعت "انصار الرحمٰن" اور مفتی لبنان کا مدرسہ اور عمان میں "دارالقرآن" اور "رابطۃ العلوم الاسلامیہ" وغیرہ ان ظلمات میں امید کی کرنیں ہیں، ان سب سے بروقت صحیح کام لیا جاسکتا ہے جو حضرات اس عظیم مقصد کی خاطر ان ممالک میں "دینی دعوت" کو زندہ کرنے کے لئے کچھ بھی وقت نکال سکتے ہوں ان کی ہر قسم کی ممکنہ معاونت اور مشورہ کے لئے میں ہر وقت حاضر ہوں۔

اس سفر میں یہ احساس بھی شدت سے دامنگیر ہوا کہ ان ملکوں میں جہاں "دینی انحطاط" کے آثار روز افزوں ہیں وہاں "علمی انحطاط" کا المیہ بجائے خود روح فرسا ہے، علومِ اسلامیہ کی قابلِ قدر خدمات کی انجام دہی نہیں ہورہی، جدید طرز پر چند دینی مضامین کالجوں اور کلیات میں پڑھائے جاتے ہیں جن سے علومِ اسلامیہ کی حفاظت کا تصور لغو ہے، یہ ایک مستقل تفصیل طلب داستان ہے، بہرحال دعاؤں اور محنت کی بے حد ضرورت ہے، اللہ تعالیٰ ان بلاد کی اصلاح کے لئے کوئی لطیفۂ غیبیہ ظاہر فرمادے۔

وما ذالك على الله بعزيز

ربیع الاوّل ۱۳۸۷ھ

انقلاب لیبیا

گذشتہ دنوں یکم ستمبر ۶۹ء کو ایک اور اسلامی مملکت "لیبیا" کی حکومت کا تختہ الٹ دیا گیا، انقلابی رہنماؤں کے طرزِ عمل سے صاف پتہ چلتا ہے کہ سوشلسٹ بلاک کی تدبیر سے یہ سانحہ پیش آیا ہے گویا سوڈان کے بعد یہ دوسرا عرب ملک ہے جو اشتراکیت کی گود میں چلا گیا، إنا للہ وإنا الیہ راجعون۔

شاہ ادریس سنوسی تمام اسلامی و عربی ممالک میں سب سے زیادہ خدا پرست اور خدا ترس بادشاہ تھا، شیخ محمد بن علی سنوسی مجاہدِ اعظم جن کی کوششوں سے یہ مملکت وجود میں آئی تھی اور اطالیہ کے ظالمانہ اور غاصبانہ قبضے سے مسلمانوں کو نجات ملی تھی، شاہ ادریس ان کا پوتا تھا، موجودہ ممالکِ اسلامیہ میں یہ پہلا اور آخری بادشاہ تھا جو شب خیز عبادت گذار بھی تھا اور شیخ طریقت بھی، باقاعدہ بیعت وارشاد کی مسند ان کے دم سے قائم تھی، نہایت فیاض اور رحمدل بادشاہ تھا، غریب پروری اور رحمدلی میں موجودہ بادشاہوں میں ان کی نظیر نہ تھی، صوبہ بیضا" میں جو طرابلس (ترپولی) کے بعد دوسرا پایۂ تخت تھا، ۵۰۰ ملین پونڈ کا عظیم الشان عطیہ دے کر فقراء اور مساکین کے لئے مکانات تعمیر کرائے تھے، بادشاہ کی طرف سے یہ اعلان تھا کہ جو شخص حج بیت اللہ کے لئے جانا چاہے اور غیر مستطیع ہو حکومت اس کی معاونت کرے گی یہی وجہ ہے کہ لیبیا آبادی کے تناسب کے اعتبار سے پہلا ملک ہے جس کے شرکاءِ حج کی تعداد تمام اسلامی ممالک سے گوئے سبقت لے گئی تھی یعنی لیبیا کی آبادی کل ۱۵ لاکھ ہے اور پندرہ ہزار لیبیا کے حجاجِ کرام سال گذشتہ حج میں موجود تھے۔

شاہ ادریس نے بیضاء میں اپنے جدّ امجد کے نام پر ایک یونیورسٹی قائم کی تھی جس کا نام تھا جامعۃ الشیخ محمد بن علی السنوسی الاسلامی اس کا میزانیہ ابتدائی مراحل میں ۲۵۰ ملین پونڈ سالانہ تھا اور اس کے ماتحت معاہد و مدارس میں گذشتہ دو سال سے قبل تک ۷ ہزار لڑکے اور لڑکیاں قرآن مجید حفظ کر رہے تھے، لڑکیوں کے لئے اس عظیم الشان پیمانے پر حفظِ قرآن کا یہ انتظام تمام عالمِ اسلام میں بے نظیر تھا۔ اساتذہ کے لئے مستقل "مدینۃ الجامعۃ" کے نام سے بیضاء میں ایک شہر کئی ملین پونڈ کی لاگت سے تعمیر کرایا جا رہا تھا۔

الغرض بہت سے مفاخر و مآثر کا مالک بادشاہ تھا، البتہ نظمِ حکومت اور استحکامِ مملکت

کے لئے جس تیقظ و تدبر کی ضرورت ہوتی ہے اس کی کمی تھی، اسی وجہ سے پڑوسی ممالک کے جبر و استبداد اور ناگہانی تسلط سے بچنے کے لئے امریکہ کو ایک عظیم الشان ہوائی اڈہ طرابلس میں قائم کرنے کی اجازت دی ہوئی تھی۔ گویا امریکہ ہی کے رحم وکرم پر جی رہا تھا اور بیت المقدس کے سقوط میں اس امریکی ہوائی اڈے کا کارنامہ سب کو معلوم ہے، ممکن ہے تکوینی طور سے یہی غفلت مملکت کے زوال کا باعث بنی ہو، ایک بار بادشاہ نے وزیر اعظم کو تین سو ہوائی جہاز خریدنے کا حکم دیا تھا بعد میں معلوم ہوا کہ اس فرمان کی تعمیل میں صرف تین ہوائی جہازوں کی خریداری ہوئی تھی بوقت ضرورت بادشاہ کو جب علم ہوا تو اتنا شدید صدمہ پہنچا کہ قریب تھا کہ حرکت قلب بند ہو جائے اور اس وزیر اعظم کو ہٹانا پڑا۔

بہر حال کہنا یہ ہے کہ سوشلسٹ یا کمیونسٹ ملک اور قوم کے لئے اُس سے بہتر نظام حکومت کبھی قائم نہیں کرسکتے جو اس شاہ معزول کے عہد میں قائم تھا اور یہ محض فریب اور دھوکا ہے کہ غریبوں اور مزدوروں کی امداد و فلاح کے جذبے کے تحت علم برادران اشتراکیت، ملکوں میں انقلابات برپا کرتے ہیں بالکل تلبیس ہے اس میں کوئی حقیقت نہیں، چنانچہ لیبیا پر قبضے کا یہ منصوبہ محض ایک ارب پونڈ سالانہ کے تارکول اور پٹرول کی آمدنی پر قبضہ کرنے کے لئے بنایا گیا ہے ورنہ اس کا کوئی امکان نہیں ہے کہ جس طرح شاہِ مخلوع فقراء و مساکین اور حجاج کی اعانت کرتا تھا، انقلابی حکومت اس کا عشر عشیر بھی کرے گی، اشتراکیت تو غریبوں اور مزدوروں کی امداد و فلاح کے نام سے خدا کی مخلوق پر وہ مظالم ڈھاتی ہے جس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا، سمرقند و بخارا کی تاریخ دنیا کے سامنے ہے، وسطِ ایشیا کا عظیم الشان اور زرخیز خطہ خالص اسلامی ملک تھا اس کا کیا حشر ہوا؟ الامان، الحفیظ۔ آج اس طویل و عریض سرزمین کا ذرہ ذرہ اسلام، اور اسلامی ورثہ کا مقتل و مدفن ہے، ہاں یہ درست ہے کہ اب سیاسی مصالح کے پیشِ نظر اس بربریت، وحشت اور دہشت انگیزی کا دور دورہ نہیں رہا اور زمانہ کے تقاضوں سے مجبور ہو کر یہ کمیونسٹ بھی "اسلام کش" پالیسی تبدیل کرتے رہتے ہیں لیکن اس میں تو کوئی شبہ نہیں کہ یہ خدا دشمن گروہ "غریبوں اور محتاجوں کے نام سے تسلط و اقتدار حاصل کرتے ہیں اور پھر اسلام کو ختم کرنے کی کوشش کرتے ہیں، سوڈان عربی ممالک میں اپنے دینی مزاج کے لحاظ سے

ممتاز تھا لیکن آج وہاں اسلامی نظام مرثیہ خواں ہے، اگر اخبارات و جرائد اور خبر رساں ایجنسیوں کے بیانات صحیح ہیں تو چند دنوں میں اسلام کا نام بھی نہ رہے گا۔ افسوس اس امر کا ہے کہ اگر یہ اسلامی حکمران ان اسلامی حکومتوں میں صحیح نظامِ اسلام قائم کر لیتے تو اس کی ظاہری و باطنی برکات ان ملکوں کو ان تمام فتنوں سے محفوظ رکھ سکتی تھیں۔ در اصل یہ حق تعالیٰ کی طرف سے خدا فراموشی کی سزا ہے۔ سقوطِ بیت المقدس اور پھر مسجدِ اقصیٰ کے جلانے کا دردناک واقعہ، اگر غور کیا جائے تو ہماری شامتِ اعمال کا نتیجہ ہے۔ "شامتِ اعمال ما صورت ڈایان گرفت" پھر مالک الملک حق تعالیٰ شانہٗ اور اس کے قوانین سے انحراف کرنے کے بعد کسی نے روس کو خدائی کا درجہ دے دیا اور کسی نے امریکہ کو اور ان ہی خدا دشمن قوموں کو اپنا مشکل کشا سمجھ لیا، آفتابِ نیمروز کی طرح یہ حقیقت واضح ہے کہ یہ صرف ان اسلامی ملکوں میں اسلامی قانون نافذ و رائج نہ کرنے کی سزا ہے کہ آج یہ اسلامی ممالک، بے دین سوشلسٹوں کے ہاتھوں پامال ہو رہے ہیں، کاش ہمارے ملک کے رہنماؤں اور لیڈروں کی آنکھیں کھل جائیں۔

بدقسمتی سے اس اسلامی ملک میں سرمایہ دارانہ نظام اور سودی کاروبار نے مالدار طبقہ کے دلوں میں وہ قساوت اور بے رحمی پیدا کر دی ہے جس کے نتیجہ میں اشتراکیت کا سیلاب آ جانے کا خطرہ ہے یہ اشتراکیت یا اشتمالیت در حقیقت رأسمالیت کا ردِ عمل ہے حکومتِ پاکستان کو اس اسلامی دنیا سے اور ان دردناک انقلابات سے عبرت حاصل کرنے کی شدید ضرورت ہے۔ نجات کا راستہ اسلام اور صرف اسلام میں منحصر ہے لیکن نام کا اسلام نہیں بلکہ صحیح عملی اسلام جس کے لئے اولین فرصت میں اسلامی قانون کو نافذ کرنا، اسلامی اقدار و اخلاق کو اپنانا، اسلامی نظامِ تعلیم رائج کرنا، بدمعاشی اور بد اخلاقی و بداطواری کے حیا سوز مظاہر کی یک قلم بیخ کنی کرنا ہو گی، اسلامی حدود و تعزیرات کو جاری کرنا ہو گا، اسلام کے معاشی نظام کو قائم کرنا ہو گا، شخصی و قومی اور انفرادی و اجتماعی گوشوں میں عادلانہ اسلامی نظام کو لانا ہو گا تب کہیں جا کر سوشلزم کی لعنت سے نجات مل سکے گی صرف کھوکھلے نعروں، وعظوں، لیکچروں فتوؤں، پریس کانفرنسوں، پمفلٹوں اور کتابوں سے اس سیلاب کو روکنا ناممکن ہے یہ جو کچھ ہو رہا ہے یہ علاج ہرگز نہیں، کسی حکیم کے صرف نسخہ لکھ دینے سے مرض نہیں جایا کرتا جب تک کہ نسخہ کا صحیح استعمال اور پرہیز کی پابندی نہ ہو۔

سوشلزم اور کمیونزم کا صحیح علاج

بہرحال سوشلزم یا کمیونزم کا صحیح علاج غریب طبقہ کی مشکلات کو انتہائی ہمدردی کے ساتھ سمجھ کر اسلام کے معاشی نظام سے ان کا ازالہ کرنا اور ۹۰ فیصد آبادی کو مطمئن کرنا ہے اس کے لئے اسلامی اصول و اقدار کی ترویج و اشاعت کے ذریعہ ملک گیر تعلیم و تربیت کی ضرورت ہے اسے خدا فراموش زندگی سے نکال کر خدا ترس زندگی سے روشناس کرنا ہوگا اور معاشرے کی اصلاح اسلامی احکامات و ارشادات اور اسلامی قانون سے کرنا ہوگی، صرف اتنی بات ہرگز کافی نہیں کہ ان کے پیٹ کا انتظام کر دیا جائے اور روح و قلب کی اصلاح سے غفلت برتی جائے ورنہ تو کسی وقت بھی وہ غلط اقتدار کا آلۂ کار بن سکیں گے۔ علماء و واعظین، اداروں اور جمعیتوں کا اصلی مقصد معاشرے کی اصلاح کرنا ہونا چاہیئے تب جاکر توقع ہوسکے گی کہ یہ مہیب سیلاب رُک جائے ورنہ اس کے بغیر ع "ایں خیالست و محالست و جنوں" حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک طویل حدیث ہے جو صحیح بخاری و مسلم میں نعمان بن بشیرؓ کی روایت سے مروی ہے اس کے آخر میں حکیمانہ ارشاد ہے:-

«الَا وَاِنَّ فِی الجَسَدِ مُضغَۃً اِذَا صَلُحَت صَلُحَ الجَسَدُ کُلُّہٗ وَاِذَا فَسَدَت فَسَدَ الجَسَدُ کُلُّہٗ اَلَا وَھِیَ القَلبُ»	سنو! جسم انسانی میں ایک گوشت کا لوتھڑا ہے اس کی اصلاح سے تمام جسم انسانی کی اصلاح ہوگی اور اس کے فساد سے تمام بدن میں فساد ہوگا اور وہ دل ہے۔

دل کی اصلاح ظاہر ہے کہ اسلام کے عملی نفاذ نافذ کرنے ہی سے ہوگی۔

اتحاد اور اس کی ضرورت

اس کا صدمہ ہے کہ اس وقت علماءِ حق کی دو جماعتوں میں تصادم ہو رہا ہے، انصاف سے دیکھا جائے تو صرف طریقۂ فکر یا طریقۂ عمل کا اختلاف ہے لیکن خود غرض اصحاب جو دونوں طرف بُری طرح چمٹے ہوئے ہیں ان کو حقیقی اختلاف بنا کر دینی اقدار کو شدید نقصان پہنچا رہے ہیں "بینات" کے گذشتہ شمارے میں اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا گیا تھا لیکن آج مزید صراحت کے ساتھ یہ گذارشات پیش کی جا رہی ہیں:-

(۱) اس پُرآشوب دور میں علماءِ دین اور خصوصًا مشارٌ الیہ اکابر کا اتفاق بے حد ضروری ہے،

ایسا اختلاف جو حدود سے متجاوز ہو، ہر دور میں انتہائی مضر رہا ہے لیکن آج تو اس سے بچنے کی اور بھی شدید ضرورت ہے وَاِیَّاکُمْ وَفَسَادُ ذَاتِ الْبَیْنِ فَاِنَّهَا هِیَ الْحَالِقَةُ (آپس کے فساد سے بچتے رہنا! کیونکہ یہ دین کا بالکل صفایا کر دیتا ہے) ارشادِ نبوی سب کے سامنے ہے۔

(۲) اگرچہ دونوں فریق نیک نیتی سے اپنے اپنے موقف کو حق سمجھتے ہیں لیکن اس سلسلہ میں انتہائی تیقظ و تدبر کی ضرورت ہے، ایسا نہ ہو کہ تمام کوششیں اور محنتیں رائیگاں چلی جائیں خود غرض عناصر جو علماء کے اتحاد، وقار اور ان کی متحدہ مساعی کو تشویش کی نگاہ سے دیکھتے ہیں ان کی تمنا پوری ہو اور نتیجہ غیر صحیح نکلے۔

(۳) وسعتِ قلب کی بڑی ضرورت ہے اور انتہائی کوشش کی جائے کہ سوءِ تفاہم اور غلط فہمی سے اختلاف رائے کا دائرہ قلوب کے اختلاف تک نہ پہنچایا جائے۔

(۴) اگر بدقسمتی سے اتحاد نہ پیدا ہو سکے تو جہاں تک ممکن ہو تنقید اور منفی پہلو سے گریز کیا جائے اپنا دائرۂ عمل مثبت طریقِ کار تک محدود ہو اور اپنے تمام اتباع کو اس کی ہدایت کی جائے۔

(۵) اگر ایک جماعت کی رائے یہ ہے کہ دنیا میں سوشلزم سب سے بڑی لعنت ہے اور وہ اسلام کی تباہی کا پیش خیمہ ہے اس لئے ان حضرات کی بیشتر طاقت اسی کی تردید میں صرف ہو رہی ہے وہ مغربی سرمایہ داری کو بھی لعنت سمجھتے ہیں مگر ان کی طرف سے جس قدر سوشلزم سے بیزاری کا اظہار ہو رہا ہے۔ اس انداز سے سرمایہ داری سے نفرت کا اظہار نہیں ہو رہا، نہ اس کی تردید اس انداز سے ہو رہی ہے، دوسرا فریق سرمایہ داری کو لعنت قرار دے رہا ہے اور یہ خیال کرتا ہے کہ سوشلزم میں کوئی حسن نہیں بلکہ وہ درحقیقت سرمایہ داری کا ردِ عمل ہے، سرمایہ داری کی پیدا کردہ الجھنوں کو اسلامی اصول کی روشنی میں حل کر دیا جائے تو سوشلزم اپنی موت آپ مر جائے گا ان حضرات کی جانب سے جتنا زور سرمایہ داری سے بیزاری میں صرف ہوتا ہے، سوشلزم کی تردید میں نہیں ہوتا، اب ذرا ٹھنڈے دل و دماغ سے غور کیا جائے تو مقصد دونوں حضرات کا ایک ہے، صرف طریقِ کار اور الأهم فالأهم کی تعیین کا اختلاف ہے اس لئے اس کو اختلاف رائے سمجھ کر یقیناً برداشت کر لینا چاہیئے۔ اگر قلوب میں اخلاص ہے تو اختلاف رائے یا اختلافِ ذوق، افتراق و تشتت کا ذریعہ نہیں بن سکتا ہے اور محبت و خلوص کی فضا میں

تبادلۂ خیالات کے ذریعہ الأهم فالأهم کی تعیین بھی آسانی سے کی جاسکتی ہے اور متفق علیہ طریق کار کا تصفیہ بھی مشکل نہیں [۱]

(۶) اگر ایک فریق کی رائے یہ ہے کہ لیبر یونین سے اس لئے معاہدہ ضروری ہے کہ ۵۰ لاکھ مزدوروں کو جو مسلمان ہیں سوشلزم کے حوالہ کس طرح کر دیا جائے اور ان سے معاہدہ اسلامی اصولوں کے مطابق مسائل حل کرنے پر کیا گیا ہو اور یہ معاہدہ ان کی رائے میں سوشلزم کے روکنے کے لئے بھی مؤثر تدبیر ہو تو فبہا ورنہ ان مزدوروں کو سوشلسٹ اپنا آلہ کار بنا کر خونین انقلاب لائیں گے تو دوسرے فریق کو یہ تو حق ہے کہ وہ اس معاہدہ کا اسلام اور مسلمانوں کے لئے غیر مفید ہونا دلائل سے واضح کرے لیکن اس معاہدہ کو "کفر سے اتحاد" سے کیونکر متہم کیا جاتا ہے کون نہیں جانتا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود مدینہ سے معاہدہ کیا تھا کون نہیں جانتا کہ قرآن کریم کی سورۂ براءت کے باوجود انتہائی شدت کے ساتھ کفار سے کئے گئے معاہدوں کا بھی احترام کیا گیا، کون نہیں جانتا کہ قرآن کریم میں کفار قریش کے بارے میں ہے کہ ((وَإِن جَنَحُوا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ)) اور اسی سورہ براءت میں ((وَإِن يُرِيدُوا أَن يَخْدَعُوكَ فَإِنَّ حَسْبَكَ اللَّهُ)) وغیرہ وغیرہ صاف تصریحات موجود ہیں۔ اگر کفار سے معاہدات کرنے میں کفر نہیں تو ایک مسلمان جماعت جو سوشلزم سے متہم ہے کے ساتھ معاہدہ کو کفر یا سوشلزم کے مرادف کیسے قرار دیا جاسکتا ہے ہاں اس کی ضرورت ہے کہ یہ فریق بھی جلد سے جلد اپنا منشور شائع کرے تاکہ تہمت کا دروازہ بند ہو جائے نیز بڑی احتیاط کی ضرورت ہے کہ مشترک مظاہروں اور جلسوں میں کوئی غیر اسلامی شعار نہ ہو غیر اسلامی نعرہ نہ ہو، اور غیر اسلامی جھنڈے جو کمیونسٹوں کے شعار ہیں ان سے پورا پورا احتراز کیا جائے، نیز جماعت کے اخبار "ترجمان اسلام" میں غیر ذمہ دارانہ مضامین یا ایسے مضامین جن سے سوشلزم کی بو آتی ہو بالکل ختم کرنا چاہیئے اور اگر کسی کی ذاتی رائے اس قسم کی ہو تو اس کی ضرورت ہے کہ اس کو علیحدہ کر دیا جائے تاکہ خواہ مخواہ جماعت بدنام نہ ہو، بلکہ سچ یہ ہے کہ اس وقت جماعت کی بدنامی کا باعث اس اخبار کا طرز نگارش اور اس کے بعض مضامین ہیں، بلاشبہ لیبر یونین کے بعض لیڈروں

---

[۱] لیکن خارجی عناصر جن کا اپنا مفاد علماء کے جدال و نزاع میں ہے آدہ یہ فضا کیسے پیدا ہونے دیں گے۔

کا تزکیہ کرنا کہ سوشلزم سے ان کا دامن صاف ہے واقعیت سے بعید ہے اور اس قماش کے لوگوں کے لئے نشستوں کو محفوظ کرانے کے مطالبات کرنا کہاں تک دانشمندی ہے اور اس کی کیا ضمانت ہے کہ کل کو علماء کی ہم نوائی اور ان کی کوششوں سے برسرِاقتدار آجائیں تو وہ اسلام کی ترجمانی کریں گے اب اگر کوئی یہ رائے قائم کرے کہ سوشلزم کا راستہ روکنے کے بجائے ایسا نہ ہو جائے کہ ان کے لئے راستہ صاف ہو جائے اور علماء کو دھوکا دے کر اپنا اُلّو سیدھا کریں گے تو کیوں اس رائے کو "سرمایہ داری کی حمایت" سمجھا جاتا ہے، بہرحال شکوک و شبہات کا دائرہ تو بہت وسیع ہے وہ ہر طرف موجود ہیں کہنا یہ ہے کہ ہر طرف شبہات بھی ہو سکتے ہیں، اور ہر بات کی تاویل کی بھی گنجائش ہے اگر ہر جماعت اور ہر فریق کوشش کرے کہ "اعجاب کل ذی رأی برأیہ" کے فتنہ سے محفوظ ہو جائے تو معاملہ بہت آسان ہے ورنہ روز بروز اختلافات کی یہ خلیج وسیع ہوتی جائے گی اور علماء کی بدنامی ہوگی، عوام علماء سے ویسے ہی دور ہیں ان کا بعد بڑھتا جائے گا اور جانبین کے وقار کا خاتمہ ہو جائے گا اور اس طرح دینی وقار کو جو نقصان پہنچے گا اس کے تصور سے بھی تکلیف ہوتی ہے۔ یہ چند حقائق تھے جو عرض کئے گئے امید ہے کہ اکابر و احباب اس تلخ نوائی کے لئے معاف فرمائیں گے، یہ سطور لکھی جا چکی تھیں کہ ۱۰ ستمبر ۱۹۶۹ء کے اخبارات میں یہ خبر شائع ہوئی کہ مشرقی پاکستان کے ڈیڑھ سو علمائے کرام اور ائمہ مساجد نے مغربی پاکستان کے علماء اور اکابرِ دین سے اللہ و رسول کا واسطہ دے کر درد مندانہ اپیل کی ہے کہ وہ اپنے اختلافات کو دور کریں، اپیل کا متن یہ ہے:

"آپ حضرات کے درمیان اگر کسی قسم کا کوئی اختلاف ہے تو اللہ رسول کے واسطے سارے اختلافات سے قطع نظر کر کے دشمنانِ دین کے مقابلہ کے لئے آپس میں متحد ہو جائیں، علمائے کرام کے آپس کے اختلافات اور توہین آمیز جملوں کی جو خبریں اخبارات میں شائع ہو رہی ہیں ان کے باعث پاکستان کے اسلام دشمن عناصر خصوصاً مشرقی پاکستان کے اسلام دشمن مفاد پرست حلقے فائدہ اٹھا رہے ہیں اور یہاں تحفظِ اسلام کے نام پر جد و جہد کرنے والوں کو مشکلات پیش آ رہی ہیں اور عام مسلمان بددل ہو رہے ہیں۔" (جنگ کراچی)

حق تعالیٰ ہمیں عبرت لینے کی توفیق بخشیں ایسا نہ ہو کہ دوسروں کے لئے ہمارا وجود عبرت گاہ بن جائے، اللھم اُلف بین قلوب المؤمنین واُصلحھم واُصلح ذات بینھم، آمین.

اسرائیلی جارحیت اور اس کا حل

اگست کی ۲۱ر تاریخ کو مسجدِ اقصیٰ میں آتش زنی کا روح فرسا اور الم ناک سانحہ پیش آیا، عالم اسلام لرز اٹھا، تمام غیر متعصب اور انصاف پسند دنیا نے، بلا امتیز ملک و ملت، تاریخ کے اس ہولناک واقعہ کی ذمہ داری "اسرائیل" پر ڈالی اور اسے صہیونی عزائم کی تکمیل کی ایک کڑی قرار دیا، اسلامی ممالک میں جلسے ہوئے، جلوس نکلے، ہڑتالیں ہوئیں، تقریریں کی گئیں، قرار دادیں پاس ہوئیں، پاکستان اور دوسرے اسلامی ممالک کے نمائندوں کی کوششوں سے سلامتی کونسل کا اجلاس طلب کیا گیا، قرار دادِ مذمت پیش کی گئی، سات دن کی بحث وتمحیص کے بعد سلامتی کونسل کے گیارہ ممبروں کے ووٹ سے منظور کی گئی، فرانس نے اس کی جزوی تائید کی، اسرائیل نے اسے پہلے قدم پر ٹھکرا دیا، برطانیہ آخر دم تک ہچکچاتا رہا (اور جب اسے یقین دلایا گیا کہ اس قرار داد میں اسرائیل کی براہ راست مذمت نہیں کی گئی ہے تو قرار داد کے حق میں ووٹ دینے پر راضی ہوا) امریکہ نے کھل کر قرار داد کی مخالفت کی اور اس کے زیر اثر سلامتی کونسل کے تین ممبروں نے چپ سادھ لی، نتیجہ کیا ہوا؟ وہی ڈھاک کے تین پات!

اگر سلامتی کونسل اتفاق رائے سے بھی اسے منظور کر لیتی تب بھی کیا حاصل تھا؟ اقوام متحدہ کی کتنی قرار دادیں ہیں جنہیں اسرائیل جوتے کی نوک سے ٹھکرا چکا ہے، آج تک اس کا کسی نے کیا بگاڑ لیا؟ ظلم اور درندگی کی حد ہو گئی اِدھر مسجدِ اقصیٰ سے آگ کے شعلے بلند ہو کر ستر کروڑ مسلمانوں کے دلوں کو خاکستر کر رہے ہیں اور اُدھر امریکہ اس آگ کو بجھانے کے لئے اسرائیل کو فنٹم طیارے سپلائی کر رہا ہے، اس سے پہلے ان صفحات میں کئی بار عرض کیا جا چکا ہے کہ یہ مسئلہ نہ ہماری تقریروں اور وعظوں سے حل ہو گا نہ اقوام متحدہ کی قرار دادوں سے، اس کے لئے نہ امریکہ سے توقع رکھی جا سکتی ہے نہ روس سے، آزمودہ را آزمودن جہل است، اگر دنیا بھر کے ستر کروڑ مسلمان اتنا دم خم بھی نہیں رکھتے کہ وہ اپنے مقاماتِ مقدسہ کی جو انہیں اپنی جان سے زیادہ عزیز ہیں، حفاظت کر سکیں تو انہیں پوری دنیا سے مایوس ہو جانا چاہیئے۔

مقامِ شکر ہے کہ اس سانحہ پر غور کرنے کے لئے اسلامی ممالک کے سربراہوں کی کانفرنس رباطؔ میں ۲۲ ستمبر سے شروع ہو رہی ہے، تادمِ تحریر ۲۶، اسلامی ممالک کی طرف سے اس میں شرکت کی دعوت قبول کرنے کی خبر موصول ہو چکی ہے، قبل از وقت کچھ نہیں کہا جا سکتا ہے کہ یہ کانفرنس عالمِ اسلام کو کیا دے گی؟ تاہم ہماری دعا ہے کہ حق تعالےٰ عالمِ اسلام کے سربراہوں کو اس سلسلہ میں صحیح اور نتیجہ خیز فیصلوں پر متفق ہونے کی توفیق عنایت فرمائے، اتنی بات بالکل واضح ہے کہ اس وقت اصل مسئلہ صرف مسجد اقصیٰ اور بیت المقدس کا نہیں، بلکہ فلسطین میں اسرائیل کے ناجائز وجود اور اس کی کھلی جارحیت کا ہے اور اس کا اصل سبب بڑی طاقتوں کی طوطا چشمی ہے اس لئے یہ مسئلہ اسی وقت حل ہو سکتا ہے جبکہ :-

(۱) اسرائیل کے خلاف تمام اسلامی ممالک مل کر اعلان جہاد کریں۔

(۲) عالمِ اسلام اپنا متحدہ محاذ بنائے اور اقوام متحدہ سے کنارہ کش ہو جائے۔

(۳) امریکہ اور اس کے حلیفوں پر واضح کر دیا جائے کہ اگر وہ اسرائیل کی پشت پناہی سے باز نہ آئے گا تو اس سے سفارتی روابط توڑ لئے جائیں گے۔

(۴) ان کو پٹرول کی سپلائی بند کی جائے۔

(۵) اسلامی ممالک کا جتنا سرمایہ یورپ کے بینکوں میں جمع ہے اسے واپس لیا جائے۔

(۶) یہودی مصنوعات کا داخلہ اسلامی ممالک میں ممنوع قرار دیا جائے۔

ہمیں اچھی طرح معلوم ہے کہ یہ تجاویز لفظاً جتنی آسان ہیں عملاً اتنی ہی دشوار بھی ہیں، بہت سی مشکلات پیش آئیں گی، خطرات کا سامنا ہوگا، مادی مفادات پر ضرب پڑے گی۔ لیکن ہمارے لئے قبلۂ اوّل اور مقاماتِ مقدسہ کی ناموس کی خاطر ہمت و عزیمت، قوت ایمانی اور نصرتِ خداوندی کے سہارے وقت کے اس چیلنج کو قبول کئے بغیر کوئی چارہ نہیں۔

مسجد اقصیٰ اور قدس کے مسئلہ پر آج اگر عرب اور اسلامی ممالک میں اتحاد نہ ہو سکا تو قیامت تک امکان نہیں کہ ان میں اتفاق ہو سکے، دو سال سے اتنے مسئلہ پر متفق نہ ہو سکے کہ سربراہوں کی کانفرنس کہاں پر ہو اور اس کا ایجنڈا کیا ہو، انتہائی صدمہ ہے کہ آج تمام عالمِ اسلام ایک خطرناک دور سے گذر رہا ہے اور ان حالات میں اگر اتفاق سے محروم رہے تو مستقبل میں کیا

توقع ہو سکے گی، افسوس کہ اگر ان کا اجتماع بھی ہوتا ہے تو آخری نتیجہ تشتت و افتراق ہی نکلتا ہے: تحسبھم جمیعًا وقلوبھم شتّٰی کا نمونہ ہے حق تعالےٰ صحیح فہم عطا فرمائے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ تمام اسلامی ممالک میں اسلامی رابطہ بہت کمزور ہو گیا ہے اور عربی ممالک میں مزید کمزوری آگئی ہے اس لئے روحانی رابطہ کے ضعف کی تلافی کرنے کے لئے مادی وسائل کی تلاش میں مبتلا ہو گئے، عربی ممالک میں اس وقت سب سے بڑا فتنہ "عرب قومیت" کا ہے اس کے بعد وطنیت کا بھوت آجاتا ہے اسلامی روح نکلنے کے بعد رفتہ رفتہ تمام مادی فتنوں کے لئے زمین تیار ہو جاتی ہے پھر کہیں اشتراکیت و اشتمالیت آجاتی ہے اور کہیں ملوکیت جنم لیتی ہے اور آخر کار نسوا اللّٰہ فانساھم أنفسھم (وہ اللہ کو بھول بیٹھے نتیجۃً اللہ نے انہیں اپنے آپ سے بیگانہ کر دیا) کے قانونِ ازلی کے مطابق کسی نہ کسی شکل میں غضبِ الٰہی نمودار ہو جاتا ہے۔ العیاذ باللّٰہ، اللّٰھم لا تھلکنا بما فعل السفھاء منا إن ھی إلا فتنتك۔

شعبان المعظم ۱۳۸۹ھ، اکتوبر ۱۹۶۹ء

لیبیا میں اسلامی دعوت و تبلیغ کی پہلی کانفرنس

ماہِ رمضان المبارک کے اواخر میں راقم الحروف مدینہ طیبہ (علی صاحبہا التحیۃ والسلام) میں متعکف تھا کہ مملکت لیبی کے پاکستانی سفارت خانے کا اسلام آباد سے ایک دعوت نامہ پہنچا کہ: حکومت لیبیا کے پائے تخت طرابلس (ٹرپولی) میں ایک اسلامی کانفرنس منعقد ہو رہی ہے، بحیثیت پاکستانی مندوب آپ شرکت کریں۔" یہ دعوت نامہ کراچی مدرسہ عربیہ اسلامیہ میں آیا تھا، یہاں سے بذریعہ ڈاک مجھے مدینہ طیبہ بھیج دیا گیا اور ساتھ ہی ساتھ ہوائی جہاز کا ٹکٹ بھی پہنچ گیا، جب سفارت خانے والوں کو معلوم ہوا کہ میں حجازِ مقدس میں ہوں تو پتہ معلوم کر کے ایک طویل ٹیلی گرام بھی دیا، ایک ٹیلی گرام مدینہ دیا گیا اور ایک مکہ مکرمہ اور پھر تیسرا ٹیلی گرام جدہ دیا گیا کہ بیروت سے تمہاری سیٹ ۹ دسمبر ۷۰ء کو برائے طرابلس محفوظ کر دی گئی ہے۔" کچھ عرصہ سے لیبیا میں انقلابی حکومت قائم ہو چکی تھی اور ملک ادریس تختِ سلطنت سے محروم ہو گئے تھے، غالباً اہل بیتِ رسول (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی یہ آخری حکومت مغرب میں تھی جو ختم ہو چکی تھی اور یہی خیال تھا کہ جس طرح انقلابی حکومت "سوریہ" (شام) "سوڈان" اور "جنوبی یمن" کی ہے اسی طرح کی یہ حکومت بھی ہوگی جن کے حالات سامنے آ چکے تھے اس لئے کچھ زیادہ خیر کی توقع نہ تھی لیکن دعوت نامے کا پروگرام اور کانفرنس کا ایجنڈا جب پڑھا تو توقع کے خلاف پایا، حسنِ اتفاق سے میں مسجدِ نبوی کے مقدس ترین حصہ ریاض الجنۃ میں بیٹھا تھا، جمعہ کا دن اور عصر کے بعد کا وقت تھا، اسی مقامِ مقدس میں دعوت نامہ عزیزی نورِ چشم محمد بنوری سلمہ، نے لا کر دیا جو اس سفر میں امسال میرے ساتھ تھا، اس لئے دعا اور غور و فکر کا موقع مل گیا، پھر دو تین یوم بعد دکتور الأستاذ محمد مبارک شامی سے جو آج کل کلیۃ الشریعۃ مکہ مکرمہ کے "عمید" ہیں ملاقات ہوئی تو معلوم ہوا کہ وہ بھی مدعو ہیں اور دکتور الأستاذ مصطفیٰ زرقاء شامی جو آج کل کویت کی حکومت کی طرف سے فقہِ اسلامی کے انسائیکلو پیڈیا کی ترتیب و تدوین پر مامور ہیں، وہ بھی کانفرنس میں مدعو ہیں

اور رباط (مراکش) سے وکتور الاستاذ عمر بہاء الامیری شامی جو ابتداء میں پاکستان میں سوریہ کی طرف سے سفیر رہ چکے ہیں وہ بھی اس کانفرنس میں نمائندگی کریں گے، چونکہ ان حضرات سے براہِ راست میں واقف تھا بلکہ یہ میرے احباب تھے اس لئے اب مجھے اطمینان ہوا کہ کانفرنس والوں کی نیت بخیر ہے۔ انشاء اللہ تعالےٰ شرکت مفید ہوگی، اس کے بعد تار کے ذریعہ لیبی سفارت خانے کو منظوری کی اطلاع دے دی کہ میں انشاء اللہ ضرور شرکت کروں گا لیکن بجائے کراچی کے جدہ ہی سے روانہ ہوں گا، میری سیٹ کراچی واپسی کے لئے ۳۰ نومبر ۷۰ء کو بک ہو چکی تھی اور مدینہ طیبہ میں نماز عید کے فوراً بعد جدہ روانگی طے ہو چکی تھی لیکن اس کانفرنس کی شرکت کی غرض سے کراچی کی روانگی ملتوی کر دی، کانفرنس ۱۲، دسمبر سے شروع ہونے والی تھی اس لئے مجھے مزید ایک عشرہ حرمین شریفین میں قیام کا موقعہ مل گیا، کانفرنس کا نام تھا: "المؤتمر الأول للدعوة الإسلامية" یعنی "اسلامی دعوت و تبلیغ" کی پہلی کانفرنس، پروگرام کا سرنامہ یہ آیتِ کریمہ تھی:

((ومن أحسن قولاً ممن دعا	اس شخص سے بہتر بات اور کس کی ہو سکتی ہے
إلى الله وعمل صالحًا وقال	جو حق تعالیٰ کی طرف لوگوں کو بلائے اور خود بھی
إنّني من المسلمين))	نیک عمل کرے اور اعلان کرے کہ میں بلا شبہ مسلمان ہوں۔

دعوت نامہ تو طویل تھا لیکن پروگرام کے ایجنڈے کے کلمات حسب ذیل تھے:-

(۱) محاربة الغزو العقائدى فى البلاد الإسلامية والمناطق المؤهلة للإسلام۔

(۲) تحديد المناطق الأكثر احتياجًا للدعوة الإسلامية۔

(۳) بحث شروط الداعية للإسلام وحقوقه۔

(۴) أية مقترحات أخرى۔

یعنی اسلامی ملکوں میں جو بد عقیدگی اور لادینی کی وبا پھیل رہی ہے اس کی اصلاح اور مقابلہ کی تدبیر کرنا، جن مقامات میں اسلامی دعوت کی زیادہ ضرورت ہے ان مقامات کی تعین کرنا اور جو شخص دعوت دے اس کے لئے کن شرائط کی ضرورت ہے اور اس سلسلہ میں جو مزید تجاویز پیش ہوں۔

بہرحال انتہائی مسرت ہوئی کہ اس پر آشوب مادی دنیا کی مایوس کن فضا میں پہلی مرتبہ اسلامی دعوت و تبلیغ کی آواز اٹھی، بلاشبہ قابلِ صد مبارک باد ہے، بڑی سے بڑی اسلامی حکومتوں کو آج تک یہ توفیق نصیب نہیں ہوئی، عام طور سے اگر کوئی دینی آواز اٹھی بھی تو غور کرنے سے پتہ چلا کہ اس کا پس منظر بھی سیاست ہے، اکثر و بیشتر اسلامی ممالک میں اگر علمی سطح پر کچھ کام ہوتا بھی ہے تو وہ اس انداز سے کہ اسلامی اساسی مسائل میں قطع و برید کا سلسلہ جاری رہتا ہے یا جدید تہذیب و تمدن کا پیوند لگانے کی کوشش ہوتی ہے اور آخر میں یہی کہنا پڑتا ہے:۔

«و إثمهما أكبر من نفعهما» فائدہ سے نقصان زیادہ ہے۔

بہرحال خلافِ توقع یہ کانفرنس جہاں تک راقم الحروف کا خیال تھا اور تمام اربابِ بصیرت مندوبین کا بھی یہی فیصلہ تھا کہ یہ کانفرنس تمام سیاسی آلائشوں سے پاک و صاف ہے اگر آگے چل کر حکومت کا رُخ نہ بدلا اور اسی انداز پر کام آگے بڑھتا چلا گیا تو یہ حکومت اپنی نوعیت کی پہلی حکومت ہوگی، حق تعالیٰ سے یہی دعا ہے اور یہی آرزو ہے کہ اسی انداز سے صراطِ مستقیم پر تمام اسلامی ممالک کو چلنے کی توفیق نصیب ہو۔

کانفرنس میں بیس اسلامی ممالک کے ساٹھ نمائندے شریک ہوئے، مقالات عمدہ سے عمدہ پڑھے گئے، مباحثے ہوئے تجویزیں پاس ہوئیں، چند قابلِ ذکر شخصیتیں حسبِ ذیل تھیں:۔

ڈاکٹر عمر بہاء الامیری رباط سے، ڈاکٹر عبدالحلیم محمود وکیل الازہر اور ڈاکٹر محمد توفیق عویضہ المجلس الاعلیٰ للشئون الإسلامیہ کے ڈائرکٹر اور الشیخ احمد حسن باقوری اور ڈاکٹر احمد حوفی مصر سے، ڈاکٹر مصطفےٰ زرقاء شامی کویت سے ڈاکٹر محمد مبارک شامی سعودیہ عربیہ سے ڈاکٹر عبدالقہار مذکر انڈونیشیا سے، ڈاکٹر احمد ٹوٹونجی امریکہ سے، اللواء ڈاکٹر محمود شیت خطاب عراق سے، الاستاذ صالح مسعود بوبصیر الشیخ محمود صبحی عبدالسلام لیبیا سے، الشیخ محمد داود مراکش سے، الاستاذ عبدالواحد الیاس نیجیریا سے الشیخ حسین جوزو یوگوسلاویہ سے، عبدالکریم ساتیو جاپان سے، الاستاذ مالک بن النبی الجزائر سے، وغیرہ وغیرہ۔

مختلف کمیٹیاں بنائی گئیں۔

(۱) اسلام کی نشر و اشاعت کے لئے کامیاب ترین وسائل پر غور۔

(۲) اسلامی دعوت کے لئے اہم ترین مراکز کا انتخاب۔

(۳) دعوت دینے والے افراد کے شرائط پر غور۔

(۴) تجاویز و قراردادوں کو درست کرنے کا کام۔

بہت سی اہم قراردادیں اور تجویزیں منظور ہوئیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ لیبیا میں "اسلامی دعوت" کا مرکز قائم کیا جائے جو بوقت ضرورت کسی دوسری اسلامی مملکت میں بھی منتقل کیا جا سکے گا اور تمام اسلامی ملکوں میں اس کی شاخیں قائم ہوں اور ہر ایک اسلامی ملک میں اس مقصد کے لئے امداد و مساعدت (چندہ) کی رقوم جمع کرنے کے صندوق رکھے جائیں اور ان تمام اسلامی ملکوں میں جن کی زبان عربی نہیں ہے عربی سکھانے کے تعلیمی وسائل اختیار کئے جائیں تاکہ قرآنِ کریم سمجھنے میں آسانی ہو، محقق علماء کی ایک جماعت منتخب کی جائے کہ وہ عصری تقاضوں کے پیش نظر قرآنِ کریم کی تفسیر لکھیں اور تمام زبانوں میں اس کے تراجم ہوں، نیز احادیثِ نبویہ کا ایک مجموعہ بھی مرتب کیا جائے اور اس کے بھی تراجم تمام عالم میں پھیلائے جائیں اور اسلامی مصطلحات سمجھانے کے لئے ایک لغت کی انسائیکلو پیڈیا تیار کی جائے۔

اسلام ایک جامع ترین نظامِ حیات ہے، وہ عبادات، معاملات، اخلاق، سیاست و حکومت کے تمام تقاضے پورا کرتا ہے، اس کو اسی انداز سے سمجھایا جائے اور تمام عالم میں اسی انداز سے اس کی اشاعت کی جائے اور اسلام کے مفہومات و مصطلحات میں جو تحریف کر کے غلط معنی لئے جاتے ہیں ان کی تردید کی جائے بلکہ ان کا راستہ بند کیا جائے، تمام اسلامی حکومتوں سے مطالبہ کیا جائے کہ اپنی جدید نسل کی اسلامی تربیت کریں، صحیح اسلامی ثقافت اور صحیح اسلامی دعوت ملکوں میں پھیلائیں اور مستشرقین و معاندینِ اسلام کی تدبیروں کو خاک میں ملائیں، "فقہِ اسلامی" - تمام مذاہبِ فقہاء کے ساتھ - اسلام کی بڑی عظیم الشان دولت ہے، تیرہ سو سال کا قدیم ترین سرمایہ ہے اس کی حفاظت کی جائے اور اس کی روشنی میں تمام جدید مسائل حل کئے جائیں، یورپ وغیرہ کے قوانین صرف سو یا ڈیڑھ سو سال کی متاعِ کاسد ہیں، نیز ان کا طویل تجربہ بھی نہیں ہو سکا ہے اس لئے اسلامی فقہ کے مقابلہ پر ان کی کوئی حیثیت نہیں ہو سکتی، لہٰذا فقہِ اسلامی کے

مطابق "مجموعہ قوانین" تیار کیا جائے اور تمام اسلامی ملکوں میں اس کو رائج کیا جائے اور ہر ملک کا قانون اسی کے مطابق بنایا جائے تاکہ تمام اسلامی ملکوں میں تشریعی یگانگت پیدا ہو اور سیاسی و انتظامی اختلافات مٹ جائیں حق تعالیٰ کی ذات لطیف و خبیر ہے اس نے عالم انسانی کے لئے جو قانون مرتب فرمایا ہے، انسانی عقول اس قسم کا ہمہ گیر قانون بنانے سے قطعاً عاجز ہیں۔ اس لئے اس کا بنایا ہوا آسمانی قانون ہی انسانیت کے لئے ذریعۂ نجات و سعادت بن سکتا ہے، نیز قطعی دلائل سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ جو قانون خالق کا بنایا ہوا ہے وہ کامل اور اکمل ہے اور جو مخلوق نے بنایا ہے وہ ناقص و ابتر ہے۔

اسکولوں، کالجوں، یونیورسٹیوں کے طلبہ کو اسلامی شعائر اور اسلامی تہذیب کا پابند بنایا جائے، تمام اسلامی حکومتیں جو "کلچر اٹاچی" دوسرے ملکوں میں بھیجیں ان کے ذمہ اسلام کی تبلیغ اور نشر و اشاعت کا فریضہ عائد کیا جائے، مسلمان بچوں کی تعلیم و تربیت کے لئے سلسلہ وار اسلامی تعلیمات کے سیٹ مرتب کئے جائیں، عربی ملکوں میں عربی زبان میں ہوں، بقیہ ملکوں کے لئے اس کے تراجم کئے جائیں، نیز تمام غیر اسلامی ملکوں میں بھی اسلامی مراکز قائم کرنے چاہئیں جن میں مسجد و کتب خانہ اور ہسپتال اور اسلامی لیکچروں کے لئے ٹاؤن ہال قائم کئے جائیں، ایک کمیٹی ایسی بنائی جائے جو عربی کی ان اہم کتابوں کے جو اسلامی دعوت کے لئے مفید ہوں، دوسری زبانوں میں تراجم کرے، اسی طرح دوسری زبانوں کی اہم کتابوں کے عربی زبان میں تراجم ہوں اسلامی دعوت و ارشاد کے لئے مستقل کالج ہوں اور ان میں علومِ دینیہ سے فارغ التحصیل طلبہ کو دعوت و ارشاد کے لئے تیار کیا جائے جس شخص کو اسلامی دعوت دینے کے لئے منتخب کیا جائے، وہ حسب ذیل صفات کا مالک ہو:-

(الف) اس کا ایمان قوی ہو (ب) اسلامی اخلاق و ملکات سے آراستہ ہو (ج) قرآن کریم اور دینِ اسلام کے ضروری علوم سے پورا واقف ہو (د) اس ملک کی زبان و عادات و رسومات سے واقف ہو، بہترین خطیب ہو، تفہیم و افہام کا سلیقہ رکھتا ہو (ھ) اس قوم کے غم و خوشی اور سوشل زندگی میں باقاعدہ حصہ لے وغیرہ وغیرہ۔

یہ چند اہم قراردادوں کا خلاصہ ہے جو قارئین کے سامنے پیش کیا گیا ہے بلاشبہ اگر اس انداز

سے یہ خدمت انجام دی جائے تو اسلامی دعوت و تبلیغ اور نشر و اشاعت کا فریضہ جس کے ادا کرنے میں عرصہ دراز سے اُمت تقصیر کر رہی ہے خوش اسلوبی سے پورا ہو جائے گا، حق تعالیٰ تمام ممالکِ اسلامیہ کو اس انداز سے کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

(۲)

کراچی میں ممالکِ اسلامیہ کے وزراء خارجہ کی حالیہ کانفرنس اتحادِ اسلامی کے لئے نیک فال ہے۔ اسرائیلی فتنہ نے جون ۱۹۶۷ء میں مسلمانوں کو اور اسلامی حکومتوں کو پہلی مرتبہ اتحادِ اسلامی کی فکر پر مجبور کیا ہے اور یہ محسوس کیا گیا ہے کہ یہ عذابِ الٰہی درحقیقت مسلمانوں کی شامتِ اعمال کی سزا اور اسلامی حکومتوں کے تشتّت و افتراق کا نتیجہ ہے اور اگر عالمِ اسلام کے تشتّت کا یہی عالم رہا تو خاکم بدہن وہ دن دور نہیں کہ اسرائیل کی اغراض مشؤمہ کا منحوس نقشہ دنیا میں رونما ہو جائے اور شاید پہلی مرتبہ اس کا بھی احساس ہوا کہ دائیں جانب اور بائیں جانب کی دشمنِ اسلام طاقتیں نہ معاہدوں کی پاس رکھتی ہیں نہ مسلمانوں سے ہمدردی، اور الکفر ملۃ واحدۃ کے مطابق سب ایک ہی ہیں۔

اس لئے پہلے رباط (مراکش) میں سربراہ کانفرنس ہوئی، پھر کچھ عرصہ کے بعد جدہ میں وزرا خارجہ کی پہلی کانفرنس ہوئی جس میں اسلامی ملکوں کا سکریٹریٹ قائم ہوا اور تنکو عبدالرحمٰن (ملائیشیا) کو جنرل سیکرٹری منتخب کیا گیا، دوسری سہ روزہ کانفرنس کراچی میں ہوئی اور آئندہ کابل میں ۷۱ء کے وسط میں یہ کانفرنس ہوگی۔

ہماری ناقص رائے میں جب تک مسلمانوں کا اعتماد سلامتی کونسل کی قرار دادوں اور اقوامِ متحدہ کے فیصلوں پر رہے گا اس وقت تک یہ گتھی نہیں سلجھ سکتی، اسرائیلی جارحیت کا جواب عالمِ اسلام کا صحیح اور عملی اتحاد اور حق تعالیٰ کی ذات پر اعتماد اور اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے اعلانِ جہاد پر ہے اگر یہ تین باتیں پوری ہوگئیں تو انشاء اللہ تعالیٰ یہود خائب و خاسر ہوں گے، یہود نے آج تک سلامتی کونسل کی کسی قرارداد پر عمل نہیں کیا اور نہ توقع ہے اس لئے سوائے اسلامی جہاد کے اور کوئی راستہ نہیں، تجاویز سے کچھ نہیں ہوتا، عمل کی ضرورت ہے۔

بہرحال یہ خوشی کی بات ہے کہ عرب دنیا بھی یہ سمجھنے پر مجبور ہو گئی کہ تنہا عرب دنیا کامیاب

اور عہدہ برآ نہیں ہو سکتی جب تک عالمِ اسلام کا اتحاد نہ ہو، عالمِ اسلام کی تمام مشکلات کا صحیح اور ایک ہی علاج اسلامی وحدت ہے، قومیت و وطنیت کے تمام نعرے بیکار بلکہ تباہ کن ہیں۔ اسلام اور پیغمبرِ اسلام علیہ السلام نے جاہلیتِ قدیمہ کی اس لعنت کو مٹایا تھا، اتاترک کمال کے تسلط اور خلافتِ عثمانیہ کے زوال و سقوط کے بعد اس قومیت کی لعنت نے تمام عالمِ اسلامی کے اتحاد کو پارہ پارہ کر ڈالا اور دردناک صورت میں اس کے حسرت ناک نتائج سامنے آگئے اور آرہے ہیں، اللہ تعالیٰ مسلمان حکمرانوں کو صحیح سمجھ عطا فرمائے اور اتحادِ اسلامی کی نعمت و رحمت سے سرفراز فرمائے۔

ذو القعدہ ۱۳۹۰ھ، جنوری ۱۹۷۱ء

سربراہ کانفرنس کے نام جناب حسین شافعی کا پیغام

گذشتہ شمارے میں شاہانِ اسلام کی خدمت میں ایک عرض داشت پیش کی تھی اور سرزمینِ پاکستان میں پہلی مرتبہ سربراہ کانفرنس کو غنیمت سمجھ کر اسلامی خیرخواہی کے پیشِ نظر چند گذارشات پیش کی تھیں، خیال تھا کہ ان بنیادی نقطوں کی دلخواہ تشریح کی جاتی تاکہ اس کی اہمیت واضح ہوتی لیکن انہی دنوں میں قاہرہ کی "جمعیة شبّان المسلمین" کا ماہنامہ پہنچا جس کا نام "الرسالة الاسلامیة" ہے یعنی اسلام کا پیغام، مجلہ کے رئیس التحریر یعنی مدیرِ اعلیٰ الاستاذ الشیخ ابراہیم الطحاوی ہیں جو دینی ذوق اور شوقِ جہاد میں ممتاز شخصیت کے مالک ہیں اور ساتھ ہی ساتھ صالح اور با خدا بزرگ ہیں، شخصی طور پر مجھے ان سے واقفیت حاصل ہے، موصوف کے مجلہ میں سب سے پہلا مضمون جناب حسین شافعی کا ہے جو حکومتِ مصر کے نائب صدر ہیں اور جمال عبدالناصر کے عہد میں بھی تین نائب صدور میں سے تیسرے نائب صدر تھے، موصوف نے سربراہ کانفرنس کو ہی متوجہ کیا ہے اور انہی سے خطاب کیا ہے کسی عظیم ملک کے عظیم نائب صدر کا اتنا عمدہ مضمون کم کہیں نظر سے گذرا ہے اور پھر اسلامی رنگ میں ڈوبا ہوا مضمون ہے جی چاہا کہ بینات کے صفحات پر اس کا مکمل ترجمہ شائع کیا جائے۔

سربراہ کانفرنس کے نام

تمام تعریفیں اس خدائے برتر کے لئے ہیں جس نے اپنی کتاب میں آپ کو "امتِ واحدہ" قرار دیا اور درود و سلام ہو ہمارے آقا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جو کائنات کے لئے رحمت ہونے کے ساتھ ہی جہاد کے شارع نبی بن کر آئے اور جو پورے عالم کے لئے مبشر و نذیر اور راہِ حق کے داعی بنا کر مبعوث کئے گئے ہیں۔

الحمد للہ کہ یہود کے خلاف مصر کی لگاتار جد و جہد گذشتہ رمضان کی لڑائی سے نتیجہ خیز مرحلہ میں داخل ہو گئی، یہ حقیقت کسی بھی مسلم سے مخفی نہیں ہے کہ قدس اور "مسجدِ اقصیٰ" کی آزادی اس جہدِ پیہم کی غرضِ اولین ہے مقدس سرزمین کے آزاد کرنے میں اس کو بنیاد اور مدار کی حیثیت حاصل ہے گو بعض کوتاہ بین یہ سمجھتے ہوں کہ اس سے فلسطین کے قضیہ کے گوشۂ نسیان میں پڑ جانے کا اندیشہ ہے۔

رمضان کے ان معرکوں نے دلوں پر چھائی ہوئی مردنی کو نشاط سے اور جمود کو حرکت سے تبدیل کر دیا۔ ان معرکوں نے حق کا ولولہ پیدا کر کے اس کو از سرِ نو حیات بخشی اسی کے ساتھ ان معارک نے پوری دنیا کو بھی بیدار کر کے چھوڑا ہے اس کے نتیجہ میں ملکی سطح پر عرب اتحاد نے واشگاف الفاظ میں اپنی حقیقت دنیا سے منوالی، اسلامی سطح پر مسلم سربراہ کانفرنس کے انتظامات شروع ہو گئے اور عالمی سطح پر افریقہ نے مصر اور عربوں کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا، یورپ بلکہ دنیا کے تمام ممالک نے از سرِ نو اپنے سود و زیان کا حساب کیا وہ سمجھ گئے کہ ان کے پاس اگر مادی اسلحہ ہے تو عرب اور مصر ایسے اسلحہ اور قوت کے مالک ہیں جس سے وہ محروم ہیں ان کو اللہ نے ان بلند اور دائمی اقدار سے نوازا ہے جن کی گہرائیوں کا ادراک ناممکن ہے۔

یہ ہے آج کی وہ فضا جس میں سربراہ کانفرنس لاہور میں منعقد ہونے والی ہے میں اس کانفرنس کو مخاطب کر کے مصر کا پیغام پہنچانا چاہتا ہوں کہ بے شک آپ کا ہر عمل قابلِ احترام اور مشکور ہے لیکن اعمال کی بلندی مقاصد اور اہداف کی بلندی کے تابع اور اس پر موقوف ہے اور ان بلند مقاصد میں کامیابی کا راز صدقِ نیت مضبوط ارادے اور سچے انقلابی جذبہ میں مضمر ہے۔

اس سے قبل بھی اسلام کے نام پر اجتماعات منعقد ہوئے ہیں جو جزوی طور پر اسلام کے مسائل آگے کر کے قابل قدر خدمات انجام دیتے رہے ہیں لیکن موجودہ اجتماع کی حیثیت ان سے مختلف ہے یہ رمضان کے اس معرکہ کے بعد منعقد ہو رہا ہے جو اس دور میں قدرت کا ایک معجزہ ثابت ہوا اس لئے اس اجتماع سے بھی بجا طور پر ہم اس کی معجزانہ شان کی امید وابستہ کرتے ہیں۔

اس اجتماع کے اسباب و محرکات متعدد ہو سکتے ہیں تاہم اگر صرف بیت المقدس اور مسجد اقصیٰ کا قضیہ اس کا داعی اور محرک ہو تو بھی کافی ہے کیونکہ یہ تنہا اتنا بڑا مسئلہ ہے جو اس اہتمام کا یقیناً مستحق ہے اب ضرورت ہے کہ اسلام کے سربراہ کلام و تجاویز کی حدود سے نکل کر باہمی اتفاق سے کسی ایسے ٹھوس اور مثبت طریقہ کار کو اپنا لیں جس میں ان کی موجودہ خستہ حالی کی اصلاح اور ان کو درپیش چیلنج کا جواب ہو اب وقت ہے کہ وہ خود کو یہ سوچنے پر مجبور کر دیں کہ آخر اپنے ملکوں میں وہ ایسے بے سہارا بن کر کیوں رہ رہے ہیں؟ ان کا رعب ان کے دشمنوں کے دلوں سے کیوں نکلا؟ وہ معزز ہونے کے باوجود ذلیل و خوار کیوں ہوئے؟

کوئی بھی اسلامی اجتماع اس وقت تک کامیابی سے ہمکنار نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ قرآن کے اس واضح اور روشن مؤقف کے معیار پر نہ ہو کہ! "عزت درحقیقت اللہ اور اس کے رسول اور مومنوں کے لئے ہے۔"[1]

ہم صرف اس وقت راہِ راست پر ہو سکتے ہیں کہ عزت کا معیار اپنا عقیدہ اور اپنے دین کے احکام کی پابندی کو سمجھیں۔

بیت المقدس کا مسئلہ اس اجتماع کے پروگراموں کا اصل اور اہم موضوع بحث ہونا چاہیئے، اس وقت ہماری نگاہیں پوری دنیا کے مسلمانوں پر مرکوز ہیں اس وقت ہر مسلمان بزبانِ حال اپنی قوم کو مخاطب کر کے یوں گویا ہے کہ بیت المقدس کی آزادی کا حل تلاش کیجئے ورنہ! آپ قصوروار اور عظیم گناہ کے مرتکب قرار دیئے جائیں گے، یہ فریضہ آپ پر صرف وہاں کے مسلم باشندوں کی خاطر نہیں بلکہ تمام سماوی ادیان اور مطلق عقیدہ کی آزادی کی خاطر بھی عائد ہو رہا ہے کیونکہ اسلام ہی وہ دین ہے جو سب سے پہلے اس عظیم حقیقت کا اعلان کر چکا ہے ((لا إکراہ فی الدین)) دین (اسلام) میں زبردستی نہیں ہے۔

اے لاہور کے اجتماع میں شریک ہونے والے قوم کے راہنماؤ! بے شک اللہ نے مسلمانوں سے ان کی جانیں اور ان کے اموال خرید لئے ہیں اور (اس کے عوض) ان کے لئے جنت تیار کی ہے، یہ لوگ خدا کی راہ میں لڑتے ہیں تو مارتے بھی ہیں اور خود بھی مارے جاتے ہیں، یہ تورات اور انجیل اور قرآن میں اس کا سچا وعدہ ہے۔"[2]

مسلمانو! صرف آپ ہی کا دین یہ امتیاز رکھتا ہے کہ وہ پوری دنیا کے لئے رحمت بن کر آیا۔ اللہ کے برحق انبیاء میں تفریق نہ کرنا اور ہر سماوی عقیدہ پر ایمان اس دین کی اولین شرائط میں داخل ہے۔

اب ان حقائق کی روشنی میں اپنے مقدسات کی آزادی کے لئے جو بھی جنگ ہم لڑیں گے وہ درحقیقت مبغوض تعصب اور قابلِ نفرت فرقہ واریت کے خلاف جنگ ہو گی اس سے اسلام کی فراخدلی کی تائید اور اس کی وسیع الصدری دنیا پر عیاں ہو گی۔

یہود اور مسیحی گذشتہ چودہ صدیوں تک مسلسل مسلمانوں کو قدس، مسجدِ اقصیٰ اور دوسرے مقدسات کے کلید بردار تسلیم کرتے رہے وہ مسلمانوں کے ساتھ مل کر بیت المقدس اور دنیا کے دوسرے اسلامی

---

[1] سورۂ منافقون   [2] سورہ توبہ

ممالک میں اسلام کی وسعت قلبی کے زیر سایہ امن و امان کی زندگی گذارتے رہے البتہ اسلام کی وسعت قلبی ہمیشہ ایسے وقت میں لڑائی کی اجازت بلکہ اس کو ضروری قرار دیتی ہے جبکہ ہمارے عقیدے بلکہ ہر سماوی عقیدہ کی راہ میں کوئی رکاوٹ بن کر کھڑا ہونے کی کوشش کرے۔

قدس کی آزادی کے بعد اگلا مرحلہ مسلم اتحاد کے لئے کوشش ہے

قدس اور مسجد اقصیٰ کو دشمن کے قبضہ سے چھڑا لینے کی تدبیر اور منصوبہ بندی کے بعد اس اجتماع کا دوسرا اہم مسئلہ "مسلم اتحاد" کے لئے ٹھوس اقدام ہونا چاہیئے بجائے اس کے کہ مسلمان آپس میں منتشر ہو کر دوسروں کے رحم و کرم پر زندہ رہیں ان میں اتحاد پیدا کر کے ان کو "امتِ واحدہ" بنانا چاہیئے وحدتِ امت کی دعوت دے کر میں کوئی مخصوص اور محدود گروہ بندی مراد نہیں لے رہا ہوں کیونکہ "اسلام" کسی گروہ یا قوم کے لئے نہیں بلکہ پوری دنیا کے لئے دینِ رحمت بن کر آیا ہے میں تو صرف حکمِ خداوندی کے مطابق مسلمانوں کو پوری دنیا کی ہدایت کے لئے یکجا دیکھنا چاہتا ہوں۔

دنیا میں موجود یہ متعدد گروہ بندیاں مختلف نظریات کی بنیاد پر وجود میں آئی ہیں، یہ نظریات اپنے مبدأ اور فکر کے اعتبار سے کتنے ہی بلند کیوں نہ ہوں بہر حال انسانی ارادے کے تابع، ترمیم و اصلاح کے قابل، کمزوری اور کوتاہی کے اسباب کی تلافی کے محتاج ہوتے ہیں لیکن اسلام اللہ کی وہ دائمی اور ناقابل تغیر شریعت ہے جس میں عجز و قصور اور ضعف کے لئے ذرا بھی گنجائش نہیں۔ ((ذالك الدين القيم ولكن أكثر الناس لا يعلمون)) یہی ہے سیدھا دین لیکن اکثر لوگ نہیں سمجھتے۔

یہ نظریات وجود میں آکر ختم ہو جاتے ہیں ترقی کے بعد تنزل کا شکار ہو جاتے ہیں لیکن اسلام اپنے اصول میں پہاڑ کی طرح بلند اور بے پایاں رسوخ کا مالک ہے گویا اس کے متبعین اس وقت کمزور ہو کر مصائب سے دوچار ہو رہے ہیں جس کی وجہ صرف یہ ہے کہ وہ نفس و خواہشات کے بندے بن کر دنیا کے پیچھے پڑ گئے اور دنیا نے ان سے منہ موڑ کر طویل کسمپرسی کے عالم میں ان کو حیران و سرگردان چھوڑ دیا ہے ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا کی بڑی طاقتیں جب بھی اپنے کسی نظریہ کو فروغ دینا چاہتی ہیں تو ایک ایسی مادی کشمکش اور جنگ کا ہونا ناگزیر ہو جاتا ہے جس کے نتیجہ میں انسانی معاشرہ ایک طویل عرصہ کے لئے مصائب و آلام سے دوچار ہو جاتا ہے، پھر یہ معاشرہ ان مصائب کا حل تلاش کرتے کرتے

نادانستہ طور پر اسلام کے قریب آجاتا ہے لیکن اسلام کے مفکرین ایسے موقعوں کو غنیمت سمجھ کر فائدہ نہیں اٹھاتے کہ حقیقت پسندی اور راہِ نجات کی نشاندہی کرتے ہوئے اس مصیبت زدہ معاشرہ کو بتلائیں کہ اب ان آلام اور مصائب سے اس کی خلاصی صرف اس دین کی اتباع میں ہے جو پوری دنیا کے لئے رحمت بن کر آیا ہے۔

اس وقت دنیا ایک اعصابی تشنج میں مبتلا ہو کر حیرت، پریشانی اور نفسیاتی الجھنوں کے زبردست دور سے گذر رہی ہے وہ ان خود ساختہ مذاہب کی بندشوں سے نجات پانے کے لئے برابر پیچ وتاب کھا رہی ہے لیکن یہ آزادی صرف اس وقت اس کو نصیب ہو گی جبکہ فکرِ اسلامی کے لئے راہ ہموار کر کے اس کی رحمت کے فیضان، قرآن کی صحیح تطبیق اور دنیا کے موجودہ افکار و نظریات کے مقابلہ کا سامان فراہم کر دیں۔

دنیا کے تمام "وضعی نظام" جو بظاہر اجتماعی عدل و انصاف کے نظریہ کے تحت وجود میں آئے ہیں وہ اشتراکیت ہو یا شیوعیت یا سرمایہ دارانہ نظام ہو یہ سب بلا استثناء اسلام کے عطا کردہ عدل اور انصاف پر مبنی نظام کے مقابلہ سے عاجز اور بے بس ہیں یہ تمام وضعی نظام وقتاً فوقتاً تبدیل ہوتے رہتے ہیں تجربہ اور تطبیقِ عملی کے بعد ان کے بہت سے اصول فرسودہ اور غلط ثابت ہو جاتے ہیں؛ یہ بہر حال انسانی ذہن کی پیداوار ہیں اور انسان اپنی ذات میں، اپنی موت اور حیات میں، اپنی تندرستی اور مرض میں، اپنی غلطی اور صواب میں جیسے عاجز، بے بس اور قوانینِ قدرت کا پابند واقع ہوا ہے ایسے ہی اس کی خود ساختہ ہر چیز عجز و قصور اور حدوث اور نقص کا مجسم نمونہ اور پیکر ہے لیکن اسلام کا عطا کردہ نظام سرتاپا خیر ہے وہ اپنے اندر دائمی توانائی اور حیاتِ جاوداں رکھتا ہے وہ نقص و حدوث کے شوائب سے بالا ہے وہ دین و دنیا کی فلاح کا نظام ہے وہ ایمان و عرفان کا سرچشمہ ہے وہ حق اور انصاف کا ناموس اور کائنات کے لئے رحمت کا پیغام ہے۔

اب اگر اس حقیقت سے وقت کے ان مفکرین نے پہلوتہی کر لی جو امتِ مسلمہ کو درپیش مسائل کے حل کے لئے جمع ہو رہے ہیں تو وہ اپنا راستہ طویل کر دیں گے، ترقی کے اسباب کی تلاش میں ان کی صحرا نوردی بے سود ثابت ہو گی وہ منزلِ مقصود تک کبھی پہنچ نہیں سکیں گے اور آخری اور حتمی نتیجہ یہی ہو گا کہ اپنے تمدن اور ترقی سے ہاتھ دھو کر زبردست تباہی کا شکار ہوں گے۔

برادرانِ اسلام! ان وضعی نظاموں کی وہ خوبیاں جو انسان کی فلاح و بہبود سے متعلق ہیں اسلام

میں بدرجہ اتم موجود ہیں جبکہ اسلام کے اسلوب کو یہ برتری حاصل ہے کہ وہ رحمت کا دین بن کر ہمیشہ انسان کو عزت و اکرام سے ہمکنار کرنا چاہتا ہے اسلام انفرادی، اجتماعی اور عالمی سطح پر اپنی رحمت کے مظاہرہ کے لئے اسلوب جداگانہ رکھتا ہے، وہ اس اسلوبِ عمل سے اس بات کی پُرزور تعلیم دیتا ہے کہ بنی نوع انسان کا باہمی ربط اخوت و صداقت کے جذبات پر مبنی ہونا چاہیئے، ہابیل و قابیل کی داستانِ غم کو مزید طُول دینے کی وہ اجازت نہیں دیتا۔

اسلام انسان کو وہ بلند اور باعزت مقام دیتا ہے جس کی تحدید خداوند قدوس نے اس دن کی تھی جبکہ اس کے حکم سے فرشتے آدم علیہ السلام کے سامنے ان کی عزت و اکرام کے لئے سربسجود ہو گئے تھے۔

اگر یہ سربراہ کانفرنس انصاف سے کام لے کر نظریۂ اسلام کی اشاعت کے لئے فعال قدم اٹھانا اپنا نصب العین بنالے تو لوگ اللہ کے اس دین میں جوق درجوق داخل ہونا شروع ہو جائیں گے، دنیا کی طاقتیں اپنے افکار و نظریات کو مادی قوت کے ذریعہ مسلط کرتی ہیں جبکہ اسلام اپنا عدل و انصاف پھیلانے میں روحانی قوت کا سہارا لیتا ہے جس دن اسلام کے داعی اور مبلغ دنیوی اشغال سے جان چھڑا کر خیر کی مخلصانہ دعوت دینا شروع کریں گے تو اس وقت انسانی معاشرہ اس ظالمانہ مادی طاقت کی گرفت سے چھوٹ کر راہِ نجات پر گامزن ہوگا۔

میں ایک بار پھر اس حقیقت کو دہراتا ہوں کہ میں توحید کے علمبرداروں کو اتحاد کی دعوت دے کر دنیا کی موجودہ گروہ بندیوں کے معیار پر ایک اور گروہ کا قیام نہیں چاہتا ہوں بلکہ میں صرف ان کا اتحاد ان پر عائد شدہ فرائض کی انجام دہی کے لئے ضروری سمجھتا ہوں اور اس وقت ان کا کم سے کم فریضہ یہ ہے کہ وہ اسلام کے نور کو پھیلا کر اس کے اصول کی حقانیت اور وقت کے خود ساختہ تمام افکار و نظریات پر اس کا غلبہ ثابت کر دکھائیں اور اس میں شک نہیں کہ اسلام ہمیشہ اپنے عادلانہ اصول سے کائنات کے لئے رحمت بن کر وقت کی مشکلات کے حل پر قادر چلا آیا ہے۔

قرآن کیا کہتا ہے :-

اللہ کا ارشاد ہے کہ "اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہاری قومیں اور قبیلے بنائے تاکہ ایک دوسرے کو شناخت کرو اور خدا کے نزدیک تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ پرہیز گار ہے۔"[1]

---

[1] سورہ حجرات

یہ ہے عزت واکرام کی وہ تحدید جو خالق اپنی مخلوق کے لئے کرتا ہے انسان ہی در اصل اس وجودِ کائنات کا مدار اور اہتمام کا مرکز ہے انسان سے ہر چیز کی ابتداء ہوتی ہے اس کی اصلاح پر دنیا کی اصلاح موقوف اور اس کے فساد پر دنیا کا فساد مرتب ہے، انسان اس اکرام و اعزاز کا مستحق کیوں نہ ہو جبکہ اس کے جدِ اعلیٰ آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اپنا خلیفہ بنایا۔

اسلام ہمیشہ اپنے اصول وتعلیمات کے ذریعہ اپنے پیرووں میں بدلتے ہوئے حالات کے ساتھ چلنے کی صلاحیت پیدا کرتا چلا آیا ہے، وقفے وقفے کے ساتھ وحی کے قرآنی نزول سے اجداد کی جو تربیت ہوئی ہے اس میں احوال وظروف کی تبدیل کو ملحوظ رکھنے کی یہی حکمت کارفرما تھی۔

اسلام کی ان تربیت یافتہ اقوام کی شان یہ ہونی چاہیئے کہ وہ قرآنِ کریم کی روشنی میں وقت کی ہر مشکل کا اسلامی حل تلاش کریں وہ صرف قرآن کے حفظ اس کی تفسیر اور تلاوت پر اکتفا کرنے والے نہ ہوں بلکہ قرآن ان کا نصب العین ہو، ان کے باہمی معاملات میں حاکم اور ان کی سیرت وسلوک کے لئے مشعلِ راہ ہو ان کی شان یہ ہو کہ وہ فہم کے ساتھ متاثر ہونے والا دل بھی رکھتے ہوں۔ شعور کے ساتھ اخلاق سے بھی متصف ہوں اور متدین ہونے کے ساتھ اپنے تدین پر فخر کرنے والے بھی ہوں کیونکہ کسی بھی دین کی ترقی کے لئے ضروری ہے کہ اس کے پیرو سب سے پہلے اس کو اپنے لئے مایہ ناز وافتخار سمجھتے ہوں دنیا میں اس وقت اگر کوئی جتھہ بندی پائی جارہی ہے تو یہ ان وضعی اور خود ساختہ نظاموں کا نتیجہ ہے نہ کہ اسلام کا، وہ اسلام جو سرتاپا سلامتی اور انسان کی عزت و اکرام کے لئے آیا ہوا دین ہے۔

اسلامی اتحاد کے دور رس اور خوش آئند نتائج:-

اس فضلِ ایزدی کا کیا کہنا جس کی یہ امت صرف اور صرف اس وقت مستحق ہوگی جبکہ راہِ حق پر چل کر اپنے خالق خدائے برتر سے تعلق جوڑنے کا اعلان کر دے اس وقت اللہ کی جو بے پایاں مہربانیاں اس پر ہوں گی انسان کے لئے ان کا تصور اور ادراک ناممکن ہے اس امت کی نصرت وفلاح اس کی استقامت علی الحق اور تعلق باللہ کی مقدار پر ہوگی۔

تالیفِ قلب اور باہمی اخوت کے جو آثار گذشتہ رمضان کی جنگ میں نظر آئے اس دور میں اس سے قبل ان کی نظیر شاید ہی کسی نے دیکھی ہو۔ عربوں نے باہمی اتحاد کا ثبوت دے کر اپنا وجود

منوالیا اور اس کا سرچشمہ دراصل تالیف بین القلوب کا وہ اکرام خداوندی تھا جس کو قرآنِ کریم ان الفاظ میں بیان کرتا ہے: "اگر تم روئے زمین کے سارے خزانے بھی خرچ کر ڈالتے تو بھی ان کے دلوں میں الفت نہ پیدا کر سکتے مگر (وہ تو) اللہ (ہی تھا) جس نے ان لوگوں میں الفت پیدا کر دی"۔[1]

اب غور کرنے کی بات ہے کہ صرف عرب اتحاد دشمن سے برسرِ پیکار ہونے کے وقت جب یہ نتائج پیدا کر سکتا ہے تو اسلامی اتحاد سے کہیں زیادہ قیمتی اور وزنی نتائج کی امید وابستہ کی جا سکتی ہے، امتِ مسلمہ کے متحد ہونے کی صورت میں وہ دوررس نتائج اور آثار ظاہر ہوں گے جن کی فعالیت اور قوت کا اندازہ حساب و شمار کی قید سے بالاتر ہوگا۔

پس اے میرے خدا اپنے فضل سے امتِ مسلمہ کا انتشار اتحاد میں تبدیل کر کے اس کو اپنے دشمن کے مقابلہ کے لئے ایک صف میں کھڑے ہونے کی توفیق عطا فرما، اے اللہ حق کی راہ میں اس کو جمع ہونے اور ایسی قوت بن جانے کی توفیق عطا فرما جس سے تیرے اور ہمارے دشمن خوف زدہ ہوں وہ دشمن جن کو ہم جانتے ہیں اور وہ بھی جن کو ہم نہیں جانتے صرف آپ ہی ان کو جانتے ہیں، اے اللہ! لاہور کے اس اجتماع کو اس کے کاموں میں درستی کا سامان عطا فرما، اس اجتماع کے ذریعہ اس امت کو وہ سعادت نصیب فرما جو ان کے اسلاف کو نصیب ہوئی تھی، بے شک آپ ہر چیز پر قادر اور دعا قبول کرنے والے ہیں۔

ربیع الاوّل ۱۳۹۴ھ، اپریل ۱۹۷۴ء

---

[1] سورۂ انفال

دورۂ انگلستان

الحمد للہ ماہِ رمضان المبارک میں کچھ لمحات حرمین شریفین میں نصیب ہوئے، انگلستان کی دینی دعوت آئی تھی، اگرچہ صحت اچھی نہیں تھی اور ڈاکٹروں کی حتمی رائے سفر نہ کرنے کی تھی اور خود مجھے بھی تردد ضرور تھا لیکن استخارہ کرکے اللہ کا نام لے کر میں جدہ سے ۲۲ نومبر ۱۹۸۴ء کو روانہ ہوگیا، ہڈرس فیلڈ میں جاتے ہی ایک جدید حادثہ سے دوچار ہوا، ڈاکٹروں نے تین روز سکونت اور ایک ہفتہ آرام کا مشورہ دیا، لیکن بیانات کا نظم بن چکا تھا اور اس کا اعلان ہوگیا تھا اس لئے بادلِ ناخواستہ ڈاکٹروں کے مشورے کے خلاف کرنا پڑا، الحمد للہ کہ تقریباً تمام پروگرام حق تعالیٰ شانہٗ نے پورا کردیا، متعدد مقامات پر جانا ہوا اور جن دینی اہم مسائل کی ضرورت سمجھی ان پر بیانات ہوئے، ہڈرسفیلڈ، بولٹن، ڈیوزبری، بلیک برن، پرسٹن، بریڈفورڈ، گلسٹر، والسال، برمنگھم، ولورہملٹن، کونٹری، لسٹر، نینی ٹن اور خود لندن کے مختلف مقامات میں پروگرام بن چکے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے باوجود صحت کی خرابی وطبیعت کی ناسازی کے محض اپنے فضل وکرم سے توفیق نصیب فرمائی، متعدد دینی موضوعات پر بیان ہوا، مثلاً (۱) دینِ اسلام حق تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے (۲) اسلام اور بقیہ مذاہب کا موازنہ (۳) دنیا اور آخرت کی نعمتوں کا موازنہ (۴) دنیا کی زندگی کی حقیقت (۵) طمانیتِ قلب دنیا کی سب سے بڑی نعمت ہے اور اس کا ذریعہ حقیقی اسلام ہے (۶) ذکر اللہ جس طرح حیاتِ قلوب کا ذریعہ ہے ٹھیک اسی طرح بقاءِ عالم کا ذریعہ بھی ہے (۷) لندن وانگلستان میں مسلمانوں کی زندگی کا نقشہ (۸) دنیا کی زندگی میں انہماک اور آخرت سے دردناک غفلت (۹) انگلستان میں مسلمانوں نے اگر دینی انقلاب اختیار نہ کیا تو ان کا مستقبل نہایت تاریک ہے (۱۰) انگلستان کی پُر از شہوات زندگی میں اصلاحِ نفوس کی تدبیر (۱۱) مخلوط تعلیم کے دردناک نتائج اور اس سے بچنے کے لئے لائحۂ عمل (۱۲) محبتِ رسول کی روشنی میں سنت وبدعت کا مقام (۱۳) حضراتِ انبیاء کرام کی عصمت اور صحابۂ کرام کا مقام (۱۴) انگلستان میں عالمِ دین کی زندگی کیسی ہو؟ (۱۵) رؤیتِ ہلال وغیرہ بعض مسائل میں علماء کا اختلاف اور اتحاد کے لئے لائحۂ عمل (۱۶) قادیانی مسئلہ اور اس کا اتفاقی حل۔ الغرض اس قسم کے بیانات ہوئے، مجالس اور سوالات کے جوابات میں دار الحرب، دار الاسلام اور ان کے احکام کے اختلافات، غلاموں اور لونڈیوں کی

اسلام میں اجازت اور اس کے مصالح وحکم وغیرہ وغیرہ بے شمار مسائل زیرِ بحث آئے اور اپنی مقدور کے مطابق ان مشکلات کے حل کرنے کی کوشش کی گئی۔

انگلستان کے اس سفر میں جہاں یہ خوشی ہوئی کہ دینی فضا مسلمانوں میں بنتی جارہی ہے اور ہر ہر شہر میں مسلمانوں کی آبادی میں اضافہ ہے جماعت خانے اور مسجدیں بھی کثرت سے بنتی جارہی ہیں۔ مکتب اور اسکول قائم کئے جارہے ہیں، تبلیغی جماعت کی نقل وحرکت سے بھی الحمدللہ نوجوانوں میں دینی رجحانات بڑھتے جارہے ہیں لیکن ساتھ ہی ساتھ یہ احساس شدت سے پیدا ہورہا ہے کہ ہم مسلمان خصوصًا اہلِ علم فریضۂ دعوت وتبلیغ میں انتہائی مقصر ہیں، مسلمانوں کو بے انتہا اصلاح کی ضرورت ہے اور اگر سلیقہ ونظم کے ساتھ مؤثر انداز سے اربابِ کفر کو بھی دعوت پیش کی جائے تو قبول کرنے کی بڑی توقع ہے، کافروں کا خصوصًا نوجوان طبقہ دورِ حاضر کی تہذیب ومعاشرت کی وجہ سے سکونِ قلب کی نعمت سے محروم ہے اور طرح طرح کی تدبیریں سکونِ دل اور آرامِ جان کے لئے اختیار کررہے ہیں اگر ان کو اسلام کا نسخۂ شفا معلوم ہوجائے کہ اطمینانِ قلب اور سکونِ روح کے لئے اس سے زیادہ مؤثر کوئی نسخہ نہیں ہے تو بدل وجان اس کے ماننے کے لئے تیار ہے، من حیث القوم اونچا طبقہ تو اسلام سے قدیمی عداوت کی وجہ سے شاید آمادہ نہ ہو لیکن جدید نسل کو تو سکونِ قلب کی ضرورت ہے۔ عقول پختہ ہوچکی ہیں، قدیمی تاریخی عداوت نہ ان کے پیشِ نظر ہے نہ اس کو وقعت دیتے ہیں اگر ان کو پاکیزہ زندگی کی لذت معلوم ہوجائے تو اپنی گندی اور ملوث زندگی سے تائب ہونے کے لئے فوراً تیار ہوجائیں۔

یورپ کے ملکوں میں اگر مسلمانوں کی زندگی صحیح اسلامی زندگی ہوتی، سر سے پیر تک مجسمہ اسلام ہوتے اور اخلاق وملکات تمام مسلمانوں کے سے ہوتے، ان کی صورت، ان کی سیرت صحابہ کرام کی ہوتی تو ان کے وجود سے خاموش تبلیغ ہوتی، بغیر زبان ہلائے اربابِ کفر کو تبلیغ ہوتی اسلامی اخلاق اور اسلامی صورت وسیرت میں غضب کی جاذبیت ہے بلاشبہ کبھی جدید نسل کو بعض شبہات عقلی پیدا ہوتے ہیں اور بسا اوقات مسیحی پادری اسلام کو بدنام کرنے کے لئے اسلام کو مسخ کرکے پیش کرتے ہیں تاکہ عیسائی اسلام سے نفرت کریں، اس وقت صحیح انداز اور مؤثر طریقے پر افہام وتفہیم کی ضرورت پڑتی ہے اگر اسلامی علوم کے ساتھ صورت واسلامی سیرت مل جائے تو ہر ایک شخص سراپا

دعوت بن جائے، بہرحال مؤثر ترین چیز کردار وعمل ہے، اگر علم بہت بھی ہے لیکن زندگی غیر اسلامی ہے تو فطرۃً اس کا کوئی اثر نہیں ہوتا، دعوت وتبلیغ کی تاثیر کے لئے ضروری ہے کہ عمل وکردار قول وبیان کی تکذیب نہ کرے، اس لئے قرآنِ کریم میں ارشاد ہے :۔

((أتامرون الناس بالبر وتنسون أنفسكم وأنتم تتلون الكتاب أفلا تعقلون))	کیا غضب ہے کہ اور لوگوں کو نیک کام کرنے کا کہتے ہو اور اپنی خبر نہیں لیتے؟ حالانکہ تم تلاوت کرتے ہو کتاب کی، تو پھر کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتے؟

لیکن افسوس کہ یہ ہو رہا ہے کہ مسلمان اور کافر کے درمیان نہ صورت میں کوئی فرق، نہ سیرت میں نہ تہذیب میں نہ معاشرت میں، نہ اعمال میں نہ اخلاق میں، تو کافر کس چیز سے تأثر لے؟ بلاشبہ مسلمان کے دل میں عقیدہ اسلامی ہے لیکن اگر یہ عقیدہ دل میں راسخ ہے تو سیرت کی تخلیق میں اس کو مؤثر ہونا چاہئے مگر اس کے برعکس ہو رہا ہے کہ مسلمان معاملات میں کافروں سے زیادہ گئے گذرے ہیں جھوٹ دھوکہ وعدہ خلافی خیانت، بے رحمی اور ظلم وعدوان ایسی بلاؤں میں اس طرح مبتلا نظر آتے ہیں کہ الامان والحفیظ۔

کتنے شرم کی بات ہے کہ مسلمان اسلام کا عملی اور اخلاقی وتہذیبی نمونہ پیش کرنے کے بجائے ایسے کردار کے حامل ہوں کہ ع "جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود" کافروں کے تمام ظاہری اخلاق واعمال کی بنیاد محض خود ساختہ عقلی ضوابط پر ہے یا دنیوی مصالح ان کے پیش نظر ہیں لیکن نیت اور باطن کو کون دیکھتا ہے، دنیا ظاہر کو دیکھتی ہے، دنیا دیکھتی ہے کہ مسلمان، وعدہ خلافی، خیانت اور دھوکہ دہی کا ارتکاب کرتا ہے جبکہ کافر بھی ان گھناؤنے امور سے پرہیز کرتے ہیں، الغرض اسلام کی تبلیغ میں سب سے زبردست رکاوٹ خود مسلمانوں کی عملی زبوں حالی ہے اور جن لوگوں کو اسلام اور مسلمانوں کا درد ہے ان کے لئے یہ بات بے چین وبے تاب کردینے والی ہے۔

قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دینے پر مبشرات

قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جانا بہت ہی عظیم برکات کا کارنامہ ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ختمِ نبوت کے منکروں کا مسلمانوں سے خلا ملا نہ صرف مسلمانوں کے حق میں ایک ناسور تھا

بلکہ اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک بھی بے تاب تھی، قادیانی مسئلہ کے حل پر جہاں تمام ممالک کی جانب سے تہنیت ومبارک باد کے پیغامات آئے وہاں منامات ومبشرات کے ذریعہ عالم ارواح میں اکابر امت اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مسرت وبہجت بھی محسوس ہوئی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق مبشرات ذکر کرنے کی ہمت نہیں ہوتی تاہم اہل ایمان کی خوشخبری کے لئے اپنے دو بزرگوں سے متعلق بشارتِ منامیہ بعض مخلصین کے اصرار پر ذکر کرتا ہوں۔

جمعہ ۳ رمضان المبارک ۱۳۹۴ھ صبح کی نماز کے بعد خواب دیکھتا ہوں کہ حضرت امام العصر مولانا محمد انور شاہ صاحب کشمیری رحمہ اللہ گویا سفر سے تشریف لائے ہیں اور خیر مقدم کے طور پر لوگوں کا بہت ہجوم ہے لوگ مصافحے کر رہے ہیں جب ہجوم ختم ہو گیا اور تنہا شیخ رہ گئے تو دیکھتا ہوں کہ بہت وسیع چبوترہ ہے جیسے اسٹیج بنا ہوا ہو، اس پر فرش ہے اور اوپر جیسے شامیانہ ہو، بالکل درمیان میں شیخ تنہا تشریف فرما ہیں دو تین سیڑھیوں پر چڑھ کر ملاقات کے لئے پہنچا، حضرت شیخ اٹھے اور گلے لگا لیا، میں ان کی ریش مبارک اور چہرہ مبارک کو بوسے دے رہا ہوں، حضرت شیخ میری داڑھی اور چہرے کو بوسے دے رہے ہیں، دیر تک یہ ہوتا رہا، چہرہ وبدن کی تندرستی زندگی کے آخری ایام سے بہت زیادہ ہے بے حد خوش اور مسرور ہیں، بعد ازاں میں دوزانوں ہو کر فاصلہ سے باادب بیٹھ گیا اور آپ سے باتیں کر رہا ہوں اسی سلسلہ میں یہ بھی عرض کیا کہ بھول گیا کہ "معارف السنن" حاضر کرتا، فرمایا: میں نے بہت خوشی اور مسرت کے ساتھ اس کا مطالعہ کیا ہے اب چھٹی جلد کا مطالعہ کر رہا ہوں میں نے عرض کیا کہ میرے پاس تو علم نہیں جو کچھ آپ نے فرمایا تھا بس اس کی تشریح وتوضیح وخدمت کی ہے، بہت مسرت کے لہجے میں فرمایا کہ "بہت عمدہ ہے۔"

شوال ۱۳۹۴ھ میں لندن کے قیام کے دوران خواب دیکھا کہ ایک بہت بڑا وسیع مکان ہے گویا ختم نبوت کا دفتر ہے، بہت سے لوگوں کا مجمع ہے، میں ایک طرف جا کر سفید چادر جس طرح کہ احرام کی چادر ہو باندھ رہا ہوں، بدن کا اوپر کا حصہ برہنہ ہے کوئی چادر یا کپڑا نہیں، اتنے میں حضرت سید عطاء اللہ شاہ بخاری اسی ہیئت میں کہ احرام والی سفید چادر کی لنگی باندھی ہوئی ہے اور اوپر کا بدن مبارک بغیر کپڑے کے ہے، میرے داہنے کندھے کی جانب سے تشریف لائے اور آتے ہی مجھ سے چمٹ

گئے، پہلا جملہ یہ ارشاد فرمایا "واہ میرے پھول"! پھر دیر تک معانقہ فرمایا، میں خواب ہی کی حالت میں خیال کرتا ہوں کہ مبارک باد کے لئے تشریف لائے ہیں، انتہی۔ منامات کی حیثیت مبشرات کی ہے اس سے زیادہ ان کی کوئی شرعی حیثیت نہیں، بہرحال قادیانی ناسور کے علاج سے نہ صرف زندہ بزرگوں کو مسرت ہوئی بلکہ جو حضرات دنیا سے تشریف لے گئے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ انہیں بھی اس سے بے حد پایاں خوشی ہوئی ہے فالحمد للہ۔

علاقائی ثقافتی میلے اور اسلام

یکم دسمبر سے کراچی میں ایک ثقافتی میلہ منعقد کیا جا رہا ہے جس میں سندھی، پنجابی، پٹھانی اور بلوچی ثقافتوں کی نمائش کی جائے گی، اسلامی لغت "ثقافت" کے لفظ سے ناآشنا ہے قرآنِ کریم حدیثِ نبوی اور دیگر اسلامی ذخائر میں یہ لفظ کہیں نہیں ملتا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بعثت کا مقصد مکارمِ اخلاق کی تکمیل قرار دیا مگر یہ کہیں نہیں فرمایا کہ میں "ثقافت" کی تعلیم کے لئے آیا ہوں۔

دراصل انگریزی میں کلچر کا لفظ تہذیب و تمدن اور اسلوبِ زندگی کے معنی میں رائج تھا، ہمارے عرب ادباء نے اس کا ترجمہ "ثقافت" سے کر ڈالا، اور جب سے یہ لفظ مسلمانوں میں کثرت سے استعمال ہونے لگا مگر یہ مہمل لفظ آج تک شرمندۂ مفہوم و معنی نہیں ہوا، ہر شخص نے اپنے ذوق کے مطابق اس کا مفہوم متعین کرنے کی کوشش کی اور آج کل عموماً اسے رقص و سرود، ناچ رنگ اور فحاشی اور عیاشی کے مناظر کے لئے استعمال کیا جاتا ہے، خیر کچھ بھی ہو کہنے کی بات یہ ہے کہ اس اسلامی ملک میں ان علاقائی ثقافتوں کی ترویج و نمائش اور حوصلہ افزائی کا کیا مقصد ہے؟ "سندھی ثقافت" آخر کیا بلا ہے؟ اس سے مرادِ محمد بن قاسم کی ثقافت ہے یا راجہ داہر کی؟ "پنجابی ثقافت" کیا چیز ہے؟ کیا راجہ اجیت سنگھ کی ثقافت کا احیاء مقصود ہے؟

"سندھی" ایک مسلمان بھی ہو سکتا ہے اور کافر بھی، "پنجابی" ایک مومن بھی ہو سکتا ہے اور ایک سکھ بھی، بلوچی بھی ایک مسلم بھی ہو سکتا ہے اور ایک یہودی بھی، جب آپ سندھی، پنجابی اور بلوچی ثقافتوں کی نمائش کریں گے تو وہ ایک مسلم و کافر کی مشترکہ میراث ہوگی، سوال یہ ہے کہ ایک مسلمان کو بحیثیت مسلمان کے اس سے کیا دلچسپی ہے؟ کیا پاکستان انہی چیزوں کو نمایاں کرنے کے لئے بنایا گیا جن میں دنیا بھر کے کافروں کی تسلی کا سامان تو ہو مگر اسلام اور مسلمانوں کو ان سے کوئی

واسطہ نہ ہو؟

اگر یہ ایک اسلامی ملک ہے اور یہاں کے شہری مسلمان ہیں تو ان سب کے لئے ایک ہی ثقافت ہو سکتی ہے قرآنِ حکیم کی تعلیمات اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ، عقل و ایمان کا یہ کیسا المیہ ہے کہ اسلام، اسلامی تعلیمات اور اسوۂ نبوی کی کسی کو فکر نہیں، مسلمانوں کے اخلاق و معاشرت کی صلاح کی طرف کسی کو توجہ نہیں اور زندہ کیا جا رہا ہے تو ان تہذیبوں کو؟ اس کے لئے ہزاروں لاکھوں روپیہ اس مفلس ملک اور بے بس قوم کا صرف کیا جا رہا ہے۔

اور یہ بات بھی شاید ہمارے اربابِ حل و عقد کے سوا کسی کی عقل میں نہیں آئے گی کہ ایک طرف زبانی جمع خرچ کے طور پر چاروں صوبوں کے درمیان اتفاق و اتحاد کی ضرورت پر زور دیا جاتا ہے علاقائی عصبیت پھیلانے والوں کو ملک و ملت اور قوم و وطن کے غدّار کے خطاب سے نوازا جاتا ہے، اور دوسری طرف ہزاروں روپیہ خرچ کر کے علاقائی ثقافتوں کو ابھار کر علاقائی عصبیت کی چنگاری کو ہوا دی جاتی ہے، ان سندھی، پنجابی، پٹھانی، بلوچی ثقافتوں کو جب اچھالا جائے گا تو اس کا نتیجہ اس کے سوا کیا ہوگا کہ لوگوں میں سندھیت اور پنجابیت، پشتونیت اور بلوچیت کا احساس ابھرے گا، صوبوں کے درمیان منافست اور منافرت بیدار ہوگی اور علاقائی عصبیت کا بھوت عریاں رقص کرنے لگے گا، ایک وطن، ایک قوم، ایک ملت اور ایک مقصد کا احساس اگر کسی کے گوشۂ قلب میں موجود ہو تو وہ بھی دب کر رہ جائے گا، کہیں یہ ثقافتی میلے، یہ علاقائی ناچ رنگ کی نمائش، ملک کے مزید حصے بخرے کرنے کی سازش تو نہیں؟ کیا یہ مسلمانوں میں مزید جنگ و جدال برپا کرنے کی تمہید تو نہیں؟۔

ان علاقائی ثقافتی میلوں کا ایک اور دردناک پہلو بھی نہایت اہم ہے اس وقت پورا ملک ہوشربا گرانی اور قلتِ رسد کی لپیٹ میں ہے، پنجاب، سرحد اور بلوچستان کے بعض علاقوں میں قحط کے سے آثار نمودار ہو رہے ہیں، لوگوں کو ستر پوشی کے لئے کپڑا اور جسم و جان کا رشتہ قائم رکھنے کے لئے قوت لایموت کا حصول بھی مشکل ہو رہا ہے، خشک سالی نے آئندہ فصل کے لئے بھی بیم و خوف کی شکل پیدا کر دی ہے بجلی اور پانی کی قلت سے زمین بنجر اور کھڑی فصلیں خشک ہو رہی ہیں۔ حالات کے دباؤ نے لوگوں میں اندیشہ ہائے دور و دراز پیدا کر دیئے ہیں ہر شخص فکرمند نظر آتا ہے۔

اگر کسی کے دل میں رحم و انصاف کی کوئی رمق ہو تو اسے سوچنا چاہیئے کہ ان سنگین حالات میں یہ ملک ان ثقافتی عیاشیوں کا متحمل ہے؟ ان حالات میں توبہ و استغفار اور انابت الی اللہ کی ضرورت ہے یا ان مختلف علاقوں کے ناچ رنگ کے ڈراموں کی؟

خدارا! اس ملک پر رحم کیجئے، اس قوم پر رحم کیجئے، قوم و ملک کو ان لعنتوں میں گرفتار کرکے خدا کے غضب کو دعوت نہ دیجئے، اگر اسلامی ملک کی اصلاح و فلاح اور مسلمانوں کے امن و سکون کے اسباب مہیا کرنا آپ کے بس کی بات نہیں ہے تو کم از کم انہیں تباہی و بربادی کے جہنم میں تو نہ دھکیلئے۔

ع "مرا بخیر تو امید نیست، بد مرساں"

مسلمانوں کا اُسوہ و نمونہ اور نصب العین

زندہ قومیں تاریخ کے سنگلاخ میں اپنا راستہ خود نکالا کرتی ہیں، ان کے پاس خود اپنا نصب العین ہوتا ہے وہ اپنا طریقِ کار خود وضع کرتی ہیں۔ انہیں دوسروں کے اشارۂ چشم و ابرو کی حاجت نہیں ہوتی نہ ان کی اولوالعزمی غیروں کے پامال راستوں پر چلنے کی انہیں اجازت دیتی ہے، مسلمانوں کے پاس سفرِ حیات کے لئے اپنا نصب العین ہے، اپنا طریقِ کار ہے اور اپنا توشۂ سفر موجود ہے انہیں کسی نظریۂ حیات سے نصب العین مستعار لینے کی ضرورت نہیں نہ زادِ سفر کے لئے غیروں کی زلہ ربائی کی حاجت، لیکن بدقسمتی یہ ہے کہ تقلیدِ اغیار میں یہ اپنے نصب العین سے غافل ہو کر اپنے گھر کی ساری دولت سے ہاتھ دھو بیٹھے، اس کا نتیجہ ہے کہ آج ان کے لئے اسوۂ و نمونہ انبیاء و اولیاء نہیں بلکہ یہود و نصاریٰ ہیں، وہ ہر چیز میں غیروں کے دستِ نگر ہیں ان کی مثال ان بدقسمت شہزادوں کی ہے جو چند اوباش لونڈوں کے بہکاوے میں آکر گھر سے نکل جائیں اور باہر جاکر پیشۂ گدائی کرلیں، وہ کسی وقت پوری دنیا کی قسمت کے مالک تھے لیکن آج لوگوں کے سڑے بسے دسترخوان کی ریزہ چینی میں فخر محسوس کرتے ہیں، فیا للعجب۔

اسلام اور سوشلزم ایک مدت سے ہمارے یہاں سوشلزم کے نعرے لگ رہے ہیں مسلمانوں کو بہکانے کے لئے اس پر بڑے حسین و جمیل لیبل چپکائے جارہے ہیں اسلامی سوشلزم اسلامی مساوات، سائنٹفک سوشلزم وغیرہ وغیرہ لیکن ان بھولے شہزادوں سے کون پوچھے کہ حضرات! یہ

سوشلزم کس کے دسترخوان کا چبایا ہوا نوالہ ہے جسے آپ فخر سے تناول فرما رہے ہیں، سوشلزم کی تحریک کا بانی کون تھا، اس کی تاریخ کیا ہے؟ اس کے بنیادی عناصر کون کون ہیں؟ اس کا طریق کار کیا ہے؟ یہ کہاں سے آیا؟ کن کن راستوں سے گذرا؟ اس میں کیا کیا تبدیلیاں پیدا ہوئیں؟ اس نے انسانیت سے کیا کیا سلوک کیا؟ وغیرہ وغیرہ۔

جس قوم کے پاس قرآنِ حکیم جیسا دستور العمل موجود ہو جو نبی آخر الزماں حکیمِ انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتۂ عقیدت سے وابستہ ہو جسے اسلام جیسا پاکیزہ دین نصیب ہوا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ جو قوم خداوندِ ذو الجلال کی عنایات وہدایات اور نصرت ومدد اپنے ساتھ رکھتی ہو اسی قوم کے افراد کی دناءت اور دون ہمتی دیکھو کہ وہ روٹی کے چند ٹکڑوں کے لئے کارل مارکس اور لینن کے دروازہ پر سجدہ ریز ہے، سفرِ حیات کی منزلیں خروشیف اور ماؤزے تنگ سے پوچھ پوچھ کر متعین کر رہی ہے اور زندگی کے ہر کام وقدم میں کافرانِ فرنگ اور ملحدانِ مادیت کے نقشِ پا کو دیکھ دیکھ کر چلتی ہے۔

ہم مسلمانوں کو دو ٹوک لفظوں میں بتا دینا چاہتے ہیں کہ اسلام کسی ازم اور کسی نظریۂ حیات کا محتاج نہیں نہ ان سے مصالحت اور پیوند کاری کا متحمل ہے، پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا قطعی فیصلہ ہے:۔

((لو کان موسی حیاً لما وسعہ إلا اتباعی)) (مشکاۃ)	اگر موسیٰ علیہ السلام بھی زندہ ہوتے تو انہیں بھی میری پیروی کے بغیر کوئی چارہ نہ ہوتا۔

امن وعافیت کا راستہ جو لوگ مسلمانوں کی آنکھوں میں خاک جھونکنے کے لئے اسلام کے ساتھ سوشلزم وغیرہ کے نعرے لگاتے ہیں وہ مسلمانوں کے خیر خواہ نہیں بلکہ محمدِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کا رشتۂ عقیدت تڑوا کر انہیں غیروں کی دریوزہ گری کی دعوت دیتے ہیں اور سچ پوچھئے تو یہ لوگ نہ اسلام کے مخلص ہیں نہ سوشلزم کے، اسلام اور سوشلزم کے ملغوبے سے ان کا مقصد محض اپنی خواہشات کی تکمیل ہے اور بس۔

سوشلزم کے مصنوعی نعروں کا خمیازہ قوم اے۱۹۷ء میں ایک بار بھگت چکی ہے، ملک دو ٹکڑے ہوا، ذلت ورسوائی کا ریکارڈ پہلی بار مسلمانوں نے قائم کیا، اندرونِ ملک بے چینی وبے قراری نصیب ہوئی امن وامان اور راحت وسکون قصۂ پارینہ بن گیا، روٹی کپڑے کے لئے یہ سب کچھ کیا گیا مگر جو پہلے

ملتی تھی وہ بھی چھن گئی وغیرہ وغیرہ۔

سوشلزم کے یہی انعامات کافی ہیں جو ہمارے ملک کو عطا ہوئے، خدارا! اب انعامات کی اس بارش کو بند کیجئے، ان مصنوعی نعروں سے ملک وقوم کے مسائل حل نہیں ہوں گے بلکہ مزید الجھیں گے، امن وعافیت کا ایک ہی راستہ ہے اور وہ اسلام کی حبلِ متین کو مضبوطی سے تھامنا، عالم وعامی، راعی اور رعایا، تاجر اور مزدور جب تک اسلام سے نفاق ورزی کی روش نہیں چھوڑیں گے خدا تعالیٰ کی عنایات ان کی جانب متوجہ نہیں ہوں گی، وصلی اللہ علیٰ خیر البریة سیدنا محمد وآلہ وأصحابہ وأتباعہ أجمعین إلی یوم الدین۔

ذوالقعدہ ۱۳۹۲ھ، دسمبر ۱۹۷۲ء

معاہدۂ تاشقند اور اس کے نتائج

جنوری کے پہلے ہفتہ میں تاشقند کانفرنس منعقد ہوئی، اس کے نتیجہ میں پاکستان اور بھارت کے درمیان ایک قرار داد طے پا گئی، اس قرار داد سے دونوں ملکوں کی فوجوں کے درمیان فائر بندی کی تکمیل ہو گئی اور فائر بندی کی خلاف ورزیوں کا سلسلہ بھی ختم ہو گیا اور اب ایک مقررہ مدت میں جنگی محاذوں سے فوجوں کی واپسی کا مرحلہ سامنے ہے۔

اس قرار داد کا پس منظر اور وہ گفتگوئیں جو تینوں ملکوں کے سربراہوں کے درمیان ہوتی رہی ہیں اور وہ عوامل و محرکات جنہوں نے بالکل آخری مرحلہ پر کانفرنس کو ناکامی سے بچا لیا، دنیا کے سامنے نہیں ہیں اس لئے اس پوری صورتحال پر صحیح تبصرہ مشکل ہے لیکن جو واشگاف حقیقتیں سامنے آ چکی ہیں، ان کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے کانفرنس کے نتائج افسوسناک اور مایوس کن ہیں۔

ایک ظالم و جارح اور بے رحم ملک کے ساتھ نزاعات کو طے کرتے ہوئے اخلاق و تواضع اور رحم و کرم کا یہ معاملہ جو قرار دادِ تاشقند کی صورت میں سامنے آیا ہے سمجھ سے بالاتر ہے۔

؎ امورِ مملکت خویش خسرواں دانند

جہادِ پاکستان کے موقعہ پر پاکستان کے تمام باشندوں میں اتحاد و اتفاق کی جو روح پیدا ہو گئی تھی اور حکومت کو عوام کی غیر مشروط وفاداری اور ان کے درمیان ہر دلعزیزی حاصل کرنے میں جو کامیابی حاصل ہو گئی تھی اور اسی کے ساتھ عام مسلمانوں کے عزائم اور حوصلوں میں جو قوت اور بلندی پیدا ہو گئی تھی تاشقند کی اس قرار داد نے اس سب کو ختم کر دیا۔

مزید ستم ظریفی یہ ہوئی کہ جب اسی وفا شعار اور ایثار پیشہ قوم نے اس اعلان پر آزادی کے ساتھ اپنی رائے کا اظہار کیا تو اس کو دبانے اور ختم کرنے کے لئے جو طریقے اختیار کئے گئے وہ بھی انتہائی افسوسناک تھے۔

اگر قوم کے نوجوانوں کے پُرجوش اور مخلصانہ جذبات کی قدر کی جاتی اور افہام و تفہیم اور مؤثر تدابیر اختیار کر کے ان میں اعتدال پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی تو نہ صرف یہ کہ حکومتِ پاکستان کے حق میں یہ صورت مفید ہوتی اور ملک کے مستقبل کے لئے ایک فالِ نیک ثابت ہوتی بلکہ دوسرا

فریق بھی اس سے متاثر ہوتا اور بھارتی حکومت پر بھی دباؤ پڑتا اور اس کے نتیجہ میں وہ کشمیر کے متنازعہ فیہ مسئلہ کی شدت و اہمیت کو محسوس کرکے اس کو حل کرنے کے لئے جلد آمادہ ہو جاتی، لیکن اس بے تدبیری نے خود اپنی صفوں میں بھی انتشار اور خلفشار پیدا کر دیا ہے جو اس سلسلہ میں اختیار کی گئی ہے۔

اس سے ظاہر ہے کہ نہ اپنوں کے ساتھ طرزِ عمل میں حکمت و مصلحت کا لحاظ رکھا گیا ہے اور نہ فریقِ نزاع کے ساتھ معاملات کو طے کرنے میں معاملاتی سمجھ بوجھ کا ثبوت دیا گیا ہے، ایک مشہور عربی مثل ہے: خذہ بالموت حتی یرضی بالحمی (بہ مرگش بگیر تا بہ تپ راضی شود)

بہر حال یہ وہ صورت حال ہے جو واضح ہو کر سب کے سامنے آ چکی ہے لیکن ہم ان حالات کے ان داخلی اسباب و عوامل کی طرف متوجہ کرنا چاہتے ہیں جن کو اربابِ اختیار نے اب تک قابل اعتنا نہیں سمجھا یا ان کی طرف بہت ہی کم توجہ کی گئی ہے، غور طلب یہ ہے کہ آخر یہ انقلاب کیسے آیا، وہ حالات کیوں بدل گئے جو دورانِ جنگ روشن حقائق بن کر سامنے آ گئے تھے، اتحاد کی جگہ افتراق اور تشتت اور محبت و مودت کی بجائے بغض و نفرت کیوں پھوٹ پڑے، یہ حقیقتیں آخر کیوں بدل گئیں۔

اگر ذرا غور کیا جائے تو اس سوال کا جواب واضح ہے، حق تعالیٰ نے جہادِ پاکستان میں پاکستانی افواج، پاکستان کی حکومت اور پاکستانی قوم پر جو انعامات کئے وہ تصور سے بھی بالاتر ہیں، ہر موقع پر نصرتِ الٰہی کی جو غیبی تائیدات پیش آئیں اور قدرتِ کاملہ کے جو خوارق و معجزات ظاہر ہوئے ان سے کسی کو انکار کی مجال نہیں ہو سکتی، پوری قوم عزت و مجد سے سرفراز ہوئی، دنیا میں اہلِ پاکستان کی دھاک قائم ہو گئی اور دوست دشمن سب ہی پاکستانی افواج کی بے مثال بہادری جفاکشی اور ایثار و استقامت کے معترف ہو گئے، اللہ تعالیٰ کی ان عظیم نعمتوں کا حق شکر گذاری سب سے زیادہ صدرِ محترم پر واجب تھا، پھر وزرائے مملکت پر اور اس کے بعد عام مسلمانوں پر، کیا ہم سب اس حقِ شکر سے عہدہ برآ ہو گئے؟

نعمتِ الٰہی کا شکر ادا کرنے کا طریقہ

ظاہر ہے کہ ہر شخص کی شکر گذاری اس کی حیثیت کے مطابق ہوتی ہے، صدرِ محترم کے ذمہ اس نعمتِ الٰہی کا شکر یہ تھا کہ وہ اپنے اختیارات کو اللہ تعالیٰ کے قانونِ رحمت و عدل و انصاف، قرآنِ حکیم،

سنتِ نبویہ اور فقہائے اُمّت کے مرتبہ قوانین کے نفاذ و اجراء کے لئے استعمال کرتے، عزم و ہمت کے ساتھ اس کے لئے فوری تدابیر اختیار کرتے تاکہ جلد سے جلد اس ملک میں محاکم عدلیہ شرعیہ قائم ہو جاتے۔ ان کے عہدِ حکومت میں قرآن و سنت کے خلاف جو قوانین نافذ کئے گئے تھے ان سب کو منسوخ کیا جاتا، عائلی قوانین کی جو قرآن کی ہدایات و احکام کے خلاف ہیں منسوخی کا اعلان کیا جاتا یا کم از کم ان سترہ ترمیمات کو منظور فرما کر جو سابق اسمبلی کے مقتدر علماء پیش کر چکے ہیں ان قوانین کو قرآن و سنت کے مطابق بنایا جاتا۔ خاندانی منصوبہ بندی کی اسکیم کو ختم کیا جاتا، شراب خوری اور سود خواری کی لعنت سے اُمّت کو نجات دلائی جاتی، رقص و سرود کی محفلوں کو خلافِ قانون قرار دیا جاتا اور عصمت فروشی کو جرم قرار دیا جاتا، غرض وہ تمام اقدامات کئے جاتے جو صدرِ محترم کے اس عہد کو پورا کرنے کے لئے ضروری تھے جو انہوں نے غیبی تائیدات کو محسوس فرما کر قوم کے سامنے اللہ تعالیٰ سے کیا تھا۔

وزرائے مملکت اپنے دائرۂ اختیارات میں عوام میں اسلامی روح پیدا کرنے کی کوشش کرتے، وزارتِ تعلیم ابتدائی ثانوی اور اعلیٰ تعلیم کے تمام مراحل میں عربی اور دینی تعلیم کو لازمی قرار دیتی، وزارتِ جنگ فوجی نظام میں غیر اسلامی رسوم کی اصلاح کر کے نمازوں کی پابندی کے احکام نافذ کرتی، اسی طرح مواصلات اور امورِ خارجہ کی وزارتیں فریضۂ حج کی ادائیگی میں سہولتیں اور زیادہ سے زیادہ حجاجِ کرام کو سفر کی آسانیاں فراہم کرنے کی کوششیں کرتیں، اسلامی ممالک سے زیادہ قریبی اور مستحکم تعلقات قائم کرنے کی تدابیر اختیار کرتیں، وزارتِ داخلہ مسلمانوں میں اسلامی معاشرت کے پھیلانے اور خدا فراموش قوموں کی تہذیب و تمدن کے ناپاک اثرات سے ملک کو پاک کرنے کی کوشش کرتی۔

عوام کی شکر گذاری یہ تھی کہ جس طرح وہ جنگ کے دوران اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو کر گناہوں سے تائب ہو چکے تھے اور مسجدوں کو آباد کر چکے تھے، اسی طرح وہ مزید اصلاح حسن عمل اور حکومت کی ان نیک مساعی میں پُر خلوص تعاون کی طرف قدم بڑھاتے۔

اگر ان میں سے ہر طبقہ نے اپنا فریضۂ شکر ادا کیا ہوتا تو ہم دیکھتے کہ اس قوم کی اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبولیت کی کیا کیا برکتیں نازل ہوتیں، اگر اللہ تعالیٰ کے ساتھ یہ برملا اور خاموش عہد پورے ہوتے تو ہماری قوم بھی وعدۂ الٰہی کے مطابق قیادتِ اقوام کی عزت اور سیادت کبریٰ کے تاج مرصع سے سرفراز ہو گئی ہوتی، آج ہمارے درمیان جو کچھ ہو رہا ہے وہ اس ناشکری کے عواقب اور اللہ تعالیٰ سے کئے ہوئے عہد و قرار پورا نہ کرنے ہی کے نتائج ہیں۔

''ذلك بما كسبت أيديكم وأن الله ليس بظلام للعبيد''	یہ اسی سبب سے ہے جو کچھ تمہارے ہاتھوں نے کمایا ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے ساتھ ظلم کرنے والا نہیں ہے۔

دنیا بھی ایک مختصر دارالجزاء ہے، روز جزاء سے پہلے ہی لوگوں کی عبرت و بصیرت کے لئے بعض اعمال کی جزاء کے نمونے بھی اس دنیا میں دکھائے جاتے ہیں، ایسا نہ ہوتا تو طاغوتی طاقتیں اس دنیا کو مسلسل ظلم و عدوان اور فساد و خوں ریزی سے بھر دیتیں۔

اعلانِ تاشقند کے موضوع پر قارئین بینات کی خدمت میں تفصیلی گذارشات پیش کرنے کا ارادہ تھا لیکن ابھی ابھی ''المنبر'' لائلپور کے توسط سے محترم مولانا عبدالرحیم اشرف صاحب کے تاثرات ہم تک پہنچے ہیں اس لئے مزید کچھ عرض کرنے کی بجائے ان ہم آہنگ خیالات ہی کو قارئینِ بینات کے لئے اسی شمارہ میں کسی جگہ پیش کیا جا رہا ہے تاکہ وہ بھی موصوف کے ان پاکیزہ رشحاتِ قلم سے مستفید ہو سکیں۔

رؤیت ہلال اور نظام شریعت رؤیت ہلال کے متعلق شریعت کا نظام بالکل فطری، مکمل اور پوری طرح قابلِ اطمینان ہے جو ایک حکیم و فلسفی علم ہیئت کے ماہر اور ایک غیر تعلیم یافتہ بدوی دونوں کے لئے یکساں طور پر قابل اعتماد ہے، قمری نظام جو مشاہدہ اور رؤیت بصری پر مبنی ہے، اس حسابی شمسی نظام سے بدرجہا زیادہ باعث یقین اور وجہ طمانیت ہے جو محض عقل، حساب اور یادداشت پر قائم ہے، حساب اگرچہ تقریبی طور پر یقینی ہے لیکن محض عقلی اور علمی ہے اور مشاہدہ و رؤیت کا درجہ یقیناً عقلی اور فکری نتائج سے زیادہ قطعی اور قابلِ اعتماد و اطمینان ہے اسی لئے اور اس کے علاوہ متعدد وجوہ سے شریعتِ اسلامی نے عبادات، حج و روزہ کا مدار ہلال کی رؤیت پر رکھا ہے۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے :۔

''إن عدة الشهور عند الله اثنا عشر شهراً في كتاب الله يوم خلق الله السموات والأرض منها أربعة حرم ط ذلك الدين القيم.	بلاشبہ، مہینوں کا شمار اللہ تعالیٰ کے نزدیک بارہ مہینے ہے اللہ تعالیٰ کی کتاب میں جس دن کہ پیدا کیا تھا اللہ نے آسمانوں اور زمین کو، ان (بارہ) میں سے چار حرام ہیں (جن میں جنگ کرنے کی ممانعت ہے) یہ درست دین ہے۔

اور ارشاد فرمایا :۔

«یسألونك عن الأهلة قل هي مواقیت للناس والحج» — وہ آپ سے ہلالوں کے متعلق دریافت کرتے ہیں آپ کہہ دیجیے وہ لوگوں کے لئے مقررہ اوقات (کے پیمانے) ہیں اور حج کے لئے۔

پھر ہلال کے ان فطری مواقیت کا معیار و مدار اس کی طبعی رؤیت و مشاہدہ کو ٹھہرایا ہے ، حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :۔

«نحن أمة أمية لا نكتب ولا نحسب، الشهر هكذا وهكذا وهكذا۔» — ہم امی قوم ہیں نہ لکھتے ہیں نہ حساب رکھتے ہیں ، مہینہ ایسا اور ایسا اور ایسا ہوتا ہے (آپ نے دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کے شمار سے ایک مرتبہ تیس اور ایک مرتبہ انتیس کے شمار کی طرف اشارہ فرمایا۔

اور فرمایا :۔

«صوموا لرؤيته وأفطروا لرؤيته، فإن غُمَّ عليكم الهلال فكملوا عدة شعبان ثلاثين يومًا» — روزہ رکھو اس (ہلال) کو دیکھنے سے اور افطار کرو اس کے دیکھنے سے اور اگر گھٹا تمہارے لئے چاند دیکھنے سے مانع ہو تو شعبان کا شمار تیس دن پورا کرو۔

قرآن و حدیث کی ان نصوصِ شرعیہ سے فقہائے اُمتِ محمدیہ نے رؤیت ہلال کے لئے ایک مفصل نظام اور قانون مرتب کیا ہے اور رؤیت کے شرعی ثبوت کے لئے ایک مکمل طریقِ کار اور نظامِ عمل واضح فرما دیا ہے ، اگر حکومتِ پاکستان ان شرعی طریقوں پر عمل کرے تو عبادات کی تنظیم اور ان کے اوقات کے صحیح تعین میں کبھی اختلال و اضطراب پیدا نہیں ہو سکتا۔

اس سال ہلالِ عید کے بارہ میں جو اختلاف و اضطراب پیش آیا اس کی وجہ یہی تھی کہ اس معاملہ میں شرعی دستور العمل کو نظر انداز کر دیا گیا تھا ، اس کے نتیجہ میں قوم کو مذہبی معاملات کے متعلق حکومت کے رویہ پر مزید بداعتمادی پیدا ہوئی اور حکومت کو اس فرد گذاشت کے لئے سجدۂ سہو کرنا پڑا۔

رویت ہلال کے شرعی ثبوت کے لئے فقہائے اُمتِ اسلامیہ نے جو اصول بیان فرمائے ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے کہ :۔

(الف) رؤیتِ ہلال کی شہادت علماء کے سامنے آئے اور وہ اس کے رد و قبول کا فیصلہ کریں۔

(ب) شاہد اگر خود علماء تک نہ پہنچ سکیں تو ہر شاہد اپنی شہادت کے دو گواہ بنائے اور پھر یہ گواہ علماء کے سامنے اس شہادت پر گواہی دیں۔

(ج) اگر کسی جگہ علماء اور قاضیوں کے سامنے شرعی شہادت پیش ہو جائے تو دوسرے علاقہ میں اس عالم یا قاضی کی سر مہر تحریر پر دو شاہد اپنی شہادت پیش کریں۔

(د) ان تین طریقوں کے علاوہ ایک چوتھی صورت "استفاضۂ خبر" (خبر کی شہرت اور تواتر) کی بھی ہے اور وہ یہ کہ ملک کے مختلف علاقوں سے عام اطلاعات ملیں اور ان خبروں سے رؤیت کا ایک گونہ یقین حاصل ہو جائے۔

روزہ اور فطر کو رؤیتِ ہلال پر موقوف رکھنے کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے واضح ارشاد اور فقہاء کے استخراجی اصول و قوانین کے ساتھ اگر اس مصلحتِ عامہ کو پیش نظر رکھا جائے جو اسلام کے تمام اصول و احکام، فرائض اور ادائے فرائض کے سلسلہ میں ملحوظ رکھی گئی ہے اور جس کو سمجھنے کے لئے کسی غیر معمولی عقل و فہم کی ضرورت نہیں ہے تو ہلال کی طبیعی اور عادی رؤیت و مشاہدہ پر روزہ و افطار کا مدار رکھنے کے اس حکم کی علت و حکمت بہ آسانی سمجھ میں آ سکتی ہے، خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "الدین یسر" (دین آسانی ہی ہے)۔

روزہ اور فطر ایک مسلمان کے انفرادی فرائض اور ذمہ داریاں ہیں، فرضیت کے شعور اور ادائے فرض کی ذمہ داری سے سبکدوش ہونے کے لئے اس پر آلاتِ رصدیہ کے استعمال اور فوق العادہ وسائلِ سائنس اختیار کرنے کی ذمہ داری عائد نہیں کی گئی، ہو سکتا ہے کہ ایک مسلمان یا مسلمانوں کی ایک آبادی ایسی جگہ ہو جہاں ان کو آلاتِ رصدیہ اور حسابی سائنس کی سہولتیں حاصل نہ ہو سکتی ہوں، یہ صورتحال خود ہمارے ملک ہی میں موجود ہے، بہت سے دیہات اور قصبات ایسی الگ تھلگ وادیوں اور دور دراز علاقوں میں واقع ہیں جہاں ماہرینِ سائنس اور آلاتِ رصدیہ کی سہولتیں تو کیا شہری علاقوں سے جلد خبریں پہنچنے اور حاصل کرنے کی آسانیاں بھی میسر نہیں ہیں اور ان مسلمانوں کے لئے اس کے سوائے کوئی چارہ نہیں ہے کہ وہ چاند کی طبیعی رؤیت و مشاہدہ پر ہی روزہ اور افطار کا انحصار رکھیں، اس لئے اگر صرف اپنے ہی ملک پاکستان میں عید کی وحدت اور اجتماعیت پیدا کرنے کے لئے ہم

سائنس اور رصدیہ آلات کے ذریعہ چاند کی دریافت کو معیار بنائیں تب بھی ۔ اس سے قطع نظر کہ اس فوق العادہ اجتماعیت کے ہم مکلف نہیں ہیں ۔ ان پسماندہ و دور افتادہ بستیوں میں روزہ و افطار کی یہ وحدت اور یکسانیت ممکن نہیں ہوگی اور مشرقی و مغربی پاکستان میں تو روزہ اور عید کی یہ یکسانیت طولِ بلد کے فرق کی وجہ سے بسا اوقات سائنس اور حسابی اصول کے بھی خلاف ہوگی ۔

شریعت کی مطلوب وحدت و اجتماعیت میں بھی عوام کی سہولت و مصلحت ہی ملحوظ ہے ، جمعہ اور عیدین میں مسلمانوں کا اجتماع مطلوبِ شرعی ہے لیکن کثیر آبادی کے شہروں میں شہر کی پوری آبادی کے لئے کسی ایک ہی مسجد یا عید گاہ میں اجتماع کو ضروری قرار دینا حرجِ عام اور غیر شرعی تکلف ہے ۔ اسی طرح ایک ایک ملک کے وسیع علاقہ میں مطالع کے طبعی اور حسابی فرق اور اختلاف کو نظر انداز کر کے روزہ اور عید میں بہ تکلف وحدت و اجتماعیت پیدا کرنا غیر معقول بھی ہے اور شرعی طور پر غیر مطلوب اور عوام کو حرج اور تنگی میں مبتلا کرنے کے مترادف ہے :-

«یُرِیْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْیُسْرَ	اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ آسانیاں برتنا چاہتا ہے
وَلَا یُرِیْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ»	اور تمہارے لئے تنگی اور سختی نہیں چاہتا ۔

اس لئے فرائض عبادات (حج و روزہ و زکاۃ) کے لئے آسان ، صحیح اور مکمل نظامُ الاوقات وہی ہے جو قرآن و سنت نے ہلال اور اس کی عادی رؤیت و مشاہدہ پر قائم کیا ہے اور جس کے لئے فقہائے امت نے نہایت مرتب اور منظم اصول و قواعد مرتب فرما دیئے ہیں ۔

رؤیتِ ہلال کے سلسلہ میں ضروری اصول و احکام اور چند مفید تجاویز پر مشتمل حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب اور راقم الحروف (شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوریؒ) کا ایک مشترکہ بیان اخبارات کو دیا گیا ہے جس کو یہاں بھی نقل کیا جا رہا ہے تاکہ اس مسئلہ کی اہمیت اور اس کا طریقِ کار عوام اور حکومت کے سامنے پوری طرح واضح ہو جائے اور ایک ایسا دستور العمل معین ہو جائے کہ آئندہ اس قسم کے اختلاف و اضطراب کی صورت پیش نہ آئے ۔

ہم صدر محترم سے جنہوں نے رُویتِ ہلال کے سلسلہ میں حالیہ فروگذاشت کے متعلق تحقیقات کا حکم بھی جاری فرما دیا ہے اور محترم وزیرِ داخلہ سے جنہوں نے اس فروگذاشت کے لئے معذرت کا اظہار فرمایا ہے توقع رکھتے ہیں کہ شرعی نظامِ رویت کی حکمت و مصلحت اور ایک عام دیہاتی

مسلمان کی ضرورت اور سہولت پر غور فرمائیں گے اور ان احکام وتجاویز کی روشنی میں رُویتِ ہلال کے متعلق ایک واضح دستور العمل معین فرمائیں گے۔

رویت ہلال اور شرعی نقطۂ نگاہ

مولانا مفتی محمد شفیع اور شیخ الحدیث مولانا محمد یوسف بنوری کا مشترکہ بیان

امسال عید کے موقع پر رُویت ہلال کمیٹی اور اس کے فیصلہ کے سرکاری اعلان سے جو انتشار و اضطراب ملک کے عام مسلمانوں میں پیدا ہوا ہے شکر ہے کہ اس کا احساس فرما کر پاکستان کے صدرِ محترم نے تحقیقات کا حکم دیا اور وزارتِ داخلہ کی طرف سے معذرت کے ساتھ آئندہ رُویتِ ہلال کمیٹی کی جدید تشکیل اور اس کے نظام کو بہتر بنانے کا اعلان کیا گیا۔ یہ دونوں چیزیں بلاشبہ قابلِ تحسین و شکر ہیں۔

لیکن اس معاملہ میں جو انتشار پیش آیا، اس کا سبب صرف اعلان کی تاخیر نہیں بلکہ رُویتِ ہلال کمیٹی کی تشکیل اور اس کے نظامِ کار میں شرعی حیثیت سے بہت سی خامیاں بھی ہیں جن کی اصلاح کے بغیر ملک میں عید کی وحدت کا مقصد پورا نہیں ہو سکتا۔

اب جبکہ حکومت نے اس کی اصلاح کا قصد کیا تو ضروری معلوم ہوا کہ اس معاملہ کے شرعی پہلوؤں کی وضاحت اور نظامِ کار کے متعلق کچھ تجاویز پیش کر دی جائیں۔ ۱۳۸۰ھ میں بھی ایک مرتبہ اسی طرح کا انتشار پیش آیا تھا، اس وقت احقر نے رُویتِ ہلال کے نام سے ایک کتابچہ میں اس کی وضاحت کی تھی، اس رسالہ کی چند باتیں خصوصیت سے قابل ذکر ہیں:۔

اول یہ کہ ہماری عیدین عام دنیا کے فرقوں اور مذاہب کی عیدوں کی طرح رسمی تہوار نہیں بلکہ عبادات ہیں جن میں شریعت کی ہدایات کے مطابق عمل کرنا ضروری ہے، آراء و اہواء الرجال اور لوگوں کی خواہشات کا ان میں دخل نہیں۔

دوسرے یہ کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سے یہ بات واضح طور پر ثابت ہے کہ رمضان یا عید کرنے کے لئے چاند کا صرف وجود کافی نہیں بلکہ شہود ضروری ہے، یعنی چاند کا افق کے اوپر ایسے انداز میں موجود ہونا جس کو عام لوگوں کی نگاہیں دیکھ سکیں جو چاند عام نظروں

کے ادراک کے قابل نہ ہو اس کو آلاتِ رصدیہ کے ذریعہ یا ہوائی جہاز میں اڑکر دیکھ لینا کافی نہ سمجھا جائے اسی لئے شریعت میں ہلال کا مدار رؤیت پر رکھا گیا ہے، حسابات پر نہیں۔

تیسرے یہ کہ جب چاند کی رؤیت عام طور پر نہ ہو سکے صرف دو چار آدمیوں نے دیکھا ہو تو یہ صورتِ حال اگر ایسی فضا میں ہو کہ مطلع بالکل صاف ہو، چاند دیکھنے سے کوئی بادل یا دھواں غبار وغیرہ مانع نہیں ہو تو ایسی صورت میں صرف دو تین آدمیوں کی رؤیت اور شہادت شرعاً قابل اعتبار نہیں ہوگی جب تک مسلمانوں کی بڑی جماعت اپنے دیکھنے کی شہادت نہ دے چاند کی رؤیت تسلیم نہ کی جائے گی جو دیکھنے کی شہادت دے رہے ہیں ان کا مغالطہ یا جھوٹ قرار دیا جائے گا۔

ہاں اگر مطلع صاف نہیں تھا، غبار، دھواں، بادل وغیرہ افق پر ایسا تھا جو چاند دیکھنے میں مانع ہو سکتا ہے تو ایسی حالت میں رمضان کے لئے ایک ثقہ کی اور عیدین وغیرہ کے لئے دو ثقہ مسلمانوں کی شہادت کا اعتبار کیا جا سکتا ہے، مگر حکومت کے لئے ایسی شہادت کا اعتبار کرکے ملک میں اعلان کرنے کے واسطے تین صورتوں میں سے کسی ایک کا ہونا ضروری ہے اگر ان صورتوں میں سے کوئی بھی نہیں ہے تو اس شہادت کی بنیاد پر عید کا اعلان کرنا حکومت کے لئے یا کسی ذمہ دار جماعت کے لئے جائز نہیں، وہ تین صورتیں اصطلاح شریعت میں یہ ہیں:

(۱) شہادت علی الرؤیۃ (۲) شہادت علی شہادۃ الرؤیۃ (۳) شہادت علی القضاء۔

اس کی تشریح یہ ہے۔

اول یہ کہ کسی ایسے ماہر عالم یا جماعتِ علماء کے سامنے یہ شہادت دینے والے بذاتِ خود پیش کئے جائیں جن کی احکامِ شرعیہ فقہیہ اور اسلام کے ضابطہ کی مہارت پر ملک میں پورا اعتماد و اطمینان کیا جاتا ہو اور یہ عالم یا علماء متفقہ طور پر اس شہادت کو قبول کرنے کا فیصلہ کریں۔

دوسرے یہ کہ اگر یہ گواہ خود حاضر نہیں ہوئے یا نہیں ہو سکے تو ہر ایک گواہ کی گواہی پر دو گواہ ہوں اور یہ گواہ عالم یا علماء کے سامنے یہ شہادت دیں کہ ہمارے سامنے فلاں شخص نے یہ بیان کیا ہے کہ میں نے فلاں رات میں فلاں جگہ اپنی آنکھوں سے چاند دیکھا ہے۔

عمومی اعلان کی شرطیں تیسرے یہ کہ جس مقام پر چاند دیکھا گیا اگر وہاں کچھ ایسے علماء موجود ہیں جن کے فتویٰ پر علماء اور عوام اعتماد کرتے ہیں اور یہ چاند دیکھنے والے ان کے پاس پہنچ کر اپنی عینی شہادت پیش کریں اور وہ علماء ان کی شہادت کو قبول کرلیں تو ان علماءُ کا فیصلہ اس حلقہ کے لئے تو کافی ہے جس میں یہ شہادت پیش ہوتی ہے مگر پورے ملک میں اس کے اعلان کے لئے ضروری ہے کہ حکومت کی نامزد کردہ مرکزی رؤیتِ ہلال کمیٹی کے سامنے ان علماء کا یہ فیصلہ بشرائط ذیل پیش ہو۔

یہ سب علماء یہ تحریر کریں کہ فلاں فلاں وقت ہمارے سامنے دو یا زائد شاہدوں نے بچشم خود چاند دیکھنے کی گواہی دی اور ہمارے نزدیک یہ گواہ ثقہ اور قابل اعتماد ہیں۔ اس لئے ان کی شہادت پر چاند ہونے کا فیصلہ دے دیا۔ یہ تحریر دو گواہوں کے سامنے لکھ کر سربمہر کی جائے اور یہ دو گواہ یہ تحریر لے کر مرکزی کمیٹی کے علماء کے سامنے اپنی اس شہادت کے ساتھ پیش کریں کہ فلاں علماء نے یہ تحریر ہمارے سامنے لکھی ہے۔

مرکزی کمیٹی کے نزدیک اگر ان علماء کا فیصلہ شرعی قواعد کے مطابق ہے تو اب یہ کمیٹی پورے ملک میں مرکزی حکومت کے دیئے ہوئے اختیار کے ماتحت اعلان کرسکتی ہے اور یہ اعلان سب مسلمانوں کے لئے واجب القبول ہوگا، وہ بھی اس شرط کے ساتھ کہ یہ اعلان عام خبروں کی طرح نہ کیا جائے بلکہ مرکزی ہلال کمیٹی کے سرکردہ کوئی عالم خود ریڈیو پر اس امر کا اعلان کریں کہ ہمارے پاس شہادة علی الرویة یا شہادت علی شہادة الرویۃ یا شہادت علی القضاء کی تین صورتوں میں سے فلاں صورت پیش ہوئی ہم نے تحقیقات ہونے کے بعد اس پر چاند ہونے کا فیصلہ کیا اور مرکزی حکومت کے دیئے ہوئے اختیار کی بنا پر ہم یہ اعلان پورے پاکستان کے لئے کر رہے ہیں، یہ چند اصولی باتیں ہیں جن کا رؤیتِ ہلال اور اس کے اعلان کے معاملے میں پیشِ نظر رہنا ضروری ہے۔

اور اب تک جو انتشار یا مغالطے اس معاملے میں ملک کے اندر پائے جاتے ہیں وہ انہیں بنیادی اصولوں کے نظر انداز کرنے کی وجہ سے پائے جاتے ہیں۔

چند تجاویز حالیہ عید کے موقع پر جو صورتِ حال اعلان کی تاخیر سے پیش آگئی وہ مزید برآں ہے۔ اس لئے صرف تاخیر کی تحقیقات کرنا کافی نہیں، ضرورت اس کی ہے کہ بنیادی اصول کے

ماتحت رؤیتِ ہلال اور اس کے اعلان کے جدید انتظامات کئے جائیں، جدید انتظامات سے متعلق تجاویز حسب ذیل ہیں :۔

۱۔ مرکزی ہلال کمیٹی جس کا فیصلہ پورے ملک کے لئے واجبُ العمل قرار دیتا ہے اس کمیٹی میں ایسے علماء کا ہونا ضروری ہے جن کے فتویٰ پر عام مسلمانوں میں اعتماد معروف و مشہور ہے تاکہ ان کا فیصلہ قبول کرنے میں عام مسلمانوں کو تأمل نہ رہے اور یہ بھی ضروری ہے کہ اس کمیٹی کے فیصلے کو خود کمیٹی کے کوئی عالم اپنے الفاظ میں نشر کریں، عام خبروں کی سطح پر اس کا اعلان نہ ہو۔

۲۔ ملک کے بڑے شہروں میں ذیلی کمیٹیاں رؤیتِ ہلال کے لئے بنائی جائیں تاکہ گواہوں کو مرکزی کمیٹی ہی میں پیش ہونے کی ضرورت نہ رہے، ان کمیٹیوں میں حکومت کا کوئی ذمہ دار افسر شریک ہو۔ جو شہادت لینے اور خبر پہنچانے کے انتظامات سرکاری خرچ پر سرکاری ذرائع سے کرانے کا مجاز ہو مثلاً مغربی پاکستان میں پشاور، پنڈی، لاہور، ملتان، کراچی اور مشرقی پاکستان میں ڈھاکہ چاٹگام، سلہٹ وغیرہ۔

۳۔ رمضان اور عید سے ایک دو روز پہلے ریڈیو اور اخبارات سے اس امر کی پوری اشاعت کی جائے کہ جو شخص کسی جگہ چاند دیکھے وہ اپنے قریبی تھانے میں فوراً اطلاع کرے، اگر بلا وجہ تاخیر کی تو مجرم سمجھا جائے گا اور اس کی شہادت قابلِ قبول نہ ہوگی۔

۴۔ ہر تھانہ کو یہ ہدایت دی جائے کہ جس وقت کوئی ایسا گواہ آئے اسی وقت تھانے کا ذمہ دار افسر یہ کام کرے کہ اپنے سے قریب تر رؤیتِ ہلال کمیٹی کے ذمہ دار سرکاری افسر کو ٹیلیفون پر اطلاع دے کہ اتنے آدمی بچشم خود چاند دیکھنے کی شہادت دے رہے ہیں ہم ان کو آپ کے پاس بھیجنے کا انتظام کر رہے ہیں اور یہ ذیلی کمیٹی کو اس صورتِ حال کی اطلاع دے دے۔

۵۔ مرکزی کمیٹی غروبِ آفتاب سے ایک گھنٹہ تک ملک کی ذیلی کمیٹیوں کی خبر کا انتظار کرے، اگر یہ معلوم ہو کہ ملک کے کسی حصے میں چاند کی شہادت پر غور کیا جا رہا ہے تو چاند نہ ہونے کا قطعی اعلان کرنے کے بجائے اسی صورت حال کا اعلان کرے کہ لوگ انتظار کریں جس وقت بھی فیصلہ ہو جائے گا، اس کا اعلان کیا جائے گا۔

۶۔ مرکزی کمیٹی کے علماء اور ارکان اس کے پابند ہوں کہ قطعی فیصلہ ہونے سے پہلے منتشر نہ ہوں۔

۷۔ مرکزی ہلال کمیٹی اس کی پابند ہو کہ ملک میں شہادت کی بناء پر رویتِ ہلال کا فیصلہ اس وقت تک نشر نہ کرے جب تک مذکور الصدر تین صورتوں میں سے کسی صورت پر ان کے نزدیک ثبوت مکمل نہ ہو جائے۔

قابلِ توجہ یہاں یہ بات قابلِ غور ہے کہ اس طریقِ کار میں یہ ضروری ہے کہ یا تو خود گواہ بنڈی کی مرکزی کمیٹی کے سامنے حاضر ہوں یا پھر کسی ذیلی کمیٹی کا فیصلہ لے کر دو گواہ اس کمیٹی کے سامنے شہادت دیں کہ فلاں شہر کی ہلال کمیٹی نے یہ فیصلہ لکھ کر ہمارے سپرد کیا ہے۔ اس میں یہ عملی دشواری ہے کہ دور دراز علاقوں سے کچھ لوگوں کا پنڈی پہنچنا ضروری ہوگا جو ہوائی جہازوں کے دور میں تو نہ سہی مگر اشکال سے خالی نہیں۔

اس مشکل کا حل اس طرح کیا جا سکتا ہے کہ گواہوں کو تو صرف اپنی قریبی ہلال کمیٹی تک پہنچایا جائے اور اس ہلال کمیٹی کے علماء ان کی شہادت شرعی اصول پر لینے کے بعد فیصلہ کریں، پھر حکومت کا کوئی ذمہ دار افسر جو ہلال کمیٹی کے انتظام کا ذمہ دار بنایا گیا ہو، اس فیصلہ کی اطلاع مرکزی ہلال کمیٹی کو بذریعہ ٹیلیفون دے دے جس میں اس کی تفصیل موجود ہو کہ فلاں فلاں علماء کے سامنے یہ شہادت پیش ہوئی اور انہوں نے اس کو قبول کیا۔ مرکزی ہلال کمیٹی کو اگر ان علماء کے فیصلے پر اطمینان ہو جائے تو وہ اعلان میں اپنا فیصلہ نشر کرنے کے بجائے اس ذیلی کمیٹی کے فیصلہ کو اس تصریح کے ساتھ ریڈیو پر نشر کرے کہ فلاں جگہ فلاں علماء نے شہادتِ ہلال قبول کر کے فیصلہ کیا۔ مرکزی ہلال کمیٹی ان کے فیصلہ کو درست قرار دے کر حکومت کی طرف سے اعلان کرتی ہے کہ پاکستان کے مسلمان سب اس پر عمل کریں۔

اس طرح مرکزی کمیٹی کے سامنے شہادت کی ضرورت نہ رہے گی کیونکہ وہ خود کوئی فیصلہ نہیں کر رہی بلکہ دوسرے علماء کے فیصلہ کو نشر کر رہی ہے۔ اس فیصلہ کی اطلاع ٹیلیفون پر بھی دی جا سکتی ہے، بشرطیکہ ٹیلیفون کسی معتمد آدمی کا ہو اور اس میں کسی کی مداخلت کا خطرہ نہ رہے۔

اس کے بعد حضرت مولانا بنوری صاحب نے تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ اسلام ہمارے پاس خدا کی نعمتوں میں سب سے بڑی نعمت ہے۔ ایک ایسی نعمت جو ہمارے اسلاف کی چودہ سو سالہ قربانیوں کے بعد ہمیں حاصل ہوئی ہے ہمارے اسلاف نے تلوار کی دھار پر چل کر اس دولت کو ہمارے

لے محفوظ رکھا ہے اور اس کی حفاظت ہم میں سے ہر ایک فرد کی ذمہ داری ہے، ہم نے اس ذمہ داری کو کہاں تک ادا کیا ہے؟ یہ ایک ایسا سوال ہے جس کا جواب ہمارے پاس ندامت کے آنسوؤں کے سوا کچھ نہیں، اللہ نے حالیہ جہاد کے ذریعہ ہمیں اسی ذمہ داری کی طرف دوبارہ متوجہ فرمایا ہے اور اگر تازیانے کے بعد بھی ہم بیدار نہ ہوئے تو خطرہ ہے کہ کہیں ہم اس آیت کے مصداق نہ بن جائیں کہ :-

فلما نسوا ما ذكروا به فتحنا عليهم أبواب كل شيء حتى إذا فرحوا بما أوتوا أخذناهم بغتةً فإذا هم مبلسون [1]

شوال ۱۳۸۵ھ، فروری ۱۹۶۶ء

---

[1] چاٹگام میں سب سے بڑی جامع مسجد میں حضرت مولانا رحمہ اللہ نے ۱۳۸۵ھ میں ایک خطاب فرمایا تھا جس کا یہ ایک اقتباس ہے۔

مُسلمانوں کے لئے دُوسرا اسرائیل بھارت

یہاں زخم ایک نہیں جس کے لئے رویا جائے، جس طرح برطانیہ و امریکہ نے اسرائیل کے ذریعہ مصر وغیرہ کی فوجی طاقت کو ٹھکانے لگانے کی سازش کی اور انہیں کامیابی ہو گئی، ٹھیک اسی طرح امریکہ و برطانیہ چین کا ہوّا دکھا کر ہندوستان کو مضبوط سے مضبوط تر کر رہے ہیں اور روس بھی اس سازش میں ان کا ہمنوا اور بھارت کا ممد و معاون ہے، بھوکا بھارت ۹ ارب سے لے کر ۱۱ ارب روپیہ صرف دفاع پر خرچ کر رہا ہے، روس اور امریکہ کی مشترکہ مدد سے ۲۲ اسلحہ ساز کارخانے دن رات کام کر رہے ہیں، روس اور دیگر ممالک سے کثیر مقدار میں جنگی جہاز، مگ طیارے اور جدید ترین اسلحہ فراہم کر رہا ہے۔ یہ ایک نئی اسرائیلیت ہے جو خاکم بدھن صرف پاکستان کو مٹانے کے لئے پرورش کی جا رہی ہے ان حالات کے پیش نظر ہمیں ہر وقت چوکنّا رہنے کی ضرورت ہے، ہمارے لئے غفلت کا ایک لمحہ بھی تباہ کن ثابت ہوگا، ضرورت ہے کہ جہاں سے بھی مل سکے جدید اسلحہ فراہم کیا جائے، اندرونِ ملک اسلحہ سازی کے کارخانے قائم کئے جائیں، رضاکاروں کو باقاعدہ فوجی تربیت دی جائے اور عام نوجوانوں کے لئے فوجی تربیت لازم قرار دی جائے، حق تعالیٰ کے فضل و احسان سے ہمیں ستمبر ۱۹۶۵ء کی جنگ میں نمایاں کامیابی حاصل ہوئی لیکن ہمیں زیادہ مغرور نہیں ہونا چاہئے، دس سال پہلے مصر کو بھی کامیابی ہوئی تھی، یہ ہمارے لئے مستقل عبرت ہے، عام طور سے یہ ہوتا ہے کہ شکست خوردہ قومیں نئے سرے سے تیاری شروع کر دیتی ہیں اور فاتحین نشۂ فتح میں سست روی اختیار کر لیتے ہیں جس کے نتیجے میں کچھ مدت بعد پانسہ پلٹ جاتا ہے اس لئے ہمارے عزم، استحکام اور جہد مسلسل میں ادنیٰ رخنہ بھی ہمارے لئے خطرناک ہوگا، حق تعالیٰ ہماری اور تمام عالمِ اسلام کی حفاظت فرمائیں اور امتِ مسلمہ کو اپنی مرضیات کی توفیق نصیب فرمائیں۔ وھو علیٰ کل شیٔ قدیر۔ ربیع الثانی ۱۳۸۷ھ

۱۹۶۵ء کی پاک و ہند جنگ

الحمد للہ کہ ۶ ستمبر ۱۹۶۵ء مطابق ۹ جمادی الاولیٰ ۱۳۸۵ھ کے "مبارک دن" مملکتِ خداداد پاکستان میں ایک "جدید اور مقدس باب" کا افتتاح ہو گیا، یہ تاریخ پاکستان کی قومی زندگی کی کتاب میں ایک "نئے باب" کا آغاز ہے اور پاکستان کی عزت و مجد کے عنوانات میں ایک "شاندار عنوان" کا اضافہ ہے، مہاجر قوم کے بعد مجاہد قوم! اور ہجرت کے بعد جہاد! سبحان اللہ نور علیٰ نور، اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی قابلِ قدر اور لائقِ صد تشکر "نعمت" ہے۔

چند اہم "حقیقتیں" اور قابلِ عبرت "بصیرتیں" بھی اس مبارک افتتاح میں منظرِ عام پر آ گئیں۔

(۱) ہندوستانی حکومت کی بدنیتی، مکاری، عیاری اور نفاق۔

(۲) ان سے حسنِ معاشرت اور بہتر ہمسائیگی کے تعلقات کی توقعات، سراب سے زیادہ کچھ نہیں۔

مصرع: خود غلط بود آنچہ ما پنداشتیم

(۳) پاکستانی عساکر و افواجِ قاہرہ کے مجاہدانہ ولولے اور عزائم، سرفروشانہ جذبات و احساسات دین و وطن پر مر مٹنے کی پوری اہلیت و صلاحیت اور میدانِ کارزار میں استقلال و استقامت اور ذوق و شوقِ شہادت۔

(۴) پاکستانی افواج منصورہ کی فنی مہارت و قابلیت، بحری، بری اور فضائی افواج قاہرہ کے فوق العادۃ حیرت انگیز "کارنامے" جن سے سلفِ صالحین کے محیر العقول کارناموں کی یاد تازہ ہو گئی اور اقوامِ عالم کے سامنے پہلی مرتبہ پاکستانی فوجوں کے "جوہر" اس طرح کھلے کہ دشمنانِ اسلام پر بھی سکتہ طاری ہو گیا اور آخر ان کو بھی پاکستانی افواج کی برتری اور قابلیت نیز سرفروشانہ و جاں نثارانہ "خصوصیت" کا اعتراف کرنا پڑا، والفضل ما شہدت بہ الأعداء (بزرگی وہ ہے جس کی دشمن بھی شہادت دیں۔

(۵) دشمن قیدیوں کے ساتھ ہتھیار ڈالنے کے بعد انتہائی ہمدردانہ شریفانہ اور حوصلہ مندانہ، انسانیت نواز سلوک (۶) پاکستانی افواج اپنے ملکی دفاع کی پوری قابلیت اور صلاحیت رکھتی ہیں اور وہ حملہ آور دشمن کی چند فوجی طاقت اور سامانِ جنگ کی فراوانی کے باوجود ہر محاذ پر منہ توڑ جواب دے سکتی ہیں (۷) فیلڈ مارشل محمد ایوب خاں (أیدہ اللہ بنصرہ) کے حسنِ تدبر، مجاہدانہ عزیمت، اہلیت، قیادت اور شجاعت و جواں ہمتی کے ساتھ ہی ساتھ سیاسی تدبر کے "جوہر"

بھی اس طرح منظرِ عام پر آگئے کہ دنیائے اسلام کو اس کا یقین ہو گیا کہ موصوف دنیائے اسلام کی قیادت کی صلاحیت کے مالک ہیں (۸)، پاکستانی قوم بھی اس قدر باشعور اور سمجھدار ہے کہ ملکی دفاع کے نازک ترین مرحلہ پر اپنے تمام باہمی اختلافات اور ذاتی منافع کو یکسر پس پشت ڈال کر اپنے حکمرانوں کی ہر آواز پر لبیک کہنے، تعاون کرنے اور تن، من، دھن سب کچھ قربان کرنے کے لئے تیار ہو گئی۔ اور زندگی کے ہر شعبہ میں اتحاد اور تنظیم کا مکمل مظاہرہ کیا اور اس قدر حوصلہ مند ہے کہ دشمن کی تباہ کن بمباریوں سے شکستہ خاطر اور ہراساں ہونے کے بجائے اس کے جوش و خروش اور ذوق و شوقِ شہادت میں چند در چند اضافہ ہوتا ہے۔ والحمد للہ علی ذلک۔

قابلِ عبرت نتائج و حقائق ان بصیرت افروز "حقائق" اور عبرت انگیز "واقعات" سے جو عظیم نتائج نکلے ہیں وہ بھی قوموں کی زندگی کی تاریخ میں "آبِ زر" سے لکھنے کے قابل ہیں۔

(۱) جہاد فی سبیل اللہ اور اعلاء کلمۃ اللہ کا فریضہ انجام دینے کے لئے پاکستانی قوم میں ایک نئی روح پیدا ہو گئی۔ (۲) دشمنانِ اسلام کے دلوں پر پاکستانیوں کا "رعب" چھا گیا۔ ((ترھبون به عدو الله وعدوكم)) "تم اللہ کے دشمنوں پر اور اپنے دشمنوں پر اس سے ہیبت اور رعب طاری کرو) کی تفسیر سامنے آگئی (۳) مسلمان اگر اللہ تعالیٰ پر مکمل اعتماد و توکل سے بہرہ ور ہوں تو ان کی امداد و نصرت کے لئے اب بھی اللہ تعالیٰ کی "غیبی امداد" نو بنو انداز میں ضرور آتی ہے (۴) امریکہ ہو یا روس، برطانیہ ہو یا فرانس یہ سب کفر کی طاغوتی طاقتیں ہیں ان سے کسی بھی خیر کی توقع رکھنا خالص حماقت ہے اور اخروی سے پہلے دنیوی خسران کا موجب ہے (۵) پاکستان کو صرف اللہ تعالےٰ پر اعتماد اور بھروسہ رکھنا چاہیئے اور زندگی کے ہر شعبہ میں جلد از جلد اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کی پوری پوری جد و جہد کرنی چاہیئے اور ارشادِ خداوندی ((واعدوا لهم ما استطعتم من قوة)) اور جو بھی طاقت و قوت تم ان کے مقابلہ کے لئے مہیا کر سکتے ہو اس کی تیاری کرو)، پر مکمل طور سے عمل کرنا چاہیئے اور اس سلسلہ میں کسی بھی قسم کی تقصیر یا تغافل ہرگز روا نہ رکھنا چاہیئے۔

بہر حال، ہندوستانی حکومت نے تمام بین الاقوامی اصول پس پشت ڈال کر بغیر کسی سابقہ اعلان جنگ کے رہزنوں کی طرح پوری فوجی طاقت و قوت اور تیاری کے ساتھ پاکستان پر چوطرفی حملہ کر دیا اور اپنی بربریت اور بہیمانہ سلوک میں بھی اصلاً کوتاہی نہیں کی لیکن احکم الحاکمین کے قانونِ قدرت

نے کمزوروں کا ساتھ دیا اور آیت کریمہ کی :۔

«و نرید اُن نمنّ علی الذین استضعفوا فی الأرض ونجعلھم أئمۃً ونجعلھم الوارثین»	اور ہم چاہتے ہیں کہ جن لوگوں کو روئے زمین پر کمزور سمجھ لیا گیا ہے ان پر احسان فرمائیں اور انہی کو مقتدیٰ رہین الاقوامی قائد) بنادیں اور انہی کو ان رکے ملک وسلطنت) کا وارث بنادیں۔

تفسیر وتشریح ایک بار پھر دنیا کے سامنے آگئی کہ مٹھی بھر ناتوان اور (ہر لحاظ سے) کمزور افراد کو اللہ تعالیٰ نے وہ قوت وطاقت بخشی کہ دشمن کے سارے منصوبے خاک میں مل گئے اور آج دشمن کے ۱۶ سو سے زیادہ مربع میل رقبہ پر پاکستانی فوجیں قابض ہیں اور پاکستانی پرچم لہرا رہا ہے، صدرِ مملکت سے لے کر چپراسی تک اور تاجر وصنعت کار سے لے کر معمولی مزدور اور آجر تک خواص وعوام ساری قوم میں حیرت انگیز اور بے مثل اتحاد وتعاون کی روح پورے طور پر کارفرما ہے اور پوری قوم دشمن کے سامنے بنیان مرصوص (آہنی دیوار) بن کر کھڑی ہوگئی ہے۔

نعمت خداوندی اور اس کا شکریہ (۲) اللہ تعالیٰ کی اس لائقِ فخر نعمتِ عظمیٰ کا شکر یہی ہے کہ ہم صلاح وتقویٰ کی اُسی پاکیزہ زندگی کو مستقل طور پر اختیار کرلیں جو اس وقت ھنگامۂ رزم وحرب نے پوری قوم کے اندر پیدا کردی ہے اور خوف ووحشتِ خداوندی اور ذکرِ الٰہی کو اپنا شعار بنالیں اور منکرات وفواحش کو جو اس اسلامی ملک میں غیر ملکی "تہذیب وتمدن کے تسلط اور ان یورپین خدانا شناس قوموں کی قابلِ شرم نقالی کی بنا پر رائج ہوچکے ہیں یک قلم ترک کردیں اور مغرب کی گندی، مہنگی اور بزدل بنادینے والی معاشرت کے بجائے سیدھی سادی اور سستی اسلامی معاشرت کو مستقل طور پر اپنالیں، اجتماعی زندگی میں فوق العادہ طبقاتی تفاوت کو جہاں تک ممکن ہو ختم کردیں، شجاعت وبہادری کے احساسات کو بیدار کرنے والے خصائل، ایثار ومروت، جفاکشی وسخت کوشی، جوانمردی وحوصلہ مندی کو اختیار کرلیں، راحت پسندی وتن پروری، بے روح نام ونمود اور نمائش پسندی کو خیرباد کہہ دیں، خصوصاً غریبوں اور کمزوروں پر ترحم وشفقت کے جذبات کو زیادہ سے زیادہ بیدار کریں، ہر نوجوان فوجی بنے اور مجاہدانہ احساسات سے سرشار ہو، الغرض ایک ایسے "صالح معاشرہ" کی تشکیل کی جائے جو باللیل رھبان وبالنہار فرسان (رات میں تہجد گذار اور دن میں شہسوار)

کی تفسیر ہو۔

کسی قوم کی موت حقیقت یہ ہے کہ جب کسی قوم میں دو مرض پیدا ہو جائیں: (۱) ایک دنیا کی محبت (۲) دوسرے موت کا ڈر تو سمجھ لینا چاہیے کہ یہ قوم مرچکی اور جب کسی قوم کو ان دونوں بیماریوں سے نجات نصیب ہو جاتی ہے تو وہ قوم حیاتِ ابدی سے ہمکنار ہو جاتی ہے، "صحیح بخاری شریف" میں ایک حدیث آئی ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ: ایک وقت ایسا آئے گا کہ تم پر دنیا کی قومیں اس طرح یلغار کریں گی جس طرح کھانے والے کھانے پر ٹوٹ پڑتے ہیں۔" صحابہ نے عرض کیا: "یا رسول اللہ" کیا اس زمانہ میں ہم مسلمانوں کی تعداد اتنی تھوڑی ہوگی؟ فرمایا نہیں، تم اتنے زیادہ ہوگے کہ اس سے پہلے کبھی تمہاری اتنی تعداد نہ ہوئی ہوگی مگر تمہاری مثال ایسی ہوگی جیسے سیلاب پر خس وخاشاک، دشمنوں کے دل سے تمہاری ہیبت نکل جائے گی اور تمہارے دلوں میں وہن پیدا ہو جائے گا۔" پوچھا کہ وہن کیا چیز ہے؟ ارشاد فرمایا: "دنیا کی محبت اور موت سے خوف" اس حدیث سے واضح طور پر ثابت ہو گیا کہ مسلمانوں کی کامیابی وکامرانی کا "عددی اکثریت" پر کبھی بھی مدار نہیں رہا ہے نہ ہی "عددی اکثریت" میں اسلام کی قوت مضمر ہے بلکہ مسلمانوں کی طاقت و قوت کا راز یہ ہے کہ ان کے قلوب دنیا کی محبت سے پاک اور موت کے خوف سے ان کے دل آزاد ہوں۔

آپ نے دیکھا کہ اس موجودہ "معرکۂ حق وباطل" میں مسلمانوں کا جوہر سب سے زیادہ نمایاں رہا ہے وہ مسلمان نوجوانوں کے دلوں میں دنیوی زندگی کی بے وقعتی اور شہادت کی موت کو لبیک کہنے کا ذوق وشوق ہے، دنیا نے ایک بار پھر اسلامی روح اور اسلامی قوت وطاقت کا منظر دیکھ لیا اور مسلمان افواج کی بے نظیر شجاعت اور شوق شہادت نے تاریخ میں ایک نئے اور "شاندار باب" کا اضافہ کر دیا، یہ واقعہ دورِ حاضر کی تاریخ کا سہرا باب ہے جس کو عصرِ حاضر کا مؤرخ زریں حروف میں لکھے گا۔

کاش اگر ہماری قوم کی غالب اکثریت میں یہ ہی روح کارفرما ہو جائے تو دنیا اور اس کی قیادت کا نقشہ ہی بدل جائے پھر نہ دنیا پر امریکہ کی بالادستی نظر آئے نہ روس کی۔

مسلمانوں کی بنیادی قوت | یہ حقیقت بالکل ظاہر وعیاں ہے کہ موجودہ اسباب ووسائل کی مادی دنیا میں ہم مسلمان ان کفر کی طاغوتی طاقتوں اور اسلام دشمن قوموں کے مقابلہ پر۔ خواہ روس ہو یا امریکہ، جرمنی ہو یا برطانیہ۔ بہت پسماندہ ہیں مادی وسائل اور حیرت انگیز سائنسی ترقیات میں ہم اُن سے بہت پیچھے ہیں ایسی صورت میں ہمارے لئے عقلاً بھی ان کے مقابلہ کا یہی مختصر اور محکم راستہ ہے کہ ہم اس رب العالمین سے اپنا رشتہ مضبوط جوڑلیں اور عبدیت کا تعلق استوار کرلیں جو ان تمام مادی وسائل کا خالقِ حقیقی ہے اور اس کی قدرتِ کاملہ اور قوتِ قاہرہ کے سامنے ان کی کچھ بھی حقیقت نہیں ہے بھلا اس "خالقِ کائنات" کی قدرتِ کاملہ کے سامنے ان ایٹم بموں اور ہائیڈروجن بموں کی کیا حقیقت ہوسکتی ہے جن کا وہ خود پیدا کرنے والا اور حقیقی موجد ہے۔

اس کا یہ مقصد ہرگز نہ سمجھا جائے کہ ہم مادی اسباب ووسائل سے بے نیازی اختیار کرنے اور غفلت برتنے کا درس دے رہے ہیں، یہ تو خود خداوندی حکم ہے کہ "جتنی بھی طاقت و قوت تمہاری استطاعت میں ہو دشمنانِ اسلام کے مقابلہ کے لئے اس کو فراہم کرنے میں مطلق کوتاہی نہ کرو۔" لیکن اسی کے ساتھ ساتھ اعتماد کا اصل سرچشمہ وہ ذاتِ قدسی صفات ہونی چاہیئے جس کے قبضۂ قدرت میں یہ تمام محیرالعقول وسائل ہیں اور وہی ان کا حقیقی مالک ومتصرف ہے، آپ نے دیکھا چینی قوم جو اب سے بیس سال پہلے تک دنیا کی پست ترین افیمی قوم، سمجھی جاتی تھی آج وہ قوم اپنی ہمت و جرأت اور تنظیم واتحاد، جفاکشی وسخت کوشی اور سرفروشی کی بدولت نہ صرف صنعت وحرفت میں بلکہ فنی وحربی قوت اور فوجی طاقت میں امریکہ اور روس کے لئے بھی وبالِ جان بنی ہوئی ہے اور وہ دنیا جو کبھی "سرخ خطرہ" سے لرزہ براندام ہوا کرتی تھی اب "زرد خطرہ" سے پریشان اور حواس باختہ ہے حتیٰ کہ اس نے اب امریکہ وروس کے ایوانِ سیاست وتدبر کو بھی متزلزل کر دیا ہے، اگر ستر کروڑ چینی امریکہ وروس کو مرعوب کرسکتے ہیں تو کیا دنیا کے ستر کروڑ مسلمان اگر آج تنظیم واتحاد، ہمت وعزیمت ایثار ومحنت اور سرفروشی کی نعمت سے سرفراز ہوجائیں تو وہ ان طاغوتی طاقتوں کو مغلوب ومقہور نہیں کرسکتے؟

آج اگر دنیا کی مسلمان قومیں اور حکومتیں اغیار کی ریشہ دوانیوں سے محفوظ ومامون ہوجائیں

اور جو قدرتی ذخائر" ان بلادِ اسلامیہ میں قدرت نے پیدا کئے ہیں ان سے ان "عیار سفید فام" قوموں کے بجائے خود وہ مستفید ہونے لگیں تو دنیا کی سب سے زیادہ طاقتور اور باعزت قوم "مسلمان" بن جائیں۔

الغرض وقت کا تقاضہ ہے کہ مادی ترقیات میں بھی ہم زیادہ سے زیادہ اغیار سے سبقت لے جانے کی کوشش کریں مگر اس سے پہلے اللہ جل شانہ سے اپنا رشتہ جوڑیں اور تعلق استوار کریں تو آخرت کی نعمتوں کے ساتھ ساتھ دنیا کی نعمتوں سے بھی مسلمان ہی سرفراز ہوں گے۔

فاعتبروا یا اُولی الابصار

عصرِ حاضر اور علماءِ کرام

بدقسمتی سے علماءِ امت کو ہر دور میں بدنام اور متہم کیا گیا ہے کہ یہ لوگ وقت کے تقاضوں سے غافل اور بے خبر رہتے ہیں، ان میں سخت ترین جمود اور تعطل کارفرما رہا ہے، یہ خالص "رجعت پسند" ہیں "قدامت پرست" ہیں، ہر زمانہ میں قومی ترقی کی راہ میں یہی لوگ رکاوٹ بنتے رہے ہیں وغیرہ وغیرہ یہ وہ طعنے ہیں جو آج بھی علی الاعلان علماء کو دیئے جا رہے ہیں۔

جی ہاں! علماء کا قصور صرف یہ ہے کہ وہ قدیم ترین "قانونِ الٰہی" اور "دینِ فطرت" کو انسانیت کے لئے واحد ذریعۂ نجات سمجھتے ہیں، وہ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی "شریعتِ الٰہیہ" کو ہی وسیلۂ سعادتِ دارین مانتے ہیں، فرائضِ شرعیہ نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج کی پابندی کو جزوِ ایمان جانتے ہیں محرمات ومنکراتِ شرعیہ زنا، شراب، سود، قمار، تھیٹر، سینما، رقص وسرود، بے حیائی اور حیا سوز عریانی، مردوں اور عورتوں کے بے محابا اختلاط اور مخلوط تعلیم وغیرہ کو قطعاً حرام اور قوم کے کردار کی تباہی اور اخلاقی پستی کا واحد ذمہ دار سمجھتے ہیں اور ان فواحش ومنکرات کے مٹانے پر قولاً وعملاً کمربستہ اور سینہ سپر رہے ہیں اور یہ بدیہی امر ہے کہ انسانی ترقی اور انسانیت کے ارتقاء سے ان فواحش کا دور کا بھی کوئی واسطہ نہیں بلکہ یہ انسانی ارتقاء کی راہ میں سخت ترین رکاوٹ ہیں، اس لئے کہ یہ فواحش تو خالص بہیمیت اور شہوت رانی کے مظاہر ہیں۔

اور ہاں یہ علماء قرآن وحدیث کے "منصوص" اور صریح "عقائد واحکام" کو ہر طرح کی تاویل و تحریف اور تبدیل وتغیر سے بالاتر سمجھتے ہیں امتِ محمدیہ (علی صاحبہا الصلاۃ والسلام) کے اجماعی اور قطعی "معتقدات" و"مسائل" کو واجب الاتباع جانتے ہیں، فقہاءِ امت (رحمہم اللہ) کے "اجتہادات" کو عملی زندگی کے لئے رہنما اصول کے طور پر تسلیم کرتے ہیں اور جدید مسائل کے حل کرنے میں ان سے رہنمائی

حاصل کرتے ہیں، یہ ہے علماء کی رجعت پسندی اور قدامت پرستی ؟

اور ہاں یہی ہیں وہ علماء اور محافظینِ تہذیب و تمدنِ اسلامی جو یورپ و امریکہ کی دہریت و لادینی کے سیلاب کی راہ میں مضبوط چٹان بن کر ہمیشہ صف آرا ہوئے ہیں، یہی وہ علماء ہیں جو پیٹ پر پتھر باندھ کر شعائر اللہ کی پاسبانی کا فرض ادا کرتے رہے ہیں، ابو حنیفہؒ، مالکؒ، شافعیؒ اور احمدؒ سے لے کر مجدد الف ثانیؒ، شاہ ولی اللہؒ، شاہ اسمٰعیل شہیدؒ، حضرت نانوتویؒ اور اسیرِ مالٹا شیخ الہندؒ تک کے تمام خدا پرست علماء کی یہ سرفروشانہ خدمات جن کا آپ کو بھی اعتراف ہے، نہ ہوتیں تو عہدِ بنو اُمیہ اور عہدِ بنو عباس سے لے کر دورِ اکبری تک ہی "دینِ اسلام" لعبۂ اہواء اور بازیچۂ اطفال نیز عیش پرست ملوک وسلاطین کی نت نئی اطماع و خواہشات کا اکھاڑہ بن جاتا، دینِ حق کے یہ پاسبان اگر نہ ہوتے تو یہ "خدا کا پسندیدہ دین" خدا ہی جانتا ہے اس کا کیا حشر ہوتا ؟

مدیرِ فکر و نظر اور علماء ہمارے معاصر مدیرِ "فکر و نظر" کا انتہائی پُرفریب انداز "تنقید" نہیں بلکہ "تنقیص" یہ ہے کہ ان اکابر علماءِ دین کی زرین خدمات کا نہایت فراخ حوصلگی سے اعتراف کرنے کے بعد "لیکن" کے استدراک سے ان سب کو خاک میں ملا دیتے ہیں اور قومی ترقیات و اصلاحات جو درحقیقت اسلام کو مسخ و محرف کرنے کی یہود جیسی مذموم و منحوس مساعی اور تدابیر ہیں کی راہ میں رکاوٹ بننے کا ان کو مجرم اور مسلمانوں کی موجودہ پستی کا ذمہ دار گردان دیتے ہیں۔

معاصرِ موصوف نے "ماضی قریب" کے چند حضرات کے نام لے کر علماء کو طعنہ دیا ہے کہ ان "مصلحین" کی "اصلاحات" کے راستہ میں یہ "قدامت پرست" "علماء ہی سدِ راہ بنے ہیں" اچھا ہوتا کہ وہ ان تین بزرگوں کے نام نہ لیتے۔ کیا ہمارے محترم مدیرِ فکر و نظر کے "پیر و مرشد" علامہ سندھی علیہ الرحمۃ نے شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی "تحریک" کو۔ اگر وہ کوئی "تحریک" تھی۔ اکبر کے "دینِ الٰہی" کا "تکملہ" نہیں قرار دیا ؟ کیا اکبر کے۔ منافق شیعہ علماء کے ساختہ پرداختہ۔ دینِ الٰہی کی تائید و تصویب کوئی بھی مدعیِ اسلام عاقل یا عالم کر سکتا ہے ؟ ہمارے دوست اکبر آبادی مدیر برہان بھی باوجود علامہ سندھیؒ کے غالی معتقد ہونے کے ان کے اس نظریہ کی توجیہہ و تاویل سے عاجز آ گئے۔

یہ قازانی بزرگ۔ جار اللہ۔ خود اتاترک کمال کے دورِ حکومت کو "علی منہاج النبوۃ" مانتے اور "خلافتِ نبوت" سمجھتے تھے۔ قرآنی منصوص احکام کو "قانونِ پارینہ" کہہ کر معطل قرار دے چکے تھے۔ کیا بر ترکی

باشندہ سے خواہ ارمنی ہو خواہ گریک مسلمان عورت کے نکاح کو صحیح قرار دینے والا اور اس کے لئے قانون بنانے والا خلیفہ علی منہاج النبوۃ ہو سکتا ہے ؟ حج بیت اللہ کو قانوناً جرم قرار دینے والا خلافتِ راشدہ کا وارث ہو سکتا ہے ؟

خدارا بتلائیے کہ کیا واقعی آپ کے نزدیک دین الٰہی کی حمایت کرنے والے اور آتاترک کی لادینی حکومت کو خلافت علی منہاج النبوۃ کہنے والے حضرات ہی "مصلحینِ امت" میں سے ہیں ؟ اور ان ملحدانہ خطرناک نظریات "پر گرفت کرنے والے "علمار دین" دقیانوسی ذہنیت کے مالک اور ترقی واصلاح کے راستہ میں سدراہ بننے کے مجرم ہیں ؟ إنا للہ وإنا إلیہ راجعون :

لمثل ھذا یذوب القلب عن کمد ان جیسے خیالات ونظریات سے غم کے مارے دل پگھل جانا

إن کان فی القلب إسلام وإیمان . چاہیے . بشرطیکہ اس دل میں اسلام وایمان ہو .

ہم نہیں چاہتے کہ اس "تکلیف دہ" سلسلہ کو چھیڑیں لیکن اگر ہم مجبور ہو گئے تو پھر یہ تمام حقائق واشگاف کرنے پڑیں گے پھر ناظرین فیصلہ کر سکیں گے کہ آیات دینیات کے سامنے فکر و نظر کی خیرگی اور درماندگی کہاں تک پہنچ چکی ہے ۔ وسیعلم الذین ظلموا أیَّ منقلب ینقلبون ۔

بھارت اور پاکستان کی جنگ

ھٰذا بصائر من ربکم و ھدی و رحمۃ لقوم یؤمنون (اعراف)

آخر وہ دور ابتلا آہی گیا جس کے آثار نظر آرہے تھے، بھارت کی ہوسِ ملک گیری نے پاکستان پر جارحانہ حملہ کر دیا اس کے لازمی نتیجہ کے طور پر پاکستان نے بھی اس اسلامی ملک کی حفاظت اور دینِ اسلام کے دفاع کی غرض سے اعلانِ جنگ کر دیا اور مشرقی و مغربی دونوں محاذوں پر شدید ترین اور ہولناک جنگ شروع ہو گئی جس کا آج چودھواں دن ہے۔

ان پریشان کن اور خطرناک حالات کے دوران مسلمانوں سے جس انابت الی اللہ کی توقع کی جا سکتی تھی افسوس ہے کہ اس کا ظہور نہیں ہو رہا یا پھر ہماری نگاہ کا قصور ہے، ۶۵ء کی جنگ کے دوران جو انابت الی اللہ اور تعلق مع اللہ کی صورتِ حال بن گئی تھی وہ نظر نہیں آتی، تاہم الحمدللہ جتنا خطرہ اور خیال تھا کہ ہماری قساوتِ قلبی اور غفلت شعاری اور ہماری کوتاہیاں و غلط کاریاں۔ خدا ناکردہ۔ رنگ نہ لائیں اور اللہ تعالیٰ کی رحمت و نصرت و اعانت کے نزول کی راہ میں حائل نہ ہو جائیں اس کا اندیشہ نہ رہا اور اس لحاظ سے قدرے اطمینان ہو گیا بلکہ اللہ جل شانہٗ کی نصرت و رحمت کے آثار و علامات نظر آنے لگی ہیں اور توقع ہو گئی ہے کہ نصرت بھی انشاء اللہ عنقریب نازل ہو گی، «الا إن نصر اللہ قریب» اور مسلمانوں کو اور پاکستان کو فتحِ مبین انشاء اللہ نصیب ہو گی۔

سب سے پہلے جو قابلِ صد شکر چیز ہے وہ یہ ہے کہ ہماری بحری، بری اور فضائی افواج نے جس عزم و ثبات اور اخلاص و ایثار کا ثبوت دیا ہے اور جس جان نثاری و جانبازی سے شجاعت و بسالت اور مقاومتِ اعداء کے جوہر دکھلائے ہیں اس نے قرونِ اولیٰ کی یاد تازہ کر دی۔ اللّٰھم زد فزد۔ اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل و کرم سے اسلام اور مسلمانوں کی عزت و آبرو رکھ لی اور نہ صرف عالمِ اسلام بلکہ تمام اقوامِ عالم سے پاکستانی افواج نے خراجِ تحسین حاصل کر لیا اور پھر ایک مرتبہ کفار پر خاص کر ہمارے پڑوسی بُت پرست مشرک قوم پر ان کا رعب اللہ تعالیٰ نے بٹھا دیا اور اگر ہماری مملکت اور اربابِ حکومت اور پوری

قوم اللہ کے فرمان ((واعدوا لهم ما استطعتم)) پر پوری طرح عمل پیرا ہو جاتی اور ان تمام جدید ترین اسلحہ سے ہماری فوجیں مسلح ہوتیں جن کی اس زمانہ میں شدید ضرورت ہے تو اس جنگ کا نقشہ ہی کچھ اور ہوتا۔

پاکستان اور روس

دوسری چیز جو محض قدرتِ خداوندی اور رحمتِ الٰہی کا کرشمہ اور واجب الشکر احسان عظیم ہے وہ یہ ہے کہ اول "سلامتی کونسل" میں اور اس کے بعد "جنرل اسمبلی" میں اقوامِ متحدہ کی عظیم ترین اکثریت نے بھارت کو جارحیت کا مجرم قرار دیا اور جو قرارداد پاس کی اس میں اس حقیقت کا اعتراف کیا کہ بھارت حملہ آور ہے اور پاکستان اپنے دفاع کے لئے نبرد آزما ہے اور بڑی بات یہ ہے کہ "روس خون آشام" کی طاغوتی حکومت ایک مرتبہ پھر بے نقاب اور روسیاہ ہو گئی اور دنیا میں امن و سلامتی کی حمایت کا جو لبادہ اس نے اوڑھ رکھا تھا وہ نوچ کر پھینک دیا گیا اور "درندہ روس" دنیا کے سامنے آگیا اور اقوامِ عالم پر عیاں ہو گیا کہ وہ ایک ظالم و جابر، بے رحم و سنگدل اور اس کے اشاروں پر چلنے والی حکومت (بھارت) کے ہاتھ مضبوط کرنے اور دنیا کی سب سے بڑی آزاد اسلامی حکومت (پاکستان) کے ٹکڑے ٹکڑے کرنے پر تلا ہوا ہے حتیٰ کہ اس کو دنیا میں اپنے روسیاہ ہو جانے کا بھی احساس نہیں ہے۔

یہ روس وہی ملعون طاغوتی طاقت ہے جس کا وتیرہ بن چکا ہے کہ بے نوا قوموں اور کمزور ملکوں کو ہضم کر لیا جائے اور ڈکار بھی نہ لے اور ان پر ان گنت مظالم ڈھاتا اور ان کے خون چوستا رہے، وسط ایشیا کی قدیم ترین عظیم اسلامی حکومت سلطنت بخارا و سمرقند کو اسی درندہ نے تباہ و برباد کر کے جس بربریت اور درندگی کا ثبوت روس کی استعمار پسند حکومت نے دیا ہے تاریخ اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔

ظاہر ہے کہ جس ظالم و جابر اور سفاک و خون آشام حکومت کا یہ شیوہ ہو کہ کمزور قوموں پر ظلم ستم کے آسمان ڈھائے ان کے بے گناہ اور معصوم خون سے اپنی ہوس خوں آشامی کی تسکین کا سامان بہم پہنچائے اس سے کیا بعید ہے کہ وہ ایک دوسری خون آشام حکومت (بھارت) کو جو اسی کی ایجنٹ ہے مزید سہارا دے کہ وہ خدا کی مخلوق پر خوب ظلم ڈھائے

اور اچھی طرح ان کا خون چوسے۔

تمام دنیا پر واضح ہوگیا کہ سلامتی کونسل کے اجلاس میں فوری جنگ بندی اور فوجوں کی غیر مشروط واپسی کی قرار داد کے خلاف تین مرتبہ حقِ "استرداد و تنسیخ" (ویٹو پاور) استعمال کرنے کا واحد مقصد یہ ہے کہ روس کے بل بوتے پر جنگ کرنے والی بھارتی فوجیں اس تاخیر اور مہلت سے فائدہ اٹھاکر کسی طرح ڈھاکہ پر قبضہ کرلیں اور بھارت وہاں بنگلہ دیش کی حکومت قائم کردے اور روس اور اس کی ہمنوا کمیونسٹ حکومتیں فوراً بنگلہ دیش کی حکومت مشرقی پاکستان میں تسلیم کرلیں اور اس طرح مشرقی پاکستان کی حکومت کو زندہ درگور کر دینے کے شرمناک منصوبہ میں بھارت اور روس کامیاب ہوجائیں گے۔

روسیاہ روس نے اس ڈھٹائی اور بے باکی سے سلامتی کونسل میں ویٹو استعمال کرنے سے آفتابِ نیمروز کی طرح روشن ہوگیا کہ درحقیقت روس دنیا کے امن وسلامتی کا نمبر اوّل دشمن ہے اور جو بڑی حکومتیں ناطرفدار رہیں اور انہوں نے اس قرار داد پر ووٹ نہیں دیا وہ عالمی امن وسلامتی کی دشمن نمبر دوم ہیں

نیز روس نے پے درپے تین مرتبہ [illegible] استعمال کرکے تمام عالم کو ایک مرتبہ پھر یہ بتلادیا کہ روس کے دل میں مظلوم انسانیت پر شمہ برابر بھی رحم کا جذبہ نہیں ہے، وہ سلامتی کونسل کا رکن صرف دنیا کے امن وسلامتی کی کوششوں کو ناکام بنانے کے لئے بنا ہے۔

بہرحال یہ سب کچھ دنیا اور دنیوی اسباب پر نظر رکھنے والوں کے نقطۂ نظر سے عرض کیا گیا ہے، رہے مسلمان تو ان کا ایمان واعتماد تو صرف حق تعالےٰ کی لاتعداد قدرت کی مالک ذاتِ بابرکات پر ہے جس کے قبضۂ قدرت میں تمام عالمِ ملکوت اور پوری کائنات ہے، فتح ونصرت صرف اور محض اس کے ہاتھ میں ہے چاہے وہ اپنے بندوں کی امداد واعانت کے لئے فرشتے بھیجے اور چاہے شیاطین الانس، انسانی شیطانوں سے فرشتوں کا کام لے لے اور اپنے بندوں کی حمایت کرادے اور چاہے بغیر ظاہری اور باطنی اسباب کے محض غیبی تائید نازل فرمادے، غرض وہ ہر چیز پر قادر ہے اور جو چاہے کرسکتا اور کراسکتا ہے، چنانچہ اسلامی تاریخ اس قسم کی غیبی تائیدات اور قدرتِ خداوندی کے حیرت انگیز

کرشموں سے بھری پڑی ہے، چنانچہ اس وقت دنیا کی دو بڑی طاقتوں امریکہ اور چین بلکہ فرانس نے بھی جو پاکستان کے مؤقف کی حمایت وتائید کی ہے اور ان کے علاوہ ایک سو سے زیادہ حکومتوں نے جو بھارت کی جارحیت کی مذمت کی ہے اور اسے حملہ آور قرار دیتے ہوئے پاکستان کے حق میں ووٹ دیا ہے یہ ہمارے اس دعویٰ کا زندہ ثبوت اور تائیدِ غیبی ہے۔

بہر حال اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس ہونا کفر ہے، بلاشبہ کامیابی اور فتح وظفر میں جو کچھ تاخیر ہو رہی ہے وہ ہماری شامتِ اعمال کا نتیجہ ہے۔

ماضی کی بے اعتدالیاں:

گذشتہ تیئس سال میں جو خطرناک غلطیاں ہم نے کی ہیں خصوصاً مشرقی پاکستان کے عوام کے بارے میں جو معاشی، اقتصادی اور سیاسی بے اعتدالیاں ہم نے کی ہیں اور جو بے اعتنائیاں ہم نے برتی ہیں وہ انتہائی خطرناک ہیں۔

عرصہ دراز سے۔ پاکستان بننے کے بعد سے۔ ایک سادہ لوح قوم کی خالص اسلامی اور قومی تعلیم وتربیت کی طرف توجہ دینے کے بجائے تمام اعلیٰ ادنیٰ درس گاہوں کے دروازے غیر مسلم اور کٹر ہندو ذہنیت رکھنے والے استادوں اور استانیوں کے لئے چوپٹ کھول دینا اور خالص ہندو ذہنیت کے تحت تصنیف کی جانے والی کتابیں نصابِ تعلیم میں داخل کرنے دینا، بنگالی قومیت کے پرچار کی کھلی چھٹی دے دینا، کیا خود اپنے گلے پر چھری پھیرنے اور اپنے پاؤں پر کلہاڑی مارنے کے مرادف نہیں ہے؟ اسی کا نتیجہ ہے کہ اس تیئس سال میں جو نئی پود ابھری اور نئی نسل پروان چڑھی وہ اسلامی روح سے قطعاً بے بہرہ تھی اور بنگالی قومیت کا زہر اس کی رگ رگ میں سرایت کر چکا تھا وہ بڑی آسانی سے دشمن کی آلۂ کار بن گئی اور غیر بنگالی سے نفرت وبیزاری اس قدر بڑھ گئی کہ وہ غیر بنگالی سے مشرقی پاکستان کی سرزمین کو پاک کرنا اپنا اوّلین فرض بلکہ جہاد سمجھنے لگی اور مارچ ۱۹۷۱ء کے مہینہ میں انہوں نے غیر بنگالیوں کا خون چوسنے کے سلسلہ میں جس درندگی کا ثبوت دیا دنیا اس سے واقف ہے: حیف ع از ما است کہ بر ما است

ماضی قریب کی سب سے مہلک غلطی :۔

گذشتہ سال محض انتخابات میں کامیابی حاصل کرنے کی غرض سے ملک کی سیاسی جماعتوں نے انتہائی ناعاقبت اندیشی کا ثبوت دیتے ہوئے نہ صرف مشرقی پاکستان میں بلکہ مغربی پاکستان میں بھی عوام کے "معاشی استحصال" کا مہلک نعرہ سیاسی پلیٹ فارموں سے اس زور شور کے ساتھ بلند کیا کہ دونوں بازوؤں کے عوام کے سامنے بجز "پیٹ" اور روٹی، کپڑے اور مکان کے اور کوئی چیز نہ رہی انہوں نے خدا کو، رسول کو، دین کو اسلام کو پاکستان کو غرض ہر غیرت وحمیت کی چیز کو یک قلم فراموش کر دیا اور اکثریت نے انہی جماعتوں کو ووٹ دیا اور اپنا نمائندہ منتخب کیا جو "روٹی" اور "پیٹ" کا مسئلہ حل کرنے کی دعویدار تھیں، خصوصاً مشرقی پاکستان میں تو نہ صرف کالعدم عوامی لیگ کو تقریباً سو فیصد نمائندگی حاصل ہوئی بلکہ اسی چلتے ہوئے فقرہ بلکہ منتر کی بدولت مشرقی پاکستان کی علیحدگی اور بنگلہ دیش کی تخم ریزی ہوئی کاش مشرقی پاکستان کے عوام ان حقیقی استحصال کرنے والے ہندوؤں کو پہچان سکتے جو نہ صرف پاکستان بننے کے بعد سے بلکہ برطانوی دور حکومت سے ہی بنگال کے عوام کا استحصال کرتے اور خون چوستے رہتے ہیں، پاکستان بننے کے بعد بھی انہی ہندوؤں نے مشرقی پاکستان کے عوام کا استحصال کیا ہے، جن کی جھولی میں بنگلہ دیش والے ان کو ڈالنا چاہتے ہیں، اللہ بچائے۔

حالیہ غفلت اور غلط کاری :۔

تقریباً سات لاکھ بے گناہ اور بے قصور فرزندانِ توحید اور بے بس و بے کس مسلمانوں کا خون انتہائی سفاکی کے ساتھ بہانے والوں اور ان کی سرپرستی کرنے والوں کو بیک نوک زباں و بیک جنبشِ قلم معاف کر دینا اور خونخوار درندوں کی معافی کا۔ محض حقائق سے ناواقف دنیا کے دباؤ کی وجہ سے بار بار اور برملا اعلان کرنا اور بحفاظتِ تمام ان کی واپسی اور دوبارہ آباد کاری کا انتظام کرنا بالفاظ دیگر ان درندوں کو دوبارہ خون آشامی، قتل و غارت اور شر و فساد کا موقعہ دے دینا یہ کہاں کا عدل و انصاف ہے؟ اور کہاں کا تدبر و سیاست ہے بلکہ یہ تو مظلوموں کے زخموں پر۔ جن میں مشرقی پاکستان کے غیر بنگالی عوام اور پاکستانی افواج دونوں شامل ہیں۔ نمک پاشی اور حوصلہ شکنی کے مرادف ہے۔

سب سے بڑی غلطی بلکہ پہاڑ سے بھی زیادہ بڑی اور بھاری حالیہ غلطی یہ ہے کہ ان بد ترین مجرموں کے سرغنہ کو بچا کر محفوظ کوٹھیوں اور سرکاری پہروں میں بٹھا دینا، ناز و نعمت میں اس کی پرورش کرنا اور ہر طرح کے آرام و راحت کے سامان اس کے لئے مہیا کرنا یہ کون سی دیانت اور کون سی سیاست اور کہاں کا عدل و انصاف ہے؟ کیا دنیا کی غیور اور دلیر قومیں ملک کے باغیوں کے ساتھ یہی سلوک کیا کرتی ہیں؟

غرض اللہ تعالیٰ ہم پر رحم فرمائیں اور ہماری غلطیوں کو محض اپنے فضل و کرم سے معاف فرمائیں اور حبیبِ رب العالمین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام لیواؤں کو اپنے حبیب" کے صدقے معاف فرمائیں، اسلامی ممالک خصوصاً عربی اور اخص الخصوص ہمارے قابلِ قدر ملک فیصل کی سعودی حکومت نے اور عقید معمر قذافی کی حکومت لیبیا نے اپنے پاکستانی مسلمان بھائیوں اور اسلامی حکومت سے جس عملی ہمدردی کا ثبوت دیا ہے اس نے اسلامی اخوت و مواساۃ کی قابلِ تقلید تاریخی مثال قائم کر دی ہے اور تا قیامت اسلامی تاریخ کے صفحات پر سنہرے حروف سے لکھی جائے گی اور مسلمانانِ پاکستان کے قلوب پر یہ انمٹ نقوش قیامت تک قائم رہیں گے، اب دیکھنا یہ ہے کہ سلامتی کونسل اور جنرل اسمبلی اپنے وقار کو قائم رکھنے کی کیا تدابیر اختیار کرتی ہیں اور دنیا کو کیسے باور کراتی ہیں کہ اقوامِ متحدہ اور اس کی سلامتی کونسل چند اربابِ استبداد اور طاغوتی حکومتوں کے ہاتھوں کا کھلونا نہیں بلکہ ایک حقیقت ہے، تازہ ترین جبروں سے یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ سلامتی کونسل دنیا کے امن و سلامتی کی حفاظت کے لئے نہیں بلکہ روس، برطانیہ اور فرانس جیسی طاغوتی طاقتوں کے اغراض و مقاصد اور مفادات کی حفاظت کے لئے قائم کی گئی ہے، شاید روسیاہ روس کی حکومت کی نگاہ میں پاکستان کا سب سے بڑا جرم یہ ہوگا کہ پاکستان نے چین اور امریکہ کو ایک دوسرے کے قریب لانے میں کچھ خدمات انجام دی ہیں اس لئے وہ پاکستان سے انتقام لینا ضروری سمجھتا ہے، امریکہ کو ہندوستان کی ضرورت اس لئے تھی کہ چین کے لئے قربانی کا بکرا تیار کیا جائے لیکن جب چین سے امریکہ کو اطمینان ہو گیا تو اس کو اس بکرے کو پالنے کی کیا ضرورت ہے؟ علاوہ ازیں دنیا کی ان دو بڑی حکومتوں کے اتحاد یا قرب سے روس کو اپنی موت نظر آنے لگی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی رحمت کا مستحق بننے کا طریقہ

بہرحال یہ تو ظاہر ہے کہ یہ سب شطرنج کا کھیل ہے اور سیاسی شعبدہ بازیاں، الکفر ملۃ واحدۃ، مسلمان کا کام تو حق تعالےٰ کی طرف انابت و رجوع اور اپنی خطاؤں سے توبہ و استغفار ہے، سابق جنگِ عظیم ہی میں دیکھ لیجئے آخر میں جرمنی کس طرح تنہا رہ گیا اور برطانیہ نے اپنے بدترین دشمن روس کو کس طرح اپنے سینے سے لگا لیا اور اتحادی بنا لیا یہ تو سیاست کے مہرے ہیں رات دن بدلتے رہتے ہیں ان میں سے کسی کے لئے بھی بقا و قرار نہیں ہے، حق تعالےٰ کی ذات ازلی ابدی اور منبعِ قدرت و کمالاتِ ازلی ہے تغیر و تبدل سے بالاتر بلکہ وراء الورا ہے مسلمانوں کے لئے اب ایک ہی مختصر اور قریبی راستہ رہ گیا ہے کہ حق تعالیٰ کو راضی کرنے کی تدبیریں لگ جائیں، اسلامی قانونِ عدل نافذ کرنے کا فوری طور پر اعلان کریں اسلامی معاشرے کی تکمیل کے لئے حکومت کی سطح پر فواحش و منکرات اور جرائم کے خلاف جد و جہد جاری کریں اور اپنی بساط کے مطابق آلاتِ حرب اور سامانِ جنگ کی تیاری میں کوتاہی نہ کریں، صحیح اسلامی زندگی اختیار کریں، غیر اللہ کا خوف دل سے نکال دیں، صرف حق تعالیٰ کی ذات پر کامل توکل و اعتماد کریں اور دلوں سے وہن اور جُبن کو نکال پھینکیں، موت سے ڈرنا چھوڑ دیں، دنیا کی محبت میں سرشار ہونے کے بجائے اس سے تعلق منقطع کر لیں۔ پھر دیکھئے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمتیں کس کس طرح نازل ہوتی ہیں۔ ہمارے سامنے "چین" کی زندہ مثال موجود ہے جو قوم اپنی غفلت و بیکاری میں ضرب المثل بن گئی تھی، دنیا اسے افیم چیوں کا ملک کہتی تھی آج اپنی جد و جہد اور عزم و استقلال کی وجہ سے اور جفاکشی و سخت کوشی اور عظیم ترین ہمت کی بدولت کہاں سے کہاں پہنچ گئی عقل حیران ہے، اس ملک میں راعی و رعیت کا ایک ہی لباس ہے، ایک ہی خوراک ہے، ایک ہی سی معاشرت ہے، عیش پرستی کے تمام راستے بند کر دیئے ہیں، نہ تھیٹر ہیں نہ سینما، نہ عیاشی کے شبینہ کلب ہیں نہ راتوں کو دادِ عیش دینے کے اجتماعات ہیں، اس جفاکشی و سادہ زندگی کی برکت سے ہی ملک کی ترقی میں تمام توانائی خرچ ہو رہی ہے آج عوامی چین اس زندگی کی بدولت ہی اس مقام پر پہنچ گیا کہ

روسیاہ روس اور امریکہ بھی اس کی ترقی سے لرزہ براندام ہیں، کاش یہ قوم اسلام کے حلقہ بگوش ہو جائے صرف خدائے لایزال پر ایمان لانے کی کسر باقی ہے ورنہ کلی طور پر حقیقی مسلمانوں کی معاشرت اختیار کر چکی ہے، کاش مسلمانوں کو چین سے عبرت حاصل ہوتی اور پاکستانی حکمران اور پاکستانی قوم اس قوم سے درسِ عبرت حاصل کرتی، مسلمانوں پر من حیث القوم کبھی بھی تاریخ میں فواحش ومنکرات کی زندگی راس نہیں آئی بلکہ اس کی سزا ضرور ملی ہے، اندلس کی تباہی سے لے کر بخارا اور سمرقند کی بربادی اور اس کے بعد تک تاریخِ اسلام کے صفحات عبرت کے لئے ہمارے سامنے ہیں۔

مسلمانوں کو غیر اسلامی تعبیرات ونعروں سے بچنا چاہیئے

بہرحال پاکستان اس وقت شدید ابتلاء کے دور سے گذر رہا ہے اور ایک سنگدل و مکار دشمن سے برسرِ پیکار ہے جو ایک خدا کی منکر باغی و طاغی فرعونی طاقت کا آلہ کار بنا ہوا ہے، ہماری افواج بے نظیر شجاعت و پامردی اور عزم و استقلال کے ساتھ اپنے ملک و ملت کی حفاظت میں مصروف ہیں اور صرف اسلامی جہاد کی روح نے ان میں یہ ایثار واخلاص اور بہادری و بے خوفی کے اوصاف پیدا کئے ہیں اسلامی جہاد کا اساسی منشا" اعلاء کلمۃ اللہ" ہے اور دنیا کے مذاہب کے مقابلہ پر دینِ اسلام کی سربلندی و برتری کو قائم کرنا ہے، اسلام وطنیت، قومیت جغرافیائی حدود کی اہمیت رنگ و نسل اور نسلی تفرقوں سے بالاتر ہے۔ اس سلسلہ میں آج کل ریڈیو اور اخبارات اور اس کے علاوہ عام نشریات میں جو نعرے اور تعبیرات آرہی ہیں، سراسر اسلامی روح کے منافی ہیں" وطنِ مقدس" "حب الوطنی" "ملکی سالمیت" وغیرہ وغیرہ الفاظ سب کے سب اسلامی روح سے بعید ہیں، غیر شعوری طور پر ہمارا یہ معاشرہ ان غیر اسلامی نعروں اور تعبیرات میں مبتلا ہو گیا ہے، مسلمانوں کی مملکت اس لئے قابلِ احترام ہے کہ دینِ اسلام کے حلقہ بگوش وہاں بستے ہیں دینِ اسلام کے شعائر وہاں زندہ ہیں۔ اللہ و رسول کے بابرکت ناموں سے پورے پاکستان کی فضا معمور ہے۔ دینِ اسلام کی خدمت اور اسلامی علوم کی نشرو اشاعت کی گراں بہا خدمات انجام پذیر ہیں۔ ایک مسلمان کی قیمتی

جان اور مذہب وہاں محفوظ ہے۔ اگر آج اسلام کے تصوّر سے قلوب خالی ہو جائیں، اسلامی شعائر پائمال ہونے لگیں اور بحیثیت مسلمان، مسلمان کا دین و ایمان اور جان و مال، عزت و آبرو وہاں غیر محفوظ ہو جائے تو وہ ملک و وطن "مقدس" کہلانے کا کبھی بھی مستحق نہیں ہوتا۔ اس لئے ہمارے اخبارات و جرائد اور ریڈیو و نشریات کو چاہیئے کہ وہ اس حقیقت کو کبھی نظر انداز نہ کریں اور ان غیر اسلامی الفاظ نعروں اور تعبیرات کو یک قلم ختم کر دیں، ہمیں صدمہ ہے کہ ہماری ریڈیو کی زبان ایسی ہوگئی ہے جیسے غیر مسلم قوموں کی زبان ہوتی ہے، نہ "انشاء اللہ" کا ذکر آتا ہے نہ "ماشاء اللہ" کا کلمہ زبان سے نکلتا ہے" ہم یوں کریں گے" اور ہم ایسے ہیں اور ویسے ہیں" وغیرہ وغیرہ خود سرانہ الفاظ اور نعرے عام ہیں۔ اس کے علاوہ تلاوت قرآنِ کریم، اذکار وادعیۂ ماثورہ، آیت کریمہ وغیرہ کے بجائے موسیقی کی دھنیں گونج رہی ہیں کیا کہیں! آج اگر ہماری سیرت، ہماری صورت، ہمارا معاشرہ اسلامی ہوتا تو نقشہ ہی کچھ اور ہوتا، خدا کا شکر ہے کہ ہمارے عوام کے دینی مشاغل، تلاوتِ قرآنِ کریم ختمِ آیت کریمہ، نمازوں میں قنوتِ نازلہ اور نوافل وصلاۃِ حاجت وغیرہ پڑھی جارہی ہیں اسی لئے ان کے حوصلے بلند ہیں ہماری افواج بھی اسلامی جذبے سے سرشار ہیں ان کے نعرہ ہائے تکبیر سے بھی پاکستان کی فضا گونج رہی ہے، غرض ان میں ایسے اوصاف تھے اب ضرورت اس کی ہے کہ قوم کے ادنیٰ اعلیٰ تمام طبقوں میں اسلامی روح کی تربیت کی جائے اور اس کو فنا نہ ہونے دیا جائے گذشتہ ۱۹۶۵ء میں جس طرح حق تعالیٰ کی رحمت نازل ہوئی وہ بھی دنیا دیکھ چکی ہے اور اس کے بعد جس طرح اس روح کو کچلنے کی کوشش کی گئی وہ بھی سب کو معلوم ہے" عیاں راچہ بیاں"

جہاد سے متعلق حضرت مولانا تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے چند ملفوظات

یہاں تک لکھ چکا تھا کہ میرے سامنے حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس اللہ سرہٗ کے چند ملفوظات آئے جو حضرت نے ۳۳ سال قبل لکھنؤ کے قیام کے دوران جہاد کے متعلق ارشاد فرمائے تھے اور بعض مخلصین نے بتقضائے وقت نفعِ امت کے خیال سے شائع کئے ہیں بطور تبرک ان مبارک ملفوظات کو "بینات" کے "بصائر و عبر" کا جزو بنانا

بہت ہی برمحل معلوم ہوا اور اللہ تعالیٰ توفیق نصیب فرمائے۔ فرمایا:
آج کل لوگوں پر مادہ پرستی کا غلبہ ہے، مادی ہی ترقی کو ترقی سمجھا جاتا ہے، چنانچہ مادی اشیاء پر بہت زور دیا جاتا ہے اور ان پر ناز کیا جاتا ہے، لڑائی میں مادی ہتھیار اور سامانِ جنگ کو نصرت کا سبب خیال کیا جاتا ہے، مالکِ حقیقی رب العلمین پر نظر نہیں کی جاتی۔ دیکھئے ابتدائے اسلام میں جتنے جہاد ہوئے ان میں عموماً کفار کے پاس ہر قسم کے ہتھیار کافی تعداد میں موجود تھے اور مسلمان ان کے لحاظ سے بالکل بے سروسامان اور تہی دست کہے جانے کے مستحق تھے، غزوۂ بدر میں اسلامی لشکر کے پاس تلواریں صرف آٹھ تھیں گو نیزے وغیرہ اتنے کم نہ تھے اور جنگ دست بدست ہوئی جس میں تلوار زیادہ کارآمد ہوتی ہے، اس پر طرہ یہ کہ کفار تعداد میں بھی مسلمانوں سے تین گنے تھے اور سب کے سب ہتھیار بند۔ باوجود اس کے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو منصور و مظفر فرمایا، کامیابی و فتح مندی نے ان کے قدم چومے بلکہ واقعہ یہ ہے کہ سب غزوات میں کامیاب غزوۂ بدر ہی کا ہے کیونکہ اس سے کفار کے حوصلے ہمیشہ کے لئے پست ہو گئے تھے اور ان کی سطوت و شوکت ٹوٹ گئی تھی، تو اب غور کیجئے کیا یہ نصرت مادی ترقی کا نتیجہ تھی یا ایمان و اخلاص کی برکت تھی۔

اسی سلسلہ میں فرمایا: اللہ تعالیٰ کی ایک ایسی بھی فوج ہے (یعنی فرشتے) جس کو نہ گھوڑوں کی حاجت ہوتی ہے نہ اسلحہ کی ضرورت، نہ رسد کی محتاج ہوتی ہے نہ کمک کی منتظر، اللہ تعالےٰ جب چاہتے ہیں اس فوجِ ظفر موج کے ذریعہ سے مسلمانوں کی نصرت فرما کر ظفر مندی کا تاج ان کے سر پر رکھ دیتے ہیں اور اس فوج کے ذریعہ سے نصرت اب بھی ہوتی ہے اور بہت مرتبہ اس کا ظہور ہوا ہے، ابھی تھوڑا ہی عرصہ گذرا کہ لاکھ سے زیادہ تعداد میں ہندوؤں نے ضلع اعظم گڑھ میں مٹھی بھر مسلمانوں پر حملہ کر دیا تھا اور اللہ تعالےٰ نے اس ناگہانی معرکہ میں مسلمانوں کو خاطر خواہ کامیابی عطا فرمائی تھی، بعض لوگوں نے بیان کیا کہ مقابلہ کے

وقت جہاں تک نظر جاتی تھی سبز پوش مسلح مسلمان ہی نظر آتے تھے، یہ سبز پوش لوگ غالباً فرشتے تھے، اللہ تعالٰی نے اپنے فضل و کرم سے ملائکہ کی جماعت کو اپنے خاص بندوں کی حفاظت کے لئے بھیجا اور ان کو صرف کفار پر ظاہر کر دیا، مسلمانوں سے پوشیدہ رکھا تاکہ وہ پوری ہمت سے جد و جہد کو جاری رکھیں اور ان کی شان توکل میں کمی نہ آنے پائے اور پھر آخرت میں اجر جزیل حاصل کریں، اسی سلسلہ میں فرمایا نزولِ ملائکہ کا مدار تقوے پر ہے چنانچہ ارشاد ہے :-

((اِنۡ تَصۡبِرُوۡا وَتَتَّقُوۡا وَيَاۡتُوۡكُمۡ مِّنۡ فَوۡرِهِمۡ هٰذَا يُمۡدِدۡكُمۡ رَبُّكُمۡ بِخَمۡسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الۡمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيۡنَ ○	یعنی اگر تم اے مسلمانو! کفار کے مقابلہ میں استقلال سے کام لوگے اور متقی بنے رہوگے اور وہ تم پر ایک دم ٹوٹ پڑیں گے تو تمہارا پروردگار تمہاری امداد پانچ ہزار خاص وضع کے فرشتوں سے فرمائے گا۔

آج کل لوگوں نے تقوے کو بیکار سمجھ رکھا ہے اور کہتے ہیں کہ تقویٰ اور فتح میں کیا مناسبت؟

تقویٰ فتح و کامرانی کا ذریعہ ہے

فرمایا: اس زمانہ کے نو تعلیم یافتہ لوگ کہتے ہیں کہ دین کو ظاہری ترقی سے کیا تعلق ہے گویا بالفاظِ دیگر دین کی پابندی کو دنیاوی ترقیات میں حائل سمجھتے ہیں ان لوگوں کی اس بے سر و پا بات پر مجھ کو یہ واقعہ یاد آجاتا ہے کہ:

ایک طبیب نے بادشاہ کو امراضِ چشم کے لئے کفِ پا میں مہندی لگانے کو بتایا، اس پر خواجہ سرا صاحب سے صبر نہ ہو سکا اور ناقدانہ انداز میں بولے کہ جناب حکیم صاحب کفِ پا اور چشم میں کیا تعلق ہے؟ طبیب نے فوراً منہ توڑ جواب دیا کہ کفِ پا اور چشم میں وہی تعلق ہے جو خصیتیں اور ڈاڑھی میں ہے یعنی یہ تو تجھے بھی تسلیم بلکہ مشاہدہ ہے کہ اگر خصیے نکال دیئے جائیں تو ڈاڑھی نہیں نکلتی ہے اور اس تعلق کو تو کھلی آنکھوں اپنی ہی ذات میں دیکھ رہا ہے تو کفِ پا و چشم کے تعلق پر کیوں اعتراض و تعجب ہے؟ تو جیسے خواجہ سرا صاحب کی سمجھ میں کفِ پا و چشم کا تعلق نہیں آیا تھا ایسے ہی ہمارے جدید تعلیم یافتہ نوجوان کی سمجھ میں دین

اور ترقی کا تعلق سمجھ میں نہیں آتا، حالانکہ یہ تعلق اس تعلق سے بہت زیادہ ظاہر ہے، صدیوں تک مسلمانوں نے ہی نہیں بلکہ کفار نے بھی مشاہدہ کیا ہے کہ دین کی پابندی نے مسلمانوں پر ہر قسم کی ترقیات کے دروازے کھول دیئے ہیں، ادھر مسلمانوں نے دین کی پابندی چھوڑنا شروع کر دی ادھر ترقی نے مسلمانوں کا ساتھ دینا چھوڑ دیا۔ :: جامع

فرمایا:۔ جو لوگ صرف ظاہری ساز و سامان پر نظر رکھتے ہیں اور کامیابی کا راز اسی میں پوشیدہ جانتے ہیں ان کو غور کرنا چاہیئے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس کون سا لاؤ لشکر اور ساز و سامان تھا اور فرعون جیسے متکبر و عظیم الشان بادشاہ کے پاس کس شے کی کمی تھی لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کارساز حقیقی پر توکل کر کے اس کے ارشاد کے ماتحت فرعون سے مقابلہ کرنے جاتے ہیں اور اپنے ساتھ صرف اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کو لے لیتے ہیں اور ان کو بھی اس خیال سے ساتھ لیتے ہیں کہ وہ فصیح البیان ہیں اچھی شستہ تقریر کریں گے اور میری تائید و تصدیق کریں گے کیونکہ تائید سے دل بڑھتا ہے۔

غرض حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کے مقابلہ کے لئے تنہا تیار ہو گئے، صرف تائید کے لئے حضرت ہارون علیہ السلام کو ساتھ لے کر اس کے بھرے اور پُر شوکت دربار میں پہنچ گئے اور خوب کڑک کر اور بلا جھجک کر گفتگو فرمائی، فرعون کی ہمت نہیں ہوئی کہ ان کو قتل کرا دے یا گرفتار کرا دے یا اور کوئی مقدمہ قائم کرا دے، صرف زبانی گفتگو میں اتنا ضرور کہا:۔

«اِنِّیْ لَاَظُنُّکَ یٰمُوْسٰی مَسْحُوْرًا» یعنی اے موسیٰ میرے خیال میں تو ضرور تم پر کسی نے جادو کر دیا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی ترکی بہ ترکی جواب دیا:۔

«وَاِنِّیْ لَاَظُنُّکَ یٰفِرْعَوْنُ مَثْبُوْرًا» یعنی اے فرعون میرے خیال میں ضرور تیری کمبختی کے دن آ گئے ہیں۔

مگر باوجود اس جواب کے بھی فرعون کو اقدامِ قتل کی ہمت نہ ہوئی اور کیسے ہوتی

اللہ کا وعدہ تھا:-

((وَ نَجۡعَلُ لَکُمَا سُلۡطَانًا فَلَا یَصِلُوۡنَ اِلَیۡکُمَا بِاٰیٰتِنَا اَنۡتُمَا وَ مَنِ اتَّبَعَکُمَا الۡغٰلِبُوۡنَ))

یعنی اے موسیٰ وہارون علیہما السلام ہم تم دونوں کو ایک خاص شوکت عطا کرتے ہیں جس سے تم پر ان لوگوں کو دسترس نہ ہوگی، ہمارے معجزے لے کر جاؤ تم دونوں اور تمہارے پیرو غالب رہیں گے۔

اب غور کیجئے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام میں یہ قوت وشجاعت یہ ہمت وجرأت یہ سطوت کس مادی سامان کی وجہ سے تھی، ان کے پاس توپ وتفنگ نہ تھی، ہوائی جہاز اور تباہ کن گیس نہ تھے، یہ قوت صرف حقانیت اور تعلق مع اللہ کی تھی، یہ تقویٰ بجاآوری احکام خداوندی کا ثمرہ تھا۔

فرعون کی تدابیر، لڑکوں کا قتل وغیرہ سب بیکار ثابت ہوئیں، جب اللہ تعالیٰ نے چاہا تھا کہ موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں سے فرعونی حکومت کے تباہی کے سامان بہم ہوں تو فرعون کی ظاہری قوتیں کیا کام کرسکتی تھیں۔

اسی طرح تقویٰ سے اللہ تعالےٰ کا فضل شاملِ حال ہوتا ہے اور سب مادی و طاغوتی طاقتیں حق تعالیٰ کے سامنے پاش پاش ہو جاتی ہیں، تقوے کی وجہ سے ہر قسم کی فلاح بندہ کو نصیب ہوتی ہے، قوت کی اصل روح تعلق مع اللہ ہی ہے، دیکھئے اگر ضلع کا کلکٹر کسی کا حامی ومددگار ہو تو وہ کس قدر بے خوف اور جری ہو جاتا ہے اور اگر کمشنر سے بھی تعلق ہو تو قوت میں بھی دوچند سہ چند اضافہ ہو جاتا ہے، گورنر وائسرائے اور بادشاہ کے تعلقات کو اسی پر قیاس کرلیجئے اور جس کا تعلق رب العالمین احکم الحاکمین سلطان السلاطین سے ہو اس کی طاقت کا کیا اندازہ ہو سکتا ہے، اب صرف یہ بات رہ گئی کہ تعلق مع اللہ کیسے حاصل ہو، سنئے تعلق مع اللہ، اللہ تعالےٰ کے ظاہری و باطنی احکام پر اخلاص کے ساتھ عمل کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔

ہزیمت

یہ جو کچھ لکھا گیا تھا پریس کو جا رہا تھا کہ دردناک خبر کانوں میں پڑی کہ "مشرقی پاکستان میں ہماری بہادر افواج کو ہتھیار ڈالنے کا حکم دیا گیا ہے اور دوسرے ہی دن مغربی محاذ پر بھی فائر بندی کا حکم دے دیا گیا، إنا للہ و إنا إلیہ راجعون۔ نااہل قیادت کے ناقابلِ برداشت عواقب نے اسلام و مسلمانوں کو رسوا کر دیا، آئندہ شمارے میں اس حسرت ناک موضوع پر اظہارِ خیال کیا جائے گا۔

إذا کان الغراب دلیل قوم　　سیھدیھم طریق الھالکینا

پہلے سات لاکھ کا مرثیہ لکھا اب سات کروڑ کا مرثیہ لکھنا ہوگا۔

ذی قعدہ ۱۳۹۱ھ، جنوری ۱۹۷۲ء

سقوطِ مشرقی پاکستان

هٰذا بصائر من ربکم وھدیً ورحمۃ لقوم یؤمنون (اعراف)

اس کارخانۂ قدرت کی حکمتوں کو کون ہے جو سمجھنے کا دعویٰ کرے، بجز اس ذاتِ حکیم علی الاطلاق کے کوئی بھی یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ یہ کائنات رازہائے سربستہ کا ایک حیرت انگیز گنجینہ ہے جس کے افشاء سے آسمانِ بریں کے ملائکہ اور فرشِ زمین کے انبیاءِ کرام سب ہی عاجز ہیں، (علیہم صلوات اللہ وسلامہ) یہ وہ مقام ہے جہاں افلاطون وارسطو بھی طفلِ مکتب ہیں، یہ وہ مقام ہے جہاں آئن سائن رسل ہنری برگسان کی زبان بھی خاموش ہے، حق تعالیٰ شانہٗ کا ہر وصف ازلی محیر العقول ہے حق تعالےٰ کی صفاتِ کمال اور اسماءِ حسنیٰ میں ایک وصف "صمدیت" ہے جو حق تعالیٰ کی شان بے نیازی کو ظاہر کرتی ہے، وہ بادشاہ ہے، مالک الملک ہے جو چاہے کرے کسی کو مجالِ سوال نہیں، اس کے جلال وعظمت کے سامنے سب سربسجود ہیں اور تمام مخلوقات سرنگوں ہے، قرآنِ کریم میں ارشادِ ربانی ہے:۔

((قُلِ اللّٰهُمَّ مَالِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ	آپ کہیں: یا اللہ مالکِ سلطنت کے تو سلطنت
مَنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاءُ	دے جس کو چاہے اور سلطنت چھین لے جس سے
وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ	چاہے اور عزت دے جس کو چاہے اور ذلیل
بِيَدِكَ الْخَيْرُ إِنَّكَ عَلَىٰ	کرے جس کو چاہے تیرے ہاتھ ہے سب خوبی
كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ)) (۲۶ آل عمران)	بلاشبہ تو ہر چیز پر قادر ہے۔

شیخ فریدالدین عطار رحمہ اللہ نے "منطق الطیر" میں تفصیل کے ساتھ اور "پند نامہ" میں اجمال کے ساتھ حق تعالےٰ شانہٗ کی کبریائی اور بے نیازی کا انتہائی مؤثر نقشہ کھینچا ہے، حضرت موسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام جیسے اولوا العزم رسول وپیغمبر بھی حکیمِ مطلق کی حکمتوں کے سمجھنے سے قاصر رہے اور حضرت خضر علیہ السلام کے تکوینی عجائباتِ قدرت دیکھنے کی تاب نہ لاسکے اور جلد ہی جدائی اختیار کرلی، لیکن ہم سمجھیں یا نہ سمجھیں اتنا ہر ایک مسلمان ضرور سمجھتا ہے اور اس کا عقیدہ وایمان ہے کہ حق تعالیٰ عادل ہے "قائماً بالقسط" ہے

کسی پر ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کرتا جو کچھ مصائب و آلام آتے ہیں انسانی اعمال کا نتیجہ ہوتے ہیں یہ دنیا بھی چھوٹا دار المکافاۃ اور دار الجزاء ہے پوری جزاو سزا تو آخرت و قیامت کی خصوصیت ہے البتہ تنبیہ و تہدید کے طور پر دنیا میں بھی اعمال کی کسی نہ کسی قدر جزاء یا سزا مل جاتی ہے۔

عصرِ حاضر کا سب سے بڑا المیہ

آج کا ہمارا سب سے جانکاہ حادثہ "مشرقی پاکستان" کا سقوط اور مغربی پاکستان کا مجروح ہونا ہے، إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُون. عصرِ حاضر کی تاریخ کا یہ سب سے بڑا المیہ ہے، سلطنتِ عثمانیہ کے زوال کے بعد ایشیا کا سب سے بڑا حادثہ ہے، مسلمانوں کی ایک عظیم مملکت جس کی آبادی ۱۲ کروڑ تھی اور اس میں تمام عالم اسلام کی قیادت کی صلاحیت تھی چند دنوں میں یکایک ۵ کروڑ کی ہو گئی اور اتنی کمزور کہ اس کو اپنی حفاظت بھی مشکل ہو گئی ہے مسلمانوں کی ایک عظیم ترین صالح قوم ایک سفاک بے رحم ہندو جیسی رسوائے عالم طاقت کے اقتدار میں آگئی، ہماری ہزاروں مسجدیں، ہزاروں مدرسے اور خانقاہیں اور سیکڑوں ادارے اور جمعیتیں وحشی درندوں کے ہاتھوں برباد ہو گئیں، ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں جانیں بدترین بربریت کی شکار ہو گئیں، ہزاروں ناموس لٹ گئے، ہزاروں مسلمانوں کی معصوم عورتیں درندوں اور بہائم کے ہاتھ آگئیں، ایک لاکھ کے قریب قابلِ فخر نوجوان مجاہدین ایک ذلیل قوم کے ہاتھ جنگی قیدی بن کر طرح طرح کے روح فرسا آلام کے شکار ہو رہے ہیں، ہماری اربوں کی جائیداد اور فیکٹریاں، ملیں، کارخانے ہندو قوم کے ہاتھ آگئے ہمارا کروڑوں اربوں روپے کا اسلحہ ٹینک توپیں اور گولہ بارود اور راشن کفار کے ہاتھوں میں چلے گئے اور ہماری جان باز و جان نثار بے نظیر بہادر فوج ایسی حالت میں ہے کہ زخموں سے کراہ رہی ہے اور دنیا کی کوئی قوم ان کی مرہم پٹی کرنے سے بھی عاجز ہے اور ہم ریڈیو اور ٹی وی پر اپیل کرتے کرتے تھک گئے "لیکن صدائے برنخاست" کسی کے کانوں پر جوں تک نہیں رینگتی، وہ دردناک اور حسرت ناک ذلت نصیب ہوئی ہے جس کے تصور سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں کہاں تک مرثیہ خوانی کی جائے، عیاں را چہ بیان، تمام

حالات سامنے ہیں اگر وحی آسمانی کا سلسلہ بند نہ ہوتا اور نبوت ختم نہ ہوتی اور قرآن نازل ہوتا تو عبرت کی یہ داستان بھی ضرور سنتے کہ یہ کیوں اور کیسے ہوا؟ اصل حقیقت تو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے لیکن انسانیت کی جو تاریخ ہمارے سامنے ہے وحیِ ربانی کے جو عبرت انگیز حقائق روزانہ پڑھتے ہیں قوموں کے عروج وزوال کی بصیرت افروز، عبرتناک جو داستانیں قرآنِ کریم نے نہایت مؤثر پیرائے میں بار بار بیان فرمائی ہیں ان کی روشنی میں جو کچھ ایک مسلمان سمجھ سکتا ہے اس کا خلاصہ حسبِ ذیل ہے :-

سقوطِ مشرقی پاکستان کے اسباب

۱۔ سلطنتِ مغلیہ کے زوال اور برطانیہ کے تسلط کے بعد متحدہ ہندوستان میں اسلامی سلطنت سے محرومی کے بعد خصوصاً ۱۸۵۷ء عیسوی کی جنگِ آزادی کے بعد تدبیریں اور کوششیں شروع ہوئیں، ہندوستان کے باشندے بھی کوششوں میں مصروف ہوئے اور برسرِ اقتدار طاقت نے بھی ان کو کمزور کرنے میں کوئی کسر باقی نہ رکھی، آخر میں متحدہ ہندوستان میں کانگریس اور لیگ کی بنیاد پڑ گئی اور ہندو مسلم تعلقات کی شدید ناہمواری کی وجہ سے "پاکستان" کا مطالبہ کیا گیا، برسرِ اقتدار طاقت دوسری جنگِ عظیم کی تباہ کاریوں کی وجہ سے تباہ و برباد ہو رہی تھی، بمجبوری یہ "سونے کی چڑیا" ہاتھ سے نکالنی پڑی تو انگلستان کی پوری طاقت برطانیہ کی حفاظت میں لگا دی گئی خود مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنے کے لئے جہاں مختلف وسائل برطانیہ نے اختیار کئے تھے وہاں ان کو مرتد و کافر بنانے میں بھی کوئی کسر باقی نہ اٹھا رکھی اس مقصد کے لئے مرزائیت کا پودہ پہلے ہی کاشت کر چکے تھے اور رفض و تشیع کو بھی پروان چڑھا چکے تھے۔

۲۔ ملک کی تقسیم کی بنیاد صوبائی اکثریت پر رکھی گئی تھی لیکن جاتے جاتے بدخواہ برطانوی اقتدار نے ایک اور شوشہ چھوڑا، ضلعوں میں ہندو مسلم تناسب سے صوبوں کی تقسیم کرا دی، بنگال سے مغربی بنگال علیحدہ کر دیا اور پنجاب سے مشرقی پنجاب الگ کر دیا اور اس طرح ایک مستقل شقاق و افتراق کی بنیاد ڈال دی۔

۳۔ مسلم لیگ نے اس ظلم کو برداشت کر لیا اور اس پر ڈٹ کر مقابلہ نہیں کیا، کچھ بھی

قربانی نہیں دی ورنہ یہ غیر معقول صورت حال وقوع میں نہ آتی۔

۴۔ جب بنگال و پنجاب کی تقسیم کی بھڑی تو پھر بہت بہتر تھا کہ مشرقی بنگال کو چھوڑ کر مشرقی پنجاب لینے پر زور دیتی، بعض اربابِ سیاست نے نواب اسمٰعیل خاں صاحب کو سمجھایا بھی کہ اربابِ لیگ اس کو تسلیم کر لیں لیکن صد افسوس کہ ایسا نہیں کیا۔

۵۔ پھر تقسیم پنجاب اور بنگال کی حدود قائم کرتے وقت "بونڈری کمیشن" نے انتہائی ظلم کیا اور ہندو کی کھلی طرف داری کی، اربابِ لیگ نے جانتے ہوئے بھی اس کو بھی برداشت کر لیا۔

۶۔ ریاست کشمیر کو تدبیر کے ساتھ اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کرتے اس کے بجائے قبائلی حضرات کو ترغیبِ جہاد کے نام سے کھڑا کیا، غیر تربیت یافتہ غیر سنجیدہ افراد کے کارناموں نے اسلام اور مسلمانوں کی آبرو کو خاک میں ملا دیا، جب پاکستان سے احتجاج کیا گیا تو پاکستان نے اپنی لاعلمی اور برأت کا اظہار کیا، کشمیر کی ہندو حکومت نے ہندوستان سے امداد طلب کی اور "الحاق" کے شرط پر آمادہ ہو گئی، کشمیر نے ہندوستان سے الحاق کر لیا، اب ہندوستانی فوج نے ہوائی فوج اور توپوں اور ٹینکوں کی فوج سے حملہ آوروں کا مقابلہ کیا، پاکستان نے برأت کا اظہار پہلے ہی کر دیا تھا، بندوقوں اور رائفلوں سے طیاروں کا مقابلہ ناممکن تھا، ادھر پاکستانی افواج کو جو امداد کرنی چاہیئے تھی وہ نہ کر سکیں آخر کشمیر کو ہندو کے قبضے میں دے دیا، ہندوؤں نے پٹھان کوٹ کے راستہ سڑک نکال کر قبضہ مستحکم کر لیا اور بھارت کا جزو بنا لیا۔

۷۔ بنگال کی اسلامی تربیت کے بجائے غیر اسلامی تربیت کی کوشش کی گئی، عریانی اور فواحش، رقص و سرود کی ترویج میں انتہائی کوشش صرف کی گئی، ہندو نصاب اسکولوں کالجوں میں بڑھایا گیا، ۹۰ فیصد ہندو ٹیچرز تھے، تعلیم کے راستہ سے بنگلہ دیش کی تخم ریزی کی گئی۔

۸۔ بنگلہ دیش کی جڑیں مستحکم ہو گئیں، غیر بنگالی مسلمانوں کو جن کی صحیح تعداد، لاکھ بتلائی جاتی ہے، انتہائی سفاکی اور درندگی کا ایسا نشانہ بنایا گیا کہ چنگیزی مظالم کی داستان بھی اس کے سامنے ماند پڑ گئی اور عوامی لیگ برسرِ اقتدار آ گئی جس کا نعرہ بنگلہ دیش تھا، اور مجیب کے ۶ نکات پر اس کا مدار تھا۔

۹۔ مجیب و یحییٰ کی گفتگو میں تمام باتیں طے ہو گئی تھیں، صرف دفاع اور باہر کی کرنسی کا

مسئلہ طے نہ ہو سکا تھا جب کہ ہمارا ہوائی بحری برّی راستے ہندوستان کے قبضہ میں جا چکے تھے اور مستقل مقابلہ ہمارے لئے بے حد مشکل تھا، عواقب پر غور کر کے کتنا بہتر ہوتا کہ ان کو اختیارات سونپ دیتے اور متحدہ پاکستان سے رابطہ رہتا تو یہ روز بد نہ دیکھنا پڑتا۔

۱۰۔ مارشل لار کی حکومتیں یکے بعد دیگرے قائم ہوتی رہیں عوام کی نمائندہ حکومت قائم نہیں کی گئی اس طرح فوجی ذہن سے معاملات سلجھانے کی کوشش کی گئی، اس پر مستزاد یہ کہ غالباً اعداءِ اسلام کا آلہ کار بن کر تاریخی غداری جو اس قوم کا پیشہ تھا اس کو بروئے کار لاکر اسلام کے وقار کو تباہ و برباد کیا گیا، مسلمانوں کو قعرِ مذلت میں دفن کر دیا گیا پاکستان کو لنگڑا لولا بنا کر دشمنانِ اسلام کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا گیا اور رونے کی بات یہ ہے کہ جن دشمنِ اسلام طاقتوں نے یہ سب کچھ کرایا صبح و شام ریڈیو و اخبارات میں ان کا شکریہ ادا کیا جاتا ہے، مدحیہ قصیدے پڑھے جاتے ہیں۔

اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کی سزا

یہ دس نکات ہیں جو پاکستان کی تباہی میں مؤثر ہیں اور ان سب باتوں کا خلاصہ یہ نکلتا ہے کہ پاکستان کا مطالبہ اس لئے کیا گیا تھا یا عوام کو یہ سمجھایا گیا تھا کہ حق تعالےٰ کے قانون کی بالادستی ہوگی، اسلامی قانون نافذ ہوگا کتاب و سنت پر دستور و آئین بنایا جائے گا اسلامی اخوت و اسلامی عدل کا مظاہرہ ہوگا اور اسلامی سایۂ معدلت و رحمت میں مسلمان قوم اطمینان کا سانس لے گی، حق تعالےٰ نے قرآن میں صاف صاف اعلان فرما دیا ہے کہ اسلامی حکمرانوں کو اقتدار حاصل کرنے کے بعد اقامتِ صلاۃ، ایتاءِ زکاۃ، امر بالمعروف، نہی عن المنکر کا منصب سپرد ہوتا ہے اور آخر میں فرمایا گیا (وللہ عاقبۃ الامور) کہ آخرکار انجام حق تعالےٰ کے قبضۂ قدرت میں ہے یعنی اشارہ کیا گیا ہے کہ اگر ان فرائضِ منصبی میں کوتاہی کریں گے تو یہ نعمت ان سے چھین لی جائے گی۔

اللہ تعالےٰ نے پاکستان کی نعمت عطا فرمائی لیکن جو کچھ اس نعمت کا شکریہ ادا کیا وہ ظاہر ہے درمیان میں ۶۵ء میں حق تعالےٰ نے دوبارہ پاکستان کو نشأت ثانیہ عطا فرمائی لیکن پھر ہم کو تنبہ نہیں ہوا، مزید تباہی و بربادی میں منہمک ہو گئے آخر ایک بڑا حصہ چھین لیا

گیا اور ایک حصّہ جو باقی ہے اگر آج اس پر اسلامی حکومت قائم نہیں ہوتی تو "خاکم بدہن" ایک ہی دھکے" میں باقی ماندہ حصّہ بھی حصّے بخرے کر کے لے لیا جائے گا جس کا نقشہ اعدائے اسلام نے تیار کر لیا ہے اور رہا سہا کچھ تھوڑا سا ٹکڑا بچا یا بھی گیا تو اس میں انہی اعداء اسلام کی کٹھ پتلی حکومت قائم کی جائے گی اور اسلام کے اساسی مسائل ختم نبوت جہاد حج وغیرہ وغیرہ سب کے سب ختم کر دیئے جائیں گے اور جدید اسلام کا ایڈیشن تیار کیا جائے گا بشرطیکہ خارجی سیاسی مصلحت کا تقاضا برائے نام ایک اسلامی ریاست قائم رکھنے کا ہوا، ورنہ ظاہر ہے، بہرحال اب کہنا یہ ہے کہ موجودہ حکومت کا دعویٰ ہے کہ یہ عوامی حکومت ہے اور سابقہ حکومتیں مارشل لاء کی حکومتیں تھیں فوجی طاقت سے تمام کام انجام پذیر ہوتے رہے اب عوام کی مرضی کی حکومت قائم ہوئی ہے اور عوام کی نمائندہ حکومت پاکستان میں پہلی مرتبہ وجود میں آئی ہے اب اس دعویٰ کی تصدیق کا وقت آگیا اور امتحان کی کسوٹی پر پرکھنے کا وقت آگیا ہے۔

تمام اسلامی جماعتیں، سیاسی یا غیر سیاسی، کتاب وسنت پر متفق ہیں اور تمام عوام کا مطالبہ بھی یہی ہے، اس لئے اب حکومت کا فرض ہے کہ وہ جلد سے جلد نمائندہ اسمبلی کے ذریعہ اسلامی آئین کتاب وسنت کی روشنی میں تیار کروائیں اور اپنی مرضی کا آئین قوم پر مسلط نہ کریں، پاکستان کی بنیاد اسلام ہے اور اسلام کی بنیاد کتاب وسنت پر ہے اس لئے بغیر کسی قسم کے چوں وچرا کے جلد سے جلد اس اسلامی "عوامی مطالبے" کو پورا کر دیا جائے اور اس طرح "سابقہ دعویٰ" کی تصدیق مہیا کی جائے، اس طرح تمام سابقہ حکومتوں کی بے راہ روی کا تدارک بھی ہو جائے گا اور حکومت کو "عملی توبہ" کا موقع بھی مل جائے گا اور قوم کی دیرینہ آرزو بھی پوری ہو جائے گی اور پاکستان کے وجود کا اصلی منشاء بھی پورا ہو جائے گا اور کچھ بعید نہیں کہ اسلامی آئین اور اسلامی زندگی کی برکات بھی نازل ہوں اور جو تباہی وبربادی ہو گئی اس کی مکافات ہو جائے اور پھر ہم وہاں پہنچ جائیں جہاں تھے ورنہ ہنود ویہود کی سازشیں تمام دنیائے اسلام کو ہلاکت کے گڑھے میں ڈال کر رہیں گی۔

حکومتِ وقت سے التجا

خدارا اس قوم اور اس ملک پر رحم کرو جتنی تباہی وبربادی آچکی ہے اور یہ روز بد دیکھنا

پڑا ہے اس سے بچنے کی مؤثر تدبیریں اختیار کرو اسباب کی فراہمی میں کوتاہی نہ کرو، حق تعالیٰ کی ذات پر اعتماد کرو، اعداءِ اسلام سے خیر کی توقع نہ رکھو، اقتدار کی کرسی تمہیں مبارک ہو، ہمیں اپنی "بوریہ نشینی" پر فخر ہے، پاکستان کو صحیح پاکستان اسم بامسمیٰ بنانے کی کوشش کرو، عوام کو مطمئن کرو، دین و دنیا دونوں کی وجاہت حاصل کرو اور سابقہ سربراہوں سکندر مرزا سے لے کر یحییٰ تک کا جو انجام ہوا اس سے عبرت حاصل کرو۔

إِنَّ فِي قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِأُولِي الْأَلْبَابِ

ذوالحجہ ۱۳۹۱ھ، فروری ۱۹۷۲ء

اخبارات وجرائد وصحافت اور قوم وملت

موجودہ دور، دینی اور اخلاقی ہر اعتبار سے انتہائی پُر آشوب دور ہے، اعتقادی، عملی اور اخلاقی نو بنو فتنوں کا ہجوم ہے، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ قلوب سے خوفِ خدا ختم ہوگیا آخرت کا تصور نکل گیا ہے، اب محاسبۂ اعمال اور مسئولیتِ آخرت کا عقیدہ مسلمانوں میں برائے نام رہ گیا ہے، مال کی فراوانی، دولت کی طغیانی اور زیادہ سے زیادہ کسبِ دولت کے جنون نے حلال وحرام کی تمیز بالکل ختم کردی ہے، اہلِ حق اور اہلِ علم کے قلوب میں بھی فتنوں کی کثرت نے حسد ورقابت اور حبِ جاہ ووجاہت کے گوناگوں امراض پیدا کر دیئے ہیں إلا ما شاء الله

؎ چو کُل بسیار شُد پیلان بلغزند

اخلاص عنقا ہوتا جارہا ہے مادی اغراض کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا جارہا ہے۔

ان فتنوں میں آج کل سب سے بڑا فتنہ اخبارات وجرائد اور صحافت کا فتنہ ہے، معاشرے کی تباہی وبربادی میں اس کا بہت بڑا حصّہ ہے، ریڈیو، ٹیلیویژن، نائٹ کلبوں اور رقص وسرود کی محفلوں سے زیادہ معاشرے کو یہ صحافت برباد کر رہی ہے اور مصیبت یہ ہے کہ اخبارات کو موجودہ تمدن میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت حاصل ہوگئی ہے، اگر اسی کی اصلاح ہوجاتی تو معاشرے کی اصلاح کا مؤثر راستہ کھل جاتا لیکن کیا کہا جائے، یہی صحافت آج معاشرہ کی تباہی وبربادی کا ذریعہ بن رہی ہے آج کل اہلِ حق کے درمیان بھی جو خلیج زیادہ سے زیادہ وسیع ہوتی جارہی ہے، اس کا منشاء بھی یہی صحافت ہے اسی لئے حدیثِ نبوی علی صاحبہ الصلاۃ والسلام میں قیامت کی علامات میں سے ایک علامت یہ بیان کی گئی ہے ویفشوا الکذب۔ جھوٹ خوب عام ہوجائے گا۔ آج سیاسی پلیٹ فارم ریڈیو اور اخبارات کے ذریعہ اس جھوٹ کے عموم کے وہ حیرت انگیز مظاہر سامنے آرہے ہیں کہ عقل حیران ہے پھر آن کی آن میں تمام عالم کے گوشے گوشے میں یہ جھوٹ پہنچ جاتا ہے، کچھ پہلے تک تو اسٹیج ہی اس جھوٹ کا ممبر تھا لیکن آج کل پریس کانفرنسوں کی جو عام وبا پھیل گئی ہے اس نے تو اس صحافتی جھوٹ کو انتہا تک پہنچا دیا اور جو کچھ کسر باقی رہ گئی تھی وہ اخبارات وجرائد ومجلات کے نمائندگان کے "انٹرویوں" نے پوری کردی ایسے ہی مواقع کے لئے وحیِ آسمانی کی ہدایت ہے:۔

((یا أیها الذین آمنوا إن جاءکم فاسق بنبأ فتبینوا أن تصیبوا قوماً بجهالة فتصبحوا علی ما فعلتم نادمین)) — اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق (دروغ گو) تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو اچھی طرح چھان بین کر لیا کرو کہیں تم کسی جماعت کو نادانی میں کوئی نقصان پہنچا بیٹھو اور پھر اپنے کئے پر نادم ہونا پڑے۔

آج بیشتر اختلافات و مشاجرات اور فسادِ ذات البین (باہمی تعلقات کی تباہی) کا اصلی سبب اس قرآنی ہدایت سے غفلت و اعراض ہی بنا ہوا ہے۔

منشور جمعیۃ علماءِ اسلام اور لیبر یونین

مقام مسرت ہے کہ جمعیت علماءِ اسلام کے منشور کو جس کا خلاصہ اور بنیادی نکات کا ذکر سابقہ شمارہ "بینات" میں آگیا تھا لیبر پارٹی کے کنوینر نے قبول کر لیا اور ان کے اجلاسِ شوریٰ نے اس کی توثیق کر دی ہے اور کہا ہے کہ:

"جمعیت علماءِ اسلام کے منشور کو ہماری مجلسِ شوریٰ نے پسند کیا ہے بلکہ اس سے اتفاق کیا ہے۔"

لیکن ضرورت ہے کہ اس سے بھی زیادہ وضاحت کے ساتھ اعلان کیا جائے کہ "علماء کی رہنمائی میں ہم اسی منشور پر عمل کریں گے اور اس کے علاوہ اور کوئی منشور پیش ہی نہیں کریں گے۔ اگر یہ صراحت ہو جائے تو تمام خطرات و وساوس کے راستے بند ہو جائیں گے اور تہمت و بدگمانی کا سلسلہ ختم ہو جائے گا، بہر حال اہلِ حق کے اختلاف نے جو پریشان کن صورت اختیار کر رکھی ہے وہ اب ختم ہو جانی چاہیئے، بادلِ ناخواستہ دو تین شماروں میں اس موضوع پر کچھ کہنا پڑا جس کا منشأ یہ تھا کہ جن چند اصحاب پر محاکمہ (ثالثی) کا بار ڈالا گیا تھا اور ایک معاہدہ ہو گیا تھا ان میں راقم الحروف بھی شامل تھا اگرچہ آج کل زمانہ معاہدات کے احترام کا نہیں اور خدا ناشناس اربابِ اقتدار تو اس پر فخر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ معاہدات توڑنے کے لئے تو ہوتے ہی ہیں لیکن ظاہر ہے کہ یہ غیر اسلامی نظریہ ہے اسلام تو ایفاءِ عقود و ایفاءِ عہود کی پُرزور دعوت دیتا ہے اسلام ہی وہ آسمانی دین ہے جو سب سے زیادہ معاہدات کا احترام کرتا ہے، اسلام تو کفار اور اعداءِ اسلام کے ساتھ کئے ہوئے معاہدات کا بھی احترام کرتا ہے

اور اتمامِ عہود کا حکم دیتا ہے کون نہیں جانتا کہ قرآنِ حکیم نے ایفاءِ عہود پر کتنا زور دیا ہے اور احادیثِ نبویہ میں عہد شکنی منافقین کی امتیازی عادت بتلائی گئی ہے بہرحال آج ہم اس موضوع کو ان اشارات پر ختم کرتے ہیں، حق تعالےٰ توفیق عطا فرمائے کہ علماءِ امت متحد ہو کر تمام باطل ازموں کے خلاف متفقہ آواز اٹھائیں خواہ وہ سوشلزم ہو یا کمیونزم ہو یا کیپٹل ازم ہو اور یہ تمام کوششیں ایک مرکزی نقطہ "اسلامی نظام" پر جمع اور متحد ہو جائیں اور جو سیلاب لایا جا رہا ہے حق تعالےٰ اس کے لئے ان متحدہ مساعی کو سدِّ ذو القرنین بنا دے، دنیا میں اہلِ حق کا اتفاق ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی رحمت رہا ہے اور ان کا اختلاف سب سے بڑا عذابِ الٰہی رہا ہے، لیکن موجودہ پُر آشوب عہد میں جتنی اتفاق کی ضرورت ہے مسلمانوں کی تاریخ کے کسی دور میں بھی اتفاق و اتحاد کی اتنی اہمیت نہ ہو گی، نئی نسل کا تعلق اسلام سے برائے نام رہ گیا ہے، نفسانی اہواء (خواہشات) کا تسلط انتہا کو پہنچ گیا ہے اس لئے علماء کا ذرا سا اختلاف بھی اسلام کے بدنامی کا باعث ہے، جنگِ جمل اور جنگِ صفین میں ہزاروں مہاجرین و انصار شہید ہو گئے لیکن پھر بھی اسلام باقی رہا، قلوب میں ایمان و اسلام راسخ تھا اس لئے خانہ جنگی کے ان طوفانوں سے بھی اسلام کی بنیاد نہ ہل سکی لیکن آج کی صورتِ حال بالکل مختلف ہے اہلِ حق کا ذرا سا اختلاف بھی اسلام سے انحراف کا ذریعہ بن سکتا ہے، امید ہے کہ ان حقائق پر غور کیا جائے گا واللہ سُبحانہٗ وَلِیُّ التوفیق

پاکستان اور نظامِ تعلیم

نہ معلوم وزارتِ تعلیم تعلیمی پالیسی کے نافذ کرنے میں اب تک کیوں تأمل کر رہی ہے، سرکاری اسکولوں اور کالجوں میں جلد از جلد جدید تعلیمی پالیسی کو نافذ کر دینے کی ضرورت ہے مگر مفکرین کی طرف سے پیش شدہ ترمیمات کی روشنی میں قدم اٹھانے کی ضرورت ہے ملک کی اندرونی اصلاحات اور صحیح معنی میں زندہ اور جاندار قوم کی تخلیق اور معاشرے کی اصلاح بغیر صحیح تعلیم کے ناممکن ہے اور اسلامی خطوط پر مسلمان نسل کی تربیت بغیر اسلامی تعلیمات کے ناممکن ہے، حقیقی معنی میں پاکستان اور اس عظیم اسلامی مملکت کے خواب کی تعبیر اسی وقت پوری ہو سکے گی کہ ہمارے جدید نظامِ تعلیم کا تانا بانا اسلامی تعلیمات کے پیمانہ پر بنا ہوا ہو، اسلامی تعلیم و تربیت ہی سے اسلامی اخلاق پیدا ہوں گے، ظلم و عدوان بے حیائی و عریانی، رشوت و بے انصافی وغیرہ جن برائیوں نے ہماری

قوم کی جڑیں کاٹ کر رکھ دی ہیں ان سب کی اصلاح صحیح اسلامی تربیت اور اسلامی ماحول سے ہی ہو سکتی ہے، قومی ڈھانچہ کی اصلاح کے لئے تعلیمی نظام ہی روحِ رواں ہوتا ہے اگر یہ نظام صحیح ہو جائے تو تمام اجتماعی نظام صحیح ہو جائے گا اسی لئے چھوٹی چھوٹی حکومتیں بھی جیسے افغانستان وعراق ومصر تعلیم وتربیت پر ہی اپنے میزانیہ کا اکثر حصہ خرچ کرتی ہیں تمام عالمِ اسلام میں صرف پاکستان ہی بدنصیب ملک ہے جہاں نظامِ تعلیم اب تک حکومت کی صحیح نگرانی، سرپرستی اور خسروانہ کرم سے محروم ہے اللہ تعالیٰ اس ملک پر رحم فرمائے اور حکمرانوں کو صحیح خدمتِ خلق کی توفیق نصیب فرمائے۔

عالمِ عرب اور اسرائیل

یہ معلوم کر کے اطمینان ہوا کہ تیرہ عرب ممالک اس پر متفق ہو گئے ہیں کہ اسرائیل سے جنگ کئے بغیر چارۂ کار نہیں اور ۲۰ دسمبر کو رباط میں سربراہوں کی کانفرنس میں آخری فیصلہ کریں گے، خدا کرے یہ خواب جلد شرمندۂ تعبیر ہو جائے بلاشبہ اس مصیبت کا آخری علاج متفقہ اعلانِ جہاد ہے، درحقیقت یہ اسرائیل ویہود سے مقابلہ نہیں بلکہ یہ دنیا کی سب سے بڑی طاقت امریکہ سے مقابلہ ہے یہ جو کچھ ہو رہا ہے یا کیا جا رہا ہے درپردہ امریکہ ہی کرا رہا ہے اگر عرب ممالک اب بھی خوابِ غفلت سے بیدار نہیں ہوتے اور محض رضاءِ الٰہی کے لئے اور استخلاصِ قدس کی نیت سے جہاد نہیں کرتے اور بجائے روس وامریکہ کے حق تعالیٰ کی ذات پر توکل واعتماد نہیں کرتے تو وہ عبرتناک ذلت کے لئے تیار رہیں، انتہائی ضرورت اس کی ہے کہ بعض عربی ممالک کی بے حساب فراوانیٔ دولت نے تو عیش پرستی وراحت کوشی کی وبا پھیلا ہی رکھی ہے لیکن بعض دوسرے عربی ممالک میں بھی باوجود

لے مگر یہ اسی وقت ممکن ہے جبکہ اسلامی تعلیم واقعی اسلامی تعلیم ہو ان مسلمان مؤلفین ومصنفین کی کتابیں داخلِ نصاب کی جائیں جن کے ذہن وفکر استشراقی ذہنیت اور یورپین اقوام کی ذہنی وفکری غلامی اور مرعوبیت کے زہریلے اثرات سے پاک وصاف خالص اسلامی ہوں اگرچہ اب تک ہو یہی رہا ہے کہ شہرہ آفاق دشمنانِ اسلام مستشرقین کی تصانیف اسلامیات اور ایم اے عربی کے نصابوں میں داخل کی جاتی ہیں گذشتہ مہینہ میں ایک انگریز مصنف کی کتاب "آدمیت کی کہانی" مصنفہ "ہنڈرک واں لوں" کو جامعہ اسلامیہ بہاولپور کے نصابِ تخصص میں داخل کرنے پر ہم احتجاج کر چکے ہیں، آج ہمارے پاس فلپ حتّی کی "تاریخ عرب" کے اقتباسات آئے ہیں آئندہ ماہ ہم انشاء اللہ اس کتاب پر مفصل اور مدلل اظہارِ رائے کریں گے۔

وسائلِ معیشت کی قلت کے تعیش و ترفّہ میں مسابقت جاری ہے، یک قلم اس تعیش و ترفہ کی زندگی کو ختم کر دیا جائے اور ظاہر ہے کہ یہ روح اور یہ قوت صرف اسلامی نظام سے ہی پیدا ہو سکتی ہے اسلامی اخوت و اتحاد سے ہی اسلامی عظمت و وقار پیدا ہو سکتا ہے، قومیت یا وطنیت میں یہ روح اور یہ قوت کہاں؟ آج جو کچھ ہو رہا ہے اگر غور کیا جائے تو ہماری زندگی اس آیتِ کریمہ کا مصداق ہے:-

"تحسبھم جمیعًا وقلوبھم شتّٰی" تم گمان کرتے ہو کہ وہ متحد ہیں حالانکہ ان سب کے دل مختلف ہیں

بہر حال اتحاد کا سرچشمہ اسلامی رابطہ ہی ہے توکل و اعتماد کا مرکز و منبع حق تعالیٰ کی ذات ہی ہے اگرچہ عالمِ اسباب میں بھی اپنے مقدور کے مطابق اسباب و وسائل کی فراہمی میں کوتاہی نہ کی جائے، مسلمانوں کو فتح کبھی سامان کی کثرت اور عددی اکثریت سے حاصل نہیں ہوئی بلکہ زیادہ تر فتوحات بے سروسامانی میں ہی میسر آئی ہیں اسلامی تاریخ دنیا کے سامنے ہے:-

"ذٰلک بأن اللہ مولی الذین آمنوا یہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کا مددگار ہے
وأن الکافرین لا مولی لھم" اور کافروں کا مددگار کوئی نہیں ہے۔

اللّٰھم انصر الإسلام والمسلمین وأنجز وعدک وکان حقًا علینا نصر المومنین"
وصلی اللہ علٰی سیدنا محمد وآلہ وصحبہ اجمعین۔

حکومتِ پاکستان اور سعودی عرب کو حج کے سلسلہ میں چند تجاویز و مشورے

"حجِ بیت اللہ" عظیم اسلامی فریضہ ہے اس کی اہمیت دینی اخلاقی، سیاسی ہر حیثیت سے واضح و مسلم ہے لیکن افسوس کہ پاکستان کی اسلامی حکومت اس فریضہ کی جانب سے جتنی غفلت برت رہی ہے وہ حیرت انگیز ہے اور اب تک کوئی ایسی ٹھوس توجہ نہیں کر رہی جس سے گوناگوں مشکلات رفع ہوں اور مخلوقِ خدا مطمئن ہو اور اپنی حکومت کی ممنون بھی ہو اور بارگاہِ قدس میں اپنی حکومت کے لئے دست بدعا بھی ہو۔

بارگاہِ قدس کا یہ مسافر طرح طرح کی مشکلات سے دوچار ہے لیکن صدمے کی بات ہے کہ نہ صرف یہ کہ سابقہ مصیبتوں کو ختم نہیں کیا جاتا بلکہ روز بروز مصیبتوں میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے اور اس

برمستزاد یہ کہ حکومتِ سعودیہ بھی ہر سال نئے نئے ضوابط جاری کر کے حجاجِ کرام کی مشکلات میں اضافہ کرتی جاتی ہے اس لئے اپنی حکومت سے مطالبے بھی ناگزیر ہیں اور سعودی حکومت سے استدعا بھی۔

حکومت سے براہِ راست اور بذریعہ اخبارات حسبِ ذیل چند مطالبات کئے گئے تھے:۔

(۱) کہ ماہ رمضان المبارک سے پہلے حجاج کے ماہِ صیام میں ہی سرزمینِ حرم میں پہنچنے کے لئے جہازوں کا انتظام کیا جائے۔

(۲) حج بدل کا علیحدہ کوٹہ رکھا جائے۔

(۳) بونس ووچر کا سلسلہ ختم کیا جائے اس کی شرعی حیثیت مشتبہ ہے، فریضۂ حج کی ادائیگی کے لئے اس کی پابندی غیر اسلامی ہے۔

(۴) حجاج کرام کے کوٹہ میں اضافہ کیا جائے۔

خدا کا شکر ہے کہ اگرچہ یہ آواز صدا بصحرا ثابت نہیں ہوئی اور پہلی اور دوسری بات قبول کر لی گئی لیکن ماہِ رمضان میں سفر کے لئے جہاز اتنا چھوٹا تجویز کیا گیا جس سے تشفی نہ ہو سکی پورے مغربی پاکستان سے ساڑھے چودہ ہزار درخواستیں موصول ہوئیں جبکہ نشستیں بمشکل تمام صرف (۱۳۰۰) تھیں، ضرورت تھی کہ ایک جہاز کا اور انتظام کیا جاتا خدا کرے کہ آئندہ کے لئے حکومت کو خاطر خواہ توجہ کرنا نصیب ہو۔ بونس ووچر کی لعنت ختم کرنے کی بے حد ضرورت ہے اگر خواہ مخواہ رکھنا ہی ہے تو تمام حجاج کے لئے فی کس ایک ہزار زر مبادلہ دینے کے بعد جو کوئی زائد رقم لینا چاہے تو اس کو بونس ووچر کے ذریعہ دی جائے تقریباً پونے دو کروڑ روپیہ پاکستانی حجاج کرام کا زر مبادلہ ہوتا ہے جس میں تقریباً آدھی رقم کی مقدار میں حکومت کو یہ بار اٹھانا پڑتا ہے اس لئے کہ سعودی حکومت کو اس کے عوض جو سونا دینا پڑتا ہے وہ وہاں کے نرخ سے دینا پڑتا ہے لیکن سمجھ میں نہیں آتا کہ جبکہ حکومت کے میزانیہ کا کروڑوں روپیہ ملکی و سیاسی اغراض کے لئے خرچ کیا جاتا ہے تو کیا مسلمانانِ پاکستان کو اس اہم دینی فریضہ کو ادا کرنے اور سیاسی اعتبار سے ان کو مطمئن کرنے کے لئے دو تین لاکھ روپیہ بھی صرف نہیں کیا جا سکتا؟

بہر حال اسی قوم سے وصول کر کے تو یہ میزانیہ پورا کیا جاتا ہے اور نہ معلوم کس کس طرح بے جا اسراف و تبذیر میں خرچ ہوتا ہے اللہ تعالےٰ اربابِ اقتدار کو صحیح فہم نصیب فرمائے تاکہ وہ مسلمانوں کے قلوب کو مطمئن کرنے کے لئے صحیح اقدامات کر سکیں۔

اسی طرح اللہ جل شانہٗ سے دعا ہے کہ وہ مملکتِ سعودیہ کے اربابِ اقتدار کو بھی توفیق نصیب فرمائیں کہ وہ بھی حجاجِ کرام کے مشکلات پر اسلامی نقطۂ نگاہ سے غور فرما کر بے معنی ضابطوں کی جکڑ بندیاں ختم کر دیں اور ویزوں کے ضابطوں میں حرمین شریفین میں اقامت اور ہجرت کے قواعد میں زیادہ سے زیادہ آسانیاں پیدا کریں، نیز قومیت وطنیت کی اندھی پیروی اور جدید یورپ کی تقلید میں جو روز بروز نئی نئی پابندیاں بڑھائی جا رہی ہیں ان کو ختم کر دیں تاکہ سعودی حکومت کا عالمِ اسلام سے صحیح معنی میں اسلامی رابطہ قائم ہو اور عالمگیر اسلامی اخوت کا عملی ثبوت منظرِ عام پر آ جائے۔

عملی زندگی میں تو کٹر قومیت اور وطنیت کار فرما ہو اور زبان پر اسلامی اخوت کا نعرہ ہو، اس سے کیا فائدہ، مسلمان اتنے بے وقوف نہیں ہیں۔

اگر سفارت خانے والے کسی حاجی کو اس کی آسانی کے پیشِ نظر عمرہ و زیارت اور حج کے لئے اقامت کا ویزہ دے بھی دیتے ہیں تو اگر کسی بھی وجہ سے تین دن کے اندر اندر وہ پاسپورٹ کے دفتر میں اندراج نہ کرا سکے تو سعودی حکومت اس کو بدترین مجرم شمار کر کے سو ریال جرمانہ کر دیتی ہے اور چار کارڈوں پر فوٹو لگا کر القائمۃ السوداء (بلیک لسٹ) میں اس کا اندراج کر دیا جاتا ہے اور تمام سرکاری دفاتر ریاض، جدہ اور مکہ مکرمہ میں ان کارڈوں کو بھیج دیا جاتا ہے۔

اور اس طرح ایک معزز و محترم مسلمان کو ذلیل و رسوا کیا جاتا ہے بڑی دردناک داستان ہے کیا اللہ و رسول کے مہمان اس تذلیل کے مستحق ہیں اسلام تو اپنے مہمان کے اکرام پر اتنا زور دیتا ہے کہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے، ارشاد ہوتا ہے:

من کان منکم یؤمن باللہ والیوم الآخر فلیکرم ضیفہ۔	جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے اسے اپنے مہمان کی عزت و احترام کرنا چاہیئے۔

کیا یہی حجاج کا اکرام ہے؟

سعودی حکومت سے اسی سلسلہ کی ایک اور درخواست پُر زور تائید کے ساتھ درج ذیل ہے:-

حجاجِ کرام کے لئے سہولتوں کا مطالبہ جو بذریعہ برقیہ جلالۃ الملک شاہ فیصل سے سینٹرل حج پلگرمس لیگ کے چیئرمین جناب حاجی حافظ فریدالدین احمد الوجیہ نے کیا ہے جس کا مضمون حسبِ ذیل ہے:-

"حج فیس حجاج پر بڑا بار ہے اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہت کچھ عطا فرمایا ہے اس لئے درخواست ہے کہ حج فیس کی وصولیابی کا ضابطہ واپس لے لیا جائے، حالیہ عمرہ کی مدت پر ۳۰ رمضان المبارک تک کی عائد کردہ میعاد کی تنسیخ فرمادی جائے تاکہ عمومی بے چینی رفع ہو سکے، یہاں کوئی وبائی بیماری نہیں ہے جیسا کہ لاتعداد اسٹول کلچر سرٹیفکیٹ سے واضح ہو چکا ہے اس لئے اس حکم کی تنسیخ فرمائی جائے اور حجاج سے کھانے پینے کے اشیاء لے جانے کی پابندی ہٹالی جائے۔"

شوال ۱۳۸۹ھ، دسمبر ۱۹۶۹ء

صوبہ سندھ میں ہندوؤں کو دوبارہ آباد کرنے کا مسئلہ

سنا جا رہا ہے کہ شملہ معاہدہ کے تحت صوبہ سندھ میں ان ہندوؤں کو جو حالیہ جنگ میں بھارت چلے گئے تھے دوبارہ بسانے کی تجویز زیر غور ہے، پاکستانی شہریوں کی پاکستان میں آبادکاری کسی طرح بھی محلِ اعتراض نہیں ہونی چاہیئے مگر حال میں ملکِ عزیز جن سازشوں کی آماجگاہ رہا ہے اور جن کا سلسلہ ابھی تھمنے نہیں پایا۔ ان کے پیشِ نظر بہت سے خدشات ابھر کر سامنے آتے ہیں جن سے صرفِ نظر کرنا خودکشی کے مرادف ہوگا، اس لئے ان پر غور کرنا ضروری ہے۔

ا۔ سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ پاکستان میں تمام اقلیتیں ہمیشہ امن و امان سے رہی ہیں انہیں اپنی ہموطن اکثریت کی جانب سے جان و مال یا عزت و آبرو کا کبھی خطرہ لاحق نہیں ہوا، نام نہاد ہندو مسلم "فسادات[1]" جو ہندوستان میں روزمرہ کا معمول بن چکے ہیں پاکستان کی تاریخ ان سے یکسر خالی ہے، ان حالات میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ سندھ کے ہندوؤں کو آخر وہ کون سا خطرہ لاحق تھا جس کی بنا پر انہوں نے ہمارے متحارب ملک کی طرف راہِ فرار اختیار کرنا مناسب سمجھا اور بھارت نے ان کو سیاسی پناہ دینا ضروری تصوّر کیا، سوال یہ ہے کہ کیا ان کا یہ طرزِ عمل وطن دشمنی کے ذیل میں نہیں آتا؟ کیا یہ ملک کے مفرور بھگوڑے پاکستان کے پُرامن شہری بن کر رہ سکتے ہیں اور کیا ان کی دوبارہ آمد یہاں کسی سیاسی سازش کو جنم تو نہیں دے گی؟ کیا ان خدشات کا تشفی بخش حل تلاش کر لیا گیا ہے؟۔

۲۔ اس پر یہ مزید اضافہ کر لیجئے کہ جو ہندو اٹھ کر یہاں سے بھاگے، وہ شرافت اور خاموشی سے نہیں چلے گئے بلکہ انہوں نے ان علاقوں کو تاخت و تاراج کیا، وہاں کے شہریوں کو ظلم و ستم کا نشانہ بنایا، جن کی المناک داستانیں اخبارات کی فائلوں میں محفوظ ہیں، سوال یہ ہے کہ اس حرکت کے بعد ان کی حیثیت ڈاکوؤں اور لٹیروں کی ہے یا پُرامن شہریوں کی؟

---

[1] یہ درحقیقت سب کچھ مسلم کشی کے لئے ہوتا ہے مگر "فسادات" کا نام دے کر گرفتار بھی مسلمانوں ہی کو کر لیا جاتا ہے۔

۳۔ پھر جو ہندو یہاں سے بھاگ گئے تھے ان کی تعداد آٹھ دس ہزار سے زیادہ نہیں ہو گی مگر اخباری اطلاعات سے معلوم ہوتا ہے کہ دس ہزار کے بجائے پچاس ساٹھ ہزار ہندو یہاں لائے جا رہے ہیں اور یہ بھی افواہ ہے کہ ہندوستانی فوج کی نگرانی میں ان کو آباد کیا جائے گا اور ان خیالات کا بھی اظہار کیا جا رہا ہے کہ وہ مسلح ہوں گے اور گوریلا جنگ کے تربیت یافتہ ہوں گے۔

ہمیں معلوم نہیں کہ ان باتوں میں کہاں تک صداقت ہے مگر ہندوستان کی ڈپلومیسی سے بعید نہیں کہ یہاں بھی مشرقی پاکستان کی تاریخ دہرانے کا منصوبہ تیار کر لیا گیا ہو وہاں یہی ہوا کہ پہلے غداران وطن جن میں اکثریت ہندوؤں کی تھی ملک کی سرحد پار کر کے ہندوستان چلے گئے اور ہندوستان نے انہیں گوریلا تربیت دے کر اور اسلحہ سے لیس کر کے دوبارہ ہماری سرحد میں دھکیل دیا اور پھر جو کچھ ہوا انہی کے ذریعہ سے ہوا۔

بہرحال کہنا یہ ہے کہ اگر ان افواہوں میں ذرا بھی صداقت ہے تو معلوم نہیں کہ ہمارے حکمرانوں کو کیا ہو گیا ہے کیا بے ہوشی کے عالم میں اس قسم کے معاہدات کئے گئے ہیں اس کے خطرناک نتائج سے اتنی غفلت کیوں کر ممکن ہے؟ اس کی کیا ضمانت ہے کہ ان مسلح افواج اور اتنی کثیر تعداد دشمنانِ اسلام کی موجودگی میں صوبہ سندھ میں امن قائم رہ سکتا ہے یا مسلمان آرام کی نیند سو سکیں گے، اس قسم کی صورتِ حال سے مشرقی پاکستان کا کیا حشر ہوا کیا مغربی پاکستان کو اسی طرح قربانی کا بکرا بنانا ہے اگر خدانخواستہ ایک فیصدی بھی اس میں صداقت ہو تو خاکم بدہن اس روزِ بد کے لئے تیار رہنا چاہیئے، کیا یہ نقشہ ہندوستان نے نہیں تیار کیا تھا کہ تھرپارکر سے سیدھے آکر حیدرآباد پر قبضہ کر کے کراچی کو مغربی پاکستان سے کاٹ دیا جائے جو روس کی نظرِ کرم سے پورا نہ ہو سکا اور جس کا شکریہ امریکہ نے ہم سے پورا کروایا اور روس کے اس انتہائی ظلم و ستم کے باوجود کہ اس نے مشرقی پاکستان کٹوایا اور ہندوستان کی امداد کی ہم نے روس کا شکریہ اس لئے ادا کیا کہ مغربی پاکستان کٹوانے سے بچایا، خدا کرے یہ افواہیں سب غلط ہوں اور مسلمانانِ سندھ و مغربی پاکستان کی آبرو محفوظ رہے۔

"سرکاری مدارس میں شیعہ حضرات کے لئے علیحدہ دینیات"

ان دنوں سرکاری مدارس میں شیعہ حضرات کے لئے نصاب کی علیحدگی کی جو تجویز زیرِ غور ہے وہ سراسر سیاسی مصالح کے خلاف ہے، شیعہ حضرات کو اس مطالبہ سے پہلے اپنا مؤقف متعین کرنا چاہیئے، اگر ان کا خیال ہے کہ چونکہ وہ حضرات شیخین ابو بکر صدیق اور عمرِ فاروق کی تکفیر پر متفق ہیں وہ تمام صحابہ کو باستثناء تین یا پانچ کافر سمجھتے ہیں وہ موجودہ قرآنِ کریم کو ناقص سمجھتے ہیں وہ متعہ کو جزوِ ایمان سمجھتے ہیں وہ تقیہ کو مدارِ اسلام خیال کرتے ہیں، وغیرہ وغیرہ، اس لئے ان معروف عقائد کے ہوتے ہوئے ان کو مسلمان نہ سمجھا جائے تو بہت پہلے سے اس کی ضرورت تھی کہ وہ اس قسم کا اعلان کرتے تاکہ موجودہ اہلِ تشیع کو اسلامی فرقہ نہ سمجھا جاتا اور ان کو ایک مستقل اقلیت شمار کیا جاتا۔

لیکن جب ایسا نہ ہو سکا اور حکومت ان کو مسلمانوں کا ایک فرقہ ہی سمجھ کر معاملہ کرتی رہی اور جب حکومت کی مردم شماری میں یہ مسلمان ہیں، سُنی اور شیعہ میں باعتبار اسلام کے کوئی فرق نہیں تو پھر علیحدگئ نصاب کا کیا مقصد؟ اس تجویز کا تو لازمی تأثر یہ ہے کہ شیعہ ایک مستقل اقلیت ہے جس کی دینیات عام مسلمانوں سے الگ ہے اور حکومت جس طرح دوسری اقلیتوں کو راضی کرنا ضروری سمجھتی ہے اسی طرح ان کو بھی ایک اقلیت سمجھتی ہے، ایک طرف مسلمان سمجھنا دوسری طرف علیحدہ نصاب تجویز کرنا یہ کہاں کا فلسفہ ہے؟ اس تجویز سے منافرت اور بڑھ جائے گی، اختلافات زیادہ ہو جائیں گے، ہو سکتا ہے کہ یہ اختلافات ایسی صورت اختیار کر جائیں کہ حکومت کے لئے ہمیشہ دردِ سر ثابت ہوں، بہر حال جہاں اتحاد و اتفاق کی ضرورت ہے وہاں شقاق و افتراق پیدا کرنا یہ کہاں کی سیاست ہے؟

در اصل اس قسم کی تمام تجویزیں اور مصلحتیں صاف و صریح اس امر کی دلیل ہیں کہ حکومت کا سرکاری مذہب اسلام نہیں بلکہ وہ عملاً غیر مذہبی حکومت ہے جس ملک میں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین نہ ماننے والے موجود ہوں جو آج تک تاجِ برطانیہ کے نہ صرف وفادار ہوں بلکہ ان کی اعانت جزوِ ایمان سمجھتے ہوں، ان کو ظل اللہ فی الارض مانتے

ہوں عیسیٰ علیہ السلام کو یوسف نجار کا بیٹا مانتے ہوں، حضرت مریم علیہا السلام کو العیاذ باللہ زانیہ سمجھتے ہوئے قرآنِ کریم کی تکذیب کرتے ہوں اور تمام روئے زمین کے مسلمان جو مرزا غلام احمد قادیانی پر ایمان نہ لائیں ان کے ذریۃ البغایا (اولادِ زنا)، ہونے کا عقیدہ رکھتے ہوں وغیرہ وغیرہ اور پھر حکومت کے اعلیٰ سے اعلیٰ مناصب پر جلوہ افروز ہوں، کلیدی مناصب ان کے حوالہ ہوں جو جماعت بالاتفاق کافر ہوں اور وہ ایک حکومت کی مشین کو چلائیں بتلائیے ایسی حکومت اسلامی حکومت کیسے ہوسکتی ہے ؟ بلا شبہ نام اسلامی ضرور ہے لیکن کام تمام کے تمام سیکولر اسٹیٹ کے ہیں، جس کا بنیادی عقیدہ خدائے تعالیٰ اور آخرت سے انکار ہو اور اس کا کوئی دین و مذہب نہ ہو اور تمام فرقے اس کی نظر میں برابر ہوں اور تمام فرقوں کو اپنے عقائد میں خواہ وہ اسلام ہو یا کفر ہو، حریت و آزادی حاصل ہو، درحقیقت پاکستان کا جب ابتداء ہی میں وزیر خارجہ سر ظفر اللہ قادیانی کو بنایا گیا اور کہا یہ جاتا ہے کہ برطانیہ نے یہ شرط لگائی تھی تو پھر ظاہر ہے کہ اتنا اہم منصب ایک غیر مسلم کافر کے سپرد کرنا اس کی دلیل ہے کہ یہ غیر اسلامی حکومت ہے اور درمیان میں ایک دفعہ قائم مقام صدر ایک عیسائی کو بھی عارضی طور پر بنایا گیا ہے، اسلامی مملکت کے دستور کے ابتدائی دفعات یہ ہوتے ہیں کہ حکومت کا مذہب اسلام ہوگا حکومت کا صدر مسلمان ہوگا۔

ان دستوری دفعات کے بعد کسی کو یہ حق نہیں ہوتا کہ حکومت کے مذہب کے خلاف کوئی غیر اسلامی حرکت کرے، بہرحال کہنا یہ ہے کہ علیحدگی نصاب کی تجویز بالکل اس کے مترادف ہے کہ فرقہ شیعہ مسلمانوں کا فرقہ نہیں اور اس تجویز سے جو مفاسد پیدا ہوں گے اس کے عواقب و نتائج نہایت دردناک نکلیں گے، اللہ تعالیٰ صحیح فہم اور صحیح عمل کی توفیق عطا فرمائے اور پاکستان کو صحیح اسلامی مملکت اور مستحکم مملکت بنائے اور اعداءِ اسلام کی ریشہ دوانیوں سے اس کی حفاظت فرمائے، آمین۔

وصلی اللہ علیٰ خاتم النبیین وسید المرسلین وإمام المتقین محمد وآلہ وأصحابہ أجمعین

رمضان المبارک ۱۳۹۲ھ، نومبر ۱۹۷۲ء

قوم کا اتحاد و اتفاق مستقبل کے لئے نیک فال

نہ معلوم اس بدنصیب مملکت کا کیا انجام ہوگا؟ روزِ اوّل سے تاریخ کچھ ایسی عبرت ناک ہے کہ بجز حیرت وافسوس کے کچھ حاصل نہیں، پاکستان کی سی سالہ مختصر زندگی میں بڑے بڑے بحران آئے اور گذر گئے لیکن دورِ حاضر میں جس شکل وصورت میں بحران آیا ہے اور قوم وملت کا جو شدید امتحان شروع ہوا ہے، ادوارِ سابقہ میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔ ان دردناک حوادث میں جو گھٹائیں چھائی ہوئی ہیں بلاشبہ مایوس کن ہیں لیکن امید وکامیابی کی جو کرنیں ان گھٹاؤں کی تہوں سے نکلتی ہیں وہ قدرے حوصلہ افزاء ہیں، ملک و ملت کا حیرت انگیز اتحاد شدید اختلافات کے ہوتے ہوئے جس مرحلے میں داخل ہے نہایت ہی امید افزا ہے اور من حیث القوم اسلامی شریعت کے نفاذ کا مطالبہ جس قوت سے پیش آرہا ہے نہایت ہی روشن اور تابناک مستقبل کی خبر دیتا ہے، چند مٹھی بھر افراد جو شراب وزنا اور بے حیائی وعریانی کے جنون میں مبتلا ہیں، ان کے سوا تمام قوم کا اتحاد بے نظیر حسین وجمیل منظر پیش کرتا ہے اور دین کے لئے سربکف میدان میں نکل کر جس غیرت ایمانی وحمیتِ دینی اور حرارتِ اسلامی کا ثبوت دیا جارہا ہے اس سے پہلے اس کی نظیر نہیں ملتی۔

گذشتہ دنوں تحریکِ ختم نبوت میں پاکستانی قوم جس طرح یک دل ویک جان ہوکر متحد ہوگئی تھی، اب دوبارہ پورے دینی نظام کو لانے کے لئے اتحاد واتفاق ہوگیا ہے جو نہایت امید افزا ہے اور قوم کے اتحاد نے یہ ثابت کردیا ہے کہ ملک کا کوئی مسئلہ ایسا نہیں جس کے لئے قوم متحد ہوجائے اور وہ حل نہ ہوسکے، قومی اتحاد لوہے کی ایک ایسی دیوار ہے کہ نہ پولیس کی لاٹھیاں اسے مسمار کرسکتی ہیں، نہ فوج کی گولیاں اس میں رخنہ پیدا کرسکتی ہیں، نہ بیرونی اعداءِ اسلام اور دشمنانِ دین کی ریشہ دوانیاں اسے گراسکتی ہیں اور نہ اس میں سوراخ کیا جاسکتا ہے، اگر ہٹلر وگوبلز اور ہملر ومسولینی کا انجام پیشِ نظر ہو تو ہر ڈکٹیٹر مزاج حکمران کے لئے مقامِ عبرت ہے، ظلم وتشدد کے ہتھیار کی عمر بہت کم ہوتی ہے، حق تعالیٰ نے کسی ظالم وجابر حکمران کو اپنی خدائی نہیں دی ہے کہ جو چاہے کرتا رہے، گذشتہ ادوار میں یورپ وایشیا میں جو ظالم وسنگدل حکمران آئے ان کا عبرت ناک انجام دنیا نے دیکھ لیا۔ قرآنِ کریم میں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

((وَهُوَ الَّذِي يُنَزِّلُ الْغَيْثَ مِنْ بَعْدِ مَا قَنَطُوا	اور وہ ایسا ہے کہ لوگوں کے ناامید ہوجانے کے بعد مینہ برساتا
وَيَنْشُرُ رَحْمَتَهُ وَهُوَ الْوَلِيُّ الْحَمِيدُ))	ہے اور اپنی رحمت پھیلاتا ہے اور وہ کارساز لائقِ حمد ہے۔"

کچھ بعید نہیں کہ جس انداز سے ملک و ملّت کا خون بہایا جا رہا ہے اور جس انداز سے نوجوانوں کی لاشیں تڑپ رہی ہیں جیل خانے اسیروں سے بھر گئے ہیں اور ہسپتال زخمیوں سے پٹے پڑے ہیں اس کا صلہ حق تعالیٰ سے عام معافی ہو اور اس قوم پر رحم فرما کر سی سالہ غلطیوں اور غفلتوں کو معاف فرمائے، صالح حکومت اور اسلامی قانون اور شریعتِ الٰہیہ کے نفاذ کے پرچم لہرائیں اور غضب کو خود ہی حق تعالیٰ ابرِ رحمت سے بجھائے، وما ذلك على الله بعزیز۔ بہر حال پوری قوم کو بارگاہِ رحمت ہی کی طرف توجہ کی شدید ضرورت ہے اور یہ کہ ان ظاہری اسباب پر فتح و کامیابی کو موقوف نہ سمجھیں۔ خوشی کی بات ہے کہ مختلف جماعتوں کا اسلام کے اساسی مقاصد پر پورا اتحاد و اتفاق ہے، قرآن کریم و سنتِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم و عقیدۂ ختمِ نبوت پر سب کا اتفاق ہے، اگر تھوڑا بہت اختلاف ہے تو چند فقہی مسائل میں، قوم اپنے اپنے مسلک کے مطابق اس کو اختیار کرنے کی مجاز ہے، گذشتہ چند دنوں میں راقم الحروف نے پریس کو دو بیانات جاری کئے تھے، پہلا بیان شخصی و انفرادی تھا جو ۹ اپریل کو اخبارات میں شائع ہوا اور دوسرا مجلس تحفظ ختم نبوت کے امیر کی حیثیت سے جو ۱۵ اپریل کے اخبارات میں چھپا، دونوں بیان علی الترتیب حسب ذیل ہیں:۔

حکومت تشدد کر کے کبھی کامیاب نہیں ہو سکتی

کراچی ۹ اپریل (پ ر) ممتاز عالمِ دین شیخ الحدیث مولانا محمد یوسف بنوری نے آج یہاں اپنے ایک بیان میں کہا ہے کہ اس وقت پاکستان جس بحران سے گذر رہا ہے وہ بہت دردناک اور تاریخِ پاکستان کا تاریک ترین باب ہے حکومت عوام کی مرضی کے خلاف اقتدار پر قابض رہنا چاہتی ہے دوسری طرف عوام اس حکومت کو کسی طرح برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں اور اسے متفقہ طور پر بار بار رد کر چکے ہیں۔

اربابِ حکومت تشدد سے عوام کے جذبات کو دبانا چاہتے ہیں جو یقیناً بہت مذموم ہے، نیز مسجدوں میں لاٹھی چارج کرنا، اشک آور گیس استعمال کرنا، نمازیوں اور علماء کو زد و کوب کرنا اور بے گناہ مسلمانوں کو گولیوں کا نشانہ بنانا سراسر عقل و انصاف کے خلاف ہے، اس لئے ہماری رائے یہ ہے کہ حکومت تشدد کر کے کبھی کامیاب نہیں ہو سکتی، برطانیہ جیسی حکومت بھی تشدد کر کے اقتدار سے محروم ہو گئی۔

حکومت کو ہمارا مخلصانہ مشورہ ہے کہ وہ ان حالات میں قوم کے مطالبات کو تسلیم کرلے مولانا محمد یوسف بنوری نے آخر میں قوم سے اپیل کی ہے کہ وہ تحریک کو پُرامن رکھیں اور مظلوم بنے رہیں اس لئے کہ مظلوم ہی اللہ تعالیٰ کی نصرت وکامیابی سے ہمکنار ہوتے ہیں اسلام کی تاریخ عہدِ نبوت سے لے کر آج تک یہی بتلاتی ہے۔ (جنگ کراچی ۱۹ربیع الثانی ، ۱۳۹۷ھ ۹ اپریل ۱۹۷۷ء)

مجلس تحفظ ختم نبوّت کے امیر مولانا سید محمد یوسف بنوری کا بیان

ملکِ عزیز جس ہولناک بحران کی لپیٹ میں ہے اس پر دل کانپ رہا ہے، خانۂ خدا کے تقدس کو پامال کیا جارہا ہے، علماء، وکلاء اور ملک کے دیگر معززین کی سر بازار تذلیل کی جارہی ہے، نہتے شہریوں کو خاک وخون میں تڑپایا جارہا ہے اور ان کا پرندوں کی طرح شکار کیا جارہا ہے، معصوم بچوں اور خواتین پر شہ زوری کا مظاہرہ کیا جارہا ہے جو کسی قوم کی پیشانی پر سب سے بدنما داغ ہے، معیشت تباہ ہوچکی ہے، اقتصادیات پٹ چکی ہیں، کارخانے اور بازار بند اور کاروبار ٹھپ ہے، عالمی برادری میں ملک کا وقار خاک میں مل چکا ہے، دشمن ہنس رہے ہیں اور دوست رورہے ہیں، یہ ظلم وستم، یہ جور وتعدی یہ انتشار وخلفشار، یہ بے آبروئی وہوا خیزی ملک کے مستقبل کے لئے نہایت خطرناک ہے۔

میں نہایت دل سوزی سے دردمندانہ اپیل کرتا ہوں کہ خدا کے لئے اس ملک کی حالت پر رحم کریں اقتدار سے الگ ہوکر قوم کو آزادانہ انتخابات اور بے لاگ فیصلہ کا موقعہ دیں اگر قوم بخوشی انہیں دوبارہ منتخب کرلیتی ہے تو اطمینان سے حکمرانی کریں اور اگر قوم انہیں مسترد کردیتی ہے تو زبردستی لوگوں کی گردنوں پر مسلط رہنے کی کوشش نہ کریں ملک کے طول وعرض میں جو خونی ڈرامہ کھیلا جارہا ہے ملک اب اس کا مزید متحمل نہیں۔

(جنگ کراچی ۲۵ ربیع الثانی ، ۱۳۹۷ھ ۱۵ اپریل ۱۹۷۷ء)

یہاں تک لکھا گیا تھا کہ جناب ذوالفقار علی بھٹو کی پریس کانفرنس نشر ہوئی جو بہت غور سے سنی گئی اور اس کے پس منظر وپیش منظر پر غور کیا تو حیرت وافسوس کی انتہا باقی نہ رہی، اسی وقت رات کو ایک اخباری بیان جاری کیا گیا جو ۱۸ اپریل کے صبح کے اخبارات میں شائع ہوا، اس کا متن حسب ذیل ہے:

کراچی، ۱۱ اپریل (پ ر) مولانا سید محمد یوسف بنوری امیر مرکزیہ مجلس تحفظ ختم نبوت نے آج رات ایک بیان میں کہا ہے کہ قوم کو توقع تھی کہ جناب بھٹو اپنی پریس کانفرنس میں پاکستان کے موجودہ بحران کا جس نے پاکستان کی بنیادوں کو ہلا کر رکھ دیا ہے حل کرنے کے لئے قوم کی خواہشات کا احترام کرتے ہوئے اس کے مطالبات کو منظور کرنے کا اعلان کریں گے مگر افسوس کہ جناب بھٹو نے صورت حال کا صحیح اندازہ لگانے کی کوشش نہیں کی، انہوں نے پریس کانفرنس میں جن اقدامات کا اعلان کیا ہے انہیں قوم سے مذاق ہی تصور کیا جا سکتا ہے، سوچنے کی بات ہے کہ جس حالت میں قوم کو خاک و خون میں تڑپایا جا رہا ہو اور عوام کے مجمعوں پر آتش باری کی جا رہی ہو ان اقدامات کی کیا قیمت ہو سکتی ہے، بہرحال جناب بھٹو صاحب کو اطمینان رکھنا چاہیئے کہ قوم اب ان کے سبز باغوں سے فریب نہیں کھائے گی۔ انہوں نے قوم سے اتنی وعدہ خلافیاں کی ہیں کہ اب قوم کے کسی سنجیدہ فرد کو ان کے کسی وعدہ پر اعتبار نہیں رہا، مثلاً قادیانیوں کے بارے میں قانون سازی کا قومی اسمبلی میں وعدہ کیا تھا مگر تین سال گذرنے پر بھی وعدہ پورا نہ کیا گیا، اس کے لئے بار بار یاد دہانی کرائی گئی، تار دئے گئے، تقاضوں پر تقاضے کئے گئے مگر کوئی شنوائی نہ ہوئی۔ ان کے لئے دانشمندانہ راستہ اب یہی ہے کہ وہ مستعفی ہو جائیں، آزادانہ انتخاب کا راستہ صاف کریں اور موجودہ اسمبلیوں کو جو دھاندلیوں کی پیداوار ہیں اور جن کی کوئی قانونی حیثیت نہیں توڑ کر قوم کے مطالبات تسلیم کر لیں، اللہ تعالیٰ صحیح فہم کی توفیق نصیب فرمائے اور ملک پر رحم فرمائے۔ آمین

حکام کے وعدے اور اسلام سے ان کا تعلق

بڑا صدمہ ہے کہ یہاں روزِ اوّل سے جو حکمران آتے رہے کتاب و سنت کا نام لینے کے باوجود کتاب و سنت کی جڑیں کاٹتے چلے گئے، اسلامی قانون بنانے کے بہانے سے تعلیمی بورڈ قائم کیا گیا، لاکھوں روپیہ اس پر خرچ کیا گیا، پھر مشاورتی کونسل قائم کی گئی جو آج تک موجود ہے، اس وقت شاید کروڑوں روپیہ خزانہ عامرہ کا خرچ ہو چکا ہو گا لیکن ہنوز روزِ اول ست، صاف محسوس ہوتا ہے کہ یہ ہمارے حکمرانوں کی سیاسی شعبدہ بازی ہے چونکہ عام مسلمانوں کا مزاج دینی ہے اور انہیں معلوم ہے کہ یہاں کے مسلمان اسلام کے سوا کسی نظام کو برداشت نہیں کر سکتے اس لئے ان کو غلط فہمی میں مبتلا کرنے کے لئے یہ سب کچھ ہوتا رہا،

عائلی قوانین کتاب و سنت کے خلاف نافذ کر دیے گئے تمام ملک میں احتجاج ہوا مگر کیا مجال کہ حکومت اپنے مؤقف سے سرِ مو بھی ہٹی ہو، آخری دور بھٹو صاحب کا آیا ہے اپوزیشن میں چند مؤقر خدا ترس ہستیوں کی مساعی جمیلہ سے خدا خدا کر کے آئین میں پہلی مرتبہ یہ فیصلہ کیا گیا کہ پاکستان کا سرکاری مذہب اسلام ہے اور اس کا آئین کتاب و سنت پر مبنی ہوگا لیکن عملی طور پر زبانی جمع خرچ اور لفظوں کے ہیر پھیر سے زیادہ کوئی نتیجہ نہیں نکلا، اس بدنصیب مملکت کے حکمرانوں کا مزاج سوءِ اتفاق سے ایک ہی قسم کا نکلا تھا، تشابهت قلوبهم قاتلهم الله أنى يوفكون ۔ بھٹو صاحب کے دورِ حکومت میں بار بار یہی دہرایا گیا پھر منشور کی بنیادی دفعات میں یہ دہرایا گیا کہ مذہب اسلام ہوگا، معیشت سوشل ازم ہوگی مگر اسلام کے ساتھ سوشلزم کا جوڑ کیسے؟ کیا کفر و اسلام دونوں ایک ہو سکتے ہیں؟ کیا سفید و سیاہ ایک ہی چیز ہے؟ غرض حقائق کو مسخ کر کے الفاظ کے گورکھ دھندوں میں بے چارے عوام کو پھنسانے کی کوشش کی گئی اور ہو رہی ہے، بھٹو دورِ حکومت میں تمام مسلمانوں نے اپنے اتحاد و اتفاق کی قوت سے ملتِ مرتدہ قادیانیہ مرزائیہ کو اقلیت بنانے میں کامیابی حاصل کی ضرورت تھی کہ فوراً قانون بنتا، مرزائیوں کی مردم شماری ہوتی، اس تناسب سے ان کے لئے اسمبلی کی سیٹیں متعین کی جاتیں، ان کے شناختی کارڈوں اور پاسپورٹوں پر قادیانی مرزائی کا لفظ لکھنا ضروری کر دیا جاتا تاکہ چور راستوں سے جو اسلامی اور عربی حکومتوں میں گھس کر وہ اسلام کی بیخ کنی کرتے چلے آئے ہیں اس کا راستہ بند کیا جاتا ہے، لیکن افسوس اور صد افسوس کہ ایک قدم بھی نہیں اٹھایا گیا بلکہ اٹھتے ہوئے قدموں کو کاٹ دیا گیا، مسٹر بھٹو کی حکومت اس سلسلہ میں خود تو کیا اقدام کرتی، حزب اختلاف کی طرف سے جو بل اسمبلی میں پیش ہوا اسے بھی مسترد کر دیا اور حالیہ انتخابات سے پہلے مسٹر بھٹو نے مرزا ناصر احمد قادیانی مرتدین کے سربراہ سے تین گھنٹے تک طویل ملاقات کی، نہ جانے کیا خفیہ بخت و پز ہوئی ہوگی اسی کا شاخسانہ ہے کہ موجودہ نام نہاد اسمبلیوں میں غیر مسلم اقلیت کی حیثیت سے قادیانیوں کو شریک نہیں کیا گیا، گویا آئین میں جو قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا ہے عملی طور پر اسے معطل کر دیا گیا، ماضی قریب میں شراب پر فخر و مباہات کا اظہار کیا اور عملی طور پر بر سرِ بازار شراب نوشی کی محفلیں گرم کی گئیں، قانونِ اسلام کا مضحکہ اڑایا گیا، زکوٰۃ و عشر کے اسلامی نظام کو فرسودہ اور باعثِ لعنت قرار دیا گیا بلکہ تمام اسلامی احکام کو پارینہ، دیرینہ اور فرسودہ نظام سے یاد کیا گیا، ان حقائق کے ہوتے ہوئے کیا بھٹو صاحب کے وعدے پر اعتماد کیا جا سکتا ہے؟ اپنی کرسیٔ اقتدار کو سہارا دینے کے لئے شراب نوشی کی پابندی کے اعلان سے عوام

کو دھوکا دیا جارہا ہے جبکہ چور راستوں سے غیر ملکی لوگوں اور غیر مسلموں کے لئے کھلی اجازت دے دی گئی، عبرت کی بات ہے کہ ہندوستانی حکومت نے مدت سے شراب کو اس سختی سے ممنوع قرار دے رکھا ہے جس کی نظیر اسلامی حکومت میں نہیں ملے گی حالانکہ وہ کافر سیکولر حکومت ہے، چند ناموں کا اعلان کر کے اسلامی قانون سازی کے لئے سفارشات پیش کرنے کا اعلان کیا گیا تاکہ ہوا کے رُخ کو موڑا جا سکے، سابقہ تجربوں کو سامنے رکھ کر کیا کوئی سادہ لوح بھی ان اعلانوں اور ان وعدوں پر اعتماد کر سکتا ہے؟ بہرحال یہ آخری سیاسی حربہ تھا اور ترکش کا آخری تیر تھا۔

اس وقت ہم نے صرف ایک دینی پہلو کے پیش نظر چند اشارات کئے ہیں، سیاسی اعتبار سے مملکت کی تباہی، اقتصادی بدحالی، بدامنی، بے رحمی، ظلم وعدوان کی فراوانی، بیرونی قرضہ جات سے معیشت کی تباہی کی داستانیں اتنی طویل اور اتنی دردناک ہیں کہ نہ قلب میں طاقت، نہ قلم میں یارائی کی قوت ہے۔

جمادی الاولیٰ ۱۳۹۷ھ، مئی ۱۹۷۷ء

ﷲ

اخوت اسلامی اور اس کی اہمیت

اسلامی اخوت وہ عالمگیر "رابطۂ وحدت" اور "رشتۂ یگانگت" ہے جو تمام جغرافیائی، نسلی، لسانی، ملکی اور وطنی حدود و قیود سے آزاد اور امتیازات سے وراءالوراء ہے، یہ وہ "روحانی" رشتہ ہے جو مادی علائق و روابط سے منزہ اور بالاتر ہے، وحیِ ربانی کی "آیاتِ بینات" اور صاحب وحی و رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاداتِ مقدسہ میں اس کی تفصیلات و تمثیلات کے مستقل ابواب موجود ہیں، ارشاد الٰہی ہے:۔

«كنتم أعداءً فألف بين قلوبكم فأصبحتم بنعمته إخوانًا»۔

تم (ایک دوسرے کے) دشمن (خون کے پیاسے) تھے پس اللہ نے تمہارے دلوں میں الفت پیدا کر دی اب تم اس کے انعام و رحمت سے (ایک دوسرے کے) بھائی ہو گئے۔

ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:۔

«المؤمن للمؤمن كالبنيان يشدّ بعضه بعضًا» وشبّك بين أصابعه.

(بخاری و مسلم بروایۃ ابی موسیٰ رضؓ)

ایک مومن دوسرے مومن کے لئے عمارت (کے ردّوں) کی مانند ہے جس کا ایک ردا دوسرے ردّے کو مضبوط و محکم کرتا ہے اور آپ نے (اس تمثیل کا مشاہدہ کرانے کے لئے) اپنی (ہاتھوں کی) انگلیاں ایک دوسرے میں پیوست کر لیں (اور فرمایا اس طرح)

نیز ارشاد ہے (صلی اللہ علیہ وسلم):۔

«مثل المؤمنين في توادّهم وتراحمهم وتعاطفهم مثل الجسد إذا اشتكى منه عضو تداعى له سائر الجسد بالسهر والحمّى»

(بخاری و مسلم بروایت نعمان بن بشیرؓ)

مومنوں کی مثال باہمی دوستی، شفقت و عاطفت اور ایک دوسرے پر مہربان ہونے میں جسم (کے اعضاء) کی مانند ہے جب جسم کا کوئی ایک عضو مرض میں مبتلا ہوتا ہے تو تمام جسم (کے اعضاء بیماری کی تکلیف کی وجہ سے) راتوں کو جاگنے اور بخار (کا اثر قبول کرنے) میں اس کا ساتھ دیتے ہیں۔ (اور پورا جسم بیمار ہو جاتا ہے)

اس کے بالمقابل اس رابطۂ وحدت اور رشتۂ اخوت کو پارہ پارہ کر دینے کے بارے میں شدید

وعیدیں اور بلیغ مثالیں آئی ہیں، چنانچہ ارشاد ہے:۔

"الا أخبركم بأفضل من درجة الصيام والصلاة والصدقة؟" قالوا: بلى، قال "صلاح ذات البين، فإن فساد ذات البين هي الحالقة، لا أقول تحلق الشعر ولكن تحلق الدين"

(ابو داؤد، ترمذی بروایت ابو الدرداءؓ)

فرمایا: کیا میں تمہیں روزہ، نماز اور صدقہ کے درجہ سے بھی افضل (عبادت) نہ بتلاؤں؟ (صحابہ نے) عرض کیا: کیوں نہیں (ضرور بتلایئے)، فرمایا: (وہ عبادت) باہمی تعلقات کی اصلاح (خوشگوار بنانا) ہے اس لئے کہ (اس کے مقابلہ پر) آپس کے تعلقات کو بگاڑنا (اور خراب کرنا) ہی مونڈ دینے والی (معصیت) ہے، میرا مطلب یہ نہیں کہ یہ (حرکت) بالوں کو مونڈتی ہے بلکہ یہ تو (پوری قوم کے) دین (وایمان) کو مونڈ ڈالتی ہے (تباہ کر دیتی ہے)

دنیائے اسلام کے لئے مسلمانوں کے باہمی اتحاد و تعاون سے بڑھ کر کوئی نعمت اور رحمت نہیں جس طرح دنیا میں مسلمانوں کے تحزب (دھڑے بندی) اور افتراق سے بڑھ کر کوئی عذاب نہیں قرآن کریم کی آیت کریمہ:۔

"أو يلبسكم شيعاً ويذيق بعضكم بأس بعض"

یا تم کو مختلف گروہوں میں بانٹ دے اور ایک دوسرے سے لڑا دے (خانہ جنگی کے عذاب میں مبتلا کر دے)

میں اسی عذاب کا ذکر فرمایا ہے۔

"جہادِ پاکستان اور اتحاد"

آج اگر مراکش سے لے کر انڈونیشیا تک کے مسلمانوں میں باہمی اتحاد و تعاون اور تنظیم کی روح کار فرما ہو جائے تو یقیناً دنیا کی سب سے بڑی طاقت اسلام اور مسلمانوں کی طاقت ہو، خدا کا شکر ہے کہ جہادِ پاکستان کے موقعہ پر اس اسلامی اتحاد و تعاون کی ہلکی سی جھلک سامنے آگئی اور ترکی، ایران، عرب اور جاوہ نے اس نازک موقعہ پر پاکستان کی اعانت و امداد کر کے یہ وحدتِ اسلامی کا بھولا ہوا سبق مسلمانوں کو یاد دلایا ہے اور اب محسوس ہوتا ہے کہ یہ جہاد کیا تھا نفحۃ الٰہیہ (نسیم رحمتِ الٰہی) کا ایک ایسا جھونکا تھا جس نے اسلامی اخوت و وحدت کی لہر بجلی کی طرح دنیا کے مسلمانوں میں دوڑا دی اور مشاہدہ میں آ گیا کہ جہاد ہی ایسی نعمت ہے جس کے ذریعہ حق تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کی سعادت اور دنیا کی عزت

وعظمت میسر آسکتی ہے اور اسی نعمت سے محرومی مسلمانوں کی دنیا اور آخرت دونوں میں ذلت اور رسوائی کا باعث بنتی ہے، خاتم انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی حقیقت کی طرف امت کو ذیل کے الفاظ میں متوجہ فرمایا ہے:-

«الجهاد ماضٍ إلى يوم القيامة» جہاد قیامت کے دن تک جاری رہے گا۔

اندرونِ ملک میں بھی اسی جہاد کی برکت سے پوری قوم میں بے نظیر اتحاد و یگانت اور ہمدردی و تعاون کے جذبات یکدم بیدار ہو گئے، تمام جماعتی اور سیاسی تفرقے مٹ گئے، ایثار و سرفروشی کے احساسات بروئے کار آگئے اور چشم زدن میں اہلِ پاکستان اس عظیم نعمت سے سرفراز ہو گئے جس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔

درحقیقت پاکستان کا یہ دور نہایت مبارک و مسعود ہے جس میں قوم کو بہت بڑی سعادت سے ہمکنار ہونا نصیب ہوا اور برسوں کے خواب غفلت سے پوری قوم بیدار ہو گئی سب سے بڑی بات یہ ہے کہ تاریخ اسلام میں مسلمانوں کی ترقی و برتری کا راز سربستہ منکشف ہو گیا، آیاتِ جہاد اور احادیثِ قتال فی سبیل اللہ کے حقائق و برکات کا مشاہدہ ہو گیا۔

کاش مسلمان اس عظیم الشان نعمتِ الٰہی کا صرف زبانی شکریہ کے بجائے حقیقی شکریہ ادا کریں اور اس منحوس زندگی کو یکسر ختم کر دیں جو غضبِ الٰہی اور قہرِ خداوندی کو دعوت دیا کرتی ہے، اربابِ اقتدار کا بھی فرض ہے کہ اللہ کی دی ہوئی اس طاقت و قدرت سے صحیح فائدہ اٹھائیں اور اس ملک میں اللہ تعالیٰ کا قانونِ رحمت و حکمت یعنی مکمل نظامِ شریعت جلد از جلد جاری کر دیں اور اس کی رہنمائی میں ملک کے اندر ایک "صالح معاشرہ" کی تشکیل کریں اور اس شکرِ نعمت کے نتیجہ میں اللہ تعالےٰ کے وعدے :-

«لئن شكرتم لأزيدنكم ولئن كفرتم إن عذابي لشديد» اگر تم نے شکر کیا تو ہم تمہیں زیادہ دیں گے اور اگر تم نے کفر کیا تو (یاد رکھو) میرا عذاب بڑا سخت ہے۔

کے مطابق دنیا میں اور زیادہ سے زیادہ عزت و عظمت اور طاقت و قوت کی نعمت سے سرفراز ہوں، اور آخرت میں رضاءِ الٰہی اور ابد الآباد تک رہنے والی لازوال نعمتوں سے مالا مال ہوں۔

مگر اس مقصد کے حصول کے لئے ضروری ہے کہ امریکہ، روس، برطانیہ، فرانس اور چین وغیرہ

طاغوتی طاقتوں اور خالص مفاد پرست خودغرض قوموں سے اپنا دامن چھڑا کر احکم الحاکمین کی بارگاہِ جلال وکبریا میں سرِ نیاز خم کریں اور رب العالمین کی بارگاہِ قدس میں سربسجود ہو کر کونین کی نعمتوں اور سعادتوں سے سربلند اور سرخرو ہوں۔

پاکستان کی اصلاح کے لئے چند ضروری تجاویز

چند خوش آئند تبدیلیاں دیکھ کر خوشی ہوئی، ریڈیو کے نظام میں کچھ تبدیلی آگئی ہے، سنا ہے کہ کالجوں اور یونیورسٹیوں میں مخلوط تعلیم ختم کرنے کے لئے بھی احکامات جاری کر دیئے گئے ہیں، سب سے زیادہ نیک فال یہ ہے کہ قرآنِ عظیم کے بارے میں پہلی مرتبہ یہ اعلان ہوا ہے کہ حکومتِ پاکستان قرآن کریم کی رہنمائی کو "رہنما اصول" کے طور پر تسلیم کرتی ہے، لیکن یہ تبدیلیاں اور اقدامات اصلاحِ حال کے لئے قطعاً ناکافی ہیں، ریڈیو پر اگرچہ عام گانے بند کردیئے گئے ہیں لیکن قومی اور رزمی ترانے صنفِ نازک کی سُریلی آوازوں اور طاؤس ورباب کے دلکش نغموں کے ساتھ اور موسیقی کی ترنم ریزیاں ابھی تک باقی ہیں، یہ نہ مرض کا پورا علاج ہے اور نہ کامل شکرِ نعمت، یہ درست ہے کہ معاشرہ کا مذاق اتنا بگڑ چکا ہے کہ یکدم اصلاح ممکن نہیں تاہم مدبرانہ تدریجی نظام کے ساتھ مزید اقدامات کے جاری رکھنے کی ضرورت ہے، "قرآنی قانون" اور "شرعی نظام" جلد از جلد نافذ ہونا چاہیئے، ہر قسم کے رقص وسرود کی محفلیں رفتہ رفتہ ختم ہونی چاہئیں، کلبوں اور اعلیٰ سوسائیٹیوں میں عورتوں اور مردوں کے بے محابا اختلاط، سرکاری تقریبات میں لازمی عورتوں کی شرکت کی بھی بیخکنی ہونی چاہیئے، اخبار اور رسائل میں ملکی اور غیر ملکی عورتوں کے نیم عریاں فوٹو اور تصاویر کی اشاعت خصوصاً کاروباری اغراض کے لئے سینما اور دوسری کمپنیوں کے اشتہارات میں عورتوں کی تصاویر کی اشاعت واستعمال قطعاً ممنوع ہونا چاہیئے، شراب نوشی اور قمار بازی بہرصورت قابلِ سزا جرم قرار دیا جانا چاہیئے، غرض نہ صرف اغیار بلکہ اعداء کی اس مستعار تہذیب وثقافت اور ملعون زندگی کہ جس کی یہ سب نحوستیں ہیں یکسر خیرباد کہہ کر دنیا میں ایک باوقار وباعزت اور خوددار وطاقتور قوم کی تشکیل ناگزیر ہے، اگر اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ اور آخرت کی مسئولیت پر کامل یقین وایمان موجود ہو اور عہدِ حاضر کے تجربات ومشاہدات سے استفادہ کرنے والی عقلِ صحیح، عزمِ راسخ اور خود اعتمادی کی طاقت میسر ہو تو دنیا کی کوئی مشکل بھی مشکل نہیں ہے، عبرت

کے لئے چین کی مثال موجود ہے، مگر درحقیقت یقین محکم ہونے کے بجائے کمزور، عقل کامل ہونے کے بجائے ناقص اور عزم راسخ ہونے کے بجائے متزلزل اور احساس کمتری غیر شعوری طور پر مسلط ہو چکا ہے، اسی قصور اور خامی کی وجہ سے صورتِ حال میں مؤثر انقلاب آفریں اقدامات کی ہمت نہیں ہوتی، اللھم اھد قومی فانھم لا یعلمون۔

گروہ بندی، افتراق اور علماءِ کرام جس طرح عوام اور قوم کے دوسرے طبقوں میں انتشار و افتراق اور تحزب و گروہ بندی کارفرما ہے اسی طرح علماءِ کرام کے طبقوں اور دینی اداروں میں بھی تشتت و افتراق موجود ہے نہ صرف مختلف مکاتبِ فکر کے علماء میں بلکہ ایک ہی مکتبِ فکر کے بزرگوں میں بھی یہی صورتِ حال کارفرما ہے، کہیں جمعیتِ علماءِ اسلام ہے تو کہیں جمعیتِ علماءِ پاکستان اور کہیں مجلسِ احرارِ اسلام موجود ہے تو کہیں جمعیتِ اہلِ حدیث، کہیں تنظیمِ اہلِ سنت ہے تو کہیں ادارۂ ختمِ نبوت۔ دین کے لئے یہ انتشار و افتراق سانحۂ عظیم ہے، کاش! یہ سب ادارے یا کم از کم ایک ایک مکتبِ خیال کے ادارے ایک مرکز پر جمع اور متحد و متفق ہو جائیں اور پھر باہمی تعاون و مشاورت اور متحدہ نظام کے تحت تقسیمِ کار کے اصول پر جو جماعت جس مقصد کے لئے زیادہ اہل اور موزوں ہو وہ کام اس کے سپرد کر دیا جائے، آپس میں کلی ارتباط و اتحاد، تعاون و تناصر اور ہم آہنگی و یگانگت موجود ہو اور سب ایک نظام میں منسلک ہوں۔

خوشی ہے کہ اس مہلک صورتِ حال کا احساس ہو چلا ہے چنانچہ گذشتہ ماہ ملتان میں اسی تشتت و افتراق کو ختم کرنے کی غرض سے اربابِ علم و فضل کا ایک اجتماع ہوا تھا اور اسی مقصد کے پیشِ نظر اس ماہ لاہور میں سیاسی کام کرنے والی جماعتوں کے باہمی اتحاد و تعاون سے "متحدہ اسلامی محاذ" وجود میں آیا ہے اور ۵ دسمبر ۱۹۶۵ء کو جمعیتِ علماء کے زیرِ اہتمام دوبارہ ملتان میں اتحاد و تنظیم کے لائحہ عمل اور باضابطہ تشکیل پر غور کیا گیا ہے۔

خدا کرے کہ اس مبارک اور ملک و ملت کے لئے خوش آئند مقصد کا سفینہ ساحلِ مراد تک پہنچ جائے اور علماء کے طبقہ کا یہ تشتت و افتراق دور ہو جائے، دلوں میں خلوص، نیت صالح اور عزم راسخ ہو تو کوئی وجہ نہیں کہ کامیابی نہ ہو۔

"مجلسِ دعوت و اصلاح" کے اہم ترین مقاصد میں ایک مقصد یہ بھی ہے اس لئے ہم اس مقصد کے لئے تمام دینی جماعتوں کو سیاسی ہوں یا غیر سیاسی ہر قسم کے تعاون اور عملی اشتراک کا یقین دلاتے ہیں، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس مبارک مقصد کی تکمیل کے لئے ہم سب کو توفیقِ عمل عطا فرمائیں.

وما ذلک علی اللہ بعزیز.

شعبان ۱۳۸۵ھ، دسمبر ۱۹۶۵ء

مسلمانوں کے لئے دنیا کی عزت وآبرو حاصل کرنے کا طریقہ

امسال بتوفیق اللہ اسلامی اور غیر اسلامی ممالک میں دینی دعوت وتبلیغ کے کام اور طریق کار پر غور کرنے کا زیادہ موقع ملا، اپریل ۱۹۷۳ء کے آخری عشرہ میں بمقام پیٹر میٹرس برگ (صوبہ نٹال جنوبی افریقہ) میں تبلیغی اجتماع طے پایا تھا، بعض مخلصین کی خواہش بلکہ اصرار پر بندہ نے بھی شمولیت کا وعدہ کرلیا تھا، گو اپنی معذوری اور مدرسہ کے علمی وانتظامی اشغال کے پیش نظر ایفاء مشکل تھا لیکن بہر حال وعدہ کر چکا تھا اور کچھ احباب کا اصرار بھی بہت بڑھ گیا تھا بلکہ میرے مخلص ترین احباب "آل میاں" کو جب خبر ہوئی تو ان کی خواہش ہوئی کہ پورے سفر کے انتظامات وہ خود کریں، چنانچہ ۱۳ر اپریل کی صبح کو پی آئی اے سے براہ عدن نیروبی پہنچا اور نیروبی سے اولمپک ایرویز یونانی کمپنی کے ذریعہ جوہانسبرگ پہنچ گیا اور ۶ ہزار میل کا یہ طویل سفر چند گھنٹوں میں الحمدللہ بعافیت وآسانی طے ہو گیا، ایئر پورٹ پر علماء کرام اور مخلصین واحباب نے خیر مقدم اور استقبال سے شرمندہ فرمایا، آل میاں کے علمی ودینی مرکز واڑفل کے "المعهد الإسلامي" میں قیام ہوا، جہاں ہر طرح کے آرام وراحت کے سامان تصور سے بالاتر مہیا تھے، اس وقت نہ سفر نامہ لکھنا مقصود ہے نہ عادت ہے، نہ "بینات" کے محدود صفحات ان دلچسپیوں کے متحمل ہیں، تبلیغی مقصد کے پیش نظر یہ سفر کیا گیا تھا اس لئے دینی اور تبلیغی تاثرات ہی زیادہ تر سفر کا موضوع رہے اور اسی میں وقت صرف ہوا تقریباً ایک ہفتہ تو صرف صوبہ نیٹال کے تبلیغی اجتماعات میں صرف ہوا اور موضوع صرف یہی رہا کہ اگر مسلمان دنیا میں باعزت زندگی بسر کرنے کے آرزو مند ہیں تو ان کو دین کے لئے قدم ضرور اٹھانا پڑے گا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی روایت سے "صحیح مسلم" میں جو صحیح حدیث مروی ہے اس کی سیر حاصل تشریح ہوئی ہے، فرمایا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے:۔

((إن الله يرفع بهذا الكتاب	حق تعالیٰ قرآن کریم پر عمل کرنے والوں کو اٹھاتا ہے
أقواما ويضع به آخرين))	اور عمل نہ کرنے والوں کو گراتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی توفیق شامل حال تھی اس وقت حدیث شریف کی کافی وشافی تشریح اور

بیان کا موقع ملا اور اس امر کی وضاحت کی کہ انسان خلیفۃ اللہ فی الارض ہے اسی کے ذریعہ حق تعالیٰ کے اسرارِ قدرت اور آثارِ حکمت ظاہر ہوتے ہیں اور تکوینی مصالح کے لئے تو اس کا وجود از بس ضروری ہے، چنانچہ اگر انسان دینِ الٰہی کے تابع ہو جائے تو تکوینی و تشریعی دونوں قسم کی مصالح و حکم کے ظہور کا ذریعہ بنتا ہے اور اگر یہی انسان صحیح مسلمان بن کر حق تعالیٰ کے کلام کی صورت کی حفاظت کرتا ہے تو خود اس کی صورت محفوظ ہو جاتی ہے اور اگر اس کے معنوں کی حفاظت بھی کرتا ہے یعنی اس پر عمل کر کے اسے محفوظ کرتا ہے تو حق تعالیٰ کا صحیح معنی میں سفیر ہوتا ہے اور سفیر اپنی حکومت کا صحیح نمائندہ ہوتا ہے لہٰذا اگر سفیر اپنی حکومت کا صحیح ترجمان اور صحیح نمائندہ بنتا ہے تو حکومت کے ذمہ بھی فرض ہوتا ہے کہ اس کی ہر طرح حفاظت کرے، اسی لئے دنیا کے قانون میں سفیر کو نکالنا اس حکومت سے بغاوت کے مترادف سمجھا جاتا ہے اور عداوت اور مخالفت کی دلیل ہے۔

غرض اس موضوع کی تشریح میں حق تعالیٰ کی توفیق شامل حال رہی اور آخرت و دنیا کی نعمتوں کا تفصیلی موازنہ کیا اور وما متاع الدنیا فی الآخرۃ إلا قلیل کی خوب خوب توضیح ہوئی، حق تعالےٰ کا شکر ہے کہ خلافِ توقع اس کا اثر اچھا ہوا اور کافی تبلیغی قافلے دنیا کے گوشے گوشے کے لئے تیار ہو گئے۔

اس کے بعد مختلف مقامات پر جزوی بیانات ہوئے، پھر پرتگالی مقبوضہ افریقہ "موزمبیق" کے دار الخلافہ "لورنس مارکس" جانے کا اتفاق اور وہاں بھی احباب و مخلصین کے ذریعہ متعدد بیانات ہوئے اور ان ممالک میں تبلیغی کاموں کا جائزہ لیا گیا اور محسوس ہوا کہ اگر کوئی مخلص عالم پرتگیزی زبان جاننے والا اس سرزمین میں کام کرے تو وہاں کی حبشی قومیں بہت آسانی سے اسلام قبول کر سکتی ہیں چنانچہ معلوم ہوا کہ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کے ایک فارغ التحصیل عالم کے ہاتھ پر ایک ہزار سے زائد حبشی مسلمان ہو چکے ہیں، اس موقعہ پر قرآنِ کریم میں صدقات و زکوٰۃ کے مستحقین یا جن لوگوں پر خرچ کئے جائیں کے اقسام میں ایک قسم "والمؤلفۃ قلوبھم" کی اہمیت محسوس ہوئی کہ آج بھی ایسی صورت موجود ہے اگر مسلمان ان نو مسلموں کی پرورش پر زکاۃ کے اموال ہی خرچ کریں تو ہزاروں ہزار مفلس حبشی

حلقۂ اسلام میں داخل ہو سکتے ہیں۔

بہرحال محسوس ہوا کہ جن بلاد میں مسلمانوں کی حکومت نہیں ہے ان میں اس انداز سے کام کرنے میں بہت کچھ کامیابی ہو سکتی ہے، جنوبی و پرتگالی افریقہ سے فارغ ہونے کے بعد لندن کا پروگرام تھا چونکہ یہ سفر طویل تھا اس لئے آل میاں نے میری رفاقت اور اعانت کے لئے ایک انگریزی داں عالمِ دین حافظ موسیٰ یوسف میاں کا انتخاب کیا جن سے مجھے ہر طرح کی آسائش و آسانی میسر آئی۔

دورۂ برطانیہ

جوہانسبرگ سے تمام افریقہ کے برِ اعظم کو تقریباً دس گھنٹہ کی مسلسل پرواز کے ذریعہ طے کر کے اندلس کے دار الخلافہ میڈرڈ پہنچے، ایک شب میڈرڈ میں دو راتیں قرطبہ میں اور چند گھنٹے غرناطہ میں گذارے، مسلمانوں کے عروج و زوال کی تاریخ بیک وقت سامنے آئی اور قرطبہ کی مرحوم جامع مسجد کو دیکھ کر سینہ کے داغوں کو تازہ کیا اور جامع قرطبہ کے ایک گوشے میں "دوگانہ نفل" ادا کرنے کی توفیق نصیب ہوئی، لندن میں احباب و مخلصین کا ایک وسیع حلقہ تھا اس لئے تمام انگلستان کے اکثر مقامات ڈیوز بری دالسال، باٹلی، برمنگھم ڈارسٹن، مانچسٹر، بریڈ فورڈ، بولٹن، شفیلڈ وغیرہ پر اجتماعات کا پروگرام بن گیا اور ہر جگہ جانا پڑا، نو دن کے قیام میں بیس پچیس بیانات ہوئے، انگلستان کے مسلمان باشندوں کی نئی نسل کے لئے شدید خطرات محسوس ہوئے اس لئے کہ تعلیم لازمی ہے اور مخلوط ہے اور مسلمانوں کے اور لندن کی اصلی باشندہ حکمراں قوم دونوں کے اسکول و کالج ساتھ ہیں، اس مخلوط معاشرے کے زیرِ اثر ہفتہ وار لڑکیوں کے لئے جدید انداز میں تفریحی غسل کرنا ان درسگاہوں میں ضروری ہے اور لڑکوں کے لئے ٹیلیویژن پر اس کا دیکھنا بھی ضروری ہے اس تعلیمی و تفریحی اختلاط کے جو زہریلے اثرات پیدا ہوں گے ظاہر ہے کہ وہ نہایت ہی شرمناک و دردناک ہوں گے ویسے بھی لندن میں کیا بلکہ تمام انگلستان میں عریانی اور فحاشی کے ہیجان انگیز مظاہر عام ہیں اور جدید نسل کے لئے انتہائی تباہ کن ہیں، اس لئے اکثر بیانات میں موضوع یہی رہا ہے کہ اسلامی اقدار کو جدید مخلوط تعلیم کے زہریلے اثرات سے محفوظ رکھنا مسلمانوں کے لئے بہر صورت ضروری ہے اور اس کے لئے جو کچھ تدبیریں سمجھ میں آئیں وہ بیان کرتا رہا، جو

ارباب علم وہاں پہنچ چکے ہیں ان کے لئے رضوانِ الٰہی اور جنت حاصل کرنے کے بے حد مواقع ہیں اگر وہ تبلیغی مقاصد کے پروگرام کے تحت دینی خدمت انجام دیں اور محض مال وزر کی تحصیل مقصد نہ ہو تو وہ دنیا اور آخرت دونوں کی دولت کما سکتے ہیں۔

بہرحال یہ محسوس ہوا کہ ان بلاد میں تبلیغِ دین اور مسلمانوں کو بیدار کرنے کی بڑی شدید ضرورت ہے، نیز محسوس ہوا کہ انگلستان کی نئی نسل کو اسلام سے زیادہ عداوت نہیں رہی ہے، عقلوں میں پختگی آگئی ہے، نفع وضرر، خیر وشر کی تمیز کر سکتے ہیں، عصبیت کے دبیز پردے بھی ہلکے پڑگئے ہیں اپنی مسیحیت سے بیزار ہو چکے ہیں مسلمانوں کے ہاتھ اپنے گرجے فروخت کر رہے ہیں اپنے طریقہ زندگی میں سکونِ قلب کو ترستے ہیں ان حالات میں اگر ان کو اسلام کا نسخۂ شفاء اور دواءِ سکون وطمانیت کو مؤثر انداز میں پیش کیا جائے تو بہت جلد قبول کرنے کے لئے تیار ہو جائیں گے اور اس میں تو شک ہے ہی نہیں کہ اہلِ باطل جتنا اپنے باطل دین سے دور ہوں گے اتنا ہی حق اور اسلام کے قریب آئیں گے، افسوس کہ زیادہ قیام کی گنجائش نہیں تھی ورنہ بہت کام ہو سکتا تھا۔

مراجعت پر پیرس، سوئزرلینڈ، ترکی میں بھی تھوڑا تھوڑا قیام ہوا، آج کے ترکی میں اور اتاترک وعصمت انونو کے ترکی میں زمین آسمان کا فرق پایا، نوجوانوں میں عربی زبان، عربی تعلیم کا ذوق بڑھ رہا ہے، دینی کتابیں شائع ہو رہی ہیں، دینی اور تجارتی کتب خانے بارونق ہیں۔

قدیم وجدید مطبوعات میسر آرہی ہیں مسجدیں آباد ہو رہی ہیں "شیخ الاسلام کے عہدے کے لئے ایک عمدہ اور پختہ عالمِ دین علی فکری یادوز کا انتخاب متوقع ہے، یہ انقلاب دیکھ کر بے حد خوشی ہوئی، سابقہ مساجد اور قلمی نوادرات کی ۵ لاکھ علمی کتابوں کے ساتھ ساتھ جدید ترکی کی یہ ترقی مزید جاذبیت کا ذریعہ ہے، سرزمین حرمین شریفین پر سفر ختم ہوا، ارادہ صرف ایک ہفتہ قیام کا تھا لیکن کسی دینی خدمت کی وجہ سے قیام دو ہفتہ سے بھی زیادہ ہو گیا، اثناءِ قیام مدینہ طیبہ میں حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب دامت برکاتہم کی مجالس وصحبت میں حاضری بھی نصیب ہوئی ۱۹ جون کو یہ سفر ختم ہوا۔

جمادی الثانیہ ۱۳۹۳ھ، اگست ۱۹۷۳ء

پاکستان اور اس کے دشمن

هٰذَا بَصَائِرُ مِن رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ (الاعراف ۲۰۲)

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ ہماری حکومت نے قرطاسِ ابیض شائع کر کے اُمت پر بڑا احسان کیا، حکومت ہی کی زبان سے مشرقی پاکستان کی انسانیت سوز بربریت سامنے آگئی اور عجیب و بھاشانی کی امت نے جس درندگی کا ثبوت دیا اس کی پہلی مرتبہ نقاب کشائی ہوئی ان لرزہ خیز مظالم کے تصور سے بھی رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں انسانیت کی تاریخ قیامت تک اس کا ماتم کرے گی، حکومتِ ہند کے ناپاک عزائم بھی ایک مرتبہ پھر دنیا کے سامنے آگئے، برطانیہ کے ناپاک ارادوں پر سے بھی پردہ اٹھ گیا اور بی بی سی لندن جو خود ساختہ خبریں اپنی منحوس خواہشات کے پیشِ نظر شائع کر کے دنیا کی آنکھوں میں دھول جھونک رہی ہے اس کا پردہ بھی چاک ہوگیا، اس قرطاسِ ابیض کو انگریزی اور عربی میں لاکھوں کی تعداد میں شائع کرنے کی ضرورت ہے اور اپنے سفارت خانوں کے ذریعہ دنیا کے گوشے گوشے تک پہنچانے کی حاجت ہے۔

اس کا افسوس ہے کہ ہمارے اکثر سفارت خانے خصوصاً مشرقِ اوسط کے پاکستانی سفارتخانے اپنے منصبی فرائض کے ادا کرنے میں انتہائی افسوسناک حد تک مقصّر ہیں، برطانیہ اور امریکہ کے ناپاک ارادے تو پہلے سے معلوم ہو چکے تھے اب روس کی منافقانہ چالوں کا پردہ بھی چاک ہوتا جا رہا ہے سچ کہا ہے "الکفر ملۃ واحدۃ" یہ تمام داستانیں ہمارے لئے عبرت کے صحیفے ہیں کہ ہمیں خود اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کی شدید ضرورت ہے اور انتہائی کوشش کرنی چاہیئے کہ ہم ان دشمنانِ اسلام سے بھیک مانگنے سے اجتناب کریں اور ہم ان کفر کی طاقتوں کے سامنے ہاتھ پھیلا کر مزید رسوا اور ذلیل نہ ہوں اور اس غیبی طاقت سے اپنا رشتہ جوڑیں جس کے قبضۂ قدرت میں تمام کائنات کی طاقتیں ہیں جو ایک پلک جھپکنے میں تمام کائنات کو صفحۂ ہستی سے مٹا دینے کی طاقت رکھتی ہے اور جب تک ملک میں اسلامی قانون نافذ نہ ہو چین سے نہ بیٹھیں مگر قوم میں اجتماعی دینی روح جب تک پیدا نہ ہو اس وقت تک اس کا کوئی امکان نہیں ہے۔

ضروریاتِ دین کا انکار موجبِ کفر ہے

چند روز پہلے اخبار جنگ میں یہ خبر نظر سے گذری کہ ایک مسلمان خاتون نے عدالت میں دعویٰ دائر کر کے عدالت سے چارہ جوئی کی ہے کہ میرا شوہر زکاۃ سے منکر ہے اسلام سے خارج ہو گیا مجھے اس کے نکاح میں رہنا جائز نہیں اس لئے قانوناً بھی اس کے حق زوجیت کو ختم کر دیا جائے اس مایوس کن فضا میں یہ خبر اور ایک مسلمان عورت کا یہ مطالبہ ایک مسلمان کے لئے انتہائی امید افزا ہے، بلاشبہ یہ مطالبہ بالکل صحیح ہے شرعاً تو اس کی تفریق ہو ہی گئی، نماز روزہ زکاۃ حج یہ بنیادی اسلامی قوانین و احکامات ہیں ان میں اگر عملی تقصیر ہو جائے تو دائرۂ اسلام سے انسان نہیں نکلتا ہاں معصیت و فسق میں مبتلا ہو جاتا ہے لیکن اگر ایک سکنڈ کے لئے بھی ان کی فرضیت سے انکار کر دے تو فوراً دائرۂ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے، یہی حکم و قانون ان تمام احکام کا ہے جن کا ثبوت اور دینِ اسلام کا جزو ہونا قطعی و یقینی ہے کہ ان کے انکار سے کفر لازم آتا ہے مثلاً شراب کی حرمت، زنا کی حرمت، سود کی حرمت، خنزیر کے گوشت کی حرمت وغیرہ وغیرہ یہ سب چیزیں دینِ اسلام میں حرام ہیں اگر کوئی شخص عملی تقصیر کر کے مبتلا ہو جائے تو فاسق ہوگا کافر نہیں ہوگا لیکن اگر کوئی مسلمان ان کی حرمت سے انکار کرے اور حلال سمجھے، چاہے عملاً بچتا ہی رہے پھر بھی کافر ہو جائے گا، اسی طرح حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری نبی و رسول ہونے کا یعنی ختم نبوت کا عقیدہ بھی قطعی و یقینی ہے قرآنِ کریم اللہ تعالےٰ کا آخری آسمانی پیغام ہے اور ابدی ہے اگر کوئی شخص قرآنِ کریم کے اللہ تعالےٰ کا کلام ہونے سے انکار کرے چاہے روزانہ تلاوت بھی کرتا رہے وہ مسلمان نہیں رہ سکتا اسی طرح جو شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی اور کی نبوت کا قائل ہو کہ آپ کے بعد کوئی اور بھی نبی ہو سکتا ہے تو وہ بھی کافر اور دائرۂ اسلام سے خارج ہے (خواہ کلمہ طیبہ پڑھتا رہے)۔

الغرض جو چیز بھی دینِ اسلام کا یقینی جزو ہو اس کو اسلام سے خارج کرنے سے انسان خود اسلام سے خارج ہو جاتا ہے یہی عقیدہ اور عمل کا بنیادی فرق ہے، موٹی سی بات ہے اگر انسان غور کرے، ایک شخص کا اگر یہ عقیدہ ہو کہ موجودہ حکومت صحیح نہیں بلکہ غلط اور غیر آئینی ہے اس کی اطاعت اور احکامات کی پابندی ضروری نہیں تو اس کو یقیناً باغی قرار دیا جائے گا اور وہ

کسی بھی رعایت کا مستحق نہ ہوگا لیکن اگر حکومت کو تو صحیح اور آئینی مانے البتہ کسی بھی وجہ سے کسی قانونی پابندی میں کوتاہی کرے تو یہ جرم پہلے جرم سے بہت ہلکا ہوگا اور قابلِ معافی بھی ہو سکتا ہے، علماءِ امت نے بہت وضاحت سے اس کی تحقیق کی ہے کہ جو احکامِ شرعیۂ قطعی" ہیں جن کی علمی تعبیر یہ ہے کہ جو "ضروریاتِ دین" ہیں یعنی ان کا دینِ اسلام سے ہونا قطعی اور بدیہی ہے ان کا انکار کرنا یا ان میں تاویل کرنا اور ان کو ان حقائق و مفہومات سے نکالنا جو تیرہ سو سال سے مسلم چلے آتے ہیں۔ یہ سب کفر ہے، مثلاً نماز جو مخصوص عبادت ہے جس کے لئے وضو کرنا بھی فرض ہے استقبال قبلہ بھی فرض ہے جس جگہ پڑھی جائے اس کا پاک ہونا بھی فرض ہے جن کپڑوں میں نماز پڑھی جاتی ہے ان کا پاک ہونا بھی فرض ہے تکبیر۔ اللہ اکبر۔ سے شروع ہوتی ہے سلام۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ پر ختم ہوتی ہے، قیام رکوع وسجود وقعود اس کے ارکان ہیں وغیرہ وغیرہ لہٰذا جس طرح نماز کی فرضیت سے انکار کرنا کفر ہے ٹھیک اسی طرح نماز کے معنی بدلنا یا اس کی یہ تاویل کرنا کہ نماز سے محض اللہ کی یاد مراد ہے اور وہی کافی ہے یقیناً یہ بھی کفر ہے یہی وجہ ہے کہ غلام احمد پرویز اپنی تحریرات و تالیفات میں نماز، زکاۃ، روزہ، حج، اطاعتِ رسول اور اطاعت اللہ کے مفہومات بدلنے کی وجہ سے ہی کافر ہو گیا اور اسی لئے مرزا غلام احمد قادیانی جہاں اس کے اور سیکڑوں کفریات ہیں وہاں ختمِ نبوت یا نزولِ مسیح علیہ السلام کے معنی میں تاویل کرنے کی وجہ سے مسلمہ طور پر باتفاق امت کافر ہے، بہرحال ایک خاتون کے اس اسلامی جذبے اور دینی غیرت و حمیت سے بہت مسرت ہوئی مگر ہمیں توقع ہے کہ اگر اس کے شوہر کو سمجھایا جائے تو وہ بھی اس انکار سے توبہ کرے گا۔

روز افزوں خرابیاں اور ان کا تدارک

پاکستانی معاشرے میں روز افزوں خرابیاں پیدا ہو رہی ہیں اور نئی نسل اخلاق اور دین کے تقاضوں سے یکسر آزاد ہو رہی ہے، یہ صورتِ حال انتہائی دردناک ہے اور اس کے عواقب و نتائج انتہائی خطرناک ہیں، بنیادی چیز جس پر زیادہ تر دارومدار ہے وہ تعلیم ہے تعلیم کے دو مؤثر عوامل ہیں (۱) نصابِ تعلیم (۲) اور اساتذۂ تعلیم انتہائی ضروری ہے کہ ان دونوں عواملِ تعلیم کی بنیاد دین پر ہو، قرآنِ کریم کی تعلیمات، احادیثِ نبویہ کے اخلاقی جواہر گرانمایہ اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم اور صحابہ کرام کی سیرتِ مقدسہ، نصابِ تعلیم کا اہم جزو ہونا چاہیئے جب تک اس نصاب کی اصلاح نہ ہو کیونکر یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ افکار و خیالات اور زندگی میں کوئی انقلاب آسکتا ہے، مشرقی پاکستان کی تباہی و بربادی کی داستان جو آج کل زبان زدِ خاص و عام ہے اس میں زیادہ تر مؤثر تعلیمی نصاب تھا جو نصاب پڑھایا جاتا تھا وہ وہی نصاب تھا جو بھارت نے مغربی بنگال کے مدارس میں ہندو نسل کے لئے تیار کروایا تھا، پڑھانے والے اساتذہ جو دوسرا مؤثر ترین عامل ہے، زیادہ تعداد میں ہندو اساتذہ تھے، ہندو استاذوں کی تربیت ہو اور نصابِ تعلیم ہندوانہ ہو اس کے نتائج وہی نکلنے تھے جو سامنے آئے کسی زمین میں جو تخم ڈالا جائے گا وہی پھوٹ کر نکلے گا، اس لئے انتہائی ضروری ہے کہ نصابِ تعلیم کے ہر مرحلے پر ابتدائی اسکول سے لے کر ایم اے کے نصاب تک درجہ بدرجہ دینی عنصر مؤثر انداز سے شامل کیا جائے۔

اساتذہ کے انتخاب میں دین و اخلاق اور کردار کی پختگی کو معیار قرار دینا بہت ہی ضروری ہے اگر اساتذہ غیر اسلامی ذہنیت کے ہوں گے یا اسلامی اخلاقی اقدار سے آزاد ہوں گے تو ظاہر ہے کہ نرا نصاب کچھ نہیں کر سکتا ہے ان کی زندگی کا اثر طلبہ پر لامحالہ پڑے گا، افسوس یہ ہے کہ ایک طرف تو مؤثر اصلاحی عوامل کی کم یابی بلکہ نایابی ہے اور دوسرے طرف یورپ کی تہذیب کی پوری نقالی کی ہر ممکن ترغیب ہے ایسی صورت میں جو فساد پیدا ہو رہا ہے اس کی کس طرح اصلاح ہو سکتی ہے، سب سے دردناک چیز یہ ہے کہ درحقیقت جو مرض ہے اس کو صحت و تندرستی سمجھ لیا گیا ہے دنیاوی زندگی میں عیش پرستی اور تن آسانی دین و اخلاق کے تقاضوں سے آزادی کو ہی عملاً ترقی کا معیار قرار دے لیا گیا ہے اور یہی تصور ذہنوں میں راسخ ہو چکا ہے، بقول شاعر ؎

اب تو آرام سے گذرتی ہے
عاقبت کی خبر خدا جانے

جب قوم اس مرحلے پر پہنچ جاتی ہے تو عواقب و نتائج انتہائی خطرناک ہو جاتے ہیں، قرآنِ کریم میں ارشاد ہے:۔

وَإِذَا أَرَدْنَا أَنْ نُهْلِكَ قَرْيَةً أَمَرْنَا مُتْرَفِيهَا فَفَسَقُوا فِيهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا

یعنی جب بداعمالیوں کی شامت کی بنا پر کسی بستی کو ہلاک کرنا ہوتا ہے تو دفعۃً ان کو نہیں پکڑتے بلکہ اتمامِ حجت کے

الْقَوْلُ فَدَمَّرْنَاهَا تَدْمِيرًا» (اسراء ع ۱۶) طور پر ان کو احکامِ الٰہی پہنچائے جاتے ہیں لیکن وہاں کے امراء اور اربابِ عیش و عشرت جب فسق و فجور میں مبتلا ہو کر تمام معاشرے کو برباد کر دیتے ہیں تو وہ پوری بستی عذابِ الٰہی کی مستحق بن جاتی ہے اور ہم اسے ملیامیٹ کر دیتے ہیں (العیاذ باللہ)

جب گھروں کی زندگی میں دینی اقدار ختم ہو جائیں، اسکول، کالج اور یونیورسٹی کی زندگی میں اسلامی اقدار باقی نہ رہیں، باہر کے معاشرے میں ٹیلی ویژن، ریڈیو، سینما، عریاں مناظر، حیاسوز مظاہر قدم قدم پر سامنے ہوں اور پھر ہم توقع رکھیں کہ صالح معاشرہ پیدا ہو کیوں کر ممکن ہے؟ وہی مضمون ہو گا جو کسی شاعر نے لکھا ہے ؎

اندرونِ قعرِ دریا تختہ بند م کر دئ
بازمی گوئی کہ دامن تر مکن ہوشیار باش

بلاشبہ اس وقت راہنمایانِ قوم و ملت کو انتہائی خلوص اور بے جگری کے ساتھ ٹھوس قدم اٹھانے کی ضرورت ہے نوجوان نسل پر یورپ کی کورانہ تقلید کی جو وبا مسلط ہو گئی ہے اس کے خلاف جہاد کرنے کا وقت ہے تب ممکن ہے کوئی مؤثر کام ہو سکے، بالفرض اگر ناکامی بھی ہوتی ہے تو ہماری مسئولیت تو ختم ہو جائے گی، واللہ سبحانہ ھو الموفق والمستعان وصلی اللہ علی سیدنا محمد وآلہ واصحابہ واتباعہ وصالحی عبادہ وبارك وسلم ۔

رجب المرجب ۱۳۹۱ھ، ستمبر ۱۹۷۱ء

اُمتِ اسلامیہ کی زبوں حالی اور اس کا اصل علاج

تمام امتِ اسلامیہ کا شیرازہ منتشر ہو چکا ہے، ہر جگہ اضطراب ہی اضطراب ہے۔ نہ حکمرانوں کو چین نصیب ہے، نہ محکوم آرام کی نیند سو سکتے ہیں، مصیبت بالائے مصیبت یہ کہ کوئی بھی صحیح علاج نہیں سوچ رہا ہے جو زہر ہے اس کو تریاق سمجھ لیا گیا ہے جو تباہی و بربادی کا راستہ ہے اس کو نجات کا راستہ سمجھا جا رہا ہے جو تدبیریں شقاوت کو دعوت دے رہی ہیں انہی کو ذریعہ سعادت خیال کیا جا رہا ہے، ماسکو ہو یا واشنگٹن تمام جہنم کے راستے ہیں، کوئی بھی سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ کا راستہ جو سراسر نجات و سعادت کا اعلیٰ ترین وسیلہ ہے نہیں سوچ رہا ہے جو صراطِ مستقیم جنت کو جا رہا ہے اس سے بھٹک گئے ہیں، نہ معلوم کہ اربابِ عقول کی عقلیں کہاں چلی گئیں؟ اربابِ فکر کیوں فکر سے عاری ہو گئے؟ آخر تاریخ کی یہ عبرتیں کس لئے ہیں؟ حقائق سے کیوں چشم پوشی کی جا رہی ہے؟ خاکم بدہن ایسا تو نہیں کہ تکوینی طور پر امت پر تباہی و بربادی کی مہر لگ چکی ہے؟ اس امت کا زوال مقرر ہو چکا ہے؟ عروج کا دور ختم ہو گیا ہے؟ حق تعالیٰ نے تو اسلام اور صرف اسلام کی نعمت کو آخری نعمت فرمایا تھا اور یہ صاف و صریح اعلان ہو چکا تھا کہ اس کے سوا کوئی رشتہ و رابطہ کوئی دین و مسلک قابلِ قبول نہ ہوگا، نجات اسی دینِ اسلام میں ہے اور اسی دینی رابطہ میں فلاح و سعادت ہے، باقی تمام راستے شقاوت و ہلاکت اور تباہی و بربادی کے راستے ہیں اور یہ ابدی اعلان آج بھی حق تعالیٰ کے آخری پیغام میں کیا جا رہا ہے:۔

«ومن یبتغ غیر الاسلام دیناً فلن یقبل منہ» — اور جو کوئی چاہے سوا اسلام کی حکم برداری کے اور دین سو اس سے ہرگز قبول نہ ہوگا۔

اور سورۂ عصر میں تاریخِ عالم کو گواہ بنا کر پیش کیا گیا ہے کہ جن لوگوں میں ایمان باللہ، عملِ صالح، تواصی بالحق اور تواصی بالصبر یہ چار باتیں نہیں ہونگی ان کا انجام تباہی و بربادی ہے، کیا اسی اسلام سے روگردانی کی اتنی بڑی سزا پاکستان اور پاکستانیوں کو نہیں ملی کہ

چند لمحوں میں بارہ کروڑ آبادی کا عظیم ملک ۵ کروڑ کا چھوٹا سا ملک بن گیا ؟ کیا بنگلہ دیش کے قضیہ سے دونوں طرف کے مسلمان عذابِ الٰہی میں نہیں مبتلا ہوئے ؟ اسلامی رابطۂ اتحاد واخوت ختم کرکے کیا دولت کمائی ؟ آخرت سے پہلے دنیا کی رسوائی اور خسران وتباہی بھی دیکھ لی، افسوس کہ وہی غیر اسلامی سبق پھر یہاں مغربی پاکستان میں دوہرایا جارہا ہے، وہی سندھی پنجابی، بلوچ اور پٹھان کے ملعون نعرے یہاں بھی اُبھر رہے ہیں، ارحم الراحمین کے غضب کو دعوت دینے والی صورتیں اختیار کی جارہی ہیں، طاغوتی طاقتیں جن کا ڈورا باہر کے شیاطین کے ہاتھ میں ہے اسلام اور مسلمانوں پر ایک اور کاری ضرب لگانے کی فکر میں لگ گئے ہیں، فإنا للہ وإنا إلیہ راجعون. نہ اربابِ حکومت مرض کا صحیح علاج سوچ رہے ہیں نہ اربابِ دین، دین کے تقاضوں کو پورا کر رہے ہیں، نہ اربابِ قلم زورِ قلم اصلاحِ حال پر خرچ کر رہے ہیں، غور کرنے سے یہی معلوم ومحسوس ہوتا ہے کہ اس قوم کا آخرت پر یقین یا تو ختم ہوگیا ہے یا اتنا کمزور ہو گیا ہے کہ نہ ہونے کے برابر ہے، جنت وجہنم اور حیاتِ ابدی کے تصور سے دل ودماغ خالی ہو گئے ہیں، تمام نعمتیں وآسائشیں صرف دنیا کی چاہتے ہیں، جب مرض یہ ہے یعنی دنیا کی محبت اور آخرت سے غفلت تو اب رہنمایانِ قوم کا فرض یہ ہے کہ اسی کا تدارک کریں اور اسی کا علاج سوچیں، گزشتہ چند سالوں کے تجربات سے یہ بات واضح ہوگئی کہ جو طریقۂ علاج کا سوچا گیا اور عملاً اس کو اختیار بھی کیا گیا وہ صحیح قدم نہ تھا، اخبارات بھی جاری کئے گئے، جماعتیں بھی بنائی گئیں، جلسے بھی کئے گئے، جلوس بھی نکالے گئے مظاہرے بھی کئے گئے، جھنڈے بھی اٹھائے گئے، نعرے بھی لگائے گئے، الیکشن بھی لڑے گئے، کچھ ممبر بھی منتخب ہوگئے، اسمبلی ہالوں میں پہنچ گئے، کچھ تقریریں بھی کیں، کچھ تجویزیں بھی پاس ہوئیں، لیکن یہ سب نقارخانے میں طوطے کی آواز بن کر رہ گئے، قوم سے چندے کئے گئے کروڑوں روپے خرچ بھی کئے لیکن قوم جہاں تھی کاش وہیں رہتی ہزاروں میل پیچھے ہٹ گئی، میں یہ نہیں کہتا کہ یہ تدابیر اختیار نہ کی جائیں اور یہ بالکل عبث وضیاعِ وقت ہے، لیکن اتنا تو واضح ہو گیا کہ یہ پورا علاج نہیں، یا اصل علاج نہیں اور یہ نسخہ مفید ثابت نہ ہوا، مرض کا ازالہ اس سے نہیں ہو سکا.

اصلاحِ معاشرہ کا صحیح طریقہ

بہرحال ان سیاسی تدبیروں کے ساتھ اب دینی سطح پر کام کی ضرورت ہے، اگر آپ کا شوق اس کا متقاضی ہے کہ سیاسی تدبیریں اختیار کی جائیں اور سیاسی حربے بھی استعمال ہوں اور آپ کی طبیعت اور ذوق ان وسائل کو ترک کرنے پر آمادہ نہیں، اگرچہ ہماری دیانتدارانہ رائے یہی ہے کہ ان کی حقیقت ایک سراب سے زیادہ نہیں اور "کوہ کندن وکاہ برآوردن" والی مثال صادق آتی ہے، وقتی اور سطحی عوامی فائدے ہیں لیکن تاہم اگر آپ کا ذوق تسلیم نہیں کرتا تو ترک نہ کیجئے لیکن اصلی اور حقیقی و بنیادی کام اصلاح معاشرہ ہے اللہ تعالیٰ کی اس مخلوق کو بھولا ہوا سبق یاد دلائیں اور انبیاء کرام اور مصلحینِ امت کے طریقوں پر آسمانی ہدایات کی روشنی میں اصلاح کا بیڑہ اٹھائیں اور اپنی پوری طاقت انفرادی اجتماعی اصلاحِ امت پر خرچ کی جائے، گھر گھر بستی بستی پہنچ کر دعوت الی الخیر کا ربّانی پیغام پہنچائیں، اجتماعات ہوں تو اسی مقصد کے لئے جلسے اگر ہوں تو اسی بنیاد پر، مجلاّت ہوں تو اسی کام کے لئے اخبارات کے صفحات ہوں تو اسی مقصد کے لئے اور کاش کہ اگر حکومت کے وسائل حاصل ہوں اور ریڈیو وغیرہ کی پوری طاقت بھی اس پر خرچ ہو تو چند مہینوں میں یہ فضا تبدیل ہوسکتی ہے، بہرحال اس وقت یہ آرزو تو قبل از وقت ہے کہ حکومت کی سطح پر جو وسائل نشرو اشاعت ہیں وہ ایمان کی روح سے آراستہ ہوں اور ایمانی حرارت اور نور ان میں جلوہ گر ہو ان کے ذریعہ اصلاح ہو، اب ضرورت اس کی ہے کہ آج کی نسل خدا ترس بن جائے، ان کی اصلاح ہو، آج کی یہی نسل کل حکمران ہو، تمام تر وسائلِ نشرو اشاعت اور خبر رساں ایجنسیاں سب کے سب اشاعتِ اسلام و تزکیۂ اخلاق کے سرچشمے ہوں، پوری قوم نہ سہی اکثریت یا قابلِ اعتبار اہم اقلیت کی ہی اصلاح ہو جائے تو کل کرسی صدارت ہو یا کرسی وزارت، منصبِ سفارت ہو یا وسائل نشرو اشاعت ہوں یہ سب کے سب تعلیمِ اسلام و تعلیمِ دین کے مراکز بن سکیں گے اب تو حالت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ پاسبان خود چور بن گئے ہیں جو رہبر تھے وہ رہزن بن گئے ہیں، تفصیلات میں جانے کی حاجت نہیں۔ "عیاں راچہ بیان" جو صورتِ حال ہے وہ سامنے ہے۔

خلاصہ یہ کہ اس وقت دین کی اہم ترین پکار یہی ہے کہ خدا کے لئے اٹھو اور خوابِ غفلت سے بیدار ہو جاؤ اور سفینۂ حیات کو ساحلِ مراد تک پہنچانے کی پوری جد وجہد کرو۔
نیز یہ چیز پیشِ نظر رہے کہ طاغوتی طاقتیں اور تمام تر فتنہ وفساد برسرِ کار ہیں اور نہایت تیزی سے سیلاب آ رہا ہے۔ کمزور وناتواں کوشش کافی نہیں، فساد معاشرے میں ایٹم کی رفتار سے پھیل رہا ہے، ظاہر ہے کہ کیڑے مکوڑوں کی رفتار سے مقابلہ کیا گیا تو کیونکر اصلاح ممکن ہو گی؟ خدارا یہ آگ جو لگ چکی ہے جلد سے جلد بجھانے کی کوشش کرو، ورنہ تمام قوم وملک اس کی شعلوں کی نذر ہو جائے گا، افسوس وتعجب سے کہنا پڑتا ہے کہ اگر کسی کے گھر میں آگ لگ جاتی ہے تو وہ فوراً بجھانے کی تدبیر میں لگ جاتا ہے کوتاہی نہیں کرتا لیکن دینِ اسلام کے گھر میں آگ لگی ہوئی ہے صدیوں کا جمع کیا ہوا ذخیرہ نذرِ آتش ہونے کے قریب ہے لیکن ہم اطمینان سے بیٹھ کر تماشائی بنے ہوئے ہیں۔

پاکستان کے بحرانوں کا حقیقی علاج دعوت الی اللہ ہے

ہمارے ملک میں جو بحران ڈیڑھ دو سال سے چل رہا ہے وہ مشرقی پاکستان کو موت کی نیند سُلا دینے کے بعد بھی تھمنے نہیں پایا بلکہ اس کا سارا زور سمٹ کر اب نیم جان مغربی پاکستان پر لگا ہوا ہے، مریض کے حالات اتنے غیر یقینی اور مستقبل اتنا بھیانک ہے کہ اسے ضبطِ تحریر میں لانا ممکن نہیں، ہم علماء سے، طلبہ سے، حکام سے، صحافیوں سے، وکیلوں سے، کسانوں سے، مزدوروں سے اور ہر ادنیٰ واعلیٰ سے خدا کے نام پر اپیل کرتے ہیں کہ اگر اس ملک کی، اور خود اپنی زندگی کچھ دن اور مطلوب ہے اگر ہمارے دل پتھر، ہمارے ذہن مفلوج، ہمارے دماغ ماؤف اور ہمارے اعضاء شل نہیں ہو گئے ہیں اور اگر ہمارے بدن میں زندگی کی کوئی رمق اور ہماری آنکھ میں عبرت وغیرت کا کچھ پانی ابھی موجود ہے تو ہمیں سارے دھندے چھوڑ کر، سارے ضروری کام ملتوی کر کے اور سارے مشاغل سے ہٹ کر چند دن کے لئے دعوت الی اللہ کا کام کرنا ہوگا، اس کے لئے سب کو نکلنا ہوگا، سب کے پاس جانا ہوگا، دربدر کی ٹھوکریں کھانی ہوں گی، اگر ملک کا معتدبہ حصہ اس فرض کو انجام دینے کے

لئے اٹھ کھڑا ہوگا تو حق تعالیٰ اس ملک کی اور اس کے ساتھ ہماری بقاء کا فیصلہ فرمادیں گے اور پھر بھارت اور روس بھی ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے اور اگر ہم بدستور اپنی اپنی لَے میں مست اور اپنے اپنے کام میں مگن رہے اور دعوت الی اللہ کے کام کے لئے اپنے اوقات اپنے مال اور اپنی جان کو خرچ کرنے کی ہمت نہ کی تو خدا ہی جانتا ہے کہ اس فرض ناشناسی کی پاداش کن کن شکلوں میں ظاہر ہوگی، ہماری تدبیریں، ہماری حکومتیں، ہماری وزارتیں، ہماری اسمبلیاں، ہمارے وسائل خدا کے فیصلے کو نہیں بدل سکتے۔

میٹنگیں بلانے، عمائد کو جمع کرنے، اتحاد کے نعرے لگانے اور مشترکہ لائحہ عمل تیار کرنے پر بہت وقت ضائع کیا جاچکا ہے اب وقت ہمیں ایک لمحہ کی مہلت دینے کو بھی تیار نہیں، نہ دعوت و اصلاح کے خاکے مرتب کرنے پر مزید اضاعتِ وقت کی ضرورت ہے، مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ والی تبلیغی تحریک ہی بس امید کی آخری کرن ہے، اپنے ذوق، اپنے تقاضوں اور اپنے اختلافات کو ایک طرف رکھ دیجئے ملت کی شکستہ کشتی کے ٹوٹے ہوئے اس تختہ کو جس پر پانچ کروڑ نفوس سوار ہیں اگر بچانا ہے تو بس یہی ایک تدبیر ہے کہ ہم سب اخلاص کے ساتھ خفافاً و ثقالاً اس کام کے لئے نکل کھڑے ہوں اور دعوت کے کام کو سیکھیں اور کریں، ہم ایک بار پھر علماء اور دانشور طبقہ سے عرض کریں گے کہ خدارا مقتضائے حال کو سمجھو، ہمارے موجودہ مشاغل ہمارے پاؤں کی زنجیر بن جائیں گے، اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے لئے دعوت و اصلاح کی محنت والا کام نہ سنبھالا گیا اور اگر ہماری بے اتفاقی، لاپروائی اور بے اعتنائی کی یہی کیفیت رہی جواب تک ہے تو وقت کا فیصلہ بڑا ہی شدید اور بھیانک ہوگا، مشرق والوں کو اس کا تجربہ ہوچکا ہے ہمیں اس سے عبرت پکڑ لینی چاہیئے، اللہ تعالیٰ رحم فرمائیں اور ملتِ بیضاء کی حفاظت کی توفیق امت کو نصیب فرمائیں۔

ایک خواب اور ایک پیغام

کچھ دن ہوئے لاہور سے ایک صاحب کا گرامی نامہ موصول ہوا، ہم اس مکتوب اور اس کے ساتھ منسلکہ خواب کو بصائر و عبر کی مناسبت سے یہاں پیش کرتے ہیں:۔

".... السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ ۹-۱۰ جنوری کی درمیانی شب کو میں نے ایک خواب دیکھا جس کی کاپی جناب کو روانہ کر رہا ہوں، اس خواب میں میں نے کچھ علماء کو جناب نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم کی خدمت میں بیٹھے دیکھا ہے، جن میں ایک آپ بھی ہیں، پہلی صف میں مولانا مفتی محمد حسن، مولانا محمد یوسف دہلوی مولانا عبدالقادر رائے پوری، مولانا عنایت اللہ شاہ بخاری اور جناب (مولانا محمد یوسف بنوری) تشریف فرما ہیں۔

پچھلے سے پچھلے رمضان المبارک کو ایک خواب دیکھا تھا جس میں دیکھا تھا کہ چاند اپنی پوری گولائی میں موجود ہے، اس پر پاکستان کا نقشہ بنا ہوا ہے، مشرقی حصے کے نقشہ پر یہ حروف لکھے ہیں:۔

سنہلک الارض	ہم اس سرزمین کو اور یہاں کے رہنے والوں
واھلھا.	کو عنقریب ہلاک کریں گے۔

اب اس خواب کے بعد جو یہاں نقل کیا جا رہا ہے، طبیعت خاصی پریشان ہے سوچتا ہوں کہ اس پیغام کا حق کیسے ادا ہو، امید ہے آپ کوئی تسلی بخش جواب دیں گے۔

والسلام

خواب اور پیغام:

"جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مکان میں مشرق کی جانب رخ کئے ایک منبر پر تشریف فرما ہیں، میں آپؐ کی بائیں جانب کھڑا ہوں اور ایک دُبلے پتلے گورے چٹے بزرگ آپؐ کی داہیں جانب کھڑے ہیں، علماء کا ایک گروہ بھی حاضر خدمت ہے، ایک عالمِ دین کھڑے ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پاکستان کے حالات بیان کر رہے ہیں، واقعات سناتے ہوئے جب وہ یہ کہتے ہیں "پھر یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہندوستان کی فوجیں فاتحانہ انداز سے ہمارے ملک میں داخل ہو گئیں،" تو میں کیا دیکھتا

ہوں کہ جناب رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اپنے داہنے ہاتھ کی انگلیوں سے اپنی پیشانی تھام لیتے ہیں اور آپؐ کی آنکھوں سے لگاتار آنسو بہنے لگتے ہیں، یہ دیکھ کر تمام محفل پر گریہ طاری ہو جاتا ہے اور بعض حضرات تو چیخیں مار مار کر رونے لگتے ہیں۔

کچھ دیر بعد آپؐ علماء کی جماعت کی طرف متوجہ ہو کر ارشاد فرماتے ہیں: "اس حادثۂ عظیم پر ملائکہ بھی غمزدہ ہیں مگر ان کو تمہارے اعمال کی بدولت تمہاری مدد کے لئے نہیں بھیجا گیا۔" پھر آپؐ کا چہرۂ انور سرخ ہو گیا، آپؐ فرماتے ہیں:

"تمہیں معلوم ہے تمہاری اسی مملکت میں میری نبوت کا مذاق اڑایا گیا، میرے صحابہ کو گالیاں دی گئیں اور میری سنت کی تضحیک واہانت کی گئی۔" اس کے بعد آپؐ نے فرمایا:

"اے جماعتِ علماء! امت کو میرا یہ پیغام پہنچا دو کہ جب تک حکام عیاشی، ظلم اور تکبر نہیں چھوڑیں گے، اغنیاء جب تک بخل، حق تلفی اور بے حیائی ترک نہیں کریں گے اور علماء جب تک کتمانِ حق، حرصِ دنیا اور ریاکاری وخودنمائی سے باز نہیں آئیں گے، عورتیں جب تک بدکاری، ناچ ورنگ، فحش گانے شوہروں کی نافرمانی اور عریانی اور بے پردگی نہیں چھوڑیں گی اور پوری قوم جب تک جھوٹی گواہی، غیبت، زنا، لواطت، شراب نوشی، سود خوری اور اعمالِ شرک سے توبہ نہیں کرے گی خوب یاد رکھو اس وقت تک عذابِ الٰہی سے نہیں بچ سکتی۔"

آپؐ نے فرمایا "تم مجھے ان باتوں کے ترک کر دینے کی ضمانت دو، میں تمہیں دنیا و آخرت کی بھلائی کی ضمانت اور دشمن پر غلبہ کی بشارت دیتا ہوں لیکن اگر تم اب بھی ایسا کرنے کے لئے تیار نہیں ہو تو خوب یاد رکھو عنقریب ایک سخت ترین عذاب بصورتِ نفاق آنے والا ہے جس سے تمہیں اللہ کے سوا کوئی نہیں بچا سکتا۔" (العیاذ باللہ۔ العیاذ باللہ) اس کے بعد آپ نے یہ آیت

تلاوت فرمائی :-

«واتقوا فتنۃً لا تصیبن الذین ظلموا منکم خاصۃ واعلموا أن اللہ شدید العقاب» اور تم ایسے وبال سے بچو کہ جو خاص انہیں لوگوں پر واقع نہیں ہوگا جو تم میں ان گناہوں کے مرتکب ہوتے ہیں اور جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والے ہیں (بیان القرآن)

اس آیت کے سنتے ہی ہم سب پر گریہ طاری ہو گیا، ہم رو رہے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بار بار یہ آیت دہرا رہے تھے :-

«وتوبوا الی اللہ جمیعًا أیہا المؤمنون لعلکم تفلحون» اور اے مسلمانو! (تم سے جو ان احکام میں کوتاہی ہوگئی تو) تم سب اللہ کے سامنے توبہ کرو، تاکہ تم فلاح پاؤ۔" (بیان القرآن)

اس پر مزید کسی تبصرے کی ضرورت نہیں "عذاب بصورتِ نفاق" کی تعبیر صوبائی عصبیت اور گروہی مفادات کا وہ طوفان ہے جو ملک کی درو دیوار سے ٹکرا رہا ہے جس میں علماء و صلحاء اور عوام و حکام سب بہے جا رہے ہیں اور جسے برپا کرنے میں اوپر سے نیچے تمام نفاق پیشہ عناصر اپنی پوری قوتیں صرف کر رہے ہیں پورا ملک آتشِ نفاق کے مہیب شعلوں کی لپیٹ میں ہے۔ جس پر توبہ و استغفار، تضرع و ابتہال اور دعوت الی اللہ کے ذریعہ آج تو قابو پایا جا سکتا ہے مگر کچھ دن بعد یہ تدبیر بھی کارگر نہیں ہوگی اور پھر خدا ہی جانتا ہے کہ کیا حالات ہوں گے، کون رہے گا اور کس کی حکومت ہوگی اور کون محکوموں کی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہوگا، اللہ تعالیٰ ہمارے حال پر رحم فرمائیں، ہمارے گناہوں کو معاف فرمائیں اور پوری امت کو اپنی مرضیات کی توفیق عطا فرمائیں، وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہٖ صفوۃ البریۃ سیدنا محمدٍ وعلیٰ آلہ وأصحابہ وأتباعہ اجمعین۔

ربیع الاول ۱۳۹۲ھ

مسلمانوں کی زبوں حالی کے اسباب اور ان کا حل

عربی کی ایک مشہور مثل ہے "آخر الدواء الکی" یعنی آخری علاج آگ سے داغ دینا ہے، مشرقی پاکستان میں جو کچھ ہوا وہ جن حالات میں ہوا وہ سب ناظرین کے سامنے ہیں ان حقائق و واقعات کی تفصیلات میں وقت ضائع کرنے کی حاجت نہیں، یوں بھی یہ تذکرہ کوئی دلچسپ اور لذیذ نہیں بلکہ باعث صد ندامت ہے، بہرحال اس کا آخری علاج جو عین حکمت و مصلحت تھا وہی ہوا، مارشل لا حرکت میں آیا اور حق تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے اپنے فضل و کرم سے پاکستان کی سالمیت کی ایک بار پھر حفاظت فرمائی۔

البتہ صدمے کی بات ہے کہ ملک میں جمہوری فضا پیدا کرنے اور نظمِ حکومت کو صحیح اسلامی نہج پر لانے کے لئے جو محنتیں کی گئیں وہ سردست رائیگاں گئیں اور مدتوں کے بعد جو توقعات قائم ہوئی تھیں، وہ غلط اندیش لیڈروں کی نذر ہو کر خاک میں مل گئیں، نہ معلوم ہماری بدنصیبی کی انتہا کب ہوگی۔

میں اتفاق سے ۲۰ مارچ ۱۹۷۱ء سے ۴ اپریل ۱۹۷۱ء تک "مجمع البحوث الاسلامیہ" کی چھٹی کانفرنس میں شرکت کے لئے قاہرہ گیا تھا، ادھر ہمارے ملک میں یہ حالات پیش آئے تو وہاں کانفرنس کے اربابِ حل و عقد کو "شیخ مجیب الرحمٰن" کے نام سے عجیب غلط فہمی پیش آئی، عرب ممالک اور خصوصاً مصر میں "شیخ" کے معنیٰ بڑے عالم کے ہیں، مجیب الرحمٰن کے نام کے ساتھ بار بار "شیخ" کا لفظ سن کر انہوں نے یہ سمجھ رکھا تھا کہ مجیب الرحمٰن کوئی بڑا عالم اور دینی مقتدا ہے، طبعی طور پر علماء کو ایک عالم سے ہمدردی ہونی چاہیئے، نیز یہ ظاہر ہے کہ جب وہ اتنا بڑا عالم اور دینی راہنما ہے تو یقیناً وہ اپنے مؤقف میں حق بجانب ہی ہوگا، شرکائے کانفرنس نے مؤتمر کی جانب سے شیخ مجیب الرحمٰن کو ہمدردی کا ٹیلی گرام دینا چاہا تو اس میں اس کے نام کے ساتھ مولانا الشیخ العلامۃ کے خطابات آویزاں کئے، مجھے خبر ہوئی تو مجھے غلط فہمی دور کرنے کے لئے کہنا پڑا :۔

لیس ھو عالما، وإنما الشیخ لقب	وہ عالم نہیں "شیخ" وہاں دراصل ایک خاندان اور
الأسرۃ والعائلۃ وھو جاھل	برادری کا نام ہے، یہ شخص دین اور علم دونوں سے یکسر
بالدین والعلم، بل لیس شیخاً بالمعنی	جاہل ہے اور وہ لغوی معنی کے لحاظ سے بھی "شیخ"
اللغوی وإنما ھو شاب أو کھل ۔	(بمعنی بوڑھا) نہیں بلکہ جوان یا ادھیڑ عمر کا ہے۔

اس کے بعد میں نے کانفرنس کو اصل حقائق سے آگاہ کرنے کے لئے صحیح حالات و واقعات پر ایک مفصل یادداشت مرتب کر کے پیش کی اور انہیں بتایا کہ مارشل لاء حکومت نے جو اقدام کیا وہ عین حکمت و مصلحت اور ان حالات کا ایک ناگزیر تقاضا تھا تب ان کو اطمینان ہوا اور جو فطری تعلق اور طبعی ہمدردی علماء کو ایک حق پرست عالم اور دینی مقتداء سے ہونی چاہیئے وہ ختم ہوئی۔

پاکستان کے حالیہ بحران اور اس کے نتیجہ میں پیدا شدہ تکلیف و نتائج کے اسباب و علل پر ہم گذشتہ ماہ کے "بصائر و عبر" میں مختصراً گفتگو کر چکے ہیں، مرض کی تشخیص کے بعد اس کے صحیح مؤثر اور پائیدار علاج کی ضرورت ہوتی ہے، محض وقتی و عارضی علاج چنداں سود مند نہیں ہوتا، بلکہ غلط ذرائع اور مُخَدِّرات و مسکنات کے استعمال سے مرض کو دبانے کی کوشش کی جائے تو چند دن بعد وہ پھر ابھر آئے گا اور پوری شدت سے ابھرے گا اس لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ محض عارضی اقدامات پر اکتفا نہ کیا جائے بلکہ صحیح علاج سے مرض کو بیخ و بن سے نکال پھینکنے کی عملی تدابیر کی جائیں، خواہ ان میں کچھ وقت لگے مگر عزم و ہمت سے اس کا ارادہ کر لیا جائے اور کم از کم ابتدائی عملی تدابیر کا آغاز کر دیا جائے افسوس ہے کہ ایک عرصہ سے عالمِ اسلام کے سربراہ ارباب حل و عقد اور با اثر و با اختیار حضرات نہ صرف مسلمانوں کی زبوں حالی کے اسباب کی صحیح تشخیص سے قاصر اور اس کے صحیح علاج سے غافل ہیں بلکہ اکثر و بیشتر قلب و ذہن، حقائق کے صحیح ادراک ہی سے جواب دے چکے ہیں، اسی کا نتیجہ ہے کہ نہ دین مسلمانوں کے ہاتھ میں ہے نہ دنیا، جگہ جگہ پٹ رہے ہیں، اور بھائی بھائی کا گلا کاٹ رہا، آج اردن میں جو کچھ ہو رہا ہے کیا اس سے بڑھ کر بدنصیبی و بدبختی ہو سکتی ہے؟ جو طاقت دشمنانِ اسلام اسرائیل اور یہودیوں کے خلاف استعمال ہونی چاہیئے تھی وہ ایک دوسرے کے خلاف باہمی خانہ جنگی میں خرچ ہو رہی ہے اور یہی حادثہ چند شر پسندوں کے طفیل خود ہمارے ملک میں بھی پیش آیا، بہر حال ہماری خفیف آواز جہاں تک پہنچ سکتی ہے ہم نہایت

اخلاص و دل سوزی کے ساتھ اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ صحیح علاج اور مناسب تدابیر کی طرف توجہ دلاتے رہیں۔ بقول عارف شیرازیؒ ؎

حافظ وظیفۂ تو دعا گفتن است و بس — در بند آں مباش کہ نشنید یا شنید

۱۔ قانونِ الٰہی کا نفاذ ہمارے نزدیک مسلمانوں کے تمام مصائب کا پہلا حل یہ ہے کہ بغیر کسی پس و پیش کے اسلام کا عادلانہ قانون رائج کیا جائے، مسلمان جب تک خدا کے قانون سے عملی طور پر باغی رہیں گے اس وقت تک دنیا کی کوئی طاقت ان کو مشکلات سے نہیں نکال سکتی، اگر تمام عالمِ اسلام میں ایک ہی اسلامی قانون رائج ہو، ایک ہی اسلامی زبان ہو، یکساں اسلامی معاشرہ ہو اور یکساں اسلامی تہذیب و تمدن ہو تو خود بخود اسلامی اتحاد ہو جائے گا اور اعداءِ اسلام کی کمر ٹوٹ جائے گی ان کے حوصلے پست ہو جائیں گے اور وہ مسلمانوں کو اپنی ریشہ دوانیوں کا شکار نہیں بنا سکیں گے، انڈونیشیا سے مراکش تک ایک ہی مسلمان قوم ہو گی جو ہر طاغوتی طاقت کے سامنے سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہو گی، اسلامی قانون سے محرومی عالمِ اسلام کا ایک ایسا خلا ہے جس کی وجہ سے ایک طرف وہ نصرتِ خداوندی سے محروم ہیں اور دوسری طرف ان کی جمعیت پارہ پارہ ہو کر رہ گئی ہے، اور آج اس خلا کو قومیت و وطنیت کے مصنوعی خداؤں سے پُر کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔

اسلامی معاشرہ کے لئے اسلامی قانون کی ضرورت ایک ایسا بدیہی مسئلہ ہے جو کسی معمولی عقل و فہم کے آدمی سے بھی مخفی نہیں رہنا چاہیئے، نہ اس کے لئے دلائل کی ضرورت ہونی چاہئے مگر افسوس ہے کہ ربعِ صدی سے ہمارا ملک اس نعمت سے محروم ہے، ملک ہے، حکومت ہے، اقتدار ہے، مسلمان ہیں، مگر نہیں ہے تو اسلامی قانون نہیں ہے، اور اس سے بڑھ کر صدمے کی بات یہ ہے کہ آج تک کی تمام حکومتوں نے اسے ٹالنے کے لئے گوناگوں حیلے تراشے، اس کا نتیجہ ظاہر ہے کہ آج ملت کا شیرازہ منتشر ہے اور کوئی قوتِ ماسکہ ایسی نہیں جو ان پراگندہ دلوں کو جوڑ دے۔

ہم یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ جب دنیا کے سارے کام مارشل لاء کے ذریعہ ہو سکتے ہیں اور ہر چھوٹی بڑی چیز کے لئے مارشل لاء کے احکام و ضوابط جاری کئے جا سکتے ہیں تو آخر اسلامی دستور اور اسلامی قانون جیسی نعمت کا نفاذ مارشل لاء کے ضابطے سے کیوں نہیں ہو سکتا، جب حکومت کی حکم عدولی فوج کی گستاخی اور قومی پرچم کی توہین سے مارشل لاء حرکت میں آسکتا ہے اور آنا بھی

چاہیئے تو خدا کی حکم عدولی، انبیاءِ کرام کی گستاخی، شعائرِ دین کی توہین اور احکامِ شرعیہ کی پامالی پر مارشل لاء کیوں حرکت میں نہیں آسکتا، اگر ملک میں امن کمیٹیاں قائم کی جاسکتی ہیں تو یقیناً اسلامی قانون اور جدید قانون کے ماہرین کی کمیٹیاں قائم کر دینا بھی کچھ مشکل کام نہیں، بہرحال ہمارے نزدیک موجودہ مسائل ومشکلات کا صحیح حل یہ ہے کہ ملک میں بلا تاخیر اسلامی قانون نافذ کر دیا جائے اور فرصت کے ایک لمحے کو بھی ضائع نہ کیا جائے، اس سے نہ صرف عصبیتوں کے بھیانک مظاہر کا سدِباب ہو جائے گا بلکہ یہ مارشل لاء حکومت کا ملک اور قوم پر عظیم احسان ہوگا۔

۲۔ خالی نعروں سے اجتناب اس ضمن میں یہ گذارش بھی ضروری ہے کہ صرف خالی نعروں سے نہ مسائل کو حل کیا جاسکتا ہے نہ حقائق کا سامنا ہوسکتا ہے، چوبیس سال میں ہم اسلام اسلام کے اتنے نعرے لگا چکے ہیں کہ اگر صرف اسلام کا نام لینے سے مسائل حل ہو جاتے تو یقیناً اب تک ہمارا کوئی مسئلہ باقی نہ رہتا جس طرح سارا دن روٹی روٹی کا وظیفہ پڑھنے سے آدمی کا پیٹ نہیں بھر جاتا، اسی طرح یہ بھی ہرگز کافی نہیں کہ نام تو اسلام کا لیا جائے اور کام کفر کے کئے جائیں، صرف زبان سے اسلام کا نام لینا مگر دل کو اس کی اطاعت پر آمادہ نہ کرنا "نفاق" کہلاتا ہے اور حق تعالیٰ کے یہاں نفاق برداشت نہیں کیا جاتا اس لئے منافق کی سزا قیامت میں کافر سے بھی برتر رکھی گئی ہے، اگر ہم واقعۃً مسلمان ہیں تو ہمیں اخلاص کے ساتھ اسلام کو عملی طور پر اپنانا ہوگا۔

۳۔ در آمدہ شدہ نظریات کی ناکہ بندی مثل مشہور ہے کہ: "خانۂ خالی را دیو مے گیرد۔" مسلمان معاشرے کی اسلامی نظامِ عدل سے محرومی ایک ایسا خلا ہے کہ باہر کی طاغوتی طاقتوں کو اسے اپنی کمین گاہ بنانے کا موقعہ مل گیا اور انہوں نے اسلامی ممالک میں سازشوں کا جال پھیلا دیا، نت نئے نظریات کے تجربات کئے گئے اور مسلمانوں کو نظریاتی جنگ، ذہنی خلفشار اور طبقاتی کش مکش کی آگ میں جھونک دیا گیا، بالآخر وہ اسلامی ممالک میں ایسے افراد اور جماعتیں تیار کرنے میں کامیاب ہو گئے جنہوں نے معاشرے کے امن وسکون کو تباہ کر کے رکھ دیا، مقامِ شکر ہے کہ مارشل لاء حکومت نے "اسلامی نظریۂ حیات" کے تحفظ کا اعلان کیا ہے، یہ اقدام نہایت صحیح اور حق بجانب ہے مگر ضرورت ہے کہ عملی طور پر تمام خارجی جراثیم سے ملک کو پاک کیا جائے تاکہ لوگ راحت وسکون کا سانس لے سکیں، ہمیں کسی نئی نبوت، کسی سیاسی واقتصادی فلسفے اور "ماڈرن ازم" کی ضرورت نہیں، ہماری

تمام مشکلات کا حل، تمام مصیبتوں کا علاج، تمام دکھوں کا مداوا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا اسلام ہے اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ معدۂ ملت کا سرطان ہے جب تک اسے کاٹ کر نہیں پھینک دیا جاتا مریض کے جانبر ہونے کی توقع عبث ہے۔

۴۔ اسلامی معیشت کا نفاذ اسلامی نظامِ عدل کا ایک شعبہ اسلامی اقتصاد و معیشت ہے جس کو اگر نافذ کر دیا جائے تو ہر شخص کو حسبِ استطاعت سکون کی زندگی میسر آسکتی ہے، افسوس ہے کہ ہمارے ملک میں دورِ غلامی سے آزادی کے چوبیس سال بعد تک، مغرب کا سرمایہ دارانہ نظام اپنی بدتر شکل میں رائج ہے جس کی بنیاد سود، سٹہ، قمار اور اسلامی نقطۂ نظر سے صریح حرام کاروبار پر قائم ہے اور آج تک کسی بندۂ خدا کو توفیق نہ ہوئی کہ اسے بدل کر اس کی جگہ اسلام کا منصفانہ معاشی نظام قائم کرے قرآنِ کریم میں سود خوروں کے خلاف خدا و رسول کی طرف سے اعلانِ جنگ کیا گیا ہے، جب پوری قوم پر سودی نظام مسلط ہو تو اس کے معنی یہ ہیں کہ قوم کی قوم خدا اور رسول کے خلاف میدانِ جنگ میں صف آرا ہے کیا ایسی قوم پنپ سکتی ہے؟ کیا اسے راحت و سکون میسر آسکتا ہے؟ کیا خدا و رسول کے مقابلے میں میدان جیت سکتی؟ نہیں! بخدا ہرگز نہیں! بلکہ ایسی بدقسمت قوم کو منہ کی کھانی ہوگی، چنانچہ آج اس ہزیمت خوردہ قوم کی زبوں حالی کھلی آنکھوں دیکھی جا سکتی ہے، یہ سودی نظام آج قوم کی گردن کا طوق بن کر رہ گیا ہے، قومی سطح پر بیرونی قرضوں کا دباؤ اتنا بڑھ چکا ہے کہ پاکستانی معیشت کے نحیف کاندھے اسے اٹھانے سے عاجز آچکے ہیں اور انفرادی سطح پر طبقاتی کشمکش سے ہر شخص سراسیمگی تذبذب اور حیرت کا مرقع ہے، نہ غریبوں کو چین نہ امیروں کو سکون۔ سود کے ذریعہ تمام ملک کا خون جو چند مقامات پر جمع ہو کر سڑتا رہا، اب وہ ایک نہایت خطرناک ناسور کی شکل میں بہ بہ کر اپنے تعفن سے ساری فضا کو گندہ کر رہا ہے، اگر ملک میں سودی نظام نہ ہوتا تو نہ معاشرے میں یہ طبقاتی تفاوت رونما ہوتا، نہ ظلم و استحصال کی داستانیں دہرائی جاتیں، نہ یہ شر و فساد برپا ہوتا ہے، یہ ہے خدا و رسول سے جنگ چھیڑنے کا نتیجہ، اب کہنا یہ ہے کہ خدارا اس ملک پر رحم کرو، اس قوم پر رحم کرو اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اپنی کرسی اقتدار پر رحم کرو، ملک سے جلد از جلد سودی نظام اور اس کے تمام متعلقات کو ہٹا کر اس کی جگہ اسلام کا منصفانہ نظام جاری کرو اور تجربہ کر لو کہ اس کے برکات و ثمرات کیسے کیسے ظہور میں آتے ہیں، کم از کم چند سالوں کے لئے تجربہ تو کر دیکھو کہ یہ نظام صالح و مفید ہے یا نہیں۔

بعض لوگ جن کے مزاج میں سودی نظام رچ بس گیا ہے، شاید تعجب کریں گے کہ موجودہ بنکاری نظام کو کیسے بدلا جا سکتا ہے؟ اس راہ کی مشکلات کا ہمیں بھی بخوبی احساس ہے لیکن اگر عزم و ہمت سے کام لیا جائے اور اقتصادی ماہرین اور اسلامی احکام کے متخصصین سر جوڑ کر بیٹھیں تو اس مشکل کو آسانی سے حل کیا جا سکتا ہے مگر کرنے کا عزم تو ہو، بہر حال ہماری دیانت دارانہ رائے ہے کہ ہم لوگ اس ظالمانہ سودی نظام کو بدل کر اس کی جگہ اسلامی اقتصادیات کو نہیں لائیں گے تو زمانہ اس کو بدلنے کے لئے خود آگے بڑھے گا اس صورت میں اب تک جو کچھ ہو چکا ہے اس سے بدتر حالات کے لئے تیار رہنا چاہیئے، (لا فعل اللہ ذالک) کاش اللہ تعالےٰ ہمیں عقل و بصیرت اور فہم و فراست سے نوازیں اور وقت کے طمانچے سے عبرت پکڑنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

۵۔ اسلامی اخوت اسلام نے تمام مسلمانوں کو ایک رشتۂ اتحاد میں منسلک کیا ہے، اس میں عربی و عجمی، مشرقی و مغربی اور کالے گورے کا کوئی امتیاز نہیں، سب مسلمان بھائی بھائی ہیں۔ إنما المؤمنون إخوة۔ لیکن برا ہو قومیت کا، برا ہو وطنیت کا، برا ہو رنگ و نسل کے امتیازات کا، برا ہو جغرافیائی حدود کا کہ باوجود اسلامی اخوت کے فلک شگاف نعروں کے تمام اسلامی نسل چھوٹی چھوٹی عصبیتوں میں بٹ کر رہ گئی ہے، آج امتِ اسلامیہ کا سب سے بڑا فتنہ جنسیت و وطنیت اور قومیت و عنصریت ہے، مسلم دنیا اس کی وجہ سے جنگ و جدال، تحزُّب و اختلاف اور تشتت و افتراق کی آماجگاہ ہے، خود ہمارا ملک بُری طرح اس عصبیت کی زد میں ہے، ضرورت ہے کہ ہم نئے سرے سے تجدید اسلام کا عہد کریں اپنے مسلمان بھائیوں کے حقوق کا خیال رکھیں اور رشتۂ اتحاد کمزور ہو چکا ہے اسے دوبارہ مضبوط کریں اس سلسلہ میں اسلامی تعلیمات اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چند ارشادات "بطور نمونہ از خروارے" ذیل میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں جن میں حق تعالیٰ کے ارشاد: "إنما المؤمنون إخوة" (کہ مسلمان تو بھائی بھائی ہیں) کی تشریح فرمائی گئی ہے۔

حدیث (۱)، فرمایا:۔

((ترى المؤمنين في تراحمهم وتوادّهم وتعاطفهم كمثل الجسد إذا اشتكى عضو تداعى له سائر الجسد بالسهر والحمّى))
(بخاری و مسلم عن النعمان بن بشیر)

تم باہمی الفت و محبت، شفقت و عنایت اور رحم و کرم میں تمام مسلمانوں کو ایک جسم کی مانند دیکھو گے، اگر جسم کے ایک حصہ میں کوئی تکلیف ہو تو سارا جسم بے خوابی اور بخار میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

حدیث (۲) فرمایا:۔

((المؤمنون کرجل واحد إن اشتکی عینه اشتکی کله، وإن اشتکی رأسه اشتکی کله)) مسلم عنہ

مومنوں کی مثال ایک آدمی کی ہے اگر اس کی آنکھ کو تکلیف تو سارا جسم بے تاب ہو جاتا ہے اور اگر سر میں تکلیف ہو تب بھی سارا بدن بے چین ہو جاتا ہے۔

حدیث (۳) فرمایا:۔

((المؤمن للمؤمن کالبنیان یشدُّ بعضهٗ بعضًا، ثم شبك بین أصابعه))
(بخاری ومسلم عن أبي موسیٰ)

ایک مومن دوسرے مومن کے لئے ایسا ہے جیسے ایک عمارت کی مختلف اینٹیں، کہ وہ ایک دوسرے کی مضبوطی کا باعث ہیں آپؐ نے پھر انگلیاں ایک دوسری میں ڈالیں۔

حدیث (۴) فرمایا

((المسلم أخو المسلم لا یظلمه ولا یسلمهٗ ومن کان فی حاجة أخیه کان الله فی حاجته ومن فرّج عن مسلم کربةً فرّج الله عنه کربة من کربات یوم القیامة ومن ستر مسلمًا ستره الله یوم القیامة))
(بخاری ومسلم عن ابن عمر)

مسلمان مسلمان کا بھائی ہے نہ اس پر ظلم کر سکتا ہے نہ اسے بے سہارا چھوڑ سکتا ہے اور جو شخص اپنے مسلمان بھائی کے کام میں ہو اللہ تعالیٰ اس کے کام بنا دے گا اور جو شخص کسی مسلمان کی پریشانی دور کرے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی پریشانی دور کر دے گا اور جو شخص کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی پردہ پوشی فرمائیں گے۔

حدیث (۵) فرمایا

((المسلم أخو المسلم لا یظلمهٗ ولا یخذلهٗ ولا یحقرهٗ.... کل المسلم علی المسلم حرام دمهٗ ومالهٗ وعرضهٗ))
مسلم عن ابی ہریرة

مسلمان، مسلمان کا بھائی ہے، نہ اس پر ظلم کرتا ہے نہ اسے بے مدد چھوڑتا ہے، نہ اس کی بے ادبی کرتا ہے۔۔ ایک مسلمان کا سب کچھ دوسرے مسلمان پر حرام ہے، اس کا خون بھی، اس کا مال بھی اور اس کی عزت بھی۔

حدیث (۶) فرمایا :۔

«والذی نفسی بیدہٖ لا یؤمن أحدکم حتّٰی یحبّ لأخیه ما یحب لنفسه»

بخاری ومسلم عن أنس

اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ اپنے مسلمان بھائی کے لئے وہی پسند نہ کرے جو کچھ اپنے لئے پسند کرتا ہے۔

حدیث (۷) فرمایا :۔

«المسلم من سلم المسلمون من لسانه ویدہٖ» بخاری عن عبداللہ بن عمرو

مسلمان تو وہ ہے جس کے ہاتھ اور جس کی زبان سے مسلمان محفوظ رہیں۔

حدیث (۸) فرمایا :۔

«انصر أخاك ظالمًا أو مظلومًا فقال رجل: یارسول اللّٰہ أنصرہٗ مظلومًا فکیف أنصرہٗ ظالمًا؟ قال: تمنعهٗ من الظلم فذلك نصرہٗ إیاہ» بخاری ومسلم عن أنس

اپنے مسلمان بھائی کی مدد کرو، خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم، ایک شخص نے عرض کیا: یارسول اللہ! وہ مظلوم ہو تب تو اس کی مدد کر سکتا ہوں لیکن اگر وہ ظالم ہو تو اس کی مدد کیسے کروں؟ فرمایا: اسے ظلم سے روک دو، بس یہی اس کی مدد ہے۔

حدیث (۹) فرمایا :۔

«لا یرحم اللّٰہ من لا یرحم الناس»

بخاری ومسلم عن جریر بن عبداللہ

اللہ تعالیٰ ایسے شخص پر رحم نہیں کرتا جو انسانوں پر رحم نہ کرے۔

حدیث (۱۰) فرمایا :۔

«الراحمون یرحمهم الرحمٰن، ارحموا من فی الأرض یرحمکم من فی السماء»

ابوداؤد، ترمذی عن عبداللہ بن عمرو

رحم کرنے والوں پر رحمٰن بھی رحم کرتا ہے تم زمین والوں پر رحم کرو، آسمان والا تم پر رحم کرے گا۔

حدیث (۱۱) فرمایا :۔

«واللّٰہ لا یؤمن واللّٰہ لا یؤمن واللّٰہ لا یؤمن، قیل: من یارسول اللّٰہ! قال: الذی

بخدا! وہ مومن نہیں، بخدا! وہ مومن نہیں، بخدا وہ مومن نہیں، عرض کیا گیا: یارسول اللہ! کون؟

لا یأمن جارہ بوائقہٗ»
بخاری ومسلم عن أبی ہریرہ

فرمایا: جس کے ہمسائے اس کی شرارتوں سے محفوظ نہیں۔

حدیث (۱۲)، فرمایا:۔

«من قضی لأحد من أمتی حاجۃ یرید أن یسرّہ بہا فقد سرّنی ومن سرّنی فقد سرّ اللہ ومن سرّ اللہ أدخلہ اللہ الجنۃ»
البیہقی عن أنس

جس شخص نے میرے کسی امتی کو خوش کرنے کے لئے اس کی کسی ضرورت کو پورا کیا اس نے مجھے خوش کیا اور جس نے مجھے خوش کیا اس نے اللہ رب العزت کو خوش کیا اور جس نے اللہ رب العزت کو خوش کیا اللہ رب العزت اسے جنت میں داخل کریں گے۔

یہ نبوت کے بحرِ ناپیدا کنار کے چند گراں قدر موتی ہیں جو پیش کئے گئے، کیا یہ روح اسلام کی دنیا کے کسی بھی مذہب میں ہے؟ کیا یہ روح بغیر اسلامی تہذیب و معاشرت کے پیدا کی جاسکتی ہے؟ ہرگز نہیں دینِ اسلام کا خزانۂ عامرہ ان بیش بہا جواہرات سے معمور ہے جن کی نظیر تمام ادیانِ عالم نہیں بلکہ تمام ادیانِ سماویہ بھی پیش کرنے سے قاصر ہیں جس دین کو بقاءِ دائمی کا تمغہ دیا گیا ہو جس کو آخری نعمت فرمایا گیا ہو جو قیامت تک آنے والی تمام نسلوں کے لئے ہو اور جس میں ہر مرض کے علاج کا نسخۂ شفا موجود ہو اس کی قدر نہ کرنا کتنی بڑی حماقت ہے، اس نعمتِ عظمیٰ کی بے قدری کا وبال جتنا بھی ہو کم ہے، یہ تو حق کی رحمتِ کاملہ کا ظہور ہے کہ باوجود ہماری خطرناک اور تباہ کن غلطیوں کے ہمیں معاف فرما دیتا ہے، دنیا کی نظر میں عزت عطا فرماتا ہے، وسائلِ رزق کی فراوانی فرماتا ہے، اس کا کرم ہے اس کی رحمت ہے۔

۶۔ اسلامی معاشرے کی اصلاح و تربیّت قرآنِ کریم کی نصوص اور انبیاءِ کرام علیہم السلام کے جو حالات و واقعات قرآنِ کریم میں بیان فرمائے گئے ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ حیاتِ طیبہ پاکیزہ زندگی ایمان باللہ، عملِ صالح اور تقویٰ و طہارت کے بغیر ناممکن ہے قرآنِ کریم صاف صاف اعلان کرتا ہے کہ فسق و فجور کی زندگی کا انجام بجز تباہی و بربادی کے کچھ نہیں، وہ تمام کائنات اور اقوامِ عالم کی تاریخ کو گواہ بناتا ہے کہ قوموں کی فلاح و بہبود کا دار و مدار صالح اور پاکیزہ معاشرے پر ہے اس نے دوٹوک فیصلہ دیا ہے کہ دنیا و آخرت کی نجات کا بس ایک ہی راستہ ہے اور وہ ہے وحیِ الٰہی کی پیروی اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نقشِ قدم پر مرمٹنا۔

آج مغرب کی بے خدا قوموں کی تقلید اور اندھی تقلید میں ہمارا معاشرہ گناہ و معصیت، فسق و فجور، اور بے حیائی و بے حجابی کے جس گرداب میں پھنس کر رہ گیا، حیوانیت و بہیمیت کے جو جو مظاہرے ہو رہے ہیں، نفس پرستی، تعیش پسندی اور خواہش برآری کی نت نئی شکلیں جو سامنے آنے لگی ہیں انہیں دیکھ کر کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ "یہ اسلامی معاشرہ" ہے؟ اور یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی ماننے والی قوم ہے؟ جو قوم اخلاق و آداب، تہذیب و تمدن، سیاست و معاشرت کے تمام شعبوں میں اپنے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے راستے کو چھوڑ کر بے دین، بے ہدایت اور بے خدا قوموں کے راستے پر اندھا دھند چل نکلے اس سے نفس پرستی کے سوا کسی کارنامے کی توقع رکھنا بے سود ہے، جب انسانیت ہی رخصت ہو جائے تو انسان نما وحشیوں سے انسانی اخلاق و تہذیب کا مظاہرہ کیسے ہو سکتا ہے؟

افسوس ہے کہ ہمارے ارباب حل و عقد کو اس پہلو پر غور کرنے کی کبھی فرصت نہیں ملی، نہ انسانیت کے "سوداگروں" کا نوٹس لینے کی کبھی ضرورت محسوس ہوئی، اخبارات و رسائل میں فحش تصاویر اور گندے مضامین، تعلیم گاہوں میں لڑکے لڑکیوں کا اختلاط اور مشترک ڈرامے، ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر حیا سوز پروگرام، سینماہالوں اور کلبوں میں ننگِ انسانیت مظاہر، بازاروں اور سڑکوں میں بے حجابی اور بے حیائی کا طوفان، گویا پورا ملک ایک حیوان ساز فیکٹری ہے جس میں جدید فنی تکنیک سے نئے فیشن کے جانور تیار ہو رہے ہیں، کیا کوئی گھر ہے جو اخلاق سوز گانوں کی آوازوں سے محفوظ ہے! کوئی بازار ہے جہاں قدم قدم پر بے حجابی نظر و قلب کی آلودگی کا سامان مہیا نہ کرتی ہو؟ اور اب اس بے قید آوارگی و انارکی کے نتائج سب کے سامنے آنے بھی لگے ہیں۔

اگر ہم اسلامی قانون کے سایۂ عاطفت میں آنا چاہتے ہیں اگر اسلامی اخوت کا صحیح نقشہ دیکھنا چاہتے یا زیادہ صاف الفاظ میں، اگر ہم زندگی کچھ دن راحت و سکون سے انسانوں کی طرح گذارنا چاہتے ہیں تو اس کے سوا ہمارے لئے کوئی چارۂ کار نہیں کہ معاشرے کو اعمالِ نبوت پر لائیں، اسلامی اخلاق پیدا کرنے کی فکر کریں اور ان تمام شیطانی وسائل کو جن کی نشاندہی اوپر کی گئی ہے، ایک ایک کر کے ختم کریں، خلاصہ یہ کہ ہماری ابتری و بدحالی کی اصلاح کا صحیح نقشہ یہ ہے کہ اسلامی قانون نافذ کیا جائے، اسلامی عدالت قائم کی جائے، اسلامی اخوت کے تریاق سے عصبیت کے زہر کا علاج کیا جائے اور نبوت کے اعمال و اخلاق کے مطابق اسلامی معاشرے کی تربیت کی جائے مگر ان چیزوں کے لفظی ورد سے کچھ

نہیں ہو گا بلکہ اخلاص کے ساتھ ان کے عملی نفاذ کا عزم کیا جائے، یہ کام جمہوریت کے "سایۂ رحمت" میں نہ سہی مارشل لاء کے "سایۂ حکمت" میں سہی، مگر اس میں ایک لمحہ کی تاخیر نہ کی جائے۔

اللہ تعالیٰ اس مملکتِ خداداد پر رحم فرمائیں، اس کی سالمیت و حفاظت کا غیبی سامان فرمائیں۔ حکمرانوں کو اسلامی قانون نافذ کرانے اور تمام مسلمانوں کو اس قانون پر چلنے کی توفیق و سعادت نصیب فرمائیں اور اس کی برکات سے تمام ملک و ملت کو مالامال فرمائیں، آمین۔ وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ صفوۃ البریۃ سید الکائنات محمد و آلہ وصحبہ أجمعین۔

ربیع الاول ۱۳۹۱ھ، مئی ۱۹۷۱ء

عالمِ اسلام اور مسلمانوں کی حالتِ زار

آج کل تمام عالمِ اسلام ایک شدید بحران میں مبتلا ہے، مراکش سے انڈونیشیا تک جہاں جہاں نظر ڈالیں کچھ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ شاید عالمِ اسلام پر سکرات الموت طاری ہیں، وہ موت وحیات کی کش مکش میں مبتلا ہے اور اس کی رُوح بڑی شدت سے پروانگی منتظر ہے، اسی طرح بالواسطہ تمام کائنات کی بقاء کے لئے خطرات متوجہ ہیں کیونکہ جس روح پر تمام عالم کی حیات کا دارومدار ہے اس کا وقت قریب آلگا ہے، چنانچہ جس طرف نگاہ ڈالتے ہیں مایوسی نظر آتی ہے، تمام نسلِ انسانی میں خدا فراموشی کا ایسا طوفان برپا ہے کہ سمجھ میں نہیں آتا کہ اس کا انجام کیا ہوگا؟ مال و دولت کی فراوانی کا یہ عالم ہے کہ جو ممالک کل بکریاں چراتے تھے اور قُوت لایموت کے محتاج تھے آج برطانیہ وامریکہ ان کا محتاج ہے، دینی مدارس روزافزوں ہیں، ان کی تعداد مسلسل بڑھتی جارہی ہے، کتابوں پر کتابیں تصنیف ہورہی ہیں، اور دھڑادھڑ چھپ رہی ہیں، نئے نئے کتب خانے قائم ہورہے ہیں، اسلاف کے قدیم ذخائر جن کے ناموں کے لئے بھی ترستے تھے آج چھپ کر ہر شخص کو میسر آرہی ہیں، کہیں امام احمد اور ان کے اتباع فقہِ حنبلی کی کتابیں چھپ رہی ہیں، کہیں امام مالک کے مذہب کی متبع حکومتیں ہیں، ان کے ذریعہ مالکیہ کے ذخائر سامنے آرہے ہیں، حنفیہ کا تو طویل دور رہا، شاید آلِ عثمان کی حکومت وخلافت کے زوال وسقوط کے بعد ان پر بھی زوال آگیا، بہرحال حدیث کی عظیم الشان کتابیں طبع ہورہی ہیں، تفسیریں نشر ہورہی ہیں، تبلیغ ودعوت کی مؤتمرات وکانفرنسیں قائم ہورہی ہیں، دن بدن فارغ التحصیل مدارس سے نکل رہے ہیں، مجلّات ہیں، اخبارات ہیں جو روز بروز بڑھتے جارہے ہیں، نئی نئی اسلامی حکومتیں وجود میں آرہی ہیں اور کافر مستعمرین کی قید سے آزاد ہورہی ہیں، الغرض اسلامی حکومتیں بڑھ رہی ہیں، دینی ادارے کثرت سے معرضِ وجود میں آرہے ہیں، مسلمانوں کی تعداد بڑھتی جارہی ہے، حج بیت اللہ ودیارِ حبیبِ رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے زائرین کا سیلاب ہے جو اطرافِ عالم سے اُمنڈا آرہا ہے، یہ

حیرت انگیز محیر العقول مظاہر سامنے آرہے ہیں لیکن صد افسوس کہ حقیقی اسلام کی روح فنا ہو رہی ہے، اسلام ختم ہو رہا ہے مسلمان بڑھ رہے ہیں، علمی کتابیں علمی ادارے روز افزوں ترقی پر ہیں لیکن جہل و بے علمی چھا رہی ہے [۱]۔ زبانوں پر اسلام اور قلوب میں کفر ہے، جب دلوں کو ٹٹولیں گے تو معلوم ہو گا اسلام سے تعلق محض برائے نام ہے اور اللہ تعالیٰ پر اعتراضات، رسولِ کریمؐ کی سنت پر تنقیدات، اسلام کے اساسی عقائد و احکام

---

[۱] اسلاف کی عظیم الشان گرانمایہ اور نایاب سے نایاب کتابیں جب چھپ چھپ کر سامنے آتی ہیں تو کچھ نہ کچھ پوچھئے دل پر کیا قیامت گذرتی ہے ہمارے اکابر جو ان سے استفادہ کے حقیقۃً اہل تھے وہ تو ان کو ترستے دنیا سے رخصت ہوئے، مگر ان کو ان کتابوں کی شکل دیکھنا بھی نصیب نہ ہوئی اور آج کے دورِ "جہل آباد" میں کتابوں کے انبار پہ انبار لگ رہے ہیں مگر لاکھوں میں ایک بھی تو ایسا نہیں جو ان ذخائر سے صحیح استفادہ کر سکے، آج کتابیں خریدی جاتی ہیں الماریوں میں سجانے کے لئے یا پھر ان سے کام لیا جاتا ہے "جہلِ مرکب" کی تائید اور مطالبِ صحیحہ کو بگاڑنے کا، اناللہ۔ کسی نایاب کتاب کی نئی طباعت دیکھ کر راقم الحروف کا پہلا تأثر ہمیشہ حسرت و افسوس ہوا۔

الحمد للہ آج حضرت شیخ بنوری مدظلہ، کے تأثر سے اس کی تائید ہوئی، ہمارے نزدیک "جہل و عناد" کے اس دور میں کتبِ نادرہ کی یہ فراوانی، یہ کثرت بلکہ یہ طوفان کسی بڑے طوفان کی آمد آمد کا نقارہ ہے، دورِ فاروقی میں کسریٰ کے خزانے مسجدِ نبوی میں ڈھیر ہیں، فرحت و مسرت سے مسلمانوں کے چہرے چمک اٹھتے ہیں مگر فاروقی بصیرت اس کے روزن سے آنے والے فتنوں کا مشاہدہ کر رہی ہے وہ مسجدِ نبوی کے ایک گوشے میں بیٹھے زار و قطار رو رہے ہیں، حضرت عبدالرحمان بن عوفؓ نے جب پوچھا کہ یہ رونے کا کون سا موقعہ ہے؟ تو ارشاد ہوا کہ "اگر مال و متاع کے اس طوفان میں ذرا بھی خیر ہوتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے زیادہ اس کے مستحق تھے، آپؐ دنیا سے ایسی حالت میں رخصت ہوئے کہ کبھی دو وقت جو کی روٹی بھی پیٹ بھر کر میسر نہ ہوتی" آج کی آسانیوں اور فراوانیوں کو دیکھ کر حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ، کا یہ حکیمانہ ارشاد بار بار یاد آتا ہے، واللہ المستعان۔ (مدیر)

میں شکوک وشبہات تو اس سطحی وظاہری آب وتاب پر کیا خوشی ؟ یہ کثرت، یہ ہنگامہ آرائی اور یہ غوغا ظاہر تک محدود ہے، قلوب ونفوس دنیا کی محبت میں سرشار ہیں، قدم قدم پر خدا فراموشی کے مظاہر، فواحش ومنکرات کا سیلاب، نہ شرم، نہ حیا، نہ حلال وحرام کی تمیز" اسلامی ممالک کے مسلمان حکمرانوں کا جب جائزہ لیجئے تو ((تحسبهم جميعاً وقلوبهم شتّٰی)) (آپ خیال کرتے ہوں گے کہ سب متحد ومتفق ہیں لیکن دل ان سب کے جدا جدا ہو رہے ہیں) کا سماں نظر آئے گا، سب کے سب اپنی اپنی اغراض وخواہشات میں مبتلا ہیں اتفاق واتحاد کے معاہدے ہو رہے ہیں مگر اندر سے دلوں میں نفاق بھرا ہوا ہے اسی لئے ان کے دلوں میں حق تعالیٰ نے دشمنانِ اسلام کا رعب ڈال دیا اور ان کی ہیبت اور رعب کفار کے دلوں سے نکل گیا، اس کثرت کے باوجود قلت میں ہیں اور اس مال ودولت کی فراوانی بلکہ طغیانی کے باوجود فقر وتنگدستی میں گرفتار ہیں، درحقیقت تمام امت نفاق کے شدید مرض میں مبتلا ہوگئی ہے اور اس نفاق کی وجہ سے ایمان کی حلاوت سے محروم ہے، قوتِ ایمانی پر جو ثمرات وبرکات مرتب ہوتے ہیں ان سے بالکل بے بہرہ ہوگئی ہے[۱]۔

ایسا محسوس ہوتا ہے کہ تمام عالم کو خدا فراموشی کی سزا مل رہی ہے ((أو يلبسكم شيعاً ويذيق بعضكم بأس بعض)) (یا تم کو مختلف فرقے بنا کر لڑا دے اور ایک دوسرے کو لڑائی کا مزہ چکھا دے) کا منظر روز افزوں ترقی میں ہے۔

---

[۱] ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ جب میری اُمت دنیا کو بڑی چیز سمجھنے لگے گی تو اسلام کی ہیبت ان کے دلوں سے نکل جائے گی اور جب وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو چھوڑ بیٹھے گی تو وحی کی برکات سے محروم ہو جائے گی اور جب میری امت آپس میں گالی گلوچ کرنے لگے گی تو اللہ جل شانہٗ کی نظر سے گر جائیگی اس حدیث پاک میں آج کی امت کا عکس نمایاں نظر آتا ہے ؟ یہ اللہ کی نظر سے گری ہوئی امت آج امریکہ، برطانیہ روس اور چین سے عزت وجاہت ہی کی نہیں بلکہ روٹی کپڑے کی بھی بھیک مانگتی نظر آتی ہے مگر بصیرت کے اندھے پن کی وجہ سے اپنی ناکامی اور ذلت کے حقیقی اسباب اور عزت ووجاہت کے حقیقی سرچشمے پر اس کی نظر ہی نہیں جاتی۔ (مدیر)

عرصہ دراز کی محنت اور قربانیوں کے بعد پاکستان وجود میں آیا، لیڈروں نے عوام کی قوت سے فائدہ اٹھانے کے لئے اسلام کے نعرے لگائے اور عوام نے اسی نام پر منظم ہو کر برطانیہ جیسی طاغوتی حکومت کو شکست دی اور آزادی حاصل کی، ربع صدی گزرنے کے بعد بھی آج تک یہ ملک اسلامی ملک نہ بن سکا جو کام پہلے روز ہو جانا چاہیئے تھا، وہ آج تک نہ ہو سکا اور ہوتا بھی کیسے؟ یہاں تو اوّل سے لے کر آخر تک نفاق کا بدترین حربہ چلتا رہا اور اسی نفاق، غداری اور دورُخے پن کی سخت ترین سزا بھی ملی، ایک بڑا حصہ کٹ گیا، لاکھوں جانیں ضائع ہو گئیں لیکن ہائے افسوس! کہ ابھی خواب غفلت سے بیداری نصیب نہیں، وہی نفاق، وہی تلبیس، وہی جھوٹے دعوے اور وہی مکاری عیاری، اب تو پاکستان کی گاڑی ایک ایسے خطرناک موڑ پر آکر ٹھہر گئی ہے کہ اگر اوپر سے نیچے تک قوم نے اپنی روشِ نفاق نہ بدلی تو ایک معمولی سے دھکے سے ایسے گہرے گڑھے میں گرے گی کہ قیامت تک نہ نکل سکے گی، بارہا "بینات" کے صفحات پر یہ ماتم سرائی کی گئی لیکن "صدائے برنخاست"۔

میں اس ملک سے باہر تھا اور ہمہ تن یہاں کے تصورات و افکار سے کٹ گیا تھا، اچانک کانوں میں یہ آواز پڑی کہ پارلیمانی سطح پر پہلی مرتبہ بعض مخلصوں کی کوششوں سے متفقہ طور پر یہ طے پایا کہ پاکستان کا مذہب اسلام ہوگا اور اس کا نام "اسلامی جمہوریہ" ہوگا، یہ آخری جز تو پہلے طے ہو چکا تھا لیکن یہ لفظ کبھی شرمندۂ معنی نہ ہوا، خدا کرے یہ نعرہ نفاق سے خالی ہو اور دل و جان سے اس قرارداد کو تسلیم کیا جائے اور جلد سے جلد اس لفظ کے تقاضوں کو عملاً پورا بھی کیا جائے، اسلام کی صحیح تعریف کو قبول کر کے اس کا حق مکمل طور پر ادا ہو، ایسا نہ ہو کہ رسوائے عالم "منیر رپورٹ" کی طرح اسلام کی تعریف کو مشتبہ بنا کر یہ تمام قرارداد معرض التواء میں آجائے، تعجب ہے کہ جس قوم کے پاس قرآنِ حکیم ایسی کتاب اور رُشد و ہدایت کی دستاویز موجود ہو اور حضرت رسالت پناہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسے آخری پیغمبر ان کی راہنمائی کے لئے دنیا میں تشریف لائے ہوں اور عہدِ خلافتِ راشدہ میں یہ حق تعالیٰ کا آخری پیغام دنیا کے گوشے گوشے میں پہنچ چکا ہے، کروڑوں مسلمان دینِ اسلام پر عمل کرنے والے موجود ہوں ان حقائق کے ہوتے ہوئے بھی

یہ طے نہ ہو کہ اسلام کیا ہے! یہ شیطانی تدبیریں صرف اس لئے کی جاتی ہیں کہ ہر منافق ہر زندیق ہر ملحد دینِ اسلام میں داخل سمجھا جائے اور ہر مدعیٔ اسلام اگرچہ کافر ہو ختمِ نبوت کا منکر ہو مسلمان سمجھا جائے، برطانیہ کے دورِ حکومت میں جو مردم شماری کی فہرست میں مسلمان لکھا گیا وہ مسلمان ہے اگرچہ نئی نبوت پر ایمان لانا ضروری سمجھتا ہو، انا للہ۔ نہایت دردناک صورت حال ہے، گویا مسلمانوں کو اپنا مذہب تک معلوم نہیں پاکستان کے حکمرانوں نے اسلام کا نعرہ لگا کر اسلام کے لئے پاکستان بنایا مگر اسلام نہ جانا کیا ہے، محض اندھیرے میں تیر چلائے، جب عقلیں مسخ ہو جاتی ہیں تو ایسی ہرزہ سرائیاں سرزد ہوتی ہیں لہ۔

بہرحال کہنا یہ ہے کہ بہت طویل عرصہ گذر گیا، بار بار تنبیہ ہوئی، مشرقی پاکستان کی صورتِ حال سے اگر عبرت نہ ہوئی تو خاکم بدہن کہیں وہ وقت نہ آجائے کہ پاکستان کا وجود نقشۂ عالم سے حرفِ غلط کی طرح مٹ جانے پر آہ و بکا سے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔

خدارا غور و فکر سے کام لیں، بارگاہِ ربوبیت میں توبہ واستغفار کریں اور پورے خشوع وحضورِ قلب سے معافی مانگیں کہ حق تعالیٰ صحیح اسلام پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے اور پاکستان کی حفاظت اسلام اور مسلمانوں کا تحفظ فرمائے اور پاکستان کی تباہی کے جو خطرات پیدا ہو گئے ہیں حق تعالیٰ ان سے حفاظت فرمائے اور رنگ ونسل ووطن کی جو لعنتیں چمٹ گئی ہیں ان سے نجات ملے اور اخوتِ اسلامی کا قدم قدم پر مظاہرہ ہو۔

لہ اور "منیر رپورٹ" کی صدائے بازگشت موجودہ قومی اسمبلی میں بھی سنائی دی جب ایک معزز وزیر نے ٹھیک اسی منطق کو اپناتے ہوئے اسلام کی تعریف سے ناواقفی کا اظہار فرمایا، دراصل "اسلام" کا نام بھی محض سیاسی حربے کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے اور ہمارے حکمران "اسلام" کے نام کا بوجھ بھی اسی منزل تک اٹھانے کے روادار ہیں جہاں تک "اسلام" ان کے اغراض کی تکمیل کرے، تمام مصلحتوں سے ہٹ کر اور تمام اغراض وخواہشات سے کٹ کر صرف اللہ رب العزت کو خوش کرنے کے لئے "اسلام" پر عمل کرنے کا عزم کبھی کیا ہی نہیں نہ اس کے لئے کبھی سوچا ہے، اسلام اور دین رہے یا جائے عوام کو روٹی کپڑا ملنا چاہئے اور لیڈرانِ کرام کو ووٹ، یہی وجہ ہے کہ اسلام کو نافذ کرنا تو کجا؟ ایک "مسلمان" پوچھتا ہے کہ "مسلمان" کسے کہتے ہیں؟ کیا ان ہی سے اسلامی قانون کی توقع رکھی جائے؟ (مدیر)

فرنگی قوانین کو اسلامی قالب میں ڈھالنے کی جانب ایک قدم

حکومتِ سرحد نے موجودہ قوانین کو اسلامی قانون میں ڈھالنے کے لئے ایک کمیٹی کی تشکیل کی ہے جو پانچ ارکان پر مشتمل ہے اس طرح کم از کم صوبائی سطح پر موجودہ قوانین کو اسلامی قالب میں ڈھالنے کے لئے مبارک قدم اٹھایا گیا ہے، کمیٹی کی چار روزہ پہلی نشست گذشتہ شعبان ۹۲ھ میں راولپنڈی میں ہوئی، حکومتِ سرحد کے وزیرِ اعلیٰ کا ارادہ یہ ہے کہ جتنے قوانین تدریجاً مرتب ہوں آرڈی ننس کے ذریعہ ان کی تنفیذ کی جائے بعد میں اسمبلی میں برائے منظوری پیش ہوں، ظاہر ہے کہ اسلامی صوبے میں اسمبلی میں مخالفت کی جرأت نہ ہو سکے گی، بالفرض اگر چند خرد باختہ ارکان نے مخالفت بھی کی تو مؤثر نہ ہو گی۔

اسلامی حکومت میں غیر اسلامی عائلی قوانین کا تحفظ

پہلی نشست میں کمیٹی نے عائلی قوانین اور سارادا ایکٹ میں ترمیم کر کے انہیں اسلامی قوانین کے مطابق بنایا لیکن سن کر آپ کو تعجب ہو گا کہ عائلی قوانین کو مرکز کی جانب سے تحفظ دیا گیا ہے، مرکز کی اجازت کے بغیر کوئی صوبہ ترمیم یا تنسیخ کا حق نہیں رکھتا بقیہ قوانین بھی ایسے ہیں جن کو مرکز کے اختیار میں رکھا گیا ہے اور صوبائی اسمبلی اس کی مجاز نہیں کہ وہ مرکز کے حکم کے بغیر انہیں جاری کرا سکے، معمولی نوعیت کے کچھ قوانین ایسے بھی ہیں جو صوبہ کے اختیار میں ہیں، سرحد کے وزیرِ اعلیٰ نے چاہا کہ مرکزی اسمبلی میں ترمیمی بل پیش ہو تاکہ تمام صوبے یکساں طور پر اسلامی قانون کی برکات سے مستفید ہو سکیں لیکن افسوس کہ ایسا نہ ہو سکا اور مرکز میں پیش کرنے کی اجازت نہیں دی گئی، جس قانون ساز اسمبلی کی یہ حالت ہو تو اس سے خیر کی کیا توقع؟ درحقیقت قانون ساز اسمبلی کا نام بھی غیر اسلامی ہے، قانون سازی کا حق اسلام میں صرف حق تعالیٰ کا ہے اور اس کے رسول کریم علیہ صلوات اللہ وسلامہ کا منصب احکامِ الٰہیہ کی تشریح اور اس کی عملی تشکیل ہے، اسمبلی کا اگر کچھ کام ہے تو اس کے ذمہ ان قوانینِ الٰہیہ کے اجراء و تنفیذ کا کام ہے نہ کہ تقنین و تشریح کا، البتہ انتظامی

معاملات میں جو قانون چاہیں بنائیں بشرطیکہ وہ شریعتِ اسلامیہ کے خلاف نہ ہوں۔

بہر حال یہ بات انتہائی قابلِ قدر و قابلِ شکر ہے کہ حکومتِ سرحد نے اپنی بساط کے مطابق اصلاحی قدم اٹھائے ہیں، شراب نوشی کو حرام قرار دے دیا اور اس کی خرید و فروخت اور درآمد وغیرہ کو ممنوع قرار دے دیا، بے پردگی ختم کرا دی، سود پر پابندی لگا دی، سودی قرضے جو دئے گئے اس کا سود ختم کر دیا گیا، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں طلباء کے لئے نماز کا پڑھنا اور نماز کا ترجمہ سمجھنا لازمی قرار دے دیا، انگریزی لباس کوٹ پتلون کو ختم کرایا، سادہ قومی ملکی لباس کو سرکاری لباس قرار دے دیا، اس لئے مولانا مفتی محمود کی حکومت اس وقت امتِ محمدیہ کے لئے قابلِ قدر نعمت ہے اور عقیدۃً معمر قذافی کے بعد وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے شریعتِ اسلامیہ کی سیادت کو سر پر رکھا اور شریعتِ محمدیہ کی ترویج کے لئے کمربستہ ہو گئے، حق تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے اور بقیہ تمام صوبوں کے حکمرانوں کو ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

ذوالقعدہ ۱۳۹۲ھ، جنوری ۱۹۷۳ء

خدا فراموشی اور اس کی سزا

تمام عالمِ اسلام بے بسی و بے کسی کے ایک ایسے دور سے گذر رہا ہے جس پر غور کرنے کے بعد صدمہ ہی صدمہ ہوتا ہے، مسلمان عرب میں ہوں یا عجم میں، مشرق میں ہوں کہ مغرب میں ان پر ہر جگہ طاغوتی طاقتوں کی یورش ہے، کچھ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ تمام عالمِ اسلام کو خدا فراموشی کی سزا مل رہی ہے اور دردناک بات یہ ہے کہ نہ مرض کی صحیح تشخیص ہے نہ علاج کی فکر اور علاج کیونکر ہو سکتا ہے جبکہ مرض کی صحیح تشخیص ہی نہ ہو، اس سے بڑھ کر دردناک صورتِ حال یہ ہے کہ مرض کو صحت اور اسبابِ مرض کو نسخۂ شفا سمجھا جا رہا ہے، ایسے مریض کی حالت بجز تباہی و ہلاکت کے اور کیا ہو سکتی ہے؟ إنا للہ وإنا إلیہ راجعون۔

گذشتہ ہفتہ انڈونیشیا کے ایک قابلِ قدر عالمِ دین الشیخ حسین بن ابی بکر الحبشی یہاں تشریف لائے، موصوف دراصل یمنی الاصل عرب تھے مگر ایک مدت سے انڈونیشیا میں آباد ہیں اور وہاں کی ایک فعال دینی جماعت "المجلس الاعلی الاسلامی" کے رئیس و صدر ہیں، موصوف سے انڈونیشیا کے جو دردناک حالات معلوم ہوئے سن کر کلیجہ منہ کو آگیا، وہاں عیسائی آبادی پانچ فیصدی ہے لیکن چھ اہم وزارتیں ان کے پاس ہیں، وزیرِ دفاع، وزیرِ مال اور وزیرِ صحت یہ سب عیسائی ہیں[1]۔ مذہبی امور کا وزیر ایک مرزائی معطی بن علی ہے جو لاہور و ربوہ کا قادیانیت گزیدہ ہے اور اس کا جنرل سیکرٹری بہرِ وم انکوتی بھی مرزائی ہے إنا للہ۔ قادیانی عیسائی اور کمیونسٹ اسلام اور مسلمانوں کی عداوت میں متفق ہیں، نوجوانوں کو مادی اور سفلی خواہشات کا لالچ دے کر دھڑا دھڑ عیسائی اور مرزائی بنایا جا رہا ہے یا پھر وہ دہریہ ہو رہے ہیں، مسلمانوں کی یہ حالت اس مملکت میں ہے جو عالمِ اسلام میں اس وقت دنیا کی سب سے بڑی حکومت ہے جس کی آبادی بارہ کروڑ ہے گویا تمام طاغوتی طاقتوں کی پوری ہمت اس پر لگی ہوئی ہے کہ اس عظیم تر اسلامی ملک کو اسپین بنا دیا جائے، افسوس یہ ہے کہ مسلمانوں کو ان عواقب کا عموماً احساس نہیں اور

---

[1] وہاں عیسائیوں کے اثر و رسوخ میں سب سے مؤثر عامل غالباً صدر سوہارتو کی اہلیہ ہے جو عیسائی ہے (مدیر)

جن خال خال لوگوں کو احساس ہے ان کے پاس اس طاغوتی سیلاب کے سامنے بند باندھنے کے وسائل نہیں، اناللہ. افسوس یہ کہ بین الاسلامی سطح پر مسلمانوں کی یہ صحیح مالی تنظیم نہ ہونے سے ان طاغوتی طاقتوں کو زیادہ شکار کا موقع مل جاتا ہے عرب دنیا جہاں مال و دولت کا سیلاب آیا آیا ہوا ہے کاش وہ اپنا تھوڑا سا رخ ان مسلمانوں کی طرف پھیر لیں تو بہت سی مشکلات حل ہو جائیں، اللہ تعالےٰ مسلمانوں کو صحیح فہم اور صحیح توفیق عطا فرمائے. آمین

مملکتِ پاکستان کی رُوح

عرصہ دراز تک انگریز کی غلامی کی چکی میں پسنے کے بعد اللہ تعالےٰ نے برصغیر کے مسلمانوں پر رحم فرما کر ایک مملکت عطا فرمائی جس کے رجالِ کار کے پیش نظر یہ بات تھی کہ اسے ایک مثالی اسلامی ریاست بنا کر اس میں تمام عالمِ اسلام کی قیادت کی اہلیت پیدا کی جائے، لیکن ع "اے بسا آرزو کہ خاک شدہ۔" یہاں کے اربابِ حل و عقد رفتہ رفتہ ایسے راستے پر چل نکلے کہ تمام توقعات ہی ختم ہو گئیں ع "خود غلط بود آنچہ ما پنداشتیم" اللہ تعالےٰ رحم فرمائے۔

قیامِ پاکستان کا مقصد

یہ حقیقت بالکل واضح ہے کہ پاکستان اسلام کے نام پر لیا گیا، عوام نے اس مقصد کے پیشِ نظر پاکستان کا نعرہ لگایا اور حق تعالےٰ نے بھی دوبارہ امتحان کے لئے ایک وسیع مملکت عطا فرمائی، بلاشبہ پاکستان جغرافیائی حدود کے اعتبار سے صرف ایک ڈھانچہ ہے اور یہ سب کچھ جو اس کا تانا بانا نظر آتا ہے، یہ کارخانے، یہ زراعتی ترقیات، یہ صنعتی کاروبار اور جو کچھ کہ آج کے تمدن نے پیدا کیا ہے پاکستان کے اس ظاہری قالب کا نام ہے جس کی روح دینِ اسلام ہے اسلامی نظامِ مملکت ہے اسلامی قانون ہے، کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات کے مطابق زندگی کے تمام شعبوں کو ڈھالنا ہے، الغرض پاکستان نام ہے دو حقیقتوں کے مجموعے کا. ایک جسم اور دوسری روح. اگر اس کے جسم میں یہ روح کارفرما نہ ہو تو ہیں بے جان لاشہ کی قدر حق تعالےٰ کے یہاں کچھ بھی نہیں ہے اور بعید نہیں کہ پاکستان کا ایک بڑا حصہ اسی لئے کٹ گیا یا کاٹا گیا کہ جس روح کی توقع تھی وہ اس میں نہ پڑ سکی اس لئے بے جان جسم حق تعالیٰ کی بارگاہِ قدس میں قابلِ قدر نہ رہا اب بھی اگر اس روح کو جلد ڈالنے کی کوشش نہ کی گئی تو

شدید خطرہ ہے کہ یہ جسم جس کا سڑنا گلنا شروع ہو چکا ہے اس پر موت طاری نہ ہو جائے۔

"بینات" میں اس حقیقت کو واشگاف کرنے کے لئے نہ معلوم کتنے صفحات سیاہ کئے گئے ہیں لیکن صد افسوس کہ صدائے بر نخاست، طوطی کی آواز کتنی ہی خوبصورت اور دل نواز کیوں نہ ہو لیکن نقار خانے میں اسے کون سنتا ہے؟ معاصر روزنامہ "جنگ" میں "یوم آزادی کا مقصد" ایک قابل قدر آرٹیکل نظر سے گذرا، جی چاہا کہ ناظرین "بینات" کی خدمت میں اسے پیش کیا جائے تاکہ معلوم ہو سکے کہ یہ آواز صرف ملاؤں کی نہیں بلکہ سنجیدہ و متین جدید طبقہ کی بھی رائے ہے جو خواص سے نکل کر عوام تک اور محراب و منبر سے نکل کر بازاروں تک بھی پہنچ گئی ہے۔

" آج ہم آزادی کی اٹھائیسویں سالگرہ منا رہے ہیں بلاشبہ یہ ہمارے لئے انتہائی خوشی اور مسرت کا موقع ہے لیکن یہی دن سال کے باقی دنوں سے اس بات کے لئے سب سے زیادہ موزوں ہے کہ ہم پلٹ کر اپنے ماضی پر نظر ڈالیں، آزادی کے مقصد کو اپنے ذہنوں میں تازہ کریں اور اس بات کا جائزہ لیں کہ انفرادی اور اجتماعی حیثیت سے ہم نے اس مقصد کے لئے اب تک کیا کچھ کیا ہے کیونکہ اصل خوشی اور حقیقی مسرت اپنے مقصد میں کامیاب ہونے کے بعد ہی حاصل ہوتی ہے جہاں تک انگریزی اقتدار اور ہندو اکثریت کے تسلط سے نجات حاصل کرتے اور پاکستان کے نام سے ایک آزاد مملکت قائم کرنے کا تعلق ہے یقیناً اس جدوجہد میں ہم نے ۱۴ راگست ۱۹۴۷ء کو کامیابی حاصل کر لی تھی اور اس مبارک ساعت کے آنے پر ہم جس قدر خوشی منائیں کم ہے لیکن یہ بات بھی ایک حقیقت ہے کہ ہمارا سفر یہیں ختم نہیں ہو گیا تھا ہمارے نصب العین کی صرف یہی ایک آخری حد نہیں تھی جہاں پہنچ کر ملت کا قافلہ رک جاتا، حصول پاکستان تو منزل کی طرف اٹھنے والا پہلا قدم تھا بلکہ یہ کہنا زیادہ صحیح ہو گا کہ پاکستان ہماری قومی جدوجہد کا مقصد نہیں، مقصد تک پہنچنے کا ایک ذریعہ تھا اور یہ مقصد ایک ایسی مملکت کا قیام تھا جہاں مسلمان زندگی کے تمام شعبوں میں اسلام کے اصولوں کو نافذ کر کے ایک ایسا معاشرہ تعمیر کر سکیں جو ان کی تہذیب اور ان کی ملی اقدار کا پوری طرح آئینہ دار ہو اور جسے وہ دنیا کے سامنے ایک نمونے کے طور پر پیش کر سکیں، اس مقصد کو معیار بنا کر جب ہم گذشتہ ربع صدی کا جائزہ لیتے ہیں تو جہاں آزادی کا جشن مناتے ہوئے ہمارے چہرے خوشی سے دمک

اٹھتے ہیں وہاں ہم دل میں اٹھنے والی ان ٹیسوں کو بھی نہیں دبا سکتے جو حصولِ پاکستان کے اصل مقصد سے غفلت اور اس سے پیدا ہونے والے المناک نتائج کی یاد دلاتی ہیں، اس غفلت کا سب سے زیادہ رنج دہ نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ پاکستان کا ایک بازو اس سے کٹ کر علیحدہ ہو گیا اور سات کروڑ مسلمان جن کی اکثریت پاکستان سے محبت کرتی تھی غیروں کے زیر اثر چلی گئی، اس عظیم المیے کا صرف یہ پہلو قدرے اطمینان بخش ثابت ہوا کہ اس ٹھوکر نے ہمیں سنبھلنے، اپنا احتساب کر کے اپنی غلطیوں کو سمجھنے اور ان کی اصلاح کرنے کا ایک موقع فراہم کر دیا، وہ غلطیاں جن کا تعلق سیاست دانوں کے دور سے تھا اور پھر وہ غلطیاں جو شخصی اقتدار اور افسر شاہی کے طویل دور سے تعلق رکھتی تھیں۔

اس نئے دور میں جس کا آغاز وزیرِ اعظم بھٹو کی قیادت سے ہوتا ہے ہم نے اپنی جس سب سے بڑی غلطی کی اصلاح کی وہ یہ تھی کہ آئین سے متعلق طویل جھگڑوں اور بحثوں کو ختم کر دیا اور ایک ایسا دستور جلد از جلد مرتب کر لیا جو نظریۂ پاکستان اور قومی امنگوں کا آئینہ دار ہے لیکن ہمیں اس حقیقت کو بھی تسلیم کرنا چاہیئے کہ صرف آئین کوئی معجزہ نہیں دکھا سکتا جب تک کہ اس پر پورے خلوص اور دیانت داری کے ساتھ عمل نہ کیا جائے، اس آئین کا سب سے اہم حصّہ وہ ہے جس میں موجودہ تمام قوانین کو اسلام کے مطابق بنانے کا ذکر کیا گیا ہے، اس کے تحت زیادہ سے زیادہ آئندہ دس سال کے دوران موجودہ قوانین کی اصلاح کا یہ کام انجام پا جانا چاہیئے لیکن اس کام کے ساتھ جب تک ہم عوام خصوصاً نئی نسل کے ذہنوں کو اسلام کے سانچے میں ڈھالنے اور اس کی اخلاقی تربیت کا کام انجام نہیں دیں گے اسلامی قوانین سے ہم آہنگ معاشرہ وجود میں نہیں آ سکے گا، اس کے لئے صرف تعلیم و تربیت کے تمام ذرائع کو استعمال کرنا ہی کافی نہیں ہو گا بلکہ ہمیں ان منفی کوششوں کا خاتمہ بھی کرنا ہو گا جو نئی نسلوں کے ذہنوں کو پراگندہ کرنے اور کلچر کے نام پر ان میں اخلاقی بگاڑ پیدا کرنے کے لئے کی جا رہی ہیں، ان میں فحاشی پھیلانے والا اور عصبیتیں بھڑکانے والا لٹریچر، عریاں فلمیں اور ایسی تمام تحریکیں شامل ہیں جن کا مقصد عوام کو نظریۂ پاکستان سے منحرف کرنا اور پاکستان کی سالمیت کو ٹکڑے ٹکڑے کرنا ہے، اگر ذہنی تربیت کا کوئی مؤثر کام شروع کیا گیا اور ساتھ ہی ذہنی انتشار اور اخلاقی انارکی پھیلانے والی کوششوں کی سرکوبی نہ کی جاتی رہی تو

ایک ایسے دستور اور قوانین کے باوجود اسلامی معاشرے کی تشکیل کا خواب کبھی پورا نہ ہو سکے گا۔

بلاشبہ گذشتہ ۲۸ برس کے دوران پاکستان نے زراعت، صنعت اور تجارت کے میدان میں کافی ترقی کی ہے اور غذائی اعتبار سے اس کے خود کفیل ہونے کے آثار بھی بہت نمایاں ہیں۔ زندگی کے ہر شعبے میں کم و بیش ترقی ہوئی ہے اور گذشتہ تین سال کے دوران ترقی کی اس رفتار میں کئی گنا اضافہ ہوا ہے اور پاکستان نے ۱۹۷۱ء کے المیے کو برداشت کر کے معاشی اور سیاسی طور پر دوبارہ سنبھل کر عالمی برادری میں بڑا وقار بھی حاصل کر لیا ہے اور توقع ہے کہ آئندہ پانچ دس سال میں پاکستان معاشی سیاسی اور دفاعی اعتبار سے بہت زیادہ ترقی کر جائے لیکن ہمیں اس بات کو نہیں بھولنا چاہیئے کہ پاکستان کے استحکام اور بقاء کا انحصار صرف ان باتوں پر نہیں ہے بلکہ اس بات پر ہے کہ ہم پاکستانی معاشرے کو کس حد تک اسلام کی بنیادوں پر تعمیر کرنے میں کامیاب ہوتے ہیں اور کس حد تک نظریۂ پاکستان کو عملی جامہ پہناتے ہیں، اگر ہم نے یہ بنیادی کام انجام نہ دیا تو کوئی ترقی ہمارے کام نہ آسکے گی، اس کا تجربہ ہمیں ایوب خاں کے دس سالہ ترقیاتی دور سے ہو چکا ہے، اس برِصغیر میں ہم اپنی آزادی اور انفرادیت کو صرف اسلام کا قلعہ تعمیر کر کے ہی محفوظ رکھ سکتے ہیں، اگر اس حقیقت کو ہم نے نہ سمجھا تو یہ ہماری سب سے بڑی غلطی ہو گی، قائدِ اعظم کی عملی جد و جہد ان کی تمام تقریریں اور اقوال اسی حقیقت کو ہمارے سامنے پیش کرتے ہیں، آج ۱۴ اگست کا یہ مبارک دن بھی ہمیں اسی حقیقت کی یاد دلاتا ہے، اب ہماری سب سے بڑی آزمائش یہی ہے کہ ہم اپنے عمل اور اپنی جد و جہد کو کس حد تک اس حقیقت کے مطابق بناتے ہیں[1]؟

---

[1] اقتباس روزنامہ جنگ کراچی ۱۵ اگست ۱۹۷۵ء

رمضان المبارک و شوال المکرم ۱۳۹۵ھ، اکتوبر، نومبر ۱۹۷۵ء

ہماری معاشرتی زندگی کی ایک جھلک

یہ معلوم ہو کر انتہائی صدمہ ہوا کہ کراچی کے کسی ہوٹل میں کوئی کلب قائم ہوا ہے جس کا نام "جہنمی" رکھا گیا ہے اور کلب کے ممبروں نے شب کو دعوت دی ہے اس دعوت کا نام "شیطانی ڈنر" رکھا گیا یہ افسوسناک خبر روزنامہ "حریت" کراچی ۶ ستمبر ۱۹۶۷ء کے پرچہ میں شائع ہوئی، انا للہ۔ یہ تو واقعہ ہے کہ یہ کلب تو واقعی "جہنمی" ہے اور اس کے ممبران واقعی "شیطان" ہیں اور اس حیثیت سے یہ اسم بامسمی اور "زبانِ خلق نقارۂ خدا" کا مصداق ہے لیکن اس واقعہ میں جو ہماری معاشرتی زندگی کا "جلی عنوان" ہے سوچنے کی بات یہ ہے کہ انسانوں کے قلوب خوفِ خدا سے کس قدر خالی ہو چکے ہیں اور معاصی پر جرأت، بے حیائی، اور قلبی قساوت کہاں تک پہنچ گئی ہے، یہ صحیح ہے کہ معصوم صرف انبیاء کرام علیہم السلام کی ہستیاں ہیں، عصمت ان کا خاصہ ہے ان کے سوا کون ہے جو معصومیت کا دعویٰ کرے اور سراپا تقصیر انسان سے کیونکر یہ ممکن ہے کہ ہر معصیت سے دامن بچالے؟ کوتاہی اور لغزش، خطا و تقصیر لوازمِ بشریت سے ہے لیکن انسانیت ہی کا تقاضہ یہ بھی ہے کہ فرمان بردار اور اطاعت شعار انسان گناہوں کو گناہ سمجھے اور اپنی تقصیر کا اعتراف کرے حضرت سعدی علیہ الرحمۃ کے دو شعر جو درحقیقت تصوف کا نچوڑ ہے اسی حقیقت کی ترجمانی کرتے ہیں:۔

بندہ ہماں بہ کہ ز تقصیر خویش — عذر بدرگاہ خدا آورد
ورنہ سزاوار خداوندیش — کس نتواند کہ بجا آورد

انسان کا کمال اور اس کی بدنصیبی

انسانِ باکمال کا یہ کمال کافی ہے کہ ہمیشہ اپنے آپ کو قصوروار سمجھے، گناہوں سے استغفار کرے، گناہوں پر ندامت اور شرم محسوس کرے، گناہ پر اصرار سے بچے، اس کے دل میں حق تعالیٰ کا خوف موجود ہو، مغفرت کی امید رکھتا ہو اور معاصی کے برے انجام

سے بے خوف نہ ہو یہی ایمان کی خاصیت ہے کہ خوف و رجاء (امید و بیم) دونوں ساتھ ساتھ ہوں۔

انسان کی بدنصیبی اس وقت شروع ہوتی ہے جبکہ اسے گناہوں پر اصرار، عاقبت کی فکر سے بے نیازی ہو اور اس سے بڑھ کر شقاوت یہ ہوتی ہے کہ گناہوں کو کمال سمجھا جائے ان پر فخر کیا جائے شرم و حیا اور خجالت و ندامت کا نام و نشان نہ ہو اور اس سے بھی آگے بدنصیبی کی آخری منزل یہ ہوتی ہے کہ گناہوں سے استہزاء کرے اور شرعی اسلامی حقائق کے ساتھ تمسخر کرے جب نوبت یہاں تک پہنچتی ہے تو انسانی شقاوت اور اس کی قلبی قساوت کی انتہا ہوتی ہے، ظاہر ہے کہ جنت، جہنم، ملائکہ، شیاطین وغیرہ وہ کلمات ہیں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے انبیاء و رسل نے شرائعِ الٰہیہ و کتبِ سماویہ میں ان کا ذکر فرمایا ہے اور انبیاء علیہم السلام کی زبانی ان کے حقائق بتلا دیئے گئے ہیں، کون مسلمان ہے جو ان حقائق سے بے خبر ہوگا؟ اب اگر کوئی مسخرہ افسانوں، ڈراموں، سینماؤں اور کلبوں میں ان حقائق کو مسخ کر کے ان سے ٹھٹھا کرے تو انتہائی شقاوت بھی ہوگی اور پورے دینِ اسلام کی توہین بھی، قرآنِ کریم کا استخفاف بھی ہوگا اور تعلیماتِ نبویہ کا استہزاء بھی اور جب کسی "اسلامی مملکت" میں اس جرمِ شنیع کا ارتکاب کیا جائے اور پھر اس کی خبریں اور تصویریں اخبارات میں چھاپی جائیں تو اس اسلامی مملکت کی بے حرمتی ہوگی اور اگر اس حکومت کا مذہب واقعی دینِ اسلام اور کتاب و سنت ہے تو گویا بیک وقت اسلام اور حکومت دونوں کی توہین ہوگی، اس صورت میں سب سے پہلے ایک اسلامی حکومت کا فرض ہوگا کہ وہ ان بدلگاموں کو روکے اور سخت سزا دے اور اگر اس پر سکوت کیا جائے تو مجرمانہ غفلت ہوگی جس کے نتیجہ میں تمام معاشرہ خدا کے قہر کی زد میں آکر برباد ہو سکتا ہے، الغرض اگر مدعی اسلام قوم اور معاشرہ میں یہ وبا سرایت کر جائے تو حالات انتہائی خطرناک ہو جاتے ہیں اور عذابِ الٰہی کے آنے کا خطرہ قریب تر ہو جاتا ہے افسوس اس کا ہے کہ ملک میں فواحش و منکرات کے روز افزوں سیلاب نے نوبت یہاں تک پہنچا دی ہے اسلامی اخلاق و اقدار کو بری طرح ذبح کیا جا رہا ہے اندرونی طور پر دلوں سے خوفِ خدا نکل گیا اور خارج میں

حکومت کے نظام سے فواحش و منکرات اور بے حیائیوں پر احتساب کا سلسلہ ختم ہوگیا، جس کے نتیجہ میں پورا معاشرہ ذوقِ معصیت سے چُور، بے تمیزیوں میں غرق اور تباہی و بربادی کے آخری کنارے پر کھڑا ہے۔

جب معاشرے میں یہ خرابیاں اس حد تک پہنچ جاتی ہیں تو چند صالح افراد کا صلاح و تقویٰ قوم کو تباہی و بربادی سے نہیں بچا سکتا۔

قرآنِ کریم میں ارشاد ہے:۔

«واتقوا فتنة لا تصیبن الذین ظلموا منکم خاصةً واعلموا أن الله شدید العقاب»	اللہ تعالیٰ کے اس عذاب سے بچو جو صرف ظالموں پر نہیں پڑے گا اور یقین جانو کہ اللہ تعالیٰ کا عذاب سخت ہے۔

متعدد احادیث میں یہ مضمون ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ کیا اُمت پر صالحین کے ہوتے ہوئے عذاب آسکتا ہے؟ فرمایا ہاں! اگر بُرائی اور خباثت کی کثرت ہو، البتہ صالحین شہادت کی موت مریں گے۔

اگر بالفرض آخرت کی بھلائی اور جنت کی نعمتوں سے استغناء ہے اگرچہ یہ بھی انتہائی بدنصیبی ہے تو دنیا کی خیر منانے کے لئے بھی اس خدا فراموش ناپاک زندگی سے توبہ کرنا ضروری ہے۔

افسوس کہ عقلیں مسخ ہوگئیں، خیر و شر کی تمیز ہی ختم ہوگئی، پاکیزہ زندگی کی برکات سے جہاں آخرت کی نعمتیں ملتی ہیں آخرت سے پہلے دنیا میں بھی راحت و سکونِ قلب نصیب ہوتا ہے اور عذابِ الٰہی سے نجات نصیب ہوتی ہے، شہوات کی زندگی میں انہماک کبھی مسلمان قوم کو راس نہیں آیا، جب کبھی مسلمان اس قسم کی حیوانی زندگی میں مبتلا ہوئی اس کے دردناک اور عبرت ناک نتائج سامنے آئے، تاریخ کے صفحات اس پر شاہد ہیں اور عرب کی حالیہ تباہی اس کی تازہ ترین عبرت ناک مثال ہے۔

ہم اس ملک کے تمام دانشوروں، صحافیوں اور اربابِ اقتدار سے نہایت اخلاص، درد اور دلسوزی سے صاف صاف کہنا چاہتے ہیں کہ اگر چند دن اور جینے کی خواہش ہے تو

عقل و دانش کا تقاضا یہ ہے کہ خدا کی زمین کو مزید ناپاک ہونے سے بچاؤ، خدا کے حلم اور عفو و درگذر کو چیلنج نہ کرو، یہ وقت عیش و عشرت، فسق و فجور اور خرمستیوں کا نہیں عذاب الٰہی کے بادل سروں پر منڈلا رہے ہیں اور ہماری بدعملی اور بدعقلی نے پہلی امتوں کا وہی نقشہ پیدا کر دیا ہے جو بالآخر ان کی تباہی و بربادی پر منتج ہوا، ارشادِ خداوندی ہے:۔

«وَإِذَا أَرَدْنَا أَن نُّهْلِكَ قَرْيَةً أَمَرْنَا مُتْرَفِيهَا فَفَسَقُوا فِيهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنَاهَا تَدْمِيرًا»

جب ہم کسی بستی کو تباہ کرنے کا فیصلہ کرتے ہیں تو اس کی علامت یہ ہوتی ہے) کہ وہاں کے اہل ثروت فسق و فجور میں مبتلا ہو جاتے ہیں؛ پس ہمارا فیصلہ اس پر نافذ ہوتا ہے اور ہم اسے پوری طرح تباہ و برباد کر دیتے ہیں۔

اللّٰهم إنا نسألك العفو والعافية فی الدنيا والآخرة،

رجب ۱۳۸۷ھ

عالمِ انسانیت اور پیٹ کا مسئلہ

کسی موسم کی اچانک اور غیر معمولی تبدیلی کمزور طبائع کے لئے ہیجان و اضطراب کا باعث بن جاتی ہے، بعض کے لئے موت کا پیغام لاتی ہے اور بعض کے لئے مختلف امراض کا پیش خیمہ ثابت ہوتی ہے، کسی مریض پر اگر بحرانی کیفیت طاری ہو جائے اور اس کی حالت دگرگوں نظر آنے لگے تو اس کے گھر والوں، تیمار داروں اور معالجوں کی توجہ ہر طرف سے ہٹ کر مریض پر جم جاتی ہے، وہ نہ صرف اپنا سب کاروبار بھول جاتے ہیں بلکہ یہ حادثہ انہیں انسان کی طبعی ضروریات سے بھی غافل کر دیتا ہے اور اہم سے اہم مشاغل ثانوی حیثیت اختیار کر لیتے ہیں، بالکل یہی حال اس وقت عالمِ انسانیت کا ہے، وہ اپنی تمام خوبیوں کے باوجود پیدائشی طور پر کمزور طبیعت واقع ہوئی ہے (خُلِقَ الإنسان ضَعِیفًا) مال وجاہ کی محبت اس کا موروثی مرض ہے، مادیت کے مختلف موسموں کی تبدیلی کے زیرِ اثر وہ ہمیشہ نت نئے امراض کا شکار رہا ہے اور ناپختہ عزمی تلون اور سپر اندازی اس کی فطرت بن کر رہ گئی ہے، ادھر کچھ مدت سے اسے شکمی حادثہ بھی پیش آ گیا ہے جس کے نتیجہ میں اس پر بحرانی کیفیت طاری ہے اور وہ موت وحیات کی کشمکش میں گرفتار ہے انسانیت کے غمخواروں، تیمار داروں اور معالجوں کی تمام تر توجہات کا مرکز اس وقت "مسئلۂ شکم" بنا ہوا ہے چنانچہ آج کل تمام عالم میں عموماً اور دولت خداداد پاکستان میں خصوصاً "معاشی نظام" کا ایک اچھا خاصا ہنگامہ برپا ہے گویا دنیا میں دوسرا کوئی مسئلہ ہی نہیں رہا، اگر دینی سطح پر دیکھئے تو اسلام کے معاشی نظام تقسیمِ دولت، گردشِ دولت وغیرہ وغیرہ مسائل پر گرماگرم بحثیں ہیں اور اخبار وجرائد میں مضامین ومقالات کا ایک طومار نظر آتا ہے، اگر سیاست کے میدان میں آئیے تو ایک شور برپا ہے کہیں مساوات کے نعرے ہیں، کہیں سوشلزم کی دہائی ہے کہیں اسلام کی پیوند کاری ہے، کہیں مزدوروں کا نام استعمال کیا جا رہا ہے گویا تمام عالم میں صرف ایک ہی مسئلہ ہے اور وہ ہے پیٹ کا مسئلہ، اور دنیا کی ساری تگ ودو کا محور بس ایک پیٹ ہے، دوسری طرف سرمایہ داری نازک حالت میں ہے، سرمایہ دار سراسیمہ ہیں اور سرمایہ داروں کی حمایت کرنے والے حکمران بدحواس ہیں اور چاہتے ہیں کہ کسی طرح جلد سے جلد پیٹ کا مسئلہ حل ہو جائے تو انہیں سکون واطمینان کا سانس نصیب ہو، تیسری طرف جاہلیت کی علمبردار انقلابی پارٹیاں اور اسلامی

ممالک میں ریشہ دوانی کرنے والی طاقتیں اس صورتِ حال سے فائدہ اٹھا رہی ہیں اور حکومتوں کے لئے مشکلات پیدا کر رہی ہیں۔

بلاشبہ اس صورتِ حال کا اصلی سبب تو وہ سنگدلی اور بے رحمی ہے جو فقراء و مساکین کے ساتھ کی گئی ہے اور وہ غلط نظامِ حکومت ہے جس نے رعایا کے پسماندہ افراد کی خبر گیری کے بجائے انہیں مختلف طریقوں سے استحصال کا نشانہ بنایا ہے اور ان سب سے بڑھ کر وہ بے ہودہ نظامِ معیشت ہے جس نے بینکاری، قمار بازی اور ساہوکاری کے ذریعہ معاشرے کا توازن بگاڑ کر رکھ دیا، ایک طبقہ کو دولت کی فراوانی کا تخمہ (بدہضمی) ہے اور دوسری طرف عام طبقہ زندگی قائم رکھنے کے لئے بنیادی وسائل سے بھی محروم ہے، یہ صورتِ حال یقیناً خدا فراموشی کی سزا ہے جو قوموں اور حکومتوں کو مل رہی ہے لیکن بعض لیڈروں کے غلو کی بھی انتہا ہو گئی ہے کہ انہیں تمام اسلام اور سارے قرآنِ کریم میں سوائے اس مادی نظام کے اور کچھ نظر ہی نہیں آتا، اس سلسلہ میں قرآن کریم کی آیات کی تحریف و تبدیل سے بھی یہ لوگ نہیں ڈرتے اور بلاخوفِ تردید نہایت صفائی کے ساتھ قرآنی مفہومات اور حقائق کو مسخ کر کے آج کل کی نام نہاد "مساوات" کے دلائل پیش کئے جا رہے ہیں، کوئی سورہ نحل کی آیت ((واللہ فضل بعضکم علی بعض فی الرزق فما الذین فضلوا برادی رزقهم علی ما ملكت أيمانهم فهم فيه سواء)) سے مساوات کے لئے استدلال کرتا ہے اور کوئی سورہ سجدہ کی آیت ((فقدر فیها أقواتها فی أربعة أيام سواء للسائلین)) میں تحریف کر رہا ہے حالانکہ پہلی آیت تفاضل اور عدمِ مساوات کے لئے نصِ صریح ہے اور دوسری آیت کا اس موضوع سے تعلق ہی نہیں کوئی نحن قسمنا بینهم معیشتهم سے غلط استدلال کر کے مساوات کا نتیجہ نکال رہا ہے اور تعجب ہے کہ بعض مشاہیر اہلِ قلم بھی ان غلط فہمیوں میں بھٹک رہے ہیں اور اس سے بڑھ کر حیرت کی بات یہ کہ بعض اہلِ حق کی جماعت سے وابستہ لوگ اس غلط فہمی کا شکار ہو گئے ہیں۔

بلاشبہ معاشی اور مالی نظام عالم کون و فساد کے لئے ریڑھ کی ہڈی ہے اور حق تعالیٰ نے معاشرے کے اس مادی نظام کی اصلاح کے لئے ایک مستقل رسول حضرت شعیب علیہ الصلاۃ

والسلام جیسی جلیل القدر شخصیت کو مبعوث فرمایا ہے جنہوں نے خرید و فروخت اور تجارتی لین دین میں ظالمانہ، غیر عادلانہ اور بے رحمانہ نظامِ معیشت کی اصلاح کے لئے پیغمبرانہ دعوت دی اور شاید تاریخ انسانیت میں یہ سب سے پہلا ظالمانہ معاشرتی نظام تھا کہ آسمانی وحی کے ذریعہ اصلاح کی دعوت دی گئی اور اسے تسلیم نہ کرنے پر بارگاہِ قدس کی عدالت سے اس قوم کی تباہی کا فیصلہ کیا گیا، قرآن کریم کی ایک مستقل سورت کا موضوع ہی لین دین میں کمی اور نقصان کرنے والوں کی بدانجامی کا بیان کرنا ہے، میری مراد سورۃ تطفیف سے ہے۔

امام حجۃ الاسلام غزالی نے "جواہر القرآن" میں یہ بحث کی ہے کہ قرآن کریم نے تجارت اور بیع وشراء وغیرہ نظامِ معیشت کو اس لئے ذکر کیا ہے کہ نظامِ معاش جب تک قابلِ اطمینان نہ ہو تو فلاحِ معاد کی طرف توجہ مشکل ہوتی ہے، دینی خدمات کی انجام دہی کے لئے ضروری ہے کہ معاش و معیشت کا نظم ونسق درست ہو، حجۃ الاسلام کے الفاظ یہ یاد پڑتے ہیں: "وما لم ینتظم أمر المعاش لا یتم أمر المعاد والتبتل إلیه تعالیٰ"۔

اسی وجہ سے قرآنی ہدایات اور پیغاماتِ ربانیہ میں تجارت کو "فضل" سے تعبیر کیا گیا ہے، اور اسی لئے سود اور سٹے جوئے اور رشوت کو شدید طور پر حرام کر دیا گیا ہے اور سخت ترین وعید سنادی گئی ہے اور دنیا و آخرت دونوں میں اس کے بُرے انجام پر متنبہ کر دیا گیا ہے اور ظاہر ہے کہ حقوق العباد کی حفاظت کا یہ بنیادی نکتہ ہے، قرآنِ کریم جیسے آخری پیغامِ حیات میں اس پر کیونکر توجہ نہ دی جاتی اور مستقبل میں جو مختلف نظامِ معیشت پیدا ہونے والے تھے ان کی اصلاح کے بارے میں بنیادی ہدایات کو قرآنِ حکیم کیسے نظر انداز کر سکتا تھا اور ان سے حق تعالیٰ کا آخری پیغامِ نجات، دستورِ حیات، اور نظامِ ہدایت کیونکر خالی ہو سکتا تھا، فقراء و مساکین اور یتامیٰ و ایامیٰ کے لئے صدقات وعشر اور خیرات وانفاق کا عظیم الشان نظام نازل فرمایا ہے بلکہ زکوٰۃ وعشر کو مالی فریضہ اور عظیم الشان عبادت قرار دیا ہے اس سے انکار کرنے کو کفر وارتداد کہا گیا ہے ان فرض و واجب صدقات کے علاوہ عام خیرات وانفاق کے لئے ترغیب دلائی ہے ان کے لئے آخرت کے اجر وثواب اور جنتِ نعیم کے دروازے کھول دیئے گئے ہیں کیا دنیا کا کوئی بھی نظامِ معیشت آسمانی ہو یا غیر آسمانی اسلام کے اس حیرت انگیز

نظامِ مواسات کی ہم سری کا دعویٰ کر سکتا ہے؟ کیا دنیا کا کوئی نظام ایسا ہے جس نے غریبوں، کسانوں اور مزدوروں کا مسئلہ پیدا ہی نہ ہونے دیا ہو۔

معاشی علوم ہوں یا معیشت کے نکات، اقتصادی نظام ہو یا مال و دولت کمانے کا نظم قرآنِ کریم کا دامن اس سے متعلق ہدایات سے لبریز ہے، یہ حقائق سب صحیح سب درست ہیں، کسی کو مجال انکار نہیں لیکن اسلام کو موجودہ معاشی تحریکوں پر منطبق کرنا، اس کی سراسر مادی تعبیر بن کرنا اور کھینچ تان کر نصوص سے وہی کچھ منوانا جو آج کے معاشیین کہتے ہیں، بدترین غلطی اور مقاماتِ نبوت سے بے خبری کی دلیل ہے وحیِ الٰہی اور نبوت و رسالت کا حقیقی منصب ان حقائقِ الٰہیہ کو بیان کرنا ہے جن کے ادراک سے انسانی عقول قاصر ہیں، جہاں تک نہ عقلِ افلاطون پہنچی ہے نہ ارسطو کا فلسفہ، نہ یونان کے حکماء پہنچے ہیں نہ روما کے قانون دان، نہ مارکس کو اس کی ہوا لگی ہے نہ لینن کو۔

قرآنِ کریم کیا ہے؟

قرآنِ کریم تذکیر و موعظت کی کتاب ہے، مابعد الطبیعات کے ربانی حقائق، حق تعالےٰ کی ذات وصفات اور اس کی قدرتِ جلال و جمال کا مرقع ہے، جنت، دوزخ، ملائکہ، حشرِ اجساد معاد، قیامت کی تفصیلات۔ مابعد الممات کے احوال، برزخ کے واقعات، عبادات و طاعات کے اصول و مہمات کی عظیم الشان دستاویز ہے، حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول و عمل سے ان رموز و اشارات کی شرح اور ان مجمل ہدایات کی تفصیل فرمائی ہے، چنانچہ قرآن و حدیث اور کتاب و سنت دونوں لازم و ملزوم ہیں، دونوں میں تفریق کا امکان نہیں، البتہ حدیث جاننے اور پرکھنے کے لئے فن کی اعلیٰ مہارت چاہیئے اور یہی حال قرآنِ کریم کا بھی ہے، جتنا اونچا کلام ہوگا اس کے سمجھنے میں اتنی ہی دقت ہو گی، ناقصین نے جب بھی دخل دیا الحاد و تحریف دنیا کے سامنے آئی۔

بہر حال قرآن و حدیث کی تعلیم کا نقطۂ آغاز وہ اساسی و بنیادی عقائد و حقائق ہیں جو ہزاروں سال سر مارنے کے باوجود عقلِ مجرد کی گرفت میں نہیں آسکتے، پھر اس کی جامعیت کا یہ حال ہے کہ تمام احکامِ الٰہیہ خواہ عبادات ہوں یا معاملات، انفرادی مسائل ہوں یا اجتماعی۔

راعی کے مسائل ہوں یا رعیت کے، معاشرت کے آداب ہوں یا تجارت کے اصول، الغرض زندگی کا کوئی گوشہ اور کوئی موضوع ایسا نہیں جسے کتاب و سنت نے بیان نہ کیا ہو، اور اسلام کی ہر نوع کی تعلیمات میں ایسی متانت و رزانت اور اعتدال و میانہ روی ہے کہ عصرِ حاضر کی نام نہاد اصلاحی تحریکیں اس کی گرد کو بھی نہیں پا سکتیں۔ قرآنِ کریم اگرچہ جدید اصطلاح میں دستور یا قانون کی کتاب نہیں ہے جسے عنوانات و دفعات پر مرتب کیا گیا ہو لیکن اس میں انسانیت کے تمام ہمہ گیر مسائل کی طرف اصولی اشارات دیئے گئے ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مبارکہ اور سیرت طیبہ میں متشکل ہو کر سامنے آتے ہیں، خلافت راشدہ کی تشریحات اور فقہاءِ امت کی تنقیحات کے بعد وہ ایسا کامل و مکمل دستور ہے کہ دنیا کا کوئی دستور نہ اس کی ہمسری کر سکا ہے نہ کر سکے گا۔

واضح رہے کہ قرآن کریم کے ارشادات و تعلیمِ نبوّت کے دو حصّے ہیں: ایک حصّہ تو ان شرعی احکامات کا ہے جن کا درجہ قانون کا ہے اس میں کوتاہی کرنے پر نہ صرف یہ کہ "اسلامی حکومت" گرفت کر سکتی ہے بلکہ ایسا شخص شرعی اصطلاح میں عاصی اور گنہ گار بھی ہے جس کے لئے آخرت کی سزا و عقوبت کی دھمکی دی گئی ہے۔ زکاۃ عشر، صدقۂ فطر اور دیگر صدقاتِ واجبہ اسی شعبہ میں داخل ہیں۔ دوسرا حصہ اخلاقی ترغیبات کا ہے، ان کا درجہ قانون کا نہیں بلکہ اخلاقی فضیلت کا ہے، انفاق فی سبیل اللہ کا ایک بڑا حصّہ دوسری قسم سے وابستہ ہے۔ آج کل بہت سے نااہل قرآنِ کریم میں غور کرتے ہوئے ان دونوں حصّوں کو باہم ملا دیتے ہیں یہی وہ خلطِ مبحث ہے جو ان کی خامی و نااہلی کی دلیل ہے۔ آج کل معاشی مسائل میں یہ خلطِ مبحث انتہا کو پہنچ گیا ہے ان دو حصّوں کو الگ سمجھنے کے لئے عہدِ نبوت کی عملی زندگی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مقدسہ اور پھر خلافتِ راشدہ کے دور میں ان قوانین و مسائل کی تشکیل سے دونوں کا امتیاز واضح ہو جاتا ہے۔

غزوہ تبوک میں عسرت و تنگدستی عام تھی، دور دراز کا سفر تھا، ایک منظم طاقت سے مقابلہ تھا اور جزیرۃ العرب سے باہر جا کر جہاد کرنا تھا ایسے نازک موقع پر بھی حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی مالدار سے جبراً کوئی استحصال نہیں کیا بلکہ صرف ترغیب دی۔ اعلان کر دیا۔ جنت

ومغفرت کے وعدے سنا دیئے فرمایا: من یجھز جیش العُسرة اُضمن له الجنة) چونکہ قلوب کی اصلاح ہو چکی تھی اس لئے ہر شخص نے اپنی ہمت و استطاعت کے مطابق جتنا چاہا برضا و رغبت پیش کر دیا اور ضرورت پوری ہو گئی، یہی طرز معاملہ تمام اسلامی ادوار میں رہا۔ بعد کے بعض ادوار میں ایسے واقعات ضرور پیش آئے جبکہ تاتاریوں کا سیلاب آیا تو بعض ممالک میں ان کے مقابلہ کے لئے بیت المال کا خزانہ کافی نہ تھا اس وقت علماء نے فتویٰ دیا کہ جہاں ایسی صورت پیش آئے کہ بیت المال کا خزانہ کافی نہ ہو اور تمام اونچے مناصب والوں کی اعانت بھی کافی نہ ہو تو عوام سے ان کے فاضل اموال لئے جا سکتے ہیں لیکن یہ حق بھی ان اسلامی حکمرانوں کو ہوتا ہے جو اسلامی قوانین ملک میں نافذ کر چکے ہوں اور اسلامی حکومت صحیح معنی میں اسلامی حکومت ہو جس کی سب سے پہلی اور بنیادی شرط یہ ہے کہ وہ معاملات و حقوق میں پورے کا پورا اسلامی قانون نافذ کرے، شرعی تعزیرات و حدود کا اجراء کرے اور معاشرے کو کتاب و سنت کا پابند بنائے، اسلامی سلطنت کے سربراہ کو یہ حق حاصل ہے کہ ملک کے فقراء و مساکین کی کفالت یا ریاست کی دفاعی ضروریات کے لئے اگر بیت المال کی رقم ناکافی ہو تو اغنیاء سے ترغیبی چندہ اور قرضۂ حسنہ لے اور اگر اس سے بھی ضرورت پوری نہ ہو اور اربابِ دولت و ثروت بخل سے کام لیں اور وہ رضا کارانہ طور پر دینے کے لئے آمادہ نہ ہوں تو ان سے زبردستی وصول کرے تا آنکہ وہ ہنگامی ضرورت پوری ہو جائے، ہمارا خیال ہے کہ کسی صحیح اسلامی معاشرہ میں یہ نوبت آ ہی نہیں سکتی۔

اس شدید وقتی تقاضے کے پیشِ نظر مدرسہ عربیہ اسلامیہ نے چاہا کہ علمی انداز سے اسلامی معاشیات پر ایک مفصل کتاب مدون ہو جائے جو قرآن و احادیث و فقہاء امت کے ارشادات اور تاریخِ اسلام کی روشنی میں مرتب ہو جس میں نہ خدا فراموش سوشلزم یا کمیونزم کے جراثیم ہوں نہ دین فراموش سنگدل سرمایہ دارانہ ذہنیت کار فرما ہو، اس کے لئے ضرورت تھی کہ چند مستند علماء ایک جگہ بیٹھ کر اس کام کا خاکہ تیار کریں، چنانچہ پہلے مرحلہ پر جن حضرات کو جمع کیا گیا راقم الحروف کے علاوہ ان کے اسماء گرامی حسب ذیل ہیں۔

مولانا مفتی ولی حسن صاحب، مولانا مفتی رشید احمد صاحب، مولانا مفتی محمود صاحب (ملتان)

مولانا محمد رفیع صاحب مدرس دار العلوم کراچی، مولانا محمد تقی صاحب مدرس دار العلوم و مدیر البلاغ، جناب محمد اقبال صاحب ایڈوکیٹ، اس اجتماع میں مزارعت، احیاءِ موات اور زمینی مسائل سے متعلق ایک مختصر خاکہ تیار کیا گیا تھا جس کی حیثیت بھی صرف استفتاء ہی کی ہو سکتی ہے نہ اس کی کتابی تدوین و ترتیب تھی نہ وہ آخری رائے تھی بلکہ ناتمام خاکہ تھا جو سائیکلوسٹائل کر کے شائع کیا گیا تھا تاکہ اسے علماء کے پاس بھیجا جا سکے اور اس کی اشاعت کی غرض بھی یہی تھی لیکن خود غرض حضرات نے اس کو آخری فیصلہ سمجھا، اس سے اپنا الو سیدھا کرنے کی کوشش کرنے لگے یہ جلد بازی ہے دوسرے مرحلے پر شرکاءِ مجلس کچھ کم ہو گئے اور کتاب کے مختلف ابواب تجویز کر کے کام تقسیم کر دیا گیا اور حسب ذیل حضرات اس پر کام کر رہے ہیں۔

(۱) مولانا مفتی ولی حسن صاحب، مدرسہ عربیہ اسلامیہ کراچی (۲) مولانا محمد ادریس صاحب، مدرسہ عربیہ اسلامیہ کراچی ۵

(۳) مولانا مفتی رشید احمد صاحب، اشرف المدارس کراچی (۴) مولانا محمد تقی صاحب، دار العلوم کراچی۔

یہ کام جاری ہے تکمیل تک نہیں پہنچا، حق تعالیٰ جلد اس کی تکمیل کرائے پھر بھی یہ آخری رائے نہ ہوگی علماء کو تبصرہ و تنقید کا موقع دیا جائے گا ہو سکتا ہے کہ جرح و تعدیل کے بعد اس کو آخری شکل دی جا سکے، ضرورت تھی کہ اس صورتِ حال کو واضح کر دیا جائے تاکہ بعض معاصر رسالوں میں جو ابتدائی خاکہ شائع ہو گیا ہے اس کو علماء کی آخری رائے نہ سمجھا جائے۔ واللہ ولی التوفیق۔

جمادی الاولیٰ، اگست ۱۹۶۹ء

رؤیتِ ہلال

اللہ تعالیٰ کا بڑا احسان ہے کہ دینِ اسلام ایک معقول فطری نظام ہے، پھر یہ تمام ادیانِ سماویہ اور ادیانِ عالم میں واحد جامع ترین نظام بھی ہے، اسلام کے پیش کردہ معاملات اور معاشرت کی معقولیت تو واضح ہے ہی، لیکن نظامِ عبادات بھی، جو بظاہر عقول و ادراکات کے احاطے سے بالاتر ہوتا ہے، اسلام میں بڑی حد تک معقول ہے اور اس کے اسرار و حکم کی گہرائیوں میں جہاں تک عقل نارسا کی رسائی ہو سکی ہے، قلبِ مومن کو اس سے بڑا سکون و اطمینان حاصل ہوتا ہے، خواہ وہ عبادت نماز ہو یا روزہ، زکوٰۃ ہو یا حج۔

مثلاً عبادات کے نظامِ اوقات ہی کو لیجئے، اسلام نے عبادات کے اوقات کا مدار حس اور مشاہدے پر رکھا ہے تاکہ ان کے بارے میں جس طرح یونان کا ایک فلسفی مطمئن ہو سکتا ہے، ٹھیک اسی طرح جزیرۃ العرب کا ایک دور افتادہ بادیہ نشین بھی مطمئن ہو سکے، طلوعِ فجر سے صبح کا وقت شروع ہوا، اور طلوعِ آفتاب پر ختم ہوا۔ سُورج کے ڈھلنے سے ظہر کا وقت شروع ہوا، سائے کے دو قامت ہونے تک باقی رہا، پھر عصر کا وقت شروع ہوا، اور غروبِ آفتاب پر ختم ہو کر مغرب کا وقت شروع ہو گیا، شفق سُرخ یا سفید پر مغرب کا وقت ختم ہو کر عشاء کا وقت شروع ہوا اور طلوعِ فجر تک رہا، اوقاتِ نماز کا یہ کتنا صاف، واضح اور فطری نظام ہے؟ جبریل امین علیہ السلام نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح تعلیم دی، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمّت کو اسی طرح تعلیم فرمائی۔

جس طرح اوقاتِ نماز کا مدار حس اور مشاہدے پر رکھا اسی طرح تمام عبادات سے متعلقہ نظامِ اوقات کو قمری مہینوں سے مربوط فرمایا گیا اور اسی "قمری نظام" کو قرآنِ حکیم نے "دین" قرار دیا (ذالك الدين القيّم) شمسی نظام خواہ وہ ایران کا ہو یا یونان کا، روما کا ہو یا ہندوستان کا محض عقلی اور حسابی نظام ہے، دینِ فطرت میں حسابی تخمینوں

پر عبادات و احکام کا مدار نہیں رکھا گیا، بلکہ چاند کے محکم فطری نظام پر ان کا مدار رکھا گیا تاکہ اُمتِ مرحومہ کا ہر عامی و خاصی اس پر عمل پیرا ہو سکے، چنانچہ روزۂ رمضان کے بارے میں حضرتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد واضح ہے :۔

"ہم تو اُمتِ اُمیہ ہیں، نہ لکھنے کی حاجت، نہ حساب کی ضرورت! چاند دیکھ کر روزہ رکھو، اور چاند دیکھ کر عید کرو، ہاں اگر بادل ہوں تو پھر تیس دن پورے کرو۔"

فقہائے اُمت نے اس کی تفصیل بیان فرمائی، جسے یہاں بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔

یہ حقیقت بھی واضح ہے کہ اگر کوئی اسلامی حکومت رؤیت ہلال (چاند ہونے) کا اعلان کرتی ہے تو امت کے لئے وہ اعلان واجب القبول ہونا چاہیئے، لیکن یہ شرط ضرور ہے کہ اس اعلان کا طریقۂ کار شرعی قواعد سے نہ ٹکرائے، بلکہ اس کا طریقہ کار وہی ہو جس کی شرعی صورتیں فقہائے امت رحمہم اللہ نے بیان کی ہیں۔

یہ بات تو سبھی جانتے ہیں کہ "شاہد" خود آکر قاضی یا عالم کے پاس اپنی شہادت بیان کرتا ہے اور شرعی قاضی فیصلہ کرکے اعلان کراتا ہے، اس وقت حجاز ہو یا مصر شام ہو یا اُردن، ہر جگہ یہی طریقۂ کار ہے کہ حکومت نے یہ کام ملت کے معتمد علیہ قاضی یا شیخ الاسلام کے (اگر کسی اسلامی حکومت میں اس عہدے پر کوئی عالم مقرر ہو) سپرد کر رکھا ہے، وہ شہادت لے کر فیصلہ کرتا ہے اور حکومت مملکت میں اس فیصلے کا اعلان کرتی ہے، بعض لوگوں کو یہ غلط فہمی ہو رہی ہے کہ عرب ممالک میں "رؤیتِ ہلال" کا نظام صرف حکومتوں کے ہاتھ میں ہے اور وہ آپ سے جب چاہتی ہیں چاند کا اعلان کر دیتی ہیں کل تک جہاں ہندوستان میں اسلامی ریاستیں قائم تھیں، بھوپال، رامپور ٹونک، سبھی جگہ علماء اور قاضیوں کے یہ کام سپرد کیا تھا، وکانوا أحق بها وأهلها۔

یہ کون نہیں جانتا کہ "شاہد" اور "قاضی" کا ایک جگہ رودررو ہونا صحت شہادت کے لئے قطعی شرط ہے، جہاں قاضی ہو وہاں شاہد پہنچے یا جہاں شاہد ہوں قاضی صاحب وہاں تشریف لے جاکر شہادت سنیں، اس کے بغیر نہ شہادت کا کوئی وزن ہے نہ وہ کسی کے

لئے بھی قابلِ قبول ہے، اس عید الفطر کے موقع پر دوسری دفعہ جو صورتِ حال پیش آئی نہایت ہی افسوسناک تھی اگر اربابِ حکومت ذرا غور کرتے اور شرعی اصول کے مطابق اس مشکل کو حل کرنے کی تدبیر فرماتے تو معاملہ بالکل آسان تھا، یعنی جہاں رؤیت ہوئی تھی ان گواہوں کو مرکز میں "مرکزی رؤیتِ ہلال کمیٹی" کے پاس پہنچاتے وہ ان سے رو در رو شہادت لے کر فیصلہ کر دیتی اور اعلان ہو جاتا، یہاں ہمیں اس سے بحث نہیں کہ وہ شہود کیسے تھے؟ نہ اس سے بحث ہے کہ ملک بھر میں مطلع صاف ہونے کے باوجود راولپنڈی سے کراچی تک صوبے بھر میں کسی بھی جگہ چاند نظر نہ آنے کی صورت میں ان کی شہادت کی شرعاً کیا حیثیت تھی؟ مگر اتنا تو ہوا ہوتا کہ ان کو اس کمیٹی کے پاس پہنچا دیا جاتا، یا پھر جن اصحاب کو اس فیصلے کے لئے مقرر کیا گیا تھا ان ہی کو شہود کے پاس پہنچا دیا گیا ہوتا، موجودہ دور کے وسائل اور مواصلات میں جہاں عمدہ سے عمدہ تیز رفتار کاریں موجود ہوں، ہیلی کوپٹر ہوں، فوکر اور ڈیکوٹا طیارے موجود ہوں، ہر مرکزی مقام میں ہوائی اڈہ موجود ہو حکومت کے لئے یہ انتظام کیا مشکل تھا؟

کون نہیں جانتا کہ آج تک محاکمِ عدلیہ میں خواہ وہ اسلامی ہوں یا غیر اسلامی ٹیلیفون یا ٹیلیگرام سے شہادت قابلِ سماع نہیں ہوتی! پھر رؤیتِ ہلال کی شہادت کو ٹیلیفون پر قبول کرنے پر کیوں اصرار کیا جاتا ہے؟ بہرکیف ہوا یہ کہ جب رات کے تقریباً دس بجے مرکزی رؤیت ہلال کمیٹی سے حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نے خود رجوع کیا، اور اس ذمہ دار قاضی سے براہِ راست ٹیلیفون پر بات کی تو معلوم ہوا کہ گواہ تو کوہاٹ میں تھے مگر ٹیلیفون پر گواہوں کی خبر مرکزی رؤیت ہلال کمیٹی کو دی گئی ہے کیا شرعاً و عقلاً شہادت کی یہ عجیب و غریب صورت قابلِ اعتبار ہو سکتی ہے؟ کہ گواہ تو ہوں کوہاٹ میں اور قاضی صاحب پنڈی میں، البتہ اگر ملک کے مختلف مقامات میں تواتر کی حد تک رؤیت ہلال ثابت ہو جاتی اور ان متعدد و مختلف مقامات سے رؤیت کی خبریں ٹیلیفون یا ٹیلیگراف سے پہنچ جاتیں تو یہ فقہِ اسلامی کا ایک اور قانون ہوتا، یعنی "استفاضۂ خبر" (کسی خبر کا شہرت اور تواتر کی حد تک پہنچ جانا) اور اس وقت

"قانونِ شہادت" پر عمل کی ضرورت نہ تھی، (شریعت میں موسمیات کے فیصلوں کا کوئی وزن نہیں)

کراچی کے جن علماء نے ریڈیو کے اعلان سے موافقت نہیں کی وہ اس وقت! جبکہ ان پر شہادت کی مندرجہ بالا نوعیت واضح ہوگئی، خود راقم الحروف نے رات گئے تک نہ خود تراویح پڑھیں نہ نیو ٹاؤن کی مسجد میں پڑھوائیں بلکہ صورتِ حال کی وضاحت کا انتظار کرتا رہا۔

بہر حال آئندہ اس بدمزگی کے سدِّ باب کے لئے اسلام کے صاف، واضح اور فطری قانون پر عمل ضروری ہے، اس مشکل کا آسان حل یہی ہے کہ مختلف مقامات اور علاقوں کے مرکزی شہروں میں رؤیت ہلال کمیٹیاں قائم ہوں جن میں ملتِ اسلامیہ کے تمام طبقات کے معتمد ماہرینِ فقہ کو نمائندگی دی جائے اور جہاں شہادت میسر آئے وہیں کی رویت ہلال کمیٹی فیصلہ کرے اور وہ اپنے اپنے فیصلوں کی اطلاع مرکزی رویت ہلال کمیٹی کو کریں اور مرکزی کمیٹی کا ذمہ دار شخص خود ریڈیو پر اعلان نشر کرے، اس صورت میں مختلف جہات و اطراف سے جو خبریں موصول ہوں گی ان کے لئے ٹیلیفون کا واسطہ بھی کافی ہے۔

اس امر کا مزید افسوس ہے کہ بعض اربابِ قلم اور معاصرین موجودہ مکدّر صورتحال کو ہوا دے کر مزید فساد برپا کرنا چاہتے ہیں اور حکومت کو اکسا رہے ہیں کہ ان "مولویوں" کے ساتھ محض اس جرم میں کہ انہوں نے روزۂ رمضان کے بارے میں شریعتِ اسلام کے صاف اور واضح حکم کے پیشِ نظر احتیاط کا پہلو کیوں اختیار کیا، وہی طرزِ عمل اختیار کیا جائے جو کمال اتاترک نے ترکی میں اختیار کیا تھا اور بعض مؤقر مجلات نے تو کافی عرصے سے ایک اہم مقصد کے طور پر علماء اور مدارس و مساجد کے خلاف یہ مہم چلا رکھی ہے، کیا اچھا ہوتا کہ یہ حضرات ہماری حکومت کے لئے اتاترک جیسے غلط اندیش جابر حکمران کی مثال پیش نہ کرتے۔

کون نہیں جانتا کہ کمال اتاترک نے خلافتِ اسلامیہ کا انعقاد کرایا اور یورپ کو

خوش کرنے کے لئے اس نے یہ غلط قدم اٹھایا؟ کون نہیں جانتا کہ کمال نے سلطنتِ عثمانیہ کو اسلامی حکومت کی بجائے سیکولر اسٹیٹ بنا کر چھوڑا؟ کون نہیں جانتا کہ اس نے اسلامی قوانین اور احکامِ شرعیہ کو معطل کرایا اور ان کی جگہ لادینی قانون نافذ کرایا؟ کون نہیں جانتا کہ کمال نے عربی زبان، قرآنِ کریم اور عربی کتابوں کی طباعت واشاعت کو قانوناً جرم قرار دیا؟ کون نہیں جانتا کہ کمال نے عربی رسم الخط کو ختم کرایا اور ترکی زبان کو لاطینی حروف میں جاری کرا کر اسلامی، ملی اور قومی تہذیب وثقافت سے غداری کی؟ کون نہیں جانتا کہ کمال نے اسلامی ناموں تک کو جبراً تبدیل کرایا؟ کون نہیں جانتا کہ کمال کے لئے عربی زبان میں اذان واقامت کے پاکیزہ الفاظ بھی ناقابلِ تحمل تھے، اس نے اذان واقامت کو بھی ترکی زبان میں کرایا؟ کون نہیں جانتا کہ کمال کی غلط بین نظر اسلام کے پردۂ عصمت کو بھی برداشت نہ کر سکی اور اس نے عورتوں کے چہروں کو قانوناً بے نقاب کرایا اور لباسِ مغرب کی پابندی کا قانون بنایا؟ کون نہیں جانتا کہ کمال نے نکاح اور طلاق اور میراث وغیرہ کے اسلامی احکام کو معطل کرایا؟ وغیرہ وغیرہ

ے اندکے پیش تو گفتم حالِ دل وترسیدم
که آزرده شوی ورنه سخن بسیار است

کمال اتاترک کا نام بار بار پیش کرنے والے بتلائیں کہ یہ تمام قوانین اللہ ورسول کے تھے یا مولویوں کے گھر کے تھے؟ اگر قصور علماء کا تھا وہ ناکردہ گناہ کے مجرم، قتل واعدام کے لائق اور جلاوطنی کے مستحق تھے تو خدا اور رسول نے کیا جرم کیا تھا؟ قانونِ الٰہی کو کیوں جلاوطن کیا گیا؟ قرآن وسنت کو کیوں تہ تیغ کیا گیا؟ احکامِ الٰہیہ کو کیوں پامال کیا گیا؟ سنتِ خیر البشرؐ کو کیوں ذلیل کیا گیا؟ علماء بےچارے تو دینِ الٰہی کے پاسبان اور سنتِ نبویؐ کے خادم تھے؟ اگر انھوں نے دینِ الٰہی کی پاسبانی کے جرم میں جامِ شہادت نوش کیا تو زہے سعادت! ان کی شہادت پر "اقتدار پرستوں" کی ہزاروں زندگیاں قربان!

ع خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

کیا افسوس اور تعجب کا مقام نہیں کہ جو کارنامے علماء کے مفاخر میں شمار ہوں ان ہی کو

قابلِ نفرت قرار دیا جائے؟ کیا یہی عقل و دین کا تقاضا ہے؟ کیا یہی عدل و انصاف ہے؟ مظلوم علماء اور ظالم حکمرانوں کی داستان کو بار بار دہرانے کا کہیں یہ مطلب تو نہیں کہ درِ پردہ اربابِ اقتدار کو یہ شہ دی جا رہی ہے کہ اس بدترین سیاہ تاریخ کو پھر سے دہرایا جائے اور ہماری حکومت بھی علماء کے ساتھ وہی "حسنِ سلوک" کرے جو کمال اتاترک جیسے نادان حکمران کے دورِ اقتدار میں ترکی میں ہوا تھا؟ اِنّا لِلّٰہِ وَاِنّا اِلَیہِ رَاجِعُون۔ کیا کسی دانشمند کے نزدیک کمال جیسے کج فہم انتہاء پسند کا کوئی کارنامہ کسی اسلامی یا غیر اسلامی حکومت کے لیے قابلِ تقلید ہو سکتا ہے؟

بہر حال حق حق ہے اور باطل باطل، ظلم و عدوان اور جور و ستم سے حق باطل نہیں بن جاتا اور نہ باطل کو حقانیت کی سند مل جاتی ہے، بالآخر اتاترک کا عبرت ناک حشر بھی اسی دنیا کے رہنے والوں نے دیکھا، عصمت انونو پاشا، عدنان مندریس اور جلال بایار نے تدریجاً وہی قوانین دوبارہ رائج کیے جو معطل کیے گئے۔

ع حذر! اے چیرہ دستاں! سخت ہیں فطرت کی تعزیریں

اگر "فکر و نظر" یہ نظرِ رحمت فرمائے، تو "الرّحیم" کی نگاہِ مرحمت سے تو نہایت بعید ہے، آخر سارا قصور علماء ہی کا ہے؟ اربابِ اقتدار کے غلط رویہ پر یا سوئے تدبیر پر کبھی حرفِ شکایت زبان پر نہ لانا یہ تو انصاف نہیں، ہاں یہ ضروری ہے کہ اہلِ حق کو قرآنِ حکیم کے حکیمانہ اصول کے تحت دعوتِ حق دینا چاہیئے نیز جس حقیقت کا اظہار ہو وہ خلوص نیک نیتی اور اصلاح کی غرض سے ہو، پھر اگر دنیا میں اس دعوت کو شرفِ قبول حاصل نہ بھی ہو تو آخرت کا سامان تو ہو ہی جائے گا اور اگر دنیا میں اس پر صلہ ملنے کی بجائے الٹی سزا ملے تو اجرِ عظیم کا باعث ہو گا لیکن اگر شرطِ اخلاص معدوم ہو تو خسر الدنیا والآخرۃ ذلک ھو الخسران المبین کا مصداق ہے، معاذ اللہ!

بہر حال علمائے حق کا منصب ابلاغِ حق ہے، اثر ہو یا نہ ہو۔

حافظ! وظیفۂ تو دعا گفتن است و بس   در بندِ آں مباش کہ نشنید یا شنید

ذوالحجہ ۱۳۸۶ھ، اپریل ۱۹۶۷ء

ماہ رمضان اور اس کے برکات وفضائل

ماہِ رمضان کی آمد آمد ہے، انوار وتجلیاتِ ربانیہ سایہ فگن ہوں گی، عاصی پُر معاصی ابن آدم کے لئے سامانِ مغفرت تیار ہوگا جوادِ مطلق کے جود وکرم کا فیضانِ عام ہوگا۔ ایمان وعمل کی بہار آئے گی، توفیق وسعادت شکستِ خوردگانِ معصیت کا دامن تھامے گی، رندانِ بادہ نوش بھی ایک بار توبہ وانابت کی سلسبیل میں غوطہ لگا کر "قدوسیوں" سے قدم ملانے کی ہمت کریں گے، بابِ جنت مفتوح ہوگا، ابواب جہنم پر قفل چڑھا دیئے جائیں گے "اے خیر کے طالب! آگے بڑھ، اور اے شر کے قاصد رک جا" کی غیبی صدائیں بلند ہوں گی، ہر رات بے شمار گنہگاروں کی آتشِ دوزخ سے آزادی کے فیصلے سنائے جائیں گے۔

نفسِ امارہ کا تزکیہ

نفسِ امّارہ کے تزکیہ واصلاح کے لئے حق تعالیٰ نے روزہ فرض فرمایا تاکہ مومن تقویٰ کے بلند مراتب حاصل کر کے مرتبۂ ولایت پر فائز ہو جائے، راتوں کو قرآنِ کریم سننے سنانے کی ترغیب دی اور اپنا کلام پاک بندوں کی زبان پر جاری کرنے کے مواقع بہم فرمائے، روزہ سے نفس کے تزکیہ کا سامان اور روح کی تربیت کے لئے کلام پاک سے بہرہ اندوز ہونے کا انتظام فرمایا گیا، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس ماہِ مبارک میں زمین کا رابطہ ملأ اعلیٰ سے قائم کر دیا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ نے رمضان المبارک کو جب سے لیل ونہار کا نظام قائم فرمایا ہے، عجیب وغریب برکات وتجلیات کا موسم بنایا ہے اور اس خاک کے پتلے کی اصلاحِ روح وتہذیبِ نفس کے لیے جب کبھی کوئی آسمانی تحفہ اتارا ہے اس کے لئے اسی ماہ کا انتخاب فرمایا گیا ہے، صحفِ ابراہیم سے قرآنِ کریم تک تمام روحانی تحفے اور عجیب عجیب احکامِ ربانی اور قوانینِ الٰہی پر مشتمل نظام نامے سب اسی ماہِ مبارک کے برکات ہیں احادیث میں آتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صحیفے ماہِ رمضان کی پہلی تاریخ کو نازل ہوئے، موسیٰ علیہ السلام کی تورات چھ تاریخ کو، عیسیٰ علیہ السلام کی انجیل تیرہ تاریخ کو، داؤد علیہ السلام کی زبور ۱۸ کو، اور قرآن کریم ۲۴ کو نازل ہوا، الغرض حق تعالیٰ نے ازل ہی سے کائنات کو اپنی رحمت سے سرفراز کرنے کے لئے اس ماہِ مبارک

کو مشرف فرمایا ہے۔

بہرحال رمضان مبارک صحفِ سماویہ اور کتبِ الٰہیہ، خصوصاً قرآن کریم کی ایک دینی یادگار ہے جو وحیِ آسمانی نے خود قائم کی ہے لیکن اس یادگار اور جشنِ وحی کے لئے صرف یہ صورتیں نہیں رکھی گئیں کہ جگہ جگہ چراغاں کیا جائے، در و دیوار عجیب و غریب جاذب نظر و دلکش مناظر سے آراستہ کئے جائیں، رنگارنگ قمقموں سے سرزمین جگمگا اٹھے، شامیانے لگائے جائیں، اسٹیجوں کو سجایا جائے، ہر طرح سے عیش پرستی کے سامان مہیا کئے جائیں، آزادی و تفریحات کا دور دورہ ہو، نہ عبادت کی فکر ہو نہ نماز کا خیال، نہ خدا کا نام ہو، نہ کوئی دینی کام، بے جا اسراف و تبذیر کر کے قوم اور ملک کی توانائی کو ختم کیا جائے گویا ایک خدا فراموش قوم کی زندگی ہو جس کو نہ ابتداء کی فکر ہو نہ انتہاء کا تصوّر، نہ مبداء کا خیال ہو نہ معاد کا عقیدہ، یوں ہی لہو و لعب کی دنیا ہو اور عیش پرستی کا سامان۔

آج کل جو یادگاریں قائم کی جاتی ہیں اس کا حاصل تو یہی ہوتا ہے لیکن جو چیز اللہ تعالےٰ نے دنیا میں اصلاحِ نفوس کے لئے بھیجی ہو، جس سے روحوں کو جلا ملے جس سے انسان حیوانات اور درندوں کی صف سے نکل کر صحیح معنوں میں با اخلاق انسان بنے، اس کے لئے یادگار بھی ایسی ہونی چاہیئے جس سے اس مقصد کی تکمیل ہو تاکہ بے عمل افراد، باعمل اور خدا فراموش قوم باخدا بن جائے، انسان درندوں اور جانوروں کی صفوں سے نکل کر فرشتہ خصلت بن جائے غریبوں اور فقیروں کی خبر گیری کی جائے، مسکینوں یتیموں پر رحم کیا جائے، الغرض انسان انسانیت کے اعلیٰ ترین اخلاق و اوصاف سے آراستہ ہو جائے، انہی مقاصد کے پیشِ نظر حق تعالےٰ نے ماہِ رمضان المبارک کے روزے فرض کر دیئے اور راتوں کو قیام کی سنت جاری فرما دی تاکہ بندۂ مومن اس کی راتوں میں قرآن پڑھے یا سنے، کبھی بارگاہِ عظمت و جلال کے سامنے سربسجود ہو کر کبھی جھک کر تعظیم و تقدیس بجالائے، کبھی کھڑے ہو کر قرآنِ کریم کے رقت انگیز نغموں سے دل کو گرمائے اور "یذکرون اللہ قیاماً وقعوداً وعلیٰ جنوبھم" وہ یاد کرتے ہیں اللہ کو کھڑے بھی بیٹھے بھی اور لیٹے بھی۔

کا پیکر بن جائے اور دلوں میں اسی قرآن پر عمل کی توفیق نصیب ہو، آنکھیں نیچی اور زبان کلمۂ خیر

کے علاوہ بند رکھے، لڑائی جھگڑے سے پرہیز کرے، نفسانی خواہشات کے کسی تقاضے کو پورا نہ کرے، صدقہ وخیرات کرے، ہر کارِ خیر کی طرف لپکے اور اس کی بجاآوری میں دریغ نہ کرے، ہر برائی سے بچے، الغرض سیرۃ وصورۃ اور عمل وکردار کے لحاظ سے سراپا فرشتہ بن جائے، ظاہر وباطن کی ایسی اصلاح ہو جائے کہ اس کے سرتاپا سے ظاہر ہو کہ یہ ایک باخدا قوم کا فرد ہے۔ اب آپ کے خیال میں ماہِ رمضان اور نزولِ قرآن کا باہمی تعلق واضح طور پر آگیا ہوگا یہ ہے حقیقی یادگار نزولِ قرآنِ کریم کی۔

جشنِ قرآنِ کریم اور پاکستان

پاکستان میں چند ماہ بعد قرآنِ کریم کا "جشنِ چہاردہ صد سالہ" منایا جارہا ہے اس کے لئے زمین وزمان کو آراستہ کرنے کی وہ ساری تدابیر کی جائیں گی جو آج کل مروج ہیں، لیکن سوچنے کی بات یہ ہے کہ جس معاشرے میں سراسر قرآن کے خلاف قوانین جاری ہوں، صبح سے شام تک جو کچھ ہو رہا ہو قرآنِ کریم کے خلاف ہو، قرآن کریم کے ہر حکم خداوندی کو بُری طرح سے ذبح کیا جارہا ہو، دینِ اسلام اور اس کے احکام کی دھجیاں بکھیری جارہی ہوں کراچی اور لاہور لندن و پیرس کا کوئی فرق باقی نہ رہا ہو، جو کچھ وہاں ہو رہا ہو یہاں ہو رہا ہو، شراب خانے کھلے ہوں، ماہِ رمضان میں ہوٹل اور کھانے کی دکانیں کھلی ہوں، لوگ بازاروں میں سرِ راہ کھاتے پیتے نظر آرہے ہوں، عریانی و بےحیائی کے عریاں منظر قدم قدم پر موجود ہوں، فسق وفجور ہی نہیں بلکہ کفر و بددینی کے دروازے کھلے ہوں کہ ہر شخص جو چاہے بکے، کیا اس قوم کو قرآنِ کریم کے جشن منانے کا حق ہے؟ کیا اس سرزمین پر قرآنِ کریم کی یادگار قائم ہو گی؟ اس سے بڑھ کر کیا مضحکہ خیزی ہو سکتی ہے کہ ایک طرف قرآنِ کریم سے دشمنی کا یہ معاملہ ہو اور دوسری طرف قرآنِ کریم سے محبت کا یہ منافقانہ مظاہرہ

ع بریں عقل و دانش بباید گریست

آخر کب تک یہ منافقانہ طریق کار جاری رہے گا؟

محفلِ میلاد اور اجلاسِ سیرت النبیؐ

حقیقت یہ ہے کہ جب قوم کی اصلی روح نکل جاتی ہے تو وہ اسی قسم کی طفل تسلیوں سے دنیا کو فریب دینے کی کوشش کرتی ہے چنانچہ پورے سال تو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت وسنت کے ساتھ وہ معاملہ کیا جائے جو ایک شقی دشمن کرتا ہے اور ایک رات سیرت و میلاد کی محفل قائم کر کے محبتِ رسُول کا دعویٰ کیا جائے اس سے بڑھ کر کیا نفاق ہوگا؟ اسلامی تاریخ شاہد ہے کہ جب تک قوم شریعت پر چلنے کی توفیق سے بانصیب تھی تمام امت سراپا شریعت تھی اور ہر شخص اپنی سیرت وصورت اور عمل و کردار سے شریعتِ اسلامی، محبتِ رسُول اور اتباعِ سنت کا پیکر تھا اس وقت نہ سیرت کی ان رسمی محفلوں کی حاجت تھی نہ میلاد النبیؐ کے جلسوں کی ضرورت، چنانچہ عہدِ صدیقی، عہدِ فاروقی، عہدِ عثمانی میں آپ کو کہیں نظر نہیں آئے گا کہ میلاد النبی کے لئے کوئی اجتماع ہوا ہو، کیا خیر القرون کی نسل محبتِ رسول سے بے بہرہ تھی؟ کیا قرونِ مشہود لہا بالخیر کے مسلمانوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت نہ تھی؟ کیا ان میں اتباعِ سنت کا جذبہ نہ تھا؟ یہ مبارک ادوار تو محبتِ رسول واتباعِ سنت، ایمانی حرارت وقوتِ ایمانی کے بے نظیر قرون ہیں بلکہ تمام صحابہ اور تمام تابعین و ائمہ مجتہدین، فقہاءِ اُمت اور محدثینِ کرام، اربابِ قلوب ومکاشفات اصحابِ ریاضات ومجاہدات کے کسی حلقے میں آپ کو نہ سیرت کے اجلاس ملیں گے نہ میلاد کی محفل کا پتہ چلے گا، تاریخِ اسلام کی مکمل چھ صدیاں ایسی گذریں جن میں سیرۃ الرسول اور بارہ وفات یا میلاد النبی کی محفلوں کا کوئی نام ونشان نہیں، چھٹی صدی ہجری کے اواخر میں "اربل" جو موصل کے حکمراں تھے ان کے دور میں تاریخ سیرت کی یادگار منائی جانے لگی، فقراء ومساکین پر ہزاروں اشرفیاں خرچ کی جاتی تھیں، کپڑے تقسیم ہوتے، کھانا کھلایا جاتا، اس طرح حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روحِ مقدس کے لئے ایصالِ ثواب کا سلسلہ جاری کیا گیا، مگر بعد کے ادوار میں تو یہ بات بھی ختم ہوگئی صرف میلاد کی محفلیں قائم ہونے لگیں، پھر بھی یہ صورتِ حال خال خال کہیں کہیں نظر آتی تھی، لیکن جب شر القرون کی نوبت آئی تو قوم میں

اسلام دین کا نام نہیں بلکہ قومیت کا نام بن کر رہ گیا اور منافقانہ طور پر اظہارِ اسلام کا دور شروع ہو گیا، عقیدہ برباد ہو گیا عملی زندگی تباہ، محبتِ رسول سے سینے خالی ہو گئے، دماغوں سے اتباعِ شریعت کا تصور نکل گیا، دلوں میں ایمانی جذبہ سرد پڑ گیا تو سال میں ایک مرتبہ دعوائے اسلام کے لئے صرف ایک آدھ جشن منانا ہی کافی ہو گیا، ٹھیک یہی معاملہ "قرآنِ کریم کی یادگار" کا ہے کہ بس اب عمل کرنے کی حاجت تو ہے نہیں صرف ظاہری رسموں کے ذریعہ چراغاں کیا جائے مکانات اور مسجدیں آراستہ کی جائیں، لاکھوں روپیہ اسراف و تبذیر پر خرچ کیا جائے، خدارا یہ بتلائے کہ یہ کہاں کا انصاف ہے۔

اگر یادگار اس لئے منائی جاتی کہ حق تعالیٰ سے عہد کرنا ہے کہ ہمیں قرآنِ کریم پر اب عمل کرنا اور اس کو قانونِ زندگی بنانا ہے عملی زندگی میں قرآنِ کریم جاری کرنا ہے، دلوں میں محبت و تعظیم کے ساتھ اپنی معاشرت و نظامِ زندگی میں اس کو جگہ دینی ہے، گذشتہ بے عملی کی زندگی سے تائب ہونا اور آئندہ کے لئے عزمِ عمل کا عہد کرنا ہے تو چلئے بہت اچھا! جشن منانے کے لئے کچھ معنی تو نکل آتے، لیکن یہاں جس طرح کے ارادے ہیں اور جو کچھ کیا جائے گا اس کے اعتبار سے یہ "جشنِ قرآن" اسلام و قرآن کی توہین، عیسائی قوموں کی مضحکہ خیز نقل اور قومی دولت کو بے فائدہ ضائع کرنا ہے، ان لاحاصل و بے معنی تقریبات نے قوم کی کمر توڑ ڈالی، ان کی قوتِ برداشت کو ختم، ان کے تصورات کو مسخ، ان کے جذبۂ عمل کو تباہ اور ان کے اعصاب کو مفلوج کر دیا، بہرحال ادارۂ تحقیقاتِ اسلام کی نگرانی میں لاکھوں روپیہ کے مصارف سے یہ جشن منایا جائے گا اور جہاں تک اندازہ ہے یہ کوشش ہوگی کہ قرآنِ کریم کے جسم پر کچھ نئے نشتر لگانے کے لئے راستہ نکالا جائے، إنا للہ وإنا إلیہ راجعون اللہ تعالیٰ اپنے دین کی حفاظت فرمائے اور مسلمانوں کو صحیح سمجھ نصیب فرمائے۔

رمضان المبارک ۱۳۸۷ھ

حج بیت اللہ اور اربابِ حکومت کو چند مشورے

بارگاہِ قدس کے مرکزِ تجلیات کا نام بیت اللہ الحرام اور کعبۃ اللہ ہے صاحبِ استطاعت پر عمر میں ایک مرتبہ اس بارگاہ پر حاضری کا نام حج بیت اللہ ہے جو دینِ اسلام کا پانچواں رکن اور اہم ترین شعائر اللہ میں شمار ہوتا ہے قرآنِ حکیم کی آیاتِ کریمہ میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بیت اللہ قیامِ عالم اور بقاءِ کائنات کا ذریعہ ہے جب تک اللہ تعالیٰ کا یہ گھر دنیا میں باقی رہے گا دنیا قائم رہے گی اور جس وقت اللہ تعالیٰ شانہٗ اس دنیا کو ختم کرنے کا ارادہ فرمائے گا اس کعبے کو ویران کر دیا جائے گا گویا کعبۃ اللہ اور بیت اللہ میں بقاءِ عالم کا راز ہے یہ مرکزِ عالم ہے اور اس مرکز کے ختم ہو جانے کے بعد فناءِ عالم کا سلسلہ شروع ہو جائے گا، پھر جس طرح عالم کے ظاہری بقاء کا راز بیت اللہ الحرام کے بقاء میں ہے ٹھیک اسی طرح روحانی ہدایت ربانی کا سلسلہ بھی اسی بیت اللہ سے قائم ہے، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ آسمانی ہدایت و انوار کا فیضان بارگاہِ عرشِ عظیم سے اس بیت عظیم پر ہوتا ہے اور عالم میں اسی بیت کو منبعِ ہدایت و چشمۂ ارشاد بنایا گیا ہے، حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:-

اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ	بے شک سب سے پہلا گھر جو مقرر ہوا لوگوں کے
لَلَّذِیْ بِبَکَّۃَ مُبٰرَکًا وَّھُدًی	واسطے یہی ہے جو مکہ میں ہے برکت والا اور ہدایت
لِلْعٰلَمِیْنَ (۱۵ آل عمران ع ۱۰)	جہان کے لوگوں کو۔ (ترجمہ شیخ الہندؒ)

بیت المعمور جو ساتویں آسمان پر طواف گاہِ ملائکہ ہے اسی کے بالمقابل اللہ تعالیٰ نے روزِ اوّل ہی سے زمین پر اس مقام کو مرکزِ تجلیات بنایا اور تاریخِ انسانی کے ادوار میں بیت اللہ کی تعمیر ہوتی رہی ملائکہ کرام، انبیاءِ عظام اور مقربینِ بارگاہ کے طوافوں، نمازوں، دعاؤں اور نالہائے عشق و محبت نے اس کو ایسا بقعۂ نور بنا دیا کہ عقل حیران ہے یہی وجہ ہے کہ عشاق کو نہ طواف سے سیری ہوتی اور نہ دیدار سے اور بیت اللہ کی یہی معنویت ہے جس کی وجہ سے اسے نمازوں اور نمازیوں کا قبلہ بنا کر مزید بارگاہِ

قدس کی تجلیات کا نقطہ و مرکز بنایا گیا، اہلِ بصیرت جانتے ہیں کہ جہاں کوئی ایک صالح اور مقرب بارگاہ جلوہ افروز ہوتا ہے وہاں رحمتِ خداوندی اور انوارِ الٰہی کا نزول ہوتا ہے پس جہاں فرشتوں، رسل و انبیاء اور مقربینِ بارگاہ کی دعوات و عبادات و تسبیحات و تھلیلات کا مرکز ہو اس کی برکات کا کیا ٹھکانا، حق تعالیٰ کی رحمتِ کاملہ کے امیدوار اپنے گناہوں سے توبہ کر کے جہاں عالم کے گوشہ گوشہ سے جمع ہو کر والہانہ انداز میں کبھی آہ و بکا اور گریہ وزاری میں مشغول ہوتے اور کبھی سربسجود ہوتے ہیں ایسے مقامِ اقدس کی برکتوں کا کیا کہنا جس مقامِ متقدس پر احادیثِ نبویہ کے مطابق ایک سو بیس رحمتیں روزانہ نازل ہوتی ہیں، ۶۰ طائفین کے لیے ۴۰ نمازیوں کے لئے ۲۰ زائرین و دیدار کرنے والوں کے لئے اس کی مقناطیسی کشش کا کیا اندازہ لگایا جا سکتا ہے اور جو سعید روحیں تینوں قسم کی عبادتوں سے سرشار ہوں ان کی سعادتوں کا کیا کہنا۔

الغرض کعبہ کیا ہے اللہ تعالیٰ کی تجلیات کا اس عالم میں عظیم ترین مرکز، رحمتِ ازلیہ کا خزانہ، مغفرت و رحمت کا گہوارہ اور روحانی سیر و سیاحت کرنے والوں کا ربانی مرکزِ ضیافت ہے جہاں ہر شخص اپنی اپنی استعداد کے مطابق فیض اٹھاتا ہے، اس لیے ہر مستطیع شخص پر زندگی میں اس مقامِ اقدس کی حاضری کے لئے کم از کم ایک مرتبہ کا حکم دیا گیا تاکہ مرکزِ رحمت و مرکزِ تجلیات کے انوار و برکات سے نورِ ایمانی میں مزید روشنی و جلا پیدا ہو اور رحمتِ ازلیہ کے جلوؤں سے بہرہ نصیب ہو اور اقطارِ عالم کے مسلمانوں کے لیے آہ و بکا سے سامانِ مغفرت کرنے والوں اور اخلاص و توبہ و انابت الی اللہ والوں کا یہ عظیم الشان اجتماع طرح طرح کی برکات کا وسیلہ بنتا ہے، پھر قدم قدم پر شعائر اللہ کی تقدیس و تعظیم کے جلوے، مقربینِ بارگاہ کی یادگاریں، کہیں حجرِ اسود کی نورانیت کا جلوہ کہیں مقامِ ابراہیم کی مقناطیسی کشش، کہیں صفا و مروہ و سعی کے انوار و برکات، کہیں وادیٔ عرفات کی تجلیات، کہیں مزدلفہ و منیٰ کے انوار، غرض قدم قدم پر مغفرت و رحمت کے وعدے ہیں، یہی وجہ ہے کہ آج مادیت کے پُر آشوب دور کے باوجود بھی ہزاروں دلوں میں حجِ بیت اللہ کی صحیح تڑپ موجود ہے کہ ذرا بھی جس قلب میں ایمان کا نور موجود ہے،

حج بیت اللہ کے لئے بے تاب ہے، ظاہر ہے کہ اصلی مقصد تو ان عبادات سے رضائے الٰہی سامانِ آخرت کی تدبیر اور آخرت کی نعمتوں کا استحقاق ہے، لیکن شریعتِ مقدسہ اسلامیہ کی یہ جامعیت ہے کہ ان دینی منافع کے ساتھ ساتھ دینوی منافع بھی وابستہ کر دیئے گئے، دنیائے اسلام کے بہترین دماغ، فکر و سیاست کے ماہرین، اربابِ صلاح و تقویٰ، اربابِ بیعت و ارشاد، علماء و محدثین غرض ہر طبقہ اور ہر مزاج کے لوگ بھر عوام و خواص اربابِ دولت و اربابِ طاقت سب ہی کے عظیم ترین اجتماع کا۔ جس کی نظیر عالم میں کہیں نہیں ملتی کیس قدر عجیب انتظام ہے ہر ذوق اور ہر مکتب فکر کا شخص اپنی اپنی حاجت و غایت کی تسکین کا سامان کر سکتا ہے اتحادِ عالمِ اسلامی کے روح پرور مناظر، مشکلاتِ عالمِ اسلامی کی تشفی انگیز تجاویز اور تعلیم و تربیت اور افادہ و استفادہ کے لئے ایسے قابلِ غنیمت مواقع کہاں میسر آسکتے ہیں بہر حال تجارت و اقتصاد کی تنظیمات ہوں یا علم و معرفت کے خزانے اور ادارت و سیاست کے مسائل ہوں یا اتحادِ عالم کے خواب سب ہی کی تکمیل کا سامان یہاں موجود ہوتا ہے، قرآنِ کریم کے دو لفظوں میں یہ سب کچھ آگیا ہے :-

۱۔ وإذ جعلنا البیت مثابۃً للنّاس وأمناً (البقرہ ع ۱۵) — اور جب مقرر کیا ہم نے خانہ کعبہ کو اجتماع کی جگہ لوگوں کے واسطے اور جگہ امن کی (ترجمہ شیخ الہندؒ)

۲۔ لیشھدوا منافع لھم (الحج ع ۴) — تاکہ پہنچیں اپنے فائدہ کی جگہوں پر (ایضاً)

کاش ہمارے پاکستان کے حکمراں ان دینی حقائق اور ان سیاسی مصالح پر نظر کرتے اور قوم کی صحیح جذبے اور تڑپ کی قدر کرتے اور ادائے فریضۂ حج کے لئے آسانیاں مہیا کرتے تو کیا اچھا ہوتا یہ مانا کہ زرِ مبادلہ کا مسئلہ بہت اہم ہے اور حکومت کی مجبوریاں بھی اپنی جگہ بجا ہیں اور یہ بھی صحیح ہے کہ حکومت کے کاندھوں پر قرضوں کا جتنا بوجھ ہے مملکت اس کی برداشت سے عاجز آرہی ہے لیکن اگر اربابِ حکومت ذرا غور فرماتے تو اس مشکل کا حل بہت آسان ہے اور بہت سی صورتیں نکل سکتی ہیں جو قوم اربوں روپے کا ٹیکس دے کر حکومت کا سارا کارخانہ چلا رہی ہے اور جو حکومت فوج اور پولیس پر اربوں خرچ کر کے ملک و ملت کے حدود و جان و مال و آبرو کی حفاظت کر رہی ہے، اگر یہ

حکومت اس قوم کے ادائے فریضۂ حج کے لئے ایک کروڑ سالانہ کے زرِ مبادلہ کا خسارہ برداشت کرے تو کوئی بڑی بات نہیں لیکن ہم باوجود اس کے اربابِ حکومت کے سامنے چند تجاویز پیش کرتے ہیں :-

۱۔ دو سال کے لئے جدید درخواست حج نہ لی جائے سابق درخواست کنندگان جن کی تعداد تیس ہزار سے ہرگز زیادہ نہیں اگر پندرہ بیس ہزار ہوں تو بھی بعید نہیں، پہلے ان سب کو بغیر قرعہ اندازی حج کی اجازت دی جائے دو سال بعد کوٹہ سسٹم ختم کردیا جائے۔

ایک سال قدرے ہجوم ہوگا ہو سکتا ہے کہ بیس پچیس ہزار ہو جائیں اگلے سال حالات اعتدال پر آجائیں گے اور لوگ بھی مطمئن ہو جائیں گے بیس ہزار سے کبھی زیادہ نہ ہوں گے، قرعہ کے موجودہ نظام میں پچاس ہزار درخواست کنندگان کی تعداد سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ دراصل حج پر جانے والوں کی تعداد پندرہ بیس ہزار سے زائد نہیں، درخواستوں کی یہ کثرت تو صرف اس لئے ہے کہ درخواست کرنے والے حرص کرتے ہیں کہ شاید نام آجائے اس لئے درخواست دے دیتے ہیں اگر لاکھ دو لاکھ ہوتے تو معلوم ہوتا ہے کہ پچاس ہزار اصلی مشتاق ہیں۔

۲۔ پندرہ بیس ہزار سے بھی اگر زرِ مبادلہ بچانا ہے تو بہت اچھی تدبیر یہ ہو کہ جو اشیاء مملکتِ سعودیہ میں درکار ہیں، چاول، المونیم کے برتن، کورا لٹھ، بوٹ، چمڑے کے تیار کردہ سوٹ کیس وغیرہ وغیرہ بیسیوں چیزیں ہیں جو بہت آسانی سے فروخت ہو سکتی ہیں، ہر حاجی کو برآمد کا لائسنس دیا جائے اور اتنا سامان ہر حاجی کے ساتھ جانے کی اجازت ہو یا کسی تاجر کی معرفت ٹھیکہ دیا جائے وہاں جاکر وہ رقم اس تاجر کے ذریعہ مل جائے گی بہرحال اس کی تفصیلات بآسانی تاجر طبقہ مرتب کر سکتا ہے، اس طرح حکومت زرِ مبادلہ کی پریشانی سے بھی بچ جائے گی اور فریضۂ حج ادا کرنے میں حجاجِ کرام کو پوری سہولت بھی حاصل ہو جائے گی۔

۳۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ حکومت اسلامی ہمدردی اور فرضِ منصبی کے پیشِ نظر مشکل حل کرنے پر اسلامی، سیاسی اور اقتصادی سب گوشوں کو سامنے رکھ کر غور کرے تو کوئی وجہ نہیں کہ مشکل حل نہ ہو: افسوس یہ ہے کہ اکثر اربابِ حل وعقد جن کے زمامِ

اقتدار میں یہ مسائل ہیں کبھی اسلامی و ہمدردانہ بنیادوں پر غور نہیں کرتے یا بدقسمتی سے غور کرنے کا موقع نہیں دیا جاتا یا نقطۂ نگاہ کا زاویہ ہی بدل گیا ہے بہرحال مشتاقانِ دیدار کعبہ کے لئے آسان تدبیریں سوچی جاسکتی ہیں۔

۴۔ درحقیقت کچھ تکوینی مصالح بھی ہیں کہ یہ سفر، سفرِ عشق ہے اور عشق کے منازل طے کرنے میں امتحان ناگزیر ہے اور یہی وجہ ہے کہ قلوب میں جتنی تڑپ زیادہ تھی امتحان بھی شدید تھا۔ اگر ازمنۂ سابقہ کی تکالیف آج ہوتیں تو شاید بمشکل اس سفر کے لئے تیار ہوتے آج اگر نقل وحرکت کے ذرائع، مواصلات کی آسانی اور مال ودولت کی فراوانی حاصل ہے جن کی وجہ سے بڑی آسانی سے ہر شخص کو حج بیت اللہ نصیب ہوسکتا ہے تو امتحان اور آزمائش نے حکومتوں کی پابندیوں کی شکل اختیار کرلی ہے۔

۵۔ جہاں ان حقائق پر غور کرنے کی ضرورت ہے ساتھ ہی حجاج کرام کو بھی شدید ضرورت ہے کہ دنیاوی منافع کے تصورات، سیر وسیاحت اور تفریح کی خواہشات، شہرت وسمعت کے رجحانات کی سطح سے بالاتر ہوکر اس فریضہ کے ادا کرنے کا جذبہ پیدا کریں اور کوشش کریں کہ جو دینی مقاصد ہیں صرف انہی کے پیش نظر حج کے لئے ارادہ کریں، دیکھا جاتا ہے کہ بہت سے حضرات ایسے ہیں کہ حج کرآنے کے بعد ان کی زندگیوں میں کوئی نمایاں تبدیلی نہیں ہوتی جو بہتر علامت نہیں، حج مبرور کی علامت یہی ہے کہ حج کے بعد زندگی میں ایک بڑا انقلاب آجائے اللہ تعالیٰ سے ایسا تعلق قائم ہوجائے کہ اس کی زندگی کا ہر گوشہ متاثر نظر آئے، افسوس یہ ہے کہ حجاجِ کرام نہ تو مسائل سے واقفیت حاصل کرتے ہیں نہ اسلامی تعلیمات کے مطابق حج ادا کرنے کی سعی کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ مطوفین ومعلمین حضرات نے جو کچھ کرادیا ہے وہی ٹھیک ہے حالانکہ کسی زمانے میں واقعی معلمین ومطوفین کی سب سے بڑی خدمت یہی ہوتی تھی کہ حجاج کرام صحیح فریضۂ حج ادا کرسکیں اور ان کی صحیح رہنمائی ہو پھر ان کی نقل وحرکت وقیام وسفر میں سہولتیں بھی میسر ہوں لیکن آج کل تو مطوف ومعلم کا مقصد صرف قیام وطعام ونقل وحرکت وسواری ومکان کرایہ کے انتظامات کرنے ہیں ان کو اس کی کوئی فکر نہیں کہ حج کیسے ہوا اور کیسے نہ ہوا، معلمین کا رُخ ہی بدل گیا اور شاید یہ اسی کا اثر ہو

کہ حجاجِ کرام کی نیتوں میں بھی فرق آگیا، "جیسی روح ویسے فرشتے"۔ بہرحال نظام سارا بدل گیا آدھ کا آدھ بگڑ گیا، حکومت، عوام، راعی، رعیت، حاجی و معلم سب ہی کو توجہ و حسنِ اصلاح و حسن تدبیر کی ضرورت ہے تاکہ بے نظیر فریضہ اور حیرت انگیز دینی و دنیاوی مصالح پر مشتمل عبادت بازیچۂ اطفال اور سیر و تفریح و تماشا نہ رہ جائے اب اگرچہ نفوسِ قدسیہ صحیح روح کے حامل بھی ہوں وہ بھی جدید تغیرات کی وجہ سے پوری برکات سے محروم ہو جاتے ہیں۔

اللھم اھد قومی فإنھم لا یعلمون۔

محرم الحرام ۱۳۸۷ھ

حجِ بیت اللہ سے متعلق چند ہدایتیں اور حجاج سے چند شکایتیں

حجِ بیت اللہ الحرام مسلمان کے لئے یہ فریضہ ادا کرنا گوناگوں برکتوں کا ذریعہ ہے اور حیرت انگیز نعمتوں کا وسیلہ ہے باوجودیکہ سابقہ مشکلات ختم ہوگئیں اور بہت کچھ آسانیاں پیدا ہوگئیں ہیں تاہم دور دراز کا سفر ہے ہزاروں روپے کا خرچ ہوتا ہے، اکثر لوگوں کو زندگی میں ایک ہی مرتبہ جانا میسر ہوتا ہے اور اب بھی بہت کچھ مشکلات اٹھانا پڑتی ہیں ایسی صورت میں بے حد ضروری تھا کہ مسلمان اس فریضہ کی ادائیگی میں انتہائی احتیاط برتیں مسائلِ حج سے کامل واقفیت حاصل کریں اسی لئے ہر زبان میں مسائل واحکامِ حج سے متعلق چھوٹی بڑی کتابیں شائع ہوچکی ہیں تاکہ شرعی قانون کے مطابق صحیح طور پر حج ادا ہو سکے لیکن افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ مخلوقِ خدا کا یہ عظیم انبوہ جو ملک کے ہر گوشے پہنچ رہا ہے اکثر و بیشتر اس فریضہ کے احکام و مسائل سے بالکل بے خبر ہے، سنن و مستحبات تو درکنار فرائض و واجبات سے بھی غافل ہے، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اتنا ہی نہیں کہ محظورات وممنوعات کا برابر ارتکاب ہوتا رہتا ہے بلکہ اور تمام گناہوں تک سے بچنے کا ذرہ برابر اہتمام نہیں ہوتا، نمازوں کی ادا کرنے میں تقصیر، جماعت کی پابندی میں کوتاہی حالانکہ ایک فرض نماز بھی حج سے بدرجہا زیادہ اہمیت رکھتی ہے اگر بغیر عذرِ شرعی ایک نماز بھی قضا کی تو حج قبول ہونے کی توقع مشکل ہو جاتی ہے، سفر میں خصوصاً احرام باندھنے کے بعد بجائے تلبیہ کہنے اور ذکر اللہ کرنے کے عام طور پر غیبتیں کرتے ہیں بکواس بکتے رہتے ہیں نہ زبان پر قابو نہ نگاہ پر قابو، نہ ہاتھ پاؤں پر، بلکہ بسا اوقات دیکھا گیا ہے کہ مسجد حرام میں بیٹھے ہیں، نماز کا انتظار ہو رہا ہے اور فضولیات بک رہے ہیں غیبت میں مبتلا ہیں حالانکہ زندگی کے اس عظیم مرحلے پر پہنچ کر تو تمام اوقات عبادت اور توبہ و استغفار، انابت الی اللہ سے معمور ہونے چاہئیں تاکہ ان مقدس مقامات کی برکات سے مالامال ہوں، گناہوں سے پاک وصاف ہوکر ایسے واپس ہوں جیسے آج ہی ماں کے پیٹ سے ولادت ہوئی ہے دنیا میں دوبارہ آئے ہیں۔

بعض حضرات مستحبات و آداب میں تو غلو کرتے ہیں لیکن فرائض و واجبات میں تقصیر کرتے رہتے ہیں اور دورِ حاضر کے اکثر حجاج کو دیکھ کر تو یہ شبہ ہو جاتا ہے کہ شاید کسی میلہ یا تماشہ کے لئے اکٹھے ہوئے ہیں، عورتوں پر پردہ فرض ہے مگر حرمین شریفین میں پہنچ کر اکثر عورتیں بلکہ ۹۹ فیصد بُرقع پوش عورتیں بھی بُرقع پھینک کر بے حجاب ہو جاتی ہیں اور اس طرح "گناہِ کبیرہ" کی مرتکب ہوتی ہیں نہ صرف بے حجاب بلکہ بسا اوقات نیم عریاں لباس میں بیت اللہ کا طواف کرتی ہیں اور افسوس اس کا ہے کہ نہ شوہر اور نہ ان کے محرم حضرات اس بے حجابی کو روکنے کی تدبیر کرتے ہیں نہ حکومت کی طرف سے اس پر کوئی پابندی عائد کی جاتی ہے بے محابا مردوں کے درمیان گھستی ہیں، حجرِ اسود کو بوسہ دینے کے لئے مردوں کی دھکا پیل میں جان بوجھ کر گھستی ہیں اور پستی ہیں اجنبی مردوں کے ساتھ شدید و قبیح اختلاط میں مبتلا ہوتی ہیں، یہ سب حرام ہے گناہ کبیرہ ہے، ایسا حج کہ جس میں اوّل سے آخر تک محرمات اور کبائر سے احتراز نہ ہو سکے کیا توقع ہے کہ وہ حج قبول ہوگا؟ "حجِ مبرور" کے لئے جزاء جنت بے شک ہے لیکن حج مبرور کیسے ہوگا؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجِ مبرور کا بیان فرمایا ہے کہ حج کرے اور اس میں کوئی بھی بے حیائی کا کام نہ کرے کوئی گناہ نہ کرے تب گناہوں سے پاک وصاف ہوگا جیسے ماں کے پیٹ سے آج ہی پیدا ہوا ہے۔

پاکستان و ہندوستان کی بعض عورتیں مصر و شام وغیرہ بعض ملکوں کی عورتوں کو دیکھ کر کہ وہ بے پردہ ہیں خود بھی پردہ اٹھا دیتی ہیں اور حرم میں اس طرح آتی ہیں جیسے تمام مردان کے محرم ہیں یا وہ گھر کے صحن میں پھر رہی ہیں لیکن یہ انتہائی حماقت ہے، اگر کوئی قوم کسی گناہ میں مبتلا ہے تو اس سے وہ گناہ جائز نہیں ہو جاتا، پھر دیکھا یہ گیا ہے کہ ان کی بے پردگی (یعنی چہرہ کا کھلا ہونا) ایک خاص سنجیدگی اور وقار کے ساتھ ہوتی ہے، لباس بھی ان کا سر سے پاؤں تک باحجاب ہوتا ہے پاؤں تک میں موزے ہوتے ہیں لیکن پاکستانی عورتوں کا خصوصًا پنجاب و سندھ کی عورتوں کا لباس تو انتہائی بے حیائی کا ہوتا ہے، تمام نسوانی اعضاء نمایاں ہوتے ہیں بے محابا سینہ تان کر چلتی ہیں اس کا نتیجہ یہ ہے کہ

وہ عورتیں بھی اس بے حیائی کی وجہ سے معصیت وفسق میں مبتلا ہوتی ہیں اور ان کے شوہر بھی ان کی اس بے حجابی پر گنہگار ہوتے ہیں کیونکہ وہ ان کو مطلق منع نہیں کرتے کوئی اصلاح نہیں کرتے نہ روکتے ہیں نہ ٹوکتے ہیں یہ تو کھلی بے حیائی اور بے غیرتی ہے۔

ان سب سے بڑھ کر ایک اور عام ابتلاء یہ ہے کہ تمام عورتیں پنج وقتہ نمازوں میں مردوں کی طرح حرم میں پہنچتی ہیں باوجودیکہ عورتوں کے لئے دروازے بھی مخصوص ہیں اور نماز پڑھنے کی جگہیں بھی متعین ہیں مگر حج کے زمانہ میں چونکہ ازدہام بے حد ہوتا ہے مستقل جگہ پر نہیں پہنچ پاتیں تو مردوں کے درمیان صفوں میں کھڑی ہو جاتی ہیں اور نماز پڑھنا شروع کر دیتی ہیں۔

مسجدِ حرام اور مسجدِ نبوی کی نماز اور عورتیں

پہلی بات تو یہ ہے کہ جس طرح اپنے وطن میں عورتوں کو تنہا نماز گھروں میں پڑھنا افضل ہے اسی طرح مکہ و مدینہ میں بھی عورتوں کے لئے نماز گھروں میں تنہا بغیر جماعت کے پڑھنا افضل ہے اور مکہ و مدینہ میں نماز کا جو ثواب حرم اور مسجدِ نبوی کا ہے وہ ان کو گھروں پر پڑھنے میں اس سے زیادہ ملتا ہے جو مسجد میں مردوں کو ملتا ہے ایسی صورت میں حرمین شریفین میں عورتوں کو نماز گھروں میں ہی پڑھنی چاہیئے بالفرض کسی وقت بیت اللہ کے دیکھنے کی غرض سے یا طواف کرنے کی غرض سے مسجدِ حرام میں یا صلوٰۃ وسلام کی غرض سے مسجدِ نبوی میں آئیں اور نماز با جماعت پڑھ لیں تو ادا ہو جاتی ہے بشرطیکہ مردوں کے درمیان نہ کھڑی ہوں، ایک عورت اگر مردوں کے درمیان کھڑی ہو جاتی ہے تو تین مردوں کی نماز خراب ہو جاتی ہے، دائیں بائیں کے دو مردوں کی اس کی محاذات (سیدھ) میں جو مرد کھڑا ہے اس کی بھی، تینوں کی نمازیں فاسد ہو گئیں بالفرض بغیر ارادے کے کوئی عورت اتفاقیہ طور پر عین نماز کے وقت صفوں کے درمیان پھنس جائے اور نکلنا دشوار ہو جائے یا طواف کرنے کے درمیان نماز کھڑی ہو جائے تو اس وقت اس کو خاموش بغیر نماز کے جہاں بھی ہو بیٹھ جانا چاہیئے نماز کی نیت ہرگز نہ کرے ورنہ مردوں کی نماز بھی

خراب ہو گی، جب امام نماز سے فارغ ہو جائے تو پھر تنہا وہیں وہ اپنی نماز ادا کرلے، عورتوں کو بیت اللہ کا طواف کرنے کے لئے بھی ایسے وقت میں جانا چاہیئے جب نماز کا وقت نہ ہو، اس وقت نسبتاً بھیڑ بھی کم ہوتی ہے اور اگر اتفاقاً نماز کا وقت ہو جائے تو اذان ہوتے ہی جلدی جلدی طواف پورا کر کے یا طواف درمیان میں چھوڑ دیں اور جتنے شوط (چکر) رہ گئے ہیں وہ نماز کے بعد جہاں چھوڑے تھے وہیں سے پورے کر دیں یا اسی طواف کو دوبارہ کرلیں، بہر حال گناہ سے بچنا بے حد ضروری ہے اور بھی بہت سی کوتاہیاں ہوتی رہتی ہیں لیکن ان سب میں نماز اور بے پردگی کا مسئلہ میرے خیال میں سب سے زیادہ اہم ہے۔

بہر حال حج ایک ایسا اہم فریضہ ہے جو زندگی میں بار بار ادا کرنا بے حد مشکل ہے، اس لئے چاہیئے کہ مرد ہوں یا عورتیں انتہائی احتیاط کے ساتھ اس فریضہ کی ادائیگی سے سبکدوش ہوں۔

نیز یہ بھی خیال رہے کہ بعض عورتیں اپنے ملکوں میں بھی پردہ نہیں کرتیں اور گویا مستقل طور بے پردہ رہتی ہیں، بلاشبہ یہ گناہِ عظیم ہے اور ایک فرض حکم کی خلاف ورزی ہے لیکن انہیں بھی حجِ بیت اللہ کے سفر میں تو چاہیئے کہ اس گناہِ عظیم سے بچیں تاکہ یہ فریضہ تو صحیح طریقے سے ادا ہو، آج کل بہت سی عورتیں بغیر محرم کے سفر کرتی ہیں یہ بھی حرام اور گناہ کبیرہ ہے جس عورت کا کوئی محرم نہ ہو اس پر حج فرض ہی نہیں ہوتا بلکہ اگر محرم ہو بھی لیکن حج پر قادر نہ ہو یا یہ عورت اس کے مصارف برداشت کرنے کے قابل نہ ہو تب بھی حج فرض نہ ہو گا، انتہائی افسوس کا مقام ہے کہ حج بھی فرض نہ ہو اور پھر وہاں جا کر حج میں اتنی فروگذاشتیں بھی ہوں؟ جب شرعاً اس کے ذمہ حج فرض ہی نہیں ہے تو یہ حج کا سفر کیوں اختیار کیا جاتا ہے۔

نتیجہ یہ ہے کہ حج بیت اللہ میں حجاجِ کرام سے اس قسم کی کوتاہیوں اور خلافِ شرع حرکتوں کی وجہ سے ہی حج کی برکتیں ختم ہوتی جاتی ہیں اور باوجود حجاج کی کثرت کے امت جس مقام پر کھڑی ہے وہاں سے روز افزوں تنزل میں جا رہی ہے اگر اتنی کثرت سے حجاجِ کرام صحیح طریقہ پر یہ فریضہ ادا کرتے اور ہم سب کا حج بارگاہِ اقدس میں شرفِ قبولیت سے سرفراز ہوتا تو شاید دنیا کا نقشہ ہی بدل جاتا، حق تعالیٰ مسلمانوں کو صحیح فہم اور توفیقِ خیر نصیب فرمائیں۔

ذوالحجہ ۱۳۹۲ھ، فروری ۱۹۷۳ء

حج اور اس کے فوائد و اسرار

حج بیت اللہ الحرام دینِ اسلام کا اساسی رکن اور ہر صاحبِ استطاعت مسلمان کا فریضۂ عینی ہے، اسلام کے بنیادی امور میں اصلی جوہر اور روحِ عبادت ہے، ان سب صورتوں میں احکم الحاکمین کے حکم سے طریقۂ عبادت اور اظہارِ عبدیت و عبودیت کی تعیین کی گئی ہے، اس روح کے لئے جو قالب مقرر کیا گیا ہے وہ بھی من جانب اللہ ہے اور کسی انسانی عقل کا اس میں دخل نہیں ہے، روح اور جسد دونوں ہی وحیِ ربانی کا کرشمہ ہیں اور یہ دائرۂ عقل اور ادراکِ انسانی سے ماوراء ہے جس طرح روح مامور بہ ہے اسی طرح یہ جسد اس کے لئے مطلوب و مقصود ہے، ذٰلك تقدير العزيز العليم» لیکن عبادت و عبدیت کے طریقوں کے ماوراءِ عقل ہونے کا یہ مقصد نہیں ہے کہ عقل و ادراک اس کے محاسن اور منافع و ثمرات کو سمجھنے سے بھی قاصر ہے، نماز ہو یا روزہ، زکاۃ ہو یا حج۔ جہاں تک عقل کی رسائی ہے ان کے اسرار و حکم کی طرف جو رہنمائی ہوتی ہے وہ بجائے خود حیرت انگیز ہے۔

بہار عالم حسنش دل و جان تازہ می دارد — برنگ اربابِ صورت را بہ بو اربابِ معنی را

نماز اور خصوصًا باجماعت اور اذان و اقامت میں وقت کی پابندی کے ذریعہ امتِ محمدیہ میں ایک خاص نظم و نسق کے ساتھ کیسے کیسے فوائد و برکات کا نظام قائم کیا گیا ہے، روزہ میں ضبطِ نفس اور پاکیزگیٔ روح کی کیسی نتیجہ خیز اور اثر انگیز تدبیریں کارفرما ہیں، زکاۃ میں فقراء و مساکین کی حاجات و ضروریات کی تکمیل کے لئے کیسا عجیب نظم پیدا کیا گیا ہے، اسی طرح حج بیت اللہ میں اصلاحِ نفس اور اجتماعی تعاون کی تدبیریں، تربیتِ خلائق اور ہدایتِ عالم کی مصلحتیں مضمر ہیں، تعظیمِ شعائر اللہ اور تجلیاتِ الٰہیہ کے مرکز بیت اللہ کے طواف میں مشاعرِ مقدسہ کی تعظیم و تقدیس اور عرفات کے روح پرور اجتماع میں اسرار و حکم کے جو رموز ہیں ان کے غور و فکر میں عقل حیران ہے۔

حج کے اس بے مثال عالمی اجتماع میں دنیا کے گوشہ گوشہ سے امتِ مسلمہ کے افراد جمع ہوتے ہیں، یہ عالمی اجتماع جن ہمہ گیر اجتماعی مصالح و منافع کا ذریعہ بن سکتا ہے وہ بالکل ظاہر ہیں، اسلام کا یہ دینی نظام اتنا محیر العقول ہے کہ تہذیب و ترقی کی مدعی قومیں اور کوئی مذہب و ملت اس کی ہمسری کا دعویٰ نہیں کرسکتی، قرآنِ کریم کی دو آیتوں میں انہیں اسرار و حکم کی طرف اشارہ کیا گیا ہے:-

(۱) "ومن یعظم شعائر اللہ فإنها من تقوی القلوب"، — اور جو کوئی شعائر اللہ کی تعظیم کرتا ہے تو یہ دلوں کا تقوی ہے۔

(۲) "لیشهدوا منافع لهم" الآیة — تاکہ وہ اپنے منافع (اور فوائد) کو دیکھ لیں (حاصل کرلیں)۔

ان اسرار و حکم کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے۔

حکومتِ وقت کی حج پر پابندیاں اور اس کے نقصانات کاش دولتِ خداداد پاکستان کے ارباب اقتدار حج بیت اللہ کے ان منافع اور مصالح پر غور کرتے اور صحیح اجتماعی و سیاسی فوائد حاصل کرتے، لیکن دینی امور اور اسلامی شعائر و ارکان کے متعلق اس طبقہ کی عام سہل انگاری کا یہ نتیجہ ہے کہ زرِمبادلہ کی بچت کے پیشِ نظر اسلامی فریضۂ حج کی ادائیگی پر پابندیوں میں اضافہ ہوتا جارہا ہے اس سال حج پر مزید پابندیاں لگادی گئی ہیں اور ایک خاص تعداد و مقدار مقرر کردی گئی ہے، یہ روش اور فیصلہ داخلی اور خارجی مصلحتوں کے پیشِ نظر ہر جہت سے نظرِ ثانی کا محتاج ہے جہاں تک موجودہ حالات میں زرِمبادلہ کی مشکلات کا تعلق ہے اس مشکل کو حل کرنے کے بہت سے متبادل طریقے اختیار کئے جاسکتے تھے جن سے حجاج کی تعداد اور سفر کی سہولتوں پر بھی کوئی اثر نہ پڑتا لیکن ایسا محسوس ہوتا ہے کہ شعائرِ دین سے اس بے اعتنائی کی وجہ سے صحیح غور و فکر کی توفیق ہی کلی طور پر سلب ہوچکی ہے، سالِ رواں میں حج پر پابندیوں میں مزید اضافہ اور تعداد میں یہ غیر معمولی کمی نہ صرف یہ کہ قابلِ ستائش طریقِ کار نہیں ہے بلکہ قومی اور عام اسلامی مفادات کے نقطۂ نظر سے انتہائی ناعاقبت اندیشی کا اقدام ہے۔

اس سال حق تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے مملکتِ خداداد پاکستان کو نئی زندگانی عطا فرمائی اور قوم کو جہاد کی روح سے سرشار فرمایا، دشمن کو ذلیل و رسوا ہونا پڑا، اقوامِ عالم میں پاکستان کے رعب اور عزت و منزلت میں اضافہ ہوا اور تمام دنیا میں پاکستان ایک باوقار ملک کی حیثیت سے روشناس ہوا، ایک طرف حق تعالیٰ کی اس کرم گستری کے شکر کا تقاضا تھا کہ اس فریضہ کی ادائیگی میں زیادہ سہولتیں پیدا کی جاتیں، دوسری طرف جس قوم نے صدرِ محترم کی آواز پر لبیک کہہ کر کروڑوں روپیہ بے دریغ دفاعی فنڈ میں پیش کردیا اس کے دینی جذبہ کی قدر اور حوصلہ افزائی کے لئے یہ ضروری تھا کہ حجاج کی تعداد اور سفرِ حج کی سہولتوں میں اضافہ کیا جاتا، اس طرح حق تعالیٰ کی خوشنودی بھی حاصل ہوتی اور حکومت

ملک کے اندر باہر اور سیاسی و اجتماعی فوائد سے بہرہ اندوز ہوتی۔

نہیں معلوم وزیر خزانہ کی نگاہ صرف زرِ مبادلہ کی وقت اور بجٹ ہی پر کیوں مرکوز رہی اور ان اہم تر مصلحتوں تک نہ پہنچ سکی جن کو حج کے علاوہ دوسرے طریقوں سے بہت سا زرِ مبادلہ صرف کرنے کے بعد بھی حاصل نہیں کیا جا سکتا، غیر معمولی اور ہمہ گیر ملی تعاون کے نتیجہ میں زرِ مبادلہ کی غیر متوقع حاصلات کے پیشِ نظر اسی پچاسی لاکھ زرِ مبادلہ کے خسارے کی کیا اہمیت ہو سکتی ہے، جس کی بجٹ کے لئے عظیم تر مصلحتوں کو نظر انداز کر دیا گیا ہے، قومی و ملی مصلحتوں سے یہ اعراض و صرفِ نظر یقیناً پاکستان کے قومی و ملی شعور کا ترجمان نہیں ہے، حج جیسے اہم دینی فریضہ کے متعلق یہ روش اگر بعض شخصی رجحانات اور نا قابل فہم مخفی جذبات کا نتیجہ ہے تو یہ قومی تعمیر کے متعلق اس دینی رجحان سے ہم آہنگ نہیں ہے جس کا صدرِ محترم بار بار اظہار فرماتے رہے ہیں اور قوم و ملت کے بہترین مفاد کے لئے بھی تباہ کن ہے، کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ یہاں بھی انتقام کا مخفی ہاتھ بصورتِ مہربانی کارفرما ہو اور قہر نے مہر کی صورت اختیار کی ہو۔

بہرحال اس غیر دانشمندانہ روش اور ناعاقبت اندیشی کے فیصلے کے اسباب کچھ بھی ہوں یہ نتیجہ بالکل ظاہر ہے کہ اس افسوسناک فیصلہ سے قوم کے جذبات بُری طرح مجروح ہوئے ہیں اور اس کی وجہ سے ہمارے مکار اور ذلیل دشمنوں کو ہمارے خلاف ایک بنا حربہ استعمال کرنے کا موقع ہاتھ لگ گیا ہے۔ "از ماست کہ بر ماست" اللھم اھد قومی فإنھم لا یعلمون۔

رمضان ۱۳۸۵ھ ۔ جنوری ۱۹۶۶ء

ٹیلیویژن اور مشرکانہ پروگرام

یہ معلوم ہو کر انتہائی صدمہ ہوا کہ بتاریخ ۲۴ دسمبر ۸۳ء ٹیلی ویژن پروگرام پر حضرت مسیح ابن مریم علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہا گیا اور الوہیتِ مسیح کا تصور جیتی جاگتی شکل میں پیش کیا گیا۔ إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔

اس دردناک واقعہ سے پاکستانی ملت کی غیرت و حمیّت کو جس بُری طرح مجروح کیا گیا ہے نوکِ قلم اس کے اظہار سے قاصر ہے، معدودے چند اقلیت کو خوش کرنے کے لئے ملک کی عظیم اکثریت اور حکومت کے مذہب کو اس طرح ذبح کرنا نہ صرف اسلامی تقاضوں کے خلاف ہے بلکہ عقل کے بھی خلاف ہے۔ اب تک تو شکوہ تھا کہ ٹیلی ویژن پر زیادہ تر مخربِ اخلاق پروگرام پیش ہوتے ہیں اور انسانی و اخلاقی تربیتی پروگرام عمداً پیش نہیں کئے جاتے، ورنہ ٹیلی ویژن قوم کے سدھارنے کا بہترین ذریعہ بن سکتا تھا لیکن اب تو معاملہ اخلاق سے متجاوز ہو کر دین تک پہنچ گیا اور دینِ اسلام کے بنیادی عقیدۂ توحید پر کاری ضرب لگانے کی کوشش کی جارہی ہے۔

دینِ اسلام کی تمام عمارت صرف توحیدِ الٰہی پر قائم ہے، شرک و بت پرستی کی مذمت تمام شرائعِ الٰہیہ سماویہ میں موجود ہے، پھر کتنی جرأت و جسارت ہے کہ مسلمانوں کے ملک میں اسلامی حکومت کے زیرِ سایہ شرک کی تبلیغ کی جائے اور توحید کے خلاف پروگرام پیش ہوں بے غیرتی اور بے دینی کی بھی انتہا ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ رحم فرمائے اور ہر منصب کے اربابِ اقتدار کو فرائضِ منصبی ادا کرنے کی صحیح اہلیت نصیب فرمائے، آمین۔ ہو سکتا ہے کہ یہ پروگرام غیر شعوری طور پر لایا گیا ہو لیکن اس قسم کے غیر شعوری پروگرام ایک باشعور قوم و ملت کے لئے کلنک کا ٹیکہ ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ رحم فرمائے۔

"قابلِ توجہ مسائل حاضرہ"

"بینات" کے سابق دو شماروں میں راقم نے حضرات علماءِ کرام کی خدمت میں جو گذارش کی تھی اسی سلسلے میں اب ان کی خدمت میں عصر حاضر کے چند قابل توجہ مسائل بطور مثال و نمونہ کے پیش ہیں۔

عقود و معاملات

عصر حاضر میں تجارت اور درآمد کا سارا نظام دو باتوں پر موقوف ہے۔ (۱) انشورنس، یعنی بیمہ۔ (۲) بینک۔

انشورنس جس کو آج کل جدید عربی میں "التأمین" کہتے ہیں۔ اس کی دو بنیادی قسمیں ہیں۔ تأمین الأموال۔ تأمین الحیاۃ۔ یعنی "مال کا بیمہ" اور "زندگی کا بیمہ"۔ "بینات" کے صفحات میں عنقریب آپ کے سامنے اس کی تفصیلات آجائیں گی اور آپ حضرات کو کفالہ، غرر، میسر و قمار کی ان جدید صورتوں پر غور کرنا ہوگا۔

بنک کا رائج نظام "بغیر ربا" کے چل نہیں سکتا۔ اس لئے آپ کو بنک کے متبادل نظام مضاربت وکالت، شرکت پر غور کرنا ہوگا جو بلا سود کے چل سکے اور جس سے جدید معاشرے کے مسائل اور مشکلات حل ہو سکیں۔ یہ فیصلہ آپ نہیں کر سکتے کہ بڑے پیمانے پر تجارت یا درآمد و برآمد (ایراد و تصدیر) کا سلسلہ بند کر دیں یا موجودہ نسل اس کو تسلیم کر کے ملک کے اندرونی حصے میں تجارت پر قناعت کرے، لامحالہ آپ مجبور ہیں کہ فقہ اسلامی کی روشنی میں غور کر کے جلد از جلد ان مشکلات کو حل کریں تاکہ جدید نسل اس غلطی میں مبتلا نہ ہو کہ دین اسلام عصر حاضر کی مشکل کشائی سے قاصر ہے۔

انہی عقود و معاملات میں جدید کارخانوں اور ملوں کا نظام ہے ان میں متعدد مسائل در پیش ہیں۔ بیع سلم ربا وغیرہ اور مختلف الابواب سے ان کا تعلق ہے۔ بطور مثال:-

(۱) کارخانہ دار بنک سے سود پر رقم قرض لے کر زمینداروں میں تقسیم کر دیتا ہے کہ آئندہ کپاس کے موسم اور نرخ پر سب لوگ اپنی کپاس اس کارخانہ میں دیں گے۔

(۲) خریدار اور فروشندہ کے درمیان ایک معاہدہ ہوتا ہے جو بعض اوقات تحریری ہوتا ہے اور

بعض اوقات زبانی ہوتا ہے جس میں باہمی سمجھوتہ ہوتا ہے کہ خریدار کچھ رقم پیشگی دے کر فروشندہ کو اخلاقی طور پر پابند کر لیتا ہے کہ وہ اس پیشگی رقم کے عوض اپنی کپاس خریدار کو دے گا۔

پیشگی رقم فی من کپاس کے حساب سے دی جاتی ہے اور اس کے مطابق وزن بھی طے شدہ ہوتا ہے مگر بعض اوقات صرف اتنا کہہ کر چھوڑ دیا جاتا ہے کہ فروشندہ کا جس قدر مال اس کی کاشت سے برداشت ہو گا وہ اپنے خریدار کو دے گا۔ اس صورت میں کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ فروشندہ مقررہ مقدار سے زائد وزن بھیج دیتا ہے اور کبھی کم، کیونکہ کپاس کا دارومدار فصل کی پیداوار پر ہے (اس میں اور مزید تفصیل بھی ہے جو اس وقت حذف کی جاتی ہے)۔

(۳) نرخ طے کرنے کی بھی ایک تاریخ مقرر ہوتی ہے۔ مال بھیجنے کے بعد سے مقررہ تاریخ تک فروشندہ کو بازار کے نرخ پر اپنا سودا طے کرنے کا اختیار ہوتا ہے کہ وہ جس دن چاہے سودا طے کرے۔ اگر فروشندہ اس مقررہ وقت تک بھی اپنا نرخ طے نہ کر پائے تو خریدار مقررہ تاریخ کو بازار کے نرخ پر سودا طے کر کے فروشندہ کو نرخ سے باخبر کر دیتا ہے اور فروشندہ کو اس نرخ کا پابند ہونا پڑتا ہے۔

(۴) کپاس کے سودے کی ایک صورت اور بھی ہو سکتی ہے جس کو "معاہدۂ پنبہ بر نرخ متعین" COTTON CONTRACT ON FIXED RATE کہا جاتا ہے اس کی بھی مزید تفصیل ہے۔

غرض اس قسم کے معاملات آج کل کثرت سے ہوتے رہیں اور عام لوگ اس میں مبتلا ہیں۔ اس لئے فقہ اسلامی کی روشنی میں ان کا حل تلاش کرنا نہایت ضروری ہے۔

تعلیم و تربیت

تعلیم و تربیت کے سلسلہ میں بہت اہم مسائل در پیش ہیں۔ ڈرائنگ میں بچوں سے مختلف صورتیں اور شکلیں بنوائی جاتی ہیں اور جاندار چیزوں کے بھی فوٹو اور صور بنوائے جاتے ہیں۔ کتابیں تصاویر سے آراستہ کی جاتی ہیں۔ ہر قصہ میں اس کی تصاویر آتی ہیں اور اب انتہا یہ ہو گئی ہے کہ انبیاء کرام علیہ الصلوٰۃ والسلام وصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تصاویر سب بنائی گئی ہیں بلکہ آدم علیہ السلام سے لے کر خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم تک سارے مشہور انبیاء کرام

جن کا ذکر قرآن کریم میں ہے سب کی تصویروں کے ساتھ واقعات لکھے گئے ہیں. بعض عرب ممالک اسلامیہ نے اس معصیت کو اتنا رائج کر دیا کہ عقل حیران ہے.

میڈیکل کالجوں میں تشریح الاعضاء اور جراحت (اناٹومی، سرجری) کی تربیت کے سلسلہ میں لاوارث مردوں کی لاشیں دی جاتی ہیں. ان کی چیر پھاڑ کی جاتی ہے اور اس طرح مسلمان اموات کی بے حرمتی کا یہ سلسلہ جزو تعلیم بن چکا ہے. پھر لڑکوں اور لڑکیوں کو یہاں مخلوط تربیت دی جاتی ہے. ایک دوسرے کے اعضاء مستورہ پر بلا تکلف عمل جراحی کرایا جاتا ہے اس طرح یہ تربیتی سلسلہ بھی جاری ہے.

علاج الامراض وادویہ

مریضوں کے علاج کے سلسلہ میں ڈاکٹر اور ہسپتال جو ادویہ استعمال کرتے ہیں ان میں "الکحل" استعمال ہوتا ہے جو اکثر اوقات خمر و شراب کی صورت ہوتی ہے.

ضعیف و ناتوان مریضوں کو خون دیا جاتا ہے. کافروں کا خون، اجنبیوں کا خون دیا جاتا ہے. اس کی کہاں تک گنجائش ہے؟ اور جزئیت کا یہ معاملہ کیسے برداشت ہو سکتا ہے؟.

قریب الموت اشخاص کی آنکھیں نکال کر نابیناؤں میں لگائی جاتی ہیں. یہ سلسلۂ علاج و خوبصورتی ایک شخص کی کھال کاٹ کر دوسرے شخص (مرد یا عورت) کو لگائی جاتی ہے.

مرہم پٹی کے سلسلہ میں "نرسنگ کا نظام"، کہ عورتیں مردوں کی خدمت کرتی ہیں اور بدن کے ہر ہر حصہ میں مرہم پٹی کرتی ہیں.

عورتوں کا آپریشن مرد ڈاکٹر کرتے ہیں جبکہ اس خدمت کو انجام دینے والی عورتیں (لیڈی ڈاکٹر) بھی موجود ہیں. ان سب مسائل کے فیصلے کرنے ہوں گے.

عبادات

نماز، روزہ، زکوٰۃ ان سب میں جدید تمدن نے نئے نئے مسائل پیدا کر دیئے ہیں مثلاً ہوائی جہاز میں قضاء لازم ہے یا جہاز ہی میں جیسے ممکن ہو نماز پڑھ لی جائے؟ ایک شخص نے کومٹ جٹ طیارے میں اپنے وقت پر نماز پڑھ لی اور دوسرے ملک میں جا پہنچا جہاں ابھی

اس نماز کا وقت بھی داخل نہیں ہوا۔ آیا وہ نماز دوبارہ پڑھے یا نہیں؟۔

غرض اس قسم کے سوالات ہیں علماء امت کے ذمہ یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ ان سب کے جوابات قدیم فقہ اسلامی اور قرآن وحدیث نبویہ کی روشنی میں پیش کریں اور امت کو مطمئن کردیں۔

یہ چند مختصر اشارات ہیں اور مقصود صرف اتنا ہے کہ اس وقت جدید مسائل کی نوعیت کی طرف توجہ مبذول کرائی جائے۔ آئندہ ارادہ ہے کہ ان سارے ابواب کے مسائل کا ایک مفصل سوالنامہ مرتب کر کے علماء امت کی خدمت میں پیش کیا جائے تاکہ منفرداً پہلے اس پر غور فرمالیں اور پھر آخری اجتماعی فیصلہ کے بعد اس کو کتابی صورت میں (اردو، عربی، انگریزی، تینوں زبانوں میں) شائع کیا جائے۔ یہ وہ جدید فقہ اسلامی ہوگی جس کے لئے ملت کا دیندار طبقہ مضطرب ہے اور بے چینی سے انتظار کر رہا ہے۔

"وفاق المدارس العربیۃ الاسلامیہ" کی طرف سے میں عنقریب یہ تجویز پیش کروں گا کہ فقہ اسلامی کے تخصص وتکمیل (ڈاکٹریٹ) کا آغاز انہی فقہی مسائل کی تحقیق سے کیا جائے۔

إن أرید إلا الإصلاح ما استطعت، وما توفیقی إلا بالله علیه توکلت وإلیه أنیب۔

جمادی الاولیٰ ۱۳۸۳ھ اکتوبر ۱۹۶۳ء

مسائلِ حاضرہ

(۱) ماہنامہ بینات کے گذشتہ چند شماروں میں "علماءِ امت" کو توجہ دلائی گئی تھی کہ ان کے ذمہ ایک اہم دینی فریضہ عائد ہے کہ وہ جدید تمدن سے پیدا شدہ مسائل کا حل تلاش کر کے اس نازک وقت میں امت کی رہنمائی کا فرض ادا کریں اور اس حقیقت کا عملی ثبوت دیں کہ دینِ اسلام ہر دور اور ہر عصر کے لئے صالح ترین اور جامع ترین نظام ہے اور عملی طور پر باور کرائیں کہ اللہ اور رسولؐ کے ابدی قوانین و احکام میں ہر مشکل کا حل تلاش کرنے سے مل جاتا ہے اور "فقہاءِ اسلام" کی کاوشیں آج بھی ہماری رہنمائی کے لئے کافی و شافی ہیں۔

(۲) اس سلسلہ میں چند "رہنما اصول" بھی پیش کئے تھے اور بطور نمونہ چند مسائل کی فہرست بھی اربابِ علم و فتویٰ کے غور و فکر کے لئے پیش کی تھی جس میں نہ صرف "معاملات" سے متعلق مسائل تھے بلکہ "عبادات" میں روزہ، نماز، زکاۃ اور حج وغیرہ کے بعض مسائل بھی تھے جو توجہ کے محتاج ہیں، ٹھیک جس وقت یہاں اس "دینی ضرورت" کے احساس کا صفحاتِ قرطاس پر اظہار ہی کیا جا رہا تھا کہ ہندوستان کے اربابِ علم و دین کی ایک مستقل مجلس دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کی سرپرستی میں "مجلس تحقیقاتِ شرعیہ" کے نام سے وجود میں آگئی، اس مجلس کے کارکن ہمارے شکریہ کے مستحق ہیں کہ انہوں نے اس راہ میں ایک عملی قدم بھی اٹھایا اور "انشورنس" (بیمہ) کے مسائل کے حل سے کام شروع کر دیا اور ایک جامع اور بصیرت افروز سوالنامہ شائع کیا تاکہ علماءِ عصر انشورنس (بیمہ) کے مالہ و ماعلیہ سے پوری واقفیت حاصل کر کے علی وجہ البصیرۃ جواب باصواب دے سکیں، وہ سوالنامہ بینات ماہ رمضان ۸۴ھ کے صفحات پر ضرور ملاحظہ سے گذرا ہوگا۔

(۳) آج کی فرصت میں ادارۂ بینات کی جانب سے اس کے مفصل جواب کی پہلی قسط شائع کی جا رہی ہے، ظاہر ہے کہ اس قسم کے مسائل میں اجتماعی آراء و افکار کی ضرورت ہے، انفرادی رائے زیادہ مؤثر اور شرعاً نتیجہ خیز نہیں ہو سکتی لیکن بدرجۂ مجبوری کہ موجودہ حالات میں اس قسم کا اجتماع دشوار ہے اور اربابِ علم و فتویٰ کی کوئی ایسی مجلس موجود نہیں، انفرادی رائے سے ہی کام لے کر یہ مفصل جواب علماءِ امت کے سامنے پیش کیا جا رہا ہے، ضرورت بلکہ دینی فریضہ ہے کہ

حضرات علماء مفتیین اس کے ہر پہلو پر کامل غور وخوض فرما کر موافقت یا مخالفت میں اپنی رائے اور تحقیق سے ادارۂ بینات کو مطلع فرمائیں اور نقد وتبصرہ کا دینی حق ادا فرمائیں تاکہ اس نقد وتبصرہ اور تحقیق وتنقیح کے بعد ایک ایسے فیصلہ پر پہنچا جا سکے جس کو امت کی "اجتماعی رائے" اور "متفقہ فیصلہ" سے تعبیر کرنا صحیح ہو، نہ کہ محض شخصی اجتہاد اور انفرادی رائے، اس لئے کہ مستند علماء مفتیین کا اجتماع میسر نہ آسکنے کی صورت میں بھی ایک طریق کار ہے جس پر مسائل طے ہونے سے امتِ محمدیہ کے سامنے ایک مستند، قابلِ اعتماد اور مجمع علیہ فیصلہ آسکے گا اور انشاء اللہ العزیز امت کے مضطرب قلوب کو مطمئن کر سکے گا، اس لئے حضرات علماء ومفتیین سے قوی توقع اور مخلصانہ استدعا ہے کہ وہ اس جوابِ استفتاء کو صرف ایک علمی اور تحقیقی مقالہ کی نظر سے دیکھ کر خاموشی نہ اختیار فرمائیں بلکہ یہ محسوس فرمائیں کہ یہ ایک استفتاء اور اس کا جواب ہے جو ہمارے سامنے پیش کیا جارہا ہے اور ہمیں اپنے علم وبصیرت کے مطابق اس پر کچھ نہ کچھ ضرور لکھنا ہے۔

مسائلِ شرعیہ کے حل کا طریقہ

(۴) یہ حقیقت واضح رہے کہ کسی مشکل شرعی مسئلہ کو حل کرنے کا طریقہ یہ نہیں ہے کہ جو صورتحال ملک میں رائج ہو اس کو "عمومِ بلویٰ" کے عنوان سے بحالہ رکھ کر فیصلہ کر دیا جائے کہ "یہی شرعاً جائز ہے۔ اس لئے کہ بحالتِ اضطرار اس سے مخلص نہیں" جیسا کہ عام طور پر کہا جاتا ہے کہ بینکنگ کے نظام میں جو سود ہے چونکہ اس سے چارۂ کار نہیں اس لئے بینک کا سود شرعی ربا نہیں ہے اور بیعِ غرر اور قمار ومیسر کا نظام چونکہ عام طور پر ملکوں میں رائج ہو گیا ہے اس لئے اس کے جواز کا فتویٰ ناگزیر ہے، یہ درحقیقت مسائلِ شرعیہ کا حل نہیں ہے بلکہ ایک طرف یہ سراسر جہل وبے دینی ہے، دوسری طرف یہ اس امر کا اعتراف ہے کہ العیاذ باللہ دینِ اسلام ناقص اور مکمل رہنمائی سے قاصر ہے، انسانی زندگی کے مسائل کا حل اس میں موجود نہیں ہے۔

آج کل جو غیر اربابِ دین اور غیر اربابِ علم اسی نقطۂ نظر سے سوچ رہے ہیں اور اپنے اداروں اور مجلّوں میں اسی قسم کے جوابات شائع کر کے اسلامی احکام واصول اور قانونِ الٰہی پر عمل جراحی کر رہے ہیں اور اسی کو عینِ اسلام سمجھ رہے ہیں اور سمجھا رہے ہیں، اس ظلم وعدوان کے خلاف بارہا

آواز اٹھائی گئی ہے لیکن "صاحب الغرض مجنون" والی بات ہے، ان حضرات میں سے کسی کو اتنی توفیق نہیں ہوتی کہ اپنے اس طرزِ عمل کا جائزہ لیں اور اپنے طریقِ کار پر نظرِ ثانی کی زحمت گوارا کریں۔

اسلامی قوانین کے نفاذ کے لئے ضروری امر

(۵) یاد رہے کہ اسلامی احکام و قوانین کے صحیح طور پر نفاذ و اجراء کے لئے اسلامی مملکت اور شرعی حکومت ضروری ہے، ملک تو ہو غیر اسلامی نظامِ حکومت سے وابستہ اور آپ چاہیں کہ اس کی مشکلات اسلامی قانون کے تحت حل کی جائیں، یہ کیونکر ہو سکتا ہے؟ اس کی مثال تو بالکل ایسی ہی ہے جیسے ایک جوتے کا قالب سیدھے اور صحیح سالم پاؤں کے لئے تیار کیا گیا ہے، اب اگر کوئی ٹیڑھا اور مڑا ہوا پاؤں اس قالب پر بنے ہوئے جوتے میں فٹ نہ ہو تو یہ نہ جوتے کا قصور ہے نہ قالب کا بلکہ پاؤں کا قصور ہے کہ وہ ٹیڑھا ہے، ٹھیک اسی طرح ملک کی موجودہ صورتحال کو تصور فرمائیں، آپ چاہیں کہ کافرانہ نظام کے ہوتے ہوئے اسلامی احکام کے نفاذ میں کوئی دقت پیش نہ آئے یہ ناممکن ہے۔

بہرحال انشورنس (بیمہ) کے مسئلہ کا حل موجودہ صورت حال میں جتنی گنجائش شرعاً نکل سکتی تھی سوچا گیا ہے، اگر ملک میں کامل طور پر اسلامی نظامِ معیشت و معاشرت رائج ہوتا تو بہت سی مشکلات خود بخود حل ہو جاتیں۔

اسلامی احکام کی نفاذ کی راہ میں دشواری صرف اس لئے نظر آتی ہے کہ ملکی معیشت اور معاشرت کا سارا ڈھانچہ غیر اسلامی ہے، دونوں کا جوڑ پورے طور پر لگ ہی نہیں سکتا، یہ حقائق ہیں جن پر ٹھنڈے دل سے غور کرنے کی ضرورت ہے۔

اب جو مسئلہ اور اس کا حل پیش کیا جا رہا ہے اس تمام صورتِ حال پر غور کرنے کے بعد اس پر رائے قائم فرمائیں، نقد و تبصرہ سے نوازیں ادارہ بینات کو بے صبری کے ساتھ علماءِ کرام کی آراء کا انتظار ہے۔

حکامِ پاکستان کا فریضہ

بینات کے گذشتہ شماروں میں اربابِ حکومت اور سربراہِ مملکت کو متوجہ کیا گیا ہے کہ

اسلام اللہ جل شانہٗ کی وہ آخری نعمت ہے جس سے نبی عربی فداہ أبی و أمی صلی اللہ علیہ وسلم کی بدولت امتِ محمدیہ کو نوازا اور سرفراز کیا گیا ہے، جب اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل و کرم سے اس نعمت کے پھلنے پھولنے اور بار آور ہونے کے لئے اُسی کے نام پر ایک سرزمین ایسی عطا فرمادی جس میں مسلمانوں کو غلامی کی ذلّت و لعنت سے نجات میسر آگئی تو ارشادِ ربّانی،

«الَّذِينَ إِن مَّكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنكَرِ وَلِلَّهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ»

وہ مغلوب و کمزور لوگ جن کو اگر ہم روئے زمین پر اقتدارِ اعلیٰ اور تمکن عطا فرمادیں تو وہ نمازوں کو قائم کریں، زکاۃ ادا کریں اور ہر بھلے کام کا حکم دیں اور برے کام سے منع کریں اور (یاد رکھو) انجامِ کار اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے۔

کے مطابق اس نعمت کا شکر ادا کرنے کا یہی طریقہ کہ اس پاک سرزمین میں حقیقی اور صحیح قانونِ الٰہی نافذ کرایا جائے اور شرائعِ الٰہیہ و شعائرِ اسلامیہ یہاں قائم کئے جائیں تاکہ دین و دنیا دونوں کی سرخروئی مسلمانوں کو نصیب ہو اور ملک کے استقلال و استحکام میں مزید اضافہ ہو کہ اللہ جل شانہٗ کا وعدہ ہے:-

«لَئِن شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ وَلَئِن كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ»

بخدا اگر تم نے شکر ادا کیا تو میں تمہیں اور زیادہ دوں گا اور اگر ناشکری کی تو بے شک میرا عذاب بہت سخت ہے۔

اگر ایسا نہ کیا تو اندیشہ ہے کہ مبادا ہم کفرانِ نعمت اور ناشکری کی پاداش میں اس نعمت سے محرومی کے عذابِ شدید میں گرفتار ہو جائیں۔

لیکن جب یہی حکومت کے اربابِ کار اور برسرِ اقتدار طبقہ کو اس طریقِ کار کی جانب متوجہ کیا جاتا ہے تو جو نااہل اور غیر موزوں اشخاص سوءِ اتفاق سے اس معاملہ میں ان کے "مشیر" بن گئے ہیں، ان کو فوراً اپنے مناصب کی فکر دامن گیر ہوتی ہے اور اہلِ حق کے خلاف چلّا اٹھتے ہیں کہ: یہ لوگ دراصل "دینی سیادت" کا خواب دیکھ رہے ہیں اور "مذہبی اقتدار" کے آرزومند

ہیں اور طرح طرح کے الزامات و اتہامات لگا کر اور ان کی نیتوں پر حملے کر کے ان کے خلاف ایڑی چوٹی کا زور لگا دیتے ہیں، صرف اس لئے کہ کہیں وہ اس متاعِ حقیر و قلیل یعنی دنیوی مناصب اور "کرسیوں" سے محروم نہ ہو جائیں، ((ذٰلك مبلغهم من العلم)) یہ ہے ان کا مبلغِ علمی اور اس کی پرواز) اس قسم کے فریبِ خیال اور ہوائے نفس کا شکار وہی خدا فراموش قوم ہوتی ہے جو آخرت کی گرانمایہ نعمتوں کو بھلا چکی ہو اور ((وَفَرِحُوا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَاطْمَئَنُّوا بِهَا)) (وہ دنیا کی زندگی پر مگن ہیں اور اسی پر مطمئن) کا مصداق بن چکی ہو، اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ یہ "بوریہ نشین" تو وراثتِ نبوت کی دولت (علمِ دین) سے بڑھ کر دنیا کی اور کسی دولت کو خاطر میں نہیں لاتے اور اس "فاقہ مستی" میں بھی ان کو وہ سکونِ قلب حاصل ہے جس کا یہ حضرات تصوّر بھی نہیں کر سکتے، اللہ جل شانہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ تاریخ کی بدنام ترین قوم یہود کی ذہنیت ((أتستبدلون الذي هو أدنىٰ بالذي هو خير)) کا ہمارے حاشیۂ خیال اور تصوّر کے آس پاس بھی گذر نہیں ہو سکتا۔

اس گروہ کا چلتا ہوا جادو اور کارگر حربہ جو انہوں نے اپنے آقایانِ نعمت سے سیکھا ہے ہمیشہ یہی رہا ہے کہ "لڑاؤ اور حکومت کرو" چنانچہ جب کہا جاتا ہے کہ "اس ملک کے تمام باشندے "سنی حنفی" ہیں، اس ملک کے قانون کی اساس "فقہِ حنفی" پر رکھی جانی چاہیئے تو فوراً یہ حضرات حنفی و اہلِ حدیث اور "سُنّی و شیعہ" کا جھگڑا کھڑا کر دیتے ہیں اور مذہبی نزاع کے فتنۂ خوابیدہ کو بھڑکانے کی سرگرم کوششیں شروع کر دیتے ہیں۔

تعجب و تأسف کا مقام ہے کہ یہ حضرات اپنا سارا زورِ بیان اور فرقہ وارانہ جوڑ توڑ کی پوری صلاحیت اسی پر صرف کرتے ہیں کہ کہیں ملک کے سربراہ دین کی طرف متوجہ نہ ہو جائیں اور ان حضرات کی یہ جاگیرداری ختم نہ ہو جائے اور ان نعمتوں سے جو اس وقت حاصل ہیں محروم نہ ہو جائیں۔

یاد رکھیئے! جو حضرات ملکوں اور حکومتوں میں بلا ترمیم و تنسیخ قانونِ الٰہی اور احکامِ شریعتِ محمدیہ کے نفاذ کے امکانات کو ختم کرنا چاہتے ہیں، ان کی سب سے بڑی دلیل یہی ہے کہ ان

مذہبی احکام کے نفاذ سے ملک میں ایک مستمر و مسلسل نزاع کی تخم ریزی ہوتی ہے، اس لئے ملک کا قانون مذہبی فرقہ وارانہ اختلافات سے بلند تر ہونا چاہیئے۔" وہ درحقیقت یہ کہنا چاہتے ہیں کہ "حکومت لادینی (سیکولر اسٹیٹ) ہونی چاہیئے" اس لئے کہ بجز "لادینی" کے اور ملک میں کوئی بھی ایسا قانون نافذ نہیں کیا جا سکتا جس کو ملک کے تمام فرقے حق ہوں یا باطل یکساں طور پر قبول کر لیں اور مطمئن ہو جائیں۔

یہ حضرات اتنی موٹی سی بات بھی نہیں سمجھتے کہ دراصل "لادینی" ہی سے "انارکزم" اور "فوضویت" جنم لیتی ہے اور انارکی ہی ملک کے بقاء اور استحکام اور قوت و استقلال کی سب سے بڑی دشمن ہے اور یہ ایک مسلم حقیقت ہے کہ انارکی اور فوضویت کے انسداد اور بیخ کنی کے لئے دینی نظام سے بڑھ کر کوئی دوسرا نظام مفید نہیں ہو سکتا، دنیا کے تمام مفکرین اور مدبرین خواہ یورپین اقوام سے تعلق رکھتے ہوں خواہ ایشیائی اقوام سے سب اس پر متفق ہیں حتیٰ کہ آج یورپ کے ملحدین اور منکرینِ آخرت بھی محض سیاسی مصالح ہی کی غرض سے کلیساؤں کا دامن تھامے ہوئے ہیں، اگر مذہب کا لبادہ اتار دیں تو دنیا میں بھی ان کا کوئی سہارا باقی نہ رہے، اللہ تعالیٰ ان "مدعیانِ اسلام" کو صحیح اسلام کو سمجھنے اور اختیار کرنے کی توفیق عطا فرمائیں اور اپنی رضا و خوشنودی کے حصول کی ان کو بھی اور ہمیں بھی سعادت ارزانی فرمائیں۔

«یا أیها الذین آمنوا کونوا قوّامین لله شهداء بالقسط
ولا یجرمنکم شنآن قوم علی أن لا تعدلوا اعدلوا هو أقرب للتقوی
واتقوا الله، إن الله خبیر بما تعملون»

اپریل ۱۹۶۵ء ذوالقعدہ ۱۳۸۴ھ

ایک اچھّا اقدام

ہمیں انتہائی مسرت ہے کہ ماہنامہ "فکر و نظر" بابت ماہ جنوری ۱۹۶۵ء کے ادارتی نوٹ بعنوان "نظرات" سے توقع ہوگئی ہے کہ ادارۂ ماہنامہ "فکر و نظر" غور و فکر کے بعد اپنا سابق موقف بدل رہا ہے، چنانچہ ارشاد ہے۔

"ماہنامہ فکر و نظر . . . اس کی یہ کوشش ہے کہ ہم اپنے ہر مسائلہ کا حل تلاش کرتے وقت کتاب و سنت کی طرف رجوع کریں اور فقہائے کرام اور علماءِ سلف کے ارشادات کی روشنی میں ان سے رشد و ہدایت حاصل کریں، ملّی روایات کے تسلسل پر ہمارا ایمان ہے اور ماضی کی باقیاتِ صالحات ہی پر ہم مستقبل کی تعمیر کرنا چاہتے ہیں، "فکر و نظر" اسلام کی تجدید ضرور چاہتا ہے اس کی کوشش یہ ہے کہ آج اس زمانے میں اسلام کی ایسی علمی تعبیر ہو جو ہمارے لئے مشعلِ ہدایت بن سکے، مختصراً ماہنامہ فکر و نظر "تجدیدِ اسلام کی دعوت نہیں دیتا، اس کی دعوت صرف تجدید فکر و عمل کی ہے اور تجدید فکر و عمل بھی اسلام کی روشنی میں۔"

ماشاء اللہ! سبحان اللہ! کاش! یہی عزم روزِ اول سے ہوتا اور یہی ارشاد پہلے دن ہی فرما دیتے: "بینات" بھی یہی کہتا ہے کہ حقائقِ اسلام کی تحریف و تبدیل، انکارِ سنت و تردید احادیث اور تجہیلِ فقہاء کرام کے بجائے غیر منصوص "جدید مسائل" کا حل قرآن و سنت اور فقہاءِ امت کے کلماتِ طیبات کی روشنی میں اجتماعی صورت میں تلاش کیا جائے، خدا کرے کہ فکر و نظر اس موقف پر قائم رہے اور اس دعوے کا عملی ثبوت بھی فراہم کرے اور اپنے مقالات و مضامین سے اس کی تصدیق و شہادت بھی مہیا کرے اور "فکر و نظر" "بینات" کے شانہ بشانہ چل کر سفینۂ اسلام کو جس بھنور میں وہ اس وقت پھنسا ہوا ہے انتہائی دیانت داری و دانائی کے ساتھ اس سے نکال کر ساحلِ مقصود پر پہنچائے اور تقسیم کار کے اصول پر مقصد کے جس جزو کے لئے اس میں اہلیت ہے وہ انجام دے اور جس کے لئے بینات موزوں ہے وہ اتمام تک پہنچائے۔

لیکن افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ اسی شمارے میں جو مضامین شائع ہوئے ہیں وہ اس دعوے کی تردید و تکذیب کرتے ہیں، مثلاً عمادی صاحب کا مضمون جس میں بینک کے سود کو صرف اس لئے جائز قرار دیا گیا ہے کہ اس میں فریقین کی رضامندی ہوتی ہے لہٰذا یہ بمنزلہ "بیع" ہے اور جائز ہے

زیادہ ہوگا جس میں ظلم پایا جائے اس سے بڑھ کر اسلامی حقائق محترمہ کو مسخ کرنے کی اور کیا کوشش ہو سکتی ہے ؟ اس تراضی طرفین کی دلیل سے کل کو کہا جائے گا کہ۔

«ولا تکرھوا فتیاتکم علی البغاء إن أردن تحصناً» | اگر باندیاں پاک دامن رہنا چاہتی ہیں تو زنا پر جبر و اکراہ مت کرو»

کی بنا پر زنا بالجبر زنا ہے اور جرم ہے لیکن جب فریقین میں تراضی ہو تو نہ وہ زنا ہے اور نہ جرم بلکہ بمنزلہ نکاح کے ہے جس میں باہمی رضامندی سے ایجاب و قبول ہوتا ہے۔

اسی طرح مولوی عمر احمد تھانوی کا طلاق ثلاث سے متعلق مضمون جس میں محمد حسنین ہیکل کی کتاب "الفاروق" کی صریح گمراہ کن تجویز سے استفادہ کیا گیا ہے کہ "حضرت عمر فاروقؓ نے صریح نصِ قرآنی کے خلاف اپنے اجتہاد سے کام لے کر یہ فیصلہ کیا ہے اس لئے ہم اس کی مخالفت کرتے ہیں" افسوس اور رنج اس پر ہے کہ فہم صحیح سے انسان خود محروم ہو اور طعن و تشنیع کا ہدف بنائے: حضرت فاروقِ اعظم جیسی شخصیت کو، کیا کتاب و سنت اور فقہاءِ امت کے اتباع کا یہی طریقہ ہے ؟ اب ہم تو شرعاً مجبور ہیں کہ ان حضرات کی تلبیس آمیز نگارشات کا پردہ چاک کریں۔ واللہ المستعان

مسیحی قوموں کا عرصہ سے یہ طریقہ رہا ہے کہ تھوڑے تھوڑے عرصہ کے بعد دینِ اسلام اور حضرت خاتم الانبیاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین و تذلیل کرتے رہتے ہیں ان دنوں اخبارات سے معلوم ہوا ہے کہ "جی ایچ براؤننگ" نے ایک کتاب لکھی ہے "دی لانگ ورلڈ آف ہسٹری ان کلر" اور اس میں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم "فداہ أبی وأمی" جو انسانیت کے محسنِ اعظم ہیں ان کی شانِ اقدس میں اہانت آمیز کوئی تحریر لکھی ہے آج جب کہ اسلامی ممالک کا حلقہ دن بدن وسیع ہوتا جا رہا ہے، اور امریکہ و روس جیسی حکومتیں بھی مجبور ہوتی جا رہی ہیں کہ مسلمانوں کے دینی احساسات و معتقدات کی عزت و احترام کر کے ان کو خوش رکھیں اور ان سے دوستانہ روابط و تعلقات قائم کریں ان حالات میں حکومتِ برطانیہ کے زیر سایہ مصنفین اس قسم کی زہر آلود تحریریں شائع کرتے رہتے ہیں یہ دیکھ کر انتہائی رنج و افسوس اور دکھ ہوتا ہے، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ برطانیہ کے تدبر کا بالکل ہی دیوالہ نکل گیا ہے، حیرت یہ ہے کہ جو حکومت تدبر و عاقبت اندیشی میں ضرب المثل تھی آج اس

کی یہ فرومائیگی؟ لیکن حقیقت واضح ہے کہ اس قوم کو اسلام سے عددرجہ دیرینہ عداوت ہے اس کو چھپا نہیں سکتی، بہرحال اب حکومت برطانیہ کا سیاسی فرض ہے کہ اس قسم کے لٹریچر کو یک قلم ضبط کرکے اپنے سیاسی تدبر کا ثبوت دے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:-

«قد بدت البغضاء من أفواههم وما تخفی صدورهم اکبر» یہ بغض و عناد تو ان کی زبانوں سے ظاہر ہو گیا لیکن جو کچھ دل میں چھپا ہوا ہے وہ اس سے کہیں زیادہ ہے۔

شوال ۱۳۸۴ھ ۔ مارچ ۱۹۶۵ء

دینی مدارس اور پاکستان

حق تعالیٰ شانہٗ نے محض اپنے فضل وکرم سے مملکتِ خداداد پاکستان مسلمانوں کو عطا فرمائی تاکہ اسلام کے صحیح تقاضے بروئے کار آسکیں، عوام نے دل وجان سے اسی مقصد کے لئے کوششیں کیں، ہر قسم کی قربانیاں دیں، دعائیں کیں، خواص نے بار بار اعلان کیا کہ متحدہ ہندوستان میں مسلمانوں کی دینی آزادی کا مستقبل تاریک ہے اور نہ یہاں یہ امکان ہے کہ اقتصادی ومعاشی سکون وراحت نصیب ہو سکے، غرض اسلام وکفر دو نظریوں کے ماتحت یہ مملکت وجود میں آئی اور کروڑوں مسلمانوں نے ہندوستان سے ہجرت کرکے اس مملکت کو آباد کیا بلاشبہ مسلمانوں نے ابتداء میں بہت کچھ ایثار سے کام لیا اپنی تجارتیں، اور انڈسٹریز اور دیگر ذرائعِ معیشت اسبابِ راحت وسکون کو خیر باد کہا، اپنی عبادت گاہیں، مسجدیں اور دینی درسگاہیں چھوڑیں، علمی ادارے چھوڑے، نشر واشاعت کے مراکز کو الوداع کہا۔

حق تعالیٰ شانہٗ نے ترکِ وطن کرنے والوں پر احسان فرمایا ان کو وطن سے بہتر مکانات اور کارخانے عطا فرمائے، ان کے اربابِ خیر وصلاح نے مسجدیں بنوائیں تاکہ عوام ان کو آباد کریں، علماءِ امت کو توفیق عطا فرمائی کہ ہندوستان میں چھوڑی ہوئی دینی درس گاہوں کے بجائے یہاں متبادل دینی وعلمی مراکز بڑے بڑے دار العلوم وجامعات اور تعلیم القرآن کے مدارس جاری کئے گئے، تشنگانِ دین کے لئے دینی مراکز قائم کئے، مشتاقانِ علمِ نبوت کے لئے علمی چشمے جاری ہوئے، کتب خانے اور مطابع قائم کئے، علمی ودینی کتابوں کے انبار لگ گئے، علوم ومعارف کے ذخائر تیار ہو گئے، الغرض سندھ کے صحراؤں میں علم ومعرفت کے چشمے پھوٹ پڑے۔ پنجاب کی وادیوں میں علم ودین کی بہار آگئی، یہ سب کچھ ان غریب مسلمانوں نے کیا جو اپنا مال ومتاع لٹا کر یہاں آئے تھے، اگر بمبئی، کاٹھیاواڑ اور گجرات وبرما کے مسلمان تاجر یہاں نہ پہنچتے تو یہ کارخانے انڈسٹریاں نظر نہ آتیں اور اگر اربابِ علم ودیندار اصحابِ ثروت کا طبقہ یہاں نہ پہنچتا تو یہ مدارس ومساجد ومعاہد یہاں نہ ہوتے، ان دیندار اور اربابِ خیر مسلمانوں کی وجہ سے آج کراچی میں دو ہزار مسجدیں جدید تعمیر ہوئیں ان میں ایسی

مساجد بھی ہیں جن پر دس دس لاکھ روپیہ خرچ ہوا، اگر یہ اہلِ علم نہ ہوتے تو اس مغربی پاکستان میں چھوٹے بڑے ایک ہزار مدرسے نہ ہوتے بلاشبہ پاکستان کی ریڑھ کی ہڈی یہی دینی مدارس و تعلیم گاہیں ہیں، پاکستان کی رُوح یہی مسجدیں اور دینی ادارے ہیں اگر آج مسلمانانِ پاکستان کی توجہات و کوششیں نہ ہوتیں تو دین کا وہی حشر ہوتا جو اسپین میں ہوا۔

دینی مدارس کو حکومت کی تحویل میں لینے کا منصُوبہ

خدارا بتلائیے کہ کراچی جیسے عظیم شہر میں کتنی مسجدیں اربابِ حکومت نے بنائیں، کتنی دینی درسگاہیں ہیں جن کو حکومت نے تعمیر کرایا نہ صرف دینی درس گاہیں بلکہ دنیوی تعلیم گاہیں بھی مسلمانوں کی کوششوں کی رہینِ منت ہیں کیا حکومت کے قائم کردہ اسکول و مکاتب مسلمان بچوں کی تربیت کے لئے کافی ہو سکتے تھے؟ حقیقت تو یہ ہے کہ پاکستان کی دنیوی حیات جس طرح مسلمان اربابِ تجارت کی سعیِ بلیغ کا ثمرہ ہے ٹھیک اسی طرح پاکستان کا دینی و علمی نظام اربابِ دین اور اربابِ فکر کی کوششوں کا نتیجہ ہے، اگر حکومتِ پاکستان کا میزانیہ ان کارخانے والوں کا مرہونِ منت ہے جو ان کے ٹیکسوں کے ذریعہ پورا ہوتا ہے تو ٹھیک اسی طرح پاکستان کا دینی و علمی وقار ان علماءِ امت کی مساعیِ جمیلہ کا نتیجہ ہے جو بوریوں پر بیٹھ کر معمولی مشاہروں قوت لایموت پر گذارہ کرکے اس نظامِ دین کو برقرار رکھے ہوئے ہیں۔

یہ ممکن ہے کہ ان اربابِ علم میں کچھ لوگ ایسے بھی شامل ہو گئے ہوں جن کے مقاصد بلند نہ ہوں، اخلاص میں کمی ہو، دنیاوی اغراض ان کا مطمحِ نظر ہوں، لیکن ان کی وجہ سے اس پورے علمی و دینی نظام کو یکسر ختم کرنے کی تدبیر کرنا کہاں کی دانشمندی ہے؟ اس میں شک نہیں کہ اس قماش کے لوگ آخرت کے ثواب سے محروم اور دنیاوی اعزاز و احترام سے تہی داماں ہوں گے اور اس کے لئے یہی سزا کافی ہے لیکن ان کے ادارے بھی خالی از نفع نہیں ہیں، اگر چند کارخانے دار رشوت دے دے کر صنعت کے نظام میں فساد پیدا کردیں تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ سارا صنعت و حرفت کا نظام ناقص اور بے سود ہے۔

آج ہم دیکھ رہے ہیں کہ جن اسکولوں، کالجوں اور علمی اداروں کو حکومت نے قومیا کر

پنی تحویل میں لے لیا ہے ان کا کیا حشر ہوا؟ کیا وہ سابقہ معیار قائم رہ سکا؟ جن کارخانوں کو حکومت نے اپنی تحویل میں لیا کیا ان کی آمدنی اور پیداوار کا توازن قائم رہ سکا؟ نتیجہ یہ ہوا کہ پیداوار میں خسارہ رہا اور حکومت مجبور ہوگئی ہے کہ نئے ٹیکس لگاکر اپنے میزانیہ کو پورا کرنے کی تدبیر کرے اِناللہ۔

کبھی کبھی یہ آواز سنائی دیتی ہے کہ دینی مدارس حکومت اپنی تحویل میں لینا چاہتی ہے کیا حکومت کو اپنے سابقہ تجربات سے یہ عبرت انگیز نصیحت نہیں ملی کہ "ان بوریہ نشینوں کو اپنی حالت پر چھوڑ دو اور ان کو نہ چھیڑو" ورنہ اس کے نتائج جہاں پاکستان کے حق میں تباہ کن ہوں گے وہ حکمرانوں کے حق میں بھی نہایت ہی مضر ثابت ہوں گے، فواحش منکرات کے روز افزوں تباہ کن سیلاب کے راستہ میں اگر کچھ روڑے ہیں تو یہی ٹوٹے پھوٹے مدرسے ہیں جن کے ذریعہ ملک کے اندر و باہر دینی وقار قائم ہے ظاہر ہے کہ یہ بوریہ نشین جن کی زندگیاں اسی خدمت کے لئے وقف ہیں وہ ان دینی درسگاہوں کی حفاظت کے لئے کسی قربانی سے دریغ نہیں کریں گے۔

حال ہی میں ملتان میں دیوبندی، بریلوی، اہلِ حدیث ہر مکتبِ فکر کے اربابِ مدارس اہلِ علم کا عظیم اجتماع ہوا اور سب ہی نے یہ متفقہ فیصلہ کیا کہ ان دینی مدارس کی ہر قیمت پر حفاظت کی جائے گی اور اگر خدانخواستہ اربابِ حکومت نے ناعاقبت اندیشانہ قدم اٹھایا تو اس کی مزاحمت کی جائے گی اگرچہ ہمیں اطمینان ہے کہ حکومت اپنی سیاسی بصیرت کے پیشِ نظر ایسا اقدام ہرگز نہ کرے گی؛ متفقہ قرارداد کا متن حسبِ ذیل ہے:۔

• یہ اجلاس پورے وثوق کے ساتھ اس امر کا اظہار کرتا ہے کہ اس غیر اسلامی اور غیر جمہوری اقدام کے اصل محرک سوشلسٹ عناصر ہیں جو یہ چاہتے ہیں کہ دینی مدارس کو اپنی تحویل میں لے کر دینی اقدار اور اسلامی روایات کو ختم کیا جائے، اگر خدانخواستہ ایسا قدم اٹھایا گیا تو ملتِ اسلامیہ کسی صورت میں اسے کامیاب نہیں ہونے دے گی اور دینی مدارس کے تقدس، آزادی، وقار اور شاندار روایات کو محفوظ رکھنے کے لئے کسی قربانی سے دریغ نہیں کرے گی، ملک کے تمام دینی اداروں

کا یہ نمائندہ اجتماع حکومت سے پُر زور مطالبہ کرتا ہے کہ اگر اس کا ایسا ارادہ ہے تو اسے یکسر ترک کر دیا جائے اور بلاوجہ فضا کو مکدر نہ کیا جائے ورنہ اس کے نتائج کی ذمہ داری حکومت پر ہوگی۔

یہ اجلاس فیصلہ کرتا ہے کہ اس اہم ترین دینی مسئلہ کے بارے میں حکومت کے عزائم کو معلوم کرنے اور اسی مرحلہ پر اس اجتماع کے فیصلہ، جذبات و احساسات اربابِ اقتدار تک پہنچانے کے لئے ایک نمائندہ وفد ارباب حکومت سے ملاقات کرے گا، دینی مدارس کے تقدس اور آزادی کی حفاظت کے لئے کسی قسم کی قربانی سے دریغ نہیں کیا جائے گا۔"

پاکستان میں دین و اسلام کی بقاء دینی مدارس کی مرہونِ منت ہے

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ اگر پاکستان اسلام کے نام پر وجود میں آیا اور اسلام پر اس کو باقی رکھنا ہے اور حقیقت میں اس کا وجود بھی اسلام سے وابستہ ہے تو مدارس کا یہ دینی نظام اور یہ علمی ادارے اسی طرح باقی رکھنے ہوں گے اس سے بیشتر دینی علوم کا یہ نظام اگر بے دین اور اسلام دشمن حکمرانوں کے ہاتھوں میں چلا جاتا تو اسلام اس ملک سے کبھی کا رخصت ہو جاتا۔ ملک کے دینی مدارس اور علماء ان بے دین حکمرانوں کے عزائم کے سامنے ڈٹ گئے اور ملک کی دینی حیثیت قدرے باقی رہ گئی، سکندر مرزا، غلام محمد، ایوب خان نے پاکستان کا دینی حلیہ بگاڑنے کی کچھ کم کوشش نہیں کی؟ لیکن ان کا حشر کیا ہوا سب کو معلوم ہے۔ ان لوگوں نے ہر لادینی تحریک کی حوصلہ افزائی کی اور ہر دینی تحریک کے کچلنے میں کوئی دقیقہ فرد گذاشت نہیں کیا، ان ہی منحوس و ملعون کوششوں کا نتیجہ ہے کہ کراچی میں سالِ نو کے افتتاح کے موقع پر دو کروڑ کی شراب پی گئی، کلبوں کے اندر عریاں ناچ کیا گیا اور وہ وہ حرکتیں کی گئیں کہ انسانیت و حیا کا جنازہ اس ملک سے نکل گیا، کیا پاکستان اس کے لئے بنا تھا؟ اگر اس ملک میں قال اللہ وقال الرسول کی یہ صدائیں بلند نہ ہوتیں جن سے کچھ نیکی اور بدی کا توازن قائم ہے تو یہ ملک کبھی کا پیوند زمین ہو گیا ہوتا، مسلمان قوم بہ من حیث العموم کافرانہ زندگی اور خدا فراموش ماحول کبھی راس نہیں

آیا اور اس کا انجام تباہی و بربادی کے سوا کبھی کچھ نہیں ہوا، صرف وزارتِ امور مذہبی اور وزارتِ حج و اوقاف قائم کرنے سے یہ مملکت صحیح معنوں میں اسلامی مملکت نہیں بن سکتی جب تک کہ اول سے آخر تک تمام نظام اسلامی نہ ہو اور حق تعالیٰ کی حاکمیت کا قدم قدم پر ظہور نہ ہو، محاکمِ عدلیہ کا پورا نظام کتاب و سنت پر مبنی نہ ہو، اس ملک کی قامت پر سوائے اسلام کی قبا کے اور کوئی چیز راس نہیں آسکتی۔ سوشلزم یا کمیونزم یا چینی ازم کے جو خواب آج ہمارے حکمران دیکھ رہے ہیں وہ سب تباہی و بربادی کے خطرناک راستے ہیں، دین سے پہلے اس میں دنیا کی تباہی ہے، بارہا "بینات" کے صفحات میں ہم لکھتے رہے ہیں اور آج پھر صاف صاف کہہ دینا چاہتے ہیں کہ اسلامی مدارس کو ختم کرنے کی اسکیم دراصل ملک کو ٹھیٹ لادینی ریاست میں تبدیل کرنے کا اشتراکی و قادیانی منصوبہ ہے جو اس ملک کے لئے تباہی و بربادی کا موجب ہوگا، اللہ تعالیٰ اس ملک پر رحم فرمائے اور ہمارے حکمرانوں کو صحیح فہم عطا فرمائے اور اس تباہ کن زندگی سے ہمیں نجات عطا فرمائے، آمین۔

یہ سطریں لکھ چکا تھا کہ اخبار جنگ مورخہ، فروری ۱۹۷۵ء میں اسلام آباد کی یہ خبر شائع ہوئی کہ "حکومت مذہبی اداروں کو تحویل میں لینے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتی، البتہ حکومت ان مذہبی اداروں کے حسابات کی پڑتال کرے گی۔"

بہت اچھا، کوئی مضائقہ نہیں کہ حکومت اس امر کی تحقیق کرے کہ آمدنی صحیح خرچ ہو رہی ہے یا نہیں تاہم اس سلسلہ میں یہ گذارش بیجا نہ ہوگی کہ آج تک مدارسِ عربیہ "یوم الحساب" کی جوابدہی کے عقیدے پر چل رہے ہیں، انہیں خود احساس ہے کہ احکم الحاکمین کے دربار میں "آمد و صرف" کا حساب دینا ہوگا۔

ہمارا عقیدہ ہے کہ جب تک "یوم الحساب" کے خوف کا احساس پیدا نہ ہو صرف دنیا کے دکھاوے کے لئے دیانت و امانت کا معیار قائم رکھنا مشکل ہے، آج کتنے محکمے ہیں جن کے "حساب" کی پڑتال حکومت کرتی ہے لیکن ان میں غبن بھی ہوتے ہیں، بددیانتی بھی ہوتی ہے، گھپلے بھی ہوتے ہیں اور شاطروں نے ان چیزوں کے لئے ایسے ایسے طریقے ایجاد کر رکھے ہیں کہ قانون کی کسی بڑی سے بڑی طاقت ور خوردبین سے بھی ان کو نہیں دیکھا جا سکتا، کیا

اب مدارسِ عربیہ میں اسی تجربہ کو دہرایا جائے گا؟ مدارسِ عربیہ کا حساب کوئی خفیہ چیز نہیں، ایک کھلی کتاب ہے جسے حکومت ہی نہیں بلکہ ہر ادنیٰ و اعلیٰ مسلمان جب چاہے بصد شوق دیکھ سکتا ہے، "آں راکہ حساب پاک است از محاسبہ چہ باک"

لیکن مسلمانوں کے وہ اوقاف اور مساجد جو حکومت کے قبضہ میں لے لئے گئے ان کے بارے میں بھی حکومت نے کبھی قوم کو بتایا کہ ان کا کیا حشر ہے؟ ان کی آمد کن مصارف پر خرچ ہو رہی ہے؟ صرف سندھ کے اوقاف کی چھبیس لاکھ سالانہ آمدنی سے کیا کام لیا جاتا ہے؟ اور حکومت اسے کس مصرف پر خرچ کر رہی ہے؟ اصل مقاصد پر کتنا صرف ہوتا ہے اور کتنا کچھ زبانی جمع خرچ اور دفتری نظام کے دیوتا کی نذر ہوتا ہے؟ ان مساجد کا کیا حال ہے جو آج کل حکومت کے ظلِّ عاطفت میں ہیں، بہر حال اگر حکومت مدارسِ عربیہ کے حسابات کا جائزہ لینا چاہتی ہے تو بصد شوق اپنی تسلی فرمائے، چشم ما روشن۔ دلِ ما شاد مگر عام احساس یہ ہے کہ بعض اربابِ رسوخ جن کے نزدیک دین فرسودگی کا نام ہے وہ دینی مراکز کو حکومت کی لونڈی بنا کر اس ملک سے دین و ایمان کا جنازہ نکال دینا چاہتے ہیں ظاہر ہے کہ یہ تأثر اس بے چین ملک کے لئے مزید بے چینی کا باعث ہوگا، مدارسِ عربیہ کسی حکومت کے لئے خطرہ نہیں، البتہ لادینی عناصر (جن میں سوشلسٹ اور قادیانی شامل ہیں) کے لئے ہر وقت خطرہ ہیں اور اسی خطرہ کو ٹالنے کے لئے یہ لوگ دینی مدارس کو قومیانے کے لئے پیچ رہے ہیں۔ صفر المظفر ۱۳۹۵ھ، مارچ ۱۹۷۵ء

مدارسِ عربیہ کے لئے لائحہ عمل[1]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۲۲ رجب ۱۳۶۹ھ گرامی مآثر مخدوم محترم زیدت مفاخرکم العالیۃ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

عرصہ گذرا کہ والا نامہ باعثِ شرف ہوا تھا، مجھے بے حد ندامت اور افسوس اور اپنی تقصیر کا اعتراف ہے کہ جواب میں اتنی شدید تاخیر ہوئی، عمر میں آپ کا یہ پہلا والا نامہ آیا تھا، مجھے فوراً جواب دینے کی کوشش کرنی چاہیئے تھی اور شاید میری عمر میں ہی کسی خط کے جواب میں اتنی شدید تاخیر کا یہ پہلا موقعہ ہوگا، بہرحال نادم و مقصّر ہوں لیکن تاخیر در اصل صرف اس لئے ہوئی کہ میں چاہتا تھا کہ تعمیل حکم کے لئے مفصل عریضہ لکھوں اور اس کے لئے فرصت و نشاط کا متلاشی رہا، ایک طرف جامعہ کے سالانہ امتحان کا قرب، کتابوں کی ختم کرانے کی فکر اور دوسری طرف دوسرے مشاغل، کچھ مفید کچھ غیر مفید کاموں کا ہجوم، طبیعت میں نشاط کا فقدان، علمی کسل وغیرہ موانع پیش آتے رہے ورنہ آپ کا نامۂ کرم جواب طلب خطوط میں سب سے پہلے رکھا تھا، امید ہے کہ میرے ان اعذار کی وجہ سے آپ معاف فرما کر ممنون کرم فرمائیں گے، جس وقت آپ کا یہ نصاب مرتب ہو چکا تھا برادرم مولانا صاحب نے ایک کاپی ارسال کی تھی اس وقت سرسری سی کچھ ترمیم پیش کی تھی اور ایک مختصر خط میں چند اصولی باتیں پیش کی تھیں، تجویزِ نصاب کا مسئلہ بیحد اہم اور وقت کا شدید تقاضا اور اہم ضرورت ہے اور جیسا کچھ ہو سکے کوشش کر کے طے کرنے کی ضرورت ہے اتفاق سے مجھے عرصہ سے اس کا احساس اور شغف رہا ہے لیکن اس ضرورت کے لئے سنجیدہ دماغ، مخلص حضرات اور تجربہ کار اصحاب جمع ہو کر کوئی خاکہ تیار کریں تو بہتر ہوگا، انفرادی کوشش نہ تو مفید ہو سکتی ہے نہ مؤثر، نہ امت کے لئے قابل قبول، نصاب کے بارے میں تو میں بعد میں عرض کروں گا اور شاید اس مراسلہ میں اس کی نوبت نہ آئے لیکن میرے خیال

---

[1] حضرت مولانا بنوری رحمہ اللہ نے ایک نہایت قابلِ احترام بزرگ کے نام مدارسِ عربیہ کی افادیت کو مزید بڑھانے کے سلسلے میں مندرجہ بالا گرامی نامہ تحریر فرمایا۔

میں نصاب سے زیادہ اہم چند باتیں ہیں جو تعینِ نصاب کے لئے اصولِ موضوعہ کا کام دیتی ہیں، اس لئے عرض کرتا ہوں اور یہ مقصد نہیں کہ وہ چیزیں آنجناب کے پیشِ نظر نہیں ہیں لیکن شاید زیادہ توجہ نہ ہو یا کم ازکم لازم فائدۃ الخبر کے درجہ میں خیال فرمائیں۔

۱۔ نصاب کوئی بھی ہو لیکن اساتذہ کے انتخاب میں زیادہ غور کی ضرورت ہے اس کے لئے مندرجہ ذیل امور کا لحاظ ضروری ہے :۔

(الف) مفوضہ کتابوں کی تدریس میں اعلیٰ درجہ کی مہارت رکھتے ہوں جس کا حاصل یہ ہے کہ استعداد بہت اعلےٰ ہو۔

(ب) مخلص ہوں اور دل سے چاہیں کہ طلبہ کو علم آجائے۔

(ج) جن علوم کو پڑھاتے ہوں ان سے شغف و طبعی مناسبت ہو، غرض یہ کہ محض وقت گذارنا یا معاش کی ضرورت کو پورا کرنا مقصد نہ ہو، استعداد، اخلاص، شوق و مناسبت یہ تین باتیں مدرسین کے لئے معیارِ انتخاب ہوں۔

۲۔ طلبہ کے لئے آسائش و راحت کا پورا خیال رکھا جائے اگر مدرسہ میں سو طلبہ کے لئے وسعت اور راحت کا انتظام نہ ہو تو بیس رکھے جائیں لیکن ان کی عملی نگرانی بہت سخت کی جائے، درسوں میں حاضری، رات کا مطالعہ، امتحانات میں نہایت سختی کی جائے اور تسامح نہ کیا جائے مثلاً اگر سہ ماہی میں فیل ہو گیا تو ششماہی کے لئے تنبیہ کی جائے کہ اگر ششماہی میں فیل ہو گیا تو سالانہ امتحان میں نہ لیا جائے گا، اس میں کوئی مراعات ہرگز نہ کی جائے کہ یہی مراعات سمِ قاتل ہے۔

۳۔ اساتذہ کو کتابیں پڑھانے کے لئے اتنی دی جائیں کہ آسانی سے ان کا مطالعہ کر سکیں اور ان کے متعلقات کو دیکھ سکیں اور ان کو صرف اس کتاب کے حواشی و شرح پر کفایت نہ کرنی چاہیئے بلکہ فن کی اعلیٰ کتابیں پیشِ نظر رکھنی چاہئیں۔

۴۔ ہر درجہ کے مناسب طلبہ کو بھی مطالعہ کے لئے کتابیں دینی چاہئیں اور ان میں امتحان ضروری ہو یعنی بغیر تدریس کے صرف مطالعہ سے وہ ان کتابوں پر عبور حاصل کر لیں اور امتحان دیں۔

۵۔ طلبہ کی اخلاقی نگرانی بہت شدید ہونی چاہیئے، اسلامی حلیہ اور دینی وضع میں کوئی مسامحت برداشت نہیں کی جاسکتی بلکہ غبی محنتی کو برداشت کیا جائے اور ذکی مستعد آزاد کو نہ رکھا جائے، مدرسہ میں قواعد وضوابط ایسے ہوں کہ نماز کی پابندی اور لباس و پوشاک میں علمی وضع کی حفاظت ملحوظ ہو۔

۶۔ مسابقت کے امتحانات مقرر ہوں، نیز ہر سہ ماہی ششماہی امتحانات میں طلبہ کی اعلیٰ کامیابی پر وظیفہ دینا چاہیئے۔

۷۔ ہر سال امتحانات میں ایک پرچہ امتحان کا محض عام استعداد و قابلیت کا رکھنا چاہیئے جس کا کسی خاص کتاب سے تعلق نہ ہو، ہاں اس درجہ کی اہلیت ضروری ہے۔

۸۔ عربی بولنے کی قابلیت مقاصد میں شامل کرنی چاہیئے تین سال کے بعد تدریس کی زبان عربی ہونا چاہیئے۔

۹۔ عربی ادب پر خاص معیار سے توجہ دینی ہوگی، تقریر و تحریر کی تربیت دی جائے اور اس کے لئے بہت تفصیل طلب اور مہم تنبیہات کی حاجت ہے جو بعد میں عرض کروں گا۔

۱۰۔ ہر زمانہ کا ایک فن ہوتا ہے اس زمانہ کا مخصوص فن، تاریخ و ادب ہے اس پر توجہ زیادہ کرنی ہوگی۔

۱۱۔ قرآنِ کریم کا ترجمہ ابتدا سے شروع کرنا چاہیئے اور تین چار سال میں ختم کرنا چاہئے، بغیر کسی تفسیر کے محض ترجمہ ابتداً زیر درس ہونا چاہیئے اور قابلیت بڑھانے کے لئے مخصوص اجزاء اور سورتوں کا انتخاب کرنا چاہیئے اور لغوی و ادبی تحقیق کے ساتھ پڑھانا چاہیئے۔

۱۲۔ طلبہ کے مطالعہ کے لئے ایک دار المطالعہ مخصوص ہو، ان کے لئے مفید کتابیں اور عربی مجلات و جرائد رکھنے چاہئیں۔

۱۳۔ مدرسہ کے سالانہ بجٹ میں ایک رقم مستقل لبسلسلۂ اصلاحِ نصاب اور تبدیلِ کتب علیحدہ کرنا ضروری ہو، یہ اس لئے کہ نصاب کی مشکلات میں سب سے زیادہ مشکل مرحلہ ہمارے غریب مدارس کے لئے قلتِ سرمایہ کا ہے۔

۱۴۔ تین نصابوں کی ضرورت ہے :۔

(الف) ایک سہ سالہ نصاب جس میں فقہ، قرآن وحدیث، تاریخ، صرف ونحو، معانی، ادب، عقائد اور فرائض شامل ہوں تاکہ جو شخص صرف اپنی ضرورت کے لئے عالم بننا چاہتا ہو وہ علم حاصل کر سکے، تعلیم و تدریس کو پیشہ نہیں بنانا چاہتا ہو بلکہ تجارت وغیرہ میں زندگی بسر کرنا چاہتا ہو۔

(ب) مدرس و عالم بننے کے لئے نصاب زیادہ سے زیادہ ہشت سالہ ہو۔

(ج) تیسرا نصاب درجۂ تکمیل کا ہے ایک سال کا اور دو سال کا اس میں مفتی، محدث، ادیب مؤرخ وغیرہ اسی قسم کے چند شعبے ہوں۔

حاصل یہ ہے کہ نصاب خواہ کوئی بھی ہو لیکن اگر ان امور کی رعایت کی جائے تو انشاء اللہ اچھے عالم نکل سکیں گے۔

طلبہ میں تکثیر سواد کی کوشش نہیں کرنی چاہیئے! بلکہ معیارِ انتخاب کے مطابق کوشش کرنی چاہیئے، چاہے جتنے بھی کم ہوں جو طلبہ ذہین و ذکی اور مستعد ہوں ان کی ترغیب اور حوصلہ افزائی کے لئے مختلف وجوہ کو پیشِ نظر رکھنا ضروری ہوگا، مثلاً خصوصی وظیفہ جاری کرنا درجۂ تکمیل میں جانے کی ترغیب دینا بلکہ درجۂ تکمیل میں باقاعدہ ایسا وظیفہ دیا جائے جو ضروریات زندگی کے لئے کفایت کرے، ایک اہم بات جو سلسلۂ تعلیم میں ضروری ہے اسے لکھنا بھول گیا، وہ یہ کہ ابتدائی کتابیں قابل اساتذہ کے پاس ہوں، مثلاً ہر بڑے استاد کو ایک چھوٹی کتاب دی جائے، اس میں طرفین کا فائدہ ہوگا، طلبہ کو تجربہ کار استاذ سے استفادہ کا موقع ملے گا اور مدرس کا کام ہلکا ہو جائے گا، بجائے ایک بڑی کتاب کے چھوٹی کتاب ہوگی جس میں اسے زیادہ دماغ سوزی نہیں کرنی پڑے گی اور جب مدرس مخلص ہوگا تو یہ سوال پیدا نہیں ہو سکتا کہ بڑی کتابیں پڑھانے والا چھوٹی کتابیں پڑھانا اپنی توہین سمجھے۔

نصاب کے بارے میں ایک چیز قابلِ گذارش ہے کہ موجودہ نصاب میں سوائے چند کتابوں کے کوئی ایسی کتاب نہیں جس سے بہتر قدماء کی عمدہ تالیفات نہ مل سکتی ہوں۔

نصاب کی ترمیم میں یہ بات پیشِ نظر رکھنا بے حد ضروری ہے کہ کتابیں ایسی داخلِ درس ہوں جن میں کتاب کی لفظی بحثیں کم ہوں اور مصنف کے الفاظ کے مطالب بیان کرنے میں وقت زیادہ

صرف نہ ہو۔ مثلاً اگر اختصارِ شدید سے کاغذ کم خرچ کیا گیا لیکن تفہیم میں دماغ اور وقت کتنا زیادہ لگا، اتنا وقت اگر حفظِ مسائل پر خرچ ہوگا تو زیادہ بہتر ہوگا، بلکہ وبصیرت مختصراتِ مخلّہ سے کبھی حاصل نہیں ہوسکتی، زیادہ تر کوشش اس کی ہونی چاہیئے کہ تفہیمِ مقاصد و مسائل میں پورا انشراح حاصل ہو، اگرچہ جزئیات کا استیعاب نہ ہوسکے، بعض متونِ درسیہ میں اگرچہ استقصاء مسائل زیادہ ہے لیکن پہلا مقصد حاصل نہیں ہوتا اور وہ زیادہ ضروری ہے رہا معاشیات و اقتصادیات و سیاسیات کا داخلِ نصاب ہونا تو یہ مرحلہ اتنا مشکل نہیں امت کو اس کی اتنی ضرورت بھی نہیں کیونکہ اس کے لئے بہت مل جاتے ہیں مشکل تو "رسوخ فی العلم" ہے ہمیں صحیح العلم، راسخ العلم، ذکی اور مخلص علماء تیار کرنے ہیں یہ چیزیں مطالعہ کی ہیں بآسانی بعد الفراغ حاصل کی جاسکتی ہیں۔

یہ چند باتیں اس وقت مختصر فرصت میں نہایت استعجال وارتجال کے ساتھ پیش کر رہا ہوں، امید ہے کہ مزاج گرامی بعافیت ہوں گے۔ والسلام خیر ختام

ذوالحجہ ۱۳۸۶ھ

دینی مدارس کے علماء و طلباء کے لئے لمحہ فکریہ

بلاشبہ دینی مدارس کا وجود سراپا خیر و برکت اور ان کا منصب تعلیم و تعلیم نہایت ہی اونچا اور لائق فخر ہے، یہ دینی مدارس انبیاء کرام علیہم الصلوٰت والتسلیمات کی وراثت کے امین، شریعت الٰہی کے محافظ اور امتِ محمدیہ کے معلّم ہیں، قرآنِ کریم اور احادیث نبویہ میں دین کی تعلیم و تعلّم کے جو فضائل آئے ہیں ان سے کسی کو انکار کی مجال نہیں لیکن یہ منصب جتنا عالی ہے اس کی قیمت بھی اتنی ہی اونچی ہے اور وہ صرف رضاءِ الٰہی اور نعیم جنت ہی ہو سکتی ہے۔ اگر اس گوہرِ بے بہا کی قیمت متاعِ دنیا کو ٹھہرا لیا جائے تو اس سے بڑھ کر کوتاہ نظری اور کیا ہو سکتی ہے؟ حدیث میں صاف و صریح وعید وارد ہے کہ «مَنْ تَعَلَّمَ عِلْمًا مِمَّا يُبْتَغٰى بِهٖ وَجْهُ اللّٰهِ لَا يَتَعَلَّمُهٗ إِلَّا لِيُصِيْبَ بِهٖ عَرَضًا مِنَ الدُّنْيَا لَمْ يَجِدْ عَرْفَ الْجَنَّةِ» مسند احمد، ابوداؤد ابن ماجہ عن ابی ہریرۃؓ، یعنی "جس نے وہ علم حاصل کیا جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہو سکتی ہے مگر وہ اس کو صرف متاعِ دنیا کے لئے حاصل کرتا ہے تو اس کو جنت کی خوشبو بھی نصیب نہ ہوگی"۔ سنا ہے کہ حضرت فقیہ عصر، محدثِ وقت عارف باللہ مولانا خلیل احمد رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے خواب بیان کیا کہ درس گاہ کی تپائیوں کے سامنے طلبہ کے بجائے بیل بیٹھے ہیں فرمایا: اناللہ! اب لوگ علمِ دین کو پیٹ کے لئے پڑھنے لگے"۔

ہمارے اکابر کے لئے تعلیم و تدریس، تصنیف و تالیف، دعوت و ارشاد اور امامت و خطابت کے مشاغل کبھی شکم پروری اور جاہ طلبی کا ذریعہ نہیں رہے بلکہ یہ خالص دینی مناصب تھے اور بزرگوں کے اخلاص و تقویٰ، خلوص و للّٰہیت، ذکر و شغل اور اتباعِ سنت نے ان مناصب کے وقار کو اور بھی چار چاند لگا رکھے تھے لیکن افسوس ہے کہ کچھ عرصہ سے دینی مدارس کی روح دن بدن مضمحل ہوتی جارہی ہے، اساتذہ و طلبہ میں شب خیزی ذکر و تلاوت، زہد و قناعت، اخلاص و للّٰہیت اور محنت و جانفشانی کی فضا ختم ہو رہی ہے نمازِ فجر کے بعد تلاوتِ قرآنِ کریم کی جگہ عام طور پر اخبار بینی لے رہی ہے۔ ریڈیو اور ٹی وی جیسی منحوس چیزیں جدید تمدن نے گھر گھر پہنچا دی ہیں اور ہمارے دینی قلعے، دینی مدارس بھی ان وباؤں سے متاثر ہو رہے ہیں، یہ وہ دردناک صورت حال ہے جس نے اربابِ بصیرت اہلِ دل کو بے چین کر رکھا ہے، ہمارے مخدوم گرامی منزلت حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی متع اللہ الامۃ بحیاتھم الطیبۃ المبارکۃ نے اسی تاثر کی وجہ سے راقم الحروف کے نام ایک مفصّل والا نامہ تحریر فرمایا ہے۔ اربابِ

مدارس کی توجہ اور اصلاح کے لئے اسے ذیل میں نقل کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالےٰ اس کو ارباب مدارس کے لئے وسیلۂ عبرت و نصیحت اور توجہ بنائے آمین۔

مکتوب مُبارک

" مدارس کے روز افزوں فتن طلبہ کی دین سے بے رغبتی و بے توجہی اور لغویات میں اشتغال کے متعلق کئی سال سے میرے ذہن میں یہ ہے کہ مدارس میں ذکر اللہ کی بہت کمی ہوتی جارہی ہے بلکہ قریباً یہ سلسلہ معدوم ہی ہو چکا ہے اور اس سے بڑھ کر یہ کہ بعض میں تو اس لائن سے تنفر کی صورت دیکھتا ہوں جو میرے نزدیک بہت خطرناک ہے۔ ہندوستان کے مشہور مدارس دارالعلوم، مظاہر العلوم، شاہی مسجد مرادآباد وغیرہ کی ابتداء جن اکابر نے کی تھی وہ سلوک کے بھی امام الائمہ تھے۔ انہی کی برکات سے یہ مدارس ساری مخالف ہواؤں کے باوجود اب تک چل رہے ہیں۔

اس مضمون کو کئی سال سے اہل مدارس، منتظمین اور اکابرین کی خدمت میں تقریراً و تحریراً کہتا اور لکھتا رہا ہوں، میرا خیال یہ ہے کہ آپ جیسے حضرات اس کی طرف توجہ فرمادیں تو زیادہ مؤثر اور مفید ہوگا۔ مظاہر العلوم میں تو میں کسی درجہ میں اپنے ارادہ میں کامیاب ہوں اور دارالعلوم کے متعلق جناب الحاج مولانا قاری محمد طیب صاحب سے عرض کر چکا ہوں اور بھی اپنے سے تعلق رکھنے والے اہل مدارس سے عرض کرتا رہتا ہوں روز افزوں فتنوں سے مدارس کے بچاؤ کے لئے ضروری ہے کہ مدارس میں ذکر اللہ کی فضا قائم کی جائے۔ شرور فتن اور تباہی و بربادی سے حفاظت کی تدبیر ذکر اللہ کی کثرت ہے۔ جب اللہ تعالےٰ کا نام لینے والا کوئی نہ رہے گا تو دنیا ختم ہو جائے گی جب اللہ تعالیٰ کے پاک نام میں اتنی قوت ہے کہ ساری دنیا کا وجود اس سے قائم ہے تو مدارس کا وجود تو ساری دنیا کے مقابلہ میں دریا کے مقابلہ میں ایک قطرہ بھی نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے پاک نام کو ان کی بقاء و تحفظ میں جتنا دخل ہوگا ظاہر ہے۔

اکابر کے زمانہ میں ہمارے ان جملہ مدارس میں اصحاب نسبت اور ذاکرین کی جتنی کثرت رہی ہے وہ آپ سے بھی مخفی نہیں اور اب اس میں جتنی کمی ہو گئی ہے وہ بھی ظاہر ہے بلکہ اگر یوں کہوں کہ اس پاک نام کے مخالف حیلوں اور بہانوں سے مدارس میں داخل ہوتے جارہے ہیں تو میرے تجربہ میں تو غلط نہیں اس لئے میری تمنا ہے کہ ہر مدرسہ میں کچھ ذاکرین کی تعداد ضرور ہوا کرے۔

طلبہ کے ذکر کرنے کے تو ہمارے اکابر بھی خلاف رہے ہیں اور میں بھی موافق نہیں لیکن منتہی طلبہ یا

فارغ التحصیل یا اپنے سے یا اپنے اکابرین سے تعلق رکھنے والے ذاکرین کی کچھ مقدار مدارس میں رہا کرے اور مدرسہ ان کے قیام کا کوئی انتظام کر دیا کرے مدرسہ پر طعام کا بار ڈالنا تو مجھے بھی گوارا نہیں. طعام کا انتظام تو مدرسہ کے اکابر میں سے کوئی شخص ایک یا دو اپنے ذمہ لے لے یا باہر سے مخلص دوستوں میں سے کسی کو متوجہ کر کے ایک ایک ذکر کرنے والے کا کھانا کسی کے حوالہ کر دیا جائے جیسا کہ ابتداء میں مدارس کے طلبہ کا انتظام اسی طرح ہوتا تھا البتہ اہلِ مدارس ان کے قیام کی کوئی صورت اپنے ذمہ لے لیں جو مدرسہ ہی میں ہو اور ذکر کے لئے کوئی ایسی مناسب جگہ تشکیل کریں کہ دوسرے طلبہ کا کوئی حرج نہ ہو، نہ سونے والوں کا، نہ مطالعہ کرنے والوں کا۔

جب تک اس ناکارہ کا قیام سہارن پور میں رہا تو ایسے لوگ بکثرت رہتے تھے جو میرے مہمان ہو کر ان کے کھانے پینے کا انتظام تو میرے ذمہ تھا لیکن قیام اہلِ مدرسہ کی جانب سے مدرسہ کے مہمان خانہ میں ہوتا تھا اور وہ بدلتے سدلتے رہتے تھے، صبح کی نماز کے بعد میرے مکان پر ان کے ذکر کا سلسلہ ایک گھنٹہ تک ضرور رہتا تھا اور میری غیبت کے زمانہ میں بھی سنتا ہوں کہ عزیز طلحہ کی کوشش سے ذاکرین کی وہ مقدار اگرچہ نہ ہو مگر ۲۰۔۲۵ کی مقدار روزانہ ہو جاتی ہے، میرے زمانہ میں تو سو، سوا سو تک پہنچ جاتی تھی اور جمعہ کے دن عصر کے بعد مدرسہ کی مسجد میں تو دو سو سے زیادہ کی مقدار ہو جاتی تھی اور غیبت کے زمانہ میں بھی سنتا ہوں کہ ۴۰۔۵۰ کی تعداد عصر کے بعد ہو جاتی ہے ان میں باہر کے مہمان جو ہوتے ہیں وہ دس بارہ تک تو اکثر ہو ہی جاتے ہیں، عزیز مولوی نصیر الدین سلمہٗ اللہ تعالیٰ اس کو بہت جزائے خیر دے، ان لوگوں کے کھانے کا انتظام میرے کتب خانہ سے کرتے رہتے ہیں اسی طرح میری تمنا ہے کہ ہر مدرسہ میں دو چار ذاکرین ضرور مسلسل رہیں کہ داخلی اور خارجی فتنوں سے بہت امن کی امید ہے ورنہ مدارس میں جو داخلی اور خارجی فتنے بڑھتے جا رہے ہیں اکابر کے زمانہ سے جتنا بُعد ہوتا جائے گا اس میں اضافہ ہی ہوگا۔

اس ناکارہ کو نہ تحریر کی عادت، نہ تقریر کی، آپ جیسا یا مفتی محمد شفیع صاحب جیسا کوئی شخص میرے اس مافی الضمیر کو زیادہ وضاحت سے لکھتا تو شاید اہلِ مدارس پر اس مضمون کی اہمیت زیادہ واضح ہو جاتی۔ اس ناکارہ کے رسالہ ''فضائلِ ذکر'' میں حافظ ابن قیمؒ کی کتاب ''الوابل الصیب'' سے ذکر کے سو کے قریب فوائد نقل کئے ہیں جن میں شیطان سے حفاظت کی بہت سی وجوہ ذکر کی گئی ہیں، شیاطینی اثر ہی سارے فتنوں اور فساد کی جڑ ہیں فضائلِ ذکر'' سے یہ مضمون اگر جناب سن لیں تو میرے مضمون بالا کی تقویت ہو گی، اس کے بعد میرا مضمون تو اس قابل نہیں جو اہلِ مدارس پر کچھ اثر انداز ہو سکے، آپ میری درخواست

اور یہی ابلیسی طاقت ہے جس نے ویرانۂ قادیان میں مرزا غلام احمد قادیانی کے ذریعہ جھوٹی نبوت کا "خود کاشتہ پودا" نصب کیا، پھر تمام عالمِ اسلام میں اس شجرۂ ملعونہ کی قلمیں لگائیں اور ساڑھ ستر برس تک اپنے تمام فرعونی وسائل سے اس کی آبیاری کی اور قادیان کی جاسوسی نبوت کے ذریعہ عالمِ اسلام کو شقاق و نفاق اور تباہی و بربادی کے کنارے لاکھڑا کیا۔

اور پھر یہی دشمنِ اسلام طاقت تھی جس نے ایشیا سے افریقہ تک قادیانی نبوت کے جاسوسی سینٹر قائم کرائے اور مشرقی و مغربی افریقہ میں ان ممالک کی غلامی، ان کی جہالت و سادگی، ان کے فقر و فاقہ اور تنگ دستی فلاشی کی فضا مسلّط کر کے وہاں قادیانیت کا زہر پھیلایا، ان افریقی ممالک کے غلاموں کو یا تو عیسائی بننے پر مجبور کیا گیا یا اسلام کے نام پر انہیں قادیانی بنانے کی سازش کی گئی، یہی وجہ ہے کہ آج افریقی ممالک میں ان کے اسکول و ہسپتال ہیں، بڑے بڑے ادارے ہیں قادیانی مرتدین بڑے اونچے سرکاری مناصب پر فائز ہیں، ہر جگہ اسلام کے نام پر اسلام کی روح کو کچلنے، برطانیہ کی محبت پھیلانے "برطانیہ کے خلاف جہاد حرام ہے" کی تبلیغ کرنے کے لئے قادیانیوں کے جاسوسی اڈے قائم ہیں۔

جس طرح ہندوستان پر انگریز کا تسلّط تمام دنیا پر انگریزی تسلّط کا کفیل تھا، ہندوستان آزاد ہوا تو یکے بعد دیگرے دیگر ممالک بھی آزاد ہوتے چلے گئے، اسی طرح پاکستان پر قادیانی تسلّط تمام دنیا میں ان کے جاسوسی اڈے قائم کرنے کا ذریعہ تھا، ستمبر ۱۹۷۴ء کے قومی فیصلے سے پاکستان میں قادیانیوں کے دجل و تلبیس کا دہانہ خشک ہو چکا ہے، اس لئے اب بیرونی ممالک کے مسلمانوں کو ان انگریزی جاسوسوں کے فتنہ سے بچانا ضروری ہے۔ چنانچہ افریقی ممالک کے مسلمانوں کو قادیانیوں کے عزائم سے آگاہ کرنے اور وہاں قادیانیوں کی سرگرمیوں کا جائزہ لینے کے لئے ایک مختصر سے وفد کی تشکیل کی گئی جس کے لئے مشرقی افریقہ کے چند ممالک کے دورہ کا نظام مرتب کیا گیا (اس کی دوسری قسط یعنی مغربی افریقہ کے ممالک کا دورہ باقی ہے) چنانچہ کینیا، تنزانیہ، زمبیا، یوگنڈا وغیرہ ممالک کے مختلف شہروں کا دورہ کیا، یہ دیکھ کر بڑا صدمہ ہوا کہ برطانوی حکومت نے اپنے سامراجی دور میں ان غریب افریقی ممالک پر علمی و دینی اور اقتصادی لحاظ سے کتنے روح فرسا مظالم کئے ہیں، ہر جگہ عیسائیت کے جلو میں قادیانی نبوت کے لئے راستہ ہموار کیا گیا، اور اسلام کے نام پر اسلام کی بیخ کنی کی گئی۔ برطانیہ کو بجا طور پر احساس تھا کہ اسے کسی نہ کسی دن ان ممالک کو اپنی غلامی کے پنجۂ جور و ستم سے آزاد کرنا ہوگا، خیال تھا کہ اگر قادیانی نبوت کے پیرو ان کے

کوزر دار الفاظ میں نقل کرا کر اپنی یا میری طرف سے بھیج دیں تو شاید کسی پر اثر ہو جائے۔

دار العلوم، مظاہر علوم اور شاہی مسجد کے ابتدائی حالات آپ کو مجھ سے زیادہ معلوم ہیں کہ کن صاحبِ نسبت اصحابِ ذکر کے ہاتھوں ہوئی ہے انہی کی برکات سے یہ مدارس اب تک چل رہے ہیں۔ یہ ناکارہ دعاؤں کا بہت محتاج ہے، بالخصوص حسنِ خاتمہ کا کہ گور میں پاؤں لٹکائے بیٹھا ہے۔" والسلام

(حضرت شیخ الحدیث مدظلہ۔ بقلم حبیب اللہ۔ ۳۰ نومبر ۷۵ء، مکۃ المکرمہ)

جامعۃ العلوم الاسلامیہ میں التخصّص فی الفقہ الاسلامی کا اجراء

علوم خواہ شرعیہ ہوں یا عقلیہ، دینیہ ہوں یا دنیویہ، ان کی وسعت وہمہ گیری معلوم ومسلم ہے ایک طرف تو یہ صورتِ حال! دوسری طرف طبائع کی آسانی پسندی اور جفاکشی ومحنت سے گریز، پھر جدید دنیا کے تمدن کی وجہ سے یکسوئی خاطر ناممکن، اس لئے موجودہ صورتِ حال کے پیشِ نظر کسی شخص کا تمام علوم میں متبحر ووسیع النظر ہونا اگر ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے، پھر اس پر مستزاد اذواق کا اختلاف، کسی کو حدیث سے مناسبت، کسی کو فقہ سے ذوق، کسی کو معقول سے دلچسپی، کسی کو ادبی علوم سے لگاؤ اور تفاوتِ عقول اور ادراک وفہم کے مدارک کا اختلاف بھی ضروری ہے، قدماءِ امت میں بھی علوم کے متخصصین ہوتے تھے، سیبویہ اگر عربیت میں امام ہے تو فقہ واصول میں طفلِ مکتب، عبد القاہر جرجانی اگر بلاغت کا امام ہے تو علومِ حدیث میں صفر، بہت کم افراد ایسے ملتے ہیں جو ہر علم میں امامت کے درجہ پر فائز ہوں، ان وجوہ کے پیشِ نظر عرصہ سے یہ آرزو رہا کرتی تھی کہ ضروری علوم کے بعد یہ ضروری ہے کہ مختلف فنون میں تخصص کے درجات جاری کئے جائیں، چنانچہ دار العلوم الاسلامیہ ٹنڈو اللہ یار کے سابقہ ماہنامہ "دعوۃ الحق" میں آج سے اٹھارہ سال قبل اس کی تفصیل عرض کی تھی، خوشی ہے کہ وہ صدا بصحراء ثابت نہیں ہوئی اور جامعہ اسلامیہ عباسیہ بہاول پور میں جو محکمہ اوقاف کی جامعہ ہے، ان تخصصات کے جاری کرنے کا اعلان کر دیا گیا تھا لیکن اساتذہ وطلبہ کے فقدان سے وہاں معیارِ مطلوب قائم نہیں ہوسکا، چار سال سے مدرسہ عربیہ اسلامیہ میں "التخصص فی الحدیث" کا اجراء ہو چکا ہے اور الحمد للہ کہ توقع سے بالاتر اس کے ثمرات ظاہر ہو رہے ہیں، دو سال سے التخصص فی الفقہ الاسلامی کے اجراء کا ارادہ ہوتا رہا لیکن جس انداز سے کام کرنا پیشِ نظر تھا اس کے لئے کوئی متخصص فی الفقہ عالم فارغ نہ تھا جس کی نگرانی میں کام کیا جائے: اس سال سابق اساتذہ میں مولانا مفتی ولی حسن صاحب ٹونکی کی نگرانی وتربیت میں اس شعبہ کے اجراء کا فیصلہ اساتذہ کے جلسۂ شوریٰ میں ہو چکا تھا: اس کے بعد ماہنامہ دار العلوم کراچی "البلاغ" میں یہ خوشخبری بھی پڑھی کہ حضرت مفتی مولانا محمد شفیع صاحب کی نگرانی میں دار العلوم کراچی میں یہ شعبہ جاری ہو رہا

ہے اللہم زد فزد بہت اچھا ہوا، خدا کرے کہ بقیہ اربابِ مدارس علیا دینیہ کو بھی توجہ ہو اور وہ
بھی اپنی اپنی استعداد کے مطابق یہ سلسلہ جاری کریں، التخصص فی الفقہ کے لئے اسی معیار پر داخلہ
ہوگا جس پر التخصص فی الحدیث کے لئے ہوتا ہے، مدت دو سال، وظیفہ ماہانہ ۶۰ روپے، کام
۷ گھنٹہ کرنا ضروری ہوگا کتبِ فقہ، اصول فقہ اور اس کے متعلقات کا مطالعہ کرایا جائے گا جو کم از
کم بیس ہزار صفحہ ہوگا، مقالات لکھوائے جائیں گے، قضاء و افتاء کی تمرین کرائی جائیگی، بہت معتدبہ
قواعد یاد کرائے جائیں گے اس کی تفصیلات بینات کے کسی آئندہ شمارے میں پیش کی جائیں
گی، انشاء اللہ داخلہ ۱۵ ر شوال سے ہوگا۔

رمضان المبارک ۱۳۸۸ھ

دار التصنیف سے حضرت مولانا محمد اسحاق صاحب کا انسلاک

مدرسہ عربیہ اسلامیہ میں کچھ عرصہ سے باضابطہ اور مستقل طور پر دار التصنیف کا شعبہ قائم کیا گیا ہے جس کا بنیادی مقصد دین اور علم دین کی اس انداز سے خدمت کرنا ہے جس کے ذریعہ عصری دینی و علمی تقاضے پورے ہو سکیں جس طرح تدریس کے ذریعہ علوم دینیہ اسلامیہ عربیہ سے ایک "صالح عالم" عنصر تیار کرنا مقصود ہے اسی طرح تصنیف و تالیف کے ذریعہ جدید نسل کی ذہنی اور دینی تربیت مقصود ہے، اس مقصد کے پیشِ نظر اس شعبہ کی صحیح خدمت کے لئے ایک ایسی شخصیت کی بھی ضرورت تھی جو بیک وقت عربی اردو انگریزی تینوں زبانوں کا صاحبِ علم ادیب ہو عرصہ سے یہ آرزو تھی، الحمدللہ کہ یہ آرزو پوری ہو گئی اور حضرت مولانا محمد اسحاق صاحب سندیلوی جو دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے شیخ الحدیث اور مہتمم تھے۔ وہ تشریف لائے اور اس شعبہ میں ہمارے رفیقِ کار بن گئے، موصوف الحمدللہ تینوں زبانوں میں مصنف ہیں اور پختہ کار کہنہ مشق فاضل ہیں، علم و عمل سیرت و صورت سب میں ممتاز اور حکیم الامت قدس اللہ سرہٗ کے سلسلہ سے وابستہ ہیں، سنجیدہ مفکر، سیاست دان عالم دین ہیں۔ زیادہ لکھنے سے قلم اس لئے رک رہا ہے کہ اب وہ ہمارے رفیقِ کار ہیں، بضرورت یہ چند کلمے لکھنے پڑے ہیں، اس وقت علاوہ تصنیف و تالیف کے مولانا موصوف کو فقہ اسلامی کے تخصص کے طلبہ و رفقاء کی تربیت سپرد کر دی گئی ہے تاکہ مدرسہ سے بھی رابطہ قائم رہے، توقع ہے کہ اللہ تعالےٰ کے فضل و کرم سے بہت جلد ان کے افاداتِ قلمیہ کے جواہر ریزے اُمت کے سامنے پیش ہوں گے، حق تعالےٰ ہم سب کو اخلاق و حُسنِ نیت اور صحیح جد و جہد کی توفیق عطا فرمائے، اس وقت اس شعبۂ تصنیف میں احادیثِ نبویہ پر متعدد جہات سے ٹھوس علمی کام ہو رہے ہیں، ان کی تفصیلات اُمت کے سامنے لانا یہ ہماری مزاج کے خلاف ہے، حق تعالےٰ قبول فرمائے اور امتِ محمدیہ کو نفع پہنچائے۔ یہ نا تمام اشارات اربابِ بصیرت کے لئے ان شاء اللہ کافی ہیں؛ ہماری آرزو یہی ہے کہ جو کام اس وقت کہیں نہ ہو رہا ہو وہ یہاں سے ہو جائے۔

وَمَا تَوْفِیْقِیْ إِلَّا بِاللّٰہِ عَلَیْہِ تَوَکَّلْتُ وَإِلَیْہِ أُنِیْبُ۔

ذوالحجہ ۱۳۹۰ھ، فروری ۱۹۷۱ء

مدرسہ عربیہ اسلامیہ کی تاسیس وابتداء اور ارتقائی مراحل

مدرسہ عربیہ اسلامیہ کراچی کی ابتداء درجۂ تکمیل سے کی گئی تھی، کچھ تو وسائل پیش نظر نہیں تھے اور کچھ اس لئے کہ ملک کے طول و عرض میں دینی درس گاہیں بکثرت موجود ہیں ہمیں اس چیز کی طرف توجہ کرنی چاہیئے جس کی شدید ضرورت ہے مگر اس کی طرف کسی کی توجہ نہیں ہے اس لئے یہی اعلان کیا گیا کہ فارغ التحصیل مستند درس گاہوں کے سند یافتہ حضرات کے لئے حسب ذیل مضامین کا اجراء ہوگا۔

الف :- علوم قرآن اور مشکلات قرآن کا درس ہوگا۔

ب :- صحیح بخاری کا درس اس انداز سے دیا جائے گا جس میں آراء رجال سے زیادہ توجہ علوم نبوت اور اغراض دین پر ہوگی اور ان مضامین کو زیادہ ابھارا جائے گا جس سے دور حاضر کے امراض کی اصلاح ہو۔

ج :- مذاہب اربعہ کے فقہی اجتہادات پر غور و خوض ہوگا اور ابن رشد کی کتاب "بدایۃ المجتہد" جو اسی موضوع کی کتاب ہے زیر مطالعہ ہوگی۔

د :- ادب اور تاریخ ادب کا درس ہوگا، عربی ادبی اسلوب کی کتابت اور خطابت کا سلیقہ پیدا کرنے کی جدوجہد ہوگی اور "الوسیط" کا درس دیا جائے گا۔

ھ :- حجۃ اللہ البالغہ کی تدریس اور احکام شرعیہ کے مصالح و اسرار پر بحث ہوگی۔

ز :- مقدمہ ابن خلدون پڑھایا جائے گا اور علوم اسلامیہ کی تاریخ وار تقائی ادوار زیر بحث لائے جائیں گے۔

اعلان کیا گیا اور اس مقصد کی تکمیل کے پیش نظر دس فارغ التحصیل مستند درس گاہوں کے فاضل سند یافتہ پہنچ گئے لیکن آگے چل کر جو ان دینی درس گاہوں کی نسل سامنے آتی تھی ان کی استعداد علمی بہت ناقص ہوتی تھی اور وہ ہمارے اس درجہ تکمیل میں چل نہیں سکتے تھے اس لئے مجبوراً نیچے اتر کر دورۂ حدیث کا درجہ شروع کیا گیا، پھر یہی مشکل اس درجہ میں پیش آئی کہ تعلیم ناقص استعداد کی مجبور ہو کر یہ بار گراں سر پہ اٹھایا اور تمام درجات نصاب درس نظامی کے جاری کئے لیکن ساتھ ساتھ تین مضامین کو اپنی درس گاہ کی خصوصیت بنایا :-

الف :- درس قرآنِ کریم ابتداء سے لازمی کر دیا گیا اور اسے پانچ سالوں میں تقسیم کیا گیا۔

ب :- عربی زبان کے بولنے لکھنے کی تمرین جاری کر دی گئی۔

د :- حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت ابتداء سے ہر درجہ میں لازم کر دی گئی۔

ج :- مختلف درجات میں نصاب میں ترمیم کر کے عمدہ مفید کتابوں کا اضافہ کیا گیا۔

ھ :- بعض درجات تخصص کے جاری کر دیے گئے۔

ایک طرف اسلامی علوم کا سمندر ناپیدا کنار، دوسری طرف جدید علمی نسل کی دماغی کم مائیگی دونوں پر غور کرنے کے بعد ضروری سمجھا گیا کہ اب ضرورت اس کی ہے کہ ہر فارغ شدہ کے طبعی ذوق فطری صلاحیت اور علمی استعداد و قابلیت کے پیشِ نظر تخصصات (ڈاکٹریٹ) کے درجے کھولے جائیں، چنانچہ دینی درسگاہوں کی ضرورت کے پیش نظر کہ علومِ حدیث کے ماہرین بہت کم ہوتے جا رہے ہیں اور درسِ حدیث کے حق ادا کرنے والے ناپید ہوتے جا رہے افتتاح درجہ "التخصص فی الحدیث" سے کیا گیا جس کی تفصیل کا اب یہ موقع نہیں اس کے بعد "التخصص فی الفقہ الاسلامی" اور اس کے چند سالوں بعد "التخصص فی الدعوۃ والارشاد" جاری کر دیا گیا اور "التخصص فی علوم القرآن ومشکلاتہ" اور "التخصص فی الکلام الجدید والفلسفۃ الجدیدۃ" اور "التخصص فی تاریخ الاسلام" وغیرہ کا افتتاح ہوگا، اس آخری تخصص کے ذیل میں مستشرقین نے اسلام کی تاریخ کو جس طرح مسخ کیا ہے اس کی تنقید و اصلاح بھی ہوگی، ظاہر ہے کہ ہمارے وسائل محدود ہیں اور رجالِ کار مفقود، یہ آسان نہیں کہ ایک ہی دفعہ تمام درجات کھولے جائیں۔ اس لئے آہستہ آہستہ اپنی قدرتی امکانیات کے پیشِ نظر آگے کی طرف قدم بڑھ رہے ہیں، ہماری آرزو تھی کہ قاہرہ جو اسلامی علمی ملکوں میں علومِ اسلامیہ کی خدمت میں مرکزیت حاصل کر چکا ہے وہاں جا کر جدید نظامِ تعلیم "الدراسات العلیاء" اور "التخصصات" کے جدید نظاموں سے واقفیت حاصل کی جائے حسنِ اتفاق سے المجلس الأعلی للشئون الإسلامیۃ کے الأمین العام یعنی امورِ اسلامیہ مذہبیہ کے ڈائریکٹر السید محمد توفیق عویضہ مدرسہ عربیہ اسلامیہ تشریف لائے ان کے ساتھ دس حضرات رفقاءِ کرام تھے جن میں علی خشبہ مصری سفیر وغیرہ اہم شخصیتیں تھیں، ہماری خدمت اور علمی نظام سے بے حد متاثر ہوئے اور انہوں نے ہر قسم کے تعاون کا وعدہ فرمایا جو پورا کر رہے ہیں۔ اسی ذیل میں پانچ وظیفے ڈاکٹریٹ کے منظور فرمائے اور فوراً ٹکٹ بھیج کر بطور مہمانِ خصوصی قاہرہ آنے کی دعوت دی اور

ساتھ ہی ہمارے رفیقِ گرامی مولانا عبدالرزاق صاحب ہزاروی جو مدرسہ کے استاذ اور جامعہ اسلامیہ مدینہ کے ممتاز سند یافتہ تھے اور عربی ادب میں مؤلف اور مدرس تھے ڈاکٹریٹ کے لئے ان کا انتخاب کیا، وہ بھی ساتھ تشریف لے گئے موصوف کی دعوت اور تعاون پر ہم دونوں قاہرہ پہنچ گئے، برادرم محترم مولانا عبدالرزاق صاحب نے وہیں حسبِ ذیل مضمون پر ڈاکٹریٹ کے لئے جامعہ قاہرہ میں داخلہ لیا اور الحمدللہ کامیاب ہو کر واپس آ گئے جن کے ذریعہ ہم اپنے تخصصات کو جدید باقاعدہ نظام کے سانچے میں ڈھال سکیں گے، برادر موصوف کا روانگی سے قبل تار ملا اور پھر ایک مکتوب ملا تھا نامناسب نہ ہوگا اگر ہم ذیل میں اس مکتوب کا اقتباس درج کریں :-

"سبق أن أرسلت برقية إلى نضيلتكم بمناسبة حصولي على شهادة الدكتوراه من جامعة القاهرة لعلها قد وصلتكم، كانت مناقشة الرسالة يوم الاربعاء ۲۲ محرم، ۱۳۹۷ھ، الموافق ۱۲ يناير ۱۹۷۷م واستمرت نحو خمس ساعات، وحضرها أكثر من مائتي عالم وطالب علم، وأكرمني الله بحسن التقديم وصحة الاجابة كما أثنى كل واحد من أعضاء لجنة المناقشة على الرسالة وترتيبها والجهود التي صرفت، وأخيراً أعلنت اللجنة بمنح شهادة الدكتوراه بتقدير جيد جداً مع مرتبة الشرف. والحمد لله"

ربیع الاوّل ۱۳۹۷ھ ، مارچ ۱۹۷۷ء

قدیم وجدید نصابِ تعلیم کا امتزاج

جامعہ اسلامیہ بہاول پور، اسلامی اوقاف کی برکت سے وجود میں آیا اور اب اس کی حیثیت قانون کی رو سے، حکومت کی یونیورسٹی کی ہوگئی، مغربی پاکستان کا گورنر اس کا چانسلر ہوگا اور اس کے گریجویٹوں کی حیثیت وہی ہوگی جو پشاور، لاہور و کراچی یونیورسٹیوں کی ہے، محکمۂ اوقاف اور جامعہ اسلامیہ بہاول پور نے علماءِ کرام و جدید تعلیم یافتہ حضرات کے عملی تعاون سے ہفدہ سالہ نیا نصاب تعلیم تیار کیا ہے جس میں بہ یک وقت علوم دینیہ و علومِ دنیویہ، عربی اور انگریزی کا دو آبہ تجویز کیا ہے اور ایک مرتبہ پھر سابق ناکام تجارب کے باوجود جدید تجربہ کیا جارہا ہے، مزید برآں کارکنانِ جامعہ کی یہ خواہش ہے کہ ملک کے دینی مدارس و معاہد و مراکز بھی ان کا نصاب اپنے ہاں جاری کریں یا ان سے الحاق کرائیں تاکہ جامعہ کی یہ ممتاز جامعیت قوم میں مسلم ہوجائے، جذبوریہ نشینوں کی جد و جہد سے عربی دینی مدارس مغربی پاکستان کا ایک فیڈریشن (وفاق) وجود میں آچکا ہے جس میں اس وقت ایک سو بہتر چھوٹے بڑے مدارس شریک ہوچکے ہیں اور آخری سالانہ امتحان بیک وقت مختلف مراکز میں خصوصی ناظمین امتحان کی نگرانی میں ہورہا ہے اور کامیاب طلبہ کو وفاق ہی کی طرف سے سند دی جاتی ہے۔ "وفاق المدارس" کی مجلسِ عاملہ و مجلسِ شوریٰ کا اجلاس ۲۸، ۲۹، ۳۰ جمادی الاولیٰ ۸۴ھ مطابق ۶، ۷، ۸، اکتوبر ۶۴ء ملتان میں منعقد ہوا جس میں جامعہ اسلامیہ بہاول پور کے نصابِ تعلیم و نظامِ تعلیم پر بھی غور ہوا اور باتفاق یہ طے ہوا کہ اس صدی میں اس قسم کے جتنے تجربے ہوئے وہ سب ناکام ثابت ہوچکے ہیں، دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ، مدرسہ الٰہیات کانپور، جامعہ عثمانیہ حیدر آباد دکن، جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی، جامعہ عباسیہ بہاول پور، ان سب چوٹی کی درسگاہوں میں یہ تجربہ ناکام ثابت ہوا ہے، کوئی بھی جامع قسم کا فاضل و محقق ان مراکز میں ان مخلوط نصابوں سے تیار نہ ہوسکا، الا ماشاء اللہ۔ آزمودہ را آزمودن خطا است

اس لئے اربابِ جامعہ کو یہ مشورہ دیا گیا ہے کہ بجائے اس مخلوط تعلیم کے بہتر یہ ہوگا کہ علومِ عصریہ و انگریزی کے لئے ایک علیحدہ درسگاہ قائم کی جائے جس میں مستند عربی درسگاہوں کے فارغ التحصیل حضرات کو علومِ عصریہ کی تعلیم و تربیت دی جائے اور انگریزی گریجویٹوں کے لئے ایک دینی درسگاہ

قائم کی جائے جس میں علوم دینیہ عربیہ کا چہار سالہ نصاب تعلیم ترتیب دے کر علوم ضروریہ دینیہ کی تعلیم وتربیت دی جائے، اس طرح اس نقص کو دور کیا جاسکے گا اور جن مضرتوں کا دونوں قسم کے نصابوں کے اجتماع سے پیدا ہونے کا یقین ہے وہ ختم ہو جائیں گی اور مقصد حاصل ہو جائے گا اور ملک وملت کی خدمت کے لئے اس طرح صحیح افراد تیار ہو سکیں گے، وفاق المدارس اصلی مقصد سے بالکل متفق ہے کہ عصرِ حاضر میں ایسے افراد کی ضرورت ہے جو دونوں قسم کے علوم کے جامع ہوں، لیکن طریقۂ کار سے اختلاف ہے، بڑے مدارس اس خدمت کے لئے تیار ہیں کہ وہ اپنی سرپرستی میں جدید علوم عصریہ اور انگریزی زبان کی تعلیم کے لئے شعبے قائم کریں بشرطیکہ محکمۂ اوقاف صحیح طریق پر تعاون کرے، الغرض اس طریقہ پر جانبین میں جو بعد المشرقین حائل ہے وہ بھی دور ہو جائے گا اور صحیح افراد کار تیار کرنے میں اس دینی مواخاۃ سے صحیح اور بہتر نتائج پیدا ہو سکیں گے، وفاق المدارس کی تجویز حسب ذیل ہے:۔

"مجلسِ عاملہ وشوریٰ وفاق المدارس العربیہ پاکستان ملتان، اجلاس منعقدہ ۲۸، ۲۹، ۳۰ جمادی الاولیٰ ۱۳۸۴ھ۔

مجلس عاملہ وشوریٰ وفاق المدارس العربیہ جامعہ اسلامیہ بہاول پور کے مجوزہ "نصاب" کے بارے میں اس قطعی رائے کا اظہار ضروری سمجھتی ہے کہ علوم عربیہ دینیہ کے ساتھ ساتھ علوم عصریہ اور انگریزی زبان کو بیک وقت جمع کرکے پڑھانا ایک طالب علم کے لئے قطعاً غیر مفید ہے، عربی علوم دینیہ اور عصری علوم کے نصاب ہائے تعلیم میں سے ہر ایک نصاب بجائے خود ایک مستقل نصاب تعلیم ہے، ہر ایک نصاب کو اس نظریہ کو پیش رکھ کر مرتب کیا گیا ہے کہ طالبِ علم اپنی عمر کا وہ عزیز حصہ جو تحصیلِ علم کے لئے عموماً مختص ہوتا ہے پورا کا پورا انتہائی یکسوئی کے ساتھ اس میں صرف کردے تاکہ وہ اس نصاب کی تکمیل کے بعد فاضل علومِ دینیہ (عالمِ دین)، یا فاضل علومِ عصریہ (گریجویٹ) بننے کا اہل کما حقہ ثابت ہو سکے، اگر ان دونوں نصابوں میں قطع برید سے کام لے کر کوئی متوسط نصاب مرتب کیا گیا تو نہ وہ ضرورت کی حد تک عربی علوم ضروریہ کا حامل ہوگا اور نہ عصری علوم ضروریہ کا، اور اس نصاب کی تکمیل کے بعد اس کا فارغ التحصیل طالب علم فی الحقیقۃ نہ تو عالمِ دین کہلانے کا اہل ہوگا اور نہ اچھا گریجویٹ بن سکے گا۔

گذشتہ نصف صدی میں اس قسم کے متعدد تجربات ناکام ثابت ہو چکے ہیں، سب سے پہلے علامہ شبلی مرحوم نے ندوۃ العلماء لکھنؤ میں اس تجربہ کا آغاز کیا، اس کے بعد علامہ عبدالحمید فراہی نے مدرسہ الٰہیات کانپور میں اسی راہ کو اختیار کیا، جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن میں نظامِ دکن کی سرپرستی میں اسی مقصد کے حصول کے لئے قائم ہوا، علاوہ ازیں جامعہ ملتِ اسلامیہ دہلی جس کا سنگِ بنیاد حضرت شیخ الہند قدس سرہٗ کے مقدس ہاتھوں سے رکھا گیا تھا اسی مقصد کے لئے قائم ہوا، خود جامعہ عباسیہ میں یہی تجربہ کیا گیا لیکن یہ تمام تجربے ناکام ثابت ہوئے اور ان درس گاہوں میں اس مخلوط نصابِ تعلیم سے عموماً کسی ایک جانب کے بھی "رجال کار" پیدا نہ ہو سکے۔

بنا بریں وفاق المدارس العربیہ کا یہ اجلاس کسی ایسے نصابِ تعلیم کو مفید نہیں سمجھتا اور نہ اس کی تائید کر سکتا ہے جو دونوں نصابوں کو مخلوط کر کے مرتب کیا گیا ہو۔

البتہ وفاق المدارس محکمہ اوقاف اور جامعہ اسلامیہ بہاول پور کو یہ ضروری مشورہ دینا اپنا فرض سمجھتا ہے کہ وہ وفاق المدارس کے زیرِ سرپرستی مذکورہ ذیل دو قسم کی درسگاہیں قائم کرے :-

نمبر (۱) وہ شعبہ جس میں علومِ عصریہ اور انگریزی زبان کا سہ سالہ مختصر نصاب پڑھایا جائے۔

نمبر (۲) وہ شعبہ جس میں علومِ دینیہ کا سہ سالہ مختصر نصاب پڑھایا جائے، آزاد عربی درسگاہوں کے فارغ التحصیل طلبہ پہلی قسم کی درسگاہوں میں داخل ہو کر بقدرِ ضرورت عصری علوم حاصل کریں اور کالجوں کے فضلاء (گریجویٹ) دوسری قسم کی درسگاہوں میں داخل ہو کر بقدرِ ضرورت عربی اور دینی علوم سے بہرہ اندوز ہوں۔

وفاق المدارس کے اس اجلاس کی نظر میں اس طرح دونوں نصابوں کے فضلاء ملک و ملت کی حقیقی ضرورت کی تکمیل اور بقاء و استحکام کا باعث بن سکیں گے۔ انشاء اللہ العزیز۔ والسلام

یکم جمادی الثانیہ ۱۳۸۴ھ مطابق ۸ اکتوبر ۱۹۶۴ء

مجھے امید ہے کہ محکمہ اوقاف کے ناظمِ اعلیٰ اور جناب حامد حسن صاحب وفاق المدارس کی اس قرارداد اور میری ان گذارشات پر خصوصی توجہ فرمائیں گے اور اپنی رائے سے مطلع کریں گے۔

جمادی الثانیہ ۱۳۸۴ھ

"مدارسِ دینیہ اور مدارسِ عصریہ کے نصابِ تعلیم کا تقابل"

چند دن ہوئے ایک مقامی روزنامے میں ایک محترم کا مضمون شائع ہوا تھا (جس سے بظاہر مقصد اظہارِ افسوس تھا) کہ موجودہ مدارسِ اسلامیہ عربیہ دینیہ کا نصابِ تعلیم ناقص ہے اور صحیح رجال کار پیدا نہیں ہوتے، ضرورت ہے کہ مدارس میں جدید علوم اور انگریزی زبان میں مہارت حاصل کی جائے تاکہ سرکاری دفاتر میں یہ فارغ التحصیل حضرات کام کر سکیں، ورنہ یہ بیکار کس کام کے ہیں۔

ہمیں نیت پر شبہ کرنے کی حاجت نہیں، بظاہر اخلاص ہی سے یہ مشورہ دیا گیا ہوگا اور دل سوزی سے اس مقصد کا اظہار کیا گیا ہوگا، لیکن عام تاثر یہ ہوا کہ مدارسِ عربیہ دینیہ کی تحقیر کی گئی ہے مضمون نگار کا مقصد اپنے کمال کا اظہار ہو یا اربابِ مدارس کی توہین، لیکن مجموعی اعتبار سے مضمون غیر سنجیدہ سمجھا گیا۔

مجھے اس وقت تفصیلات میں جانے کی ضرورت نہیں مدارسِ دینیہ کے نصابِ تعلیم کا مسئلہ عرصۂ دراز سے موضوعِ بحث ہے اور ہر صاحبِ فکر ہر دور میں ترمیم کرتا چلا آیا ہے تاکہ اس کی افادیت واضح ہو، بہتر ہوتا اگر مضمون نگار اربابِ مدارسِ دینیہ کو مشورہ دینے کے بجائے اربابِ مدارسِ دنیویہ کو مشورہ دیتے کہ عصرِ حاضر کے "سرکاری مدارس" اور حکومت کے "تعلیمی ادارے" چونکہ قطعاً اس قابل نہیں ہیں کہ مسلمان نسل کی صحیح تربیت کریں ان میں صرف جدید علوم پر کفایت کی جاتی ہے اس لئے اگر نئی نسل کو اسلام پر رکھنا ہے تو ان کی دینی تربیت اور ان کو صحیح مسلمان بنانے کے لئے بے حد ضروری ہے کہ نصابِ تعلیم میں ترمیم کریں اور دینیات اور عربی زبان کی مہارت کو لازمی قرار دیں تاکہ جو جدید تعلیم یافتہ کسی سرکاری ادارے میں پہنچے تو وہ نہ صرف مسلمان ہو بلکہ عالم بھی ہو، صرف جاہل انگریزی داں نہ ہو، موجودہ مدارسِ حکومت کا نصابِ تعلیم یکسر فرسودہ ہے، یہ نصاب جو انگریزی دور کے آثارِ قدیمہ سے تعلق رکھتا ہے، اپنی افادیت قطعاً کھو چکا ہے، اس کا کام چند خودسر، آوارہ مزاج اور دین بیزار افسران اور کلرک تیار کرنا ہے اور بس، ملک و ملت

کے تقاضوں سے اسے کوئی سروکار نہیں، قومی ضروریات کیا ہیں اس سے اسے کوئی واسطہ نہیں یہ نصابِ تعلیم انگریزوں کی نقل اور مکھی پر مکھی مارنے کے سوا کچھ نہیں سکھاتا، اگر یہ مملکت مسلمانوں کی ہے اگر یہاں اسلام کی کسی درجہ میں ضرورت ہے، اگر نئی نسل کو اسلام سے روشناس کرانا ضروری ہے اور اگر مسلمان بن کر ملک وملت کی خدمت کرنی ہے تو نصابِ تعلیم میں عربی زبان لازمی کرنی چاہیئے اور دینی علوم، فقہ، حدیث، صرف ونحو، فرائض معانی بیان وغیرہ بھی لازمی طور پر نصاب کا جز ہوں تاکہ سرکاری اداروں میں کام کرنے والے مسلمان بھی ہوں اور عالمِ دین بھی ہوں، ظاہر ہے کہ اسلام دنیاوی تقاضوں سے زیادہ قابلِ توجہ ہے، اگر قدیم درسگاہوں کے فارغ التحصیل دنیا کے مال ومتاع سے محروم رہے، دنیا کی منڈی میں ان کے بیش قیمت جواہر کا کوئی خریدار نہیں اور وہ سرکاری ادارہ کی ملازمت سے مستفید نہ ہوسکے تو جدید علوم کے حاملین دین کے متاعِ گراں مایہ سے محروم رہے اور آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہ رہا، گویا قدیم نصاب والوں کو دنیا نہیں ملی تو جدید والوں کو دین نہیں ملا، اب دیکھئے کہ زیادہ خسارہ میں کون رہا؟ نقصان کس کا زیادہ ہوا؟ اگر یہ مشورہ اربابِ مدارسِ دینیہ کو دیا جاسکتا ہے کہ وہ جدید علوم کو داخلِ نصاب کرلیں، تو اس سے زیادہ اہم اور نہایت مفید مشورہ سرکاری مدارس کو دیا جانا چاہیئے کہ قدیم علوم بھی پڑھائے جائیں تاکہ نئی نسل مسلمان رہے اور دنیا کے متاع کے ساتھ متاعِ آخرت سے بھی مالامال ہو۔

جدید علوم جن کا نام رکھا ہے غور کرنے کے بعد معلوم ہوگا کہ سب سے زیادہ مدار انگریزی زبان پر ہے، انگریزی زبان جو "انگریز پرستی" کی یادگار ہے آج اگر اس کو خانہ بدر کیا جائے اور تمام جدید علوم کو اردو میں منتقل کیا جائے تو علومِ جدید کا یہ سارا شور وغل اور غلغلہ یکسر ختم ہوجاتا ہے، آج کل جدید تعلیم یافتہ حضرات میں سوائے انگریزی لکھنے پڑھنے بولنے کے اور کیا کمال ہے؟ بلکہ بقول ہمارے استاذ حضرت شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی کے "انگریزی ان حضرات کے جہل پر نقاب" ہے اگست ۱۹۴۷ء میں جو پہلا اجلاس ہوا حضرت مرحوم بنگال سے متفقہ نمائندہ منتخب ہوگئے تھے اسمبلی کے ممبر تھے، اسمبلی میں تقریریں سب یا اکثر انگریزی میں ہوئیں، مرحوم کو بہت صدمہ تھا، اکثر فرمایا کہ اردو میں

تقریریں کریں تو معلوم ہو کہ کیا کہا گیا، غلط بات کا جواب بھی دے سکیں، یہ انگریزی تو ان کے جہل پر نقاب ہے، بالکل سچ فرمایا اور ایک حقیقت کا اظہار عجیب انداز سے فرمایا۔

جس وقت وکالت کے لئے انگریزی زبان لازم نہ تھی کتنے اربابِ علم تھے کہ جنہوں نے اردو میں وکالت کا امتحان دیا جن کے سامنے یہ ایڈوکیٹ بیرسٹر دم بھی نہیں مار سکتے تھے، یہ تو ملک کی بدنصیبی ہے کہ انگریز گئے لیکن انگریزیت چھوڑ گئے، اب انگریزی کی محبت دلوں میں سرایت کر گئی اور انگریزی زبان کی محبت کے ساتھ تمام خدا فراموش زندگی اور تہذیب وتمدن کے مہلک جراثیم قوم کی زندگی میں ایسے پیوست ہو گئے کہ اب ان کا نکالنا کارے دارد، بلاشبہ یہ کہنا درست ہوگا کہ مدارسِ عربیہ دینیہ کا رُخ صرف آخرت کی طرف ہے اور سرکاری مدارس کا رُخ دنیا کی طرف ہے لیکن اگر ملک وملت کی خدمت کے لئے اور سرکاری مناصب کے لئے کارکنوں کو تیار کرنے کی غرض سے جدید علوم کی ضرورت ہے تو اس سے کہیں زیادہ آخرت کی نعمتوں کا مستحق ہونے کے لئے قدیم علوم کی ضرورت ہے، قبل ازیں "بینات" کے کسی شمارے میں علومِ دین ودنیا کی تفریق پر ایک بصیرت آموز تحریر آگئی ہے۔

حقیقی علوم کیا ہیں؟

درحقیقت علوم تو وہ ہیں جن کی بنیاد وحیِ الٰہی سے ظہور میں آئی ہے جو عقلِ انسانی کی پیداوار ہیں یہ سب صنائع کے درجہ میں ہیں علوم کہلانے کے مستحق ہی نہیں البتہ خدمتِ خلق کے جذبے سے اگر ان کو اپنایا جائے تو باعث رضاءِ الٰہی ہیں اور اس وقت دنیا و آخرت کی تفریق بھی ختم ہو جاتی ہے اگر کوئی شخص انگریزی زبان کو صرف اس لئے سیکھتا ہے کہ یورپ وامریکہ میں جا کر اسلام کی دعوت وتبلیغ کا کام کرے تو بدترین اعداءِ اسلام کی زبان اعلیٰ ترین دین اسلام کی خدمت اور رضاءِ الٰہی کا ذریعہ بن جاتی ہے دراصل جو حضرات انگریزی زبان میں ماہر ہوتے ہیں اور چند حرف عربی کے بھی سیکھ لیتے ہیں ان کا غرور وکبر آسمان سے باتیں کرنے

لگتا ہے سمجھتا ہے کہ تمام کمالات کا سرچشمہ ان کی ذات والاصفات میں جمع ہو گیا ہے اور طبعاً علماءِ دین اور مدارسِ عربیہ دینیہ کی تحقیر و توہین پر آمادہ ہو جاتے ہیں، ہمیں اس سے انکار نہیں کہ عصری تقاضوں کے پیشِ نظر مدارسِ دینیہ کا نصاب بہت سی ترمیم کا محتاج ہے یہاں احتیاج زیادہ شدید ہے کیونکہ اسلام سے انحراف بڑھتا جا رہا ہے، مولوی بے چارے اگر دنیا سے محروم ہو رہے ہیں تو مسٹر دین کو چھوڑ کر آخرت سے بے بہرہ ہو رہے ہیں، دینی مدارس کے مرثیہ خوانوں سے گذارش ہے کہ ہم دین پر قانع ہیں، سرکاری ملازمتیں تمہیں مبارک ہوں، ہمارا غم نہ کھاؤ اپنی خیر مناؤ، ہماری دنیا کی فکر نہ کرو اپنی آخرت کی فکر کرو، قرآن و حدیث، فقہ اور علومِ اسلامیہ کی تدوین، امامت و خطابت کے فرائض، دعوت و تبلیغ کی خدمات، افتاء و ارشاد اور اصلاح و ہدایت کے وقیع منصب کو پُر کرنا کیا مسلمانوں کی قومی ضرورت نہیں ہے؟ ان دینی مناصبِ عالیہ کے مقابلے میں دفتر کے کلرکوں کی کیا حیثیت ہو سکتی ہے؟ دینی مدارس کے فارغ التحصیل احساسِ کمتری میں مبتلا ہوں تو کیوں؟ دنیا میں تقسیمِ کار کا اصول سب کو مسلّم ہے کہ تمام شعبوں کا کام ایک ہی ادارہ نہیں سنبھال سکتا، مثلاً سول سروس کے لئے الگ، عدالت و قانون کے لئے الگ اور فوج کے لئے الگ رجالِ کار کی ضرورت ہوتی ہے، اس اصول کو یہاں بھی نظر انداز نہیں کرنا چاہیئے، اگر دینی مدارس کوئی اور کام نہ کریں، صرف ان دینی مناصب کو پُر کر لیں تو اس میں اعتراض کی کیا بات ہے، بہر حال ان حقائق کے پیشِ نظر یہ سطحی سی بات کہنا کہ موجودہ مدارسِ دینیہ بالکل بے کار اور بے مقصد ہیں کتنے افسوس کی بات ہے؟ جس کا منشا ممکن ہے کہ ناواقفیت اور سطحیت ہو یا پھر دینی مدارس سے بغض و عناد کہنے والے کے ذہن میں غالباً یہ ہے کہ دینی مدارس کا مقصد بھی دنیا ہے آخرت نہیں اور چونکہ دنیا کے مقصد کے حصول کی اہلیت ان میں نہیں تو گویا یہ بے مقصد ہیں، انا للہ، کیا یہی انداز ہے سوچنے اور سمجھانے کا؟ اللہ تعالیٰ صحیح فہم عطا فرمائے۔

باب سوم

وفیات

ڈاکٹر شیخ مصطفےٰ سباعی رحمہ اللہ

مسیحی قوموں نے صلیبی لڑائیوں میں شدید شکستوں اور پیہم ناکامیوں کے بعد یہ تہیہ کرلیا کہ اسلام کو دنیا سے مٹانے کے لئے اب مسلمانوں کے ملکوں اور قلعوں کے بجائے قلوب واذہان پر راست حملے کئے جائیں اور دینِ اسلام میں تحریفات کی نئی نئی شکلیں پیدا کی جائیں، گویا قرامطہ اور باطنیہ نے جو بیج ڈالا تھا اس کی ازسرِ نو آبیاری کرکے اس طرز پر لادینیت کے جدید پودے بارآور کئے جائیں کہ مذہبی مخالفت اور دینی تعصب کا ان میں شائبہ تک نہ ہوسکے، اس لئے ضرورت تھی کہ علومِ اسلامیہ اور قدیم علمی مأخذوں سے واقفیت بہم پہنچا کر علمی تحقیق کے نام سے ان میں اپنے مقصد کے پیشِ نظر غیر محسوس طریق پر تشکیک وتلبیس کی جائے اور اس انداز سے کام کیا جائے کہ خود مسلمان بھی دادِ تحقیق دیں اور ان کی مہارت وقابلیت کا سکہ ان کے دلوں پر بیٹھ جائے اور علمی وتحقیقی اعتبار سے مرعوب ومغلوب ہوجائیں، یہی مستشرقین ہیں اور یہ ان کا استشراق ہے۔ ان کی کوشش وکاوش یہ بھی ہوتی ہے کہ زیر اثر ملکوں کے مسلمانوں کی جدید نسل کو مختلف دنیوی اعزاز ومناصب کے لالچ دے کر ان کو اپنا شاگرد بنائیں اور اپنی مسموم لادینی تربیت کے ذریعہ ان کے دل ودماغ کو متاثر بنا کر ابتداءً تو اسلامی معتقدات وافکار میں شبہات پیدا کریں اور رفتہ رفتہ ان کو بے عقیدہ اور پھر بدعقیدہ بنادیں اور اس طرح اسلام سے انتقام لے کر اپنے دلوں کی تسکین کا سامان پیدا کریں، اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے ڈاکٹریٹ (پی، ایچ، ڈی) اور تخصص کی وبا جو کالجوں اور یونیورسٹیوں کے پروردہ فضلاء یورپ وامریکہ جا جا کر یہ ذہنی اور فکری غلامی کا طوق اپنی گردن میں ڈالتے ہیں خدا کا شکر ہے کہ تمام ممالکِ اسلامیہ کے علماءِ ربانیین کو ان مکائد کا احساس ہوگیا ہے اور اس دجل وفریب کے تارپود بکھیرنے کے لئے انہوں نے کام شروع کردیا ہے انہی صالح روحوں میں سے دمشق (شام) کے ایک جلیل القدر عالم الشیخ مصطفےٰ سباعی ہیں جو افسوس کہ ماہِ رواں میں ہی راہی دارِ بقا ہوگئے، اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور اپنی خاص رحمت ورضوان سے ان کو نوازے اور درجات عالیہ سے سرفراز فرمائے۔

مرحوم علوم دینیہ کے جید عالم بھی تھے اور دمشق یونیورسٹی میں اول پروفیسر تھے، پھر چانسلر بن گئے تھے، بے مثل خطیب تھے، بے نظیر ادیب، خطابت کی پوری صلاحیتیں اللہ تعالیٰ نے ان کو دی تھیں، حساس دل و دماغ کے مالک تھے، استشراق و مستشرقین کے فتنوں کے سمجھنے میں ممتاز تھے اور عمر کا کافی حصہ اس فتنہ کی بیخ کنی میں صرف کیا تھا، "السنۃ ومکانتہا فی التشریع الاسلامی" ان کا آخری شاہکار ہے، مصر اور پاک و ہند کے جدید تعلیم یافتہ طبقے کے حالات آپس میں بیحد مماثل ہیں بلکہ وہاں تو حالات کچھ سنبھل گئے ہیں مگر یہاں تو روز بروز بد سے بدتر ہوتے جا رہے ہیں، اس لئے وقت کے شدید دینی تقاضے کے پیشِ نظر ان مکائد کو واشگاف کرنے کے لئے ہم ایک سلسلۂ مضامین شروع کرتے ہیں اور اس سلسلہ میں سب سے پہلے الشیخ مصطفےٰ سباعی مرحوم کے ایک مضمون کا ترجمہ اس اشاعت میں پیش کر رہے ہیں۔

جمادی الثانیہ ۱۳۸۴ھ

مولانا مفتی محمد صادق رحمۃ اللہ علیہ

(۱) افسوس کہ اس ماہ میں پاکستان کے ایک جلیل القدر عالمِ دین حضرت مولانا مفتی محمد صادق صاحب بہاولپوری طویل علالت کے بعد اس دارِ فانی سے رحلت فرما گئے ہیں اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ مرحوم اس دور کے ممتاز علماءِ کرام میں سے تھے، جامعیت، متانت، سنجیدگی، وقار، کرم نفس، تواضع اور حلم میں ممتاز تھے، ریاست بہاول پور کے مفتی بھی رہے، علماءِ کرام کے حالات و وفیات کا خاص ذوق تھا، جو علماء سرزمین بہاول پور میں پیدا ہوئے یا باہر سے بہاول پور میں کبھی آئے ان سب کے حالات زندگی کو مرتب فرمایا تھا، فقہ اور علومِ دینیہ کے ساتھ علومِ عقلیہ کے بھی ماہر تھے اور ان علمی کمالات کے ساتھ نہایت تجربہ کار تھے، انتظامی معاملات اور علومِ دینیہ اسلامیہ کے اداروں کے نظم و نسق اور مدارس کے قواعد و ضوابط میں خصوصی مہارت رکھتے تھے، حضرت امام العصر مولانا محمد انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کے غالی معتقد تھے اور مقدمہ بہاول پور کے تاریخی مقدمہ کے دوران حضرت امام العصر شاہ صاحب کے سترہ روزہ قیام بہاول پور میں لیل و نہار ساتھ رہے اور حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کی کرامات و خوارق و حالات نہایت والہانہ انداز سے بیان کرتے تھے اور بسا اوقات خود بھی روتے تھے اور سننے والوں کو بھی رُلاتے تھے، ایک دفعہ ملتان سے بہاولپور

ٹرین میں رفاقت نصیب ہوئی، اس عجیب و پرکیف انداز سے احوال سنائے کہ مجھ پر اتنی رقت طاری ہوئی جس کا کیف آج تک بھولا نہیں، افسوس کہ اکابر اٹھتے جاتے ہیں اور ان کی جگہ پُر ہونے کی کوئی توقع نہیں، اللھم اغفرلہ اللھم ارحمہ وارضہ واعف عنہ، واجعل الجنۃ متقلبہ ومثواہ۔

مولانا سید اظہار الحق رحمہ اللہ تعالےٰ

۲۔ نیز اس ماہ میں مولانا سید اظہار الحق ہیل عباسی امروہی کا بھی انتقال ہوا، مرحوم فاضلِ دیوبند تھے، حضرت امام مولانا انور شاہ رحمہ اللہ کے تلامذہ میں سے تھے، ادبی ذوق پر ممتاز تھے عربی و فارسی کے شاعر بھی تھے، اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور زلات معاف فرمائے۔

---

(۳) ۲۲ اکتوبر ۱۹۶۴ء ۶ بجے شام الحاج خواجہ ناظم الدین مرحوم بھی اس دنیا سے رحلت کر گئے۔ اگرچہ خواجہ صاحب مرحوم ان طبقۂ علیا کے سیاست دانوں اور حکمرانوں میں سے تھے جن کی پوری زندگی اقتدارِ اعلیٰ کے عروج و زوال کی کشمکش میں گذری ہے مگر ہمارے لئے ان کی زندگی میں کشش اور ان کی وفات پر تأسف کا موجب صرف یہ ہے کہ وہ صوم وصلاۃ کے پابند اور عامۃ المسلمین کے دوش بدوش نماز جمعہ ادا کرنے کے عادی تھے ویسے بھی راسخ العقیدہ اور علماءِ دین سے عقیدت رکھنے والے مسلمان تھے، اس حلقہ میں اتنی دینداری بھی مغتنم ہے۔

اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائیں اور ان کے پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائیں۔

جمادی الثانیہ ۱۳۸۴ھ

نومبر ۱۹۶۴ء

حضرت مولانا بدرِ عالم رحمہ اللہ تعالیٰ الحمد اللہ الذی لا باقی إلا وجهه ولا دائم إلا ملکه والصلاة والسلام علی حبیبه الذی أخلص لله وجهه وعلی آله وصحبه الذین لا یریدون إلا رضاه ووجهه۔

یوم جمعہ ۳ رجب ۱۳۸۵ھ ۲۹ اکتوبر ۱۹۶۵ء کو مہاجر مدنی حضرت مولانا بدرِ عالم میرٹھی مدینہ طیبہ میں واصل بحق ہوئے، إنا لله وإنا إلیه راجعون اللھم اغفرله وارحمه وأکرم نزله ووسع مدخله وارزقه داراً خیراً من داره وجاراً خیراً من جاره آمین یا رب العالمین۔

مولانا بدرِ عالم صاحب دورِ حاضر کے ان ممتاز علماء میں سے تھے جن کی بدولت علم و دین کی ساکھ قائم ہے جن سے مدرسے آباد ہیں، ممبر بارونق ہیں، موصوف قابل مدرس، قابل مقرر، کامیاب و مقبول مصنف تھے، اردو، عربی کے ادیب و شاعر تھے، مؤثر اسلوب، شگفتہ طرزِ ادا کے مالک تھے عام گفتگو میں بھی الفاظ کیا ہوتے موتی کی پروئی ہوئی لڑیاں ہوتی تھیں جو ان کی نوک زبان سے بکھرتی تھیں، مؤثر تعبیر، دل نشین طرزِ ادا ان کی خصوصیت تھی۔ صدق و صفا کے مجسمہ تھے: ورع و تقویٰ اور استغنا کے پیکر تھے، نصیحت و خیر خواہی اور حق گوئی میں ممتاز تھے، نہایت زیرک و مدبر تھے اور سب سے بالاتر یہ کہ آخری لمحاتِ حیات میں مرشد کامل تھے، پاک و ہند اور جنوبی و مشرقی افریقہ کے سینکڑوں بندگانِ خدا ان کی تربیت و تزکیہ اور بیعت وارشاد سے فیض یاب ہوئے اور شریعت کی پابندی و استقامت ان کو نصیب ہوئی، ذکی عالم تھے، صاحبِ فراست بزرگ تھے۔ مدینہ طیبہ کی سیزدہ سالہ بابرکت زندگی ان کی سرشت و طبیعت میں بہت کارگر اور مؤثر ثابت ہوئی۔ مدینہ کے انوار و برکات نے سونے پر سہاگے کا کام کیا، ان کے فطری جوہر کھلے، کرم گستری، مہمان نوازی، مروّت و جوان مردی اور اپنے مخلصین سے مخلصانہ ادائیں، یہ وہ سب سے زیادہ حیرت انگیز جوہر تھے جو نمودار ہوئے، ابتدائی دورِ طالبِ علمی میں مظاہر العلوم سہارنپور کے برکات سے بہرہ اندوز ہوئے اور قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہٗ متوفی ۱۳۲۳ھ کے ارشدِ خلفاء عارف باللہ فقیہ، محدث اور صوفی باصفا، حضرت مولانا خلیل احمد سہارن پوری مدنی رحمہ اللہ متوفی ۱۳۴۶ھ کے مرکزِ توجہات والطاف رہے اور ان کے آغوشِ شفقت میں تربیت

نصیب ہوئی، درمیانی عمر میں آیۃٌ من آیاتِ اللہ امام العصر حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیری دیوبندی متوفی ۱۳۵۲ھ کے آغوشِ تربیت میں پہنچے، دیوبند میں ان کے فیض اور انوارِ علوم و معارف سے مستفیض ہوئے اور حضرت عارف باللہ مفتی مولانا عزیز الرحمٰن قدس سرہ نقشبندی المتوفی ۱۳۴۷ھ سے شرفِ بیعت کی سعادت نصیب ہوئی، عرصہ دراز تک ان کے انفاسِ قدسیہ اور صحبتِ مقدسہ کے برکات سے مالامال ہوتے رہے، انتہائی استقامت و استقلال کے ساتھ اذکار و اشغالِ نقشبندیہ کی مداومت نصیب ہوئی، بالآخر حضرت مفتی صاحب کے خلیفۂ ارشد حضرت مولانا قاری محمد اسحاق صاحب میرٹھی رحمہ اللہ متوفی ۱۳۶۴ھ نے خلعتِ خلافت سے سرفراز فرمایا الغرض اس طرح علمی و عرفانی سرچشموں سے کماحقہٗ سیرابی کا موقع نصیب ہوا اور اپنے عہد کے ممتاز ترین اکابر کے فیوض سے پورے طور پر فیض یاب اور ان کی ظاہری و باطنی برکات کی سعادت سے ہمکنار ہوئے۔

حیاتِ طیبہ کی آخری لمحات و انفاس میں سید الانبیاء رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جوارِ مقدس میں قیام کی تمنا پوری ہوگئی، چنانچہ ۱۳۷۲ھ میں مدینہ طیبہ ہجرت کی خاکِ پاک مدینہ نے اور حبیبِ رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے جوارِ مقدس نے طبیعت میں خاص استقامت کی سعادت بخشی اور اور چار سالہ طویل علالت کے زمانہ میں صبر و شکر کے وہ قابلِ رشک مظاہر و آثار ظہور میں آئے کہ عقل حیران ہے "فیض الباری" شرح بخاری چار ضخیم جلدوں میں جو حضرت شیخ امام العصر کی تقاریر درسِ صحیح بخاری کا مجموعہ ہے (عربی) اور "ترجمان السنۃ" اردو میں حدیثِ نبوی علیہ الصلاۃ والسلام کے وہ بے نظیر شاہکار ہیں جو رہتی دنیا تک ان کی زندہ یادگار اور اہلِ علم و دین کے طبقہ میں منبعِ فیض بنے رہیں گے انشاءاللہ العزیز "جواہر الحکم" کے نام سے احادیثِ نبویہ علی صاحبہا ازکی التحیات و اسنی التسلیمات کا ایک مجموعہ جو عصرِ حاضر کی عوامی اصلاحی خدمت کے طور پر انتہائی دل نشین تشریحات کے ساتھ تالیف فرمایا ہے۔ تین حصوں میں شائع ہو چکا ہے، یہ ان کی آخری تصنیف ہے اور ان کے شرحِ صدر کا عمدہ نمونہ ہے۔

مظاہر العلوم سہارنپور سے فراغتِ تحصیل علوم کے بعد دیوبند پہنچے اور حضرت امام العصر مولانا محمد انور شاہ رحمہ اللہ کے تلمذ کی سعادت کے ساتھ ہی ساتھ دار العلوم دیوبند میں منصبِ تبلیغ و تدریس پر فائز ہوئے اور اسی زمانہ میں "تبلیغ" اور تقریر خصوصاً "ردِ قادیانیت" میں اچھی شہرت

حاصل کی اور نہایت کامیاب اور مقبول مقرر ثابت ہوئے، سنہ ۱۳۴۶ھ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں حضرت امام العصر مولانا انور شاہ رحمہ اللہ کے قافلہ کے اہم رفیق بنے اور حدیث کے اساتذہ میں تقرر ہوا، اسی دور میں دیوبند کے "مہاجر" اخبار کے قابل ترین مضمون نگار رہے۔ ڈابھیل کے بعد بہاول پور و بہاول نگر آپ کا مرکزِ فیض رہا اور آخر میں دار العلوم الاسلامیہ ٹنڈو اللہ یار (سندھ)، میں استاذِ حدیث و نائب مہتمم کے منصب پر فائز ہوئے، عرصہ سے مدینہ منورہ زادھا اللہ نوراً کی سکونت کی آرزو دل میں موجزن تھی اور نہایت ہی والہانہ انداز میں مدینہ کی ہجرت کا سودا دماغ میں سمایا ہوا تھا، چنانچہ "البدر الساری تعلیقات فیض الباری" میں انتہائی والہانہ اور رقت انگیز انداز میں اس آرزو کا اظہار کیا جو رب العرش العظیم کی بارگاہ سے شرفِ قبولیت کے ساتھ سرفرازی ہوئی اور نالہ ہائے سحری رنگ لائے اور جوارِ حبیب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی تمنائے تصور سے بالاتر طریقے پر واقعہ کی صورت اختیار کرلی، عبادت و استقامت، ادب و سکون، ذکر و فکر کے ساتھ مسجدِ نبوی کی حاضری نصیب ہوتی رہی یہاں تک کہ علالت نے صاحبِ فراموش بنا دیا، پورے چار سال صاحبِ فراش رہے اس دور میں صبر و شکر و رضا بالقضاء کے جو منازل طے کئے اور جو نعمتیں ان کو نصیب ہوئیں قابلِ صد رشک ہیں: ؎

ایں سعادت بزورِ بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

ماہِ رجب الحرام کے مقدس مہینہ اور جمعہ کے مبارک دن میں حبیب رب العالمین کے جوار میں جنت البقیع کی خاکِ مقدس میں جس کا ایک ایک ذرہ آفتاب عالمتاب سے زیادہ بانور ہے اس خادمِ علم دین، اس باغیرت و باحمیت شخصیت نے اپنی جان کو جانِ آفرین کے سپرد کیا، إن للہ ما أخذ ولہ ما أعطی وکل شئ عندہ إلی أجل مسمی۔

الغرض ذوق و وجدان، بصیرت و عرفان، علم و عمل، ورع و تقویٰ کا پیکر نوری، تقریر و تحریر کے کمال کا حامل اور ظرافت و شگفتگی کا مظہر اپنی باوقار شخصیت کے ساتھ اپنے احباب و اقرباء و مخلصین سے ہمیشہ کے لئے جدا ہو گیا، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس خادم علم و دین کو اپنی بیکراں رحمت سے نوازے اور جنت الفردوس میں رضوانِ الٰہی سے سرفراز فرمائے، رحمہ اللہ رحمۃ الأبرار الصالحین والأخیار المقربین وصلی اللہ علی خیر خلقہ سیدنا محمد وآلہ وصحبہ أجمعین، فرصت ملی تو چند صفحات پر ان شاء اللہ حقِ صحبت و حقِ رفاقت اور حقِ احسان ادا کرنے کے لئے کچھ خامہ فرسائی کا ارادہ ہے۔ واللہ الموفق والمعین۔

رجب ۱۳۸۵ھ، نومبر ۱۹۶۵ء

حضرت مولانا عبدالرحمن صاحب کامل پوریؒ

الحمدُ للہ الذی لہُ البقاءُ والدوام، فقال تعالیٰ ,, کل من علیھا فان ویبقیٰ وجہ ربک ذوالجلال والإکرام ،، والصلاۃ والسلام علی من ھدانا سُبل السلام، وعلمنا الرضاء بالقضاء، والانقیاد لقدرہ والاستسلام وعلی آلہ وصحبہ الذین فازوا بالرضوان فی دار السلام۔

سہ شنبہ، ۲۰ شعبان ۱۳۸۵ھ مطابق ۱۴ دسمبر ۱۹۶۵ء کی شام کو غروبِ آفتاب سے کچھ پہلے مغربی پاکستان کا آفتابِ علم غروب ہوا، حضرت مولانا عبدالرحمٰن کامل پوری کا وصال ہوگیا، إنا للہ وإنا إلیہ راجعون۔ رحمہ اللہ ورضی عنہ وأرضاہ وجعل الجنۃ جنۃ الفردوس متقلبہ ومثواہ۔

کل نفسٍ ذائقۃ الموت اور کل من علیھا فانٍ سنتِ الٰہیہ اور ابدی قانون ہے، تسلیم وانقیاد اور رضا بالقضاء کے سوا کوئی چارہ کار نہیں۔

,, إن للہ ما أخذ ولہ ما أعطی وکل شیٔ عندہ إلیٰ أجل مسمی ،،

بلا شبہ اللہ ہی کا ہے جو کچھ اس نے لیا اور اسی کا ہے جو اس نے عطا فرمایا اور ہر چیز اس کے نزدیک ایک مقررہ مدت تک کے لئے ہے۔

کسی کو نہ مجالِ انکار ہے نہ مقامِ چون وچرا۔

حضرت مولانا عبدالرحمٰن رحمہ اللہ کی وفات دنیائے علم واخلاق کا ایک بڑا حادثہ ہے اور ایسے اکابرِ علماء کی رحلت امارات ساعت وعلاماتِ قیامت، میں سے ہے، مولانا مرحوم علومِ اسلامیہ دینیہ اور نقلی وعقلی فنونِ علم کے جامع ترین عالم تھے، اصنافِ علم وفضل وکمال ان کی شخصیت میں مجتمع تھیں۔ وہ عالم وعارف تھے، صوفی ومحقق اور فقیہ ومحدث تھے، علمِ اصول وکلام کے ایک ماہر اصولی، اور فاضل متکلم تھے، غرض علمی دنیا کے آفتاب وماہتاب تھے، کوہِ وقار وتمکنت، پیکرِ حلم ورزانت، مجسم خمول وتواضع اور صلاح وتقویٰ میں یگانۂ روزگار تھے، فطری ملکات میں ان کو ایک نمایاں امتیاز حاصل تھا، ریاضت ومجاہدہ کے بغیر طبعی طور پر مرتاض تھے، اللہ تعالیٰ نے مرحوم کو وہبی اور فطری اخلاق وملکات کے وہ مقاماتِ عالیہ عطا فرمائے تھے کہ ریاضت ومجاہدات کے بعد بھی ان کا حاصل ہونا قابلِ فخر اور وجہِ شرف ہے، اس علم وفضل اور شرف وکمال کے ساتھ انکسار وتواضع خاموشی اور کم گوئی ان کی ایک فطری کرامت

تھی، ایسی جامع کمالات شخصیت اور مجمع فضائل ہستی کی وفات سے پاکستان کے دینی اور علمی حلقوں میں جو زبردست خلا پیدا ہوا ہے افسوس کہ اس کے پُر ہونے کی توقع نہیں ہے۔

حضرت مولانا مرحوم نے غالباً ۱۳۳۲ھ میں مظاہر العلوم سہارنپور سے تحصیلِ علوم و فنون سے فراغت حاصل کی اور حضرت مولانا خلیل احمد رحمہ اللہ سے حدیث میں فیض حاصل کیا، ان کے علاوہ دوسرے اکابر علماءِ مظاہر العلوم سے فیضیاب ہوئے، ۱۳۳۳ھ میں دارالعلوم دیوبند پہنچے اور امام العصر حضرت مولانا انور شاہ صاحب شیخ الحدیث رحمہٗ اللہ سے دوبارہ دورۂ حدیث پڑھا، اسی طرح دیوبند اور سہارن پور کے دوآبہ علم و دین سے سیراب و سرشار ہوئے۔

حضرت مولانا خلیل احمد رحمہٗ اللہ اور سہارن پور کے اکابرِ علم کی نظرِ انتخاب نے موصوف کو مظاہر العلوم کی خدمت تدریس کے لئے منتخب فرمایا، علومِ دینیہ اسلامیہ کی اس اہم درس گاہ میں آپ شروع میں مدرس اور اس کے بعد ایک عرصۂ دراز تک صدر مدرس کی حیثیت سے علمی خدمات انجام دیتے رہے، آپ کے ان فطری کمالات اور وہبی خصوصیات ہی کی وجہ تھی کہ مظاہر العلوم کے ایک طالبِ علم کی حیثیت سے ترقی کرکے اسی علمی مرکز میں آپ شیخ الکل بن گئے اور اس طرح یک سوئی اور خاموشی کے ساتھ شب و روز تدریسِ علوم کی خدمت میں مصروف رہے کہ پھر اس پیکرِ زہد و قناعت و ورع و تقویٰ نے کسی دنیاوی مقصد کے لئے کہیں کا رُخ نہیں کیا اور جب تک پاکستان کی مملکتِ خداداد ظہور میں نہیں آئی آپ مظاہر العلوم ہی میں قیام پذیر رہے۔

پاکستان بننے کے بعد اپنے مادرِ علمی مظاہر العلوم سہارن پور کو بادل ناخواستہ خیرباد کہا اور ملتان کے شہرہ آفاق دینی و مرکزی درس گاہ خیر المدارس میں صدر مدرس ہوئے اور دارالعلوم اسلامیہ ٹنڈو اللہ یار (سندھ) کے قیام کے بعد حضرت مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی کی سعی اور حسن تدبر سے شیخ الحدیث دارالعلوم کے منصب کو آپ نے قبول فرمالیا اور کچھ عرصہ اس مرکز میں درسِ حدیث کی خدمات انجام دیں، اس کے بعد دارالعلوم اسلامیہ کی خدمت سے مستعفی ہو کر اپنے وطن بہبودی ضلع کیمبل پور میں قیام فرمایا، کچھ عرصہ بعد جناب محترم مولانا سید بادشاہ گل صاحب کے اصرار سے مجبور ہو کر جامعہ اسلامیہ اکوڑہ خٹک میں منصبِ صدارت قبول فرمایا اور چند سال علم کی خدمت انجام دی، آخر طبعی ضعف اور نگاہ کی کمزوری کی وجہ سے اس خدمت سے بھی مستعفی ہوئے اور

مستقل طور پر وطن میں قیام پذیر ہوگئے اور نہایت خاموشی کے ساتھ طالبینِ روحانیت کی تہذیبِ نفس اور اخلاقی اصلاح کی خدمت انجام دیتے رہے، مشتاقانِ دید اور طالبانِ فیض اسی طرح خاموشی کے ساتھ فیضیاب ہوتے رہے۔

حضرت مولانا مرحوم کے وہبی کمالات اور فطری محاسن کی وضاحت کے لئے اس واقعہ کا ذکر کافی ہے کہ جس زمانے میں آپ مظاہر العلوم سہارن پور میں صدارتِ تدریس کے منصب پر فائز تھے، حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ نے موصوف کو بیعت وارشاد کا اہل سمجھ کر از خود مجازِ بیعت بنایا، حضرت کاملپوری نے معذرت پیش کی کہ :-

حضرت! میں نے تو اب تک بیعت بھی نہیں کی تو خلافت کا کیا استحقاق ہے؟

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ:

میرے نزدیک اہلیت شرط ہے بیعت شرط نہیں۔

اس کے بعد حضرت مولانا عبدالرحمٰن مرحوم نے درخواست کی کہ اچھا اب مجھے بیعت بھی فرما لیجئے، یہ واقعہ شاید پہلی ہی نظیر ہے کہ کسی بزرگ نے بیعت سے پہلے ہی کسی بزرگ کو خلافت کی خلعت سے سرفراز فرمایا ہو اور اجازت وخلافت کے بعد پھر بیعت کر کے سلوک طے کرایا ہو۔

یہ واقعہ ایک حکیمِ امت اور شیخِ کامل کی طرف سے مولانا عبدالرحمٰن رحمہ اللہ کے فطری محاسن اور وہبی فضائل کا اعتراف ہے۔ درحقیقت یہ ان کی فطری صلاحیت اور طبعی اہلیت ہی تھی جس کی وجہ سے ان میں ریاضت ومجاہدہ واصلاح کے بغیر مشیخت کے اوصاف مجتمع ہو گئے تھے وہ از خود اور وہبی طور پر شیخِ وقت تھے۔

ان معنوی فضائل ومحاسن کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے ظاہری حسن وجمال کی نعمتوں سے بھی بہرہ مند فرمایا تھا، اپنی قامت رعنا، نازک اور تراشیدہ نقوش، روئے منور اور لطافت ونظافت کے ساتھ وہ جمال وکمال کا ایک پیکرِ نوری محسوس ہوتے تھے۔

راقم الحروف کو دارالعلوم اسلامیہ میں ان کی صحبت ورفاقت کا شرف حاصل رہا اور مرحوم کے قریب سے قریب تر مطالعہ کا موقع نصیب ہوا لیکن ان کے فطری کمالات وفضائل کی وجہ سے ان کے ساتھ میری گرویدگی میں اضافہ ہی ہوتا رہا۔

افسوس کہ ایسے نازک دور میں جبکہ امت کو علم ودین کے ایسے اکابر کی سرپرستی کی بے حد ضرورت تھی، اس نعمت کا چھن جانا بڑا خسارہ ایک بڑی مصیبت اور عظیم حادثہ ہے!

فما کان قیس هلکہٗ هلك واحد ولکنہٗ بنیان قوم تهدّما

(قیس ایسا نہیں تھا کہ اس کا ہلاک ہونا کسی ایک شخص کی ہلاکت ہو لیکن اس کا ہلاک ہونا تو ایسا ہوا جیسے ایک قوم کی بنیاد منہدم ہوگئی ہے)

دعا ہے کہ اس پیکرِ صدق وصفا، سراپائے وقار وتمکنت، مجسمہ ورع وتقویٰ، مخزنِ علم وعمل، جامع کمالات بزرگ کی روح پاکیزہ ابرِ رحمت کے فیضِ قدسی سے ہمیشہ سرشار اور شاداب رہے۔ اور ان کی قبرِ مبارک آفتابِ کرم کی ضوفشانی سے ہمیشہ بقعۂ نور بنی رہے اور ان کا نورانی چہرہ سراپا نور ہو، اللهم اغفر له وارحمه وأرضه وارض عنه واحشره مع الأبرار والمقربين وصلى الله على سيدنا محمد وآله وبارك وسلم.

رمضان المبارک ۱۳۸۵ھ

حضرت مولانا محمد شفیع سرگودھوی رحمہ اللہ

۲۶ ربیع الاول ۱۳۸۶ھ ۱۶ جولائی ۱۹۶۶ء شبِ جمعہ بوقت سحر حضرت مولانا محمد شفیع صاحب سرگودھوی کی روحِ مبارک پرواز کرگئی، إنا لله وإنا إليه راجعون، إن لله ما أخذ وله ما أعطى وكل شيء عنده إلى أجل مسمى۔ موصوف اس عہد کے ممتاز عالم، مشہور مفتی، مقرر وواعظ وخطیب اور صاحبِ جرأت وصاحبِ نسبت وصاحبِ فراست بزرگ تھے، وہ بیک وقت خانقاہ، درس گاہ، منبر ودار الافتاء کی زینت تھے، وہ جمعیت العلماء (سرگودھا) کے صدر اور جمعیت وفاق المدارس کے نائب صدر اور دینی درس گاہ سراج العلوم سرگودھا کے بانی وصدر مدرس تھے، نہایت سنجیدہ باوقار وذکی عالم تھے، ملکی سیاست سے بھی وافر حصہ رکھتے تھے، حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب دہلویؒ کے شرفِ تلمذ کے بعد امام العصر حضرت مولانا محمد انور شاہ صاحب کشمیری دیوبندیؒ کے ممتاز تلامذہ میں سے تھے، ہندوستان وپاکستان کی سرزمین میں وہ ممتاز حافظ قرآن تھے جنہوں نے صرف ۳ دن میں قرآن کریم کو حفظ کرلیا تھا، امام العصر حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کو اس جودتِ حفظ وقوتِ حافظہ پر حیرت ہوئی تھی، مرحوم نہایت خوش لباس اور

خوش خوراک تھے، لباسِ فاخرہ کے شائق تھے، نہایت نفاست پسند تھے، نہایت متانت سے گفتگو فرمایا کرتے تھے، اس قحط الرجال کے دور میں ایسی جلیل القدر ہستی کی موت امت کے لئے عظیم سانحہ ہے، افسوس کہ علم و معرفت کے خم خانے خالی ہوتے چلے جارہے ہیں اور آئندہ کوئی توقع نہیں کہ ان ہستیوں کی جگہ پُر ہو سکے، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس روحِ پاک کو اپنی رحمت و رضوان سے سرفراز فرمائیں اور جنت الفردوس نصیب فرمائیں اور ان کے صاحبزادگانِ کرام خصوصًا مولانا حافظ احمد سعید صاحب اور مولانا قاری عبدالسمیع کو اپنے والد بزرگوار کا صحیح جانشین بنائے اور ان کے برکات سے ان سب کو مالا مال کرے، آمین۔

موت التقی حیاۃ لا انقطاع لہا

کم مات قوم وہم فی الناس أحیاء

اللہم اغفر لہ وارحمہ وأکرم نزلہ واحشرہ مع الأبرار الصالحین والعلماء الربانیین بفضلک وکرمک یارب العٰلمین۔

ربیع الثانی ۱۳۸۶ھ ۔ اگست ۱۹۶۶ء

حضرت مولانا عبدالحنان صاحب ہزاروی

۱۳ جمادی الاولیٰ ۱۳۸۶ھ ۔ ۳۰ اگست ۱۹۶۶ء سہ شنبہ ۴ بجے شام مولانا عبدالحنان صاحب ہزاروی طویل علالت کے بعد اس عالمِ فانی سے رحلت فرماگئے، إنا للہ وإنا إلیہ راجعون۔ مرحوم دارالعلوم دیوبند کے علمی دور کے ممتاز فارغ التحصیل علماء میں سے تھے، حضرت امام العصر مولانا محمد انور شاہ رحمہ اللہ سے شرفِ تلمذ حاصل تھا، طالب علمی کے دور سے ہی تقریر و خطابت سے بہت گہری دلچسپی رکھتے تھے، فراغت کے بعد لاہور پہنچے اور حضرت مولانا احمد علی صاحب رحمہ اللہ سے استفادہ کیا اور ہسٹریلین بلڈنگ کی جامع مسجد کے خطیب مقرر ہوئے اور اسی زمانہ میں آپ کی خطابت کے جوہر کھلے، نہایت خوش بیان خطیب اور سنجیدہ مقرر تھے، عرصہ دراز تک غیر منقسم ہندوستان میں جمعیت العلماء ہند کے پلیٹ فارم پر مولانا حفظ الرحمٰن صاحب مرحوم کے رفیقِ کار رہے اور پھر احرار کے پلیٹ فارم پر مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے ساتھی رہے، دینی سیاسی غرض ہر موضوع کے لحاظ سے بہترین خطیب تھے۔ "ختم نبوت کی تحریک میں قید و بند کی تکلیف سے بھی دوچار ہوئے۔

آخر میں راولپنڈی میں مدرسہ حنفیہ محلہ ورکشاپی کے مہتمم تھے اور اسی طرح مولانا قاری محمد امین صاحب کی رفاقت و معیت میں ایک علمی درس گاہ کی خدمت انجام دیتے رہے، اللہ تعالیٰ مرحوم کو اپنی رحمت بیکراں اور رضوانِ ابدی سے جنت الفردوس میں مقام عطا فرمائے اور بال بال مغفرت ہو۔ (آمین)

حریفاں بادہا خوردند و رفتند
تہی خم خانہا کردند و رفتند

جمادی الثانیہ ۱۳۸۶ھ
اکتوبر ۱۹۶۶ء

حضرت مولانا عبدالخالق رحمہ اللہ تعالیٰ

رجب اور شعبان ۱۳۸۶ھ (ماہ نومبر و دسمبر ۱۹۶۶ء) میں ناقابلِ تلافی حوادث و صدمات پیش آئے، ۳ رجب ۱۳۸۶ھ مطابق ۱۴ نومبر ۱۹۶۶ء بروز دوشنبہ ملتان کے مشہور فاضل عالم حضرت مولانا عبدالخالق صاحب واصل بحق ہوئے إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْن۔ مرحوم دارالعلوم کبیر والا ضلع ملتان کے بانی و مہتمم و صدر مدرس تھے، حضرۃ الاستاذ امام العصر مولانا محمد انور شاہ کشمیری دیوبندی رحمہ اللہ کے ان ممتاز تلامذہ میں سے تھے جن کی پوری زندگی علومِ نقلیہ و عقلیہ کی تدریس میں گذری، نہایت ذکی عالم تھے اندازِ بیان نہایت سلجھا ہوا تھا، علمی مشکلات کو سادے اور مختصر انداز سے حل کرنے پر پوری پوری قدرت رکھتے تھے۔

حضرت مولانا حسین احمد صاحب رحمہ اللہ کے عہدِ صدارت میں دارالعلوم دیوبند کے طبقہ علیاء کے اساتذہ میں عہدۂ تدریس پر فائز رہے، نہایت خوش پوشاک خوش لباس تھے، بیوی بچوں کی فکر سے آزاد، درس و تدریس کے علمی مشاغل کے لئے یک قلم فارغ تھے، قحط الرجال کے دور میں ایسی ہستیوں کا وجود انتہائی غنیمت ہوتا ہے جن کی زندگی سے دینی درس گاہوں کی رونق قائم رہتی ہے اس پُرآشوب عہد میں جبکہ علوم دینیہ کا مقصد بھی وہی ہو گیا ہے جو علومِ دنیویہ کے حاملین کا ہے ــ وہی دنیوی آسائش و راحت

دنیوی عزت و وجاہت، شکم پروری و تن آسانی۔ ایسے محقق روزگار عالم کا اٹھ جانا ناقابلِ برداشت صدمہ ہے۔ دنی اللہ عن ۱ء من کل ھالك، اللہ تعالیٰ بال بال مغفرت فرمائے، زلات وتقصیرات معاف فرمائے اور رحمت ورضوان کے اعلیٰ درجات نصیب فرمائے، آمین۔

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی والدۂ ماجدہ کی وفات کا حادثہ

انتہائی رنج وغم کے ساتھ یہ خبر سنی گئی کہ ہمارے محترم عالمِ ربانی مولانا ابوالحسن علی میاں کی والدہ محترمہ ۶ جمادی الاخریٰ ۱۳۸۸ھ مطابق ۳۱ اگست ۱۹۶۸ء کو اس دنیائے فانی سے رحلت کر گئیں، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔ مرحومہ عابدہ، زاہدہ، صالحہ، شب خیز اور معمر خاتون تھیں جن کی نظیر عصرِ حاضر میں کم ملتی ہے، ان کے والدِ ماجد حضرت سید ضیاء الدین مرحوم بن سید سعید الدین مرحوم اپنے زمانہ میں عبادت وتقویٰ اور تعلق مع اللہ میں یگانۂ روزگار تھے، مرحومہ کے کمالات کا اندازہ اسی سے کیا جاسکتا ہے کہ ان ہی کی آغوشِ تربیت میں حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالعلی مرحوم اور عالم ربانی مولانا ابوالحسن جیسے نادرۂ روزگار حضرات سراپا اخلاص بنے، اپنی اولاد کو مرحومہ کی وصیت مبارکہ تھی کہ دین کو حصولِ دنیا کا ذریعہ نہ بنائیں، اللہ تعالیٰ کی رحمتیں ہوں اس پاکیزہ روح (روح طیبۃ) پر جس نے اس انداز اور اس اخلاص سے تربیت کر کے امت کے سامنے سراپا عمل اور مرقعِ اخلاص اولاد کا نمونہ پیش فرمایا، مرحومہ نے ۹۳ سال کی عمر پائی گویا صحیح معنی میں خیرکم من طال عمرہٗ وطاب عملہ (تم میں بھلا آدمی وہ ہے جس کی عمر لمبی اور عمل اچھا ہو) کی مصداق تھیں۔ آنے والے سب جانے کے لئے ہی آتے ہیں لیکن مولانا علی میاں صاحب کے لئے والدہ محترمہ کی دعواتِ صالحہ اور نالہائے نیم شبی سے محروم ہونا بڑا صدمہ ہے، اللہ تعالیٰ مرحومہ کو رحمت ورضوان سے جنت الفردوس نصیب فرمائے اور ان کی روحانی توجہات سے ہمارے مولانا علی میاں کو بعد الموت بھی مالامال فرمائے اور ان کی وفات محترم مولانا علی میاں کے لئے حیات سے زیادہ باعث خیر وبرکت ہو، آمین۔

مرحومہ اپنے آبائی وطن رائے بریلی تکیہ حضرت شاہ علم اللہ رحمہ اللہ میں اپنے مرحوم شوہر حضرت مولانا حکیم سید عبدالحیٔ صاحب ناظمِ دارالعلوم ندوۃ العلماء کے جوار میں آسودۂ خاک ہوئیں۔

فرحمہا اللہ رحمۃ المؤمنات الصالحات القانتات

شعبان ۱۳۸۸ھ

حضرت مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادی رحمہ اللہ

۱۲ رجب ۱۳۸۶ھ مطابق ۲۳، نومبر ۱۹۶۶ء کو مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادی رحلت فرما گئے، مرحوم وقت کے بہترین قادر الکلام خطیب تھے نہایت پُراثر مقرر تھے، حاضر جواب تھے، بیک وقت منبر و محراب اور مدرسہ کی رونق تھے، مجلس تحفظِ ختم نبوت کے عرصہ تک صدر رہے، عرصہ دراز تک حضرت مولانا عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری رحمہ اللہ کے رفیقِ کار رہے، حضرت شاہ صاحب بخاری کی محیر العقول خطابت کی بعض خصوصیات کے صحیح وارث تھے، عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ و علمبرداری نے ان کی زندگی میں وقار وعظمت اور عوام کے دلوں میں محبّت پیدا کر دی تھی، مدارسِ دینیہ کے سالانہ جلسے ان کے دم سے بارونق تھے، ایسے باکمال آتش فشاں خطیب کی رحلت بڑا سانحہ ہے، مرحوم کی وفات سے جلسے افسردہ اور دینی اجتماعات پژمردہ ہو گئے، گلستانِ مجلسِ ختمِ نبوت کی ہزار داستان خوش نوا بلبل ہمیشہ کے لئے خاموش ہو گئی۔

اللہ تعالےٰ قاضی صاحب کی خدمات کو خلعتِ قبول سے نوازے اور ان کو ترقی درجات کا وسیلہ بنائے، بعارضۂ سرطان جگر بیمار رہے آخر جان، جاں آفریں کے سُپرد کر دی، مرحوم کے جنازے میں ملتان، بہاول پور، لاہور، فیصل آباد کے ہزاروں بندگانِ خدا شریک ہوئے، حضرت مولانا عبداللہ درخواستی نے نماز جنازہ پڑھائی۔

حضرت مولانا جان محمد رحمہ اللہ تعالیٰ

ماہِ شعبان ۱۳۸۶ھ کی ۲۳ تاریخ مطابق ۱۰ دسمبر ۱۹۶۶ء بروز دوشنبہ ریاست سوات کے مشہور عالم مولانا جان محمد صاحب بعارضۂ قلب طویل علالت کے بعد داعئ اجل کو لبیک کہتے ہوئے اس عالمِ فانی سے رخصت ہو گئے۔

مرحوم ریاست سوات کے ان ممتاز علماء میں سے تھے جن کی پوری زندگی اپنے ملک کے عوام کی اصلاح اور اللہ تعالیٰ کی یاد میں خاموشی سے گذری، صاحبِ نسبت، مخلص

باخدا بزرگ تھے، خشوع و خضوع سے نماز پڑھا کرتے تھے، نالہائے سحری میں دیدۂ و دل کی حسرتیں نکالا کرتے تھے، ہمارے رفیقِ کار مولانا فضل محمد صاحب استاذِ حدیث مدرسۂ عربیہ اسلامیہ کراچی کے والدِ ماجد تھے، اللہ تعالیٰ مرحوم کو جنت الفردوس نصیب فرمائے اور پسماندگان کو اس جانکاہ صدمہ میں صبرِ جمیل و شکیبائی نصیب فرما کر اجرِ جزیل عطا فرمائے۔

خدا کا شکر ہے کہ مرحوم کے دو فرزند مولانا فضل محمد صاحب اور قاری فضل حلیم صاحب علم و عمل اور خاموشی کے ساتھ دین کی خدمت کرنے میں اپنے والدِ محترم کے صحیح جانشین ہیں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کے نقش قدم پر چلنے کی مزید توفیق مرحمت فرمائے۔

شوال ۱۳۸۶ھ ، فروری ۱۹۶۷ء

حضرت مولانا شیر محمد رحمہ اللہ تعالیٰ

افسوس کہ علمائے ربانی کے قافلے بڑی سُرعت کے ساتھ عالمِ آخرت کی طرف جا رہے ہیں، علمی و دینی بساط بڑی تیزی سے سمٹ رہی ہے، دینی شمعیں بجھتی جا رہی ہیں اور علمی محفلیں سونی ہوتی جا رہی ہیں اور ایسے دور میں جب کہ آئندہ کوئی توقع نہیں کہ دوبارہ یہ محفلیں آراستہ ہو سکیں گی اور یہ چراغ روشن ہو سکیں گے۔

مغربی پاکستان کے علاقہ سندھ کے ایک مشہور اور معمر عالمِ دین مولانا شیر محمد صاحب نے ۲۵ رمضان المبارک ۱۳۸۶ھ کی شب میں داعیِ اجل کو لبیک کہی، موصوف سندھ کے محقق عالم، متواضع درویش اور منکسر المزاج بزرگ تھے، باخدا شخصیت تھی، صرف و نحو کے امام تھے، مسائلِ صرف اور دقائقِ نحو سے شغف کیا، عشق تھا، علمِ صرف میں ایک عمدہ کتاب کے مصنف تھے اور سکھر میں ایک دینی درس گاہ کے موسس تھے، موت بھی عجیب واقع ہوئی، ۲۴ رمضان کی صبح کو غسل کیا، نئے کپڑے زیب تن کئے، گویا سفر کی تیاری ہے، دن بھر روزہ رہا، قبل افطار زیادہ طبیعت خراب ہوگئی، معمولی علالت کا سلسلہ پہلے

ہی سے چلا آرہا تھا، کچھ وصیتیں فرمائیں، افطار کے وقت غنودگی بڑھ گئی جس کی وجہ سے روزہ افطار نہ ہو سکا، بالآخر نصفِ شب ۲۵ رمضان کو روح قفسِ عنصری سے "اللہ اللہ" کہہ کر پرواز کرگئی۔ اِنا للہ وانا الیہ راجعون۔

سبحان اللہ! موت کیا تھی گویا زندگی کا رُخ دنیا سے عالمِ آخرت کی طرف مڑگیا اور طرفۃ العین میں عالمِ فانی سے کٹ کر عالمِ آخرت سے جڑ گئے، راقم الحروف کے کرم فرما اور دعاگو تھے، اللہ تعالیٰ سفرِ آخرت کے تمام مراحل آسانی سے طے کرائے، درجاتِ عالیہ نصیب فرمائے اور رحمت ورضوان کے گلدستے نچھاور ہوں، خدا کا شکر ہے کہ ان کے خلفِ رشید برادرم مولانا محمد انور صاحب موجود ہیں، ان سے توقع ہے کہ وہ مرحوم باپ کی جانشینی کا حق ادا کرسکیں گے۔

مشرقی پاکستان کے دو مشہور عالم، دونوں چاٹگام کے، ایک ماہ رجب ۸۶ھ اور ایک ماہ رمضان ۸۶ھ میں واصل بحق ہوئے۔

حضرت مولانا احمد حسن رحمہ اللہ تعالیٰ

حضرت مولانا احمد حسن صاحب جیریِ ضلع چاٹگام کے نہایت مخلص، جفاکش اور باخدا عالم تھے، مدرسہ اسلامیہ عربیہ جیری کے بانی تھے، اپنی پوری زندگی مدرسہ کی ترقی اور خدمت میں گذاری، ۵۶ سال فرائض اہتمام کی انجام دہی کی توفیق نصیب ہوئی، غالباً مدرسہ معین الاسلام ہاٹ ہزاری کی قدیم ترین درسگاہ کے فارغ التحصیل تھے، مولانا قاضی محمد حسین صاحب خلیفۂ حضرتِ گنگوہی قدس اللہ سرہٗ سے مجاز تھے، بنگلہ زبان میں نہایت خوش بیان واعظ تھے، وعظ میں بہت اثر تھا۔ ان کے مدرسہ میں عارف باللہ شیخ الہند حضرت محمود الحسن دیوبندی اور ان کے صحیح جانشین حضرت مولانا حسین احمد مدنی اور مولانا اصغر حسین صاحب (رحمہم اللہ) سب ہی حضرات کے قدم پہنچے ہیں، راقم الحروف بھی مرحوم کے اصرار پر وہاں گیا تھا اور صحیح بخاری شریف کا ایک درس بھی دیا تھا، طویل علالت کے بعد ۲۳ رمضان ۱۳۸۶ھ کو ۸۷ سال کی عمر میں اس دنیا سے رخصت ہوگئے۔

حضرت مولانا محمد اسمٰعیل رحمہ اللہ تعالیٰ

شہر چاٹگام میں مولانا محمد اسمٰعیل صاحب ایک جیّد عالم تھے، دار العلوم دیوبند کے فاضل تھے، عرصہ دراز تک علوم کتاب وسنت کی تدریس میں مشغول رہے، آخر میں چاٹگام شہر کے ایک محلہ میں مظاہر العلوم کے نام سے ایک مدرسہ کی بنیاد رکھی تھی، اہتمام کے فرائض خود انجام دیتے رہے، نہایت متواضع اور رقیق القلب تھے، اخلاص وتواضع اور رقتِ قلب میں ممتاز تھے، راقم الحروف کو تین چار مرتبہ شرفِ زیارت نصیب ہوا، بارہا دیکھا کہ تقریر سنتے وقت رویا کرتے تھے، آخر ستر سال کی عمر میں بتاریخ ۲۴ رجب ۱۳۸۶ھ حیاتِ مستعار کو الوداع کہہ کر حیاتِ جاودانی سے ہمکنار ہوگئے، اللہ تعالیٰ ان پاکبازان پاک طنیت کو اپنی رحمت ومغفرت ودرجاتِ عالیہ سے نوازے آمین ۔

یہ چمن یوں ہی رہے گا اور ہزاروں جانور　　اپنی اپنی بولیاں سب بول کر اُڑ جائیں گے

ذوالحجہ ۱۳۸۶ھ اپریل ۱۹۶۷ء

حضرت مولانا تاج الاسلام رحمہ اللہ تعالیٰ

افسوس ہے کہ مشرقی پاکستان کے مشہور عالمِ دین مولانا تاج الاسلام کا ۲۲ ذی الحجہ ۱۳۸۶ھ کو انتقال ہوگیا، موصوف دیوبند کے ممتاز فارغ التحصیل حضرت الاستاذ امام العصر مولانا محمد انور شاہ رحمہ اللہ کے تلمیذِ رشید، بنگال کے عمدہ عربی ادیب اور شاعر، مخلص اور بے لوث خادمِ دین اور اچھے واعظ تھے، عرصہ دراز تک علومِ نبوت (قرآن وحدیث) کا درس دیا، برہمن باڑیہ میں ایک مدرسے کے بانی اور صدر تھے، طالب العلمی کے زمانے میں مرزا غلام احمد قادیانی کی ہجو میں ایک بلند پایہ عربی قصیدہ لکھا تھا جسے حضرت امام العصر اور دیگر اساتذہ نے بے حد پسند فرمایا اور بڑی قدر فرمائی اس کے چند شعر جو علمی اعتبار سے بہت اونچے تھے، مجھے بھی سنائے، موصوف سے ملاقات کئی بار ہوئی، ایک مرتبہ تو مجمع البحوث الاسلامیہ کی مؤتمر قاہرہ کے سفر میں ہمرکابی کا موقعہ بھی ملا، مؤتمر کے لئے موصوف کا نام نامی

میں نے ہی پیش کیا، وہاں پندرہ دن تک ایک کمرے میں رفاقت رہی اور موصوف کے اخلاص اور مزاج کی سادگی کا مزید علم ہوا۔

افسوس کہ مولانا کی وفات کے وقت میں سفر میں تھا، مدینہ طیبہ میں انتقال کی خبر سُنی اور اس وقت کچھ لکھا نہ جا سکا، حق تعالیٰ آغوشِ رحمت میں سکون، رضوانِ الٰہی سے سرفرازی اور جنت الفردوس نصیب فرمائے۔ عمر غالباً ستر سال ہوگی۔ رحمه الله رحمةً واسعةً.

ربیع الاوّل ۱۳۸۷ھ

اہلیہ امام العصر حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیری رحمہا اللہ

حضرت الشیخ الاستاذ امام العصر مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ کی اہلیہ محترمہ مولانا حکیم محفوظ علی صاحب کی ہمشیرہ مکرمہ اور عزیز مولانا ازہر شاہ و مولانا انظر شاہ کی والدۂ ماجدہ مرضِ سرطان سے طویل و مدید اور صبر آزما علالت کے بعد ۱۸ ربیع الاوّل ۱۳۸۷ھ مطابق ۲۶ جون ۱۹۶۷ء بروز سہ شنبہ دیوبند محلہ خانقاہ میں رحلت فرمائے عالمِ آخرت ہوئیں اور امام العصرؒ کے قریب ہی سپردِ خاک ہوئیں۔

مرحومہ گنگوہ کے ایک مشہور سادات خاندان سے تھیں، حضرت الشیخ امام العصرؒ کے وصال کے بعد بہت سلیقے سے بچوں کی تربیت کی اور اس ۳۵ سال کے عرصہ میں بڑے بڑے مصائب کا نہایت صبر و استقلال سے مردانہ وار مقابلہ کیا، مرضِ وفات میں اکثر بے ہوشی کی حالت طاری رہتی، آب و دانہ سے تعلق ختم تھا، لیکن نماز کے وقت ہوش آجاتا اور فریضۂ نماز ادا کر لیتیں، مرحومہ کے وصال کی اطلاع ملتے ہی یہاں مدرسہ عربیہ اسلامیہ میں چھٹی کر دی گئی، تمام اساتذہ و طلبہ اور درجاتِ حفظ و تجوید کے بچوں نے ختماتِ قرآنِ کریم سے ایصالِ ثواب کیا۔ اللہ تعالیٰ جنت الفردوس نصیب فرمائے، آغوشِ رحمت میں جگہ دے اور رحمت و رضوان سے سرفراز فرمائے، اللّٰهم اغفر لها وارحمها وعافها واعف عنها، وأكرم نزلها ووسع مدخلها، وارزقها دارًا خيرًا من دارها، وجارًا خيرًا من جارها، بحرمة سيد المرسلين وخاتم النبيين محمد صلى الله عليه وسلم۔

جمادی الاولیٰ ۱۳۸۷ھ

حضرت مولانا محمد ابراہیم بلیاوی رحمہ اللہ تعالےٰ

ماہِ رمضان المبارک ۱۳۸۷ھ کی ۲۴ تاریخ چہار شنبہ ۲۷ دسمبر ۱۹۶۷ء کو دارالعلوم دیوبند کے مایہ ناز محقق عالم، یگانۂ روزگار استاذ، حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب بلیاوی کے وصال کا جانکاہ حادثہ پیش آیا، اِنا للہ و اِنا اِلیہ راجعون، موصوف حضرت مولانا شیخ الہند محمود الحسن رحمہ اللہ کے تلامذہ میں سے تھے، درسیات کی مشکل ترین کتابوں کے اعلیٰ ترین مدرس اور استاذ تھے اپنی حیات طیبہ کا بہت بڑا حصہ علوم نقلیہ و عقلیہ کی تدریس و تعلیم میں ہی صرف کیا، پورے ساٹھ برس تدریس علومِ دینیہ کی خدمت انجام دی، ابتدائی دور میں دہلی کے مدرسہ فتحپوری میں تدریس کے فرائض انجام دیئے، پھر دارالعلوم دیوبند میں زندگی کا طویل ترحصہ اسی کارِ خیر میں گذرا، کچھ عرصہ ہاٹھ ہزاری چاٹگام کو اور چند ماہ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کو بھی آپ کے تدریسی عہد کا شرف حاصل رہا، پھر اپنے مادرِ علمی دارالعلوم میں ہی واپس آ گئے اور زندگی کی آخری سانس تک فرائض تدریس انجام دیتے رہے، حضرت مولانا مدنی قدس اللہ روحہ کے وصال کے بعد دارالعلوم کے "صدر الاساتذہ" کے عہدے پر فائز رہے، ذکاوت، قوتِ حافظہ اور حسنِ تعبیر میں خصوصاً معقول و منقول کی مشکلات کے حل کرنے میں یکتائے روزگار تھے اور درسِ نظامی کی آخری کتابوں کے بے نظیر استاذ تھے، ہندو پاک کے تقریباً تمام علماءِ کرام کے بلاواسطہ یا بالواسطہ استاذ تھے، شاید ہی علمی دنیا کا کوئی گوشہ ایسا ہو جہاں مرحوم کے تلامذہ نہ موجود ہوں، نصف صدی سے زیادہ تو دارالعلوم میں ہی علومِ درسیہ کی خدمت انجام دی ہے، مرحوم اپنے علمی کمالات اور جامعیت کے اعتبار سے قدماءِ سلف کی یادگار تھے جو کتاب پڑھاتے تھے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ نہ صرف اس کے حافظ ہیں بلکہ اس کے مالہ وما علیہ پر مصنف سے بھی زیادہ حاوی ہیں، مشکل سے مشکل مسائل ہیں ایسی عمدگی کے ساتھ دھیمی دھیمی آواز میں ایک عجیب تسلسل کے ساتھ تقریر فرمایا کرتے تھے کہ کوئی گوشہ بھی تشنہ نہیں رہتا تھا، افسوس کہ علم و فضل کے آفتاب و ماہتاب تیزی کے ساتھ غروب ہو رہے ہیں اور علمی گلستان اس طرح اُجڑتے جا رہے ہیں کہ ان

کی آبادی کی دوبارہ کوئی توقع نہیں، إن لله ما أخذ ولہ ما أعطی وکل شیئ عندہ إلی أجل مسمی، اللهم اغفر له وارحمه وأرضه وارض عنه وارفع درجاته آمین یارب العالمین وصلی الله علی صفوة البریة حبیب رب العالمین محمد وآله وصحبه وتابعیه أجمعین۔ ذی قعدہ ۱۳۰۷ھ

حضرت مولانا شاہ وصی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ

کُل من علیها فان ویبقیٰ وجه ربك ذو الجلال والاکرام

ماہنامہ الفرقان لکھنؤ میں یہ دردناک خبر پڑھی کہ حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب واصل بحق ہوگئے، إن لله وانا الیه راجعون۔

موصوف ضلع اعظم گڑھ (یوپی بھارت) کے ایک گاؤں فتح پور تال نرجا کے رہنے والے تھے معمر بزرگ تھے، حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ کے اکابر خلفاء میں تھے، آپ کے فیوض وبرکات سے نہ صرف یوپی اور شمالی ہندوستان بلکہ جنوبی ہند اور بمبئی کے علاقے بھی فیضیاب تھے۔ مخلصین واحباب واقرباء کے قافلہ کے ہمراہ "مظفری" جہاز سے دیارِ مقدسہ حرمین شریفین کے لئے روانہ ہوچکے تھے، ماہ رمضان کے عمروں اور طوافوں کا جذبہ لئے جارہے تھے کہ عَیِّ اجل سمندر کی طوفان خیز موجوں میں پہنچ گیا اور بجائے دیارِ قدس ملأ اعلیٰ کی سیر کے لئے روحِ ملکوتی جسد عنصری سے بوقتِ سحر پرواز کرگئی اور جسدِ عنصری دیارِ قدس کے سپرد کردیا گیا یہ حادثہ ۲۴، ۲۵ نومبر کی درمیان شب کے اخیر حصہ میں پیش آیا، سبحان اللہ! کتنے آثار برکات ورحمت کے جمع ہوگئے اللهم اغفر له وارحمه وارفع درجته ومتع المستفیضین ببرکاته۔

افسوس کہ صالحین کے قافلے بہت ہی سُرعت کے ساتھ آخرت کی طرف جارہے ہیں اور یہ مادی دنیا روحانی برکات سے خالی ہوتی جارہی ہے، انا لله وانا الیه راجعون۔ هذا وصلی الله علی صفوة البریة سر الوجود سیدنا محمد وآله وأصحابه وصالحی عباده أجمعین۔

شوال ۱۳۸۷ھ

حضرت مولانا سید حمید الدین رحمہ اللہ تعالیٰ

کل من علیہا فان ویبقیٰ وجہ ربک ذوالجلال والاکرام

صدمہ کی بات ہے کہ علماءِ ربانیین کے قافلے بڑی سُرعت سے عالمِ آخرت کی طرف کوچ کر رہے ہیں اور یہ سرزمین صالحین کی برکات سے محروم ہوتی جا رہی ہے۔

ماہ شعبان ۱۳۸۹ھ ۵ نومبر ۱۹۶۹ء کو ہندوستان کے ایک جلیل القدر محدث، عالمِ ربانی مولانا سید حمید الدین بن بشیر الدین فیض آبادی نے کار کے حادثے میں اپنی جانِ عزیز جہان آفرین کے سپرد کی، مرحوم حضرت امام العصر مولانا انور شاہؒ کے ارشد تلامذہ میں سے تھے اور دورۂ حدیث میں میرے رفیق ہم نفس تھے، عربی کے ادیب تھے اور شاعر بھی، حضرت مدنی کے بھانجے تھے اور حضرت مدنی سے بیعت بھی تھے، ابتدائی تعلیم اپنے آبائی وطن ہنسور ضلع فیض آباد (یو۔پی) میں حاصل کی، اس کے بعد دارالعلوم دیوبند میں تحصیل کی اور جو قافلہ حضرت امام العصر مولانا محمد انور شاہ رحمہ اللہ کے ساتھ دیوبند سے ڈابھیل ضلع سورت گیا تھا اس کارواں میں شریک تھے، جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں فراغت پائی اور ۱۶ طلبہ جو ۶۵ طلبۂ حدیث میں سے درجہ اولیٰ میں کامیاب ہو گئے ان میں آپ تھے، فراغت کے بعد ابتداءً کچھ عرصہ سرزمینِ سندھ کے مقام پیر جھنڈا میں رہے جہاں حدیث و رجال کے نادر مخطوطات سے استفادہ کا زرین موقع انہیں میسر آیا، پھر مدرسہ انوار الاسلام بہرائچ میں مدرس رہے، اس کے بعد دارالعلوم ندوۃ العلماء کے شیخ الحدیث رہے، آخر میں مدرسہ عالیہ کلکتہ میں شیخ الحدیث کے عہدے پر خدمتِ حدیث انجام دیتے رہے۔ دارالعلوم دیوبند سے درس حدیث کی خدمت کے لئے بلائے گئے تھے لیکن شاید نہ آسکے، دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے ممبر تھے، دہلی سے بذریعہ کار اپنے زنان ہمیں دیوبند مجلسِ شوریٰ کے اجلاس کے لئے آرہے تھے مظفر نگر کے قریب ایک ٹرک سے تصادم میں شہید ہو گئے، ممبرانِ مجلس شوریٰ کے اکثر افراد حضرت مولانا محمد طیب صاحب، مولانا محمد میاں صاحب مولانا قاضی زین العابدین میرٹھی، مولانا مرغوب الرحمٰن بجنوری، مولانا حامد الانصاری غازی وغیرہ حضرات موقع پر پہنچے اور جنازہ دیوبند لایا گیا، نمازِ جنازہ حضرت مولانا فخر الدین صاحب مراد آبادی،

شیخ الحدیث دار العلوم دیوبند نے پڑھائی اور قبرستانِ قاسمی میں اپنے شیخ عارف مدنی حضرت مولانا سید حسین احمد رحمہ اللہ کے پہلو میں سپردِ خاک کئے گئے، ۲۰ سال کی عمر میں فارغ التحصیل ہوئے تھے اور ۴۳ سال علومِ نبویہ کی خدمت کر کے ۶۳ سال کی عمر میں عالمِ فانی سے عالمِ جاودانی کی طرف رحلت فرمائی بہت کچھ لکھنے کو جی چاہتا ہے تاکہ رفاقت کا تھوڑا بہت حق ادا ہو سکے، لیکن ع :۔ دامانِ نگہ تنگ وگلِ حسنِ تو بسیار

ان چند سطروں پر اکتفا کرتا ہوں ، اللّٰھم اغفرلہ وارحمہ وارض عنہ واحشرہ مع عبادك الصالحین العلماء العاملین والمحدثین آمین یارب العالمین ۔

مرحوم برادرِ محترم مولانا سید محمد اسعد ابن العارف المدنی کے خسر تھے، اس حادثہ میں مولانا اسعد میاں کے جگر گوشہ عزیزم محمد بھی شدید زخمی ہو گئے تھے، چار پانچ دن کے بعد وہ بھی وفات پا گئے اور اس طرح مولانا سید اسعد کے لئے ذخیرۂ آخرت بن گئے، اللّٰھم اجعلہ لہٗ ذخراً واُجراً وشافعاً ومشفعاً ۔

حضرت مولانا شمس الحق فریدپوری رحمہ اللہ تعالےٰ

مشرقی پاکستان کے مشہور عالمِ ربانی "جامعہ قرآنیہ" لال باغ ڈھاکہ کے بانی اور شیخ الحدیث مولانا شمس الحق صاحب فریدپوری طویل علالت کے بعد بروز سہ شنبہ ۲ ذی القعدہ ۱۳۸۸ھ ۲۱ جنوری ۱۹۶۹ء کو واصل بحق ہوئے، مرحوم دیوبند کے فارغ التحصیل تھے اور سرچشمۂ سلوک تھانہ بھون سے روحانی فیض حاصل کیا تھا، مخلص وحق گو تھے، بلاخوف لومۃ لائم ہمیشہ اعلانِ حق کرتے رہے، استقامتِ رائے اصابتِ فکر اور اظہارِ حق میں فرید و وحید تھے، اپنے وطن فریدپور میں سپردِ خاک ہوئے، اللّٰھم اغفرلہٗ مغفرۃً ظاھرۃً وباطنۃً وارفع درجاتہ واجعلہ من عبادك المقربین ۔

حضرت مولانا نصیر الدین غورغشتی نوّر اللہ مرقدہ

مغربی پاکستان کے شمالِ مغرب میں موضع غورغشتی ضلع کیمبل پور سے بھی علم و اخلاص کے جوہرِ نایاب، تقویٰ وطہارت کے پیکر، صدق و صفا کے مجسمہ، عالمِ ربانی عارفِ لاثانی حضرت مولانا نصیر الدین صاحب کی رُوح مبارک عین اس وقت جبکہ وہ حج بیت اللہ کا عزم کر چکے تھے اور

کراچی آنے کے لئے پابہ رکاب تھے ۳ ذی القعدہ ۱۳۸۸ھ مطابق ۲۲ جنوری ۱۹۶۹ء کو ملأ اعلیٰ کی طرف پرواز کر گئی، إنا للہ و إنا إلیہ راجعون.

مرحوم حضرت مولانا حسین علی نقشبندی سے روحانی کمالات حاصل کر کے ان کے خلیفہ بن گئے تھے، عرصہ دراز تک علوم نبوت کا درس دیتے رہے، تقریباً چالیس سال سے زیادہ صحاح ستہ، ہدایہ اخیرین، مشکاۃ کا درس دیا، علوم نبوت کو ذریعۂ معاش نہیں بنایا، ہزارہا مخلوقِ خدا کو فیضیاب فرمایا، غالباً عمرِ مبارک سو سال سے متجاوز تھی، تمام عمر قال اللہ وقال الرسول کی صدا سے معمور رہی اس پر فتن دور میں ایسے نفوسِ قدسیہ ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملیں گے جن کی تمام عمر علم و دین کی خدمت میں گذری ہو، نہ راحت کی فکر، نہ تنخواہ و مشاہروں کا تصور، نہ دولت اور عزت و وجاہت کی آرزو، فقیرانہ زندگی مسجد میں گذاری، درحقیقت اسی قسم کے پاک طینت نفوسِ مقدسہ ہیں جو علومِ نبوت کے وارث اور مسندِ نبوت کے جانشین ہیں.

إنّ للہ عباداً فُطنا　　طلّقوا الدنیا وخافوا الفِتنا

نظروا فیها فلمّا علموا　　أنها لیست لحيٍّ وَطنا

جعلوها لُجّةً واتخذوا　　صالح الأعمال فیها سُفُنا

ترجمہ:۔ (۱) اللہ تعالےٰ کے کچھ سمجھ دار بندے ایسے بھی ہیں جنہوں نے فتنوں سے ڈر کر دنیا کو طلاق دے دی۔

(۲) دنیا میں غور کرنے سے وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ یہ کسی بھی زندہ مخلوق کا مقام اور وطن نہیں ہے،

(۳) اس لئے انہوں نے دنیا کو ایک غرقاب سمندر سمجھ کر نیک اعمال کے سفینوں سے اسے عبور کیا ہے۔

فاللّٰهم اغفر له وارحمه وأكرم نزله ووسع مدخله، وارزقه داراً خيراً من داره وجاراً خيراً من جاره وأنزل عليه شآبيب رضوانك ونفحات قديم إحسانك فأنت المنان وأنت الحنان وأنت قديم الإحسان وأنت ذو الجلال والإكرام، وصلى الله على سيد بني عدنان سيد المرسلين وإمام المتقين و خاتم النبيين إمام الخير وقائد الخير ورسول الرحمة وعلىٰ

آلہ وعترتہ وأهل بيتہ وصحبہ ومن تبعهم أجمعين إلى يوم الدين ۔

ذی الحجہ ۱۳۸۸ھ

محترم جناب حاجی محمد یعقوب کالیہ رحمہ اللہ تعالےٰ

انتقال پُرملال حاجی محمد یعقوب صاحب کالیہ بتاریخ ۸ مارچ ۱۹۶۹ء مطابق ۱۹ ذی الحجہ ۱۳۸۸ھ روز شنبہ بوقتِ فجر (خزانچی مدرسہ عربیہ اسلامیہ و مسجد نیوٹاؤن)

کُلُّ نفسٍ ذائقۃ الموت

بہت افسوس و صدمے کے ساتھ یہ خبر سنی جائے گی کہ ہمارے ہر دل عزیز مخلص صاحبِ لطف وکرم حاجی محمد یعقوب کالیہ دہلوی مدرسہ عربیہ اسلامیہ کراچی کے خزانچی بتاریخ ۱۹ ذی الحجہ ۸۸ھ مطابق ۸ مارچ ۶۹ء کو وفات پاگئے إنا للہ وإنا إلیہ راجعون، موصوف پہلے وہ شخص ہیں جن کے ابتدائی مشورے سے مدرسہ عربیہ اسلامیہ کا افتتاح جامع مسجد نیوٹاؤن میں کیا گیا تھا اور تقریبًا مدرسہ کے ۷ ماہ گذرنے کے بعد راقم الحروف نے موصوف کو مدرسہ عربیہ اسلامیہ کا خازن مقرر کیا تھا اور جو رقم میرے پاس تھی موصوف نے نہایت اخلاص و ہمدردی سے یہ فریضہ انجام دیا اور مدرسہ کی معاونت بھی کرتے رہے رفتہ رفتہ مدرسہ اور مدرسہ والوں سے محبت و اخلاص و تعلق انتہاتک پہنچ گیا مجھے حق تعالےٰ کی ذات سے قوی امید ہے کہ مدرسہ سے یہ تعلق و ہمدردی موصوف کے لئے آخرت میں رفعِ درجات کا باعث ہوگی، دعا ہے کہ حق تعالےٰ موصوف کی کوتاہیوں کو معاف فرمائے اور بال بال مغفرت فرماکر جنت الفردوس نصیب فرمائے، موصوف کی وفات پر مدرسہ عربیہ اسلامیہ کے ناظمِ دفتر جناب حافظ قاری محی الدین احمد مکنون نے قطعہ تاریخ لکھا ہے جو درج کیا جاتا ہے:۔

صاحبِ خیر، بزرگ اور عزیز طلباء	خازنِ مدرسہ و مسجدِ جامع محبوب
دار فانی سے سوئے عالمِ جاوید گئے	کہ تقاضائے مشیّت کا یہی ہے اسلوب
یہ تو ہونا تھا کہ مجبور ہے انسان ضعیف	چاہیئے صبر کہ بے صبری ہے غایت معیوب
یہ دعا کیجئے کہ بخشش ہو خدایا ان کی	اور کوثر سے عطا ہو انہیں جامِ مشروب

سالِ رحلت میں یہ مکنوں سے ہاتف نے کہا
قصرِ جنت میں ہے سلطان محمدؐ یعقوب

۱۳۸۸ ہجری — محرم الحرام ۱۳۸۹ھ

حضرت مولانا سید احمد شاہ بخاری رحمہ اللہ تعالےٰ

۵ محرم الحرام ۱۳۸۹ھ م ۲۴ مارچ ۱۹۶۹ء کو یوم دوشنبہ مولانا سید احمد شاہ بخاری اجنالوی کا حادثہ وفات پیش آیا إنا للہ وإنا إلیہ راجعون. مولانا مرحوم قرآن کریم کے حافظ تھے، معقولات میں حضرت مولانا غلام رسول صاحب اور ان کے خلف الرشید مولانا ولی اللہ صاحب "انھی" والوں سے مہارت حاصل کی تھی، حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی کے عہدِ مشیخت میں دار العلوم دیوبند سے فیض علومِ نبوت حاصل کیا اور کلام و فلسفہ کی چند کتابیں حضرت مولانا ابراہیم صاحب بلیاوی مرحوم اور حضرت مولانا عبد الحق صاحب نافع کا کاخیل سے بھی پڑھیں تھیں، ۱۳۵۲ھ صفر میں دیوبند پہنچ چکے تھے اور حضرت امام العصر مولانا محمد انور شاہ رحمہ اللہ کے جنازہ میں بھی شرکت کی سعادت حاصل کی تھی نہایت ذکی تھے، طبیعت میں تحقیق کا مادہ تھا مزاج میں بہت سادہ تھے، تکلف سے بالاتر تھے، زندگی تدریس و تالیف میں خاموشی کے ساتھ گزاری، چار سال جامع محمدیہ (جھنگ) میں مدرس رہے اور سترہ سال مدرسہ دار الہدیٰ چوکرہ (سرگودھا) میں تدریسی تبلیغی تالیفی زندگی گذاری، اور "دار الہدیٰ" سے ردِ شیعیت میں ماہنامہ "الفاروق" جاری کیا جو عرصہ ۶، ۷ سال تک دشمنانِ اسلام کے حملوں کا تابڑ توڑ دفاع کرتا رہا اور دلائلِ حقہ سے اہلِ تشیع کو مبہوت کر دیا، ۱۳۷۶ھ سے سرگودھا شہر میں "مسجد فاروقِ اعظم" اور "دار العلوم فاروقِ اعظم" کی بنیاد ڈالی مرحوم ردِ روافض و شیعیت کے ممتاز عالم تھے "مدحِ صحابہ" میں نکتہ آفرین طبیعت پائی تھی "تحقیقِ فدک" ان کی محققانہ تالیف یاد یادر ہے گی، "بسط الیدین" محمد سبطین شیعی عالم کی کتاب کی تردید میں مشغول تھے، افسوس کہ یہ کتاب ناتمام رہ گئی اور داعیٔ اجل کو لبیک کہہ کر واصل بحق ہوگئے ع اے بسا آرزو کہ خاک شدہ " تریسٹھ سال عمر پائی اور آبائی مسکن "اجنالہ" میں مدفون ہوئے افسوس کہ اس طرز کے علماء جو سراپا اخلاص بن کر خاموشی کے ساتھ اونچی دینی و علمی خدمات انجام دیتے ہوں رخصت ہورہے ہیں اور کوئی جانشین نہیں چھوڑتے۔

إنا للہ وإنا إلیہ راجعون، اللھم اغفر لہ وارحمہ وأکرم نزلہ بفضلک وکرمک یا أرحم الراحمین۔

صفر ۱۳۸۹ھ

عارف باللہ حضرت مولانا عبدالغفور عباسی نور اللہ مرقدہ

الحمد للہ الذی لاباقی إلا وجہہ ولاراد لقضائہ، والصلاۃ والسلام علیٰ خاتم أنبیائہ وعلیٰ آلہ وأصحابہ وأولیائہ۔

شب یک شنبہ بتاریخ یکم ربیع الاوّل ۱۳۸۹ھ مطابق ۱۸ مئی ۱۹۶۹ء حضرت مولانا عبدالغفور عباسی مہاجر مدنی مدینہ طیبہ کی پاک سرزمین میں اللہ تعالیٰ سے جاملے، إنا للہ وإنا إلیہ راجعون۔

مرحوم کا آبائی وطن موضع "جدیا" علاقہ چکیسر ریاست سوات تھا، ابتدائی تعلیم وطن ہی میں پائی اور آخری تعلیم مدرسہ امینیہ دہلی میں ہوئی، فراغت کے بعد کچھ عرصہ مدرسہ امینیہ میں مدرس بھی رہے، پھر ضلع مظفر گڑھ کے ایک گاؤں مسکین پور میں حضرت مولانا فضل علی صاحب قریشی نقشبندیؒ سے بیعت کی یہاں ذکر وشغل کے ساتھ ساتھ حضرت قریشیؒ کے مہمانوں کی خدمت میں کنویں سے پانی نکالنے اور جنگل سے لکڑیاں لانے کا سلسلہ بھی جاری رہا، خوب مجاہدہ نصیب ہوا اور آخر اپنے شیخ کامل کی توجہ سے وہ مقام حاصل کیا جو غالباً شیخ کے مریدین میں سے کسی کو نصیب نہیں ہوا ہوگا، ان مخلصانہ خدمات اور مجاہدات وریاضات نے انہیں اپنے شیخ کا صحیح جانشین بنادیا، بالآخر ہجرت کی نیت سے مدینہ طیبہ پہنچے اور حج وزیارت کے بعد وطن آکر اپنی تمام جائیداد فروخت کردی اور مدینہ طیبہ میں سید محمود صاحب سے (جو حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کے چھوٹے بھائی ہیں) تین ہزار ریال میں ایک مکان خریدا غالباً آدھی رقم تو اسی وقت ادا کردی تھی اور باقی بعد میں ادا کی گئی۔

مدینہ طیبہ میں دورانِ قیام ہر سال حج کی توفیق ہمیشہ نصیب ہوتی رہی اور عمرے بھی ادا کرتے رہے، آپ کو عمرہ کرنے کا بہت شوق تھا، ہر سال ماہ رمضان میں عمرہ کے لئے جاتے رہے اور مسجدِ نبوی میں اعتکاف بھی کرتے رہے، یہ اسی عشق کا نتیجہ تھا کہ وفات تک نہ تو حج ترک ہوا اور نہ رمضان المبارک کا عمرہ اور مسجدِ نبوی کا اعتکاف چھوٹا، اس سال بے حد کمزور تھے لیکن پھر بھی اعتکاف کی سعادت نصیب ہوئی، اعتکاف میں تمام رات تراویح، قیامِ لیل اور ختماتِ قرآن میں ان کی فوق العادۃ استقامت قابلِ رشک تھی اس دفعہ موسمِ حج میں غلبۂ امراض کی وجہ سے طبیعت انتہائی کمزور تھی لیکن عشقِ عبادت سے سرشار طبیعت کہاں صبر کرسکتی تھی چنانچہ سفرِ عشق

کے لئے مدینۃ الرسول سے بلد اللہ الامین کو روانہ ہوگئے، منیٰ پہنچتے ہی طبیعت خراب ہوگئی، کسی نہ کسی طرح میدانِ عرفات میں پہنچ گئے، لیکن وہاں بے ہوشی کا سا عالم طاری رہا، عرفات میں سرکاری ہسپتال میں داخل کئے گئے، وہاں سے سرکاری ایمبولنس کار میں مزدلفہ سے منیٰ اور وہاں سے مکہ پہنچے، شُبری پر طوافِ زیارت اور طوافِ وداع فرمایا اور وقوفِ مزدلفہ اور رمی جمرات کے لئے باوجود توکیل کے دو دم دیئے اور اسی حالت میں مدینہ طیبہ پہنچے، کچھ عرصہ کے بعد کراچی کے مخلصین کے اصرار پر بغرضِ علاج کراچی تشریف لے آئے لیکن جب معلوم ہوا کہ علاج سے کوئی فائدہ نہیں ہو رہا ہے تو ایک ہفتہ کے بعد مدینہ منورہ تشریف لے گئے اور ۷۷ سال کی عمر میں جان جان آفرین کے سپرد کردی۔

مرحوم طبعًا انتہائی متواضع، باوفا اور مہمان نواز تھے، صدق وصفا اور اخلاص کے پیکر اور تقویٰ وطہارت، استقامت اور بکثرت عبادت میں یکتا تھے۔ بیعت وارشاد کے اونچے مقام نے ان طبعی مکارمِ اخلاق کے لئے سونے پر سہاگہ کا کام کیا، اصلاحی مواعظ وبیان پر اچھی قدرت تھی، وعظ نہایت مؤثر ہوتا تھا، فرمایا کرتے تھے کہ "میں تو توبہ واصلاح کی بیعت کرتا ہوں" چنانچہ ان کی بیعت سے نہ صرف افراد بلکہ خاندانوں کی اصلاح ہوگئی، سیرتیں اور صورتیں بدل گئیں، ان کی صحبت وتوجہ بھی نہایت مفید ومؤثر تھی، سلسلہ بیعت وارشاد پاکستان وہندوستان کے علاوہ مصر وشام اور ترکی تک پہنچ گیا تھا، سب سے بڑی کرامت اتباعِ سنت اور استقامت تھی جو فوق الکرامۃ تھی، انتہائی افسوس ہے کہ مدینہ طیبہ میں اپنے رنگ کے دونوں بزرگ تھے حضرت مولانا بدر عالم صاحب مہاجر مدنیؒ اور حضرت مولانا عبد الغفور صاحب عباسیؒ یکے بعد دیگرے اللہ کو پیارے ہوگئے اور اس طرح مدینہ طیبہ میں سلوک وارشاد کی یہ دونوں مسندیں خالی ہوگئیں، اللہ تعالیٰ مرحوم کو اپنی رحمت ورضوان کی آغوش میں درجاتِ رفیعہ عالیہ نصیب فرمائے۔ فرحمہ اللہ رحمۃ الأبرار الصالحین والعلماء الربانیین والعباد المقربین۔

حضرت مولانا محمد مبین خطیب رحمہ اللہ تعالیٰ

افسوس کہ صالحین وعلماء کے قافلے بہت تیزی کے ساتھ عالمِ آخرت کی طرف جارہے ہیں، ۲۷ محرم الحرام ۱۳۸۹ھ مطابق ۱۵ اپریل ۱۹۶۹ء کو مولانا محمد مبین صاحب خطیب دیوبندی (مولانا

محمد متین خطیب کے والدِ ماجد) انتقال فرما گئے، مرحوم حضرت مولانا شیخ الہند مولانا محمود الحسن قدس اللہ سرہ کے قافلہ کے رفقاءِ سفر میں سے تھے۔ نہایت صالح اور سن رسیدہ بزرگ تھے، عمر مبارک نوے سال سے متجاوز تھی، متواضع، سنجیدہ اور با اخلاق شخصیت کے آدمی تھے، حق تعالیٰ بال بال مغفرت فرما کر ان کو درجاتِ عالیہ نصیب فرمائے۔ صحیح بخاری میں حضرت مرداس اسلمیؓ کی روایت سے یہ حدیث مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یذھب الصالحون الأول فالأول ویبقی حفالۃ کحفالۃ الشعیر أو التمر لا یبالی اللہ بھم بالۃ۔ یعنی صالحین یکے بعد دیگرے طبقہ بہ طبقہ رخصت ہوتے جائیں گے اور آخر میں ایسے نکمے لوگ رہ جائیں گے جیسے جو یا کھجور کا ردی حصہ رہ جاتا ہے جن کی اللہ تعالیٰ کے یہاں کوئی قدر و قیمت نہیں ہوگی۔" جن صالحین کا وجود اس عالم کے لئے باعثِ رحمت و موجبِ خیر و برکت ہے ظاہر ہے کہ ان کے اٹھ جانے سے خیر و برکت کا وہ حصہ بھی دنیا سے اٹھ جاتا ہے۔ إن للہ ما أخذ ولہ ما أعطی وکل شیء عندہ إلی أجل مسمّی (بلاشبہ اللہ کے لئے ہے جو کچھ وہ لیتا ہے اور جو کچھ دیتا ہے اللہ تعالیٰ کے ہاں ہر چیز کا وقت مقرر ہے)

ربیع الثانی ۱۳۸۹ھ

حضرت مولانا محمد الوری رحمہ اللہ

افسوس ہے کہ اہل اللہ کے قافلے عالمِ آخرت کی طرف جا رہے ہیں اور دنیا ان کے انوار و برکات سے محروم ہوتی جا رہی ہے۔

۱۳ ذی القعدہ ۸۹ھ (مطابق ۲۲ جنوری ۷۰ء) کو حضرت مولانا محمد الوری کا لائل پور (فیصل آباد) میں تقریباً ۷۰ سال کی عمر میں وصال ہوا، مرحوم ہمارے دور کے جید عالم اور صاحب سلسلہ بزرگ تھے۔ جس سال حضرت شیخ الہندؒ کی مالٹا سے واپسی ہوئی اسی سال مرحوم دورۂ حدیث کے لئے دارالعلوم دیوبند حاضر ہوئے، امام العصر حضرت مولانا محمد انور شاہ صاحب، حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب، حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحب اور حضرت مولانا محمد احمد خلف الرشید حضرت نانوتوی (رحمہم اللہ) سے حدیث پڑھی۔ حضرت شیخ الہندؒ سے بیعت ہوئے۔ آپ کے

بعد حضرتِ اقدس مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ سے بیعت کی اور خلافت و اجازت سے مشرف ہوئے، حضرت شاہ صاحب سے خاص شغف و تعلق تھا اس لئے "انوری" کہلاتے تھے، بڑی خوبیوں کے بزرگ تھے۔ بہت سے لوگ آپ کی تعلیم و تربیت سے مستفیض ہوئے۔

فرحمه الله رحمةً واسعةً، اللّٰهم أكرم نزله ووسع مدخله، وأبدله داراً خيراً من داره وأهلاً خيراً من أهله وتقبل حسناته وارفع درجاته۔

صاحبزادہ برادرم مولانا سعید الرحمٰن اب آپ کے جانشین ہیں۔ حق تعالیٰ موصوف کو علماً و عملاً و سیرۃً و اخلاقاً ان کا جانشین بنائے۔ محرم الحرام ۱۳۹۰ھ

مولانا شاہ محمد یعقوب صاحب مجددی

بھوپال کی سرزمین تاریخ کے کسی دور میں علماء و صلحاء اور اہلِ فضل و کمال کا مرکز رہی ہے حضرت شاہ محمد یعقوب صاحب مجددی کی ہستی انہی اربابِ قلوب کی آخری کڑی تھی جن کا فیض اس سرزمین میں جاری و ساری تھا اور جن کی صحبت کی برکات سے قلوب معمور ہوتے تھے، تقریباً تیس۳۰ برس پہلے کی بات ہے کہ راقم الحروف حضرت مولانا سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ کی دعوت پر بھوپال گیا تھا، حضرت سید صاحب کی مہمانی کا شرف نصیب ہوا، اس وقت سید صاحب عہدۂ قضا اور نیز درس گاہوں کے سرپرست کی حیثیت سے بھوپال میں قیام فرما تھے، سید صاحب نے مجھے لکھا تھا کہ والئی بھوپال کی خواہش ہے کہ یہ سرزمین دوبارہ علمی مرکز بنے۔ سید صاحب کا اصرار تھا کہ میں بھی ان کی رفاقت اختیار کروں، غرض اس سلسلہ میں پہلی مرتبہ بھوپال جانا ہوا تھا، چونکہ میں سید صاحب کا مہمان تھا اور وہ بے حد شفقت فرماتے تھے، جگہ جگہ مجھے لے جاتے تھے۔ کبھی دوزدار سے ملاتے اور کبھی اربابِ علم و فضل سے بات کراتے۔ ایک دن فرمایا کہ یہاں ایک صاحبِ دل بزرگ مجددی طریقے کے ہیں، آج ان کے ہاں جائیں گے، چنانچہ سید صاحب کی معیت و رفاقت میں حضرت موصوف کی زیارت کا شرف حاصل ہوا، سید صاحب نے راقم الحروف کا تعارف کرایا اور خاموش بیٹھ گئے، نحیف و لاغر بدن، کم گو، خاموش طبع اور باوقار شخصیت، نورانی چہرہ، تبسم بلب،

تسبیح بدست، یہ تھے مولانا شاہ محمد یعقوب مجددی، یوں ہی سا نقشہ خیال میں ہے، اس مجلس کی اور کوئی بات اب یاد نہیں، عرصہ کے بعد برادرِ محترم جناب مولانا ابوالحسن علی صاحب زیدت برکاتہم کے قلم سے بعنوان "ایک دو ساعت با اہلِ دل" ماہ نامہ الفرقان وغیرہ میں بعض ملفوظات موصوف کے نظر سے گذرے، یاد آیا کہ یہ وہی بزرگ ہیں جن سے کچھ عرصہ پہلے ملاقات و زیارت کا شرف نصیب ہوا تھا، افسوس کہ موصوف ۱۴ ربیع الاوّل ۱۳۹۰ھ پنجشنبہ کی صبح بعمر ۸۷ سال بھوپال میں واصل بحق ہوئے اور اس طرح ہندوستان کی سرزمین ایک اور صاحب دل بزرگ سے خالی ہوگئی، اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

انتہائی صدمہ ہے جو جاتا ہے اس کی مسند خالی ہو جاتی ہے جن کی زیارت سے اللہ تعالیٰ یاد آتا ہے ((وخیار عباد اللہ اذا رؤوا ذکر اللہ)) اللہ تعالیٰ کے بہترین بندے وہ ہیں جن کے دیدار سے اللہ یاد آتا ہے، جن کی صحبت سے دلوں کی اصلاح ہوتی ہے اور جن کے انفاس سے مسیحانفسی کا کام جاری رہتا ہے دنیا کے گوشے گوشے سے اللہ تعالیٰ کے ایسے نیک بندوں کے قافلے عالمِ آخرت کی طرف تیزی سے جا رہے ہیں ((یذھب الصالحون الأول فالأول وتبقی حفالۃ کحفالۃ التمر)) حق تعالیٰ کی رحمتیں ان کی روح اور قبر پر نازل ہوں، رحمت و رضوان اور روح و ریحان کی بشارتوں سے مالامال ہوں، "الفرقان" لکھنؤ کے ذریعہ وفات کا علم ہوا، تفصیلات کے لئے الفرقان بابت ماہ ربیع الاوّل ۹۰ھ دیکھا جائے۔

رجب ۱۳۹۰ھ، ستمبر ۱۹۷۰ء

عالم آخرت کے دو مسافر

مولانا سید طلحہ رحمہ اللہ تعالے

رجب المرجب ۱۳۹۰ھ کے مبارک مہینے کی ۲۳ تاریخ کو (مطابق ۲۵ ستمبر ۱۹۷۰ء) جمعہ کے مبارک دن میں دو صالح بزرگ عالم آخرت کے سفر پر روانہ ہوئے، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

صبح نو بجے ایک بزرگ اور شام تین بجے دوسرے بزرگ، ایک نمازِ جمعہ سے پہلے، اور دوسرے نماز جمعہ کے بعد، پہلے بزرگ حضرت مولانا سید طلحہ تھے جو حضرت سید احمد شہیدؒ کے خاندان کے چشم وچراغ تھے، کریم النفس، خفیف الروح، خوش طبع، خوش مذاق، عربی علوم کے فاضل روزگار، عقلی ونقلی علوم کے ماہر، ادب وتاریخ کے شہسوار، انگریزی زبان کے گریجوٹ عربی ادب کے عاشق، اردو ادب کے دلدادہ، متواضع، بردبار، باوفا، سراپا اخلاص، مودت شعار، افادہ واستفادہ کے حریص، مجلسی لطائف میں باغ وبہار اور بے تکلف، ان کمالات وخصائل کے باوصف مزاج میں بڑی سادگی اور صاف دلی تھی، دوسروں کے کمالات کے بیحد معترف رہا کرتے، کسی کے ادنیٰ کمال کے اعتراف میں کبھی بخل نہ کرتے، حسد ونفاق سے سینہ صاف تھا۔ نیک نیتی وخیر خواہی میں اپنی نظیر آپ تھے، تاریخ کی شخصیات کے دانائے راز تھے، ٹونک کے "مدرسہ ناصریہ" میں تعلیم پائی تھی، دو بڑی ممتاز شخصیتوں کے ممتاز شاگرد تھے:۔ (۱) حضرت مولانا حیدر حسن خاں ٹونکی مرحوم (۲) حضرت مولانا سیف الرحمٰن مہاجر افغانی۔

حضرت امام العصر مولانا سید محمد انور شاہ رحمۃ اللہ کے شیدائی اور ڈاکٹر اقبال مرحوم کے دوستوں میں تھے، ہمارے محترم گرامی قدر مولانا ابو الحسن علی کے پھوپھا تھے، عرصہ دراز تک لاہور میں اورنٹیل کالج پنجاب یونیورسٹی کے پروفیسر رہے، ایک عرصہ سے کراچی میں مقیم تھے اور مولانا طفیل احمد کے دار التصنیف سے وابستہ ہو گئے تھے اور انگریزی تراجم سے قرآنِ کریم کے انگریزی ترجمہ کے انتخاب کی خدمت میں مشغول تھے، حق تعالےٰ کی ہزار ہزار رحمتیں ان پر، ان کی قبر پر اور ان کی روح پر ہوں۔ آمین

مولانا عبدالشکور رحمہ اللہ تعالیٰ

دوسرے بزرگ حضرت مولانا عبدالشکور صاحب موضع بہبودی ضلع کیمبل پور علاقہ چھچھ کے رہنے والے تھے، مستند عالم، خوش بیان واعظ، سراپا اخلاص اور مجسم زہد وتقویٰ، حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری کے زمانے میں مدرسہ مظاہر العلوم سہارن پور سے فارغ التحصیل ہوئے، فراغت کے بعد وہیں مدرس ہوئے اور آخر میں وہاں "شیخ التفسیر" کے عہدے پر فائز ہوئے، تمام زندگی بے سروسامانی میں گذاری جو علماءِ ربانیین اور علماءِ آخرت کی بڑی نشانی ہے، عرصہ دراز سے صحت خراب ہو چکی تھی، راولپنڈی میں عرصہ تک علاج جاری رہا، آخر اس فانی دنیا سے اُکتا کر عالمِ آخرت کا رُخ کیا اور پنڈی میں واصل بحق ہو گئے اور اپنے مسکنِ اصلی بہبودی ضلع کیمبل پور میں اس امانتِ الٰہی کو سپردِ خاک کیا گیا، حق تعالیٰ اپنی رحمت ومغفرت ورضوان سے مالا مال فرمائے۔ آمین

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ

رمضان المبارک ۱۳۹۰ھ، نومبر ۱۹۷۰ء

حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھری

الحمد للہ الذی لہ البقاء و کتب علی غیرہ الفناء و الصلوٰۃ و السلام علی خاتم النبیین و سید الرسل الأتقیاء محمد و آلہ الأصفیاء و صحبہ الأذکیاء، مادام تھمی العیون بالبکاء وتسلی القلوب بالعزاء، و بعد:

۲۱ شعبان ۱۳۹۰ھ مطابق ۲۲ اکتوبر ۱۹۷۰ء بروز جمعرات بوقت ۱۱½ بجے حضرت مولانا خیر محمد صاحبؒ جالندھری بانی خیر المدارس ملتان اس عالمِ فانی سے رحلت فرمائے عالم آخرت ہوئے، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔ بلاشبہ موت وحیات اس عالمِ کون وفساد کا خاصہ ہے، یہاں جو آیا وہ رہنے کے لئے نہیں بلکہ جانے کے لئے ہی آیا، آنا اور جانا سنتِ بنی آدم ہے اور «کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَۃُ الْمَوْتِ،» حق تعالیٰ کا تکوینی امر ہے جس سے کسی کو بھی مخلص نہیں، یہاں صبر وضبط، تسلیم وانقیاد اور رضا بالقضاء کے بغیر کوئی چارہ کار نہیں،

«اِنَّ لِلّٰہِ مَا اَخَذَ وَلَہٗ مَا اَعْطٰی وَکُلُّ شَیْئٍ عندہ باجل مسمی»

تاہم بعض شخصیتیں قافلہ ہستی کے لئے مینارہ نور ہوتی ہیں، ان کے وجودِ مسعود سے علم ودانش، زہد وتقویٰ اور یقین ومعرفت کی بنیادیں استوار ہوتی ہیں، اور ان کے دم قدم سے علومِ نبوت کا وقار قائم رہتا ہے، ان کے جانے کے بعد ایسا خلا پیدا ہو جاتا ہے کہ مستقبل میں ان کے پُر ہونے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی، حضرت مولانا مرحوم کا شمار انہی جامع الکمالات ہستیوں میں تھا، وہ نہ صرف اپنے دور کے جید اور ممتاز عالم تھے، بلکہ بڑے عاقل ومتین اور مدبر ومنتظم تھے، علم ووقار کا مجسمہ اور خدا ترسی وللّٰہیت کا بہترین نمونہ تھے، ان کی موت، عقل ودانش، حلم ووقار، تدبر وانتظام اور مکارم اخلاق کی موت ہے، ان کے وجود سے علم اور علماء کا وقار قائم تھا، خانقاہ کی عظمت باقی تھی، ارشاد وتلقین کی شمعیں روشن تھیں اور اصلاح وتربیت کی محفلیں آباد وبارونق تھیں، پاکستان کے مرکزی اور تاریخی شہر "ملتان" میں ان کا مدرسہ "خیر المدارس" اسم بامسمیٰ تھا، جہاں تعلیم وتدریس کے ساتھ تزکیۂ نفوس، اصلاحِ اخلاق اور تربیتِ قلوب کی طرف بھی توجہ تھی، صورت کے ساتھ رُوح بھی

تھی، صفائی معاملات میں خصوصی امتیاز تھا، یوں تو حضرت مرحوم کی شخصیت تھانہ بھون اور دیوبند سے تعلق کی وجہ سے شہرۂ آفاق تھی، آپ حضرت حکیم الامت (قدس اللہ سرہٗ) کے خلیفۂ مجاز اور دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے رُکن رکین تھے، لیکن حضرت مرحوم کو قریب سے دیکھنے اور سمجھنے کا موقعہ اس وقت ملا جب کہ دینی درس گاہوں کی تنظیم "وفاق المدارس" کی بنیاد پڑی اور "وفاق المدارس" کے اجتماعات میں ان سے مصاحبت و ہمنشینی کے مواقع میسر آئے، انہیں جذبات سے بالاتر اور طیش و غضب سے پاک دیکھا، ان کے رگ و ریشہ میں عقل و دانش اور حلم و تدبر کوٹ کوٹ کر بھرا تھا، خفیف الجسم اور لطیف الروح تھے، بڑی قابلِ قدر ہستی تھی، حق تعالیٰ ان کو عفوو مغفرت اور رحمت و رضوان کے اعلیٰ ترین مقام پر فائز فرمائے، صاحبزادگانِ گرامی مولانا حافظ رشید احمد، مولانا حافظ محمد شریف اور مولانا حافظ عبدالحق کو حضرت مرحوم کا صحیح جانشین بنائے اور ان کے آثار باقیہ کو قائم و دائم رکھے۔

ایک حدیث میں ہے :-

«یذھب الصالحون الأول فالأول ویبقی حفالة کحفالة الشعیر أو التمر لا یبالیھم اللہ بالۃً»	نیک لوگ یکے بعد دیگرے اُٹھتے جائیں گے اور (انسانیت کی) تلچھٹ پیچھے رہ جائے گی جیسا کہ ردی جَو اور کھجور رہ جاتے ہیں، حق تعالےٰ ان کی کوئی پرواہ نہیں کرے گا۔

ایک اور حدیث میں ہے :-

«إن اللہ تعالےٰ لا یقبض العلم انتزاعاً ینتزعہ من قلوب العباد ولکن یقبضہ بقبض العلماء حتی إذا لم یُبقِ عالماً	بے شک اللہ تعالیٰ اس علم کو اس طرح قبض نہیں کرے گا کہ بندوں کے سینوں سے چھین لے بلکہ قبضِ علم کی صورت یہ ہوگی کہ اللہ تعالیٰ علماء کو اٹھاتا رہے گا، یہاں تک کہ جب ایک عالم بھی باقی نہیں چھوڑے گا تو لوگ جاہلوں

اتخذ الناس رؤساً جہالاً کو پیشوا بنالیں گے، ان سے سوالات ہوں گے فسئلوا فافتوا بغیر علم وہ بغیر جانے بوجھے فتوے دیں گے، خود بھی گمراہ فضلوا و اضلوا۔)) ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔

ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ بقائے انسانیت کا مدار دو چیزوں پر ہے:۔ علم صحیح[1] اور عمل صالح[2]۔

یہ دونوں چیزیں انسانیت کے بنیادی جوہر ہیں اور ان دونوں کی موت درحقیقت انسانیت کی موت ہے جو حضرات علم و عمل کے جامع اور انسانیت کے اعلیٰ نمونہ ہیں، ان کے بتدریج اُٹھتے چلے جانے سے یہ دونوں چیزیں اُٹھتی جارہی ہیں اور انسانیت بتدریج دم توڑ رہی ہے، کسی زمانے میں کافروں سے جو اخلاقی نمونے دیکھنے میں آتے تھے، اب وہ مسلمانوں میں بھی بمشکل نظر آتے ہیں، نصف صدی پہلے کے فاسق و فاجر جس بلندئ کردار کا مظاہرہ کرتے تھے، وہ آج کے بہت سے "صالحین" میں مفقود ہے، اور کچھ عرصہ پہلے کے امی اور جاہل خدا ترسی و دین شعاری کا جو نمونہ پیش کرتے تھے وہ آج کے اہلِ علم و دانش کے یہاں عنقا ہے، جس طرح انسانوں کی جسمانی صحت نسلاً بعد نسلٍ کمزور ہوتی جارہی ہے اسی طرح اخلاقی صحت بھی دن بدن رُو بزوال ہے، آج کل عام طور پر انسان انسان نہیں، انسانیت کی چلتی پھرتی لاشیں ہیں جو حیاتِ مستعار کا بار کندھوں پر اٹھاتے پھر رہی ہیں اور فضائے بسیط کو اپنے تعفن سے مسموم کر رہی ہے۔

نیستند آدم خلافِ آدم اند
ایں ہمہ اُم درغلافِ آدم اند

اجلِ مسمی (موت) کا ہاتھ انسانیت کے دسترخوان سے قیمتی دانوں کو بتدریج اٹھاتا جارہا ہے اور اب انسانیت کے ڈھیر میں خال خال حضرات ایسے نظر آتے ہیں جو انسانیت کے اخلاقی جوہر کے امین ہوں، جن کے سیرت و کردار کو دیکھ کر انسانی سیرت کی نوک پلک درست کی جائے۔

ان اکابر کے سانحۂ ارتحال کا ایک المناک پہلو یہ ہے کہ اُمت ان فیوض و برکات

سے محروم ہو جاتی ہے جن کا تعلق ان کی ذات سے ہوتا ہے، ان کی دعائے نیم شبی، بارگاہِ خداوندی میں ان کی گریہ و زاری، پوری اُمت کے لئے ان کا سراپا سوز و گداز صلاحِ اُمت کی فکر اور لگن، یہ چیزیں ان کی ذات ہی کے ساتھ رخصت ہو جاتی ہیں اور اُمت کے لئے اس نقصان کی کوئی تلافی ناممکن ہو جاتی ہے۔

علاوہ ازیں ہر بزرگ کے ساتھ تعلق مع اللہ کی ایک نسبت قائم ہوتی ہے جو اُمت میں قبولِ حق کی ایک خاص استعداد پیدا کرتی ہے، اس نسبت کے ختم ہو جانے کے بعد قبولِ حق کی استعداد کا رنگ وہ نہیں رہتا ہے جو پہلے تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کی صحبت و معیت کی وجہ سے ایمان و یقین کا جو نقشہ تھا نزولِ وحی کے مشاہدہ سے جو کیفیت حاصل ہوتی تھی جبریل علیہ السلام کی آمد سے جو ملکوتی اثرات قلوب پر نازل ہوتے تھے اور اس کی وجہ سے تعلق مع اللہ کی جو نسبت قائم ہوتی تھی، دورِ نبوت کے بعد اسے آخر کس طرح حاصل کیا جا سکتا ہے، اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:۔

وما نفضنا أيدينا من التراب إلا أنكرنا قلوبنا.	ہم ابھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دفن سے فارغ بھی نہ ہو پائے تھے کہ ہمارے قلوب کی وہ کیفیت باقی نہ رہی۔

غروبِ آفتاب کے بعد آپ روشنی کے ہزاروں وسائل جمع کر لیں، مگر وہ روشنی اور حرارت جو وجودِ آفتاب سے حاصل ہوتی ہے کسی طرح حاصل نہیں ہو سکتی، اسی طرح خلافتِ راشدہ کے چاروں ادوار میں نسبت مع اللہ کا رنگ بدلتا رہا، دورِ صدیقی کی برکات کبھی واپس نہ آ سکیں نہ دورِ فاروقی کی نسبت کو واپس لیا جا سکا۔

فرض کیجئے ایک مکان میں بے شمار قمقمے روشن ہیں جو اپنی تابانی اور ضیا پاشی میں مختلف ہیں اگر ان کو یکے بعد دیگرے گل کر دیا جائے، تو تدریجاً روشنی مدھم ہوتے ہوتے یکسر ختم ہو جائے گی اور پورے ماحول پر تاریکی کے مہیب سائے منڈلانے لگیں گے، اسی طرح اہل اللہ کا وجود اس کائنات کے لئے رشد و ہدایت کی قندیل ہے،

جوں جوں اہل اللہ اس عالم سے روپوشں ہوتے جا رہے ہیں ہدایت کا نور مدھم پڑتا جا رہا ہے اور آہستہ آہستہ یہ کائنات کفر و ضلالت کی تاریکیوں کی لپیٹ میں آتی جا رہی ہے اور قلوب سے نورِ یقین مٹتا جا رہا ہے اور جب رُشد و ہدایت کی ایک بھی شمع باقی نہیں رہے گی اور ہر چہار جانب سے تاریکی چھا جائے گی تو اس عالم کی بساط کو لپیٹ دیا جائے، ارشادِ نبوی ہے :۔

”لا تقوم الساعة	قیامت قائم نہیں ہوگی جب تک
حتی یقال فی الارض	زمین میں اَللہُ اَللہُ کہا جاتا ہے،
اللہ اللہ لا تقوم الساعة	قیامت اس وقت قائم ہوگی جب کہ
الا علی شرار الخلق“	صرف شریر لوگ باقی رہ جائیں گے۔

اوپر جو کچھ عرض کیا گیا ہے اس سے مقصود صرف یأس اور حسرت کے آنسو بہانا نہیں بلکہ اس بات کی طرف متوجہ کرنا ہے کہ جتنے یا خدا بزرگ موجود ہیں ان کے وجود کو غنیمت سمجھ کر زیادہ سے زیادہ استفادہ کی کوشش کی جائے، افسوس ہے کہ دُنیا میں فتنوں پر فتنے بڑھتے جا رہے ہیں اور جن حضرات کا وجود ان فتنوں کے لئے سدِّراہ تھا وہ بتدریج اُٹھتے جا رہے ہیں۔

حق تعالےٰ کے مقبول بندوں کو مرنے کا غم نہیں، وہ تو مرنے کی خوشی میں جیتے ہیں، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :۔

”تحفة المؤمن الموت“	مومن کا تحفہ موت ہے۔

ان کی زندگی کا ایک ایک دن موت کے انتظار میں کٹتا ہے، موت کا دن ان کے لئے فرح و انبساط اور خوشی اور مسرّت کا دن ہوتا ہے؟ ان کے نزدیک موت ہی وہ پُل جسے عبور کر کے وہ اپنے محبوبِ حقیقی تک پہنچ سکتے ہیں، وہ اسی مقصد کے لئے جیتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :۔

«الكيس من دان نفسه وعمل لما بعد الموت والعاجز من أتبع نفسه هواها وتمنّى على الله الأماني»	دانا وہ ہے جو اپنے نفس کو قابو میں رکھے اور موت کے بعد کی زندگی کے لئے تیاری کرے اور احمق وہ ہے جو اپنے نفس کو خواہشات کے پیچھے دوڑائے اور اللہ پر جھوٹی آرزوئیں باندھے۔

وصلى الله على صفوة البرية سيد الكائنات وخاتم النبيين، محمد وآله وأصحابه أجمعين.

شوال المکرم ۱۳۹۰ھ، دسمبر ۱۹۷۰ء

حضرت مولانا محمد علی جالندھری رحمہ اللہ تعالیٰ

۲۴ صفر ۱۳۹۱ھ (۲۱ اپریل ۱۹۷۱ء) بروز بدھ علمی و دینی دنیا کو ایک عظیم سانحہ پیش آیا، اس دن ظہر کے بعد چار بجے فون پر اطلاع ملی کہ حضرت مولانا محمد علی جالندھری ۲ بج کر بیس منٹ پر ملتان میں واصل بحق ہو گئے، إنا للہ وإنا إلیہ راجعون۔

حضرت مولانا جالندھری مرحوم دورِ حاضر کے علماءِ دین میں بڑی خوبیوں کے آدمی تھے، عالم عاقل، مدبر، ذکی، مجاہد، جفاکش، متواضع، باوقار اور انتھک جدوجہد کرنے والے انسان تھے۔ ان تمام علمی و دینی کمالات کے ساتھ نہایت منکسر المزاج اور خاموش طبع لیکن بے مثل مقرر اور پر جوش خطیب تھے۔ جب کسی جلسہ گاہ کے اسٹیج پر تقریر شروع کرتے تو معلوم ہوتا کہ خاموش سمندر کی موجوں میں یکایک بلا کا تلاطم شروع ہو گیا، تقریر نہایت مدلّل و مؤثر ہوتی، موضوع سے باہر کبھی نہ جاتے، مخاطبین و سامعین کو سمجھانے کی فوق العادۃ قوت حق تعالیٰ نے عطا فرمائی تھی، ٹھوس علمی مسائل کی تشریح اور مثالوں سے ذہن نشین کرانے میں اپنے عصر میں بے نظیر تھے، اسلام کے بنیادی عقیدہ ختمِ نبوت کے جاں نثار، ردِ قادیانیت کے امام اور رفض و تشیع اور بدعت والحاد کی تردید میں یکتا تھے، چار چار گھنٹے بے تکان بولتے تھے اور عوام و خواص میں یکساں مقبول تھے۔

مرحوم نے نصف صدی سے زیادہ بیش بہا دینی، علمی اور سیاسی خدمات انجام دیں، عرصہ دراز تک امام الخطباء حضرت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کے رفیقِ کار رہے اور اس سے پہلے عرصہ تک حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ کے "خیر المدارس" میں دستِ راست رہے۔ ملتان میں مرکزی دفتر ختمِ نبوت کی ایک لاکھ کی شاندار عمارت یادگار چھوڑی جو دعوت و ارشاد کا مرکز اور مبلغینِ ختمِ نبوت کی تربیت گاہ ہے اس کے علاوہ مغربی پاکستان میں ختمِ نبوت کے مراکز قائم کئے اور ان میں دفتر، ٹیلیفون اور مبلغین کا انتظام کیا۔

مولانا مرحوم دارالعلوم دیوبند کے مایۂ ناز فارغ التحصیل امام العصر حضرت مولانا سید محمد انور شاہؒ کے شاگرد تھے اور حضرت مولانا عبد القادر رائپوریؒ سے بیعت کا شرف حاصل کیا تھا۔ یاد پڑتا ہے کہ تیس سال قبل لاہور کی ایک کانفرنس میں جو جناب محمود خاں لغاری کی کوشش سے ہو رہی تھی مولانا

مرحوم کی تقریر پہلی بار سنی اور وہیں حضرت مولانا عبدالشکور لکھنویؒ کی تقریر سنی تھی، پاکستان بننے کے بعد مختلف مجالس میں اور مجلس ختمِ نبوت کی شوریٰ کے متعدد اجتماعات میں انہیں نہایت قریب سے دیکھنے کا اتفاق ہوا، بلاشبہ ان کی وفات، موجودہ وقت میں جبکہ سر پر قادیانیت والحاد کی گھٹائیں چھائی ہوئی ہیں امتِ اسلامیہ اور مسلمانانِ پاکستان کے لئے بڑا دردناک سانحہ ہے۔

مصائب شتیٰ جمعت فی مصیبة ولم یکفها حتی قفتها مصائب

(آپ کی موت کے حادثہ میں کئی مصیبتیں جمع ہوگئیں ہیں اور اس کے بعد تو گویا لگاتار مصائب پر مصائب شروع ہوگئے)

حق تعالیٰ کی مشیت ہر چیز پر غالب ہے، علمی و دینی دور ختم ہوتا جارہا ہے اور جہل و بے دینی کا دور بڑی سرعت سے آرہا ہے فالی اللہ المشتکی، حق تعالےٰ مرحوم کو اپنی رحمت و رضوان کے اعلیٰ مقام پر فائز فرماکر جنت الفردوس نصیب فرمائے ان کی تمام زلّات و سیئات معاف فرمائے اور جدید نسل اور ان کے اخلاف کو ان کی جانشینی کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ربیع الثانی ۱۳۹۱ھ

حضرت مولانا خدا بخش ملتانی رحمہ اللہ تعالیٰ

ماہ ربیع الثانی ۱۳۹۱ھ میں جناب مولانا خدا بخش صاحب ملتانی واصل بحق ہوئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مرحوم حق گو مخلص عالم تھے سادہ لباس سادہ مزاج لیکن پختہ دماغ پختہ علم تھے مہمان نواز عمدہ مقرر حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کے عشاق و عقیدت مندوں میں تھے حق تعالیٰ مرحوم کو درجاتِ عالیہ سے جنت الفردوس سے سرفراز فرمائے۔

حضرت مولانا سید محمود احمد مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ

اسی ماہ ربیع الثانی ۱۳۹۱ھ میں جناب مولانا سید محمود احمد صاحب مدنی کا وصال ہوا جو قافلہ ٹھیک ۷۵ سال قبل فیض آباد ہندوستان سے مدینہ منورہ ہجرت کرکے پہنچا تھا حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب رحمہ اللہ کے والدین اور بھائی اس کاروان کا یہ آخری مسافر تھا جو آخرت کے سفر پر روانہ ہوا، عقل وتدبر متانت، ووقار وسنجیدگی میں بے نظیر تھے، حسنِ اخلاق وکرمِ نفس وتواضع کا کمال مرحوم کو وراثت میں ملا تھا جس طرح حضرت مدنی رحمہ اللہ اخلاق ومجاہدات میں علم وفضل میں میدانِ سیاست کی شہسواری میں ممتاز تھے اور جس طرح حضرت مولانا مدنی کے بڑے بھائی حضرت سید احمد بانی "المدرسۃ الشرعیۃ لیتامی بلدۃ خیر البریۃ" اپنی باطنی نسبت وبزرگی میں اور توجہ قلبی میں ممتاز تھے اسی طرح ان دونوں کے یہ برادرِ خورد مولانا سید محمود احمد صاحب اپنی ذہانت وانتظامی معاملات حسن سلیقہ وتواضع میں ممتاز تھے، مرحوم عالم تھے، ادیب تھے اور عربی کے شاعر بھی تھے، تحصیلِ علوم مدینہ طیبہ میں کی تھی، ۸ سال کی عمر میں مدینہ پہنچے تھے ۷۵ سال قیام کے بعد بعمر ۸۳ سال واصل بحق ہوئے، مرحوم کے جانشین و یادگار جناب مولانا سید حبیب احمد صاحب ہیں جو اپنے والدِ محترم کے کمالات کے صحیح وارث ہیں اور مدینہ طیبہ کے نائب امیر ہیں، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کو اپنی مغفرت ورحمت ورضوان میں آسودگی نصیب فرمائے۔ آمین

جمادی الاولیٰ ۱۳۹۱ھ

حضرت مولانا محمد عثمان ہزاروی رحمہ اللہ

گذشتہ ماہ یکم جمادی الاخری ۱۳۹۱ھ، ۲۵ جولائی ۱۹۷۱ء کو ہمارے ایک محب و محبوب جوانِ صالح، سراپا اخلاص عالم، برادر مولانا محمد عثمان صاحب ہزاروی کا حادثۂ وفات پیش آیا، مرحوم دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہوئے اور حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ سے شرف بیعت بھی حاصل کیا اس طرح علم و عرفان کی دونوں نسبتیں حضرت مدنیؒ سے نصیب ہوئیں، حضرتِ مدنی کے کسی خلیفۂ مجاز سے شرفِ اجازت بھی حاصل ہوا۔ اسی زمانہ میں کراچی آئے، ان دنوں ہمارے مدرسہ عربیہ اسلامیہ کراچی کا ابتدائی دور تھا، تربیت و تکمیل کا درجہ کھولا تھا، فارغ التحصیل حضرات کو حجۃ اللہ البالغہ، مقدمہ ابن خلدون، اتقان اور علوم قرآنی کی مشکلات کا درس دیا جاتا تھا۔ علاوہ ازیں فقہ مذاہب اربعہ کی تحقیق، ابن رشد کی بدایۃ المجتہد کا مطالعہ، تاریخ ادب عربی، ادب کی کتابت و خطابت کی تمرین وغیرہ مضامین تھے، مرحوم نے باقاعدہ طور پر یہ مرحلہ بھی طے کیا، کچھ عرصہ بعد مدرسہ فرقانیہ راولپنڈی کے صدر مدرس و شیخ الحدیث اور ایک جامع مسجد کے خطیب ہوئے اور چندے بعد اسلام آباد میں مدارسِ تعلیم القرآن جو برادر محترم اختر حسن صاحب (وزارت داخلہ کے سیکشن آفیسر) کی جد و جہد سے وجود میں آئے تھے، ان کی نگرانی و اہتمام کے فرائض بلامعاوضہ انجام دینے لگے، مزاج میں سادگی، تواضع، مسکنت، اصلاح و تقویٰ اور اخلاص کوٹ کوٹ کر بھر دیئے گئے تھے۔ طبیعت کا معصومانہ انداز، بھولے پن کے ساتھ وقار اور غناءِ قلبی قابل رشک تھا۔ کراچی کی حاضری کا سالانہ معمول تھا۔ افسوس ہے کہ عصرِ حاضر کے علماء اور خصوصاً نوجوان اہل علم میں یہ خصوصیت بہت کم نظر آتی ہیں۔ کسی عربی شاعر نے ٹھیک کہا ہے ؎

الموت نقاد علی کفه

جواهر یختار منها النقاد

"موت کی مثال اس جوہری کی ہے جس کے ہاتھ میں جواہرات ہوں جو عمدہ ہو اس کو چن لیتا ہے"۔

برادر مرحوم سے ان کے خصائص و اخلاص کی وجہ سے کچھ قلبی ربط ایسا پیدا ہو گیا تھا کہ ہر وقت وہ سامنے رہتے تھے اور اب بھی اکثر ان کی یاد قائم رہتی ہے بلکہ ستاتی ہے ؎

اے ہم نفسانِ محفل ما

رفتید و لے نہ از دل ما

حق تعالےٰ مرحوم کی بال بال مغفرت فرماکر رحمت و رضوان کے اعلیٰ مقامات نصیب فرمائے۔

شیخ محمد نصیف رحمہ اللہ تعالےٰ

اوائل رجب ۱۳۹۱ھ میں سرزمین حجاز کے ایک ممتاز و وجیہ عالم اور عربی النسل رئیس الشیخ محمد نصیف کا جدہ میں انتقال ہوا، مرحوم جدہ کے قدیم ترین باشندے تھے ان کے آباؤ اجداد عہد عثمانی میں بہت معزز تھے، حبشہ سے جو سیاہ فام مخنث غلام درآمد کئے جاتے تھے اور عہد عثمانی میں حرم سرا کی خدمت یا حرمین شریفین کی خدمات کے لئے جن کو منتخب کیا جاتا تھا، جنہیں خواجہ سرا یا عامی عربی میں اغوات - آغا کی جمع - کہا جاتا ہے، ان کی دینی تعلیم و تربیت اور آدابِ خدمت آموزی کا فریضہ اسی خاندان کے سپرد تھا، اسی وجہ سے سلاطین آلِ عثمان کے ہاں ان کے اسلاف کی بڑی عزت تھی۔ سعودی حکومت کے پہلے فرمانروا ملک عبدالعزیز مرحوم کے بھی ان سے برادرانہ تعلقات تھے، جدہ میں جب تک سرکاری عمارات نہیں بنی تھیں شاہ عبدالعزیز مرحوم انہی کے مہمان ہوتے تھے، شاہ سعود بن عبدالعزیز سے بھی یہی تعلق رہا اور حجاز و نجد کے موجودہ حکمران شاہ فیصل سے بھی خوشگوار تعلقات تھے۔

مرحوم انتہائی کریم النفس اور با اخلاق عالم تھے، جود و سخا کا پیکر، متانت و رزانت کا مجسمہ، دراز قامت، خوبرو، دوہرا بدن، باوقار شخصیت، جاذبِ نظر صورت، شگفتہ مزاج، خوش اخلاق اور خوش پوش۔

ایک عظیم الشان کتب خانے کے مالک تھے، جس میں سولہ ہزار کتابیں جمع تھیں، قلمی نوادرات کا بھی بڑا ذخیرہ تھا، مطالعہ سے عشق اور کتابوں کی عمدہ سے عمدہ جلد بندی کا خصوصی ذوق تھا، مراکش سے انڈونیشیا تک کے اہلِ علم سے روابط و تعلقات تھے۔ موسم حج میں ان کا دولت خانہ اہلِ علم کا مہمان خانہ بن جاتا تھا۔

اصل سے شافعی المذہب تھے لیکن حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی سبھی قسم کے اساتذہ سے اکتسابِ فیض کیا تھا اس لئے مذہبی تعصب سے بالاتر تھے، حافظ ابنِ تیمیہؒ اور حافظ ابنِ قیمؒ کے شیدائی تھے۔ آخر میں سلفی

مسلک کے ہو گئے تھے۔ علم وعقل اور وجاہت وریاست کے باوجود شان وتجبر سے دور تھے اور مزاج میں انتہائی شگفتگی تھی، ہر قوم کے لطائف سنایا کرتے تھے۔ انہیں دیکھ کر عرب علماء اور عرب اسخیاء کی یاد تازہ ہوتی تھی۔ عمر اسّی سے متجاوز تھی۔ مرحوم سے میرے روابط ۱۳۵۶ھ سے تھے افسوس کہ تقریبًا پینتیس سالہ ربط چشم زدن میں ختم ہوا۔

آنکھوں کے آپریشن کے لئے لندن گئے تھے مگر آپریشن نہیں کرایا، دو ہفتہ بعد واپس لوٹ آئے۔ آتے ہوئے چند دن لبنان میں قیام رہا۔ جدّہ واپس ہو کر ایک ہفتہ بعد داعیٔ اجل کو لبیک کہا اور واصل بحق ہو گئے۔ شاہ فیصل کے حکم سے ولی عہد نے جنازہ میں شرکت کی۔ حق تعالیٰ مرحوم کو اپنی رحمت ومغفرت سے سرفراز فرمائے اور درجاتِ عالیہ سے نوازے۔ معلوم ہوا ہے کہ مرحوم کی وصیت کے مطابق ان کا عظیم الشان کتب خانہ جدہ کی جامعۃ عبدالعزیز الاہلیہ میں منتقل ہوا ہے اور ان کا ذاتی مکان "بیت نصیف" شاہ فیصل خریدنا چاہتے ہیں، ایک محترم نے جو مرحوم کے رشتہ دار ہیں لکھا ہے کہ شاید دے دیا جائے گا۔

شعبان المعظم ۱۳۹۱ھ ، اکتوبر ۱۹۷۱ء

حضرت مولانا محمد رسول خاں صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ

ماہِ رمضان المبارک ۱۳۹۱ھ میں حضرت مولانا محمد رسول خاں صاحب کی وفات سے درس و تدریس کی ایسی جامع ترین شخصیت کی جگہ خالی ہوگئی کہ آئندہ صدیوں میں بھی اس کے پُر ہونے کی توقع نہیں۔ مرحوم معمر ترین بزرگ اور استاذ الکل عالم تھے جن کی زندگی کے تقریباً اسّی برس تعلیم و تدریس میں گذرے جن میں پورے بیس سال تو دارالعلوم دیوبند کا عہد تدریس ہے، دارالعلوم دلیوبند سے فراغت تحصیل علم کے بعد مدرسہ امداد الاسلام میرٹھ میں مدرس ہوئے۔ چند سالوں کے بعد دارالعلوم دیوبند کے اکابر و اربابِ اہتمام کی خواہش پر دارالعلوم ہی میں امام العصر حضرت مولانا محمد انور شاہ اور حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی اور حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اور حضرت مولانا حافظ احمد صاحب وغیرہ اکابر و اساتذہ سب شریک ہوئے۔ موصوف نے معرکہ کا درس دیا اور دارالعلوم میں ان کی شخصیت کی دھاک بیٹھ گئی۔ مرحوم کو حدیث میں حضرت مولانا شیخ الہند محمود الحسن رحمہ اللہ سے شرفِ تلمذ حاصل تھا اور معقولات کی آخری کتابیں اپنے ہم وطن حضرت مولانا غلام رسول صاحب ہزاروی سے پڑھی تھیں اور انہی کتابوں میں وہ اپنے استاذ کے صحیح جانشین ہوئے۔ دارالعلوم کے آخری علمی دور میں اصول فقہ معقول و فلسفہ کی انتہائی کتابیں قاضی مبارک، حمد اللہ، توضیح و تلویح، مسلم الثبوت، صدرا، شمس بازغہ جن دو بزرگوں کے درمیان دائر و سائر تھیں اور وہ بہ سبیل تناوب انہیں پڑھایا کرتے ان میں ایک حضرت مرحوم تھے اور دوسری شخصیت حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب بلیاوی تھی جو ان علوم و فنون کے امام تھے آخری چار کتابوں میں دونوں بزرگوں سے راقم الحروف کو شرفِ تلمذ حاصل ہے مرحوم درسیات کے محقق عالم تھے، معقول و منقول دونوں کے بہترین مدرس تھے حسن تعبیر پر بڑی قدرت حاصل تھی لیکن تعبیرات معقولی طرز کی ہوتی تھیں، بات نہایت منقح فرمایا کرتے تھے خوبصورت، خوش پوش، خوش لقاء، متواضع با وقار بزرگ تھے آخر تک تمام خصوصیات قائم رہیں تقریباً چالیس سال کا عرصہ لاہور میں گذرا چند سال اورنٹیل کالج پنجاب یونیورسٹی کے شعبۂ علوم مشرقی میں "مولوی فاضل" کی کتابیں پڑھائیں، آخر میں جامعہ اشرفیہ لاہور میں قیام رہا، دور حاضر میں کوئی عالم ایسا نہیں ہوگا جو بالواسطہ یا بلا واسطہ آپ کا شاگرد نہ ہو۔ ضلع ہزارہ کی تحصیل "بفہ" میں ایک گاؤں

کے باشندے تھے جس کا نام اچھڑیاں ہے حضرت مولانا غلام رسول صاحب بھی اسی علاقہ بفہ کے باشندے تھے جو معقولات میں آپ کے استاذ تھے ویسے تو سب ہی جانے کے لئے آتے ہیں لیکن صدمہ اس کا ہے کہ آئندہ جو دور آرہا ہے اس میں ایسی باکمال شخصیتوں کے کمالات کا ادراک بھی نہیں ہو سکے گا، آپ کی وفات سے ہند و پاک کی ایک صدی کی علمی تاریخ کی بساط الٹ گئی، آپ کی رحلت علم و تقوی درس و تدریس حسنِ ادا، تواضع و وقار سنجیدگی و متانت وغیرہ کمالات کی رحلت ہے، إنا لله وإنا إليه راجعون، حق تعالےٰ حضرت استاذِ مرحوم کو جنت الفردوس میں درجاتِ عالیہ نصیب فرمائے، اللهم اغفر له وارحمه وارض عنه وعامله معاملة الأبرار والصالحين من عبادك الأخيار بفضلك وكرمك يا عزيز يا غفار! آمين يارب العالمين.

مولانا حکیم عبدالجبار رحمہ اللہ تعالےٰ

اسی ماہِ رمضان المبارک کی پندرھویں تاریخ کو ہمارے دوست و مخلص طبیب صالح و متواضع باخدا ہستی مولانا سید عبدالجبار صاحب حیدر آبادی کا انتقال ہوا مرحوم سراپا شفقت و تواضع تھے علماء و طلبہ کو مفت دوائیں دیا کرتے تھے اور مفت علاج فرمایا کرتے تھے، ریڈیو پران کا درس قرآن اور مضامین و مقالات سب ہی عوام سے قبولیت کا خراجِ تحسین حاصل کر چکے تھے بعارضۂ قلب وفات ہوئی حق تعالےٰ مرحوم کے اخلاص و پاکیزہ زندگی کا اجر عظیم عطا فرمائے اور مغفرت و رحمت و رضوان سے سرفراز فرمائے آمین۔

حضرت مولانا عرض محمد رحمہ اللہ تعالےٰ

اسی ماہ رمضان المبارک میں ہمارے دوست بلوچستان کے مجاہد عالم اور مصلح اور مخلص حق گو جری رہنما مدرسہ مطلع العلوم کوئٹہ کے بانی اور مہتمم حضرت مولانا عرض محمد صاحب ریلوے لائن پر تصادم سے شہید ہوئے، إنا لله عرصہ سے بیمار تھے ضیق النفس وغیرہ امراض کے شکار تھے۔ موسم سرما گذارنے کے لئے سبّی آئے تھے صبح ہوا خوری کی غرض سے باہر گئے کچھ دماغی دورہ سا پڑا احساس نہ ہو سکا ریلوے لائن عبور کر رہے تھے کہ ایک انجن نے آکر ان کو شہید کر دیا اور جان آفرین کو اپنی جانِ عزیز سپرد کر کے واصل بحق ہو گئے اور اس طرح یہ دردناک واقعۂ شہادت پیش آیا،

جو مرحوم کے لئے علو درجات کا انشاء اللہ تعالے بہترین وسیلہ ہوگا۔ رضی اللّٰہ عنہ و أرضاہ وجعل الجنۃ متقلبہ ومثواہ۔ آمین۔

حضرت مولانا محمد خلیل رحمہ اللہ تعالےٰ

ماہِ شعبان ۱۳۹۱ھ کے آخری عشرہ میں ۱۲ر اکتوبر ۱۹۷۱ء کو مولانا محمد خلیل صاحب انگوی کا انتقال ہوا جامعہ اسلامیہ ڈابھیل سے حضرت الاستاذ امام العصر مولانا محمد انور شاہ کی وفات کے بعد سند فراغت حاصل کی تھی اور حضرت الاستاذ مولانا شبیر احمد عثمانی سے شرف تلمذ حاصل تھا۔ خانقاہ موسیٰ زئی شریف ضلع ڈیرہ اسمٰعیل خاں سے روحانی بیعت کا تعلق قائم تھا مظہر العلوم کھڈہ کراچی، وزیر آباد (پنجاب)، سجاول (سندھ) جامعہ قادریہ رحیم یار خاں (بہاول پور) جامعہ محمدیہ (جھنگ) کی مختلف علمی درس گاہوں میں تیس سال سے زیادہ عرصہ تک مختلف علوم دینیہ کی خدمتِ تدریس انجام دی۔ فرقِ باطلہ کی تردید خصوصًا مرزائیت دقادیانیت کی تردید میں شمشیرِ بے نیام تھے۔ مختلف امراض میں آخر عمر میں گرفتار ہو گئے نشتر ہسپتال ملتان میں زیر علاج تھے۔ یہیں انتقال ہوا۔ مرحوم ایک سنجیدہ با اخلاق خاموش دباوقار عالم خوب صورت، خوش سیرت انسان تھے اللہ تعالیٰ بال بال مغفرت اور رحمت و رضوان سے سرفراز فرمائے آمین۔

حریفان بادہ ہا خوردند و رفتند
تہی خمخانہا کردند و رفتند

کُلُّ مَنْ علیہا فانٍ ویبقیٰ وجہُ ربّکَ ذو الجلال والاکرام۔

شوال المکرم ۱۳۹۱ھ، دسمبر ۱۹۷۱ء

مولانا حکیم عبدالمجید لائل پوری رحمہ اللہ تعالیٰ

گذشتہ ماہ ذی الحجہ ۱۳۹۱ھ کی ۲۶، اور فروری ۷۲ء کی ۱۲ تاریخ کو پاکستان ایک عالم ربانی سے محروم ہوا، مولانا حافظ حکیم عبدالمجید صاحب لائل پوری نابینا کی وفات ہوئی، إنا للہ وإنا الیہ راجعون، مرحوم نے باوجود بصارت کے نہ ہونے کے نہایت التزام کے ساتھ تمام درس نظامی کی کتابوں سے فراغت پائی اور ہمیشہ اپنے حلقہ درس میں ممتاز رہے، اور اعلیٰ نمبروں سے کامیاب ہوتے رہے حق تعالیٰ نے بصارت کی نعمت کی جگہ تمام علوم اسلامیہ عربیہ میں بصیرت عطا فرمائی تھی، علوم اسلامیہ کے فاضل تھے، انگریزی کے گریجویٹ تھے، حاذق طبیب تھے، عمدہ خطیب اور کامیاب مناظر تھے، ردِّ قادیانیت میں ممتاز تھے، علم وعلماء اور علمی کتابوں کے محب صادق تھے، سنجیدہ باوقار، قدیم وجدید کے مجمع البحرین تھے، ان سب کمالات کے ساتھ اخلاص کی نعمت سے سرفراز تھے، الغرض بڑی خوبیوں کے مالک تھے۔

بینائی کی معذوری کی وجہ سے طالب علمی میں ایک معاون رفیق طالب علم کو ساتھ رکھتے تھے اور اس کے مصارف بھی برداشت کرتے تھے، ابتدائی کتابیں غالباً اپنے وطن میں پڑھیں، پھر دیوبند پہنچے اور دار العلوم کے فیض سے سیراب ہوئے ادب کی ایک کتاب میں، ۴۸ سال قبل میرے ہم درس بھی رہے اور اتفاق سے اس کتاب کے ایک امتحان میں (۱۰۵) طلبہ میں ہم دونوں ممتاز ترین نمبروں سے ایک درجہ میں کامیاب ہوئے اور پورے نمبروں سے ۵ نمبر زائد ملے، یہ وہ دور تھا کہ ایک سال بعد امام العصر حضرت مولانا انور شاہ رحمہ اللہ دار العلوم کے عہدۂ صدارت سے مستعفی ہو گئے تھے اور ڈابھیل ضلع سورت میں جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین قائم ہوا اور وہاں تشریف لے گئے تھے۔ مجھ سے ایک سال بعد حضرت امام العصر رحمہ اللہ کی خدمت میں درسِ صحیح بخاری شریف کا فیض حاصل کیا اور حدیث کی بقیہ کتابیں وہیں ڈابھیل میں پڑھیں، ان کے مفاخر کا ایک قابلِ ذکر واقعہ یہ ہے کہ حضرت شیخ امام العصر رحمہ اللہ کے درس میں یہ طریقہ تھا (اور عام طور سے عربی مدارس میں یہی طریقہ ہے) کہ جو شخص پہلے بسم اللہ پڑھے گا وہی استاذ کے سامنے اس دن پڑھے گا، ایک دن حافظ

صاحب نے بسم اللہ کی، حضرت شیخ یہ سمجھے کہ شاید کسی اور کے لئے باری حاصل کرنے کے لئے یہ سبقت کی ہوگی مگر جب پڑھنے کا وقت آیا تو حفظ سے عبارت پڑھنا شروع کی اور کہا: "حدثنا"۔ حضرت شیخ نے نہایت مسرور ہو کر فوراً فرمایا "مرحبا"۔ اس روز غالباً صحیح بخاری کی کتاب العلم شروع تھی اور حسبِ معمول روزانہ درس بخاری شریف کا ورق ڈیڑھ ورق سبق ہوتا تھا، حافظ صاحب مرحوم نے بغیر کسی جھجک کے اس دن کے سبق کی پوری عبارت پڑھی، گویا کتاب سامنے رکھ کر پڑھ رہے ہیں، نہ حافظ صاحب مرحوم سے کسی ایک لفظ میں غلطی ہوئی نہ سبق اس مقام تک پہنچ سکا، جہاں تک حافظ صاحب نے رات کو یاد نہ کیا ہو، آج تک یہ معمہ حل نہ ہو سکا کہ حافظ صاحب نے اس ایک رات میں کتنا حصہ صحیح بخاری شریف کا یاد کیا تھا، ان کے "حدثنا" اور حضرت شیخ کی "مرحبا" کی آواز اب تک میرے کانوں میں گویا گونج رہی ہے، اس سال میں حضرتِ شیخ کے ساتھ سفرِ کشمیر سے واپسی پر دوبارہ ڈابھیل پہنچا تھا اور کتاب الایمان اور کتاب العلم صحیح بخاری کا درسِ شیخ سنا اور پھر وطن چلا آیا تھا۔

عام طور سے جن حضرات کو بصارت سے محرومی ہوتی ہے حق تعالیٰ ان کو قوت حافظہ اور بصیرت زیادہ عطا فرما دیتا ہے، حافظ صاحب مرحوم کو قوتِ حفظ اور قلبی بصیرت میں زیادہ خصوصیت عطا فرمائی تھی، میں اس واقعہ کے ذکر سے ان کا حقِ رفاقت ادا کرنا چاہتا ہوں، حق تعالیٰ مرحوم کی بال بال مغفرت فرمائے اور رضوان و رحمت سے سرفراز فرمائے اور ان کی علمی خدمات اور دینی جذبے کا اپنے لطفِ بے انتہاء کے مطابق صلہ عطا فرمائے۔ آمین یاارحم الراحمین ۔

وصلی اللہ علی سید العالمین وخاتم النبیین وامام المتقین محمد وعلی آلہ وصحبہ أجمعین ۔

صفر المظفر ۱۳۹۲ھ، اپریل ۱۹۷۲ء

حضرت مولانا فخر الدین رحمہ اللہ تعالیٰ

۲۰ صفر ۱۳۹۲ھ ۵ اپریل ۱۹۷۲ء کو حضرت مولانا فخر الدین احمد طویل علالت کے بعد مراد آباد میں وفات پاگئے۔ اِنّا للہ وَاِنّا الیہ راجعُون۔ افسوس کہ مسلمانانِ ہند اور علماءِ اسلام کا ایک درخشندہ تارہ ہمیشہ کے لئے غروب ہوگیا، آپ دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث تھے اور عصرِ حاضر کے جلیل القدر محدث، محقق عالم اور باخدا بزرگ تھے، دارالعلوم دیوبند کے اکابرِ مشائخ اور مسندِ صدارتِ حدیث کے ممتاز افراد جن کا سلسلہ حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ سے شروع ہوا تھا وہ سلسلہ حضرت مولانا فخر الدین پر بظاہر ختم ہوگیا، کامل ایک صدی میں علومِ نبوت کے آفتاب و ماہتاب جن سے دارالعلوم کی چار دیواری میں بلکہ تمام عالمِ اسلام میں علم کی شعاعیں پہنچتی رہیں آپ اس سلسلہ کی آخری کڑی تھے اور اب تک اکابرِ دیوبند اور خصوصًا مسندِ مشیخت حدیث پر جو حضرات متمکن تھے علم و معرفت کے دونوں چشموں سے سیراب تھے اور ظاہر و باطن دونوں نسبتوں کے حامل تھے، موصوف اس حلقہ کے آخری فرد تھے، اب ایسی شخصیت جو اس مسند کو زینت دے ہماری نظروں میں نہیں۔

موصوف نے ۱۳۲۹ھ میں دارالعلوم دیوبند سے فراغت حاصل کی اور حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ اور امام العصر حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ دونوں سے فیض حاصل کیا اور دونوں چشموں سے سیرابی نصیب ہوئی، سنجیدگی، وقار، متانت و رزانت، ظاہری سطح میں سکون اور باطنی گہرائیوں میں جوش و خروش کی نعمتوں سے مالامال تھے، خوش رو، خوش پوش، خفیف الروح، لطیف الجسد تھے غالبًا چوبیس برس پہلے مدینہ طیبہ میں پہلی مرتبہ حضرت مولانا عبد الحق مدنی مرحوم کے مکان پر شرفِ ملاقات نصیب ہوا تھا، یہ ملاقات پہلی بھی تھی اور آخری بھی، پھر غائبانہ موصوف کے مفاخر و مآثر کا حال معلوم ہوتا رہا، اکابرِ محدثین اور ممتاز اکابر مدرسین کا نمونہ تھے جن کی زندگی کے پورے باسٹھ سال درس و تدریس میں گذرے، درسِ حدیث میں حافظ بدر الدین عینیؒ اور حافظ ابنِ حجر عسقلانیؒ کے علوم کا نچوڑ اپنی تقریر میں پیش کرتے تھے اور حضرت دیوبندیؒ اور حضرت کشمیریؒ کے خصائص کی جھلکیاں

نظر آتی تھیں ان کی تالیف "القول الفصیح فی نضد أبواب الصحیح" تو قد و ذکاء کا ایک عمدہ نمونہ ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ قیامت کے قرب کے علامات میں سے جہاں اور مختلف فتنے سرعت سے ظاہر ہو رہے ہیں وہاں علمی انحطاط کی رفتار ان سے بھی زیادہ سریع ہے، ان اکابر کے قافلے نہایت تیزی سے سفرِ آخرت پر روانہ ہو رہے اور علمی مراکز ویران ہوتے جا رہے ہیں۔

نہ جانے آج تک یہ جانے والے ہیں کہاں جاتے[1]
کھلی ہیں جب سے آنکھیں دیکھتے ہیں کارواں جاتے

غفر اللہ لہ ورحمہ رحمۃ الأبرار الصالحین وحشرہ فی زمرۃ العلماء الربانیین۔

وفات اہلیہ محترمہ حضرت مولانا بنوری رحمہا اللہ تعالیٰ

آج پانچواں دن ہے کہ یوم چہار شنبہ ۴ ربیع الاول ۱۳۹۲ھ ۱۹ اپریل ۱۹۷۲ء بوقت تین بجے شام "بصائر و عبر" کے خامہ فرسائی کرنے والے بنوری کی اہلیہ شدید علالت کے بعد داغِ مفارقت دیکھ کر سفرِ آخرت پر روانہ ہو گئی، إنا للہ وإنا إلیہ راجعون رات کے ۸ بجے عشاء سے قبل جمعیت پنجابی سوداگران کے قبرستان میں (مقام یوسف پورہ کراچی) سپردِ خاک ہوئی، پشاور کے عزیزوں سے لے کر جنوبی افریقہ کے احباب و مخلصین کے تعزیتی پیغامات بذریعہ تار موصول ہو رہے ہیں، سب کا شکر گذار ہوں جزاھم اللہ أحسن الجزاء اور "بصائر و عبر" کے قارئینِ کرام سے دعاءِ مغفرت اور بقدر فرصت و ہمت ایصال ثواب کا امیدوار ہوں۔ إن اللہ لا یضیع أجر المحسنین۔

درس سرائے بہار و خزاں بہم آغوش است
زمانہ جام بدست و جنازہ بردوش است

مرحومہ کے حق میں ارحم الراحمین کی بارگاہِ رحمت میں رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان میں یوں نوا سنج ہوں:۔

---

[1] أی تفصیلاً و تعییناً، وأما إجمالاً فنعلم أنہم یروحون إما إلی الجنۃ وإما إلی النار۔ مدیر

اللّٰهُمَّ هٰذِهِ أَمَتُكَ وبنت أمتك وعبدك تَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ وَحْدَكَ لَا شَرِيكَ لَكَ وَتَشْهَدُ أَنَّ محمدًا عبدُكَ ورسولك أصبحت فقيرةً إلى رَحمتكَ وَأَصبحت (وَأنت) غنيًّا من عذابها تخلت عن الدُّنيا وأهلها إن كانت زاكيةً فزكّها وإن كانت مخطئةً فاغفر لها وأدخلها الجنة وَأعذها من عذاب القبر وعذاب النّار اللهمّ لا تحرمنا أجرها ولا تضلّنا بعدها وصلى الله على صفوة البريّة سيد الشاكرين وسيد الصابرين، إمام المتقين وخاتم النبيين وعلى آله وأزواجه وذريته وأصحابه أجمعين.

ربیع الثانی ۱۳۹۲ھ، جون ۱۹۷۲ء

حضرت مولانا حبیب اللہ گمانی رحمہ اللہ تعالیٰ

افسوس کہ حضرت مولانا سید فخر الدین احمد مراد آبادی رحمہ اللہ کی وفات کا صدمہ ابھی تازہ ہی تھا کہ حضرت مولانا حبیب اللہ گمانی بہاول پوری کے صدمۂ وفات نے آنکھوں کو از سرِ نو اشکبار اور دل کو بے قرار دیا، إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ. ہندوستان کا ایک علمی ستارہ غروب ہوا ہی تھا کہ پاکستان کا ایک درخشندہ کوکب بھی غروب ہو گیا، اور اس طرح علمی انوار کے غائب ہو جانے کی وجہ سے دونوں ملکوں میں اندھیرا چھانے لگا۔

حضرت مولانا حبیب اللہ گمانی زہد و تقویٰ کے پیکر تھے، تواضع و اخلاص کے مجسمہ تھے۔ سادہ مزاج، سادہ پوش اور سادہ نوش باخدا بزرگ تھے، ایک عالمِ ربانی کی جو خصوصیات ہو سکتی ہیں ان کا بہترین مظہر تھے، دار العلوم دیوبند کے مایہ ناز فاضل تھے، حضرتِ استاذ امام العصر، محدثِ کشمیری مولانا محمد انور شاہ رحمہ اللہ کے ارشد تلامذہ میں سے تھے اور حضرت مولانا حسین علی صاحب رحمہ اللہ میاں والی واں بھچران کے ارشد خلفاء میں سے تھے اپنے قصبہ گمانی میں ایک دینی درس گاہ کی بنیاد ڈالی تھی اپنے گھر سے تمام طلبہ کے لئے روٹی سالن پکواتے اور مہمانانِ رسول کو کھلاتے تھے پھر درس گاہ کے ابتدائی درجات کو وہیں چھوڑ کر علمی درس گاہ مدرسہ انوریہ کے نام سے (حضرت الاستاذ امام العصر کے نام پر) مقام طاہر والی بہاول پور میں قائم کی تھی جو علمی و اخلاقی تربیت میں ممتاز تھی، راقم الحروف کو چند لمحوں کے لئے حاضری کا اتفاق ہوا تھا، بارہا حج بیت اللہ الحرام اور زیارتِ حرمین شریفین کا شرف حاصل کیا اور وہاں کی تجلیاتِ الٰہیہ اور نفحاتِ نبویہ سے مالا مال ہوئے تھے، اس مادی دنیا میں اور اس پُر آشوب زمانہ میں ایسے باخدا درویش صفت بزرگ عالم کا وجود دنیائے علم و عمل دونوں کے لئے سایۂ رحمت ہوتا ہے ان کا باوقار وجود، سراپا اخلاص، زہد و تواضع کی عظیم تمثال، آنکھوں کے سامنے پھر رہی ہے، حبِ مال اور حبِ جاہ کا غالباً خطرہ بھی ان کے دل پر نہ گذرتا ہوگا اور اربابِ قلوب کے لئے تو ان کی شخصیت اور باکمالات ہستی مقناطیس کا اثر رکھتی تھی، راقم الحروف جب مدرسہ عربیہ اسلامیہ

کے بالکل ابتدائی دور میں عیز آباد مسجد کے گوشے میں درسِ صحیح بخاری دیا کرتا تھا تو مرحوم بارہا آتے اور درس میں بیٹھا کرتے تھے، اس زمانہ میں سوءِ اتفاق سے کوئی تعارف و تعلق نہ ہو سکا، عرصہ دراز کے بعد ایک دن تعارف کرایا اور درسِ صحیح بخاری میں تشریف لانے کا ذکر فرمایا گویا اس طرح راقم کا امتحان لیا گیا اور الحمد للہ کہ اپنے شیخ محترم کی جوتیوں کے صدقے اللہ تعالیٰ نے رُسوا نہیں فرمایا۔

الغرض دورِ حاضر کے علماء کے امراض سے بالکل مبرا تھے اور علمی امراض بحث وجدال و مراء وریاء سے بھی بالا تھے، دو تین ماہ سے علیل تھے، ملتان کے نشتر ہسپتال میں زیر علاج رہے اور اپنے آبائی وطن گمانی میں واصل بحق ہوئے اور طاہر والی میں مدفون ہوئے، افسوس و صد افسوس کہ گلستانِ علم و فضل کے یہ بارِ آور پودے اکھڑ رہے ہیں اور نئے پودے لگ نہیں رہے ہیں اس طرح سفینۂ علم کے یہ ملاح تیزی سے سفر آخرت پر جا رہے ہیں، یہ گلستان اجڑ رہا ہے اور ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ ((اتخذ الناس رؤساجہالاً فافتوا بغیر علم فضلوا و اضلوا)) کا زمانہ تیزی سے آرہا ہے إنا للهِ و إنا إليه راجعون۔

حضرت مولانا عبد العزیز رحمہ اللہ تعالیٰ

افسوس کہ اسی ماہ میں مولانا گمانی کے بعد مولانا عبد العزیز صاحب ساہیوال والے انتقال فرما گئے، مرحوم حضرت مولانا احمد علی لاہوری کے خلیفہ مجاز تھے، تبلیغی سرگرمیوں سے بھی تعلق تھا، حضرت مولانا الیاسؒ کی تبلیغی قافلوں میں ایک سال کا وقت گذارا اور انہی قافلوں میں انگلستان کا سفر بھی کیا تھا، فرحمه الله رحمةً واسعةً و أفاض عليه من شآبيب رحمته و رضوانه

حضرت مولانا عبد الجبار رحمہ اللہ تعالیٰ

اسی ماہ میں ایک اور مخلص عالم مولانا عبد الجبار ابوہر منڈی والے سفرِ آخرت پر چل بسے مرحوم کو تعلیمِ بنات اور تربیتِ نسواں سے شغف تھا چنانچہ چشتیاں ضلع بہاول نگر میں لڑکیوں کی تعلیم و تربیت کی ایک باقاعدہ منظم درس گاہ قائم کی تھی، سینکڑوں لڑکیاں زیرِ تعلیم تھیں اور

بعض لڑکیاں درسِ نظامی کی کتابیں بھی پڑھتی تھیں، "من وراء حجاب" ان کو تعلیم دی جاتی تھی۔ پھر اس درس گاہ کی ایک شاخ ملتان شہر میں قائم کی جو بہت کامیابی سے چل رہی ہے اللہ تعالیٰ کی رحمتیں نازل ہوں ان نفوسِ طاہرہ پر جنہوں نے اپنی زندگیاں دینی تعلیم دینی تبلیغ دینی تربیت کے لئے وقف کیں۔

افسوس کہ علمی بستیاں اُجڑ رہی ہیں اور ان کا ماتم کرنے والا بھی کوئی نہ رہا۔

اِنا للہ وإنا الیہ راجعون فرضی اللہ عنہ وأرضاہ وجعل الجنۃ متقلبہ ومثواہ۔

جمادی الاولیٰ ۱۳۹۲ھ، جولائی ۱۹۷۲ء

سید جلیل الرحمٰن رحمہ اللہ تعالےٰ

۲۰ ربیع الآخر ۱۳۹۲ھ ۳ جون ۱۹۷۲ء یومِ شنبہ بوقتِ عصر حرکت قلب بند ہونے سے ہماری مجلسِ احباب کے ایک مخلص رکن سید جلیل الرحمٰن ہم سے جدا ہوگئے۔ اناللہ۔ موصوف دہلی کے مشہور سادات خاندان کے چشم و چراغ تھے، شہرۂ آفاق مطبع مجتبائی دہلی کے مالک سید عبدالاحد صاحب مرحوم کے پوتے تھے، اپنے اسلاف کی طرح کریم النفس، شریف الطبع باوقار، سنجیدہ، مہمان نواز تھے، خوش پوشش، خوش خوراک، خوش رو تھے۔ عبادت گذار، ذکر و شغل کے پابند، قابلِ رشک خشوع سے نماز پڑھنے والے تھے، حضرت حکیم الامۃ قدس سرہ سے بیعت اور براہِ راست فیض یافتہ تھے، اس قحط الرجال کے دور میں ایسے بااخلاق کریم الخصال مخلص کی جدائی سے جتنا بھی صدمہ ہو کم ہے، مرحوم کی اہلیہ ۶ ماہ قبل داغِ مفارقت دے چکی تھیں جس سے باوجود صبر و استقامت کے ان کا دل ہل چکا تھا اور یہی قلبی صدمہ جان لیوا ثابت ہوا، مرحوم کو دل کا دورہ ہوا تو اسی وقت راقم الحروف کو یاد کیا، چھوٹے صاحبزادے فوراً لینے کے لئے پہنچے، میں نمازِ عصر میں تھا، جب فارغ ہو کر وہاں پہنچا تو روح پرواز کر چکی تھی، حق تعالےٰ ان کی روح کو اپنی مغفرت و رحمت کی دولت سے مالامال فرمائے اور پسماندگان اور احباب و اقربار کو صبرِ جمیل سے نوازے۔

افسوس کہ دو تین ماہ سے مسلسل بصائر و عبر کے صفحات ماتم سرائی کے لئے وقف ہوگئے ہیں بلکہ سچ پوچھئے تو ایک عرصہ سے "بینات" کے "بصائر و عبر" ماتم ہی ماتم میں مشغول ہیں، کبھی ملک و ملت کی نوحہ خوانی کی جارہی ہے کبھی ملک و ملت کے افراد کی جدائی کی مرثیہ خوانی ہو رہی ہے، کبھی پاکستان کا مرثیہ، کبھی پاکستانیوں کا مرثیہ، گویا ایسا محسوس ہوتا ہے کہ سارا جہاں حزن و ملال کی داستان بن گیا ہے، باغ و بہار کا دور ختم ہوا اور اب خزاں کا موسم ہے، قصۂ پارینہ کے بجائے آج عہدِ نو سے سینے کے داغ تازہ ہیں، "قدس" ہو کہ "سویز"،

"عراق" ہو یا "شام"، "پاکستان ہو یا عربستان ہر طرف ماتم ہی ماتم ہے، گویا جہاں تمام ماتم کدہ بن گیا ہے، کسی نے خوب کہا ہے ؎

یہ سرائے دہر مسافرو! بخدا کسی کا مکاں نہیں
جو یہاں مقیم تھے کل کے دن کہیں آج ان کا نشاں نہیں
یہ سرائے دہر قیام ہے یہ روا روی کا مقام ہے
جسے یہ خیال ہے خام ہے جو ثبات چاہو تو یاں نہیں
یہ مدام موسمِ گل کہاں کرے کوئی کیا گلۂ خزاں
یہ ستم ہے گردشِ آسماں بچے اس سے پیر و جواں نہیں
یہ ہر ایک قبر پہ بے کسی بزبانِ حال ہے کہہ رہی
تمہیں آنکھ چاہیئے غافلو! مجھے احتیاجِ بیاں نہیں
جو مثال طوطے خوش بیاں دمِ گفتگو تھے گہر فشاں
وہ پڑے ہیں ایسے خموش یاں کہ دہن میں گویا زباں نہیں
یہ جہاں خلیل ہے بے بقا نہیں یاں بھروسہ حیات کا
وہ ہے کون باغ جہاں میں گل چلی جس پہ بادِ خزاں نہیں

۶ اگست ۱۹۷۲ء، جمادی الثانیہ ۱۳۹۲ھ

حضرت مولانا قاضی عبدالرب رحمہ اللہ تعالےٰ

افسوس کہ ماہ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۲ھ اواخر جون ۱۹۷۲ء میں ہمارے ایک مخلص صالح عالم جناب قاضی عبدالرب صاحب کا انتقال ہوا، موصوف زیارت کاکا صاحب علیہ الرحمۃ تحصیل نوشہرہ ضلع پشاور کے باشندے تھے، کریم النفس، سنجیدہ، باوقار اور تعلق و محبت میں نہایت وفادار بزرگ تھے، مزاج میں سادگی، مسکنت اور تواضع تھی، معمولات کے نہایت پابند تھے، زندگی میں قانع تھے، ضیق النفس کے مرض میں عرصہ سے مبتلا تھے، مرض سے پہلے باوجود معمر ہونے کے جواں ہمت تھے، غالباً ۸۵ برس کی عمر پائی، پشاور میں وفات ہوئی اور اپنے آبائی گاؤں زیارت کاکا صاحب علیہ الرحمۃ میں حضرت کاکا صاحبؒ کے جوار میں مدفون ہوئے حق تعالیٰ درجاتِ عالیہ جنت الفردوس میں نصیب فرمائے آمین ۔

حضرت مولانا حافظ حبیب اللہ رحمہ اللہ تعالےٰ

ماہ جمادی الاخریٰ ۱۳۹۲ھ میں مولانا حافظ حبیب اللہ صاحب کی جو عارف باللہ حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوریؒ کے بڑے صاحبزادے تھے مکہ مکرمہ میں وفات ہوئی، حرمین شریفین کے مہاجر تھے، دارالعلوم دیوبند سے فراغت حاصل کی اور حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کے چشمۂ فیض سے سیراب ہوئے غالباً تیس سال سے حرمین میں مقیم تھے، زیادہ تر مدینہ طیبہ میں اقامت رہی، ابتدائً مدرسہ علومِ شرعیہ میں حسبۃً تدریس کی خدمت بھی انجام دیتے رہے، چند سال جامع ترمذی بھی پڑھائی، آخر میں حرمِ مدینہ میں تفسیر ابن کثیر پڑھایا کرتے تھے، زندگی کے آخری چند سال مکہ مکرمہ میں بسر کئے، عابد و زاہد اور دنیا کی راحتوں سے بے نیاز تھے، نہایت خاموشی اور گمنامی کے ساتھ حرمین شریفین کی زندگی بسر کی اور حرمین شریفین کی برکات سے مالا مال ہوئے جنتِ معلیٰ کے پُرانوار مقبرہ میں حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی قدس سرہٗ کے پہلو میں سپردِ خاک ہوئے، حق تعالےٰ کی ہزاروں ہزار رحمتیں ان کی تربت اور جسدِ مبارک پر ہوں

حضرت مولانا عبدالرحیم رحمہ اللہ تعالیٰ

نہایت رنج و افسوس کے ساتھ یہ خبر درج کی جاتی ہے کہ ہمارے قابلِ قدر بزرگ اور حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے خلیفہ مولانا مفتی محمد حسن صاحب مرحوم کے نوجوان و نوعمر صاحبزادے مولانا عبدالرحیم صاحب بعارضۂ قلب پرسوں بروز چہارشنبہ ۵ رجب ۱۳۹۲ھ رخصت ہو گئے۔ اِنّا لِلّٰہِ وَاِنّا اِلَیہِ رَاجِعُون۔ مرحوم نہایت خوش مزاج خوش اخلاق جوانِ صالح تھے، حق تعالیٰ بال بال مغفرت فرمائے اور پسماندگان اخوانِ کرام کو صبرِ جمیل اور اجرِ جزیل سے نوازے۔ آمین۔

شعبان المعظم ۱۳۹۲ھ، اکتوبر ۱۹۷۲ء

حاجی ابراہیم میاں سملکی رحمہ اللہ تعالےٰ

ہمارے ایک محترم اور معزز بزرگ جناب حاجی ابراہیم میاں صاحب سملکی (ضلع سوات) ۲۹ ذی الحجہ ۱۳۹۲ھ یوم شنبہ کو اس دارِ فانی سے رخصت ہوگئے، اِنا للہ و اِنا اِلیہ راجعون۔ مرحوم سملک وڈابھیل کے ایک خدارسیدہ عابد و زاہد عمر رسیدہ بزرگ تھے، حضرت الاستاذ امام العصر مولانا محمد انور شاہ رحمہ اللہ کے عاشق اور سچے جاں نثار تھے، جب تک حضرت شاہ صاحب زندہ تھے روزانہ بلا ناغہ ان کی صحبت سے مستفید ہوتے رہے، بڑی قناعت کی زندگی بسر کی، ابتدائی دور میں سملک وڈابھیل کا جو قافلہ جنوبی افریقہ پہنچا تھا، موصوف اپنے چند برادرانِ حقیقی کے ساتھ اس قافلہ کے ایک مسافر تھے کاروبارِ تجارت شراکت سے شروع کیا لیکن بہت جلد مرحوم واپس آگئے، کچھ عرصہ بعد کمپنی کو نفع ہوا اور مرحوم کا حصّہ مرحوم کو بھیجا گیا مگر لینے سے انکار کیا اور فرمایا کہ میرا نام کمپنی سے خارج کردیا جائے مجھے یہاں اپنی زمینداری کی معیشت کافی ہے، آخر عمر تک اسی پر گذارہ کیا، مرحوم ہمارے کرم فرما مخلص احباب جناب حافظ عبدالرحمٰن میاں اور مولانا عبدالحق میاں اور مولانا حافظ محمد شفیع میاں کے والدِ محترم تھے۔ اوّل الذکر جنوبی افریقہ میں قابلِ قدر دینی خدمات انجام دے رہے ہیں اور میاں عبدالحق صاحب تمام گجرات میں دینی مدارس تعلیمِ مساجد اور دینی اداروں کی قابلِ قدر خدمات میں نہ صرف مشغول ہیں بلکہ منہمک ہیں، یہ سب کچھ حضرت حاجی صاحب مرحوم کی توجہات اور حسنِ تربیت کا نتیجہ ہے، حافظ عبدالرحمٰن میاں تجارت میں مشغول تھے، ان کو حکم دے کر تجارت سے نکالا اور دینی خدمت میں لگا دیا، ان کے مبارک ہاتھوں سے بفضلہ تعالےٰ اچھے اچھے کام انجام پذیر ہوئے، راقم الحروف کی تالیف "معارف السنن" کی طباعت کا سہرا موصوف کے سر پر ہے خدا کا شکر کہ "این خانہ ہمہ آفتاب است" اسی خاندان کے ایک فرد مولانا محمد بن موسیٰ میاں رحمہما اللہ نے "المجلس العلمی" کی بنیاد ڈالی ہے جس نے تیس چالیس سال کے عرصہ میں علمِ حدیث اور علومِ نبوت کی قابلِ قدر خدمات انجام دیں: "نصب الرایۃ فی تخریج احادیث الہدایۃ" چار ضخیم جلدوں میں اور "فیض الباری شرح صحیح البخاری" چار ضخیم مجلدات میں اسی

لہ مشکوٰۃ ص ۳۵۵ھ بروایت بخاری و مسلم۔

مجلسِ علمی کا کارنامہ ہے اور حال ہی میں حدیثِ نبوی کی قدیم ترین اور علمی اور اعلیٰ ترین کتاب امامِ حدیث عبدالرزاق بن ہمام صنعانی المتوفی ۲۱۱ھ کی کتاب "المصنف" گیارہ ضخیم جلدوں میں چار لاکھ روپیہ کے صرف سے بیروت میں طبع کرائی" ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند"، اس کتاب کے تعارف کے لئے ان شاء اللہ تعالےٰ مستقل مقالہ لکھا جائے گا، امامِ حدیث عبدالرزاق امام ابو یوسف کے شاگرد اور امام احمد بن حنبل کے استاذ اور امام بخاری کے استاذ الاستاذ ہیں۔ رحمہم اللہ جمیعاً۔ یہ کتاب آج پہلی مرتبہ وفاتِ مصنف کے تقریباً بارہ سو سال بعد زیورِ طبع سے آراستہ ہوئی، کاغذ اس کے لئے جس اعلیٰ ترین معیار کا چاہا بیروت میں نہیں ملا لندن سے خریدا گیا، آج تک اس معیاری طباعت و اعلیٰ ترین کاغذ پر حدیث و تفسیر کی کوئی کتاب مصر و بیروت یا یورپ میں طبع نہیں ہوئی۔

ایں سعادت بزورِ بازو نیست
تانہ بخشد خدائے بخشندہ

بہر حال اس باتوفیق خاندان نے دین کی بڑی قابلِ قدر خدمت کی اور ملوک و سلاطین جو کام انجام نہ دے سکے اس خاندان کے افراد نے انجام دیئے، حق تعالےٰ ان خدمتوں کو قبول فرمائے اور ان کے لئے ذخیرہ آخرت فرمائے، حضرت حاجی ابراہیم میاں مرحوم اس خاندان کے بزرگ تھے۔

غفر اللہ لہ ورحمہ ورضی عنہ وأرضاہ وجعل الجنۃ متقلبہ ومثواہ آمین یارب العٰلمین وصلی اللہ علیٰ سیدنا خاتم النبیین محمد وآلہ وصحبہ أجمعین۔

صفر المظفر ۱۳۹۳ھ ۔ اپریل ۱۹۷۳ء

صدر المشائخ آغا عثمان جان مجددی رحمہ اللہ تعالیٰ

صدر المشائخ آغا عثمان جان مجددی واصل بحق ہوئے جو حضرت نور المشائخ مولانا فضلِ عمر مجددی فاروقی رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے صاحبزادے تھے اور حضرت مولانا محمد صادق مجددی مدنی کے بھتیجے تھے اور جناب ضیاء المشائخ مولانا محمد ابراہیم جان المجددی العمری کابلی کے بڑے بھائی تھے، عرصہ دراز سے لاہور میں مقیم تھے یہیں انتقال ہوا۔

حضرت مولانا لال حسین اختر رحمہ اللہ تعالیٰ

۹ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۳ھ کو جناب مولانا لال حسین اختر امیر مجلس تحفظِ ختم نبوت کا انتقال ہوا، مرحوم نے نوعمری میں ہی مرزائیت سے تائب ہو کر اپنی تمام تر صلاحیتیں ردِّ مرزائیت میں نہایت اخلاص و استقلال سے صرف کیں، انگریزی عربی اردو تینوں زبانوں میں نہ صرف پاکستان میں بلکہ یورپ اور آسٹریلیا میں بھی بے نظیر خدمتیں انجام دیں اور مرزائیت اور عیسائیت کی بیخ کنی میں کوئی کسر نہیں چھوڑی، اکابر کی دعاؤں نے ان کی خدمات میں مزید رنگِ قبولیت عطا فرما دیا تھا۔

حضرت مولانا خورشید احمد رحمہ اللہ تعالیٰ

۱۰ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۳ھ کو مولانا پیر خورشید احمد رحمہ اللہ کا وصال ہوا مرحوم کی عمر سو سال سے متجاوز بتلائی جاتی تھی، حضرت شیخ المشائخ شیخ الہند مولانا محمود حسین دیوبندی اسیرِ مالٹا رحمۃ اللہ علیہ کے دستِ مبارک پر بیعت کا شرف حاصل کر چکے تھے، اجازت و خلافت جانشین شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی علیہ الرحمۃ سے حاصل تھی، مرحوم نہایت سادے متواضع صاحبِ استقامت بزرگ تھے جب کراچی تشریف لاتے تو مدرسہ عربیہ اسلامیہ ہی کو شرف قیام نصیب ہوتا تھا۔

حاجی ابوالحسن پشاوری رحمہ اللہ تعالےٰ

مکہ مکرمہ میں حافظ حاجی ابوالحسن پشاوری مہاجر مکی جنہوں نے چالیس سال کا طویل عرصۂ ہجرت نہایت اخلاص کے ساتھ عبادت اور تقویٰ میں گذارا جمعہ کے دن ماہِ ربیع الاول ۱۳۹۳ھ میں وفات پائی۔

حاجی حبیب پاکولا والے رحمہ اللہ تعالےٰ

کراچی میں ہمارے محسن و مخلص دوست حاجی حبیب صاحب پاکولا والے بمرض سرطان رخصت ہوگئے لندن بغرضِ علاج تشریف لے گئے تھے، واپسی پر عمرہ کا ارادہ رکھتے تھے، احرام کی چادریں ساتھ لے گئے تھے لیکن وہیں بعارضۂ قلب وفات ہوئی نعش کراچی لائی گئی۔

جمادی الثانیہ ۱۳۹۳ھ، اگست ۱۹۷۳ء

حضرت مولانا گل بادشاہ صاحب طُوروی رحمۃ اللہ علیہ

افسوس کہ صوبہ سرحد کے ممتاز جید عالم سیاسی مفکر مولانا گل بادشاہ صاحب طُوروی طویل علالت کے بعد سہ شنبہ ۰ جمادی الاخری ۱۳۹۳ھ ۱۰ جولائی ۱۹۷۳ء کو داعی اجل کو لبیک کہہ گئے، إنا للہ وإنا إلیہ راجعون مرحوم سنجیدہ باوقار پختہ عالم تھے، پشتو زبان کے خطیب و مقرر تھے زندگی کا اکثر حصہ صوبہ سرحد کی سیاسی خدمات میں گذارا، برطانوی دورِ حکومت میں مسلسل سات برس اسارت کی زندگی گذاری اس طویل عرصہ میں گوناگوں مصائب و حوادث ان پر گذرے، ان کو صابراً محتسباً برداشت کیا اور ان کے پائے استقامت میں ذرا بھی لغزش نہیں آئی، تمام زندگی ان کی ابتلاء اور پریشانیوں میں گذری کیا مجال ہے کہ کبھی حرفِ شکایت زبان پر آیا ہو، ہر ابتلاء کو خندہ پیشانی سے برداشت کیا، مرحوم دار العلوم دیوبند کے عمدہ فاضل تھے، حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی قدس اللہ سرہٗ کے اجلِ تلامذہ میں سے تھے اور ان سے ظاہراً و باطناً قلباً و قالباً وابستہ تھے ابتداء سے مزاج سیاسی پایا تھا لیکن علمی ذوق و شناسائی سے کافی بہرہ ور تھے ابتداء سے جمعیت علمائے ہند سے وابستہ تھے پاکستان بننے کے بعد حضرت مدنی رحمہ اللہ سے استفسار کیا کہ اب ہمیں کس انداز سے کام کرنا چاہیئے فرمایا کہ پاکستان کے وفادار رہ کر دینی و سیاسی خدمت جس طرح ملکی مصالح کا تقاضا ہو کرنی چاہیئے اسی نصیحت پر قائم رہے اور صدر جمعیت علماء ہند سرحد سے لے کر آخر تک امیر جمعیت علماء اسلام سرحد رہے اسلام کے وفادار سپاہی اور سیاسی مجاہد پاکستان کے سیاسی خادم، زندہ دماغ حساس دل، مفکر مزاج، دردمند طبیعت جفاکش بے لوث خادم نڈر عالم تھے، اردو کے اچھے مقرر پشتو کے عمدہ ادیب تھے خطابت میں سنجیدگی معلومات پر مغز تھے۔

افسوس کہ اس دور میں ایسے باخدا عالم مخلص جاں نثار جفاکش جری بہادر سپاہی بہت کم ہیں بلکہ کبریتِ احمر سے کم نہیں ہیں، مرحوم ۶۰ سال کی عمر میں رخصت ہو گئے اور دنیا کی راحتوں سے کوئی بھی حصہ حاصل نہیں کیا، مرحوم پر حق تعالیٰ کی ہزاروں ہزار رحمتیں ہوں، ان کی لغزشیں معاف ہوں ان کے درجات بلند ہوں جنت کی فراواں نعمتیں نصیب ہوں، آمین۔

اللّٰهُمَّ اغفر له وارحمه، وعافه واعف عنه، وأكرم نزله ووسع مدخله، وارزقه داراً خيراً من داره، وأهلاً خيراً من أهله، وجاراً خيراً من جاره، وقه عذاب القبر وعذاب النار، وأدخله الجنة مع الأبرار.

رجب وشعبان ١٣٩٣هـ، ستمبر، اكتوبر ١٩٧٣ء

حضرت مولانا عبد الحق نافع رحمہ اللہ تعالیٰ

«کُلُّ مَنْ علیہا فان و یبقیٰ وجہ ربک ذو الجلال والاکرام»

آہ۔ دورِ حاضر کے ایک گمنام "محقق" حضرت مولانا عبد الحق نافع ہم سے ہمیشہ کے لئے جدا ہو گئے، إنا للہ وإنا إلیہ راجعون، علومِ عقلیہ کے ماہر ہی نہیں بلکہ ناقد، علوم نقلیہ کے صاحب بصیرت فاضل عصرِ حاضر کے ذکی ترین عالم نکتہ سنج، نکتہ شناس، دقیقہ رس، شعر و ادب کے صاحبِ ذوق، ہیئت و ریاضی کے امام ہم سے جدا ہو گئے إنا للہ، علمی مشکلات کے صاحبِ فہم و بصیرت، مسائلِ دقیقہ علمیہ کی سہل تعبیر پر قادر ترین فاضل، یگانۂ روزگار ہم سے رخصت ہو گئے إنا للہ۔

بلا شبہ اسلام کے ہر دور میں علم و تحقیق کے آفتاب و ماہتاب چمکتے رہے اور اسلام کی زرخیز زمین میں کیسی کیسی ہستیاں پیدا ہوئیں، علوم و معارف کے گلستانوں میں کیسے کیسے پھول کھلے جن سے آج تک مشامِ عالم معطر ہے اور رہے گا، ملتِ محمدیہ کے ابرِ نیساں نے برس کر کیسے کیسے لعل و گہر پیدا کئے اور اس امتِ مسلمہ میں کیسی کیسی باکمال شخصیتیں ظہور میں آئیں، سراپا نور صحابہ و تابعین کا تو کیا کہنا محدثین و فقہاء میں کیسی کیسی ہستیاں ظہور پذیر ہوئیں، محققین و متکلمین میں کیسے کیسے بابرکت افراد نے دنیاءِ علم و تحقیق کو روشن کیا، ایک طرف اگر ابو حنیفہؒ، مالکؒ، سفیان ثوریؒ، اوزاعیؒ، شافعیؒ نظر آتے ہیں تو دوسری طرف احمد بن حنبلؒ، اسحاق بن راہویہؒ، ابن المدینیؒ، دارمیؒ، بخاریؒ، مسلمؒ، ابوداؤدؒ نگاہِ عالم کو خیرہ کئے ہوئے ہیں، اسی امت میں طحاویؒ، ابن جریرؒ، ابن المنذرؒ، جصاصؒ جیسی باکمال ہستیاں نقدِ حدیث میں دادِ تحقیق دے رہی ہیں، بیسیوں نہیں سینکڑوں نہیں ہزاروں اہل کمال سے امت محمدیہ کا دامن بھرا ہوا ہے، باقلانی، غزالی، ابن رشدؒ، ابن فورکؒ و رازی و شیرازیؒ جیسے ماہرین علومِ عقلیہ و ائمہ موجود ہیں۔

دور نہ جائیے متحدہ ہندوستان کی سرزمین نے شاہ ولی اللہؒ، شاہ عبد العزیزؒ، بحر العلوم جیسے جامع کمالات اور علوم عقل و نقل کے ماہر پیدا کر کے دنیا کو حیرت میں ڈال دیا تھا اس آخری دور میں دہلی، دیوبند، سہارنپور، گنگوہ، نانوتہ، تھانہ بھون میں کیسی کیسی ہستیاں ظہور میں آئیں جن کی نظیر ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملے گی جن کے اخلاص و تقویٰ اور علومِ نبوت میں کمال کو دیکھ کر قرنِ اول کا شبہ ہونے لگتا ہے آج ان کے علوم و حقائق اور علمی خصائص و کمالات کو صحیح سمجھنے والا بھی کوئی باقی نہیں

رہا، لیکن ان حضرات کے کچھ علوم ان کے سینوں سے سفینوں میں منتقل ہو گئے ہیں جن کے ذریعہ امت کو استفادہ اور انتفاع کا موقع مل گیا۔

حضرت مولانا عبدالحق صاحب نافع اس دور کے ان علماءِ راسخین میں تھے جن کی دقتِ نظر، دادِ تحقیق، حسنِ ذوق کا بہت کم کسی کو علم ہوا۔ افسوس کہ ان کے علمی کمال کا کوئی حصہ بھی سینہ سے سفینہ میں منتقل نہیں ہوا، اس علمی و فکری کمالات کے ساتھ حق تعالیٰ نے جن فطری کمالات سے نوازا تھا دورِ حاضر میں ان ملکات کا انفرادی طور پر بھی بہت کم کسی کو حصہ ملا، وہ حیا کے مجسم پیکر تھے۔ ان کا سُرخ و سفید نورانی چہرہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے لعل بدخشاں چمک رہا ہے، مجالسِ علم میں جب کبھی گفتگو ہوتو انتہائی سنجیدگی بے عدیل متانت و رزانت و وقار کے ساتھ خاموش بیٹھے رہتے تھے، جب ان کو مخاطب کیا جاتا تھا تب بحث میں حصہ لیتے تھے۔ اس دوران چہرے پر عالمانہ رعب ہمیشہ چھایا رہتا تھا، مجلس میں ان کے وجود سے ایسی رونق ہوتی تھی گویا میرِ مجلس وہی ہیں، لباس میں انتہائی سادگی کے باوجود ممتاز وضع کے مالک، کھدر پوشی کے باوجود دلکش حسن و جمال کے پیکر، صاحبِ جود و کرم، وقار و تمکنت میں یگانۂ روزگار، صبر و تحمل میں بے نظیر، نظافتِ طبع و لطافتِ مزاج میں بے مثل، مزاح میں بھی وقار و اعتدال کو ملحوظ رکھتے تھے، آواز میں شیرینی، تعبیرات میں دل کشی، طبیعت میں انتہائی استغناء رفتار و گفتار میں جاذبیت، اربابِ فضل و کمال کے قدرداں، محبت و مودت میں رقتِ طبع کے ساتھ سنجیدگی و وقار کے مالک، افسوس کہ ایسی جامع شخصیت مدت میں پیدا ہوتی ہے۔

فکر و دماغ کی حیثیت سے انتہائی فلسفی مزاج لیکن باوجود اس فلسفیت کے عقیدہ و عمل میں عالمانہ پختگی، دماغ میں عقل و برہان کے نور کے ساتھ قلب میں وجدانی سکون کا اجتماع حیرت انگیز تھا، بیک وقت وہ فلسفی بھی اور مؤمنِ قانت بھی، حقائقِ ایمانی میں وہ منطقی بُرہان سے زیادہ وجدانی ایقان و اطمینان کے حامل تھے۔

ماہرینِ علوم و فنون سے استفادہ کے عاشق تھے جو شخصیت جس فن میں کمال رکھتی تھی اس سے فیض حاصل کرنے میں دریغ نہیں کرتے تھے، دہلی، دیوبند، میرٹھ، گلاوٹھی، رامپور، جہاں کہیں بھی کوئی صاحبِ کمال دیکھا وہاں تک پہنچے یہاں تک کہ اپنے دور میں (چکیسر ضلع سوات) میں جب قاضی مبارک کے درس کے لئے گئے تو استاذ سے اس شرط پر درس قبول کیا کہ وہ قاضی مبارک کی تشریح کے دوران

مجمل، مفصل، کندیا، حافظ یوسف دراز، بھوپالی کے علاوہ جو کچھ ہو اس پر اکتفاء کریں، ان پانچ شروح سے کوئی حرف نہ کہیں، دورِ تحصیل میں کسی طالبِ علم کی کیا یہ حیثیت کسی نے سنی ہے؟ زندگی کا بڑا حصہ درس وتدریس میں گذارا تمام علوم وفنون کی کتابیں پڑھائیں، طبیعت ایسی پائی تھی کہ واضح کی ایضاح اور بلا مقصد، بلا ضرورت تطویل سے گریز، حلِ مشکلات میں بقدرِ ضرورت پر اکتفاء کرتے تھے اس لیئے اذکیاءِ طلبہ کو بے حد نفع ہوتا تھا اور اغبیاء محروم رہتے تھے، بنگال اور ہندوستان میں مختلف مقامات پر مدرس رہے، آخری دور دیوبند میں گذارا، دارالعلوم کے طبقۂ علیا کے مدرس تھے، شرح عقائد جلالی خیالی، شرحِ حکمت، شرحِ اشارات، شرحِ چغمنی، ابنِ کثیر زیادہ تر زیر درس رہیں۔

پاکستان کے وجود میں آنے کے بعد دارالعلوم دیوبند سے انقطاع ہوگیا، کچھ عرصہ مظہر العلوم کھڈہ کراچی میں شیخ الحدیث وصدر مدرس رہے، جب راقم الحروف نے کراچی میں درس گاہ کی بنیاد ڈالی تو کچھ عرصہ میرے رفیقِ کار رہے، درس بخاری وصدر مدرس کا منصب ان کو حاصل تھا، ضعف وخانگی ضروریات کی وجہ سے ہم ان کی رفاقت کی نعمت سے محروم رہے۔

افسوس کہ ان کی فوق العادہ ذکاوت، جامعیتِ علوم، مکارمِ اخلاق، فطری ملکات وکمالات کے باوجود ناقدر شناس دنیا نے ان کی قدر نہیں کی جس قدر ومنزلت کے یہ نادرۂ روزگار مستحق تھے اتنی قدر ومنزلت نہ ہوسکی۔ ع

تو نظیری ز فلک آمدہ بودی چو مسیح   باز پس رفتی وکس قدر تو نشناخت دریغ

مرحوم سے میرا تعلق تقریباً نصف صدی رہا، تحابب وتوادد کی اس منزل پر ہم پہنچے جس کی نظیر کم ملے گی، میں نے اپنے معاصرین اور حلقۂ احباب اور اساتذہ میں باستثناء بعض حضرات ذکاوتِ طبع دقتِ نظر، حسن ذوق، جامعیتِ مزاج میں ان کی نظیر نہیں دیکھی، میرے والدِ محترم حضرت مولانا سید محمد زکریا صاحب (مدظلہم ودامت برکاتہم) فرماتے ہیں کہ "مشکل سے مشکل مسائل کو آسان وسادہ تعبیر میں حل کرنے والا عالم ان جیسا نہیں دیکھا۔"

افسوس کہ علم وفضل کا یہ گوہر آبدار دنیا سے رخصت ہوگیا، میرے نصف قصائد کا موضوع ان کی ذات رہی ہے جو قلم ان کو مخاطب کرکے یہ لکھتا تھا:-

ع أتاني منك يا فرد الزمان
كتاب لفظهٔ عقد الجمان

یا یہ لکھتا تھا ع بلغت الغاية القصوىٰ مراداً
وإن تطلب تجد مجداً سواها

آج وہ اشکبار آنکھوں سے، غمگساری میں یہ چند حرف سپردِ قلم کر رہا ہے، مرحوم کی ولادت ۱۳۱۳ھ میں ہوئی، ٹھیک اسّی برس کی عمر میں بتاریخ ۱۳ ذی الحجہ ۱۳۹۳ھ مطابق ۸ جنوری ۱۹۷۳ء میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا، علالت کا سلسلہ ایک سال سے جاری تھا، میرا ایک تار مرحوم کی حالت معلوم کرنے کے سلسلہ میں گیا، جب ان کو علم ہوا تو جاہلی شاعر کا یہ شعر پڑھا ع

سئمتُ تكاليف الحياة ومن يعش
ثمانين حولاً لا أبا لك يسأم

(یعنی زندگی کی تکالیف سے تنگ آگیا ہوں اور جو اسّی سال زندہ رہے ضرور زندگی سے اکتا جائے گا)

اور فرمایا کہ "تسلی کا جواب دو۔"

ادبی ذوق عجیب و غریب تھا ایک دفعہ غالباً چار سال قبل میں مکہ مکرمہ میں تھا مکتوب ملا، اس وقت بعض احباب کے ساتھ موٹر میں میدانِ عرفات، وقوفِ عرفات سے دو دن قبل جا رہا تھا، ڈاک راستہ میں ملی، خط راستہ میں نہیں کھولا، جب جبل الرحمت پہنچے تو لفافہ کھولا، عربی میں رقت انگیز مکتوب تھا، سرنامہ عربی کا ایک شعر تھا۔

ع إنا محيّوك يا سلمىٰ فحيينا
وإذا سقيت كرام الناس فاسقينا

یہ شعر پڑھتے ہی سب پر بکاء کی کیفیت طاری ہوگئی اور اس رقت انگیز طرزِ تعبیر نے نہ صرف مجھ پر بلکہ سب پر رقت طاری کردی۔

افسوس کہ میری غیر موجودگی میں ان کا حادثۂ وفات پیش آیا، میں نے سرزمینِ مقدس حجاز مکہ مکرمہ میں ۱۴ ذی الحجہ ۱۳۹۳ھ جمعہ کی نصف شب کو خواب دیکھا کہ مرحوم وفات پا چکے، خواب صریح تھا

اور امارات وقرائن بھی اس کے مؤید تھے، اس لئے مقاماتِ مقدسہ اور اوقاتِ قبولِ دعا میں بجائے صحت و عافیت کے مغفرت اور ترقی درجات کی دعائیں کرتا رہا، لیکن کسی ذریعہ سے کوئی اطلاع نہ مل سکی، تردد ہوا کہ شاید خواب صریح نہ ہو یا کچھ اور تعبیر ہو تو دوبارہ خواب دیکھا کہ خواب سچا ہے۔

میری ایک لڑکی نے جو حج میں ساتھ تھی تین مرتبہ ماہِ ذی الحجہ میں ان کی وفات کے خواب دیکھے تھے، بعد میں معلوم ہوا کہ واقعہ صحیح تھا البتہ حادثۂ وفات بتاریخ ۱۳ ذی الحجہ میں حج کے بعد وقوع میں آیا۔

صد افسوس کہ نہ آخری لمحاتِ حیات میں ملاقات ہو سکی نہ جنازہ میں شرکت نصیب ہوئی، اب مزارِ مبارک پر حاضری ہوگی۔ ع

بجنازہ گر نہ آئی بمزار خواہی آمد

والدِ محترم نے نام عبدالحق رکھا تھا والدہ نے "نافع گل" حضرت مولانا شیخ الہند رحمۃ اللہ کا حکم تھا کہ اس کو عبدالحق کہا کریں اگر کوئی نافع گل کہتا ایک آنہ جرمانہ کرتے تھے آخر میں راقم الحروف مرحوم کو عبدالحق نافع لکھا کرتا تھا اور یہی عام ہو گیا۔

حق تعالیٰ سے دعا ہے کہ ان کے مزارِ پُر انوار کو نور سے بھر دے اور ابرِ کرم کی بارش سے رحمت ورضوان کی نہریں جاری فرما دے، بال بال مغفرت ہو۔ اعلیٰ علیین میں مسکن ہو بے حساب وبے کتاب جنت الفردوس نصیب ہو، آمین۔

حزینہ

عليك سلام الله يا رُوحَ نافع	ورحمتهُ ما شاء أن يترحّما
تحيّة حِبّ حين يشجو فؤاده	وأضحىٰ بحال كاد أن يتحطّما
تحيّة قلب هائم متألم	ويرجو من الله الرحيم ترحما
رحيم رؤف بالعباد عنايته	يجود بعفو منّة وتكرّما
رزية علم ثم فضل مصيبة	تفوق رزايا الدهر حقا محتّما
رثاءٌ فقيد العلم ثم خل رزيّة	تقطع قلبًا هائمًا ومُتيّمًا
فيارب أنزل من سحائب رحمة	على قبره ما كان أغزر أدوما

حضرت مولانا عبدالمنان دہلوی نور اللہ مرقدہ

إن عشت تفجع بالأحبة كلهم ... وبقاء نفسك لا أبالك أفجع

حضرت مولانا عبدالحق صاحب نافع کی وفات کی خبر سے دل کا زخم ابھی تازہ تھا کہ برادر محترم مولانا عبدالمنان صاحب میواتی دہلوی کی وفات حسرت آیات کی خبر سنی، مرحوم یوم سہ شنبہ ۲۷ ذی الحجہ ۹۳ھ ۲۲ جنوری ۷۴ء کی شام کو دہلی میں واصل بحق ہوئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مرحوم سراپا اخلاص اور سراپا سوز وگداز تھے، جید عالم تھے، عربی اور اردو کے بے مثل فطری شاعر تھے، عربی شعر گوئی میں اس دور میں متحدہ ہندوستان میں ان کی نظیر نہیں تھی، اشعار میں روانی زبان دانی اسلامی قدیم دور کے شعراء کی یاد تازہ کرتی تھی، حافظہ بے عدیل تھا جو قصیدہ لکھا سالہا سال تک یاد رہتا تھا، سنانے کا طرز بھی بے عدیل تھا جس وقت شعر سنانے بیٹھتے ایک ایسا وجد و بے خودی طاری ہوتی تھی کہ سراپا جذب وسراپا وجد بن جاتے تھے، سوز وگداز کے باوجود باغ وبہار تھے، ان کی مجلس عجیب پُر لطف ہوتی تھی، بزرگوں سے عقیدت بزرگوں کی خدمت اور بزرگوں کی دعاؤں کی برکت نے ان کی ساخت کو عجیب بنا دیا تھا، وہ بیک وقت شاعر بھی تھے، صالح عالم بھی تھے اور باخدا بھی تھے، دلوں کو تڑپانے والے بھی تھے، راتوں کو اٹھ کر رویا کرتے تھے اور آخری عمر تک سلسلۂ چشتیہ کا "ذکر بالجہر" بارہ تسبیح کا ورد پابندی سے کیا کرتے تھے، ذکر کرتے وقت ان کی دردناک آواز اندرونی سوز وگداز کی غمازی کیا کرتی تھی جب پاکستان آتے اور مدرسہ عربیہ اسلامیہ میں وارد ہوتے تو مدرسہ میں آپ کی تشریف آوری سے عجیب رونق آجاتی تھی، مکۃ المکرمہ میں موسم حج میں کچھ دن ان کی معیت وصحبت نصیب ہوئی، ان کے کمالات خوب کھلے۔

دہلی کے ایک خط سے معلوم ہوا کہ وفات سے کچھ ماہ قبل اپنی وفات کا احساس ہو گیا تھا گویا وہ ہر وقت منتظر رہتے تھے اور بار بار یہ اظہار کیا کہ تین حج کی دعا کی تھی قبول ہو گئی، اب سفر آخرت قریب ہے افسوس کہ یہ بلبل خوشنوا جو ہر مجلس میں چہکتی تھی، اب خاموش ہو گئی اور سوز وگداز کے وہ نغمے جو ہر مجلس کو گرماتے تھے آج ختم ہو گئے، اللھم اغفر لہ وارحمہ وعافہ واعف عنہ وأکرم نزلہ ووسع مدخلہ

وأدخله الجنة وأعذه من عذاب القبر ومن عذاب النار.

حاجی علی محمد موسیٰ رحمہ اللہ تعالیٰ

پرسوں چہار شنبہ کے دن بلکہ جمعرات کی رات مغرب کے بعد ۵ صفر ۱۳۹۴ھ ۲۷ فروری ۱۹۷۴ء ہمارے مخلص دوست سابق اسلامک اسٹیم شپنگ کمپنی کے اسپیشل ڈائریکٹر حاجی علی محمد موسیٰ کی اچانک وفات کا حادثہ پیش آیا، إنا للہ وإنا الیہ راجعون. مرحوم کراچی و سندھ کے قدیم باشندے تھے ان کے اخلاص، تواضع، مسکنت، اہل اللہ، صالحین اور علماءِ دین سے ان کی محبت دیکھ کر یہ یقین ہی نہیں ہو سکتا تھا کہ یہ اس صدی کا شخص ہے، بلکہ محسوس ہوتا تھا کہ کوئی قدیم باقیماندہ روح ان میں جلوہ گر ہے سراپا اخلاص، سراپا مسکنت و تواضع، فیض رساں، خدمتِ خلق کا دلدادہ جس کی نظیر اس دور میں بہت کم ملے گی، پان اسلامک کمپنی قائم ہونے سے پہلے یہ خاندان کراچی میں حجاجِ کرام کی خدمت کے لئے وقف تھا لیکن اس بحری کمپنی سے تعلق کے بعد حق تعالےٰ نے حجاجِ کرام اور علماءِ عظام اور حج وعمرہ پر جانے والے عام لوگ خصوصًا علماء یا ان کے احباب کے لئے وہ خدمات اُن سے لیں جن کا تصور بھی اس دور میں مشکل ہے اور حق تعالےٰ کے فضل و کرم سے یہی امید ہے کہ ان کے یہی اعمال آخرت کے لئے سب سے زیادہ مفید ذخیرہ بھی ہوگا، وفات کے بعد ان کے چہرے سے "گویا نور کے شعلے نکلتے دیکھے اور لب پر تبسم کا منظر عجیب تھا الحمد للہ کہ ان کی مغفرت اور ترقی درجات کی بہت کھلی علامات تھیں، حق تعالیٰ کی ہزاروں ہزار رحمتیں ان پر ہوں اور جنت الفردوس کی بشارت سے سرفرازی نصیب ہو ؏

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

علماء و احباب و مخلصین کے قافلے آخرت کی طرف بہت سُرعت سے جارہے ہیں نہ معلوم اس مرثیہ خواں قلم کی باری کب آتی ہے؟ اللّٰھُمَّ اختم لنا بخیر واجعل خیر أعمارنا آخرھا.

صفر المظفر ۱۳۹۴ھ، مارچ ۱۹۷۴ء

الشیخ محمد ابوزہرۃ رحمہ اللہ تعالیٰ

افسوس کہ مصر کے مایہ ناز محقق عالم الشیخ محمد ابوزہرہ گذشتہ شنبہ ۱۳ اپریل ۱۹۷۴ء ۱۹ ربیع الاول ۱۳۹۴ھ کو واصل بحق ہوئے، إنا للہ وإنا إلیہ راجعون۔ موصوف دورِ حاضر کے ممتاز عالم، بے نظیر مصنف، حیرت انگیز خطیب تھے، ائمہ اربعہ اور چند افرادِ امت پر ان کی تصانیف ان کے علمی شاہکار ہیں، تصنیفی اسلوب میں نقد وتحلیل اور بحث وتحقیق کے امام تھے وہ مسلکاً حنفی تھے لیکن بعض مسائل میں وہ اپنے خیال میں دلیل وحجت کے تابع تھے، موصوف سے پہلی مرتبہ اس وقت ملاقات ہوئی تھی جب لاہور میں ۵۸ء میں "کلوکیم" ہوا تھا تو وہ کراچی آئے تھے، مدرسہ عربیہ اسلامیہ میں بھی تشریف لائے تھے۔ پھر کلوکیم میں ان کی تقریروں کے سننے کا موقع ملا تھا، غلام احمد پرویز اور عبدالحکیم ادارۂ ثقافت والے پر ان کی تنقید وتقریر قابلِ قدر تھی بعد میں "مجمع البحوث الإسلامیۃ" کی کانفرنسوں میں موصوف کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا اور ان کی علمی خصوصیات کے جوہر کھلے وہ بیک وقت بہترین ادیب و کاتب بھی تھے اور اعلیٰ ترین خطیب بھی تھے حافظہ بے نظیر تھا جو لکھا سب یاد ہوتا تھا۔ "مجمع البحوث الإسلامیۃ" میں جب بھی کسی موضوع پر سینکڑوں صفحات کا مقالہ تیار فرمایا تو کھڑے ہو کر خود سناتے تھے اکثر حافظے سے سناتے تھے گویا تقریر کر رہے ہیں، عقیدہ سلیم تھا۔ مزاج میں سنجیدگی اور وقار تھا غرض اپنے اس دور میں علماءِ ازہر میں ممتاز حیثیت کے مالک تھے، عرصہ دراز تک وہ "کلیۃ الحقوق" (لا کالج) کے عمید (پرنسپل) تھے، ہمارے مولانا عبدالرزاق صاحب جو مدرسہ عربیہ اسلامیہ میں ہمارے رفیقِ کار تھے، "المجلس الأعلی للشؤون الإسلامیۃ" کی دعوت پر ڈاکٹریٹ کے لئے مصر گئے ہیں حضرت عبداللہ بن مسعود پر مقالہ تیار کر رہے تھے، جامعۃ القاہرہ کی طرف سے مشرف استاد الشیخ ابوزہرہ تھے، افسوس صد افسوس کہ اس قحط الرجال کے دور میں ایسی باکمال شخصیتیں مشکل سے پیدا ہوتی ہیں حق تعالیٰ بال بال مغفرت فرمائے، درجاتِ عالیہ نصیب فرمائے اور ان کی علمی و دینی خدمتوں کو بارگاہِ ربوبیت میں شرفِ قبولیت بخشے۔ آمین

مولانا شمس الدین شہید رحمہ اللہ تعالیٰ

افسوس کہ ہمارے بلوچستان فورٹ سنڈیمن کے نوجوان غیور عالم مولانا شمس الدین بتاریخ ۱۳ مارچ

۱۹۷۴ء ۱۹ صفر ۹۴ھ بڑی بے دردی سے شہید کر دیئے گئے انا للہ و انا الیہ راجعون، مرحوم کے اس نو عمری میں سیاسی میدان میں قدم رکھنے سے بہت سے حیرت انگیز کمالات کا ظہور ہوا، سنجیدہ باوقار خوبصورت خوب سیرت اصول کے پابند عالم تھے، بلوچستان اسمبلی کے ڈپٹی اسپیکر تھے اس دوران ان کو شدید سے شدید آزمائشیں پیش آئیں اور ایسے ایسے خطرناک ہوشربا امتحانات سے واسطہ پڑا جہاں بڑوں بڑوں کے قدم ڈگمگا گئے لیکن کیا مجال کہ مولانا شمس الدین کے پائے استقامت کو ذرہ بھر بھی لغزش ہوئی ہو، مال سے مستغنی جاہ و منصب سے بے نیاز، فقیری میں بادشاہ، فیض رساں، خدمتِ خلق کے لئے وقف، جری بہادر، جمعیت علماءِ اسلام اور مولانا مفتی محمود صاحب خصوصی طور پر تعزیت کے مستحق ہیں، کسے معلوم تھا کہ بلوچستان کی سنگ لاخ وادی اس ابرِ نو بہاری کے فیض سے اتنی جلد محروم ہو جائے گی ؎

اکنوں چہ تواں کرد کہ تقدیر چنیں بود

حق تعالیٰ نے موت بھی شہادت کی نصیب فرمائی حق تعالیٰ اس شہیدِ ملک و ملت کو شہداءِ برحق کے درجاتِ رفیعہ سے سرفراز فرمائیں اور حیاتِ جاودانی نصیب فرمائیں اور شہداء کے لئے احادیثِ نبویہ علیہ الصلاۃ والسلام میں جن درجات کا ذکر آیا ہے حق تعالیٰ وہ مولانا شمس الدین کو عطا فرمائیں، آمین۔ ان کی خدمات قبول ہوں ان کی خونی شہادت ان کے حق میں ہر طرح سے باعث خیر و برکت ہو، آمین ثم آمین۔

ربیع الثانی ۱۳۹۴ھ ۔ مئی ۱۹۷۴ء

حضرت مولانا عبدالرحمٰن جالندھری نور اللہ مرقدہٗ

افسوس کہ میرے ایک قدیم ترین محب مولانا عبدالرحمٰن بن فقیر محمد جالندھری کل بروز شنبہ بوقتِ عصر مورخہ ۱۱ ربیع الآخر ۱۳۹۴ھ ۴ مئی ۱۹۷۴ء کو راہی ملکِ بقا ہوئے، إنا للہ وإنا إلیہ راجعون۔

مرحوم سے شناسائی اور تعلق ۱۳۴۴ھ میں دارالعلوم دیوبند میں پیدا ہوا، وہ ۱۳۴۰ھ سے دارالعلوم میں داخل تھے اور اس وقت متوسط کتابیں پڑھتے تھے، ۱۳۴۶ھ میں دارالعلوم میں جب انقلاب آیا، جس میں امام العصر مولانا محمد انور شاہ رحمہ اللہ اور چند ازاں بعد مولانا شبیر احمد عثمانی، عارف باللہ حضرت مولانا عزیز الرحمٰن دیوبندی اور مولانا سراج احمد رشیدی وغیرہ حضرات علیحدہ ہوئے اور طلبہ کی ایک بڑی جماعت میں ہیجان برپا ہوا، اس وقت مرحوم غالباً اپنے ماموں کے مشورے سے جو اس وقت پشاور میں تحصیلدار تھے، دارالعلوم سے چلے آئے اور اورنٹیل کالج لاہور میں "مولوی فاضل" کلاس میں داخلہ لے لیا، چند سال لاہور رہے، مولوی فاضل اور منشی فاضل کیا اور دوبارہ ۱۳۵۱ء میں اپنی کتابوں کی تکمیل کے لئے دارالعلوم پہنچے، ۱۳۵۲ھ میں دارالعلوم سے سندِ فراغ حاصل کی جس کے الفاظ یہ تھے:۔

(وھو عندنا سلیم الطبع، جید الفھم مرضی السیرۃ، محمود السریرۃ، ولہ مناسبۃ بالعلوم تامۃ، یقدر علی نشر العلوم وإفادتھا.	وہ ہمارے نزدیک سلیم الطبع، عمدہ فہم، پسندیدہ سیرت اور قابلِ تعریف عادت کے شخص ہیں، انہیں علوم سے پوری مناسبت ہے اور وہ علوم کی نشر و اشاعت پر قادر ہیں۔

عرصہ دراز کے بعد معلوم ہوا کہ کسی کالج میں استاذ ہیں، بعد میں ریٹائر ہوگئے اور لائل پور کی کسی مسجد میں خطیب مقرر ہوئے، اسی دوران چند ماہ ایک خاص جماعت کی ابتدائی کتابوں کی تعلیم کے لئے مدرسہ عربیہ اسلامیہ کراچی میں بھی استاذ رہے، فریضۂ حج غالباً ۱۳۵۰ھ میں ادا کیا، ایک بار عمرہ و زیارت کے لئے بھی سفرِ حرمین کی توفیق ہوئی، دوسری بار اب سے کوئی اڑھائی تین مہینے پہلے عمرہ و زیارت کے لئے بڑے ذوق و شوق سے حرمین پہنچے، ایک ماہ مدینہ طیبہ میں اور ایک ماہ سے زائد مکہ مکرمہ میں قیام رہا، اس دوران والہانہ و مجذوبانہ انداز میں طواف و عبادات اور مجاہدات میں مشغول رہے، طبیعت وہیں بگڑ گئی تھی لیکن آرام کا خیال نہ کیا، سفینۂ حجاج سے واپسی ہوئی، کراچی پہنچنے سے ۳۰ گھنٹے قبل بخار ہوا، بے ہوش ہوگئے، جہاز کے ہسپتال میں داخل کئے گئے مگر تشخیص نہ ہوسکی، بے ہوشی کے عالم میں

کراچی اتارے گئے اور سول میڈیکل ہسپتال پہنچائے گئے، معلوم ہوا کہ گردن توڑ بخار کا عارضہ ہے جس سے مریض شاذ و نادر ہی جانبر ہوتا ہے تمام تدبیریں کی گئیں مگر ناکام ہوئیں، بالآخر عرب کا یہ مسافر تمام عمر کے لئے سفرِ آخرت پر روانہ ہو گیا۔

طبیعت ابتدا ہی سے نیم مجذوبانہ تھی، دیوبند کی طالب علمی کے دوران آدھی آدھی رات کو جنگل میں چلے جاتے، کبھی سہارن پور جانے کے لئے اسٹیشن پر پہنچے، ریل نکل گئی تو پاپیادہ سہارنپور چل دیئے اور ۲۲ میل کا سفر چند گھنٹوں میں طے ہو جاتا، ۱۹۳۰ء میں لاہور میں مولوی فاضل کی تیاری کے دوران ایک خاص شکل میں ذکر و شغل کرنے لگے جس کی وجہ سے یہ کیفیت طاری ہوئی کہ بہت سے لوگوں کی صورتیں بندر وغیرہ کی نظر آنے لگیں اور بے حد پریشان ہوئے، بالآخر میرے اصرار پر اس شغل کو ترک کیا تو کچھ عرصہ بعد یہ کیفیت جاتی رہی مگر اس شغل کی وجہ سے اس وقت امتحان میں ناکام ہوئے، یہی نیم مجذوبانہ کیفیت آخر عمر تک رہی، لذائذ و شہوات سے طبعًا دور تھے، مشتبہات سے اجتناب کرتے تھے، سنا ہے کہ دورۂ حدیث کے اختتام پر حضرت مدنی قدس اللہ سرہٗ سے بیعت بھی ہو گئے، پوری زندگی سادگی اور مجاہدے میں گذاری، زبان پر کبھی کسی کی غیبت وغیرہ نہ آتی، غالبًا ۶۸ برس عمر ہو گی کہ سفرِ مبارک سے سفرِ آخرت پر روانہ ہوئے، چہرے کی نورانیت قابلِ رشک تھی، مغفرت کی علامات نمایاں اور حرمین کے انوار و برکات مشاہد تھے، الحمد للہ بہت جلد تجہیز و تکفین اور تدفین کے مراحل طے ہو گئے اور یوسف پورہ میں سوداگرانِ دہلی کے قبرستان کراچی میں ان کی آخری آرام گاہ بنی، حق تعالیٰ کی بے انتہا رحمتیں اس مسافرِ آخرت پر ہوں جس نے تمام زندگی زہد و قناعت اور تقویٰ و مجاہدہ کی منزلیں طے کرنے میں گذاری۔

اللّٰھم اغفر لہ وارحمہ وأرضہ وارض عنہ وأدخلہ دار النعیم بفضلك وكرمك یا أرحم الراحمین.

جمادی الاولیٰ ۱۳۹۴ھ جون ۱۹۷۴ء

حضرت مولانا دوست محمد قریشی رحمۃ اللہ علیہ

افسوس کہ ہمارے محب و مخلص با خدا عالم مولانا دوست محمد قریشی بتاریخ ۱۳ جمادی الاولی ۱۳۹۴ھ ۲۶ مئی ۱۹۷۴ء ہم سے ہمیشہ کے لئے جدا ہو گئے انا للہ وانا الیہ راجعون، مرحوم سے جامعہ اسلامیہ ڈابھیل ضلع سورت (ہند)، کے ۱۳۵۸ھ میں دورۂ حدیث کے ایک طالب علم کی حیثیت سے تعارف و تعلق ہوا، مرحوم سنن ابی داؤد شریف کے چند ممتاز طلبہ کے ساتھ میرے درس میں شریک تھے، ایک مخلص تلمیذ اور خادم کی حیثیت سے ان سے یہ توقع اسی وقت تھی کہ اگر عمر نے وفا کی تو یہ مسلک اہل علم کا ایک تابندہ گوہر ہوگا، فراغت کے بعد عرصہ دراز تک مختلف مدارس میں علوم دینیہ کا درس دیا پھر ردِ فرق باطلہ میں امتیازی خصوصیت کے حامل بنے اور تھوڑے عرصہ میں ایک ممتاز شعلہ فشاں اور فصیح اللسان خطیب کی حیثیت سے پاکستان میں ان کا تعارف ہوا اور ساتھ ہی ساتھ نقشبندی سلسلہ میں حضرت عبدالمالک صاحب نقشبندی شیخ طریقت کے (جو حضرت مولانا فضل علی قریشی رحمہ اللہ کے خلیفہ تھے) دست مبارک پر بیعت کا شرف حاصل کیا اور قلیل عرصہ میں اپنی قوت مجاہدہ کی وجہ سے خلیفہ مجاز بن کر خود شیخ طریقت بھی بن گئے، اس باطنی نسبت کی بنا پر عام خطباء شعلہ بیان کے عیوب سے اللہ تعالےٰ نے ان کی حفاظت فرمائی باوجود شیخ طریقت عمدہ مقرر مشہور عالم ہونے کے اخلاق میں تواضع اور اپنے اکابر سے عقیدت مندی و وابستگی آخر تک قائم رہی۔

کوٹ ادّو میں درسگاہ و خانقاہ کی بنیاد بھی ڈال دی اور وہی آخری قیام گاہ بھی ثابت ہوئی، کچھ عرصہ پہلے فالج ولقوہ کا حملہ ہوا تھا، حق تعالےٰ نے شفاء عطا فرمائی اور تقریروں کا سلسلہ پھر شروع ہو گیا، مرحوم خوبصورت، خوب سیرت باوقار سنجیدہ مزاج تھے۔ حضرت عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ کے اسلوب پر خطابت کا انداز تھا۔ حافظہ عمدہ تھا، حضرت شاہ بخاری کے بعض خصوصی مواعظ و تقاریر کے گویا حافظ تھے، اللہ تعالیٰ نے باوجود کمالات کے حب مال و جاہ سے محفوظ فرمایا تھا، اور ایک بیدار دماغ درد مند دل سے نوازا تھا، شیعہ پاکٹ بک وغیرہ جیسی تصنیفیں یادگار بھی چھوڑ چکے ہیں، کچھ عرصہ مدرسہ عربیہ اسلامیہ کے شعبہ ردِ فرق باطلہ کے لئے ایام تعطیل میں تشریف لایا کرتے تھے اور تعلیم و تربیت و امتحان کے بعد سند مدرسہ سے دی جاتی تھی، اس قحط الرجال کے دور میں ان کا وجود بسا غنیمت تھا، افسوس کہ جو شخصیت جاتی

ہے اس کی جگہ خالی ہو جاتی ہے، حق تعالیٰ کی ہزاروں ہزار رحمتیں ان پر ہوں درجاتِ عالیہ نصیب ہوں ان کی دینی تبلیغی تربیتی خدمات بارگاہِ ربوبیت میں قبول ہوں اور اس کے اجر و ثواب سے یومِ محشر میں مالا مال ہوں، آمین۔

جمادی الاخریٰ ۱۳۹۴ھ، جولائی ۱۹۷۴ء

حضرت مولانا خیر محمد مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ

افسوس کے ساتھ یہ اطلاع دی جاتی ہے کہ حرمِ محترم مکہ کے ایک باخدا بزرگ اور معمر عالم حضرت مولانا خیر محمد صاحب بہاول پوری، مہاجر مکی گذشتہ ماہ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۴ھ میں واصل بحق ہوئے، إنا للہ وإنا إلیہ راجعون۔ مرحوم اپنے علم وفضل اور استقامت واستقلال میں سلفِ صالحین کی یادگار تھے، مسجد حرام میں نماز کے بعد درس شروع فرمادیا کرتے تھے، اکثر اوقات بیت اللہ الحرام کے مواجہہ شریفہ میں طالبانِ علوم کی تسکین کا سامان کرتے تھے، صحیح بخاری وغیرہ کتبِ حدیث سے لے کر تفسیر ابنِ کثیر اور شاطبیہ تک تمام علوم بے تکلف پڑھایا کرتے تھے، مہاجر علماء میں اس آخر دور میں ان کی نظیر نہیں تھی، مزاج میں انتہائی سادگی، معمولات میں انتہائی پابندی اور تدریسِ علوم سے شغف قابلِ حیرت تھا، اخلاص، تواضع، مہمان نوازی وغیرہ ایک عالمِ برحق کی تمام خصوصیات کے حامل تھے، آخری عمر میں ضعف وعلالت اور بینائی کی انتہائی کمزوری کے باوجود آخری شب میں حرم کی حاضری کی تڑپ قابلِ دید تھی۔

اس پُرآشوب دور اور قحط الرجال کے زمانے میں ایسی باخدا ہستیاں، عالم باعمل جامع العلوم، ماہر الفنون، محض حق تعالیٰ کی رضاجوئی کے لئے جفاکشی محنت وعرق ریزی کے ساتھ علومِ دینیہ کی خدمت کرنے والے کہاں سے آئیں گے؟ نہ مال کی محبت نہ جاہ کی رغبت نہ وجاہت کی خواہش صرف علوم ہی کی خدمت زندگی کا مقصد ہو، ایسے بزرگ اب کہاں؟ سن مبارک بظاہر نوّے کے قریب ہوگا، افسوس کہ مجھے زیادہ تفصیل معلوم نہ ہوسکی، بہرحال تمام زندگی علم کی بادیہ پیمائی میں صرف کی اور بظاہر نصف صدی کے قریب کا زمانہ مکہ معظمہ میں کعبۃ اللہ کے سائے میں گذرا، سبحان اللہ "ایں سعادت بزور بازو نیست" محض حق تعالیٰ شانہ کا عظیم احسان ہے کہ پاک سرزمین میں پاک نیت سے پاک طینتی کے ساتھ حیات کا یہ کارواں منزلِ مقصود تک پہنچ جائے، اے اللہ ان کے درجات کو بلند فرما اور مغفرت ورحمت ورضوان کے اعلیٰ مقامات نصیب فرما اور ان کے صاحبزادے محمد مکی کو ان کا صحیح جانشین بنا، آمین یارب العالمین وصلی اللہ علیٰ خاتم النبیین وسید المرسلین محمد وعلیٰ آلہ وصحبہ أجمعین۔

رجب المرجب ۱۳۹۴ھ، اگست ۱۹۷۴ء

مفتی اعظم سید محمد امین الحسینی فلسطینی رحمہ اللہ تعالیٰ اور حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی نور اللہ مرقدہ

سالِ رواں کچھ ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ علمی دنیا کے لئے "عام الحزن" ہے، بڑی بڑی جلیل القدر ہستیاں اور عظیم القدر اشخاص سفرِ آخرت پر روانہ ہوئے، ابھی ابھی جولائی ۱۹۷۴ء ماہ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۴ھ میں عالمِ اسلام کے مفکرِ عظیم، سیاسی رہنما، تجربہ کار قدیم سیاست دان اور فقہِ اسلامی کے مفتی اعظم سید محمد امین الحسینی فلسطینی واصل بحق ہوئے، اخبارات کے صفحات پر مرحوم کے حادثۂ وفات پر اظہارِ تأثرات کے سلسلہ کی روشنائی ابھی خشک نہ ہونے پائی تھی کہ دورِ حاضر کے ایک متبحر عالم اور جلیل القدر محدث حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ ہمیشہ کے لئے ہم سے رخصت ہو گئے، إنا للہ وإنا إلیہ راجعون۔ حضرتِ مرحوم کی وفات بلاشبہ اہلِ علم کے لئے ناقابلِ برداشت خسارہ ہے جس کی مکافات و تدارک کا کوئی امکان نہیں۔

حضرتِ مرحوم کی زندگی پوری نصف صدی تک درس و تدریس اور تصنیف و تالیف میں گذری، تعلیم اور فراغت مدرسہ مظاہر العلوم سہارن پور میں ہوئی، مظاہر العلوم سے فراغت کے بعد دار العلوم دیوبند آکر حضرت امام العصر مولانا محمد انور شاہ رحمہ اللہ کا شرفِ تلمذ حاصل کیا، مطالعۂ کتب کا ابتداء ہی سے ذوق تھا، درسیات سے متعلقہ شروح و حواشی کے علاوہ بھی مطالعہ کتب کا شوق رہا، حافظہ بہت ہی عمدہ اور قابلِ قدر تھا اس لئے تبحر و وسعتِ نظر میں اپنے معاصرین میں ممتاز رہے، نیز ابتداء ہی سے علمی شوق کے ساتھ عبادت کا ذوق بھی تھا جس نے سونے پر سہاگہ کا کام کیا، حضرت مولانا بدر عالم صاحب رحمہ اللہ مہاجر مدنی کچھ حالات سنایا کرتے تھے: حضرت الاستاذ امام العصر مولانا محمد انور شاہ صاحب سے تلمذ کے بعد دار العلوم دیوبند ہی میں مدرس مقرر ہوئے، مفوضہ کتب کے علاوہ روزانہ صبح کی نماز کے بعد درسِ ترجمہ قرآنِ کریم بہت شوق و ذوق سے دیا کرتے تھے اور جمعہ کے روز بعد نمازِ جمعہ موطأ امام مالکؒ کے درس کا سلسلہ شروع کر رکھا تھا، دار العلوم دیوبند ہی میں ابتدائی تدریسی عہد میں "مقامات حریری" کا حاشیہ لکھا اور "مشکاۃ المصابیح" کی شرح شروع کی تھی، اسی وجہ سے ابتدائی تدریسی زندگی میں مرحوم کو متوسط درجہ کی کتابوں سے آگے کی کتابیں برائے تدریس دی گئیں تھیں، چنانچہ ابتدائی دور میں جہاں حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب بلیاوی جیسے محققِ روزگار کو مشکاۃ المصابیح دی گئی تھی وہاں مرحوم کو بھی "مشکاۃ المصابیح" کی جماعتِ ثانیہ حوالہ کر دی گئی تھی، ۱۳۴۶ھ میں دار العلوم سے حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے استعفاء دیا اور فتنے کا دور شروع ہوا، اس لئے حضرت

مرحوم کو یہ پسند نہ تھا کہ وہاں اپنے تدریسی شغل کو جاری رکھیں نیز حضرت مولانا حبیب الرحمٰن مرحوم سے تعلقات تھے ان کو بھی ناراض کرنا مشکل تھا اس لئے مرحوم دارالعلوم کو خیرباد کہہ کر حیدرآباد دکن جا کر وکیل فیض الدین مرحوم کے ہاں اقامت پذیر ہوئے، وکیل صاحب مرحوم کو بڑا علمی ذوق تھا، بڑا عظیم الشان کتب خانہ جمع کیا تھا، حضرت مرحوم کے قیام کو نعمتِ غیر مترقبہ سمجھ کر انہوں نے "صحیح بخاری" کا درس لینا شروع کیا اور یکصد ماہوار مشاہرہ بھی مقرر کیا، حضرت مرحوم کو یہ فرصت کے لمحات بڑے مغتنم مل گئے، تمام رات "فتح الباری" کا مطالعہ کرتے تھے اور جتنی فتح الباری مطالعہ کی اتنا ہی سبق پڑھا دیا کرتے تھے اور کچھ تصنیفی کاموں کے لئے فرصت بھی مل گئی، اسی دوران حجِ بیت اللہ کا فریضہ بھی ادا کیا اور وکیل فیض الدین کی رفاقت میں یہ سفر کیا گیا: حج ادا کرنے سے پہلے حضرتِ امام العصر مولانا محمد انور شاہ کی خدمت میں بقصدِ بیعت تشریف لائے، دیوبند پہنچ کر معلوم ہوا کہ حضرت امام العصر رحمہ اللہ تبدیلِ آب و ہوا کے لئے بجنور تشریف لے گئے ہیں، بہت بے چینی سے بجنور پہنچے، حضرت امام العصر شاہ صاحب کا قیام مولانا شیت اللہ بجنوری کے ہاں تھا اور راقم الحروف بنوری اس وقت پہلی مرتبہ خادمِ خصوصی کی حیثیت سے شرفِ خدمت سے سرفراز تھا، یہ ماہِ شوال کے اواخر ۱۳۴۶ھ کا واقعہ ہے، میری موجودگی میں شرفِ بیعت سے مشرف ہوئے اور اذکار کی تلقین کی، اس وقت کی تمام کیفیات و حالات الحمد للہ سب یاد ہیں، حضرت شاہ صاحب کی وفات ۳ صفر ۱۳۵۲ھ کو ہوئی، حضرت شاہ کی وفات کے بعد مجاہدِ عصر و عارف باللہ شیخِ وقت حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی رحمہ اللہ کے زمانۂ صدارت میں دیوبند دوبارہ تقرر ہوا، اور غالباً اسی دوران حضرت حکیم الامت تھانویؒ سے استفادہ کا سلسلہ جاری ہوا اور آخر تک دارالعلوم ہی میں خدمتِ تدریس انجام دیتے رہے۔ یہاں تک کہ تقسیم ہندوستان کا تاریخی واقعہ پیش آیا اور ہجرت کر کے پاکستان تشریف لائے، کچھ عرصہ جامعہ عباسیہ بہاول پور میں تعلیمی خدمات انجام دیں، بعد ازاں حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب خلیفہ مجاز حضرت تھانوی رحمہما اللہ کی دعوت پر لاہور تشریف لائے اور جامعہ اشرفیہ میں جس کی ابتداء نیلا گنبد سے ہوئی شیخ الحدیث مقرر ہوئے اور نہایت سکون و اطمینان سے تدریسی و تصنیفی زندگی میں مصروف ترین وقت گذارا، "التعلیق الصبیح" جو "مشکاۃ المصابیح" کی شرح ہے وہ موصوف کی ابتدائی تصنیفات میں سے ہے، اس کی طباعت کے لئے شام کا سفر کیا اور دمشق میں قیام فرما کر طبع کرائی، آخری جزء وہاں طبع نہ ہو سکا رقم ختم ہو گئی، اس کے بعد کی تصانیف میں زیادہ اتقان ہے، تصانیف میں "سیرۃ المصطفیٰ" نہایت عمدہ منقح اور قابلِ اعتماد

سیرتِ نبوی اردو میں تالیف فرمائی، صحیح البخاری کی شرح "تحفۃ القاری بحل مشکلات البخاری" قابلِ قدر سرمایہ ہے جس کے ابتدائی چند جزء طبع ہو گئے ہیں اور آخری جزء بھی طبع ہو چکا ہے جو نہایت محققانہ انداز میں ہے بلکہ اجزاءِ سابقہ میں اپنے تحقیقی معیار میں ممتاز ہے، قرآنِ کریم کی تفسیر "معارف القرآن" کے نام سے تالیف فرما چکے ہیں جلد پنجم طبع ہو گئی جو سورۂ توبہ پر ختم ہے بلاشبہ عمدہ قابل قدر تفسیر اور ان کی علمی پختگی کی شاہکار ہے، بعض غررِ نقول کا نہایت عمدہ انتخاب فرمایا ہے، کلامِ باری میں ان کا رسالہ "الکلام الموثوق فی تحقیق ان القرآن کلام اللّٰہ غیر مخلوق" نہایت عمدہ رسالہ ہے اور تقریباً بائیس سالہ محنت و مطالعہ کا نتیجہ ہے، دار العلوم دیوبند کے آخری دور میں اس موضوع کا مطالعہ اور لکھنا شروع کیا تھا، میری ناقص رائے میں یہ کتاب تحقیقی معیار اور حسن ترتیب کے اعتبار سے تمام تالیفات میں امتیازی شان رکھتی ہے ابتداءً حافظ ابن تیمیہ وحافظ ابن القیم سے متاثر تھے لیکن آخر میں امام ابوبکر باقلانی کی "الانصاف" سے متاثر ہوئے اور آخری تحقیق جمہور متکلمین کے بالکل موافق ہوئی اور یہی رنگ تمام کتاب میں واضح ہے، حضرتِ مرحوم کی قابلِ رشک زندگی کا ایک پہلو یہ ہے کہ تمام لمحاتِ حیات علمی کدوکاوش سے فارغ نہیں بیٹھے اور اس میں ایسا استغراق رہا کہ دنیا کی خبر نہیں اور یہ بھی اللّٰہ تعالیٰ کا ان پر احسان رہا کہ دنیوی افکار و اشغال سے فارغ رکھا اور تمام افکار و اشغال علمی بادیہ پیمائی میں صرف ہوئے اور علمی جدوجہد کا سلسلہ اور قوتِ حافظہ آخری لمحاتِ حیات تک باقی رہی، عربی شعر کا بہت قابلِ قدر ذوق تھا بے تکلف اور برجستہ شعر کہتے تھے، فارسی شعر بھی فرماتے تھے۔

بہرحال حضرتِ مرحوم حدیث و تفسیر میں اپنے اہلِ عصر میں ممتاز رہے، وہ محدث تھے، مفسر تھے، ادیب تھے شاعر تھے، صوفی مزاج تھے، صوفیانہ لطائف و معارف سے بہت ذوق تھا، مرحوم اپنے فضل و کمال کے پیشِ نظر جس قدر دانی کے مستحق تھے وہ نہ ہو سکی اور جس شہرت کے مستحق تھے وہ شہرت نہ ہو سکی، مکارمِ اخلاق عالیٰ تھے، لطیفہ گو اور حاضر جواب تھے، اپنی رائے پر پختہ تھے، کسی شخصیت سے کم مرعوب ہوتے تھے، اپنی رائے پر زیادہ اعتماد کرتے تھے، اہلِ علم کے قدردان تھے، خفیف الجسم لطیف الروح تھے، مزاج میں انتہائی سادگی تھی، دنیا کے بکھیڑوں سے بے خبر تھے، مطالعہ اور تصنیف میں ہمہ وقت مستغرق تھے، ان کے اوقات علم و عمل اور درس و تدریس سے معمور تھے، کتابوں کے عاشق تھے نئی مطبوعہ کتاب جس قیمت سے بھی ملتی تھی خرید لیتے تھے، خوش مزاج تھے، مجلس لطائف و ظرافت سے مالا مال ہوتی تھی، مہمان نواز تھے، آخری ملاقات وفات سے دو ہفتے پہلے ہوئی تھی، الحمد للہ کہ حسبِ معمول نہایت شفقت و محبت فرمائی،

کسے معلوم تھا کہ یہ علمی پیکر، معارف و لطائف کا خزانہ، اخلاق کا مجسمہ، سراپا علم و فضل، محدث و مفسر، ادیب، یگانہ روزگار ہستی اتنی جلد ہم سے رخصت ہونے والی ہے، إنا للہ وإنا إلیہ راجعون، حق تعالےٰ اپنے فضل وکرم سے درجاتِ عالیہ نصیب فرمائے اور اپنی خصوصی رحمت و رضوان سے مالا مال فرمائے، زلّات وسیئات کو حسنات میں تبدیل فرمائے، افسوس کہ جنازہ کی شرکت سے محروم رہا، راولپنڈی میں اطلاع پہنچی تھی، ہوائی جہاز کی سیٹ نہ ملنے سے یہ سعادت نصیب نہ ہو سکی۔

شعبان المعظم ۱۳۹۴ھ، ستمبر ۱۹۷۴ء

حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی نور اللہ مرقدہ

«کل من علیها فان و یبقیٰ وجه ربك ذو الجلال والإکرام»

کل ابن انثیٰ وإن طالت سلامته   یوماً علیٰ آلة حدباء محمول

آہ! آج مسندِ علم و تحقیق مسندِ تصنیف و تالیف، مسندِ تعلیم و تدریس، مسندِ بیعت و ارشاد بیک وقت خالی ہوگئیں، إنا للہ وإنا إلیہ راجعون۔

۲۳ ذی قعدہ ۱۳۹۴ھ (۸ دسمبر ۱۹۷۴ء) اتوار کی صبح حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی نے داعی اجل کو لبیک کہا اور واصل بحق ہوئے اس مردِ حق نے زندگی کی نوے منزلیں طے کر کے سفرِ آخرت کے لئے قدم اٹھایا، ختم ہونے والی زندگی ختم ہوگئی اور نہ ختم ہونے والی زندگی کے لئے عالمِ برزخ میں قدم رکھا۔

مولانا عثمانی کی ذات سے تھانہ بھون اور سہارنپور کی پوری تاریخ وابستہ تھی، آپ عالم تھے اور ذکی عالم فقیہ تھے اور محدث رجالِ حدیث کے محقق تھے، اصولِ حدیث کے نہ صرف ماہر بلکہ اس علم کی مہمات کو کتبِ حدیث و رجال سے تلاش و جستجو کے ذریعہ جمع کرنے والے تھے، اکابرِ امت اور جہابذۂ عصر کی توجہات کا مرکز رہے، مراکزِ علم میں علوم حاصل کئے اور مرکزِ صدق و صفا میں تربیت پائی، حکیم الامت تھانویؒ کی محبت و شفقت کے زیرِ سایہ تمام علمی و تصنیفی کارنامے انجام دئے، علمی جواہرات کو ملفوظات و تقریرات کی صورت میں قلم بند کرتے کرتے خود صاحبِ جواہرات بن گئے، نسبی نسبت نے علمی و عرفانی نسبت تک پہنچا دیا، تقریر و تحریر میں حکیم الامت کے جلوے نظر آنے لگے، عربی کے ادیب تھے شاعر تھے، عربی نظم و نثر پر یکساں قدرت تھی، علمی کمالات کے ساتھ مزاج میں حد درجہ سادگی تھی۔

مولانا عثمانی کی وفاداری اور اخلاص شک و شبہ سے بالاتر تھا بے شمار چھوٹی بڑی کتابوں کے مصنف تھے، اگر ان کی تصانیف میں "اعلاء السنن" کے علاوہ اور کوئی تصنیف نہ ہوتی، تنہا یہ کتاب ہی علمی کمالات احدیث و فقہ و رجال کی قابلیت و مہارت اور بحث و تحقیق کے ذوق محنت و عرق ریزی کے سلیقہ کے لئے برہانِ قاطع ہے، اعلاء السنن کے ذریعہ حدیث و فقہ اور خصوصاً مذہب حنفی کی وہ قابلِ قدر خدمت کی ہے جس کی نظیر مشکل سے ملے گی، یہ کتاب ان کی تصانیف کا شاہکار اور دینی و

تحقیقی ذوق کا معیار ہے، علمی جواہرات کی قدر شناسی وہی شخص کر سکتا ہے جس کی زندگی اسی وادی میں گذری ہو، دور دراز مواقع اور غیر مظان سے جواہرات نکال کر خوبصورتی سے سجا کر رکھ دینا یہ وہ قابلِ قدر کارنامہ ہے جس پر جتنا رشک کیا جائے کم ہے، موصوف نے اس کتاب کے ذریعہ جہاں علم پر احسان کیا ہے وہاں حنفی مذہب پر بھی احسانِ عظیم کیا ہے، علماءِ حنفیہ قیامت تک ان کے مرہونِ منت رہیں گے بلاشبہ اس بے نظیر کتاب میں حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ کے انفاسِ قدسیہ اور توجہات عالیہ اور ارشاداتِ گرامی کا بہت کچھ دخل ہے لیکن حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی کے ذریعہ ان کا ظہور پرنور ان کے کمال کی دلیل ہے، ۱۳۵۷ھ میں جب راقم الحروف قاہرہ میں مجلسِ علمی کی طرف سے ایک علمی خدمت پر مامور تھا اور میرے رفیقِ کار مولانا سید احمد رضا صاحب بجنوری تھے اس وقت حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ نے اعلاء السنن کے طبع شدہ اجزاء بھیجے اور خواہش ظاہر کی کہ جب تک تمہیں اس کی ضرورت ہو اپنے پاس رکھو اور ضرورت کے بعد حضرت شیخ محمد زاہد کوثری کو ہدیۂ پیش کردیں اور اگر ان کے ذریعہ قاہرہ میں عمدہ ٹائپ سے طبع ہو سکے تو بہت اچھا ہے اور بقیہ اجزاء غیر مطبوعہ بھی نقل کروا کر ارسال کردوں گا، حضرت شیخ کوثری اس وقت دنیائے اسلام کے محقق عالم اور نادرۂ روزگار تھے اور علماءِ احناف کے سرمایہ افتخار اور بے نظیر محقق وسیع النظر متبحر عالم تھے، ترکی الاصل تھے فتنۂ کمالیہ میں وطن سے ہجرت کر کے مصر میں مقیم تھے جب کتاب میں نے پیش کی تو حضرت نے مطالعہ کر کے فرمایا کہ احادیثِ احکام میں حنفیہ کے نقطۂ نگاہ سے اس کتاب کی نظیر نہیں اور فرمایا کہ یہ مجھے دیکھ کر حیرت ہوئی ہے کہ قدماء کی کتابوں میں بھی اس استیعاب و استیفاء کے ساتھ ادلہ حنفیہ کو جمع کر کے اس کی تحقیق و تنقیح کی مثال مشکل سے ملے گی اور پھر وہ تقریظ تحریر فرمائی جو کتاب کے ساتھ طبع ہوئی ہے۔

اعلاء السنن کا مقدمہ "انہاء السکن" کے نام سے تالیف فرمایا، یہ مقدمہ اصولِ حدیث کے نوادر اور نفائس پر مشتمل ہے تمام کتبِ رجال اور کتبِ حدیث اور کتبِ اصولِ حدیث سے انتہائی عرق ریزی کے ساتھ وہ نفائس جمع کر دیئے ہیں کہ عقل حیران ہے بجائے خود ایک مستقل بے مثال کتاب ہے۔

حلب کے مایہ ناز عالمِ ربانی اور دنیائے اسلام کے محقق فاضل اور ہمارے مخلص و محترم کرم فرما الشیخ ابوغدۃ عبدالفتاح کو حق تعالیٰ شانہٗ جزائے خیر عطا فرمائے کہ جنہوں نے مصنف سے اجازت

لے کر کتاب کا نام "قواعد التحدیث" تجویز فرمایا اور اس پر قابلِ قدر تعلیقات و اضافات و مقدمہ لکھ کر علم اور اہلِ علم پر احسانِ عظیم فرمایا اور نہایت آب و تاب کے ساتھ زیورِ طبع سے آراستہ کیا کہ جسے دیکھتے ہی دل سے دعا نکلتی ہے کہ کتاب جس خدمت کی مستحق تھی الشیخ ابو غدۃ اطال اللہ بقاءہ نے اس خدمت کو خوش اسلوبی سے انجام دیا کہ قیامت تک آنے والی نسلیں ان کی احسان مند رہیں گی۔

بہرحال کہنا یہ ہے کہ اس شہیدِ علم کی یہ ایک کتاب ہی ان کی آئینہ کمالات ہے اگر اور تصنیف نہ بھی ہوتی تو صرف یہ ایک کتاب ہی کافی و شافی تھی حالانکہ ان کے قلمِ خوب رقم سے کتنے جواہرات مرصع خزانۂ علم میں آئے ہیں ان کی قابلِ رشک زندگی کا پہلو یہ ہے کہ آخر لمحہ حیات تک تدریسِ حدیث اور تصنیف و تالیف میں مشغول رہے "اعلاء السنن" کا پہلا حصہ جو اِحیاء السنن کے نام سے چھپا تھا وہ نامقبول ہوا تھا اور اس میں کچھ ایسی چیزیں آگئی تھیں جس سے کتاب کا حسن ماند پڑ گیا تھا، اس کو دوبارہ ادھیڑ کر "خذ ما صفا ودع ما کدر" کے پیشِ نظر جدید تصنیف بنائی، حق تعالیٰ کی ہزار ہزاروں رحمتیں ہوں اس شہیدِ علم پر جس نے آخری لمحہ زندگی کو خدمتِ علم میں خرچ کیا، مظاہر العلوم سہارنپور سے فراغتِ علوم کی سند حاصل کی اور وہیں عرصہ تک تدریسِ علوم کی خدمت انجام دیتے رہے پھر ڈھاکہ وغیرہ میں رہے کچھ عرصہ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں رہے اور آخری زندگی کے تقریباً بیس سال دارالعلوم الاسلامیہ ٹنڈو اللہ یار میں گذارے، افسوس کہ یہ سال علمی سانحوں سے لبریز ہے۔ حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی کی وفات ایک علمی حادثہ تھا اور اس کے زخم ابھی مندمل نہ ہونے پائے تھے کہ حضرت عثمانی کے عظیم سانحہ نے قلوب کو مجروح کر دیا، صدمہ اس بات کا ہے کہ ان اکابر کے رخصت ہوجانے سے ان کی مسندِ علم و فضل ہمیشہ کے لئے خالی ہوجاتی ہے اور کوئی اس کو پُر کرنے والا مستقبل میں بھی نظر نہیں آتا ہے عرصہ دراز سے یہ دردناک سلسلہ یوں ہی جاری ہے۔ اِنا للہ و اِنا اِلیہ راجعون۔

حق تعالیٰ حضرت مرحوم کو رحمت و رضوان کے درجاتِ عالیہ سے سرفراز فرمائیں اور ان کی علمی خدمات کو قبول فرمائیں اور ان کے لئے اجر و ثواب کا عظیم سرمایہ بنائے اور ان کے زلات سے درگذر فرمائیں آمین۔ ذوالحجہ ۱۳۹۴ھ، جنوری ۱۹۷۵ء

حضرت مولانا محمد یوسف عباسی رحمہ اللہ تعالیٰ

۱۵ رمضان المبارک ۱۳۹۴ھ کو مولانا محمد یوسف عباسی کا مردان میں انتقال ہوا، افسوس کہ غیر موجودگی کی وجہ سے بروقت مطلع نہ ہوسکا، مولانا مرحوم مردان کے قریب "طورو" نامی بستی کے باشندے تھے، متحدہ ہند کی مختلف درسگاہوں میں تحصیلِ علم کرتے ہوئے آخر میں حضرت مولانا برکات احمد ٹونکی مرحوم کی خدمت میں پہنچے اور معقول، فلسفہ کی کتابیں ان سے پڑھیں، خصوصی تعلق کی بنا پر حضرت موصوف کی توجہ کا خصوصی مرکز بن گئے اور انہیں بھی اپنے شیخ مرحوم سے انتہائی عقیدت ہوگئی، ۱۳۴۶ھ میں دورۂ حدیث کے لئے ڈابھیل پہنچے، یہی سال میرے دورۂ حدیث کا تھا، اس لئے میرا یہ ہمنام طالبِ علم رفیقِ درس، رفیقِ مسکن اور رفیقِ معاشرت بنا، ہمارے درمیان تقریباً روزانہ مباحثہ رہتا تھا، میرا عقیدہ تھا کہ دورِ حاضر کے سب سے ممتاز ذہن محقق اور جامع عالم حضرت الاستاذ مولانا محمد انور شاہ صاحب (رحمہ اللہ) ہیں، مرحوم کا خیال یہ تھا کہ اس شان کے عالم حضرت مولانا برکات احمد ٹونکی ہیں اس بحث کا فیصلہ اس دن ہوا جب صحیح بخاری کتاب الایمان کی "حدیثِ ہرقل" زیرِ درس آئی، جیسا کہ حضرت شیخ امام العصر کے اس درس کا طرۂ امتیاز تھا اس حدیث کی تشریح و تحقیق میں اسلامی تاریخ، یہودیوں کے عہدِ عتیق، نسخِ تورات اور تالمود وغیرہ کے حوالے آئے اور فلاسفہ کے علوم ان پر تنقید اور دیگر بے شمار مباحث پر سیر حاصل بحث ہوئی، اس دن مولانا عباسی مرحوم کی حیرت کی کوئی انتہا نہ تھی، درس سے فراغت کے بعد ان پر وجد و کیف کا ایک خاص حال طاری تھا اور زبان بے ساختہ قرآنِ کریم کی آیت کا قطعہ ((وفوق کل ذی علم علیم)) جاری تھا بار بار اسی کا تکرار کر رہے تھے آج بھی ان کے وجد و کیف کا وہ نقشہ آنکھوں کے سامنے ہے، گویا انہیں اس عالم سے تعلق نہیں تھا، بس یہی آیت وردِ زبان ہے، مجھے اپنے دعوی کی تائید کا موقعہ مل گیا، میں نے پوچھا کہ اب بتاؤ بڑے عالم کون ہیں؟ اور وہ جواب میں یہی آیت دہراتے، بہت اصرار و تکرار کے بعد اعتراف کیا کہ آج یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ حضرت مولانا انور شاہ اس دور کے سب سے بڑے جامع و محقق عالم ہیں، بہر حال یہ مرحوم کی ذہانت و طباعی اور علمی شغف کا ایک واقعہ تھا جو نوکِ قلم پر آگیا۔

اسی طالبِ علمی کے زمانہ میں راقم الحروف سے رفاقت اور شدید تعلق و محبت کے باوجود مرحوم میں علمی تنافس و تسابق کا جذبہ بھی غلو کی حد تک تھا، دورۂ حدیث میں اول آنے کے لئے وہ محنت

کی کہ بایدو شاید، اس وقت مشہور تھا کہ یوسفین میں سے کوئی اوّل آئے گا اتفاق سے جب قرعۂ فال راقم الحروف کے نام نکل آیا تو مرحوم کو قلبی قلق اور صدمہ ہوا جو مدت تک رہا، فراغت کے بعد حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ سے تعلق بڑھ گیا تھا، انہی کے ذریعہ مسندِ تدریس پر پہنچے، بنارس میں خدمتِ تدریس کے ساتھ تجارت کا چسکہ پڑ گیا اور اس میں خاصا انہماک بلکہ غلو ہوا، مرحوم از راہِ ہمدردی اپنے ہر عالم دوست کو تجارت کی ترغیب دیا کرتے تاکہ عوام میں ذلیل نہ ہو، بہر حال یہ ممتاز طالب علم، ممتاز عالم اور پھر تاجر بن گئے، مردان کے ہوتی بازار میں تجارت تھی لیکن علم سے تعلق آخر تک رہا، کبھی درسِ قرآن، کبھی درسِ حدیث، کبھی محاضرات کی شکل میں فیض رسانی کرتے رہے، یہاں تک کہ داعیٔ اجل کو لبیک کہا، إنا للهِ وإنا إليه راجعون ۔ حق تعالیٰ بال بال مغفرت فرمائے اور درجاتِ عالیہ سے سرفراز فرمائے، آمین ۔

محرم الحرام ۱۳۹۵ھ ، فروری ۱۹۷۵ء

مولانا محمد زکی کیفی رحمہ اللہ تعالےٰ

افسوس کہ ہمارے محترم جناب مولوی محمد زکی صاحب حضرت مولانا محمد شفیع صاحب مفتیٔ اعظم پاکستان کے بڑے صاحبزادے یوم شنبہ ۱۱ محرم ۱۳۹۵ھ ۲۵ جنوری ۱۹۷۵ء داعیِ اجل کو لبیک کہہ گئے إنا للہ وإنا إلیہ راجعون۔ مرحوم ابھی ابھی تازہ تازہ دیارِ قدس حرمین شریفین کی حاضری سے واپس آئے تھے، فریضۂ حج بیت اللہ کے ارکان والہانہ انداز سے ادا کئے آستانۂ برکات مدینہ طیبہ کی حاضری بھی نصیب ہوئی، سفرِ حج میں لبیک لبیک کو ایسی قبولیت نصیب ہوئی کہ سفرِ آخرت کے لئے لبیک کہہ کر عالمِ آخرت کا سفر اختیار کیا، گویا حرمین شریفین میں قبولیت کے شرف سے متاعِ گرانمایہ کو عطا کرکے پُر آشوب دنیا سے ملوث نہیں کرایا گیا اور جلد ہی پاک وصاف کرکے اپنے پاس بلا لیا بلاشبہ ایسی موت ہر عاقل کے لئے قابلِ رشک ہے اور بلاشبہ پسماندہ اکابر واصاغر کے لئے اس قسم کی موت اور اس کا صدمہ قابل تسلی ہے، مرحوم نہایت ذکی سنجیدہ باوقار مہمان نواز طبیعت کے مالک تھے، نہایت خلیق وطلیق تھے، شعر وسخن سے بہرہ ور تھے، کیفی تخلص رکھتے تھے، حضرت مفتی صاحب کو بڑھاپے میں اور پھر امراض کے ہجوم میں یہ صدمہ بلاشبہ عظیم صدمہ ہے، لیکن ترقیٔ درجات کے لئے ارحم الراحمین کے شئون وراء الوراء ہیں حق تعالیٰ مرحوم کو رحمت ورضوان سے مالامال کرکے جنت الفردوس نصیب فرمائے آمین اور پسماندگان کو اجرِ جزیل وصبرِ جمیل نصیب فرمائے آمین، الحمد للہ مدرسہ عربیہ اسلامیہ میں تمام طلبہ نے ختمِ قرآن سے ایصال ثواب کیا اور اس طرح ایک ادنیٰ حق ادا کرنے کی توفیق نصیب ہوئی اللہ تعالےٰ قبول فرمائے۔

صفر المظفر ۱۳۹۵ھ، مارچ ۱۹۷۵ء

سیدہ فاطمہ بنوریہ رحمہا اللہ تعالے

بلاشبہ اس دنیائے کون و فساد میں موت و حیات کی سنت مستمرہ ایسی جاری ہے کہ بجز صبر و انقیاد اور تسلیم و رضا کوئی چارہ کار نہیں جس طرح یہ ایک حقیقت ہے اسی طرح یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ بعض حوادث اتنے صبر آزما ہوتے ہیں کہ بڑا حوصلہ مند انسان بھی حوصلہ ہار جاتا ہے، ۲۸ ربیع الاول ۱۳۹۵ھ ۱۰ اپریل ۱۹۷۵ء کو میری ایک تیس سالہ بچی سیدہ فاطمہ جس کو عرصہ دراز تک سلمہا لکھا کرتا تھا، آج رحمہا اللہ لکھنا پڑا) نے سالوں کے مصائب و آلام برداشت کر کے اپنی جان، جان آفرین کے سپرد کر دی، إنا للہ و إنا إلیہ راجعون۔ سیدہ فاطمہ رحمہا اللہ کا مرثیہ درحقیقت صبر و شکر کا نوحہ و فریاد ہے، فاطمہ کی وفات کا صدمہ عبادت و تقویٰ کا رونا ہے، فاطمہ کا ماتم حیا و شرافت کا ماتم ہے، حق تعالے نے مرحومہ کو وہ فطری کمالات عطا فرمائے تھے جو اس دور میں نہ کہیں دیکھے نہ سنے، فاطمہ پر آنسو بہانا درحقیقت بہت سے فضائل و بہترین خصائل کا رونا ہے، میں نے اپنی ستر سالہ زندگی میں اپنے عزیزوں اور اقرباء میں تو کیا اپنے حلقۂ احباب و حلقۂ تعارف اور اپنے دائرۂ علم میں بھی ایسا پیکرِ صبر اور سر سے پیر تک شکر کا مجسمہ نہ کہیں دیکھا نہ سنا، تقریباً اڑھائی برس کی عمر سے تیس ۳۰ سال تک مرحومہ جن آلام و امراض کا تختۂ مشق بنی اس کے تصور سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، ایک حادثہ میں ناک میں زخم سے ناسور ہو گیا، بارہ سال کی عمر میں اسی حادثہ کی وجہ سے بینائی سے محروم ہو گئی، بینائی کی محرومی سے سالہا سال تک سر میں درد اور آنکھ کی پتلیوں کے درد و کرب میں مبتلا رہی، اسی عرصہ میں ایک بار گر گئی، ہاتھ ٹوٹ گیا، مگر کسی کو خبر نہیں کی، خود غلط جُڑ گیا، ایک بار ٹانگ جل گئی، کھال ادھڑ گئی، پھر بدن کے نچلے حصے میں ایسا استرخاء ہو گیا کہ جسم سے بوٹی کاٹی جائے تو احساس تک نہ ہو، اس سے شفا یاب ہو گئی تو مرض دق میں مبتلا ہو گئی، مسلسل چار ماہ مکمل علاج کے بعد شفاء حاصل ہو گئی، پھر فالج کا حملہ ہوا، پھر اچھی ہو گئی، دل کے امراض کا شدید و مدید ابتلاء پیش آیا، ان تمام امراض و اوجاع کو جس صبر سے برداشت کرتی رہی عقل حیران ہے، معمولی صحت و نعمت پر جس انداز سے شکر گذاری کرتی رہی وہ محض حق تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کا ایک حیرت انگیز کرشمہ تھا، ان مصائب و آلام میں راتوں کا

جاگنا عبادت کرنا بارہ سال کے سن میں بصارت کے زوال کے بعد حفظِ قرآن کی نعمت سے سرفراز ہوئی، تمام رات کو تلاوت و ذکر اللہ میں گذارنا، گھنٹوں سجدوں میں خشیتِ الٰہی سے آہ و بکا کرنا، آلام و مسائب پر آہ نہ کرنا خوفِ خدا سے گھنٹوں آہ و بکا کرنا، کیا کیا کہا جائے اور کہاں تک لکھا جائے جائے۔ اس طویل مسائب و حوادث کی زندگی میں الحمد للہ کہ دو سال حرمین شریفین کا قیام دو سفروں میں نصیب ہوا، تین حج نصیب ہوئے، بے شمار عمروں کی دولت ملی، پانچ سال کی عمر میں زیارت حرمین شریفین اور حج بیت اللہ کی پہلی مرتبہ سعادت نصیب ہوئی تھی، راتوں کو جاگنا اور طواف کرنا اور آہ و بکاء کی توفیق نصیب ہوئی۔

ع ایں سعادت بزور بازو نیست

۲۹ سال کی عمر میں ازدواجی زندگی میں قدم رکھا، یہ سنت بھی پوری ہو گئی، ایک بچی سیدہ عاصمہ کی والدہ ہونے کا شرف بھی حاصل ہوا، جو والدہ کی وفات سے چند ہی روز قبل ذخیرۂ آخرت بنی عملاً تو مجھے سکون ہوا کہ مرحومہ کی پُر آلام حیات کا خاتمہ ہو کر حیاتِ جاودانی کی سعادت ملی اور حق تعالیٰ کی رحمت بے پناہ کی توقع پر انتہائی سکون کے لمحات مل گئے لیکن جب ان مجسمہ کمالات کی مفارقت کو دیکھتا ہوں اور اس کی طویل مظلومی و مسکینی و محرومی کی داستان سامنے آتی ہے تو طبعًا انتہائی صدمہ ہوتا ہے، زندگی میں عقل و طبع کے اس تجاذب و کشمکش کا ایسا ابتلا کبھی پیش نہیں آیا، ان مجاہدات و ریاضات میں حق تعالیٰ نے قرآنِ کریم کا عجیب و غریب ذوق مرحومہ کو عطا فرمایا تھا، ایسا شرحِ صدر ہوا کہ آیاتِ کریمہ کے ایسے خواص کا انکشاف ہوا کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے جس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں، صبر و شکر کا یہ پیکر، رضا بالقضاء کی یہ تصویر، نالہ و فریاد کا یہ مُرغِ سحری ہم سے کیا جدا ہوا کہ قلب کا انس و سکون ختم ہوا، دل و دماغ پر گھر کے در و دیوار پر وحشت طاری ہوئی، گویا ایک نور کا وجود تھا جس کے غروب سے ظلمت چھا گئی، چھ سال کی عمر سے نو سال کی عمر تک تین سال میں ٹنڈو اللہ یار میں لڑکیوں کے اسکول میں جو گھر سے متصل تھا پانچ جماعتیں پڑھیں، اس معمولی تعلیم کی وجہ حساب میں وہ مہارت کہ حیرت ہوتی تھی ان تمام امراض و تکالیف میں حافظہ کی قوت اور دماغ کا استحضار قابلِ حیرت تھا، مرضِ موت میں اپنے شوہر مولانا محمد انور بدخشانی سے تجوید و قراءت میں مقدمہ جزریہ پڑھا،

منطق کی مشہور کتاب شرح تہذیب پڑھی، زبانی تفسیر قرآن پڑھتی رہی، تعجب ہے کہ یہ ہمت و قوت کہاں سے آئی، اس لئے فاطمہ کا ماتم درحقیقت بہت سے مفاخر اور فضل و کمال کا ماتم ہے حق تعالیٰ کی ہزاروں ہزار رحمتیں ان پر نازل ہوں، یہ تمام آلام و مصائب بارگاہِ قدس میں رفعِ درجات کا وسیلہ ہوں، اللّٰھم اغفر لھا وارحمھا وعافھا واعف عنھا واکرم نزلھا و وسع مدخلھا، وارزقھا داراً خیراً من دارھا، واھلاً خیراً من اھلھا، واغسلھا بالماء والثلج والبرد، ونقھا من الخطایا کما نقیت الثوب الابیض من الدنس، وادخلھا الجنۃ، واعذھا من عذاب القبر وعذاب النار، واعظم لنا فی موتھا الاجر والھمنا الصبر، آمین یا ارحم الراحمین۔

۱۴ ربیع الاول ۱۳۹۲ھ کو رفیقۂ حیات داغِ مفارقت دے گئی تھی ٹھیک تین سال بعد اسی تاریخ ۱۴ ربیع الاول ۱۳۹۵ھ کو یہ لختِ جگر ہم سے جدا ہو گئی، "بصائر و عبر" کا نامہ فرسا اپنے محسن قارئینِ بصائر و عبر سے التجا کرتا ہے کہ بقدرِ فرصت و ہمت مرحومہ کو ایصالِ ثواب کر کے اجرِ آخرت سے سرفراز ہوں، بجائے خطوطِ تعزیت و ہمدردی ایصالِ ثواب پر توجہ فرما کر ممنون فرمائیں۔

خدا جانے یہ دنیا جلوہ گاہِ ناز ہے کس کی
ہزاروں اٹھ گئے رونق وہی باقی ہے مجلس کی

بہت سے خطوطِ تعزیت اور تار احباب و مخلصین کے پہنچ رہے ہیں فرداً فرداً جواب سے معذرت خواہ ہوں حق تعالیٰ سے دعا ہے کہ ان محسنین کو جزاءِ خیر عطا فرمائیں، آمین۔

ربیع الثانی ۱۳۹۵ھ، مئی ۱۹۷۵ء

الفقید الراحل جلالۃ الملک شاہ فیصل شہید نور اللہ مرقدہ

فَمَا کَانَ قیسٌ ھُلکہ ھلکُ واحدٍ
ولکنّہ بنیان قومٍ تھدّما

بصائر و عبر کی کتابت ہو چکی تھی کہ یہ دردناک وحسرت ناک خبر آج ۲۵ مارچ ۱۹۷۵ء (۱۲ ربیع الاول ۱۳۹۵ھ) کو ۵ بجے شام پاکستانی ریڈیو نے نشر کی کہ شاہ فیصل کو ان کے ظالم بھتیجے نے گولی کا نشانہ بنا دیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔ مملکت سعودی عرب کا یہ فرمانروا عصرِ حاضر کا سیاسی مفکر، اسلامی اتحاد کا داعی، جہاد فلسطین و قدس کا علمبردار، شعائرِ اسلام کی حفاظت میں بے مثال غیور فرمانروا تھا، ان کی شہادت پر جتنا ماتم و نوحہ کیا جائے کم ہے، اس نازک ترین دور میں عرب و اسلامی دنیا کو ان کی بڑی ضرورت تھی اس وقت یہ پاسبانِ حرم اور خادم الحرمین الشریفین صرف حرمین و حجاز اور ریاض کا پاسبان نہ تھا بلکہ سچ یہ ہے کہ تمام عالمِ اسلامی اور تمام ممالکِ عربیہ کا پاسبان تھا۔ عرصہ کے بعد مسلمان و عرب سلاطین میں ایسا معتدل المزاج مدبر فرمانروا پیدا ہو گیا تھا جس کے تدبر و سیاست نے برطانیہ و امریکہ کو پریشان کر رکھا تھا جس کے جود وکرم، نوال و عطا اور جود و سخا نے تمام پارینہ داستان کو پارہ پارہ کر دیا جس کے حسنِ اخلاق اور بردباری نے دشمنوں کو دوست بنا لیا تھا جس نے مصری سادات حکومت پر رحم و کرم کے خزانے کھول دیئے تھے، اسے ۵، ملین ٹن پٹرول دیا، سقوطِ نہر سویز کا ابتداء سے آج تک جتنا خسارہ ہوا وہ سب پورا کر دیا، نہرِ سویز کے شہر پورٹ توفیق کو جو اسرائیل کی بمباری سے تباہ و برباد ہو گیا تھا، مکمل طور پر دوبارہ آباد کرنے کا تکفل کیا، جس نے مصری حکومت کی اعانت کے لئے جہادِ فلسطین و قدس کے واسطے مصر میں دو بینک کھول دیئے اور یہ اعلان کیا کہ اس مقصد کے لئے جتنی امداد کی ضرورت ہو وصول کر لیا کریں جس نے شام کی حکومت کو ۳۵ کروڑ ڈالر بطورِ قرض، ۱۵ کروڑ ڈالر کی امداد اور بیس کروڑ ڈالر ترقیاتی کاموں کے لئے دینے منظور کئے جس نے عمان کی حکومت کو ایک کروڑ پچاس لاکھ ڈالر ماہانہ اور ڈیڑھ کروڑ ڈالر اپنی آمد کے موقعہ پر بطورِ خاص دینے کا اعلان کیا تھا جس نے تنظیم آزادی فلسطین کو پچاس لاکھ ڈالر

سالانہ امداد دینے کا اعلان کیا تھا، جس نے پاکستان کے زلزلے میں ایک کروڑ ڈالر کا عطیہ دیا تھا، سربراہ کانفرنس میں تیس کروڑ کا عطیہ دیا، جس نے پاکستان کی سلامتی اور امداد میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی، یہ تو مرحوم کے دریائے سخا کے چند قطرے ہیں ورنہ عالمِ اسلام میں ان کی سخاوت وجود کی نہریں بہ رہی ہیں، اپنی یازدہ سالہ حکومت میں عرب اور مسلمانوں پر وہ عظیم احسانات کئے جو قیامت تک دنیا یاد رکھے گی، بلاشبہ حق تعالےٰ نے ان کے لئے زمین کے خزانے کھول دیئے تھے، ۲۹ ارب ڈالر سالانہ تیل کی آمدنی پہنچ گئی تھی، لیکن الحمد للہ کہ اس مردِ حق نے بھی خوب شکر ادا کیا، مسلمانوں کی امداد کے لئے اپنے خزانوں کے دروازے کھول دیئے تھے، ان کی موت بلاشبہ تمام عالمِ اسلام کے لئے دورِ حاضر کا سب سے بڑا المیہ ہے، عرب سیاست میں ان کی رحلت سے جو خلا پیدا ہو گیا بمشکل پُر ہوگا، ان کے بھتیجے فیصل بن مساعد کے ہاتھ سے یہ حادثۂ کبریٰ پیش آیا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ خدا کا شکر ہے کہ مرحوم عمر کے آخری مراحل میں نالہائے سحری کے عادی ہو گئے تھے، نماز کے پابند تھے مزاج میں تواضع ومسکنت کی انتہا تھی، راقم الحروف کو دو مرتبہ خصوصی ملاقاتوں میں قریب سے قریب تر ہو کر ان کی شخصیت کو پڑھنے اور دیکھنے کا موقع ملا تھا اور ان کے وقار ومتانت اور اسلامی ہمدردی کے گہرے نقوش قلب پر مرتسم ہو گئے تھے، حق تعالےٰ ان کے زلات کو معاف فرمائے اور جس طرح دولت کے خزانے ان کی زندگی میں ان کے لئے کھول دیئے تھے، اسی طرح ان کے مرنے کے بعد اپنی عفو ومغفرت اور رحمتِ بیکراں کے دروازے ان پر کھول دے، دولت وثروت کی زوال پذیر سلطنت کے بدلے محض اپنے فضل وکرم سے رحمت ورضوان کی لازوال سلطنت انہیں نصیب فرمائیں (آمین) اور ان کے جانشین خالد بن عبد العزیز کو ان کا صحیح جانشین بنائے اور ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق نصیب فرمائیں۔ (آمین)

ربیع الثانی ۱۳۹۵ھ، مئی ۱۹۷۵ء

حضرت مولانا عبدالودود مردانی نوراللہ مرقدہ

ماہ صفر ۹۵ھ میں گڑھی کپورہ ضلع مردان کے ہمارے ایک مخلص و صالح عالم دین مولانا حافظ عبدالودود صاحب واصل بحق ہوئے، اِنا للہ و اِنا الیہ راجعون، مرحوم نے تمام عمر سلف کے طرز پر حفظِ قرآن سے لے کر درسی علوم کے مختلف فنون کی انتہا میں پڑھائیں، خاموشی کے ساتھ قناعت کی زندگی بسر کی، جمعیت العلماءِ اسناف یوسف زئی کے ناظمِ اعلیٰ بھی تھے، پھر عرصہ جمعیت علماءِ اسلام کے لئے شیخ الاسلام حضرت الاستاذ عثمانی رحمہ اللہ کی سرپرستی میں بھی خدمات انجام دیتے رہے، مرحوم سنجیدہ، باوقار اور مرنجانِ مرنج طبیعت کے مالک تھے، حضرت مولانا عبدالرحمٰن رحمہ اللہ بہبوڑی والوں سے شرفِ بیعت بھی حاصل تھا، اس طرح تھانوی سلسلہ کے فیض یافتہ تھے، تراویح میں ختمِ قرآن کریم کا معمول رہا، صرف آخری رمضان المبارک میں علالت کی وجہ سے صرف ۲۲ پارے سنائے مگر ختم نہ کر سکے، شبِ وفات میں عشاء کی نماز باجماعت کی سعادت نصیب ہوئی، تہجد کے لئے پانی رکھوایا عین تہجد کے وقت آخری شب میں روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی، حق تعالیٰ مغفرت و رحمت و رضوان کے مقاماتِ عالیہ نصیب فرمائیں، آمین۔

جمادی الاولیٰ ۱۳۹۵ھ، جون ۱۹۷۵ء، جون ۱۹۷۵ء

حضرت مولانا ابوالوفا قندھاری رحمہ اللہ تعالیٰ

نشستہ در ظلم باقمر چہ کار مرا — چراغ تیرہ شبم باسحر چہ کار مرا

آہ حضرت ابوالوفا قندھاری افغانی کی روحِ مبارک ملأ اعلیٰ کی طرف پرواز کر گئی، اِنا للہ وانا الیہ راجعون. ﴿إذا جاء أجلهم لا يستأخرون ساعةً ولا يستقدمون﴾

آج ۲۵، ۲۶ جولائی ۷۵ء کی درمیانی رات شنبہ، ۱۷ رجب المرجب ۹۵ھ حیدرآباد دکن سے ایک تار یہ دردناک خبر لے کر آیا کہ حضرت مولانا ابوالوفا وفات پا گئے. ٹیلیگرام ۲۳ر جولائی کا ہے، یہ معلوم وصال کب ہوا، افسوس کہ ان چند ماہ میں آسمانِ علم کے کیسے کیسے آفتاب وماہتاب اور درخشاں ستارے یکے بعد دیگرے غروب ہوتے گئے، بصائر وعبر کے مرثیہ خوان کی قلم کی روشنائی خشک ہونے سے پہلے نو بہ نو مصیبت کی مرثیہ خوانی کرنی پڑ رہی ہے. حضرت والا مولانا سید محمد زکریا رحمہ اللہ کی وفاتِ حسرت آیات کی جان کاہ مصیبت کا پہاڑ سر پر ٹوٹا جس نے دماغ کو پاش پاش کر دیا. ان ٹکڑوں کو سمیٹنے سے فرصت نہیں ملی تھی کہ ایک باخدا عالم، گمنام درویش، دورِ حاضر کے ولی اللہ پارسا، متقی، زاہد، فقہِ حنفی کے محقق، حنفیہ کے محسن اعظم فاضل قندھاری کی وفات نے حواس باختہ کر دیا، اِنا للہ وانا الیہ راجعون. افغانستان وقندھار کا یہ مایہ ناز عالم جس نے حیدرآباد دکن کو اپنا گہوارۂ علم بنا لیا تھا ان کے کمالات وصفات کے بیان کے لئے ایک دفتر چاہیے. وہ فقہ حنفی کے امام تھے. فدائے حنفیہ کی کتابوں کے حافظ تھے. امام ابوحنیفہؒ اور امام محمد بن حسنؒ کی کتابوں کے عاشق تھے جس دیدہ ریزی سے ان ائمہ کی کتابوں کو دنیا کے گوشہ گوشہ سے جمع کر کے اس کی حفاظت کرتے تھے اور پھر ان کی اشاعت کے انتظامات کرتے تھے آج کی دنیا اس کا اندازہ لگانے سے بھی قاصر ہے. زہد وتقویٰ کا یہ پیکر مجسم جس مقام پر پہنچا تھا یہ عیش پرست دنیا اس کا تصور بھی نہیں کر سکتی. ورع وخشیت کا جو درجہ ان کو نصیب تھا عصرِ حاضر کا گمان بھی وہاں نہیں پہنچ سکتا

حیدرآباد دکن جیسے شہر میں جس کی عیش پرستی کے سیلاب میں پہاڑ بھی بہہ گئے اور جہاں بڑوں بڑوں کے قدم بھی پھسل گئے اس مردِ خدا کے پائے استقامت کو کیا مجال کہ ذرہ برابر بھی لغزش پیدا ہوئی ہو. مرحوم صحیح معنی میں عالم باعمل تھے. قرآن کے حافظ تھے. عشرہ قراءت کے عالم

تھے، تجوید و قراءت میں دو کتابوں کے مصنف تھے، رات کو جب اٹھتے تھے تو جب تک وضو کرتے تھے اور نماز کی تیاری کرتے تھے، دردناک فارسی اشعار پڑھتے تھے اور خوب رویا کرتے تھے، پھر تہجد میں طویل طویل قیام کرتے تھے اور دردناک لہجے میں اس والہانہ انداز میں قرآن کریم کی قراءت کرتے کہ سننے والوں کو تڑپا دیا کرتے تھے اور بسا اوقات آہ و بکا کی کیفیت طاری ہوتی تھی، صبح کی نماز خود پڑھایا کرتے، طوال مفصل کی بڑی سورتیں پڑھتے تھے اور کبھی کبھی نماز میں حفص کی قراءت کے علاوہ بقیہ قراءتِ سبعہ میں سے کوئی قراءت پڑھا کرتے تھے۔ مدرسہ نظامیہ حیدر آباد دکن میں عرصہ دراز تک مدرس اور استاذ رہے تھے۔ بعد میں معمولی سی پنشن ہو گئی تھی بس اسی حقیری پنشن سے قوت لاموت کی زندگی بسر کرتے تھے، کسی رئیس جاگیردار کا نہ کھاتے تھے نہ کسی حیدر آبادی رئیس و جاگیردار کی دعوت قبول کرتے تھے وہ جاگیردار جو صالحین میں شمار ہوتے تھے کبھی ان کے یہاں بھی چائے کا ایک گھونٹ تک نہیں پیا، باوجود اس کے کہ یہ تمام حضرات رؤساء و جاگیرداران سے ایسی عقیدت رکھتے اور ان کا ایسا احترام کرتے تھے کہ عقل حیران ہے کمال یہ ہے کہ کبھی ان رؤساء کے یہاں ملنے جایا کرتے تھے لیکن نہ چائے نہ پانی۔

عالم ہو یا غیر عالم، غنی ہو یا فقیر، کسی کا ہدیہ قبول نہیں کیا کرتے، خیرات و صدقات تو کجا، نہایت مخلصانہ ہدیہ جو بغیر اشراف کے ہو وہ بھی کبھی قبول نہیں کیا۔ یہ ان کا ایک خاص اضطراری ذوق تھا۔ کسی کی حجت و دلیل نہیں سنتے تھے، اس سلسلہ کے بڑے دلچسپ واقعات ہیں[1]۔

---

[1] یہاں ایک واقعہ کا ذکر کرنے کو بے اختیار جی چاہتا ہے جو خود حضرت بنوری مدظلہ کو پیش آیا وہ حضرت ہی کے الفاظ میں یہاں نقل کیا جاتا ہے ایک زمانہ میں مولانا مرحوم پر تنگی کا ایسا دور تھا کہ کئی کئی دن کا فاقہ ہوتا مجھے (حضرت بنوری کو) مرحوم کا اصول معلوم تھا کہ وہ کسی کا ہدیہ قبول نہیں فرمایا کرتے، میں نے مولانا محمد موسیٰ میاں افریقی کو مولانا کے بارے میں لکھا، انہوں نے مرحوم کے نام بغیر کسی تعارف کے کچھ رقم بھیجی، مرحوم نے مجھے ڈابھیل خط لکھا کہ یہ افریقہ میں کون صاحب ہیں جنہوں نے مجھے رقم بھیجی ہے اور میرا پتہ ان کو کس نے بتایا؟ اور یہ کہ میں اس رقم کو واپس کرنا چاہتا ہوں اس کی واپسی کی صورت کیا ہو سکتی ہے؟ میں نے لکھا کہ یہ ایک مخیر عالم ہیں علماء کرام کو عموماً ہدایا بھیجتے رہتے ہیں ان کو آپ کے نام سے واقفیت ہو گی اس لئے انہوں نے آپ کو بھی ہدیہ بھیج دیا ہو گا، آپ اسے واپس نہ کیجئے بلکہ قبول فرما لیجئے، آپ کو وہ حدیث معلوم ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت

بقیہ اگلے صفحہ پر

مولانا محمد انوار اللہ صاحب مرحوم کے شاگردِ رشید تھے، اکثر کتابیں حیدر آباد دکن میں مرحوم سے پڑھی تھیں اس لئے حیدر آباد دکن بعد میں ان کا مسکن اور وطنِ ثانی بنا، موصوف کی زندگی کا سب سے بڑا قابلِ صد فخر کارنامہ "احیاء المعارف النعمانیہ" جیسے ادارے کی تاسیس ہے، اس ادارے کا اساسی مقصد یہ تھا کہ حضرات ائمہ کرام امام ابو حنیفہ ابو یوسف محمد بن الحسن شیبانی رحمہم اللہ کی اصلی کتابوں کو مہیا کر کے تعلیقات و مقدمات کے ساتھ عمدہ سے عمدہ صورت میں شائع کیا جائے، اس کے بعد طبقہ ثانیہ و ثالثہ کے ائمہ فقہاءِ حنفیہ کی تالیفات کی خدمت کی جائے، امام العصر حضرت مولانا محمد انور شاہ رحمہ اللہ جیسی ہستی اس ادارے کی معاون رکن بن گئی اور جیب خاص سے ایک رقم بھی عطا فرمائی اس لحاظ سے حضرتِ شیخ کی رہنمائی اور اعانت کا شرف اس ادارے کو حاصل رہا اور حضرتِ شیخ کی رہنمائی سے ہی یہ معلوم ہوا کہ قاہرہ میں ایک محقق حنفی عالم الشیخ محمد زاہد کوثری موجود ہیں، چنانچہ امام العصر کے بعد دوسری ہستی محقق روزگار متصلب حنفی، وسیع النظر کی علامہ کی سرپرستی بھی ان کو نصیب ہوئی، ۱۳۵۰ھ سے ۱۳۷۱ھ تک مدۃ العمر حضرت شیخ کوثری اس ادارے کے بے نظیر علمی معاون اور رہنما رہے نہ صرف رہنما بلکہ مقدمات و تعلیقات میں نام بے نام اصلاح فرمایا کرتے تھے اور استنبول کے علمی کتب خانہ کے نوادرات کی اطلاع دیا کرتے تھے اور ان کے فوٹو وغیرہ منگوانے میں ان کی رہنمائی فرمایا کرتے تھے اور طباعت کے لئے کتابوں

عمر رضی اللہ عنہ کو کچھ مال عطا فرمانا چاہا تو انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! کسی ایسے شخص کو دیجئے جو مجھ سے زیادہ ضرورت مند ہو، آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ "بغیر اشرافِ نفس کے کچھ مل جائے تو اسے قبول کر لیا کرو" اور آپ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے زیادہ زاہد نہیں لہٰذا آپ بھی اس ہدیہ کو جو اشرافِ نفس کے بغیر آیا ہے رد نہ فرمائیے، مرحوم نے اس کے جواب میں لکھا کہ تم نے یہ حدیث نہیں پڑھی کہ ((الید العلیا خیر من الید السفلی)) میں نے لکھا کہ اول تو یہ حدیث ہدیہ سے متعلق نہیں بلکہ صدقہ سے متعلق ہے علاوہ ازیں "ید علیا" کی ایک تفسیر لینے والے ہاتھ سے بھی کی گئی ہے، بہر حال آپ کے پاس اس ہدیہ کے رد کرنے کی کوئی وجہ نہیں، مرحوم نے پھر لکھا کہ میں یہ دروازہ ایک دفعہ بند کر چکا ہوں اب تمہاری تلقین سے اس کو کھولنا نہیں چاہتا۔ بس مجھے یہ بتاؤ کہ رقم کیسے واپس کی جائے؟ اس کے بعد خط آیا کہ اب مجھے طریقہ معلوم ہو گیا ہے۔ ہر حال اس شدید تنگی میں بھی موصوف نے اس رقم کا ایک حبہ تک استعمال نہیں کیا بلکہ پوری رقم واپس کر کے دم لیا؛ کیا اس حرص و طمع کے دور میں اس کی نظیر مل سکتی ہے؟ اس نوعیت کے نہ جانے کتنے واقعات مرحوم کو پیش آئے ہوں گے (مدیر)

کا انتخاب ان کی رائے سے ہوتا تھا۔ قاہرہ میں شیخ رضوان محمد رضوان ان کی رہنمائی سے وکیل احیاء المعارف منتخب ہوئے جن کی کوششوں سے احیاء المعارف کی کتابیں قاہرہ میں آب وتاب سے عمدہ تصحیح کے ساتھ چھپنی شروع ہو گئیں۔ شیخ کوثری کی رہنمائی ہی سے ادارہ نادر ترین مخطوطات سے مالا مال ہو گیا، امام ابو زید دبوسی اور امام جصاص کے نوادر مؤلفات ادارے میں پہنچ گئیں۔ حضرت مولانا مفتی مہدی حسن صاحب شاہجہانپوری کا امام العصر حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کی وجہ سے ادارے سے تعلق ہوا "کتاب الحجۃ علی اہل المدینۃ" انہی کی تصحیح ومقابلہ وتعلیقات سے حیدرآباد میں طبع ہوئی۔ رفتہ رفتہ مجلس علمی ڈابھیل کی بھی توجہ ہوئی اور امام محمد بن الحسن کی کتاب الآثار کی شرح مولانا ابو الوفا صاحب رحمہ اللہ سے لکھوانے کی خواہش کی جس کی دو جلدیں طبع ہو گئیں اور غالباً شرح پوری نہ ہو سکی یا طباعت پذیر نہ ہو سکی، راقم الحروف بنوری کو سنہ ۵۰ء میں اس ادارے کی مجلس عاملہ کا رکن منتخب کیا گیا، بعد میں غالباً مولانا عبد الرشید نعمانی کو بھی ادارے کا ممبر بنایا، الغرض احیاء المعارف النعمانیہ کے ذریعہ جس طرح ٹھوس علمی خدمات کی اور قدماءِ ائمہ اور قدماءِ فقہاء کی کتابیں عمدہ ترین ٹائپ میں تعلیقات ومقدمات کے ساتھ شائع کرتے رہے، یہ قیامت تک ان کی یادگار رہے گی، اور ان شاء اللہ تعالیٰ ان کے لئے صدقہ جاریہ رہے گا۔ احیاء المعارف النعمانیہ کی جس انہماک وشغف اور عشق ومحبت سے علمی خدمت کی اس کی نظیر ہم نے نہ کبھی دیکھی، نہ سنی اور اگر نہ دیکھتے تو یہ گمان بھی نہیں ہو سکتا تھا کہ ایسی کوئی ہستی بھی ہو گی جو اس انداز سے حکومت کرتی ہو، شب وروز علاوہ عبادت وسحر خیزی کے یا تصحیح ومقابلہ ہے یا تعلیق کا کام ہے اور کمال تو یہ تھا کہ خود ایک حبہ تک کا معاوضہ مجلس سے نہ لیتے تھے اور کوشش یہ ہوتی تھی کہ دوسرا شریکِ کار مقابلہ کے لئے بھی اس سلسلے کو معاوضہ نہ دینا پڑے۔ ڈاکٹر حمید اللہ صاحب حیدرآبادی متع اللہ الامۃ بخدماتہ الدینیۃ جو آج کل پیرس میں قیام پذیر ہیں؟ وہ ادارے کی مجلسِ عاملہ کے رکن تھے ان سے بھی مقابلہ وتصحیح کی خدمات لیتے تھے۔ انتہائی عسرت وتکلیف کی زندگی گذارتے تھے اور انتہائی معمولی حقیر پنشن پر زندگی بسر کرتے تھے لیکن کیا مجال کہ کوئی معاوضہ مجلس سے وصول کریں۔ آج انہی کے اخلاص واحتیاط کی برکت سے ادارے کے کتب خانے میں بے شمار قیمتی مخطوطہ نوادر کا ذخیرہ جمع ہو گیا، اور مطبوعات کا بڑا سرمایہ فراہم کیا گیا خود مرحوم کا بڑا نادر کتب خانہ تھا۔ نہ معلوم کہ ان ذخائر علمیہ اور علمی خزانوں کا کیا حشر

ہوا ہوگا؟

حضرتِ مرحوم نے تجرد کی زندگی گذاری اور تمام زندگی علمی خدمات کی نذر کی اور تقریباً پچاس برس تک احیاء المعارف کی جلیل القدر قابلِ رشک خدمات انجام دیں۔ مرحوم کی برکت سے کتب ستہ میں سے پہلی مرتبہ الجامع الکبیر مصنفہ امام محمد بن الحسن عمدہ تعلیقات و مقدمہ کے ساتھ زیورِ طبع سے آراستہ ہوگئی اور امام ابو یوسف کی کتاب الآثار کا پہلی مرتبہ دنیائے علم کو علم ہوا کہ امام ابو یوسف کی بھی کتاب الآثار ہے، مرحوم ہی کی کوشش سے حکومت کے مطبعہ دائرۃ المعارف سے امام محمد رحمہ اللہ کی کتاب "المبسوط" شائع ہونی شروع ہوئی، اس شہیدِ علم پر اللہ تعالےٰ کی رحمتیں نازل ہوں جس نے اس پُر آشوب دور میں سلف صالحین کی یاد تازہ کردی۔ میرا انتہائی اصرار رہا کہ ادارے کو پاکستان کراچی منتقل فرمادیں میری طرف سے ہر ممکن امداد سے دریغ نہ ہوگا کیونکہ مجھے یہ محسوس ہورہا تھا کہ آپ کے بعد ادارے کا مستقبل تاریک ہے اور اس شمعِ فروزاں کے بعد اندھیرا ہی اندھیرا ہوگا، میرے اصرار پر بات سمجھ میں آگئی تھی اور وعدہ فرمایا کہ اگر ارکانِ مجلس راضی ہوں تو میں اس سلسلہ میں عملی قدم اٹھاؤں گا لیکن افسوس کہ یہ خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہوسکا، کاش اگر ڈاکٹر حمید اللہ صاحب حیدرآباد میں ہوتے تو شاید ادارے کی حیات کی صورت باقی رہتی بہ تقدیرات کا کیا چارۂ کار کیا جائے۔ تفصیلات تو معلوم نہیں لیکن اجمالاً تو مایوسی ہے خدا کرے کہ اس شبِ دیجور میں کوئی امید کی کرن پیدا ہو۔ مولانا ابوالوفاء قدس صاحب افغانی کی وفات سے ورع و زہد کا ایک پیکر، تقویٰ وخشیتِ الٰہی کی قوی روح، جہد وسعی کا ایک حیرت انگیز نمونہ، سلفِ صالحین کی عجیب یادگار، بوس و خمول کی حیثیت سے ہو یا قناعت و زہد کی جہت سے ہو ایک عظیم ترین شخصیت دنیا سے رخصت ہوگئی، بس اللہ تعالیٰ ہی کی قدرت ہے کہ ایک ضعیف و نحیف جسم میں قدیم ترین کی روح جلوہ گر ہوگئی تھی، عصرِ حاضر میں اس کا تصور بھی نہیں ہوسکتا۔ علم و عمل، شب خیزی اور نالہائے سحری کا یہ بلبل ہمیشہ کے لئے خاموش ہوگیا، بہارِ دنیا میں جو روز افزوں خزاں کی ہوائیں چل رہی ہیں بجز قدرتِ خداوندی کوئی توقع نہیں کہ اس چمنستانِ دہر میں ایسا گلدستہ نمودار کرے جس کی خوشبو سے دماغِ علم معطر ہو، وفی اللہ عزاء من کل فائت حق تعالیٰ ان کی روحِ پرفتوح پر جنت الفردوس کے دروازے کھول دے اور نعیمِ جنت

کے رحمت و رضوان کے وہ مقاماتِ عالیہ نصیب فرمائے جو ارحم الراحمین کی رحمتِ ازلیہ کے شایانِ شان ہوں۔ اللّٰھم اغفر لہ، اللّٰھم ارحمہ، اللّٰھم ارفع درجاتہ عندک فی مقعد صدق یارب العٰلمین۔

قاری محمد حسن رحمۃ اللہ علیہ

افسوس کہ ہمارے محترم قاری محمد حسن صاحب امروہوی نے جمعرات ۹ جمادی الاخری ۱۳۹۵ھ، ۱۹ جون ۱۹۷۵ء صبح کو داعی اجل کو لبیک کہا، مرحوم قاری محمد صدیق بنگالی استاذِ مدرسہ فرقانیہ لکھنؤ کے شاگردِ رشید تھے لیکن اپنی خداداد قابلیت اور موزونیتِ طبع سے حسنِ تجوید وحسن قرأت اور حسنِ تلاوت کے اس مقام پر پہنچے تھے کہ متحدہ ہندوستان میں ان کی کوئی ہمسری نہیں کرسکتا تھا میں نے اپنی زندگی میں اتنا مؤثر پڑھنے والے قاری کو کبھی نہیں دیکھا، نہایت وقار وخشوع کے ساتھ دردناک آواز میں اس انداز میں تلاوت فرماتے تھے کہ معلوم ہوتا تھا کہ یہ قرآن آج نازل ہورہا ہے، خصوصاً فجر کی نماز میں سننے والوں پر ایسی کیفیت طاری ہوجاتی تھی کہ وہ دنیا ومافیہا سے غائب ہوجاتے تھے، رنگون راندیر، سورت ریاست قلات میں زندگی گذاری، آخری زندگی کراچی میں گذری، افسوس کہ کوئی اپنا شاگردِ رشید ایسا نہیں چھوڑا جس سے ان کی یاد تازہ ہو، طبیعت میں انتہائی ظرافت تھی خوش مزاج مرنج مرنجان تھے۔ ان میں محاکات کا مادہ غضب کا تھا جب کسی کی نقل اتارتے تو اصل سے یہ نقل بڑھ جاتی تھی، کبھی کبھی مدرسہ عربیہ اسلامیہ میں بعد عصر تشریف لایا کرتے تھے۔ ان کی آمد سے اچھی خاصی محفلِ قرأت آراستہ ہوجاتی تھی۔ طلبہ سے قرآن سنتے اور خود بھی سناتے۔ اچھے پڑھنے والوں کے بڑے قدردان تھے اور ان کی قرائت سے بے حد محظوظ ہوتے تھے، افسوس کہ راقم الحروف اپنی علالت کی وجہ سے نمازِ جنازہ میں شرکت سے محروم رہا۔

رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً ورفع درجاتہ فی مقعد صدق عندک ملیک مقتدر

حضرت مولانا ابو احمد عبد اللہ لدھیانوی رحمہ اللہ تعالی

پنجشنبہ ۲۹ جمادی الآخریٰ ۱۳۹۵ھ مطابق ۱۰ جولائی ۱۹۷۵ء کو قبیل مغرب گوجرانوالہ میں حضرت مولانا ابو احمد عبد اللہ لدھیانوی کا قریباً ۹۳ سال کی عمر میں انتقال ہوا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مرحوم موضع بلیہ وال ضلع لدھیانہ (مشرقی پنجاب) کے ایک علمی خاندان کے چشم و چراغ تھے، مرحوم کو مولانا نور احمد امرتسری، مولانا مفتی محمد حسن، مولانا سلطان محمود امام العصر مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری اور حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندی (نور اللہ قبورہم) سے شرفِ تلمذ حاصل تھا اور حضرت مفتی محمد حسنؒ کے خلیفہ مجاز تھے، حضرت شیخ الہندؒ نے اپنے دستِ مبارک سے انہیں حدیث کی سند اجازت لکھ کر دی تھی جو ایجاز کا اعلیٰ نمونہ ہے تبرکاً اس کا متن درج ذیل ہے:۔

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، نحمدہٗ ونصلی علیٰ نبیہ الکریم وبعد فإن الصالح السعید المولوی عبد اللہ قد قرأ الأمهات الست فی الحدیث فأنا اجیزہ باذن اللہ وأوصیہ بالبرّ والتقویٰ واللہ الموفق والمعین۔ فقط

العبد

محمود عفی عنہ

یکم ذیقعدہ ۱۳۳۳ھ

مرحوم نے زندگی کا طویل سفر اپنے اسلاف و اکابر کے نقش قدم پر طے کیا، مدۃ العمر تعلیم و تدریس اور ارشاد و تلقین کے پاکیزہ مشاغل میں منہمک رہے، تقسیم سے قبل لدھیانہ وغیرہ میں تدریس کے فرائض انجام دیئے اور تقسیم کے بعد گوجرانوالہ میں آرہے اور وہاں "دارالعلوم نعمانیہ" کے نام سے ایک تعلیمی ادارہ قائم کیا جس کے آخر دم تک مہتمم رہے۔ قیام پاکستان کے بعد موصوف عالم اسلام کے اتحاد اور اربابِ حکومت کی اصلاح کے لئے متفکر رہا کرتے تھے ان پر پاکستان کے اربابِ حل و عقد، اعلیٰ افسران، فوجی حکام اور عالم اسلام کے سربراہوں اور چیدہ شخصیتوں کو دعوت دینے کا جذبہ غالب آگیا تھا ان کا یہ احساس تھا،

اگر عالمِ اسلام کے ذمہ دار افراد کا رُخ اسلام کی طرف پھر جائے اور وہ اسلام کو ایک ضابطۂ حیات اور ایک لائحہ عمل یقین کر کے صدقِ دل سے اس پر عمل پیرا ہوں تو مسلمان آج بھی اقوامِ عالم سے آگے نکل سکتے ہیں اس پیغام کو متعلقہ حضرات تک پہنچانے کے لئے موصوف نے ایک ادارہ تصنیف و تالیف قائم کیا تھا جس کے زیرِ اہتمام متعدد کتابیں خود مرتب کر کے ہزاروں کی تعداد میں شائع کیں اور اعلیٰ حکام اور سربراہانِ عالمِ اسلام کے نام ارسال کیں حق تعالیٰ شانہٗ مرحوم کو اپنی رحمت و رضوان سے نوازے اور ان کے گرامی قدر صاحبزادگان مولانا عبدالواسع، مولانا محمد اسماعیل، مولانا حافظ محمد طاہر اور مولانا محمد احمد کو ان کا صحیح جانشین بنائے۔

شعبان المعظم ۱۳۹۵ھ، ستمبر ۱۹۷۵ء

حضرت مولانا فاروق احمد رحمہ اللہ تعالےٰ

استاذ العلماء حضرت مولانا فاروق احمد رحمۃ اللہ علیہ کی وفاتِ حسرت آیات سے بہاول پور کے ان جلیل القدر علماء کرام کی یاد تازہ ہوگئی جن میں شیخ الجامعۃ العباسیہ مولانا غلام محمد گھوٹوی، مولانا احمد علی، مولانا محمد صادق، مولانا عبید اللہ، مولانا محمد علی رحمہم اللہ تعالیٰ کی جیسی نادرۂ روزگار شخصیتیں شامل ہیں۔ مولانا سہارنپور کے علمی خاندان کی یادگار تھے اور برِ اعظم کے مشہور عالمِ دین مولانا خلیل احمد سہارن پوری کے حقیقی بھتیجے تھے۔ بہاول پور میں نصف صدی سے ادھر کا عرصہ قال اللہ وقال الرسول اور درس و تدریس میں گذرا۔ باوجود پیرانہ سالی اور کمزوری کے ابھی تک مرحوم کے فیوض کا سلسلہ جاری تھا جس سے اہلیانِ بہاول پور محروم ہوگئے۔ مرحوم کی قیام گاہ مرجعِ خاص و عام بنی ہوئی تھی۔ صبح اور شام کے اوقات میں بے شمار مخلوق آپ کے فیوض و برکات سے فی سبیل اللہ مستفیض ہوتی تھی۔ اس قحط الرجال کے دور میں حضرتؒ کا وجود کسی نعمتِ عظمیٰ سے کم نہ تھا جس سے اہلیانِ بہاول پور محروم ہوگئے۔ مولانا نے ۲۷ رمضان المبارک کو داعئ اجل کو لبیک کہا اور ۲۶، ۲۷ رمضان المبارک کی درمیانی بابرکت شب کو علماء، صلحاء، حفاظ اور عوام و خواص کے اجتماعِ عظیم نے آپ کی نمازِ جنازہ میں شرکت کی۔ جس کے بعد ایک اشک بار جمِ غفیر کی موجودگی میں انہیں سپردِ خاک کر دیا گیا۔ اللہ تعالےٰ مغفرت فرمائیں اور اعلیٰ علیین میں جگہ دیں۔ آمین۔ إنا لله وإنا إليه راجعون۔

ذوالقعدہ ۱۳۹۵ھ، دسمبر ۱۹۷۵ء

حضرت مولانا گل محمد رحمہ اللہ تعالیٰ

یوم الجمعہ ۱۲ ذوالحجہ ۱۳۹۵ھ ۲۶ دسمبر ۱۹۷۵ء کو میری دوسری اہلیہ کے والدِ ماجد مولانا گل محمد صاحب سکھر میں واصل بحق ہوئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون، مرحوم کے اخلاص، کرمِ نفس، جود وسخا، ہمت ومردانگی، جفاکشی، غیرتِ دینی، مکارمِ اخلاق کا مجھے پہلے سے علم ہو چکا تھا، دو سالہ تعلق کے عرصہ میں ان کے اوصافِ حمیدہ کا مشاہدہ بھی ہوتا رہا، طویل ترین علالت کے دوران ان کی استقامت وصبر کو دیکھ کر حیرت ہوئی، آخر میں دق وسل جیسے موذی مرض میں مبتلا ہوئے لیکن کیا مجال کہ ان کی خوش خلقی اور صبر وتحمل میں ذرا بھی فرق آیا ہو، کبھی اپنی تکلیف کی کسی سے شکایت نہیں کی، حکایتِ حال کے طور کچھ زبان پر کبھی آیا تو آیا، خواص میں اگر اس قسم کے کمالات ہوں تو زیادہ تعجب نہیں ہوتا لیکن عوام امت میں ایسے قابلِ رشک صفات یقیناً باعثِ تعجب ہیں۔ حق تعالیٰ کی اس مخلوق کے گمناموں میں نامعلوم کتنے اولیاء اللہ ہیں جن کا کسی کو علم نہیں اگر مشاہیر میں یہ کمالات ومحاسن موجود ہوں جب بھی قابلِ قدر ہیں لیکن غیر مشہور گمنام شخصیتوں میں اس قسم کے محاسن حیرت افزا ہیں، خدا کا شکر ہے کہ مرحوم کا تمام خاندان صالحین واہلِ علم کا ہے، ان کے والدِ ماجد حضرت مولانا شیر محمد صاحب مستند عالم اور باخدا شخصیت تھی صرف ونحو کے تو امام تھے، حضرت عارف سندھی مولانا حماد اللہ ہالیجی سے بیعت واصلاح کا تعلق تھا بارہا ملاقات ہوئی ان کی بزرگانہ شفقت واخلاص کا ممنون ومعترف ہوں، مرحوم مدرسہ انوار العلوم سکھر کے روحِ رواں تھے اس کی ترقی کے لئے ہمیشہ کوشاں تھے، ان کی اہلیہ محترمہ طلبہ کے لئے سکھر کی گرمی میں سالن اور روٹی اپنے ہاتھ سے تیار کیا کرتی تھیں اور صبح وشام گھنٹوں یہ صبر آزما خدمت انجام دیا کرتی تھیں اور اب بھی کرتی ہیں۔ بیماری وعلالت میں کبھی کوئی نماز فوت نہیں ہوئی جس رات صبح کو وفات مقدر تھی اشارے سے تہجد پڑھی اور سورۂ رحمٰن وسورۂ یٰسین کی تلاوت کی اور تبسم کیا، تیمارداروں کو الوداع کہی سب کو صبر کی تلقین کی، جزع وفزع اور آہ وپکار نہ کرنے کی وصیت کی، جمعہ کی صبح اذان کے بعد بھائیوں اور بیٹوں کو نماز کے لئے جانے کا حکم دیا اور اسی دوران ان کی روح ملأ اعلیٰ کی طرف پرواز کر گئی، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ حق تعالیٰ جنت الفردوس میں درجاتِ عالیہ نصیب فرمائے اور رحمت ورضوان ومغفرت کے مقاماتِ عالیہ سے سرفراز فرمائیں، آمین۔ میری اہلیہ کو اسی جمعہ کی رات یعنی وصال سے

چند لمحے قبل خواب میں زیارت ہوئی، صبر و استقامت کی تلقین کی، دنیا سے رخصتی کا حال سنایا اور اپنا حسین خوبصورت اور دل آویز گھر جنت میں دکھلایا، والہانہ انداز سے اہلیہ نے اس مکان میں رہنے کا اشتیاق ظاہر کیا تو فرمایا کہ تمہیں بھی یہاں آنا ہے لیکن ابھی وقت نہیں آیا اور فرمایا، محنت کرو تمہارا گھر بھی تیار ہوگا، میرا گھر تیار ہوگیا، حسبِ عادت راقم الحروف کی خدمت و رضاجوئی کی وصیت فرمائی۔

ع   خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

افسوس کہ باوجود کوشش جنازے پر نہ پہنچ سکا، تدفین کے بعد مزار پر فاتحہ خوانی نصیب ہوئی۔

إن لله ما أخذ وله ما أعطى وكل شيءٍ عنده بأجلٍ مسمّى فالحمد لله رب العالمين حمد الصابرين إلى يوم الدين۔

محرم الحرام ۱۳۹۶ھ، فروری ۱۹۷۶ء

حضرت مولانا عبدالباری انصاری لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ

جمعہ کے مبارک دن، ۲۰ محرم ۱۳۹۶ھ (۳۰ جنوری ۱۹۷۶ء) دورِ حاضر کے اسلامی مفکر، عصرِ حاضر کے متکلم و فیلسوف حضرت مولانا عبدالباری انصاری لکھنوی ہمیشہ کے لئے ہم سے رخصت ہوگئے اور ان کی روح پاک عالمِ غیب کی طرف پرواز کرکے واصل بحق ہوگئی، إنا للہ وإنا الیہ راجعون۔ وہ عالم تھے، وہ عارف تھے وہ صوفی باصفا تھے، سراپا اخلاص تھے، ورع و تقوی کے پیکر تھے، عصرِ حاضر کے علماءِ ربانیین کے ایک ممتاز فرد تھے، حیدرآباد دکن کی سرزمین میں دنیا سے الگ ہوکر اپنی دنیا بسانے والے ایک ہی شخص نظر آئے، مرحوم کا ابتدائی تعارف حضرت مولانا سید سلیمان صاحب ندوی کی "سیرۃ النبیؐ" کے جزءِ سوم سے ہوا جس میں معجزات پر ان کا فاضلانہ مضمون ہے، پھر غالباً ۱۳۵۹ھ میں حیدرآباد دکن میں پہلی ملاقات کا شرف بعیت حضرت مولانا مناظر احسن گیلانی مرحوم حاصل ہوا، دوسری ملاقات کا شرف اس وقت نصیب ہوا جب میں دارالعلوم اسلامیہ ٹنڈو اللہ یار میں ۱۳۷۰ھ میں اقامت پذیر تھا اور مہمانی کی سعادت بھی نصیب ہوئی اور دو ایک علمی مجالس بھی رہیں جس میں ہم دونوں ایک دوسرے کے بہت قریب ہوئے اور "صدقِ جدید" میں مرحوم نے اپنے سفرنامے میں اس کا ذکر بھی فرمایا، پھر تیسری ملاقات کی سعادت کراچی میں حاصل ہوئی جبکہ مدرسہ عربیہ اسلامیہ کراچی کی بنیاد پڑ چکی تھی، اس مرتبہ الحمد للہ قریب سے قریب تر دیکھنے کا موقع ملا اور مجالس میں ان کو اچھی طرح پالیا اور عقیدت ان سے بڑھ گئی، فکر کی گہرائی میں، قرآنی حقائق کے ذوق میں بے مثل تھے، نئی نسل کی تربیت و اصلاح پر غور کرنے میں بے نظیر تھے، جدید فلسفے اور جدید الٰہیات پر ان کی نظر اور ہمہ گیری حیرت انگیز تھی ان جدید فلاسفہ کے نظریات پر اتنی وسیع نظر تھی کہ حیرت ہوتی تھی۔ گویا ان کے سر پر جوتے مارے ہیں، ان کی نظیر نہیں ملتی ان کے افکار کو جس جستجو اور عرق ریزی سے یکجا کرکے ان سے استنباط کرتے تھے انہی کا حصہ تھا۔ حضرت حکیم الامت کے دامن سے وابستگی سے تو ان کی دنیا ہی بدل گئی، اپنی جائداد اور وسائلِ معاش کو خدمتِ دین کے لئے وقف کرکے حضرت تھانوی قدس سرہٗ کے علوم اور حقائق و معارف کو جدید نسل کی رہنمائی کے لئے مفید سے مفید و مؤثر بنانے کے لئے تمام قلمی و فکری صلاحیتیں ختم کردیں اور یہ ان کی زندگی کا اہم ترین کارنامہ ہے، حضرت تھانوی قدس سرہٗ کی تمام مختلف الانواع تصانیف سے متفرق موضوعات سے منتشر

ملفوظات سے مواعظِ حکیمہ سے ایک ایک چیز موضوع کے تحت یکجا کر کے روح نکال دی اس کی مؤثر تمہیدات اور منقح تشریحات سے چار چاند لگا دیئے درحقیقت تمام امت پر اور خصوصاً تھانوی بارگاہ کے خوشہ چینوں پر ناقابلِ فراموش احسان کیا ہے۔

اصلاح علم وعمل کے نام سے سورہ "العصر" کی تفسیر لکھ کر تمام علماء اور خادمانِ دین کو عبرت آموز سبق دیا، "سائنس اور مذہب" جیسی نافع وعظیم تصنیف سے تمام فلاسفہ اور ملاحدہ کے سر پر جوتے لگائے اور اللہ تعالےٰ کی حجت پوری کر دی، زہد وقناعت کی قابلِ رشک زندگی بسر کی، تمام مرغوبات و لذائذ کو یک قلم ترک کے زاہدین کے لئے نظیر قائم کر گئے، بلاشبہ دورِ حاضر کی مخلص ترین باخدا شخصیت تھی افسوس کہ ان کے کمالات وخصائص ان کے ساتھ دفن ہو گئے علماء اور اربابِ قلم میں اس ذوق اور ان خصوصیات کی کوئی ہستی نظر نہیں آتی۔ إنا للہ وإنا إلیہ راجعون۔

ع خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

اللہ تعالیٰ کی ہزار ہزار رحمتیں ہوں اس مشتِ استخوان پر اور ہزاروں ہزار رحمتیں ہوں ان کی روحِ پر فتوح پر جنت الفردوس میں اپنے حضرت شیخ تھانوی کے جوارِ قدس میں مقام اعلیٰ نصیب ہو اور ان کی روح ان مخلصانہ ومحققانہ تصانیف کے ثمرات سے اور فقیرانہ زندگی کی برکات سے مالا مال ہو آمین آمین یارب العلمین وصلی اللہ علی صفوۃ البرایا خاتم النبیین سیدنا محمد وآلہ وصحبہ أجمعین۔

نوٹ:۔ ان چند سطور سے مرحوم سے جو عقیدت تھی اس کا حق ادا نہیں ہو سکا اس لئے اپنے بصائر وعبر میں اس اجمالی تعارف کے بعد میں برادرم محترم مولانا غلام محمد صاحب حیدر آبادی کا مضمون جو مرحوم کی سوانح حیات پر مشتمل ہے شائع کیا جاتا ہے۔

دار العلوم ندوۃ العلماء (لکھنؤ) کی گود اور شبلوی تربیت سے جو صاحب خبر و نظر اور اہلِ تحقیق وکمال علماء نکلے، ان میں کی ایک امتیازی شخصیت حضرت مولانا عبد الباری ندویؒ کی ہے اور وہ اپنی شانِ امتیازی میں کسی تصدیقِ غیر کے محتاج بھی نہیں، ان کی تصانیف ان کے مقالات اور ان کے گرانقدر تراجم ان کے تعین امتیاز کے لئے کافی ہیں۔

ع حاجتِ مشاطہ نیست روئے دلآرام را

خاندان اور ولادت :-

مولانا کے خاندان میں علم دین اور طبابت کا چرچہ رہا اور زہد و تقویٰ کا دور دورہ بھی، مولانا کا جدی سلسلۂ نسب حضرت عبداللہ انصاریؓ سے ملتا ہے مگر چونکہ شجرۂ نسب محفوظ نہیں اور ہندوستان میں اچھی اچھی نسبتوں کو غلط انتساب سے پامال کر دیا گیا ہے اس لئے قوی قرائن اور تصدیقات کے باوجود مولانا نے اپنے نام کے ساتھ "انصاری" کبھی نہیں لکھا حالانکہ اور خویش و برادر برابر لکھتے ہیں۔

مولانا کا جدی وطن سترکھ (ضلع بارہ بنکی) تھا مگر مولانا کے والد ماجد آخر میں لکھنؤ آگئے تھے اور اپنے شیخ گرامی حضرت مولانا محمد نعیم فرنگی محلی رحمۃ اللہ علیہ کی محبت میں لکھنؤ کو اپنا وطن ثانی بنا لیا تھا، مولانا کی ولادت اپنے نانہالی وطن قصبہ کرسی میں ہوئی، جمعہ کا دن اور ۱۴ ذی الحجہ کی تاریخ یقین سے یاد ہے البتہ سنہ غالباً ۱۳۰۶ھ م یکم اگست ۱۸۹۰ء تھا، والد ماجد نے اپنے اس نونہال کا نام تجویز فرمانے کی درخواست حضرت فرنگی محلیؒ کی خدمت میں کی تو جواب ملا "خالق باری پوری کر دو"[1] مراد یہ تھی کہ والد کا نام چونکہ عبدالخالق تھا، فرزند کا نام عبدالباری رہے۔ چنانچہ رکھ دیا گیا۔

تعلیم :-

بسم اللہ تو خود حضرت مولانا فرنگی محلیؒ نے کرائی، ابتدائی تعلیم مولوی توکل حسین رحمۃ اللہ علیہ سے قصبۂ سترکھ ہی میں ہوئی، عربی کی ابتداء پدرِ بزرگوار سے ہوئی، پھر کچھ دن اپنے بڑے چچا حکیم امجد علی مرحوم سے ہوئی جو حضرت مولانا عبدالحئی فرنگی محلیؒ کے شاگرد اور معصوم صفت بزرگ تھے اس کے بعد شوال ۱۳۱۹ھ کو دارالعلوم ندوۃ (لکھنؤ) میں داخلہ لیا، یہ وقت تھا کہ ابھی دارالعلوم علامہ شبلی نعمانیؒ کے ہاتھ میں نہیں آیا تھا اور یہاں تعلیم ٹھیک تھی نہ تربیت، سالِ چہارم تک پہنچے تھے کہ والدِ بزرگوار نے مولانا کو یہاں سے ہٹا کر مولانا محمد ادریسؒ کے پاس نگرام (ضلع لکھنؤ) بھیج دیا۔ مولانا گرامی کی مختصر صحبت نے شاگرد میں علمی ذوق اور دینی مذاق یہ یک وقت بیدار کر دیا مگر چند ہی مہینے یہاں رہنے پائے تھے کہ ندوہ کی زمامِ کار علامہ شبلیؒ کے ہاتھ میں آگئی اور مولانا دوبارہ ندوہ پہنچ گئے اور اب ایک ہی برس میں مولانا کا شمار ممتاز طلباء میں ہونے لگا، چنانچہ سالانہ امتحان میں اول آئے اور مدرسہ کے مہتمم و صدر مدرس مولانا حفیظ صاحب نے جوابات کا پرچہ دیکھ کر حیرت د

---

[1] یہ سب باتیں مولانا نے اپنے مختصر خود نوشت حالات "اسباقِ زندگی" میں لکھی ہیں جس کی ایک نقل احقر کو ارسال فرمائی تھی۔

محبت سے فرمایا کہ "یہ اس عِظَامًا نَخِرَۃً[1] کے جوابات ہیں؟" مولانا چونکہ ابتدا ہی سے نحیف اور بس ہڈیوں کا ڈھانچہ ہی ڈھانچہ تھے اس لئے یہ خطاب پُر لطف رہا۔ غرض مولانا کے جواہر اب کھلنے لگے اور خود انہی کے بقول :-

"سید (سلیمان) صاحب و مولوی عبدالسلام صاحب وغیرہ زیادہ ہونہار منظورِ نظر دو چار طالب علموں سے بس دوسرے ہی درجہ پر مولانا (شبلی) کی نظر شفقت ہمیشہ اپنے اوپر پاتا رہا[2] اور "عربی زبان میں زبردستی مقرر بننے میں اتنی کامیابی حاصل کی کہ ایک دن استادِ محترم (علامہ شبلی) نے خود اپنے سامنے تقریر کرائی اور پسند کی[3]

مگر ابتداء ہی سے مولانا کا رجحان تاریخ و ادب کے بجائے فلسفہ و معقولات کی طرف تھا اور اسی جہت سے وہ علامہ شبلی کے گرویدہ تھے، چنانچہ ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں :-

"طبیعت کو نسبتہً عقلیات سے کچھ لگاؤ زیادہ پایا اور وہ بھی عقلیاتِ جدیدہ سے جس کی شُد بُد رسائل خصوصاً المقتطف سے شروع ہوئی، دین و مذہب کا جوڑ عقلیات میں "کلامیات" سے زیادہ لگتا ہے اور جس طرح الفاروق و المامون کا مصنف تاریخ پسندوں کا آئڈیل بنا اسی طرح الکلام کا مصنف اس عقل کے دیوانے کا بن گیا[4]۔

مولانا ابھی آخری درجہ میں تھے کہ علامہ سید سلیمان ندویؒ ندوہ میں استاد مقرر ہوئے اور مولانا کا ایک سبق علامہ سے متعلق بھی رہا، اس کا تذکرہ خود مولانا نے ہی کیا ہے کہ :-

"ہمارے سید العلم (علامہ سلیمان) کی قلمرو سے ماشاء اللہ کلامیات وعقلیات کی اقلیم بھی باہر نہ تھی . . . سید صاحب کے علم و عقل کا اتنا قائل تھا کہ اپنے شکوک و شبہات انہی کے سامنے زیادہ پیش کرتا رہا۔ ایک مرتبہ جبر و قدر کے متعلق اچھی طرح یاد ہے کہ انہی کی تفہیم و توجیہ سے خوب تشفی ہو گئی گو بعد میں شرحِ صدر الحمد للہ خود کتاب اللہ سے نصیب ہوا"[5]

---

[1] قرآن میں کفار کا قول نقل ہوا ہے ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا نَّخِرَة ۔ یعنی کیا ہم جب کھوکھلی ہڈیاں ہو جائیں گے (تو دوبارہ زندہ کئے جائیں گے) [3،2] سلیمان نمبر معارف (مئی ۱۹۵۵ء) کا مضمون "سیرۃ السید کے کچھ انمول سبق"

[4] مولانا کا مضمون مشمولۂ سلیمان نمبر معارف (مئی ۱۹۵۵ء) محولہ سابق .

[5] مولانا کا مضمون مشمولۂ سلیمان نمبر معارف (مئی ۱۹۵۵ء) محولہ سابق ۔

بہرکیف ۱۹۱۰ء میں مولانا نے دارالعلوم ندوہ سے فراغت حاصل کی۔

مزید تعلیمی جدوجہد:

"ندوہ نے دارالعلوم قائم کرکے دینی تعلیم و تربیت کے جن نئے مقاصد کا بیڑا اٹھایا تھا، ان میں سب سے نمایاں وقت کا ایک اہم دینی مطالبہ ایسے علماء کا پیدا کرنا تھا جو عصری تقاضوں اور علوم و فنون سے آگاہ ہوں اور ان کے مقابلہ میں دین کی علمی و عملی خدمات کا حق ادا کرسکیں اس مقصد عظیم خصوصاً جدید علوم و فنون کے لئے جیسا سامان و سرمایہ درکار تھا ندوہ کو کبھی میسر نہ آیا"[۱]۔ چنانچہ فلسفہ جدیدہ میں مہارت حاصل کرنے کے لئے مولانا میں انگریزی سیکھنے کی جو تڑپ تھی اس کی تسکین کے سامان خود کرنے پڑے، والد ماجد نے اس میں تعاون سے گریز فرمایا، آخر علامہ شبلی ہی کی مربیانہ توجہ سے علی گڑھ ایجوکیشنل کانفرنس سے پندرہ روپیہ ماہوار قرض کے طور پر وظیفہ ملا اور شیخ مقبول حسین صاحب (تعلقدار گدیہ بارہ بنکی) کے پاس جو اس وقت کشمیر میں ریوینیو منسٹر تھے چلے گئے، یہاں انٹرنس کے امتحان میں شرکت کی مگر ناکام رہے پھر بھی ہمت نہ ہاری اور اپنی ذاتی کوشش و محنت سے زبان انگریزی میں وہ مہارت حاصل کی کہ فلسفہ کی کئی ٹکسالی کتابوں کے بہترین تراجم اردو میں کرکے بڑے بڑے ڈگری یافتوں کو پیچھے کرگئے اور اس امتیازی ندوی زمرہ کے فرد فرید بن گئے جس کے متعلق ایک جگہ خود ہی مولانا نے تحریر فرمایا ہے:

"پھر بھی (یعنی ندوہ کی بے سروسامانی کے باوجود) بہت سے ندویں نے اس روح سے چونک کر (جو قیام ندوہ کی محرک تھی) ذاتی شوق و شغف اور کوششوں سے جس حد تک ندوہ کے مقصد کو پورا کرسکتے تھے کیا اور جماعتی حیثیت سے ندوی قلم نے جدید طبقات میں جو اعتبار پیدا کیا اور کم و کیف دونوں طرح جو خدمات انجام دیں، کسی دوسرے مدرسہ و ادارے میں اس کی مثالیں شاذ و نادر افراد ہی تک ملتی ہیں، وہ بھی اعتراف کرنا چاہئے کہ ندوہ ہی کی آواز بازگشت ہے"[۲]

دکن کالج سے وابستگی:

علامہ شبلی کے آخر حیات میں حضرت مولانا سید سلیمان ندوی کمبئی یونیورسٹی کے مشہور دکن کالج پونہ میں عربی و فارسی کے لکچرر تھے[۳] مگر وسط نومبر ۱۹۱۴ء میں استاذ عالی مقام نے جب اپنے مرض الموت[۴] میں

[۱،۲] مولانا کا مضمون شمولہ سلیمان نمبر معارف (مئی ۱۹۵۵ء) [۳] محولہ سابق [۴] حیات شبلی از علامہ سلیمان ندوی ص ۷۲۳

حضرت مولانا کو طلب فرما کر اپنی جانشینی اور سیرۃ النبیؐ کی تکمیل کی وصیت فرمائی تو حضرت مولانا نے کالج کا تعلق یک لخت ختم فرما دیا تھا، یہ جگہ ۱۱، اکتوبر ۱۹۱۵ء کو مولانا عبد الباریؒ سے پُر کرائی گئی، یہاں آکر مولانا کو فلسفہ کے عمیق مطالعہ کا موقع ملا، زیادہ دل چسپی تاریخ فلسفہ سے رہی اور اس نے پہلے پہل تو "ارتیابیت" سے دو چار کر دیا لیکن ساتھ ہی ساتھ فلسفیوں میں سب سے زیادہ برکلے کا فلسفہ دل کو اتنا لگا کہ اس کی اصل کتابوں کو مولانا نے پڑھا، پرنسپلز آف ہیومن نالج Principal of Human Knowledge کا مبادیٔ علم انسانی کے نام سے ترجمہ فرما دیا، برکلے کی اس کتاب اور اس کے فلسفہ نے "مادیت" کی بنیاد اس طرح ڈھا دی ہے کہ تاریخ فلسفہ میں پھر کبھی وہ سر نہ اٹھا سکی بلکہ اس کے بعد فلسفہ کی تاریخ کہنا چاہیئے کہ گھوم پھر کر "مادیت" کے خلاف "تصوریت Idealism کی تاریخ بن گئی"۔ [1]

گجرات کالج سے تعلق :۔

بمبئی یونیورسٹی کی ملازمت کے تعلق ہی نے دکن کالج (پونہ) سے چند ماہ کے لئے گجرات کالج احمد آباد پہنچا دیا، اسی اثنا میں سورت میں آل انڈیا ایجوکیشنل کانفرنس کا اجلاس ہوا اور مولانا حبیب الرحمن خان شروانی کے اصرار پر مولانا عبد الباری صاحب نے وہ معرکۃ الآرا لکچر دیا جو بعد میں "مذہب و عقلیات" کے نام سے چھپ کر نہ صرف جدید و قدیم اہل علم میں مقبول ہوا بلکہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ نے اس کو "دین کا آہنی قلعہ" قرار دیا، اس کا نفع دوسروں کو جو پہنچا اور پہنچا رہے گا وہ تو الگ رہا، خود مصنف گرامی کو بھی خود انہی کے الفاظ میں یہ ہوا کہ لا الٰہ کے سلب سے فہم و شعور کے ساتھ الا اللہ کے ایجاب کی طرف پھیر دیا اور بعد کو یہی لکچر ایک بڑے منفرد رنگ صاحب حال و قال بزرگ کی نظر نصیب ہو جانے کا حیلہ بنا۔ [1]

حیدرآباد آمد اور حضرت مولانا محمد حسین رحمۃ اللہ علیہ سے ربط :۔

۱۰ مارچ ۱۹۲۰ء کو گجرات کالج سے علیحدگی کے بعد پروفیسر شیخ عبد القادر (آئی، ای، ایس) کے اصرار پر مولانا ان کے ہمراہ حیدرآباد دکن آئے، مقصد کتب خانہ آصفیہ سے استفادہ اور تحقیقی تشنگی کی سیرابی تھی حیدرآباد پہنچ کر جامعہ عثمانیہ کے پروفیسر الیاس برنی مرحوم کے واسطہ اور تعارف سے

---

[1] ۲۰۱ "اسباقِ زندگی" محولہ سابق

عالی مرتبت چشتی بزرگ حضرت مولانا محمد حسین قدس سرہٗ کی زیارت نصیب ہوئی اور قیام حیدر آباد کے بعد تو مستقل ربطِ عقیدت قائم ہو گیا، مولانا ان بزرگ سے جس درجہ متاثر رہے اس کا اندازہ ان کی اس عبارت سے ہوتا ہے:۔

"مولانا (محمد حسینؒ) کی وجودی توحید کی تعبیر و تفہیم ایک طرف عقلیت و فلسفیت کے مارے ہوؤں کے حق میں ان کو لاالٰہ سے الا اللہ تک پہنچانے کے لئے بڑا کامیاب راستہ تھا، دوسری طرف وحدۃ الوجود کی تمام تعلیمات سے حلول و اتحاد یا خالق و مخلوق کی عینیت کے جو نتائج و خطرات پیدا ہوتے ہیں ان کی بڑی شد و مد سے نفی فرماتے اور خالق و مخلوق کی غیریت پر پورا زور دیتے تھے، خاص کمال یہ تھا کہ اپنی اس وجودیت کی توجیہ و تائید میں آیات و احادیث سے بہت کام لیتے تاہم تھا یہ دراصل ایک فلسفہ مگر مولانا کا یہ سراپا حال بلکہ مقام بن گیا تھا۔ ۔ ۔ نشہ کی تیزی و سرشاری تھی جس کے فیض سے کوئی بڑا محروم ہی اتنا محروم ہوتا ہوگا جو کچھ نہ کچھ ایمان کے ذوق و حلاوت کا اثر لے کر مولانا کی مجلس سے نہ اٹھتا ہو، ورنہ مولانا کے نظری فلسفہ کی حد تک بقول مولانا گیلانی کے مستثنیات کے سوا باقی "بز اخفش" ہی رہتے: راقم ہذا کا شمار گو مستثنیات ہی میں تھا تاہم مولانا کے قدموں میں مجھ کو بھی سب سے بڑی دولت یہی ملی کہ پہلے پہل لا الٰہ الا اللہ کی ایمانی حقیقت کا انکشاف ہوا اور اس کی ایمانی حلاوت سے بقدرِ ظرف لذت شناس ہوا۔ اعلی اللہ مقامہ[1]۔

دار المصنفین سے تعلق:۔

۱۹۱۵ء میں سید الطائفہ علامہ سید سلیمان ندویؒ دار المصنفین (اعظم گڑھ) کی بنیاد رکھ چکے تھے۔ مولانا عبد الباری صاحبؒ جب بمبئی یونیورسٹی کی ملازمت سے فارغ ہو چکے تو علامہ ممدوحؒ نے انہیں دار المصنفین آنے کی دعوت دی چنانچہ مولانا یکم دسمبر ۱۹۲۰ء کو یہاں آگئے اور اواخر اگست ۱۹۲۲ء تک یہاں مصروفِ کار رہے۔

جامعہ عثمانیہ سے تعلق:۔

اس وقت تک حیدر آباد دکن میں عثمانیہ یونیورسٹی کی داغ بیل پڑ چکی تھی، مولانا کو جامعہ کی طرف سے اولاً چھ سو روپے کی مترجم فلسفہ کی جگہ پیش کی گئی مگر مولانا نے عذر فرمایا کہ "اخلاقیات کی ایک کتاب یعنی میکنزی کی "مینول آف ایتھکس" کا اُجرت پر ترجمہ کر کے مستقلاً درسی کتابوں کے ترجمہ کو پیشہ بنانے

[1] اسباق زندگی بحوالہ سابق

کی ہمت ذرا بھی نہ رہی لے اس انکار کے بعد پھر اسی گریڈ کی فلسفہ کی پروفیسری کی پیش کش جامعہ عثمانیہ کی طرف سے کی گئی بلکہ چونکہ صدر شعبۂ فلسفہ تین سال کے لئے تعلیمی رخصت پر ولایت گئے ہوئے تھے اس لئے ان کی قائم مقامی کا سو روپے ماہوار مزید الاؤنس بھی پیش کیا گیا، مولانا کو اس پر بھی دارالمصنفین کی مفارقت گوارا نہ تھی لیکن حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ کے اصرار پر ۶ ستمبر ۱۹۲۲ء کو مولانا باضابطہ طور پر جامعہ عثمانیہ سے متعلق ہو گئے اور حیدرآباد میں مستقل طور پر تشریف لے آئے اور پھر ۵۵ سالہ میعادِ عمر ختم کر کے اگست ۱۹۴۵ء میں وظیفہ پر سبکدوشی حاصل فرمالی اور اپنے وطن لکھنؤ لوٹ آئے۔

پروفیسرانہ امتیاز:۔

حیدرآباد میں حضرت مولانا مناظر احسن گیلانیؒ کی شخصیت اپنی علمی جامعیت کے علاوہ سادگی، شگفتگی اور حسن خطابت کی وجہ سے اندرون و بیرون جامعہ عثمانیہ بڑی مقبول تھی مگر جہاں تک درس یا لکچر کی بات ہے حضرت مولانا عبدالباریؒ کی دھاک کالج میں بہت زیادہ تھی اور شعبۂ فلسفہ میں جہاں ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم مرحوم جیسے ذہین اور لسان پروفیسر موجود تھے درس و تدریس میں مولانا کا کوئی حریف نہ تھا، مولانا کا لکچر نہایت وزنی، مدلل، مربوط اور غیر متعلقات سے پاک ہوتا تھا، ان کے جملے اس قدر جچے تلے ہوتے تھے کہ نہ تو کوئی لفظ ہٹایا جا سکتا تھا نہ تفہیم و استدلالیت میں کہیں تشنگی محسوس ہوتی تھی، مگر مولانا نے مسندِ درس کے علاوہ تقریر کے عام پلیٹ فارم پر آنا کبھی پسند نہیں فرمایا اور جب لوگوں نے اصرار کیا بھی تو یہ فرما کر دامن چھڑا لیا کہ انسان پیٹ کی خدمت کرے یا دین و ملت کی، دو خدمتیں یکجا ہوں تو کسی ایک کا بھی حق ادا نہیں ہو سکتا، میں پیٹ کی خدمت (یعنی جامعہ کی ملازمت) میں لگا ہوں اس لئے دینی و ملی پلیٹ فارم پر آنا نہیں چاہتا۔

فلسفی و متکلم علماء میں مولانا کا مقام:۔

سیرۃ النبی کی تیسری جلد جب معجزات پر تیار ہو رہی تھی تو علامہ سید سلیمان ندویؒ نے "دلائل معجزات اور فلسفۂ جدیدہ" کا حصہ خاص طور پر مولانا عبدالباری ندویؒ سے لکھوایا اور اسی اعلان و اظہار کے ساتھ اس مقالہ کو شریک فرمایا کہ ہمارے زمرۂ علماء میں فلسفۂ جدید کا واقف کار مولانا عبدالباری ندوی سے بڑھ کر کوئی نہیں لے۔ یہ اس وقت کی بات ہے اب تو مولانا کی پیش کش "مذہب اور سائنس" نے ان

لے سیرۃ النبی جلد سوم (پہلا ایڈیشن)

کی انفرادیت کو اظہر من الشمس کر دیا ہے۔

مولانا کی نگاہ میں فلسفہ کا مقام :۔

متکلم جب علم کلام کا رد کرتا ہے یا فلسفی جب فلسفہ کی تردید کرتا ہے تو وہ دراصل باطل کلام اور بے دین فلسفہ پر زد لگاتا ہے ورنہ کاٹتا تو لوہے کو لوہا ہی ہے وہ تردید خود ایک صحیح نمونۂ علم کلام اور صحیح فلسفۂ اسلام ہوتی ہے چنانچہ "تہافۃ الفلاسفہ" لکھ کر امام غزالی کچھ زمرۂ فلاسفہ سے باہر نکل نہیں آئے اور نہ "الرد علی المنطقیین" لکھ کر علامہ ابن تیمیہ معقولین کے گروہ سے خارج ہو گئے اسی طرح ہمارے ممدوح (رحمۃ اللہ علیہ) کے ہاں بھی کلام و فلسفہ کا رد ملتا ہے مگر وہ خود ایک صحت بخش کلامیاتی اور فلسفیانہ افادہ ہے۔ نفس فلسفہ و کلام کی افادیت سے انکار خود حضرت ممدوح کو بھی نہیں، "اسباق زندگی" ہی کے ضمن میں ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں: "فلسفہ کو اگر اس کے اصل موضوع و مقصد تلاشِ حقیقت کے بجائے صرف فلسفی یا ڈاکٹر دپروفیسر بننے بنانے کے لئے نہ پڑھایا جائے تو خالص عقل کی راہ سے فلسفہ خصوصاً جدید فلسفہ سے زیادہ خدا تک پہنچانے والا کوئی دوسرا علم قطعاً نہیں البتہ نرا کتابی فلسفی اسی طرح خطرۂ ایمان ہے جس طرح نیم طبیب خطرۂ جان۔"

جامعہ میں فلسفہ کے علاوہ قرآنی خدمت :۔

علامہ شبلیؒ نے اپنے شاگردوں میں ایک خاص ذوق یہ پیدا کیا تھا کہ تاریخ ہو یا فلسفہ و علم کلام ان چیزوں کو ذریعہ بنا کر اصل مدعا قرآن پاک ہی کی پیش کش ہو۔ مولانا عبدالباری رحمۃ اللہ علیہ میں یہ ذوق بدرجۂ کمال پیدا تھا، البتہ اس سے واقف وہی حضرات تھے جو ان سے قریب تھے، جامعہ عثمانیہ میں مولانا استاد تھے تو شعبہ فلسفہ ہی کے مگر چونکہ حضرت مولانا گیلانیؒ اُن کی قرآنی بصیرت کے معترف تھے اس لئے شعبۂ دینیات کے وہ طلباء جو قرآنی تحقیقات کو اپنا موضوع بنا لیتے تھے، حضرت گیلانیؒ اُن کو مولانا ہی کے سپرد فرما دیتے تھے، میرے ایک دوست نے جو شعبۂ دینیات میں ایم اے کر رہے تھے اپنے مقالہ کا موضوع "ہماری تفاسیر قرآنی میں اسرائیلیات کی آمیزش" (الفاظ من و عن محفوظ نہیں مفہوم ٹھیک یہی تھا) لیا تھا اور یہ مقالہ حضرت مولانا عبدالباری ہی کی زیر نگرانی تیار ہوا تھا، وہ مولانا کی ژرف نگاہی اور قرآن پاک میں گہری نظر کے بڑے مداح تھے۔

خود مولانا کی تحریروں میں موقع بہ موقع یہ اظہار ملتا ہے کہ انہیں اصل لگاؤ بس کتاب اللہ ہی

سے تھا اور وہی ان کی فہم و بصیرت کا اصل سرچشمہ تھا" قرآن کا دو آیاتی نظامِ صلاح و اصلاح" کے زیرِ عنوان مولانا نے سورۂ والعصر کی جو توضیح و تشریح فرمائی ہے وہ مولانا کی بصیرتِ قرآنی اور نزاکتِ فہم کا ایک کھلا مرقع ہے۔

پھر ترجمہ کا کام:۔

کلامیات و قرآنیات کی خدمت تو انجام پا ہی رہی تھی مگر دار الترجمہ والے برابر مولانا کے پیچھے لگے رہے اور مولانا کے بے مثل تراجم علمِ اخلاق (مینول آف ایتھکس) فہمِ انسانی (ہیومینس انڈرسٹینڈنگ) اور مبادیٔ علمِ انسانی (پرنسپلس آف ہیومن نالج) کی روشنی مولانا کے لئے بلائے جان ہو چکی تھی، بالآخر اسٹاؤٹ کی "مینول آف سائیکالوجی" کا ترجمہ بھی "حدیقۂ نفسیات" کے نام سے کر ڈالا اور شائع ہو گیا اس کے بعد مولانا نے ترجمہ کی مستقل خدمت سے انکار فرما دیا البتہ اپنی زیرِ نگرانی اور اپنی ذمہ داری ترجمہ کرا دینے کی خدمت بہ مجبوری اپنے ذمہ رکھ لی۔ آج کی بڑی بڑی مسلم سلطنتوں کے لئے عبرت و سبق کا مقام ہے کہ دار الترجمہ جامعہ عثمانیہ نے ایک اہلِ فن کی ایسی قدر کی کہ مولانا کی صرف تین کتابوں کے لئے اس وقت دس ہزار کی رقم مترجم گرامی کی خدمت میں پیش کر دی گئی تھی۔

مولانا کا مترجمانہ امتیاز:۔

مولانا کے تراجم کا امتیاز یہ ہے کہ ان پر ترجمہ کا گمان ہی نہیں ہوتا، وہ بڑے سے بڑے اہلِ فن کے خزانۂ خیال اور طرزِ ادا پر اس طرح قبضہ جما لیتے ہیں کہ وہ قابض کی ملک بن جاتا ہے ایسا مترجم شاذ ہی ملتا ہے، ایک مرتبہ میں اپنے مرشدِ طریقت حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ کی خدمت میں حاضر ہوا، ان کے دستِ مبارک میں مولانا عبد الباری رحمۃ اللہ علیہ کی مترجمہ کوئی کتاب تھی، میری طرف دیکھ کر حضرت شیخ فرمانے لگے "آپ کے ہاں کا کوئی ترجمہ ہمارے مولانا عبد الباری صاحب کے تراجم کی ٹکر کا نہیں، ترجمہ کی خوبی یہ ہے کہ وہ ترجمہ محسوس نہ ہو۔"

دماغ سے دل کی طرف:۔

حیدر آباد کے مستقل قیام اور حضرت مولانا محمد حسین رحمۃ اللہ علیہ سے ربطِ مسلسل کی وجہ سے مولانا کبھی کے دماغ سے دل کی طرف آ چکے تھے، ایمانی حقیقت مولانا پر منکشف ہو چکی تھی بلکہ اس کے لذت شناس بن چکے تھے خود تحریر فرماتے ہیں اور کس قوتِ عرفانی سے:۔

"فلسفہ سے آگاہ ہو چکا تھا، وجودیت کا تصوف کے نام سے نظری فلسفہ لاالٰہ الا اللہ کے روپ میں فلسفہ ہی نظر آتا رہا بلکہ عقل وفکر کی راہ بھی جس راہ کی نشان دہی کرتی رہی وہ خالص ایمانی تصدیق یا "صدیقیت" ہی کی تھی اور خوب تحقیق ہو گیا کہ عالمِ شہادت میں رہتے ہوئے عالمِ غیب کے متعلق جب خود رسول کو آمن الرسول بما اُنزل الیہ سے چارہ نہیں تو مابعد الطبیعاتی غیوب یا حقائق کے باب میں فلسفیانہ یا عقلی گدوں کی حقیقت لال بجھکڑوں کے تفلسف سے زیادہ ہو ہی کیا سکتی ہے۔ اس لئے سچ یہ ہے کہ مجھ کو تو عقل و فلسفہ کی بے چارگی ہی نے یہ بتایا کہ محمد رسول اللہ کی یافت کے بغیر لا الٰہ الا اللہ کی صحیح و معتبر یافت بھی ناممکن ہے اللہ پر ایمان صرف وہی معتبر ہے جو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے واسطے سے ہو۔" کلام اللہ" کا کلام اللہ ہونا تک رسول اللہ کے رسول اللہ ہونے اور جاننے پر موقوف ہے [1]۔

حضرت حکیم الامت سے تعلق فنائیت :- فلسفیانہ تصوف کے بجائے خالص اتباعِ سنت والی نگاہ سے مولانا نے جو جستجو کی تو دو ہستیاں یعنی حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ اور حکیم الامت شاہ اشرف علی تھانویؒ ایسی نظر آئیں کہ ان کو مقتدا بنا کر دل کو سکون میسر آ سکتا تھا چنانچہ تھانہ بھون اور دیوبند کا سفر خاص اسی غرض سے کیا اور دونوں ہی جگہ تشفی پائی مگر" تھانوی رنگ میں علم و عمل دونوں کے اعتبار سے اکمالِ دین و اتمامِ نعمت والے خدا کے پسندیدہ اسلام کی جیسی حدود شناسانہ اور متوازن اسلامیت کا نظارہ نصیب ہوا، اس کی جامعیت اور محبوبیت تو ایسی تھی کہ خود اپنی آنکھوں دیکھی نہ ہوتی تو نہ کسی زبان و قلم کے بیان میں آ سکتی نہ اپنی سمجھ میں [2]" پھر یہ ہوا کہ ۳۰ جون ۱۹۲۸ء کو خود حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ ہمارے مولانا عبدالماجد دریابادی مدظلہٗ کو لے کر تھانہ بھون شریف لائے اور دوسرے دن یکم جولائی کی صبح کو ان دونوں اصحاب کو حضرت حکیم الامتؒ کی خدمت میں پیش کیا کہ بیعت فرمالیں، حکیم الامتؒ نے فرمایا" خدمت سے انکار نہیں مگر بیعت آپ ہی فرمالیں"۔ چنانچہ تحت الامر مولانا عبدالباری صاحبؒ نے اس سفر کے بعد حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت کر لی مگر اصلاح کا تعلق اور دراصل قلب و روح کا انجذاب حضرت تھانوی قدس سرہٗ ہی سے رہا [3]۔

---

[1] اسباقِ زندگی [2] اسباقِ زندگی۔

[3] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو" حکیم الامت" مؤلفہ حضرت مولانا دریابادی۔

موسم گرما کی ہر چھٹی میں حیدر آباد سے تھانہ بھون پہنچ کر فیضانِ اشرفیہ سے مالا مال ہوتے رہے۔ انجذاب اس درجہ بڑھا کہ قبل از وقت جامعہ عثمانیہ سے پنشن لے کر تھانہ بھون میں جا رہنے کا عزم فرما لیا اور اس کے لئے درخواست بھی دے دی مگر جامعہ کی انتظامیہ نے اس وقت تک روکے رکھا جب تک کہ وہ چھوڑنے پر قانوناً مجبور ہی نہیں ہو گئی، پھر بھی پندرہ برس کا تعلق، کمالِ اتباع و انقیاد اور قوتِ استفادہ کی بدولت مولانا محبیت کی منزل سے گذر کر محبوبیت کے اوج پر پہنچ گئے اور حضرتِ شیخ کے خلیفہ مجاز قرار پائے۔

تعلیماتِ اشرفیہ کا نشر:۔

دل میں لگا کے اُن کی لو، کر دے جہاں میں نشرِ ضو
شمعیں تو جل رہی ہیں سو، بزم میں روشنی نہیں (مجذوبؔ)

یہ لگن یوں تو حکیم الامت قدس سرہٗ کے ہر خلیفہ مجاز کے دل میں حضرت کے وصال پر موجود تھی مگر تعلیماتِ اشرفیہ کی سب سے زیادہ ٹھوس، پائیدار مؤثر اور معتبر و مؤقر اشاعت صرف حضرت مولانا عبد الباری رحمۃ اللہ علیہ کے حصّہ میں آئی، مولانا نے مجددِ چہار دہم صدی کی تجدیدی مساعی کو جس قوت اور سلیقہ سے عالم آشکار کیا وہ انہی کا حصہ تھا اپنے سارے علمی کمال اور قلمی قوت کو صرف فرما کر حکیم الامتؒ کے سینکڑوں مواعظ، ہزار ہا ہزار ملفوظات اور بیسیوں تصانیف میں فکری غوطہ زنی کر کے تعلیماتِ اشرفیہ کو چار مجلدات (۱) تجدیدِ دینِ کامل (جس کا پہلا نام جامع المجددین تھا) (۲) تجدیدِ تصوف (۳) تجدیدِ معاشیات اور (۴) تجدیدِ تعلیم و تبلیغ میں نہایت خوبی سے جمع فرما دیا اور ان کی طباعت و اشاعت کے لئے خود اپنی جمع شدہ پونجی "وقف" (بہ اصلاحِ شرع) فرما دی، اللہ تعالیٰ نے ان تالیفات کو بڑی قبولیت بخشی، تجدیدِ تصوف کا تو عربی اور ترکی زبانوں میں بھی ترجمہ ہوا اور مشرقِ وسطیٰ میں تعلیماتِ اشرفیہ پھیل گئیں (اس سلسلہ کی اور خدمات کا ایک وسیع خاکہ مولانا کے پیشِ نظر تھا جو اب "آرزوئے خاک شدہ" بن کر رہ گیا)

بحیثیت شیخ عارف:۔

راقم الحروف کو مولانا سے نیاز مندی کی سعادت ۱۹۴۷ء ہی سے حاصل تھی مگر اس وقت حضرت مولانا سید مناظر احسن گیلانی سے اصل محبت و فدویت کا تعلق تھا اور حضرت مولانا عبد الباری صاحب سے محض مولانا گیلانی کے ایک صادق و محترم رفیق کی حیثیت سے جانتا تھا مگر کوئی گیارہ برس بعد

جب حضرت مولانا عبدالباری کراچی تشریف لائے اور سیدی و سید الملت حضرت مولانا سید سلیمان ندویؒ کے مہمان رہے تو اب اشرفی نسبت سے مولانا کو دیکھ کر بڑا اُنس محسوس ہوا[1] پھر مرشدِ اقدسؒ کی رحلت کے بعد جب اپنی عقیدت کا ارتکازی تعلق حضرت موصوف سے قائم ہوا اور قربِ باطنی میسر آیا تو دیکھا کہ وہ ایک زاہد و عابد، قانع و متوکل، فانی فی اللہ، اپنے شیخ کے اصولوں کے سختی سے پابند اور ایک مخلص داعیٔ آخرت ہی نہیں بلکہ حضرت پر اسمِ "رب" کی تجلی کا خاص ظہور اور اس صفتِ الٰہی کا خاص فیضان ہے اور ربوبیتِ باری تعالےٰ حضرت پر بالکل منکشف ہے، یہی سبب تھا کہ وہ ہر بات میں ربوبیت پر نظر رکھنے کی تاکید فرماتے اور مراقبۂ ربوبیت میں رسوخ کو ہر درد کی درمانی قرار دیتے تھے[2] اس اجمالی اشارہ کی تفصیل سے مجھ عاجز کی زبان قاصر ہے، مقصد اس اشارہ کر دینے سے صرف یہ دکھانا ہے کہ ہمارے ممدوح میں "موئے و میانے" کے ساتھ ساتھ "آنے" والی انفرادیت کا امتیاز بھی موجود تھا جو نادرات سے ہے ؎

شاہد آں نیست کہ موئے و میانے دارد — بندۂ طلعتِ آں باش کہ آنے دارد

رب رحمٰن و رحیم اپنے اس بندہ کی قبر کو پُر نور رکھے اور اس کے سرِ معرفت کو کمالِ تقدیس و شرف عطا فرمائے، بحرمت سید العارفین خاتم النبیین علیہ الصلاۃ والتسلیم)

---

[1] اس قیامِ کراچی کے زمانے میں میرے ایک دوست جو جامعہ عثمانیہ میں حضرت مولانا عبدالباری صاحب سے عقیدۃً ملتے رہتے تھے، مولانا کی تشریف آوری کے دوسرے یا تیسرے ہی دن میرے پاس آئے اور اپنا خواب سنایا کہ رات میں نے حضرت مولانا تھانویؒ کو دیکھا کہ کراچی تشریف لائے ہیں، کیا اس سلسلہ کے کوئی بزرگ تو یہاں آئے ہوئے نہیں ہیں؟ جب میں نے مولانا کی آمد کی اطلاع دی تو والہانہ حاضرِ خدمت ہوئے اور مولانا سے مل کر اور ان کے قدموں سے لپٹ کر اس قدر پھوٹ پھوٹ کر روئے کہ ماحول پر گریہ طاری ہو گیا، حالانکہ وہ مولانا کے عرفی مرید بھی نہ تھے، افسوس کہ وہ مولانا سے قبل ہی اللہ کو پیارے ہو گئے ؏ خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را۔

[2] احقر کے نام کئی الطاف ناموں میں اس کی تلقین ہے حتیٰ کہ جو سندِ خلافت اس ناکارہ و ہیچ کارہ کو حضرت نے عطا فرمائی اس میں بھی آخری وصیت یہی ہے کہ "سالک کے لئے اس سے زیادہ آسان راستہ نہ تجربہ میں آیا نہ سمجھ میں آیا کہ دنیا اور دین کے یہ دونوں حواشی اصل مضمون میں اضافہ ہیں (غلام محمد)

ربیع الاول ۱۳۹۶ھ، اپریل ۱۹۷۶ء

حضرت مولانا مفتی مہدی حسن شاہجہان پوری نور اللہ مرقدہ

جس طرح بارانِ رحمت سے خشک صحرا، وادیاں، جھلسے ہوئے کھیت اور خشک باغات سرسبز و شاداب ہو کر لہلہاتے ہیں ٹھیک اسی طرح علماءِ ربانیین کا وجود قلوبِ عباد کے لئے بارانِ رحمت ہے بلکہ علماءِ حقانی کا وجود تمام کائنات کے لئے رحمت و نعمت ہے، ان کے وجود سے دلوں کو حیات، روحوں کو غذا اور دماغوں کو تازگی ملتی ہے، فضاءِ عالم منور ہوتی ہے، ظلمات کفر و ضلال کافور ہو جاتی ہیں بلکہ صحیح تعبیر یہ ہے کہ اس عالم کی بقاء کا راز علماءِ ربانیین کے وجود میں مضمر ہے اور یہی وجہ ہے کہ سمندروں کی مچھلیاں، صحراؤں کے کیڑے مکوڑے اور جنگلات کے حشرات و حیوانات تک ان کے لئے دعا کرتے ہیں، آسمانوں کے فرشتے دعا کرتے ہیں، زمین کے فرشتے ان کے قدموں کے نیچے پر بچھاتے ہیں بلا شبہ جو ہستیاں انبیاءِ کرام علیہم الصلاۃ والسلام کی وارث نیابتِ نبوت کی زینت بخش اور ہدایتِ مخلوق کا ذریعہ ہوں ان کے یہ فضائل ہونے چاہئیں، چنانچہ زبانِ خاتمِ نبوت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ اور اس قسم کے فضائل ان کے منقول ہیں، انہی علماءِ ربانیین میں سے حضرت مولانا سید مہدی حسن شاہجہانپوری کی شخصیت تھی جن کی زندگی کے ستر سال سے زیادہ قرآن و حدیث و فقہ و علومِ اسلامی کی خدمت میں گذرے، رجب ۱۳۰۰ھ شاہجہانپور محلہ "ملاخیل" میں ولادت باسعادت ہوئی اور غالبًا ماہ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۶ھ کے اواخر[1] میں شاہجہانپور محلہ جھنڈا کلاں میں واصل بحق ہوئے، إنا للہ وإنا الیہ راجعون۔ گیارہ سال راندیر ضلع سورت میں پوری صحاح ستہ پڑھائیں، جامعہ اشرفیہ میں سات سال اور جامعہ محمدیہ میں چار سال، نیز متفرق علوم کی کتابیں پڑھاتے رہے اور افتاء کا کام بھی کرتے رہے، پورے تیس سال راندیر سورت میں افتاء کی خدمت انجام دی اور ۱۳۶۷ھ سے لے کر ۱۳۹۰ھ تک دارالعلوم دیوبند میں صدارتِ افتاء کی خدمات انجام دیتے رہے اور شرح معانی الآثار طحاوی بھی پڑھاتے رہے اور سالہاسال کے بقایا استفتاءات ہزاروں کی تعداد میں نمٹائے اور تقریبًا اٹھارہ گھنٹے یومیہ مشغول رہتے تھے۔ آخری عمر میں فالج کا حملہ ہوا، کچھ افاقہ ہوا لیکن ہاتھوں پر رعشہ کا اثر باقی رہا، دارالعلوم کا تعلق ختم ہو گیا تھا اور اپنے گاؤں شاہجہان پور میں مرض کے ایام گذارتے رہے، آپ تعجب کریں گے کہ مرتعش ہاتھوں میں قلم لے کر ایک اہم ترین کتاب کی تصنیف شروع کی، یعنی امام ابو محمد ابن حزم کی کتاب "المحلی" پر تنقید، جہاں امام موصوف کے قلم نے وہ کام کیا جو حجاج کی تلوار کرتی تھی اور علماء میں عام مثل ہے "سیف الحجاج وقلم ابن حزم توأمان" کہ حجاج بن یوسف کی تلوار اور ابن حزم کا قلم دونوں جڑواں بہنیں ہیں اور تمام ائمہ

---

[1] افسوس ہے کہ تاریخ وفات معلوم نہ ہو سکی۔

دین میں کسی کو بھی نہیں چھوڑا کہ تردید نہ کی ہو اگرچہ زیادہ تر حصہ امام اعظم ابو حنیفہؒ کا ہے اور ہر دور میں علماءِ امت نے ابن حزم کے جوابات دیے اور "القدح المعلی فی رد المحلی" کے نام سے بعض اکابر نے مستقل کتاب بھی لکھی۔ بہرحال محدثِ شاہجہان پوری کے قلم سے اس وقت بھی ایک اہم تصنیف کی جا رہی تھی "السیف المجلی فی الرد علی المحلی" کے نام سے دو ایک چھوٹے چھوٹے اجزاء طبع بھی ہو گئے تھے اور راقم الحروف کے پاس بھی بھیجے گئے تھے ایسی علالت کی حالت میں ایسی اہم تالیف میں مشغول ہونا لوگوں کے لئے موجبِ تعجب ہوگا، مگر جس کی زندگی جس کام میں فناء کا مقام حاصل کر لیتی ہے اس کی یہی شان ہوتی ہے، افسوس کہ حضرت محدث شاہجہان پوری کی مرثیہ نگاری کے لئے قلم اس وقت ہاتھ میں آرہا ہے کہ جب ڈاکٹروں اور طبیبوں نے قلبی عارضہ کی وجہ سے دماغی کاموں سے منع کر دیا ہے اور راحت کی تاکید کی ہے اس لئے بہت افسوس کے ساتھ بصائر و عبر کا نامہ نگار اپنی معذوری کی وجہ سے مرثیہ نگاری سے قاصر ہے اس لئے برادر محترم مولانا محمد یوسف لدھیانوی سے خواہش ظاہر کی کہ عرصہ دس بارہ سال پہلے حضرت مرحوم کی کتاب الحجۃ کی تعلیقات کی وجہ سے مرحوم کا جو علمی ترجمہ سپرد قلم کیا تھا اور حیدر آباد دکن کے دائرۃ المعارف میں طبع ہو گیا تھا اس کا ترجمہ شامل کر دیا جائے نیز ۱۹۴۷ء میں جب راقم الحروف کراچی آیا تھا اور مرحوم سورت میں تھے اس وقت ایک مکتوبِ گرامی حسرت ناک آیا تھا جس میں ایک غمگین واقعہ کا ذکر کیا تھا اور چند عربی اشعار مجھے لکھے تھے، اس وقت ارتجالاً چند عربی اشعار بطور تعزیت و تسلی اسی قافیہ و بحر پر فوراً نوکِ قلم پر آگئے تھے وہ بھی شامل کر دیے جائیں تاکہ کسی درجہ میں حق ادا ہو سکے اور کسی قدر ان کی قدر و منزلت کی طرف اشارہ ہو سکے۔

فغاں کہ گشت نیوشندۂ سخن خاموش　　　　وگرچہ گونہ تسلی کنم من ایں لب و گوش

اللھم اغفر لہ مغفرۃً لا تغادر ذنبًا وارحمہ رحمۃً کاملۃً تخص بھا عبادك المقربین وأدخلہ فی جنات النعیم وارضہ وارض عنہ مالا یوازیہ منزلۃ ولا نعیم وصلی اللہ علی صفوۃ عبادہ خاتم النبیین سیدنا محمد وآلہ وصحبہ وتبعہ وعلماء الدین۔ شعبان ۱۳۹۶ھ

حالاتِ محدث شاہجہانپوری

(جو ۱۳۸۵ھ میں کتاب الحجۃ کے مقدمہ کے لئے لکھے گئے)

کتاب الحجۃ کے شارح اور مصحح شیخ محدث علامہ مفتی مہدی حسن کا سلسلہ نسب یہ ہے:-

مہدی حسن بن سید کاظم حسن بنؒ علامہ سید فضل اللہ، بنؒ سید محب اللہ شاہ بنؒ شیخ العصر سید قطب الدین المعروف "قطبی میاں"، بنؒ شیخ سید درویش، بنؒ شیخ سید شہاب الدین احمد شاہ آبادی، بنؒ شیخ کامل سید ابو اسحق ابراہیم بنؒ فاضل سید شہاب الدین احمد شاہ گیلانی.

جن کا سلسلۂ نسب بیس واسطوں سے امام ربانی شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی الحسنی الحسینی سے جا ملتا ہے، مفتی صاحب کے جدِ امجد شیخ ابو اسحاق ابراہیم، شاہجہان کے عہدِ سلطنت میں بغداد سے دہلی تشریف لائے اور نو سال بعد بغداد کی طرف مراجعت فرما ہوئے، دوبارہ پھر ہندوستان آئے اور اورنگ آباد دکن میں وفات پائی، پھر ان کے صاحبزادہ سید احمد ۱۰۹۰ھ میں بعہد سلطان عالمگیر بغداد سے دہلی آئے، شاہ آباد میں سکونت اختیار کی، وہیں انتقال ہوا اور محلہ کڑہ میں دفن ہوئے وہاں ان کی قبر زیارت گاہِ خاص و عام ہے.

مفتی صاحب ۱۳۰۰ھ میں شاہجہان پور کے محلہ "ملا خیل" میں پیدا ہوئے پہلا نام خواجہ حسن تھا، بعدازاں ایک عارف کے اشارہ سے نام بدل کر مہدی حسن کر دیا گیا، یہ اس بزرگ کی فراست تھی کہ مہدی حسن کے نام میں ان کے ہدایت یافتہ ہونے کی نیک فال تھی.

قرآنِ کریم والد ماجد سے پڑھا، انہی سے کچھ حصہ حفظ بھی کیا، بقیہ حفظ بارہ سال کی عمر میں دیگر اساتذہ سے پورا کیا، اسی طرح فارسی کی ابتدائی کتابیں والد ماجد اور بڑے بھائی سے پڑھیں، پندرہ سال کی عمر ہوئی تو محلہ کی مسجد میں پہلی مرتبہ تراویح میں مصلّٰی سنایا، پھر اپنے شہر کے مدرسہ عین العلم میں داخل ہوئے اور صرف ونحو کی کتابیں مدرسہ کے اساتذہ سے پڑھیں جن میں سب سے مشہور بانیٔ مدرسہ مولانا شیخ عبدالحقؒ خلیفہ مجاز حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ تھے، نیز نحو اور فقہ کی کچھ کتابیں حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلویؒ سے پڑھیں اور جب مفتی کفایت اللہ صاحب مدرسہ امینیہ دہلی میں منتقل ہوئے تو آپ کے والد ماجد نے آپ کو بھی وہیں بھیج دیا، چنانچہ ادبِ فارسی، ادبِ عربی، علومِ عقلیہ منطق و فلسفہ، علم فقہ، اصولِ فقہ اور علمِ حدیث وغیرہ تمام علوم و فنون کی کتابیں حضرت مفتی کفایت اللہ اور دیگر اساتذۂ مدرسہ سے پڑھیں، ۱۳۲۶ھ میں سندِ فراغ حاصل کی اور مدرسہ امینیہ میں ہی مدرس بن گئے، صحیح بخاری اور جامع ترمذی کے اطراف سنا کر شیخ العصر حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندی رحمہ اللہ سے حدیث کی اجازت حاصل کی اور ۱۳۲۸ھ میں دار العلوم دیوبند سے سندِ فضیلت حاصل کی، قطب العالم حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے بیعت ہوئے اور حضرت گنگوہیؒ کے خلیفہ حضرت مولانا شفیع الدین صاحب مہاجر مکیؒ سے خرقۂ خلافت حاصل کیا،

پھر مدرسہ اشرفیہ راندیر ضلع سورت صوبہ بمبئی میں صدر مدرس ہوئے اور سات سال تک صحاح ستہ کے علاوہ منطق و فلسفہ اور بلاغت کی کتابیں پڑھائیں، پھر چار سال تک "مدرسہ محمدیہ راندیر" میں صدر مدرس کی حیثیت سے صحاحِ ستہ کی تدریس کے فرائض انجام دیے۔

۱۳۳۸ھ سے ۱۳۶۸ھ تک مسلسل تیس سال صوبہ بمبئی میں افتاء میں مشغول رہے تاآنکہ ۱۳۷۰ھ میں دارالعلوم دیوبند میں صدر مفتی کی حیثیت سے ان کا تقرر ہوا اور تادمِ تحریر (۱۳۸۵ھ) وہاں افتاء اور دین و علم کی خدمت میں مشغول ہیں۔

دارالعلوم دیوبند میں دو مرتبہ امام طحاویؒ کی شرح معانی الآثار کا بحث و تحقیق کے ساتھ درس دیا۔

پہلا حج ۱۳۳۷ھ (۱۹۱۹ء) میں کیا اس کے بعد اب تک چار حج کر چکے ہیں، ان اسفار میں حرمین کے علماء و مشائخ سے ملاقاتیں ہوئیں، مختلف مسائل میں بطور افادہ و استفادہ ان سے علمی مذاکرے رہے اور وہاں کے اکابرِ مشائخ نے اجازتوں سے مشرف فرمایا، مکہ مکرمہ میں جن مشائخ سے اجازت حاصل ہوئی ان کے اسماء گرامی حسبِ ذیل ہیں:۔

شیخ احمد بن علی نجار الطائفی المکی الشافعی مدرسِ حرم، شیخ عمر بن ابی بکر جنید الشافعی وکیلِ حنابلہ۔ شیخ سید حسین بن علی المالکی، ماہر علوم عقلیہ و نقلیہ شیخ محمد مرزوقی، شیخ سید محمد بن ہاشم الحنفی، شیخ حبیب اللہ بن مایابی المالکی الشنقیطی، شیخ محمد حسن پشاوری مہاجرِ مکی مؤلف غنیۃ الناسک، شیخ عمر بن حمدان المحرسی المالکی، مولانا شیخ شفیع الدین الہندی مہاجرِ مکی وغیرہ۔

اور مدینہ منورہ میں جن مشائخ سے اجازت حاصل ہوئی ان کے اسماء گرامی یہ ہیں:۔

شیخ احمد شمس المالکی المغربی، شیخ محمد زکی بن شیخ علامہ سید احمد برزنجی الشافعی، قاضی القضاۃ شیخ ابراہیم بن عبدالقادر البری المدنی مدرسِ حرم مدنی، شیخ محمد عائش بن محمود الشافعی المصری المدنی، شیخ عبدالقادر الطرابلسی الحنفی، شیخ محمد طیب المغربی المالکی، محدثہ امۃ اللہ بنت شیخ محدث شاہ عبدالغنی مجددی مہاجر مدنی۔ شیخ عبداللہ بن حسین بن محسن الانصاری الیمنی، مولانا الشیخ خلیل احمد سہارنپوری مہاجرِ مدنی صاحب "بذل المجہود شرح سنن ابی داؤد"۔

مفتی صاحب کو شیخ محقق علامہ محمد زاہد الکوثری نزیلِ قاہرہ سے بھی بذریعہ خط اجازت حاصل ہوئی اور امام محمدؒ کی تصنیفات "کتاب الحجۃ علی اہل المدینۃ" اور "کتاب الآثار" کی اجازت امام العصر مولانا الشیخ

محمد انور شاہ الکشمیری سے حاصل کی۔

موصوف نے عربی اور اردو میں متعدد کتابیں لکھیں، عربی میں ان کی چند تالیفات کے نام حسب ذیل ہیں:۔

اللآلی المصنوعة فی الروایات المرجوحة، شرح کتاب الآثار، تین جلدوں میں، شرح کتاب الحجۃ، الدر الثمین، رجال کتاب الآثار، شرح بلاغات محمد فی کتاب الآثار، الاہتداء فی رد البدعۃ اور اردو میں مختلف موضوعات پر ان کی بہت سی کتابیں ہیں، ان میں سے چند نام یہ ہیں:۔

القاء اللمعۃ علی حدیث لاجمعۃ، اقامۃ البرہان، التحقیق المبین، قطع الوتین، بئس القرین، الاختلاف المبین، مفید القاری والسامع، التوضیحات، کشف الغمۃ عن سراج الامۃ، فراسۃ العریف، التحقیق التام فی حدیث اذا خرج الامام فلا صلاۃ ولا کلام، رفع الارتیاب، شمیم حیدری، ضربۃ الصمصام، اظہار دجل المرید، اظہار الصواب، اظہار اسرار المتحدثین، الاسعاف، التنویر فی حکم الجہر بالتکبیر، القول الصواب، طلوع بدر الرشاد وغیرہ۔

موصوف اردو میں بہت عمدہ ادیبانہ شعر کہتے ہیں اور کچھ اشعار ان کے عالمانہ ہیں، وہ اپنی تحریر میں بڑے طویل النفس ہیں، تکان اور اکتاہٹ ان کے قریب بھی نہیں پھٹکتی، ان کا عربی اسلوب تحریر بڑا آسان اور واضح ہے، اس میں کوئی گنجلک نہیں ہوتی، وہ صحاح ستہ اور دیگر کتب حدیث کے علم الرجال کے متخصص اور ممتاز عالم ہیں انہیں علمائے حنفیہ سے خصوصی شغف اور کتب رجال اور طبقات و تراجم کے اوراق میں سے علمائے احناف کے التقاط کا خصوصی اہتمام ہے، کثیر المطالعہ، شب بیدار، انتہائی مہمان نواز، کریم النفس، فراخ دست کشادہ رُو، اللہ کے دین کے معاملہ میں حمیت وغیرت ان پر غالب آجاتی ہے تو پھر کسی لومۃ لائم کی پروا نہیں کرتے، آج وہ کتب فتاویٰ کی وسعت معلومات میں اپنی نظیر نہیں رکھتے، چالیس برس سے زیادہ کا عرصہ گزرتا ہے کہ وہ کتب فتاویٰ کے مطالعہ کے لئے وقف ہیں، رمضان مبارک میں بکثرت عبادت کرتے ہیں، ہر رمضان میں اعتکاف کرتے ہیں اور قرآن کریم کے کئی کئی دور ختم کرتے ہیں، نرم خو، خاموش طبع صلح جو فقراء سے محبت اور علماء کا عزت واحترام کرتے ہیں، شکل وشمائل اور رہن سہن میں علماء کی سی زندگی بسر کرتے ہیں، عمر جو راسی کو پہنچ چکی ہے، مگر فتویٰ نویسی اور خدمت علم میں جوانوں کی سی ہمت ونشاط کے ساتھ منہمک ہیں، حق تعالیٰ ان کی عمر مبارک میں برکت فرمائے، اور اس دور میں ان کے سے رجال بکثرت پیدا کرے۔"

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع نور اللہ مرقدہٗ

۱۱ شوال ۱۳۹۶ھ (مطابق ۶ اکتوبر ۱۹۷۶ء) چہار شنبہ کو ایک بجے رات سرزمینِ پاکستان میں دار العلوم دیوبند کی آخری یادگار حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دنیائے فانی سے رخصت ہوگئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

مرحوم مختلف عوارض خصوصاً عارضۂ قلب میں کچھ عرصہ سے مبتلا ہو گئے تھے اور عوارض اور امراض و تکالیف کو قابلِ رشک صبر و تحمل سے برداشت کرتے رہے اور رضا بالقضاء کے اعلیٰ ترین مقام کے حصول اور ترقیٔ درجات سے مالامال ہوتے گئے اور کمال یہ ہے کہ بزرگوں کی صحبت و توجہات کی برکت سے طبیعت ایسی بن گئی تھی کہ آخر وقت تک علم و دین کے مشاغل سے وابستہ رہے، افتاء کی مجلسیں بھی ہوتی رہیں، تالیف و تصنیف کا سلسلہ بھی کسی نہ کسی صورت میں قائم رہا۔ علمی مشاورت اور دینی مسائل میں غور و خوض کا سلسلہ بدستور قائم رہا۔

امام العصر حضرت الاستاذ مولانا محمد انور شاہ رحمہ اللہ سے تلمذ و استفادے کے بعد حضرت مفتی صاحب کا ہمیشہ ظاہری و باطنی تعلق شاہ صاحبؒ سے قائم رہا۔ انقلاب کے زمانے میں جبکہ حضرت شاہ صاحبؒ دار العلوم سے جدا ہو گئے تھے۔ اس وقت بھی آپ کا تعلق ایک لمحے کے لئے منقطع نہیں ہوا تھا۔ برابر حاضری ہوتی رہی۔ کیا مجال ہے کہ تعلق و عقیدت و ارادت میں ذرا بھی فرق آئے۔ انہی دنوں میں جب کہ اختلاف و افتراق شباب پر تھا۔ حضرت مفتی صاحب حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کی خدمت میں زیارت و عیادت کے لئے حاضر ہوئے اور دو روپے ہدیۂ عقیدت پیش کیا۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے نہایت محبت و شفقت سے قبول فرمایا۔

حضرت مفتی صاحب کی علمی زندگی میں حضرت شاہ رحمہ اللہ کی توجہات کا بہت بڑا دخل رہا۔ بالکل ابتدائی دور میں جب معارف اعظم گڈھ میں فوٹو کے جواز پر ایک مبسوط مقالہ آیا جو درحقیقت شیخ محمد بخیت مطیعی شیخ الازہر کے رسالہ اباحۃ الصور الفوتوغرافیۃ کا ترجمہ تھا اور اچھا خاصا محققانہ علمی انداز تھا۔ کیونکہ شیخ محمد بخیت اپنے دور میں مصر کے سب سے بڑے عالم و محقق سمجھے جاتے تھے اور مذاہبِ امت کے ادلہ و تفصیلات میں بقول حضرت شیخ محمد زاہد الکوثریؒ

آیة من آیات اللہ تھے[1]، جب یہ مقالہ شائع ہوا تو حضرت مولانا انور شاہ صاحب رحمہ اللہ کو اس کی فکر ہوئی اور اپنے حلقۂ تلامذہ میں سے حضرت مفتی صاحب کو بلایا اور فرمایا کہ اس کا جواب لکھیں، چنانچہ حضرت مفتی صاحب نے ان کی علمی راہنمائی میں "القاسم" (ماہنامہ دارالعلوم دیوبند) میں اس پر ایک مفصل علمی و تحقیقی مضمون لکھا جو بعد میں التصویر لاحکام التصویر کے نام سے مستقل رسالہ کی شکل میں شائع ہوا حضرت شاہ صاحبؒ ہی کی راہنمائی میں آیت خاتم النبیین کی شرح تفسیر عمدہ ادیبانہ انداز سے عربی میں تالیف فرمائی جو "ھدیة المھدیین" کے نام سے شائع ہوئی اس پر حضرت امام العصر رحمہ اللہ کی قابل رشک تقریظ ہے اس کے چند جملے ملاحظہ ہوں :-

أما بعد : فإن صاحبنا الأحوذی المولوی محمد شفیع الدیو بندی وفقہ اللہ لما یحب ویرضاہ جمع باستدعائی رسالتہ "ھدیة المھدیین فی آیة خاتم النبیین" جزاہ اللہ عنی وعن سائر المسلمین خیر الجزاء وقد سرد فیہ نحو مائتہ وخمسة وستین حدیثاً فی انقطاع النبوة بعد ما بعث اللہ نبیہ محمداً أصطفاہ الی قولہ. وھاک رسالةٌ تفسیریةٌ حدیثیةٌ کلامیةٌ فقھیةٌ وبعد ذلك کلہ أدبیةٌ یسری ألفاظھا کسرایة الروح فی البدن و یقع فی قلب المؤمن کحلاوة الإیمان ویجری فی العروق کمحض اللبن .

"ہمارے رفیق دانشمند مولوی محمد شفیع دیوبندی نے، اللہ تعالیٰ انہیں اپنی مرضیات کی توفیق عطا فرمائے میری فرمائش پر رسالہ ھدیة المھدیین فی آیة خاتم النبیین جمع کیا ہے، اللہ تعالیٰ انہیں میری طرف سے اور تمام مسلمانوں کی جانب سے جزائے خیر عطا فرمائیں اس میں اس مضمون کی قریباً ۱۶۵ حدیثیں ذکر کی ہیں کہ بعثتِ محمدیہؐ کے بعد نبوت ختم ہو چکی ہے، یہ رسالہ تفسیری بھی ہے اور حدیثی بھی، کلامی بھی اور فقہی بھی اور ان تمام امور کے ساتھ ساتھ ادبی بھی جس کے الفاظ روح کی طرح بدن میں سرایت کرتے ہیں، حلاوتِ ایمان کی طرح قلبِ مومن میں جاگزیں ہوتے ہیں اور خالص دودھ کی طرح رگ و پے میں گردش کرتے ہیں :" اے رفیق ! اس گلشن کی سیر کرو،

---

[1] قاہرہ میں، ۱۳۵۷ھ (۱۹۳۸ء) کی ایک مجلس میں راقم الحروف نے حضرت شیخ محمد زاہد الکوثریؒ سے عرض کیا کہ آپ ان کے کمالات کے بیان میں اتنا غلو فرماتے ہیں کہ استحضارِ مذاہب ائمہ میں ان کو آیة من آیات اللہ فرماتے ہیں، حالانکہ فلاں فلاں مسائل وحوادث میں ان کی فقہی رائے بہت کمزور ہے اس پر شیخ کوثریؒ نے فرمایا : "نعم کان غیر موفق فی النوازل یعنی جی ہاں ! جدید مسائل وحوادث میں صائب الرائے نہیں تھے"۔

هلمّ یا صاح إلی روضة يجلو بها العاني صدا همه — جس سے ایک غم زدہ شخص اپنے ہموم و افکار کا زنگ دور

نسيمها يعثر في ذيله وزهرها يضحك في كمه — کرتا ہے اس کی بادِ صبا اس کے دامن سے اٹھکیلیاں کرتی ہے اور اس کی کلیاں اس کے دامن میں مسکراتی ہیں۔"

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کے رسالہ "التصریح بما تواتر فی نزول المسیح" کو حضرت مفتی صاحب نے مرتب فرمایا اور اس پر ایک بہترین ادیبانہ اور فاضلانہ مقدمہ لکھا جو بجائے خود ایک مستقل رسالہ ہے[1]۔ اس طرح حضرت شیخ رحمہ اللہ کی توجہات سے ان کی علمی قابلیت اور ردِّ قادیانیت کے سلسلہ میں ان کی خدمات میں روز افزوں ترقی ہوتی گئی اور حضرت شیخ رحمہ اللہ سے نسبت میں قوت پیدا ہوتی چلی گئی۔

جس وقت میں نے اپنا رسالہ "بغیة الأریب فی أحکام القبلة والمحاریب" مرتب کیا اور بعض مآخذ و مراجع دیکھنے کے لئے پشاور سے سفر کرکے دیوبند حاضر ہوا تھا اور پھر خیال ہوا کہ اکابر و اساتذہ کی کچھ تقریظیں بھی تبرک کے لئے لکھواؤں، اس وقت حضرت مولانا محمد شفیع صاحب دارالعلوم دیوبند کے منصبِ افتاء پر فائز تھے، جب رسالہ دیکھا بہت ہی خوش ہوئے اور بے حد متاثر ہوئے اور فرمایا کہ اس پر ایسی تقریظ لکھنے کو جی چاہتا ہے جس طرح حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے رسالہ "ھدیة المهديين فی آية خاتم النبيين" پر تقریظ لکھی ہے، اسی رسالہ (ھدیة المهديين) کے متن سے آئندہ ختم النبوۃ فی القرآن ختم النبوة فی الأحادیث اور ختم النبوة فی الآثار تینوں رسالے بطور شرح مرتب ہوئے۔

مقدمہ بہاول پور میں حضرت امام العصر شاہ صاحبؒ کے دستِ راست رہے اور آپ ہی کے

---

[1] رسالہ التصریح بما تواتر فی نزول المسیح کی روشنی میں حضرت مفتی صاحبؒ نے "مسیح موعود کی پہچان" کے نام سے ایک اور رسالہ لکھا جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ان تمام علامات کو جو قرآن و حدیث میں وارد ہیں مرتب کرکے ثابت کیا کہ قادیان کے نام نہاد مسیح مرزا غلام احمد قادیانی میں ان میں سے ایک علامات بھی نہیں پائی جاتی ہے جس سے ہر ادنیٰ عقل و فہم کا آدمی کا بھی یہ نتیجہ اخذ کرسکتا ہے کہ مرزائے قادیان کا دعوی مسیحیت و مہدویت محض کذب و افتراء ہے، یہ نفیس رسالہ بارہا چھپ چکا ہے۔

قلم سے حضرت شیخ رحمہ اللہ کی دقیق وعمیق تعبیرات سہل اردو میں مرتب ہوئیں جو مقدمہ بہاول پور کے نام سے معروف ہے اور فرمایا کہ ایک رات اسی کام میں ایسی گذری کہ عشاء کے بعد سے صبح تک اس کی تکمیل میں مشغول رہا، اس طرح حضرت شیخ کی دعاؤں و توجہات کے مرکز بنے رہے، ۱۹۷۴ء میں قادیانی مسئلہ کے سلسلہ میں جو محاذ قائم ہوا تھا اور حضرت شیخ کے جوتوں کے صدقے میں حق تعالیٰ نے راقم الحروف سے کام لیا، اس کے لئے حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کے صاحبزادے عزیز گرامی برادرم مولانا تقی صاحب کو میں نے راولپنڈی میں بلایا تھا "مسئلہ قادیانیت میں اُمتِ اسلامیہ کے مؤقف" کی ترتیب و تالیف میں برادرِ موصوف نے ایک دفعہ پوری رات گذار دی، ایک لمحہ کے لئے بھی آرام نہ کر سکے، میں نے حضرت مفتی صاحب سے فون پر اور بعد میں زبانی یہ عرض کیا تھا کہ آپ کے مقدمہ بہاول پور اور حضرت شیخ کی خدمت ومساعدت سے پوری مشابہت اللہ تعالیٰ نے فرمادی جس سے حضرت مفتی صاحب بہت خوش ہو گئے، اس طرح اللہ تعالیٰ نے برادر موصوف کو اپنے والدِ محترم کا صحیح خلف الرشید بنایا، فطوبیٰ له هذه السعادة وهنيئاً له بهذه الخلافة.

الغرض حضرت مفتی صاحب کی علمی طبیعت ومزاج میں حضرت شیخ رحمہ اللہ کی توجہات کو بڑا دخل ہے جس طرح حضرت حکیم الاُمت تھانوی قدس سرہٗ کی توجہات سے یہ مزاج بن گیا کہ وقت کی قدر ہو اور ضیاعِ وقت سے احتراز کیا جائے اور مفیدِ عوام تالیفات سے دین کی خدمت کی جائے۔

حضرت مرحوم کی خصوصیات وتالیفات اور دارالعلوم کراچی کی تاسیس پر اور ادارہ المعارف قائم کرنے پر لکھنے والے بہت کچھ لکھیں گے اور لکھتے رہیں گے مجھے تو صرف یہ لکھنا ہے کہ بیک وقت وہ دارالعلوم دیوبند اور تھانہ بھون دونوں کی جامع شخصیت تھے اور دونوں کے صحیح نمائندے تھے اور علم وفضل کے ساتھ مزاج میں بے حد سادگی تھی، نہایت متواضع تھے، اہلِ علم وفضل کے بڑے قدر دان تھے، باوقار بردبار تھے، ۱۳۴۴ھ سے لے کر آج ۱۳۹۶ھ تک میرا ان کا تعلق رہا، ابتداء سے انتہا تک جو چیز نظر آئی وہ یہ ہے کہ علمی شغف، علمی قدر دانی، دیوبند اور تھانہ بھون کے صحیح مسلک ومشرب کی نمائندگی کا صحیح حق ادا کیا، حضرت مفتی صاحب کو حق تعالیٰ نے بہت سی نعمتوں سے نوازا، اور اولادِ صالح کی نعمت سے مرحوم کی آنکھیں ٹھنڈی ہوئیں اور اپنی عمر کے آخری مراحل میں "معارف القرآن" جیسی تفسیر کے ذریعہ سے علمی ودینی خدمت انجام دے کر آخرت کے لئے بہت ذخیرہ جمع فرمایا۔

مجھے اس کا صدمہ ہے کہ جنازے کی شرکت سے محروم رہا، حضرت کے وصال سے ۱۲ گھنٹہ قبل میں ایک ضروری کام سے سکھر پہنچ گیا تھا، وصال کی صبح کو اطلاع ملی، بہت کوشش کی کہ کسی طرح جنازے میں شامل ہو سکوں، موئن جو داڑو کے ایئر پورٹ تک ۹۰ میل بذریعہ ٹیکسی سفر کیا کہ شاید ہوائی جہاز میں کوئی سیٹ مل جائے اور اس طرح یہ آرزو پوری ہو جائے لیکن افسوس کہ بے نیل مرام واپس آیا۔ ۵ گھنٹہ کی تگ و دو سے ایک طرف شکستہ بدن اور دوسری طرف مقصد میں ناکامی سے شکستہ اور حسرتوں کو دل میں لے کر واپس آیا، حق تعالیٰ اس نحیف البدن خفیف الروح عالم باعمل کے درجات بلند فرمائے اور تمام زلات وسیئات معاف فرما کر رضوان ورحمت کے عالی مقامات پر پہنچائے، جنت الفردوس میں مقام نصیب فرمائے، آمین اور ان کی صالح ذرّیت کو ان کا صحیح جانشین بنائے۔ مولانا محمد احمد تھانوی صاحب نے تاریخ وفات میں متعدد مواد نکالے ہیں ایک ان میں سے "موت العالم الصالح موت العالم" ہے۔

حضرت مولانا اطہر علی رحمہ اللہ تعالیٰ

یہ معلوم ہو کر مزید صدمہ ہوا کہ اسی رات اسی تاریخ کو حضرت مولانا اطہر علی صاحب خلیفہ مجاز حضرت تھانویؒ کا ڈھاکے میں طویل علالت کے بعد انتقال ہوا، إنا للہ وإنا إلیہ راجعون، مرحوم بنگلہ دیش کے ممتاز ترین عالم تھے، علمی وسیاسی خدمات میں مشہور بزرگ تھے جس وقت بنگلہ دیش مشرقی پاکستان تھا اس وقت مرکزی قومی اسمبلی کے ممبر بھی رہ چکے تھے، کچھ عرصہ نظام اسلامی پارٹی کے صدر بھی رہے اسی دوران ایک دفعہ سالانہ عظیم اجتماع میں حضرت مفتی محمد شفیع صاحب اور راقم الحروف کو بھی دعوت تھی، ایک جلسہ کی صدارت راقم الحروف کے ذمہ تھی، خطبۂ صدارت اردو بنگلہ میں شائع کیا گیا تھا، اور ایک جلسہ کے صدر حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ تھے "جامعہ امدادیہ" کے نام سے کشور گنج میں ایک عظیم درس گاہ کے بانی تھے، یہ مدرسہ جو اپنی تعمیری خصوصیات میں سب سے ممتاز تھا، کچھ عرصہ راقم الحروف اس کی مجلس شوریٰ کا رکن بھی رہا بلکہ علمی مشیر بھی، مرحوم بنگلہ دیش (سابق مشرقی پاکستان) کے علماء وفضلاء میں جامع شخصیت تھے، وہ عالم بھی تھے، صوفی بھی، دیوبند کے فاضل تھے، تھانہ بھون کے فیض یافتہ بھی تھے، حضرت حکیم الامت کے خلیفہ تھے، سیاسی خدمات میں بھی حصہ لیتے تھے بلکہ عملی سیاسیات میں حصہ لینے سے مدرسہ کی علمی حیثیت کو نقصان پہنچتا رہا اور بسا اوقات وقتی مصالح کے پیش نظر اس

کا فائدہ اٹھایا گیا لیکن مستقل طور پر مدرسہ کی حیثیت مجروح ہوتی گئی، جدید انقلاب میں افسوس کہ بہت شدید ابتلاء کے دور سے گذرے، جیل میں بھی رہے، آخر بہت سے ناقابلِ برداشت صدمات سے دوچار ہو کر اس دنیا فانی سے ہمیشہ کے لئے رخصت ہو گئے حق تعالیٰ مرحوم کو جنت الفردوس نصیب فرمائے اور ان کی علمی خدمات کو قبول فرمائے اور ان کے زلات کو عفو فرما کر درجات عالیہ سے سرفراز فرمائے۔ آمین

ذی قعدہ ۱۳۹۶ھ ، نومبر ۱۹۷۶ء

جناب نواب محمد مسعود علی رحمہ اللہ تعالےٰ

افسوس کہ ہمارے محترم کرم فرما جناب عشرت علی قیصر کے والدِ محترم جناب محمد مسعود علی صاحب طویل علالت کے بعد بپنجشنبہ، شوال ۹۷ھ کو واصل بحق ہوئے، إنا للہ وإنا إلیہ راجعون۔ مرحوم کی بعض صفات وکمالات دیکھ کر رشک آتا تھا کہ اس پُر آشوب دور میں قوتِ ایمان کے ایسے دل کش نمونے موجود ہیں، حدیثِ بخاری شریف میں جن سات اشخاص کے بارے میں لسانِ نبوت سے یہ بشارت سنی تھی اور پڑھی تھی کہ سات اشخاص قیامت کے روز میدانِ حشر میں عرشِ عظیم کے سایہ تلے ہوں گے۔ ان میں ایک شخص کے بارے میں یہ الفاظ ہیں «ورجل قلبہ معلق فی المساجد» کہ ایک شخص وہ ہے جس کا دل ہر وقت مسجد میں رہتا ہے، پہلی مرتبہ اس کا مصداق مرحوم کو دیکھا کہ ہر وقت مسجد کی حاضری کی فکر دامنگیر رہتی تھی، نماز پڑھ کر آتے ہی دوبارہ دوسری نماز کی فکر کا شدید تقاضا شروع ہو جاتا، بیماری اور بے ہوشی کے عالم میں بھی مسجد جانے کی فکر اور تقاضا رہا، اس آخر عمر میں مسجد بہت پہلے پہنچتے تھے خود اذان اقامت کی خدمت انجام دیتے تھے، دوسری قابلِ غبطہ بات یہ دیکھی کہ ہر وقت زبان پر ذکر اللہ جاری رہتا، حدیثِ نبوی میں ہے «لا تزال لسانك رطباً من ذکر اللہ» کہ تمہاری زبان اللہ کی یاد سے ہر وقت تروتازہ رہے۔ اس حدیث کا مصداق آپ کی ذاتِ گرامی کو دیکھا، حق تعالےٰ درجاتِ عالیہ جنت الفردوس میں نصیب فرمائے اور بال بال مغفرت فرمائے اور اس جانکاہ حادثہ میں ہمارے کرم فرما قیصر صاحب کو اور ان کی بقیہ اولاد کو صبرِ جمیل اور اجرِ جزیل نصیب فرمائے اور تمام پسماندگان کو اجرِ عظیم عطا فرمائے۔ آمین

ذوالقعدہ ۱۳۹۷ھ

حضرت مولانا محمد احمد تھانوی رحمہ اللہ تعالےٰ

افسوس کہ سال ۱۳۹۶ھ کے اختتام پر کئی اکابر کی وفات کے حوادث پیش آئے. حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی (دارالعلوم دیوبند کے مفتی اور پاکستان کے مفتی اعظم تلمیذ امام العصر مولانا انور شاہ و مجاز بیعت حضرت حکیم الامت تھانوی) نے سفر آخرت اختیار کیا. جناب عارف باللہ بابا نجم احسن صاحب مجاز صحبت حضرت حکیم الامت تھانوی واصل بحق ہوئے اور حضرت مفتی کفایت اللہ رحمہ اللہ کے شاگرد رشید مولانا نیاز محمد بنوی بانی دارالعلوم الاسلامیہ لکی مروت ضلع بنوں راہئ دار آخرت ہوئے. رحمھم اللہ جمیعًا و أسکنھم اللہ دار النعیم. حسرت و افسوس ہے کہ سال ۱۳۹۷ھ کے آغاز پر دو حادثے پیش آئے، ایک حادثہ یہ کہ مولانا محمد احمد تھانوی (برادر خورد حضرت مولانا جمیل احمد تھانوی) نے اس دار فانی سے رحلت فرمائی. إنا للہ وإنا إلیہ راجعون. مرحوم عالم تھے فاضل تھے، جامعہ اشرفیہ سکھر کے بانی و مہتمم تھے اور مادہ ہائے تاریخی کے استخراج میں یکتائے وقت تھے. ان دو تین سالوں میں بڑے بڑے واقعات و حوادث اور وفیات کے تاریخی مادے نکالنے میں مرحوم نے اپنے جوہر دکھائے. کسے کیا معلوم تھا کہ یہ تاریخ نگار جو ۱۳۹۶ھ کے اختتام تک اکابر کے تاریخی مادے نکالتا رہا وہ سال نو (۱۳۹۷ھ) کے بالکل آغاز ہیں، محرم کو خود سالِ نو کی تاریخی شخصیت بن جائے گا. یہ عبرت کدۂ عالم کے تاریخی بصائر ہیں جو چشم بصیرت کے لئے درسِ عبرت ہیں اور آنسو بہانے کے لئے سامانِ حزن و ملال.

سنی حکایتِ ہستی تو درمیاں سے سنی   نہ ابتداء کی خبر، نہ انتہا معلوم

اللہ تعالےٰ مرحوم کی بال بال مغفرت فرمائے اور جنت الفردوس نصیب فرمائے اور ان کی ذریت کو ان کا خلف الصدق بنائے آمین.

حضرت مولانا عبدالماجد دریا بادی رحمۃ اللہ علیہ

دوسرا حادثہ مولانا عبدالماجد دریابادی مدیر "صدق" کی وفات کا ہے. مرحوم نے صرف عمر طبعی پوری نہیں کی بلکہ تقریبًا ایک صدی مراحلِ عمر طے کرکے سفر آخرت پر روانہ ہوئے، مرحوم ایک مفکر، صاحب بصیرت، فلسفی مزاج، حقیقت آگاہ شخصیت تھے. آخری ساٹھ سالہ زندگی کا شاید ایک لمحہ بھی مرحوم نے ضائع نہیں کیا، ہماری نگاہ میں حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ کے بعد پہلی شخصیت ہے جس نے نظم و ضبط کے ساتھ تمام علمی مشاغل جاری رکھے جس میں کوئی خلل نہیں آنے دیا. اردو میں مخصوص ادبی اسلوب کے مالک تھے اور ایک

خاص طرزِ انشا کے ممتاز ترین ادیب تھے اور متحدہ ہندوستان میں جو ممتاز اربابِ قلم گذرے ہیں ان میں سے ایک ممتاز فرد تھے۔ احادیث اور قرآنی آیات سے اصلاحی نکات کے استنباط کا اچھا سلیقہ اللہ تعالیٰ نے ان کو عطا فرمایا تھا، مرحوم رسمی عالم نہ تھے لیکن باوجود اس کے اپنی علمی صلاحیت سے بڑا کام لیا، قرآنِ کریم کی تفسیر تین جلدوں میں لکھی اور عربی دان طلبہ پر بڑا احسان کیا کہ عربی تفسیر کی اصلی عبارتیں سب نقل کر دیں، رسمی عالم نہ ہونے کی وجہ سے اور اربابِ کمال اور اربابِ علوم نبوّت سے راسخ صحبت کے نہ ہونے سے عقیدے میں پختگی نہ آ سکی۔ بہرحال اللہ تعالیٰ مرحوم کو اپنی مغفرت و رحمت سے نوازے اور سیئات و زلّات سے درگذر فرما کر خادمانِ دین کی صف میں جگہ نصیب فرمائے۔ آمین

صفر المظفر ۱۳۹۷ھ ۔ فروری ۱۹۷۷ء

حکیم عبدالسلام رحمہ اللہ تعالےٰ

افسوس کہ مورخہ ۲ صفر ۱۳۹۷ھ ۲۲ جنوری ۱۹۷۷ء ہمارے کرم فرما مخلص دوست جناب حکیم عبدالسلام صاحب ہزاروی مختصر علالت کے بعد ہم سے ہمیشہ کے لئے جدا ہو گئے، اِنا للہ و اِنا الیہ راجعون مرحوم سے میری پہلی ملاقات ۱۹۳۲ء میں ہری پور میں ہوئی جبکہ مرحوم میرپور میں سکونت پذیر تھے (ہری پور کے مضافات میں ایک چھوٹی سی بستی تھی) اس وقت مرحوم "پیغامِ سرحد" ایک ہفتہ وار اخبار میں طبع آزمائی کرتے تھے، مرحوم نہایت باوقار سنجیدہ، بااخلاق صحیح العقیدہ صحیح المسلک تھے، اکابرِ دیوبند و دہلی سے وابستہ تھے۔ سیاسی ذہن حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی اور حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب کا تھا۔ اسی پلیٹ فارم پر سیاسی خدمات انجام دیا کرتے تھے اور متعدد بار قید و بند کا نشانہ بنے لیکن پائے استقامت کو کبھی لغزش نہیں ہوئی۔ علماء اور فضلائے سے ملاقات میں بہت مسرت اور روحانی کیف محسوس کرتے تھے اور ان کا مکان انہی علماء و فضلاء کا مہمان خانہ تھا۔ اچھے خاصے طبیب تھے۔ مرحوم مولانا حکیم اجمل خان صاحب سے طبی استفادہ بھی کر چکے تھے اور ان سے شرفِ تلمذ بھی حاصل تھا، آخری حیات میں بھی طبِ یونانی معاشی ذریعہ تھا لیکن چونکہ دماغ سیاسی تھا باوجود طبی مشاغل کے سیاسی افکار سے کبھی فارغ نہیں رہے، پاکستان میں جب یونانی طب کو باقاعدہ بنانے کے لئے نیم سرکاری ادارہ "آل پاکستان طبی بورڈ" قائم ہوا مرحوم اس کے چیئرمین مقرر ہوئے اور ملک کے طول و عرض میں دورے کرنے پڑے اور طبی امتحانات لیتے رہے اور سرٹیفکیٹ جاری کرانے میں نیک نیتی اور حسنِ اخلاق کا ثبوت دیتے رہے، مرحوم خوش روح، ہنس مکھ، خوش مزاج تھے اور بہت سے خوبیوں کے مالک تھے ؏ "خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را" اللہ تعالےٰ بال بال مغفرت فرمائے اور حسنِ عقیدہ اور حسنِ کردار کی برکات سے مالامال فرمائے، امید ہے کہ مرحوم کے صاحبزادے مولوی عبدالرشید ان کے صحیح جانشین ثابت ہوں گے اور جناب طارق صاحب بھی ان کے نام کو روشن کریں گے۔

ربیع الاول ۱۳۹۷ھ، مارچ ۱۹۷۷ء